عام لسانیات

پروفیسر گیان چند جین

عام لسانیات

عام لسانیات

پروفیسر گیان چند جین

ترقی اردو بیورو نئی دہلی

AAM LISANIYAT
Prof. GIAN CHAND JAIN

سنہ اشاعت: اپریل، جون ــــ 1985 شک ــ 1907

© ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

پہلا اڈیشن: 1000

قیمت: -/75

سلسلۂ مطبوعات ترقی اردو بیورو 468

ناشر: ڈائرکٹر ترقی اردو بیورو، ویسٹ بلاک 8 آر کے پورم نئی دہلی-110066

طابع: سُپر پرنٹرز ساؤتھ انار کلی دہلی

پیش لفظ

کوئی بھی زبان یا معاشرہ اپنے ارتقاء کی کس منزل میں ہے، اس کا اندازہ اس کی کتابوں سے ہوتا ہے۔ کتابیں علم کا سرچشمہ ہیں، اور انسانی تہذیب کی ترقی کا کوئی تصور ان کے بغیر ممکن نہیں۔ کتابیں دراصل وہ صحیفے ہیں جن میں علوم کے مختلف شعبوں کے ارتقاء کی داستان رقم ہے اور آئندہ کے امکانات کی بشارت بھی ہے۔ ترقی پذیر معاشروں اور زبانوں میں کتابوں کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ سماجی ترقی کے عمل میں کتابیں نہایت موثر کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اُردو میں اس مقصد کے حصول کے لیے حکومتِ ہند کی جانب سے ترقی اُردو بیورو کا قیام عمل میں آیا جسے ملک کے عالموں، ماہروں اور فن کاروں کا بھرپور تعاون حاصل ہے

ترقی اُردو بیورو معاشرہ کی موجودہ ضرورتوں کے پیش نظر اب تک اُردو کے کئی ادبی شاہکار، سائنسی علوم کی کتابیں، بچوں کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت زراعت لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شائع کر چکا ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مختصر عرصے میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ بیورو سے شائع ہونے والی کتابوں کی قیمت نسبتاً کم رکھی جاتی ہے تاکہ اُردو والے ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکیں۔

زیرِ نظر کتاب بیورو کے اشاعتی پروگرام کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ امید کہ اُردو حلقوں میں اسے پسند کیا جائے گا۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم
ڈائرکٹر ترقی اُردو بیورو

انتساب

بہزار عقیدت و احترام کے ساتھ

پروفیسر محمد مجیب کے نام

جو لسانیات کے مردِ میدان نہیں

لیکن جو اردو زبان کے ماہر تھے اور اردو کی بہترین روایات کے نمائندے۔ جو سیکولرزم،
صلح کل مشرب اور دوسری انسانی قدروں کے بہترین حامل تھے جن کے پاس ایک عالم کا دماغ
اور سالک کا دیدۂ دل تھا۔

فہرست

عرضِ مصنّف

تمتّع ز ہر گوشہ یافتم   ز ہر خرمنے خوشہ یافتم

۱۹۵۶ء میں حمیدیہ کالج بھوپال میں تھا۔ اس سال وہاں ایم۔ اے اردو کی جماعت کھولی گئی۔ گو یہ کالج نوزائیدہ وکرم یونیورسٹی اجین سے ملحق ہوا لیکن پہلے سال آگرہ یونیورسٹی کا نصاب اختیار کر لیا گیا۔ اس نصاب میں لسانیات کا ایک پرچہ بھی تھا جو لسانیات پر ایک اتہام تھا، جس میں منشی احمد دین کی سرگذشت الفاظ اور وحید الدین سلیم کی وضع اصطلاحات جیسی کتابیں تھیں۔ میں نے ایم۔ اے ہندی کے لسانیات کے پرچے کا نصاب دیکھا۔ معلوم ہوا ہندی میں عام لسانیات کا ایک معیاری نصاب بن چکا ہے جو بیشتر یونیورسٹیوں کے ایم۔ اے میں پڑھایا جاتا ہے۔ میں نے ہندی کی عام لسانیات کی کتابیں پڑھیں جن میں ڈاکٹر بھولا ناتھ تیواری کی بھاشا وگیان کو بہتر پایا۔ چونکہ وکرم یونیورسٹی اور حمیدیہ کالج دونوں میں اردو کے امور مجھ سے متعلق تھے اس لیے میں نے طے کیا کہ وکرم کے اردو لسانیات کے پرچے کو ہندی کے برابر لے آؤں گا اور اردو میں اس موضوع پر ایک کتاب لکھ دوں گا۔ آئندہ سال پہلی شق پر عمل کر دیا گیا۔

میں نے ۱۹۵۶ء میں عام لسانیات کی کتاب لکھنے کا ارادہ کیا۔ ایک دن ریڈیو پر اردو کی نئی کتابوں پر تبصرہ آیا۔ مقرر نے پروفیسر عبد القادر سروری کی "زبان اور علم زبان" کا ذکر کیا۔ نام سنتے ہی میرا ماتھا ٹھنکا۔ جب اس کے ابواب کی شرح کی گئی تو مجھ پر بجلی سی گر پڑی معلوم ہوا کہ زمیندار ان زمینوں کو پہلے ہی اٹھا چکے ہیں۔ میں نے اپنا ارادہ موقوف کر دیا۔ سروری صاحب نے ازراہِ ثواب کتاب کی ایک جلد مجھے تفویض کر دی اور میں نے اسے اپنے کورس میں لگا دیا۔ کئی سال اسے پڑھایا گیا، لیکن ہمیشہ ایک تشنگی کا احساس ہوتا تھا۔ کہاں بھولا ناتھ تیواری کی ہندی کتاب کہاں مرحوم کی ابتدائی ڈھنگ کی کتاب۔ ایسا محسوس ہوا کہ اردو مجھ سے مطالبہ کر رہی ہے کہ اس موضوع پر ایک سیر حاصل کتاب لکھ۔ میں نے لبیک کہا لیکن صوتیات ایسی بلا تھی جو کتاب

سے پڑھنے سے پہلے ہی نہ پڑتی تھی۔ اس سے متعارف ہونے کے لیے میں نے ۱۹۶۱ء میں ساگر میں منعقدہ گرمائی اسکولِ لسانیات میں حاضری دی۔ صوتیات کی شُد بُد ہوئی تو ہوس ہوئی کہ مارفالوجی اور نحو بھی باقاعدہ پڑھا جائے تو بہتر ہے ۱۹۶۲ء میں کرناٹک یونیورسٹی دھارواڑ میں منعقدہ اسکولِ لسانیات میں اگلا سبق پڑھا۔ لسانیات کے جو مسائل ذہن میں ابھرتے تھے ان پر اساتذہ سے تبادلۂ خیالات کیا اور پھر بسم اللہ کہہ کر کتاب کا آغاز کر دیا۔ یاد نہیں کہ شروعات ۱۹۶۱ء ہی میں کر دی تھی کہ ۶۲ء میں کی۔

اس کے بعد سے رکتے ٹھہرتے اس کتاب کو لکھتا رہا۔ چند ابواب لکھے تھے کہ ۶۵ء میں جموں منتقل ہو گیا۔ جب ترقی اردو بیورو بنا اور میں اس کی لسانیات کمیٹی میں لیا گیا تو مختلف حضرات کو کتابیں لکھنے کی ذمہ داری تقسیم کی گئی۔ میں نے عام لسانیات کی کتاب اپنے نام لکھا لی کہ میں اس پر پہلے ہی سے کام کر رہا تھا۔

مطالعہ جاری رہا۔ اپنی کم مائگی کا احساس بڑھتا گیا۔ جموں میں لسانیات کی کتابیں نہ تھیں۔ خریدیں لیکن کتاب لکھنے کے لیے جو ذخیرہ چاہیے وہ میسّر نہ ہوا۔ اگر میں کہیں ایسے ادارے میں ہوتا جہاں لسانیات کی کتابیں بقدرِ مالیت موجود ہوتیں تو اس کتاب کا نقشہ بہت بہتر ہوتا۔ بہر حال وقت کے ساتھ ساتھ میرے لسانیاتی علم کا نشو و نما ہوتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بھوپال میں لکھے ہوئے سب ابواب کو از سرِ نو لکھنا پڑا۔

میرا لسانیات کا علم کتنا کم ہے۔ سرمائے کی اس کمی کے ساتھ اتنی بڑی عمارت تعمیر کرنے کی ہوس، دیکھنے کی چیز ہے۔ جب علما، اس طرف نہیں بڑھے تو مجھ ظلوم و جہول ہی نے یہ ذمّہ داری قبول کی۔ مجھے کتنی محنت کرنی پڑی ہے! دوسروں کو اس کتاب سے فائدہ ہو کہ نہ ہو مجھے ضرور ہوا کہ میں نے اس کتاب میں جن موضوعات پر لکھا ہے اُن پر پڑھ کر اور سمجھ کر لکھا ہے۔ انھیں کچھ نہ کچھ تو جان ہی گیا ہوں۔ ویسے میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ اس کتاب میں کہیں میری تحقیق نہیں۔ یہ کتاب تصنیف نہیں تالیف۔ ایک کہاوت ہے "اگر تم نو کتابیں پڑھو تو دسویں کتاب تصنیف کر سکتے ہو"۔ میں نے نو سے زیادہ کتابیں پڑھی ہیں، ماہرین سے تبادلۂ خیالات کیا ہے۔ کتنی زیادہ محنت کی ہے اور کتنا کم حاصل کیا ہے میں نے اس کتاب کو لکھتے لکھتے عاجز آ گیا ہوں زِچ ہو گیا ہوں۔ ۱۴ سال، بلکہ ایک طرح سے ۱۹ سال تک یہ آسیب، پیرِ تسمہ پاک کی طرح میرے اوپر مسلّط رہا ہے۔ میں نے اپنی کسی دوسری کتاب کی تصنیف میں اتنی دیدہ ریزی

نہیں کی جتنی اس بے فیض موضوع میں۔ اس کے باوجود میں نے جو کچھ پیدا کیا ہے وہ تالیف ہے، تصنیف نہیں، تحقیق نہیں۔

کتاب کی ضخامت بڑھ گئی ہے۔ دفتر ہوگیا ہے۔ معذرت چاہتا ہوں لیکن اپنی کم مائگی برداشت کر سکتا ہوں اردو کی کم مائگی نہیں۔ جی چاہتا تھا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ سب کا سب تو پیش کر ہی دوں جو میں نہیں جانتا اس پر بھی لکھ ماروں۔ انگریزی کی کتابوں کو دیکھ کر للچایا اور مخدوم کی رومانی زبان میں یہ حرکت کی

کچھ قوسِ قزح سے رنگت لی، کچھ نور چرایا تاروں سے
بجلی سے تڑپ کو مانگ لیا، کچھ کیف اڑایا بہاروں سے
پھولوں سے مہک، شاخوں سے لچک اور منڈؤں سے ٹھنڈا سایہ
جنگل کی کنواری کلیوں نے دے ڈالا اپنا سرمایہ

یہ نہ دیکھیے کہ میں نے کہاں کہاں سے مال اڑایا ہے، چوری کی ہے ڈاکہ ڈالا ہے۔ یہ دیکھیے کہ میں کیا پیش کر رہا ہوں اور اپنی زبان میں پیش کر رہا ہوں۔ اس کی جامعیت کی داد چاہتا ہوں۔ اردو میں اس موضوع پر روز روز کتابیں نہیں لکھی جائیں گی۔ لسانیات کے باب میں اردو ہندی سے بہت پیچھے ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ عام لسانیات کی حد تک اردو کی یہ کتاب ہندی کی کسی کتاب کے برابر رکھی جا سکتی ہے اور اردو کو محجوب نہ ہونا پڑے گا۔ ایسے اس کی خامیوں کا مجھے بخوبی احساس ہے۔ اگر کبھی دوسرے ایڈیشن کی نوبت آئی تو نقشِ ثانی کو بہتر کر سکوں گا۔

میں نے اس کتاب کی تالیف کے سلسلے میں دو حضرات سے بہت فائدہ اٹھایا۔ یہ ہیں ۱۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ پروفیسر اردو جامعہ ملیہ۔ ۲ ڈاکٹر پرجاپتی پرساد ریڈر انگریزی جموں یونیورسٹی۔ دونوں حضرات وِسکانسن یونیورسٹی امریکہ میں رہ چکے ہیں۔ ڈاکٹر پرساد نے وہاں کمپیوٹر پر Meta language کی ریسرچ کی۔ دونوں کے پاس لسانیات کی کتابوں کا ذخیرہ ہے۔ دونوں سے میں نے کتابیں لیں مشورے کیے، سیکھا سمجھا۔ ڈاکٹر نارنگ نے دوسروں سے بھی کتابیں اور رسالے حاصل کر کے میری دستگیری کی۔ کُرکشیتر یونیورسٹی کے شعبۂ لسانیات کے صدر استادی ڈاکٹر جگدیو سنگھ نے مجھے ایک کمیاب کتاب اپنی لائبریری سے بھیجی۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر نے لسانیات کی بعض کتابیں حمیدیہ کالج بھوپال سے لے کر بھجوائیں۔ ڈاکٹر مسعود حسن خان نے اس کتاب کے مشمولات

کے بارے میں مفید مشورے دیے۔ ان سب حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، اور انھیں کے ساتھ ساتھ اربابِ ترقیِ اردو بیورو کا بھی شکر گزار ہوں جن کے طفیل یہ کتاب وجود میں آئی اور منصۂ شہود پر آئے گی۔ مجھے ان سب کا تعاون حاصل رہا۔ لیکن

ع۔ یہی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں

جموں۔ ۲۸/ مئی ۱۹۷۵ء

گیان چند

پہلا باب

علم زبان اور اس کی شاخیں

انسان اور حیوان میں کئی خصائص مابہ الامتیاز ہیں جن میں سے ایک 'زبان' ہے۔ بنی نوع انسان کے ذہن کے لیے زبان اسی طرح لازم ہے جس طرح جسم کے لیے ہوا۔ہم زبان کے بغیر کام نہیں چلا سکتے۔ چونکہ زبان کا استعمال اتنا اہم اور ناگزیر ہے اس لیے بعض اشخاص نے اس کے استعمال میں مشاقی اور مہارت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ یہ لوگ خطیب یا ادیب کہلائے۔ استعمال زبان کی بنا پر اضافی درجات قائم ہو گئے اور قرون وسطی میں جب طبقاتی شعور تیز تھا زبان کا بہتر استعمال طبقاتی برتری کی نشانی ہو گیا۔ اس سے صحیح، فصیح اور شستہ زبان کا تصور پیدا ہوا۔ یہ تصور ایک قسم کی کلاسکی ذہنیت کا پروردہ تھا۔ فصیح زبان وہ ہے جو ماضی کے بڑے ادیب استعمال کرتے آئے ہیں۔ صحیح زبان وہ ہے جس کی سند قدما سے ملتی ہے۔

فرانس میں کارڈنل رشلو (RICHELIEU 1585ء تا 1642ء) نے 1635ء میں فرنچ اکیڈمی قایم کی جس کا مقصد فرنچ زبان کی تمام جزئیات کو ضابطے اور سلیقے کے سانچے میں محصور کرنا تھا۔ فرانس میں سترھویں صدی میں بالائی متوسط طبقے کے افراد خاص زبان کے ماہرین کی خدمات حاصل کرتے تھے تاکہ وہ انھیں

اکیڈمی کی ٹکسالی زبان سکھا سکیں۔ ہر طبقہ اپنے سے برتر طبقے کی زبان کی نقل کرتا تھا۔ اٹھارہویں صدی میں برطانیہ میں بھی لوگ سماجی اعتبار سے بالاتر طبقے میں جانے کو کوشاں رہتے تھے۔ وہاں بھی قواعد باز اساتذہ انھیں صحیح تقریر و تحریر کا درس دیتے تھے۔ صحت و استناد کا یہ نظریہ انیسویں صدی میں امریکہ بھی جا پہنچا۔

اردو میں ہم دیکھتے ہیں کہ میر نے دلی سے لکھنؤ کے سفر میں ایک بقال سے اس لیے گفتگو نہ کی تھی کہ مبادا ان کی زبان بگڑ جائے۔ انیسویں صدی میں دلی میں کم لکھنؤ میں زیادہ زبان دانی کا یہ شعور تیز تر ہو گیا۔ انیس اور داغ وغیرہ اپنی زبان پر کیا کیا افتخار کرتے ہیں۔ کیفیت یہ ہے کہ عرصے سے علماء بہتر زبان اور اس کے عملی استعمال کا مطالعہ کرتے آئے ہیں۔ وہ نثر و نظم میں شستہ و مہذب اسلوب کی دریافت کرتے ہیں۔ وہ تلفّظ، محاورہ اور روزمرہ کی صحت و عدم صحت کی بحث کرتے ہیں۔ لسانیات کا طالب علم بھی انھیں کی طرح زبان کا مطالعہ کرتا ہے لیکن اس کے مطالعے میں فرق یہ ہے کہ وہ طبقۂ بالا کی شستہ زبان ہی کا رسیا نہیں۔ اس کے لیے زبان کا ہر استعمال یکساں طور پر دلچسپ ہے۔ وہ کسی لفظ اور تلفّظ کو غلط قرار نہیں دیتا بلکہ اسے ایک بدلا ہوا استعمال مانتا ہے۔

بہت سے لوگوں کا پیشہ ہے زبان کے بارے میں جاننا اور دوسروں کو سکھانا۔ ایسے کچھ گروہ یہ ہیں۔

1۔ اسکول میں قواعد یا مضمون نگاری کا درس دینے والا مدرس جو اغلاط کی تصحیح کرتا ہے۔
2۔ اونچی جماعتوں میں ادب کا درس دینے والا معلم
3۔ ادیب
4۔ نقّاد
5۔ واعظ یا خطیب
6۔ ماہر بشریات، کیونکہ اسے قبائلیوں کی زبان سے سابقہ پڑتا ہے۔
7۔ قدیم تاریخ اور آثار قدیمہ کا ماہر۔
8۔ فلسفی جیسے بہت سے تصورات واضح طور سے الفاظ میں پیش کرنے ہوتے ہیں۔

۹۔ ترسیل کا انجینیر جیسے ٹیلیگرام، وائرلیس، ٹیلی فون وغیرہ پر الفاظ کو اِدھر اُدھر بھیجنا ہوتا ہے۔

ان سب کے لئے زبان ایک مقصود کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے لیکن کچھ اختصاصی ماہرین ایسے ہیں جن کے لئے زبان مقصود ہے۔ انھیں ہم ماہرینِ لسانیات یا لسانیات داں کہتے ہیں۔ لسانیات کی ہم یہ تعریف کرسکتے ہیں کہ لسانیات "زبان کے سائنسی مطالعے" کا نام ہے۔ لیکن کیا لسانیات میں سائنسی مطالعہ ممکن ہے؟

سائنس میں صحیح اور قطعی اصولوں کی تلاش کی جاتی ہے۔ ان اصولوں کو تجربوں کے ذریعہ سے دکھایا، سنایا اور محسوس کرایا جاتا ہے کہ یہ صحیح ہیں۔ محض عقیدے کے طور پر کچھ تسلیم کرنے کو مجبور نہیں کیا جاتا۔ سائنس میں قدیم اساتذہ کی سند کے بجائے عینی مشاہدے سے کام لیا جاتا ہے۔ سائنس صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ بالکل معروضی بھی ہوتی ہے۔ یہاں اخلاقی اور سماجی قدروں سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہم کسی چیز کو گرم یا سرد کہتے ہیں کیونکہ ہمارے ذہن میں گرم اور سرد کا کوئی معیار ہے جس سے ہم اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ایک مزدور کو گرمی میں گھڑے کا پانی ٹھنڈا معلوم ہوگا لیکن ایک ریفریجریٹر کے عادی اہلِ ثروت کو وہی پانی گرم معلوم ہوگا۔ سائنس پانی کو ٹھنڈا یا گرم کہنے کی بجائے اس کا درجۂ حرارت ناپ کر پیش کردے گی۔ یہ معروضی نقطۂ نظر ہے۔

لسانیات میں کس حد تک تجربے، قطعیت اور معروضیت کی گنجائش ہے؟ اس کا سب سے اہم عنصر سماج میں رہتا ہوا انسان ہے۔ اس کے پاس سوچنے اور محسوس کرنے والا ذہن ہے۔ اس انسان کے ذہن کی پیداوار "زبان" کو کس طرح معروضی اعتبار سے دیکھا جائے؟ جدید لسانیات کوشش کرتی ہے کہ حتی الامکان زبان کا شخصی اور معنوی عنصر نظر انداز کرکے اس کی ہیئت ہی کا مطالعہ کیا جائے۔ اصوات، صرف اور نحو کو معنوی اور نفسیاتی قدروں سے الگ کرکے مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ سائنسی مطالعہ ہے۔ روایتی مطالعہ سائنسی نہیں انسانی (HUMANISTIC) تھا۔ وہاں نفسیات اور قدروں کی اہمیت تھی؛

Abstract Noun اسے کہتے ہیں جسے حواس خمسہ سے محسوس نہ کیا جاسکے،،

"صفت کسی اسم کا وصف ظاہر کرتی ہے،،

یہ طریقہ معروضی نہیں تھا موضوعی تھا لیکن اس کے معنٰی یہ نہیں کہ غلط یا پست تھا۔ یہ انسانی علوم کا طریقہ تھا۔ موجودہ طریق مطالعہ سائنسی ہے۔ گو یہ یقینی ہے کہ لسانیات کی تمام شاخیں سائنسی طریق کے تحت نہیں آتیں۔ کچھ میں انسانی عنصر زیادہ ہوتا ہے مثلاً معنیات میں، بولی جغرافیے میں۔ بہر حال لسانیات اس حد تک تو معروضی ہے ہی کہ اس میں اخلاقی قدروں کی بالکل گنجائش نہیں۔ قدیم قواعد میں "صحیح، اور "غلط، کا تصور تھا۔ مشکور، عادی، رہائش غلط اور بالکل غلط قرار دیے گئے تھے۔ لسانیات میں کوئی طریقِ اظہار غلط نہیں ہوتا۔ ادب کے طالبِ علم کا صحیح اور غلط کا مراق ہوتا ہے۔ لسانیات کا طالبِ علم غلط روپ کو محض زبان کی تبدیلی جانتا ہے۔

زبان کے روایتی علوم میں بہتر اور برتر کا بھی شعور تھا۔" خصوصیات کو جمع کی شکل میں مذکر بولنا بہتر ہے۔ نظّارہ، فوّارہ میں تشدید فصیح ہے بغیر تشدید کے تلفظ عامیانہ ہو جاتا ہے۔ سدا، دِکھنا، پر (بمعنیٰ مگر) دہقانی الفاظ ہیں، انہیں استعمال نہ کرو۔ کلّیات کو مؤنث بولنا اچھا نہیں "۔ وغیرہ۔ لسانیات میں ان قدروں کا کوئی سوال ہی نہیں۔ یہاں کوئی روپ ایک دوسرے سے اچھا یا بُرا نہیں ہوتا۔ اس حیثیت سے بھی لسانیات زبان کے قدیم مطالعے کی نسبت زیادہ غیر جانبدار اور سائنسی ہے۔ قدیم قواعد تاکیدی اور تعیّنی (PRESCRIPTIVE) تھی وہ کچھ اسالیب کو صحیح تر یا بہتر قرار دے کر استعمال کے لئے معیّن کر دیتی تھی ۔۔ جدید لسانی قواعد بیانیہ (DESCRIPTIVE) ہے جو روپوں کا بے جذبہ بیان کر دیتی ہے۔

لسانی تجزیے کی ضرورت دو اعتبار سے پڑتی ہے۔ اپنی زبان کو سیکھنے سکھانے میں اور غیر زبان کو سیکھنے میں۔ اپنی زبان کو روایتی قواعد کی مدد سے سیکھنے سکھانے میں بڑا وقت اور محنت درکار ہوتی ہے ہر قاعدے میں مستثنیات ہوتے ہیں۔ یہ

بڑا لمبا سلسلہ چل پڑتا ہے۔ لسانیات اس اُلجھاوے کو تھوڑے سے اصولوں میں سمیٹ لیتی ہے۔ بیرونی زبانوں کو روایتی قاعدوں سے سیکھنے میں بہت ازبر کرنا پڑتا ہے اور اس کے بعد بھی بیرونی زبان صحیح طور پر بولنی یا لکھنی نہیں آتی لیکن جدید لسانیات کے قاعدوں سے یہ بہت جلد سیکھی جا سکتی ہے۔

لسانیات کے مطالعے سے عام طالبِ علم گھبراتے ہیں۔ انھیں اس موضوع میں دقّتیں محسوس ہوتی ہیں اس کے اسباب حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ لسانیات کے مطالعے سے پہلے عام طالبِ علم زبان کے تحریری روپ کو تقریری روپ پر فوقیت دیتا ہے۔ یہ نقطۂ نظر بالکل الٹا ہے۔ انسان زبان کا استعمال لاکھوں سال سے کر رہا ہے، لکھنا چند ہزار سال کی بات ہے۔ بچّہ کئی سال تک زبان کا استعمال کرکے اس پر عبور حاصل کر لیتا ہے اس کے بعد اسکول میں داخل ہوتا ہے۔ وہاں اسے دسیوں سال تک نوشت و خواند اس طرح گھیر لیتے ہیں کہ اسے وہی سب کچھ معلوم ہونے لگتے ہیں۔ لفظوں کے صحیح املا پر زور، کتابوں میں جملوں اور لفظوں کی مقرّرہ ساختیں اس کے ذہن میں یہ خیال بٹھا دیتی ہیں کہ تحریری زبان صحیح اور مستند روپ ہے، تقریری زبان اس کا مسخ شدہ روپ۔ سفارتی حکّام اور مدبّر تقریر کو لکھ کر پڑھنا پسند کرتے ہیں تاکہ بات میں قطعیت ہو اور پریشان خیالی در نہ آئے۔ ہوریس کا قول تھا کہ "تحریری لفظ مستقل ہوتا ہے" اس قسم کے نظریات زبان کے بارے میں طالبِ علم کا نقطۂ نظر مسخ کر دیتے ہیں۔ وہ ہندی میں ناگن، مالن، سسرال لکھا دیکھ کر سمجھتا ہے کہ یہی صحیح تلفظ ہے اور کھڑی بولی کا واقعی تقریری تلفظ ناگّن، مالّن، سُسرال (ضمّہ اوّل وسکون دوم)، غلط۔ वीणा صحیح اور وینا غلط۔ اسے کون سمجھائے کہ واقعی تلفّظ اس بے جان کتابی تلفّظ پر فوقیت رکھتا ہے۔ یہ تحریر ہی کا جادو ہے جو اردو والوں سے یہ کہلا دیتا ہے کہ انبہ، دُنبہ میں ن ہے م نہیں یا اردو میں ص، ث، ح، ط، ذ، ض، ظ وغیرہ ہندی سے زائد آوازیں ہیں۔

لسانیاتی تجزیے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ تحریر کی گرفت سے آزاد ہو جائیے۔

دوسری دشواری زبان میں صحیح اور غلط کا تصور ہے۔ یہ جانی پہچانی

بات ہے کہ لسانیات کے طالبِ علم کے لئے کوئی استعمال غلط نہیں ہوتا۔

دس لڑکیاں اور ایک لڑکا آتا ہے۔

دس لڑکیاں اور ایک لڑکا آتے ہیں۔

IT IS I

IT IS ME

ان دونوں اسالیب میں لسانیات کو اس چپقلش میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کون سا صحیح ہے اور کون سا غلط۔

جب ویبسٹر (WEBSTER) کی مشہور بین الاقوامی لغت کے تیسرے ایڈیشن میں مرتبین نے واقعی استعمال کے مطابق تلفظ درج کیا تو ایک غلغلہ ہوگیا کہ مرتبینِ لغت انگریزی زبان کو مسخ کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ درست اور نادرست ایک اضافی اور جماعتی چیز ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک جو صحیح ہے دوسرے کے نزدیک وہی غلط ہو سکتا ہے۔ کچھ لوگ ناگِن کو صحیح تلفظ سمجھتے ہیں کچھ ناگَن کو۔ اگر کوئی بھی روپ کوئی شخص بولتا ہے تو کم از کم اس کی حد تک وہی صحیح ہے۔

3۔ تیسری مشکل اپنی زبان کے غیر شعوری تعصبات ہیں۔ دوسری زبانوں کا مطالعہ کرتے وقت اپنی زبان کے مخصوص رنگ و آہنگ سے اوپر اٹھ جائیے۔ انسان اپنی زبان کی ہر چیز کو صحیح اور معقول سمجھتا ہے اور دوسری زبانوں میں اس سے کچھ فرق پاکر اسے غلط قرار دینے لگتا ہے مثلاً اہلِ اردو ہندی میں حرف ङ (انگ) کو دیکھ کر الجھتے ہیں کہ اس حرف کی کیا ضرورت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو زبان میں بھی یہ آواز ہے لیکن ہمیں اس کا شعور نہیں۔ یا یوپی والا کہے گا کہ پنجابیوں کا 'میں نے جانا ہے'، غلط ہے 'مجھے جانا ہے'، یا 'مجھ کو جانا ہے'، صحیح ہے۔ حالانکہ کیا یہ حقیقت نہیں کہ مجھے ضمیر 'میں'، کی مفعولی حالت ہے مثلاً اس نے مجھے مارا، اور 'کو'، فاعل کا حرف نہیں مفعول کا ہے مثلاً 'اس نے مجھ کو مارا'،۔ اس لئے ظاہرا تو 'مجھے جانا ہے'، کی بجائے 'میں نے جانا ہے'، ہی زیادہ منطقی روپ معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال اپنی زبان اور بولی کے رویوں کو دوسری زبان اور بولی پر

نہ لادے۔

اسی طرح اپنے انفرادی تلفّظ سے بھی اوپر اٹھنا ہوتا ہے۔ اگر ہم انگریزی کے v اور w دونوں کو لب دنتی بولنے کے عادی ہیں تو اس کے معنیٰ یہ کہاں ہوئے کہ انگریزی میں دولبی w حشو ہے۔ یا یہ کہ ہم اپنے ہندوستانی تلفّظ کی بنا پر انگریزی کے d، t کو اپنے معکوسی مصمتوں ٹ، ڈ کے برابر مانیں۔ اپنی زبان، اپنے رسم الخط اور اپنے تلفّظ کو ایک طرف اٹھا رکھ کر ہی غیر جانبداری سے مطالعۂ زبان کیا جا سکتا ہے۔

4۔ چوتھی اُلجھن درس گاہوں میں ادب اور زبان کے ساتھ ساتھ درس سے پیدا ہوتی ہے۔ ادب کی وجہ سے ہم ماضی کی زبان کو مستند سمجھنے لگتے ہیں۔ ہمارے ذہن میں برتر و بدتر زبان کا تصوّر بیٹھ جاتا ہے۔ ادب محض خواص کی تحریری زبان پیش کرتا ہے۔ لسانیات میں ہر شخص کی زبان کا (وہ قبائلی یا دیہاتی ہی کیوں نہ ہو) خوشی خوشی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ لسانیات کا طالب علم پچھڑی زبانوں اور غیر ثقہ بولی کا مطالعہ بڑی رغبت سے کرتا ہے۔

5۔ لسانی مطالعے میں طالب علم کو اصطلاحوں سے گھبراہٹ ہوتی ہے لیکن ان سے مفر نہیں ہر علم و فن کی اپنی اصطلاحیں ہوتی ہیں جن کے ذریعے ماہرین مقررہ مفہوم کی ترسیل کرتے ہیں۔ لسانیات روایتی قواعد کی اصطلاحوں کو نہیں اپنا سکتی کیونکہ لسانیات کی اصطلاحیں بالکل وہی مفہوم پیش نہیں کرتیں۔ تکنکی مطالعے میں اصطلاحیں ناگزیر ہیں۔

لسانی مطالعے کی شاخیں۔ لسانیات کے مطالعے کو ہم کئی بناؤں پر تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلی قسم عام (GENERAL) اور اطلاقی (APPLIED) کی ہے۔ دوسری اہم تر قسم زمانے کو مدِّ نظر رکھ کر کی گئی ہے۔ اگر زبان کا مطالعہ کسی مخصوص نقطۂ زماں میں کیا جائے تو اسے عصری لسانیات (Synchronic linguistics) یا عصری مطالعہ کہتے ہیں۔ اگر یہ مطالعہ زمانے کے تسلسل میں کیا جائے تو اسے عصریاتی لسانیات (Diachronic Linguistic) یا عصریاتی مطالعہ کہتے ہیں۔

ایک زبان کا عصری مطالعہ بالعموم حال کے نقطے میں کیا جاتا ہے۔ ایک زبان کا ایک مخصوص نقطۂ زماں میں مطالعہ کیا جائے تو اس کی ساخت ہی کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ اسے انگریزی میں STENCTUIAL یا DESCRIPTIVE لسانیات کہتے ہیں۔ اوّل الذکر کا مروجہ اردو ترجمہ توضیحی لسانیات کیا گیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں بیانی زیادہ موزوں ہے۔ توضیح DESCRIPTION کو نہیں CLARIFICATION کو کہتے ہیں۔ اردو کے لیے توضیحی یا بیانی لسانیات سے بہتر اصطلاح ساختی یا تجزیاتی لسانیات ہو سکتی ہے۔

عصر یاتی مطالعے میں اگر ایک زبان کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے یعنی عہد بہ عہد تبدیلیوں کا بیان کیا جائے تو اسے تاریخی لسانیات کہتے ہیں۔ اگر ایک خاندان کی کئی زبانوں کا تقابل کیا جائے تو یہ تقابلی لسانیات کہلاتی ہے۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ ایک زبان کے تاریخی مطالعے کے دوران اس کے بڑے کنبے کے دوسرے افراد یعنی دوسری ہم جدی (COGNATE) زبانوں سے مقابلہ بھی کیا جاتا ہے اور یہ تقابلی لسانیات کے دائرۂ کار میں داخل ہو جاتا ہے۔ تقابلی لسانیات میں رشتے، شجرے اور نسل کا تعین کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح گو تقابلی اور تاریخی لسانیات نام کے لحاظ سے الگ ہیں، لیکن عملاً ایک دوسرے میں مل جاتی ہیں۔

اگر ایک زبان کی بولیوں کا ایک ساتھ مطالعہ کیا جائے تو اسے عصری بولی علم synchionic dialeetology کہتے ہیں۔ اگر ان بولیوں کا تسلسلِ زمانہ میں مطالعہ و مقابلہ کیا جائے تو عصر یاتی بولی علم کہیں گے۔ اس میں تاریخی اور تقابلی دونوں قسم کی لسانیات کو دخل ہو جائے گا۔ بولی کا مطالعہ عموماً عصری لسانیات کی بجائے عصر یاتی لسانیات کے تحت کیا جاتا ہے۔ یعنی یہ تاریخی و تقابلی مطالعے کے تحت آتا ہے۔

یہ ایک خاندان کی زبانوں یا ایک زبان کی بولیوں کا ذکر تھا۔ اگر کئی بالکل مختلف خاندانوں کی زبانوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو اسے نوعیات (TYPOLOGY) کہتے ہیں۔ ظاہر ہے اس مطالعے میں کوئی رشتہ تو قائم کیا نہیں جاتا صرف و نحو کو لے کر مشترک یا متضاد خصوصیات کی بنا پر گروہ قائم کیے جاتے ہیں۔ انہیں پہلے نحوی یا

قواعدی گروہ بندی کہتے تھے۔ اب نوعیاتی (TYPOLOGICAL) گروہ بندی کہتے ہیں۔ بعض نے نوعیاتی مطالعے کی بھی عصری اور عصریاتی قسمیں کی ہیں۔ اگر مختلف خاندانوں (مثلاً دراوڑی اور الٹائی یا الٹائی اور اسکیمو) کا ایک عصر میں مطالعہ کیا جائے تو اسے زبانوں کے ڈھانچے کی نوعیات (Typology of Language structures) کہتے ہیں۔ اگر مختلف خاندانوں کا تاریخی تسلسل میں مقابلہ کیا جائے تو اسے تغیر زبان کی نوعیات (Typology of Language change) کہتے ہیں۔ یہ تقسیم غیر ضروری موشگافی ہے۔ نوعیاتی مطالعے میں عموماً تاریخی ارتقا کا بھی شعور رکھا جاتا ہے۔ اس لیے نوعیات کو غیر عصری مطالعے کا جزو ماننا زیادہ مناسب ہے۔

جدید تاریخی و تقابلی لسانیات کی بنیاد سر ولیم جونز کے شکنتلا ناٹک کے ترجمے سے پڑتی ہے۔ اس کے سلسلے میں انہوں نے سنسکرت کا مطالعہ کیا اور پھر خیال ظاہر کیا کہ سنسکرت، یونانی اور لاطینی بالیقین ایک ہی خاندان سے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ گوتھک اور کیلٹک بھی اسی خاندان کی ہیں۔ اس کے بعد سنسکرت اور دوسری کلاسیکی زبانوں کا مزید مطالعہ کر کے لفظوں کی مطابقتیں تلاش کی گئیں۔ اختلافات کی تاویل کے قاعدے قانون بنائے گئے اور اس طرح ہند یورپی خاندان کی مختلف زبانوں کا شجرہ تیار کیا گیا۔ انیسویں صدی میں ڈارون نے انسان اور دوسرے حیوانات کے باہمی رشتوں اور نسلوں کی تعیین کی تھی۔ اسی طرح زبانوں کی خاندانی گروہ بندی کی گئی —

مناسب یہ دکھائی دیتا ہے کہ پہلے کسی زبان کی ساخت کا مطالعہ کیا جائے بعد میں اس کے تاریخی ارتقا کا لیکن سوء اتفاق سے ہوا اس کے برعکس۔ تاریخی لسانیات اور تجزیاتی لسانیات میں ایک رقیبانہ لاگ ڈانٹ، ایک حریفانہ چشمک پائی جاتی ہے — ان دونوں کا جھگڑا قدیم و جدید، بوڑھے اور جوان کا جھگڑا ہے۔ تاریخی لسانیات کے وکیل تجزیاتی لسانیات کو ایک علمی مطالعہ کہہ کر سائنس کے زمرے سے خارج کر دیتے ہیں۔ سائنس تو اصولوں کی دریافت کا نام ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زبان کی ساخت کا مطالعہ قواعد داں کا کام ہے۔ لسانیات کو اس سے کیا مطلب۔ تجزیاتی لسانیات

کے حمایتی تاریخی لسانیات کے ماہرین پر معترض ہیں کہ وہ زبان کی ساخت، فطرت اور سرشت ہی سے واقف نہیں۔ وہ ماہرِ لسانیات کیونکر ہوئے؟

ایک معنیٰ میں تجزیاتی لسانیات ہی زیادہ اہم ہے کیونکہ یہ زبان کے ڈھانچے کو منکشف کرتی ہے۔ تاریخی لسانیات تبدیلی اور ارتقا کا مطالعہ کرتی ہے۔ آج کل دُنیا کے تمام بڑے بڑے ماہرینِ زبان تجزیاتی لسانیات ہی سے سروکار رکھتے ہیں۔ تجزیاتی لسانیات کو تاریخ سے یہاں تک چِڑھ ہے کہ وہ زبان کی گزشتہ تاریخ کو قطعاً غیر متعلق اور غیر اہم سمجھتی ہے۔ کسی لفظ یا آواز کے ماضی میں کیا روپ تھے تجزیاتی لسانیات کو اس کے سننے کی تاب نہیں۔

تقابلی لسانیات اور لسانی نوعیات میں بھی اسی قسم کی لاگ ڈانٹ ہے۔ تقابلی لسانیات میں محض ایک خاندان کی زبانوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے نوعیات میں مختلف خاندانوں کا۔ نوعیات کے حامی W. S. ALLEN نے طنز کیا کہ دہی علم سائنسی کہا جا سکتا ہے جس میں عمومی اطلاق کی صلاحیت ہو۔ تقابلی لسانیات محض ایک ہی خاندان کی زبانوں کا مطالعہ کر سکتی ہے اس لیے وہ سائنس نہیں اس کے برعکس نوعیات دُنیا بھر کی زبانوں کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ فریقِ ثانی نوعیات کے وکیلوں پر یہ اعتراض کرتا ہے کہ تم مقابلہ کس چیز کا کرتے ہو، جب دو زبانیں اپنی ساخت اور جبلّت میں بالکل مختلف ہیں تو ان کا ایک ہی سطح پر تجزیہ نہیں ہو سکتا۔

ایک دوسری بنا پر لسانیات کو عام اور اطلاقی میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ عام لسانیات لسانیات کے نظریات پیش کرتی ہے۔ اس میں زبان کی ماہیت، زبان کے تجزیے کے اصول، مروجّہ قواعد سے اس کے اختلافات، لسانیاتی مطالعے کے مختلف شعبوں کے اصول اور ان کا عام تعارف شامل ہوتا ہے۔ عام لسانیات کا عالم انسانی زبانوں کے آفاقی خواص کی تلاش کرتا ہے تاکہ زبانوں کے بارے میں مجموعی طور سے کچھ بیان کر سکے۔ مختلف ماہرین نے جو مختلف نظریے پیش کیے ہیں ان سب کا بیان کر کے ان کا جائزہ بھی لیتا ہے۔ اس غرض سے اس روایتی قواعد کے بیانات پر بھی نظر کرنی پڑتی ہے۔ چونکہ تنقید کے لیے یہ ضروری ہے۔

تجزیاتی لسانیات میں صوتیات اور قواعد (صرف اور نحو) وغیرہ کا تجزیہ کیا جاتا ہے لیکن اس میں جو اصطلاحیں، جو روپ اور ان کے جو گروہ ہوتے ہیں

وہ زبان کے عام نظریے ہی کی دین ہیں ۔ انھیں عام لسانیات ہی اَنسب قرار دیتی ہے۔ اس طرح تجزیاتی لسانیات عام لسانیات کے تابع ہے۔ اور عام لسانیات کے اصول اور طریقے تبھی کسی کام کے مانے جائیں گے جب عملی اطلاق میں وہ کارآمد ٹھہریں، جب بار بار کے تجربوں سے ان کی صحت مستند ہو جائے ۔ اس طرح عام لسانیات اور تجزیاتی لسانیات دونوں ایک دوسرے کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔

تاریخی لسانیات کے تحت ہم کسی زبان کا ارتقا بیان کرنے کے لیے ہم اس کی قدیم تر منزل کا تجزیاتی بیان پیش کرنے کے لیے مجبور ہیں یعنی یہ کہ ماضی میں اس کی اصوات، اس کی قواعد، اس کے پچھیے (AFFIXES) وغیرہ کیا تھے۔ اس طرح تاریخی لسانیات تجزیاتی لسانیات سے استفادہ کرتی ہے اور جہاں تک تقابلی لسانیات کا سوال ہے وہاں بھی تجزیاتی لسانیات سے کنارہ کشی ممکن نہیں۔ دو مختلف زبانوں کی اصوات یا ان کی تعریف کے قواعد کا مقابلہ تبھی تو کیا جا سکتا ہے جب ہم ان میں سے ہر ایک کی بناوٹ سے واقف ہوں۔ اس طرح تقابلی لسانیات بھی تجزیاتی لسانیات کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہے۔

اور جس طرح عام لسانیات کے اصول و نظریات تجزیاتی لسانیات کی کسوٹی سے صحت کی سند پائے ہوتے ہیں اسی طرح عام لسانیات کے لیے ضروری ہے کہ اس کے تاریخی ارتقا کے نظریات تاریخی اور تقابلی لسانیات میں درست پائے گئے ہوں۔ گویا عام، تاریخی، تقابلی، تجزیاتی ہر قسم کی لسانیات کا ایک دوسرے سے کہیں نہ کہیں ڈانڈا مل جاتا ہے۔ یہ بالکل آب بند خانے نہیں۔

اطلاقی لسانیات، عام لسانیات اور تجزیاتی لسانیات کا عملی پہلو ہے۔ اس کے ذیل میں اس قسم کے شعبے آتے ہیں ؛

بیرونی زبانوں کا سیکھنا، ترجمے کی مشین بنانا، کسی زبان یا بولی کا علاقائی جائزہ لینا، کسی زبان کی کوڈ تیار کرنا، کسی زبان کی خفیہ کوڈ دریافت کرنا، رسم الخط میں اصلاح کی تجاویز، ٹائپ رائٹر میں حروف کی ترتیب وغیرہ۔

واقعہ یہ ہے کہ عام لسانیات میں تجزیاتی اور تاریخی لسانیات نیز مطالعۂ زبان کے دوسرے تمام شعبوں کا تھوڑا تھوڑا سا تعارف پیش کر دیا جاتا ہے۔ اس میں اصولی پہلو

کی زیادہ اہمیت ہوتی ہے، مثلاً صوتیات کے تعارف میں صوتیات کے اصول درج کردیے جائیں گے۔ کسی ایک زبان کی صوتیات کا تجزیہ نہیں کیا جائے گا۔ یہی کیفیت صرف، نحو، معنیات، فنِ تحریر وغیرہ کے سلسلے میں ہوگی۔

عام لسانیات کے تحت لسانیات کی جملہ شاخیں کسی نہ کسی حیثیت سے آجاتی ہیں۔ ان شاخوں کے ناموں سے متعارف ہونے کے بعد ہم علمِ زبان کے مختلف ناموں کا جائزہ لیتے ہیں۔

1716ء میں ڈیویز نے تقریباً اسی مفہوم میں GLOSSOLOGY کا لفظ استعمال کیا۔ چونکہ قدیم زمانے میں لسانیات کا کوئی علیحدہ علم نہ تھا اس لیے لوگ اسے قواعد سے مماثل جانتے تھے۔ جب ہندیورپی خاندان کی زبانوں کا تقابل کیا گیا تو اس موضوع پر حاوی کتابوں کا نام تقابلی قواعد رکھا گیا، جب یہ معلوم ہوا کہ علمِ زبان محض قواعد (صرف نحو) نہیں بلکہ صوتیات، معنیات وغیرہ کا بھی احاطہ کرتا ہے تو اس اصطلاح کو چھوڑ کر انیسویں صدی میں Compatative Philology کہا گیا۔ PHILO کے معنیٰ ہیں 'محبت'، اور LOGY کے معنیٰ لفظ، علم وغیرہ۔ فائلالوجی کے معنیٰ ہیں زبان کی محبت۔ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ سائنس میں تقابل تو ہوتا ہی ہے اس لیے Compatative کے لفظ کی کیا ضرورت ہے۔ تب اسے محض فائلالوجی کہا جانے لگا۔ 1841ء میں پرچرڈ نے اسے GLOTTOLOGY کہا۔ بیسویں صدی کی ابتدا میں ٹکر نے بھی اس کی تائید کی لیکن یہ نام چلا نہیں۔

فائلالوجی کے لفظ پر اس لیے اعتراض تھا کہ اس کے ذیل میں ادب، اسلوب وغیرہ بھی آجاتے ہیں۔ فرانس میں انیسویں صدی میں اس سے بہتر اصطلاح Linguistique استعمال کی گئی۔ فائلالوجی یونانی لفظ ہے، لنگسٹیک لاطینی۔ LINGUA زبان کو کہتے ہیں۔ گویا لنگسٹیک کے معنیٰ علمِ زبان ہوئے۔ انیسویں صدی کے وسط میں انگریزی میں Linguistic کا لفظ آیا جو چند سال بعد جمع کے صیغے میں Linguistics کہلایا۔ اب یہی لفظ مستند ہوگیا ہے۔ جرمن زبان میں اس کا ہم معنی لفظ SPEACH WISSENCHAFT ہے۔ اردو میں اسے علمِ زبان یا لسانیات

کہتے ہیں۔ علمِ زبان لمبا اور مرکب لفظ ہے۔ لسانیات مختصر ہونے کی وجہ سے قابلِ ترجیح ہے۔ نیز یہ دوسرے علوم معاشیات، نفسیات، بشریات وغیرہ سے ہم شکل بھی ہے
حال میں ڈینش (ڈنمارکی) اسکولِ لسانیات کے __________ Lonis
Hjelmsleu نے اپنے علمِ زبان کا نام Glossematics رکھا ہے۔ اس اسکول کے مقلد محض ہیئت پر دھیان دیتے ہیں اور مواد سے قطعاً قطعِ تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک سائنس یہی ہے۔ ان کا طریقِ کار دقیق اور مجرد قسم کا ہے۔

لسانیات کے بارے میں اس قدر جان لینے کے بعد ہم اس کی بعض شاخوں کی تفصیل دیکھتے ہیں۔

تجزیاتی لسانیات کے احاطۂ کار کا صحیح اندازہ اس کی شاخوں کی تفصیل سے ہو گا جو حسبِ ذیل ہیں۔

1۔ صوتیات (PHONETICS)۔ اس میں اصوات کی زیادہ سے زیادہ نزاکتوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ شاخ کسی ایک زبان تک محدود نہیں۔ اس میں تمام زبانوں کا مجموعی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ویسے کسی ایک زبان یا بولی کی صوتیات پر بھی بحث کی جا سکتی ہے۔

2۔ فونیمیات (PHONEMICS)۔ اس میں کسی ایک زبان کے صوتیوں کا تعین کیا جاتا ہے۔ صوتیات میں آوازوں کی زیادہ سے زیادہ نزاکتیں دریافت کی جاتی ہیں لیکن فونیمیات میں غیر ضروری نزاکتوں کو نظر انداز کر کے صرف انھیں اختلافات کا جائزہ لیا جاتا ہے جو معنیٰ کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ اس طرح اصوات کی متعدد ذریات کی گروہ بندی کر کے انھیں کم سے کم صوتیوں میں سمیٹ لیا جاتا ہے۔ اس شاخ کو Phonology بھی کہتے ہیں

3۔ مارفیمیات یا صرف Morphology اس میں لفظ کی ساخت کا مطالعہ کیا جاتا ہے مثلاً ایک مادّے میں سابقے اور لاحقے لگا کر نئے الفاظ کا اشتقاق کیونکر ہوتا ہے۔

4۔ نحو (SYNTAX)۔ اس کا موضوع کلام یعنی جملہ اور فقرہ ہے۔ صرف و نحو کو ملا کر زبان کی قواعد کہا جاتا ہے۔

5- معنیات (SEMANTICS) اس میں لفظوں اور جملوں کے مفہوم سے بحث کی جاتی ہے۔

گو تجزیاتی لسانیات نے زبان کے مطالعے کی مندرجہ بالا پانچ شاخیں قرار دی ہیں لیکن تجزیاتی لسانیات میں پہلی چار شاخوں کا مطالعہ ہی کیا جاتا ہے۔ ان میں فونیمیات، صرف اور نحو کو مرکزی شاخیں قرار دیا جاتا ہے اور صوتیات اور معنیات کو نواحی۔ صوتیات میں چونکہ ان موشگافیوں سے بحث کی جاتی ہے جو روزانہ ضروریات کے مصرف کی نہیں اس لیے اسے غیر اہم قرار دیا گیا ہے۔ معنیات کو یہ کہہ کر مردود قرار دے دیا جاتا ہے کہ یہ لسانیات کی شاخ نہیں اس کا مطالعہ لغت یا ادب میں کیا جانا چاہیئے۔ تجزیاتی لسانیات کے علمار کا ایمان ہے کہ لسانیات کو زبان کی ہیئت ہی سے سروکار ہے معنی سے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معنیات کا مطالعہ نہ ہونے کے برابر ہوا ہے۔

ان سطور کے راقم کی رائے میں دونوں دعوے انتہاپسندانہ ہیں۔ فونیمیات صوتیات سے بے نیاز نہیں رہ سکتی۔ صوتیات کا بالاستیعاب اور مفصّل مطالعہ ہی فونیمیات کا سنگِ بنیاد ہے۔ جدید لسانیات صوتیات کے مطالعے پر زیادہ سے زیادہ وقت اور زیادہ سے زیادہ زور دیتی ہے اور اس کے بعد بھی اسے ضمنی مطالعہ کہنے کی جبرأت کرتی ہے حالانکہ صوتیات ہی اصل لسانیات ہے۔ اب تو تاریخی و تقابلی مطالعہ بھی صوتیات کا محتاج ہے۔

تجزیاتی لسانیات کا دعویٰ کہ وہ معنی سے کوئی سروکار نہیں رکھتی ایک قسم کی خودفریبی یا ڈھونگ ہے۔ یہ دعویٰ صوتیات کی حد تک تو صحیح ہے لیکن فونیمیات کو ابتدا ہی سے معنی پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ صوتیے کی تبدیلی معنی کو بدلنے پر قدرت رکھتی ہے۔ SIGNIFICANT کے معنی ہی یہ ہیں۔ صرف و نحو میں کلام اور کلمے کے بامعنی اجزا ہی سے بحث کی جاتی ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تجزیاتی لسانیات گو زبان کے بامعنی اجزا ہی سے سروکار رکھتی ہے لیکن اس کا جائزہ ان کے وصل و فصل، ترکیب و ترتیب، یعنی ہیئت ہی تک محدود رہتا ہے۔

- مارفونیمیات (MORPHO- PHONEMICS) تصریف کے عمل میں

بعض اجزار کے صوتیوں میں تبدیلی ہو جاتی ہے مثلاً خریدار اور 'دار' کو ملانے پر ایک /د/ حذف کر کے مرکب خریدار بنایا جاتا ہے۔ یا ہندی الفاظ بھجن اور اپدیشک کو ملا کر بھجنو پدیشک بنتا ہے۔ فونیمیات اور مارفیمیات کی اس کڑی کو مارفونیمیات کہتے ہیں گو یہ صوتیے اور مارفیم دونوں پر نگاہ رکھتی ہے لیکن اس کا مطالعہ مارفیمیات ہی کے تحت ہوتا ہے۔ صرف و نحو کی طرح یہ بھی قواعد کا جزو ہے۔

لسانیات کی کچھ اور شاخیں یہ ہیں۔

1- لسانی جغرافیہ یا بولی جغرافیہ۔ اس کے ذیل میں مختلف زبانوں اور اس کی بولیوں کا علاقہ مقرر کیا جاتا ہے۔

2- جائزے کے طریقے (MIELD METHODS)۔ اس کے ذیل میں بالعموم کسی ایسی زبان کا مطالعہ کرتے ہیں جو ہنوز تحریر نہیں کی گئی۔ اس شعبے کا کام ان اصولوں کو مرتب کرنا ہے جن کی مدد سے زبان کے صحیح نمونے اکٹھے کیے جا سکیں اس شعبے پر امریکہ میں کام ہوا ہے۔ یورپ کے ماہرین اسے علیحدہ شاخ نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ زبان کے نمونے اکٹھے کرنا لسانیات کا جزو نہیں۔ کام کرنے والا جس طرح جی چاہے مسالہ جمع کرے۔ لسانیات اس فراہم شدہ مسالے کا تجزیہ کرے گی۔

3- لسانی زمانیات Glottochronology یا (Lexico statics)۔ اس میں اعداد و شمار کی مدد سے کسی زبان کی عمر کی تعیین کی جاتی ہے۔

4- لسانی عتیقیات Linguistic Paleontology

اس میں قدیم زبانوں کی مدد سے قدیم تہذیبوں اور قبلِ تاریخ عصر کی تاریخ معلوم کی جاتی ہے۔ گویا یہ اطلاقی لسانیات کی شاخ ہوئی۔

5- تدوین اللغات (Lexico logy یا Lexicography)۔
اس میں کسی زبان بالخصوص پچھڑی ہوئی زبان کے لغت بنانے کے اصول طے کیے جاتے ہیں۔

6- اسلوبیات (STYLISTICS)۔ اسے یورپی ماہرین لسانیات

کی شاخ مانتے ہیں۔ لیکن اکثر امریکی علماء اسے لسانیات کے حصار میں شامل نہیں کرتے
اس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ عبارت کو جذباتی اور شاعرانہ بنانے کے لیے کیا کیا طریقے اپنائے
جاتے ہیں۔ مختلف ادیبوں کے اسلوب کا صوتیاتی، مارفیمی اور ڈکشن وغیرہ کا تجزیہ کرکے
ان کی مرغوب تکنیک کے اسرار افشا کردیے جاتے ہیں۔

7- فرد بولی کا مطالعہ (LINGUISTIC ONTOGENY)-ایک شخص کی بولی کا مہد سے لحد تک مطالعہ۔

8- نفسیاتی لسانیات (PSYCHO - LINGUISTICS)-

ان کے علاوہ کچھ اور شاخیں بھی ہیں لیکن وہ اہم یا مسلّمہ نہیں۔

سائنس یا آرٹ؟- لسانیات کے بارے میں اس قدر جان لینے کے بعد ہم غور کرسکتے ہیں کہ

یہ سائنس ہے یا آرٹ؟ اس کا مقام کچھ بین بین ہے۔ یہ طبعی سائنس کے زمرے میں نہیں آسکتی کیونکہ اس کے اصول گو بڑی حد تک صحیح ہیں لیکن ان میں طبعیات، کیمسٹری کی سی قطعیت نہیں۔ لسانیات کا انسانی عنصر میکانکی صحت اور قطعیت کا متحمل نہیں۔ دوسری طرف اسے آرٹ بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ آرٹ افراد کی تخلیق ہوتا ہے۔ وہ جمالیات کی طرف بھی گوشۂ چشم رکھتا ہے۔ زبان افراد کی شعوری تخلیق نہیں۔ معاشیات و سماجیات کی طرح یہ محض سماجی سائنس بھی نہیں کیونکہ صوتیات کے اصول بڑی حد تک صحیح ہیں اس شاخ کا باقاعدہ مطالعہ لیبوریٹری ہی میں ممکن ہے۔ صوتیات اور فونیمیات طبعی علوم کے لگ بھگ پہنچ جاتے ہیں۔ ایک لفظ کو ادا کرنے کے لئے ہم اوّل ذہن میں خیال کی تشکیل کرتے ہیں، پھر اسے اعضائے نطق و سماعت کے ذریعے صوتی روپ دیتے ہیں۔ اس طرح لسانیات کے دو عناصر نفسیاتی اور میکانکی ہیں جو اسے سماجی سائنس اور طبعی سائنس کے درمیان کشاکش میں رکھتے ہیں۔ واضح ہو کر سماجی سائنس انسانی علوم (HUMANITICS) کے تحت آتے ہیں۔

لسانیات کا دوسرے علوم و فن سے تعلق۔ لسانیات کا سب سے نزدیکی رشتہ مروجہ قواعد سے ہے لیکن دونوں یکساں نہیں۔ سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ لسانیات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ صرف و نحو اس کے محض دو شعبے ہیں۔ ان شعبوں اور مروجہ

قواعد میں بھی فرق ہے۔ قواعد کسی ایک زبان سے متعلق ہوتی ہے لیکن لسانی صرف و نحو کے اصول عام طور سے کئی زبانوں پر چسپاں کئے جا سکتے ہیں۔ مروّجہ قواعد زبان کے فصیح روپ کا مطالعہ کرتی ہے۔ لسانیات میں کوئی روپ فصیح ہے نہ غیر فصیح۔ یہ محض مطالعے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ بعض اوقات بعض نام نہاد مستثنیٰ صیغوں کی قدیم تاریخ معلوم کر کے ان کو بھی اصولوں کے حصار میں لے آتی ہے۔ لسانیات میں استثنا کا ذکر نہیں ہوتا۔

ادب سے لسانیات کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ شرح کرنے کی ضرورت نہیں۔ لسانیات سے قدیم ادب کو اور دوسری زبانوں سے مستعار لفظوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے لسانیات کے لئے ادب مسالہ فراہم کرتا ہے۔ زبان کا تاریخی مطالعہ عہد بہ عہد کے ادبی نمونوں ہی کے سہارے ہو سکتا ہے

تاریخی لسانیات تاریخ سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ ایک قوم پر دوسری قوم کی حکومت، تجارتی تعلقات وغیرہ فریقین کی زبان پر اثر انداز ہوتے ہیں کبھی کبھی لسانیات بھی تاریخ کو شمع دکھاتی ہے۔ یورپ اور ویلز کے جپسیوں کی زبان میں ہندوستانی الفاظ کی افراط اس بات کی شاہد ہے کہ یہ لوگ عہدِ قدیم میں ہندوستان سے جا کر مغرب میں بود و باش کرنے لگے۔

آثارِ قدیمہ قدیم زبانوں کے نمونے محفوظ رکھتا ہے اور ماہرِ لسانیات ان قدیم کتبوں اور تحریروں کو پڑھ کر آثارِ قدیمہ کی گتھیاں کھولتا ہے۔ لسانی عتیقیات میں آ کر علمِ آثارِ قدیمہ اور لسانیات ایک ہو جاتی ہیں۔ لسانیات اور بشریات بھی ایک دوسرے کے لئے ممد و معاون ہوتی ہیں کیونکہ دونوں کے مطالعے کا ایک شعبہ پچھڑے قبائل کی زبانوں کا تجزیہ کرنا ہے۔

سماجیات اور لسانیات بھی ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ زبان ایک سماجی فعل ہے۔ سماجیات ہی سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ مرورِ ایام کے ساتھ بعض الفاظ کے معنیٰ کیوں پست ہو جاتے ہیں اور بعض کے کیوں بلند۔ ظلّ اللہ کے معنیٰ بادشاہ کیوں ہوتے ہیں اور مہتر کے معنیٰ خاکروب کیوں ہ؟۔ دسترخوان اٹھانے کو دسترخوان بڑھانا کیوں کہا جاتا ہے سماجیات ان سب کی تاویل کرتی ہے۔

زبان نفسیاتی فعل بھی ہے۔ یہ خیال کو ظاہر کرتی ہے اس لئے اس کا نفسیات سے بھی رشتہ ہے۔ زبان کی ابتدا کی کھوج اور معنیات میں خاص طور سے نفسیات سے مدد ملتی ہے۔

جغرافیے سے بھی لسانیات کا ربط ہے۔ ہموار میدان میں آمد و رفت اور مراسلت آسان ہوتی ہے۔ وہاں کی زبانوں کا علاقہ دور تک پھیلا ہوتا ہے۔ پہاڑوں اور دشوار گزار جنگلوں میں زبانیں اور بولیاں بہت محدود ہوتی ہیں۔ ایک قدرتی حدِ فاصل کے دونوں طرف زبانیں یا کم از کم بولیاں مختلف ہوتی ہیں۔ ہندوستانی زبانوں میں آسمان سے گرنے والے اور کارخانے میں جمائے ہوئے برف کے لئے ایک ہی لفظ ہے، انگریزی میں دو ہیں۔ اسکیمو زبان میں کھارے پانی کے برف، میٹھے پانی کے برف گرنے والے برف، بہنے والے برف وغیرہ کے لئے مختلف الفاظ ہیں۔ شہروں اور مقامات کے ناموں سے بھی زبان کی فطرت اور ارتقا پر روشنی پڑتی ہے۔

علم تشریح الاعضاء کا صوتیات سے تعلق ہے کیونکہ صوتیات میں اعضائے نطق کا تفصیلی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ صوتیات کا طبعیات (PHYSICS) سے بھی گہرا تعلق ہے۔ آواز ہوا کی لہروں پر کیسے جاتی ہے۔ مصمتہ اور مصوتہ یا انفی آوازوں سے ہوا کی کیسی کیسی لہریں بنتی ہیں یہ سب طبعیات سے متعلق ہے۔ شمعیاتی صوتیات (ACONSTIC PHONETICS) کا مطالعہ تجربہ گاہ ہی میں ہو سکتا ہے

لسانیات کے مطالعے کے فوائد۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ لسانیات کے مطالعے کی افادیت کیا ہے۔ ہم ہندوستان میں لسانیات کیوں پڑھیں غور کیا جائے۔

قومیت نے بنی نوع انسان کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے۔ پچھلی دو صدیاں سامراجیت کے عروج کا زمانہ تھیں۔ حاکم قوم محکوم قوم کو ایک فروتر مخلوق سمجھتی تھی اٹھارویں صدی میں جب تاریخی و تقابلی لسانیات کو فروغ ہوا تب معلوم ہوا کہ قوموں کی تقسیم محض جغرافیائی ہے نسلِ انسانی کی تقسیم نہیں۔ اسی صدی کے آخر میں جب سر ولیم جونز نے کالی داس کی شکنتلا کا انگریزی میں ترجمہ کیا تو انھیں معلوم ہوا کہ سنسکرت، یونانی اور لاطینی ایک خاندان کی زبانیں ہیں، جس کے معنی یہ ہوئے کہ یورپ کے گورے اور ہندوستان کے کالے باشندے ایک ہی نسل کے ہیں۔

اس سے انگریزوں کے احساسِ برتری کو بڑا دھکا پہنچا لیکن اس سے وسعتِ نظر بھی پیدا ہوئی۔ قوموں کی طرح لسانیات بھی پوری بنی نوعِ انسان کو ٹکڑوں میں بانٹتی ہے لیکن لسانی خاندان بہت بڑے ہیں۔ اکثر انھوں نے ملکی حدوں کو مسمار کر دیا ہے مثلاً آئرلینڈ سے بنگال تک ایک نسل ہے، انڈونیشیا اور دور افتادہ مدغاسکر کی زبانیں مماثل ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں اہلِ مدغاسکر چل کر انڈونیشیا تک پہنچے۔

رسم الخط کے اشتراک کا پھیلاؤ زبان کے پھیلاؤ سے بھی زیادہ ہے۔ تبتی رسمِ خط ہندوستان سے ماخوذ ہے۔ چین اور جاپان کے لوگ بہ ظاہر یکساں معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کی زبانوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے باوجود دونوں کا رسمِ خط ایک ہے۔ اس موقع پر ایک دل چسپ واقعہ یاد آتا ہے۔ ایک بار مدھیہ پردیش پبلک سروس کمیشن کے صدر نے میرے سامنے اردو رسمِ خط پر اعتراض کیا کہ اور سب لکھاوٹیں بائیں طرف سے دائیں طرف کو لکھی جاتی ہیں لیکن اردو خط الٹی گنگا بہاتا ہے۔ جب میں نے انھیں بتایا کہ اردو اور انگریزی خط ایک ہی نسل کے ہیں تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اردو رسمِ خط بھی سامی سے ماخوذ ہے اور یونانی رسمِ خط بھی۔ یونانی کے ابتدائی حروفِ تہجی ایلفا، بیٹا، گاما، ڈیلٹا عبرانی ابجد کے الف، بیط، گمل اور دالط کی ترمیم شدہ شکلیں ہیں۔ حیرت تو یہ ہے کہ بعض انگریزی حروف کی ترتیب آج بھی عربی ابجد سے مماثلت کا اعلان کر رہی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

KLMN (کلمن) QRST (قرشت)

مختلف ملکوں کی زبانوں کے تقابلی مطالعے سے تاریخ کے بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں۔ آریہ نسل کے باشندوں کا اصلی وطن کیا تھا یہ قدیم ترین ہند آریائی زبانوں کے بعض الفاظ سے معلوم ہو سکا ہے۔ قبل تاریخ دور میں آریہ کس طرح مختلف گروہوں میں مختلف مقامات پر آباد ہوئے، وہاں سے ان کی کون کون سی شاخیں پھوٹیں یہ سب آریائی زبانوں کے باہمی تعلق اور ان کے شجرے سے بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ لاطینی کا یونانی سے مابعد ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آریہ پہلے یونان میں بسے اور وہاں سے ایک ٹکڑی اٹلی میں گئی۔ یورپ کے خانہ بدوش قبائل کی

ہندوستانی آمیز زبان اس بات کا اشاریہ ہے کہ یہ لوگ کسی زمانے میں ہندوستان سے یورپ گئے۔ کشمیری زبان کی باقی ہند آریائی زبانوں سے علیحدگی صاف بتاتی ہے کہ کشمیر میں آریوں کا کوئی دوسرا گروہ آباد ہوا جو بقیہ ہند و پاک کے باشندوں سے الگ تھلگ اس برِ عظیم میں وارد ہوا۔

لسانیات کا ایک نیا شعبہ لسانی عتیقیات ہے جس سے زبانوں کی عمر کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ ایک اندازہ ہے کہ ایک صدی میں زبان کے ذخیرے میں کتنے فی صدی الفاظ بدل جاتے ہیں۔ دو قرابت دار زبانوں میں الفاظ کے اختلاف کی مقدار دیکھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہ کب ایک دوسرے سے جدا ہوئیں۔ اس سے ایک لسانی برادری کے ذیلی گروہوں کے نقلِ مکانی کا زمانہ معلوم ہو سکتا ہے۔

مطالعۂ ادب کو لسانیات سے اتنا فائدہ پہنچتا ہے کہ اس کی توضیح کی ضرورت نہیں۔ زبان کا آغاز اور ارتقا لسانیات کا موضوع ہے اور اس پر نظر رکھے بغیر ادب کا مطالعہ مکمل نہیں ہو سکتا۔ محض ادیب اس میدان میں جس سراب میں کھو کر رہ جاتا ہے لسانیات اس سے نکال کر صراطِ مستقیم دکھاتی ہے۔ اردو کے آغاز کے بارے میں ادیبوں نے نہ معلوم کیا کیا طوطے مینا اُڑائے۔ جب ماہرینِ لسانیات نے اس موضوع کو لیا تب کوئی مدلّل بات سامنے آئی۔

قدیم ادب کی فرہنگ کی تفہیم میں تو لسانیات سے مدد ملتی ہی ہے بعض اوقات قدیم ادب کا رسم الخط بھی ماہرینِ لسانیات کے طفیل ہی واضح ہوتا ہے۔ ادبی مخطوطات کا زمانہ متعین کرنے میں بھی کبھی کبھی لسانیات سے مدد ملتی ہے۔ فارسی زبان کے عالم جانتے ہیں کہ نویں صدی کے آخر تک فارسی میں دال اور ذال دو الگ حروف نہ تھے بلکہ متبادل آوازیں تھیں جو حسبِ ضرورت بدلا کرتی تھیں۔ خدا بخش لائبریری بانکی پور میں کیمیائے سعادت کا جو مخطوطہ ہے اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ مصنّف امام غزالیؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر نذیر احمد[1] نے اس کا مطالعہ کیا تو اس میں دال ذال کا وہ فرق نہ پایا جو قدیم کتابت میں ہونا چاہیے۔ اس کی بنا پر انھوں نے طے کیا کہ

---

[1] تحقیق و تصحیح متن کے مسائل از ڈاکٹر نذیر احمد۔ نقوش مارچ 1963ء

یہ مخطوط غلط طور پر ان سے منسوب ہے۔ اسی طرح فارسی خط کی کچھ اور خصوصیات ہیں مثلاً ساتویں صدی ہجری تک کاف بیانیہ 'کہ، کو' کی، لکھا جاتا تھا۔ بارھویں صدی ہجری تک گ کو ک ہی لکھا جاتا تھا۔ اردو میں انیسویں صدی کی ابتدا تک ٹ، ڈ، ڑ کے بالائی ط کے بجائے چار نقطوں کا استعمال ہوتا تھا۔ جن مخطوطوں میں ان موقعوں پر ط لکھا ہوا ہے وہ انیسویں صدی عیسوی سے قدیم تر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح کسی مخطوطے میں ہائے مخلوط کا دو چشمی ھ سے لکھا ہونا اس کے نئے پن پر دلالت کرتا ہے۔ زبان اور طرزِ تحریر کے ارتقاء سے یہ واقفیت تحقیق میں بہت سی لغزشوں سے محفوظ رکھتی ہے اور تحریر کا ارتقا مطالعہ لسانیات کا ایک شعبہ ہے۔

لسانیات کی شاخ اسلوبیات کا پیچھے ذکر آچکا ہے۔ اس میں دریافت کیا جاتا ہے کہ کن آوازوں اور صوت رکنوں کی تکرار یا کمی بیشی سے اسلوب میں جان پڑتی ہے۔ یہ شعبہ ابھی عالمِ طفولیت میں ہے یہ کسی شاعر یا انشا پرداز کے اسلوب کو محض ذوقی اور وجدانی مان کر نہیں گزر جاتا بلکہ اس کی ہیئت کا میکانکی تجزیہ کرتا ہے اور اس سے ادیب کے پسندیدہ رجحانات کا پتہ لگاتا ہے۔

الفاظ آوازوں کے مجموعے ہیں جنہیں رسم الخط کا لباس دے کر کاغذ پر ٹانک دیا جاتا ہے۔ کسی زبان کی آوازوں یعنی مصوتوں اور مصمتوں کو دریافت کرنا صوتیات کا کام ہے، اس لئے موزوں رسم الخط ماہرینِ صوتیات کی نگرانی ہی میں تیار ہو سکتا ہے۔ کسی زبان کے موجودہ رسم الخط میں جو خامیاں ہیں ان کی گرفت اور تدارک صوتیات ہی کر سکتی ہے۔ جو بزرگ جدید صوتیات سے بے بہرہ ہیں وہ جب اس موضوع پر کچھ لکھتے ہیں تو وہ ہوا میں لاٹھی چلانے والی بات ہو جاتی ہے۔ جو معالج انسانی جسم کی ساخت اور تشریحِ اعضاء سے واقف نہ ہو وہ کیا تشخیص کرے گا اور کیا علاج تجویز کرے گا۔

صوتیات کا ایک اور مفید کام یہ ہے کہ جن زبانوں کے پاس اپنا رسم الخط نہیں ہے ان کی آوازوں کا تجزیہ کرے اور اسے ایک رسم الخط دے۔ اگر کسی دوسری زبان کا خط دیا جائے تو اس میں حسبِ ضرورت ترمیم واضافہ کرے۔ قبائلی زبانوں میں تحریر کا رواج نہیں ہوتا۔ ماہرینِ صوتیات ان زبانوں کو سیکھ کر اور آوازوں کی صحیح صحیح تفریق کر کے ان کے لئے رسمِ تحریر فراہم کرتے ہیں۔ اس طرح ان زبانوں کا عوامی ادب

قلم بند کرکے محفوظ کرلیا جاتا ہے۔ کشمیری جیسی ترقی یافتہ اور ہم سے اتنے پاس کی زبان کے معاملے میں بھلے ہی یہ کوئی بڑا کارنامہ معلوم نہ ہو لیکن جب دور دراز افریقہ کے قبائل کی اجنبی زبانوں سے سابقہ پڑتا ہے تو ان کی آوازوں کا تعین ہی بڑا مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ ماہرینِ لسانیات ہی اسے حل کرتے ہیں۔

جو زبانیں ابھی محض تقریری منزل میں ہیں صوتیات انھیں تو رسم الخط میں ڈھالتی ہی ہے ان کے علاوہ اگر کبھی کبھار ترقی یافتہ زبانوں کے اقتباسات یا الفاظ کو دوسری زبان کے رسم الخط میں لکھنا پڑتا ہے تو صوتیات ہی اس کی مخصوص آوازوں کی ادائیگی کی ضمانت کرتی ہے۔ پنجابی کا مخصوص رسم الخط گرمکھی ہے جو اس کی آوازوں کا احاطہ کرتا ہے لیکن پنجابی زبان کو اگر اردو یا دیوناگری خط میں لکھنا ہو تو اوّل الذکر کی چند مخصوص آوازوں کے لیے صوتیات کی مدد سے نشانات وضع کرنے ہوں گے۔ اس قسم کا عمل ہر زمانے میں ہوا ہے۔ فارسی نے جب عربی رسم الخط اختیار کیا تو اپنی مخصوص آوازوں پ، چ، گ، ژ کے لیے مماثل عربی حروف میں نقطوں یا مرکز کے اضافے سے کام چلایا۔ اردو نے فارسی رسم الخط لیا تو ٹ۔ ڈ۔ ڑ۔ اور ہائے مخلوط والی آوازوں کے لیے نشانات وضع کیے۔ یہ اختراع خواہ کسی نے کی ہو یہ صوتیاتی عمل تھا اور ان کا مخترع اس حد تک ماہرِ صوتیات تھا۔ آج بھی یہ عمل جاری ہے۔ ہندی میں انگریزی کے خفیف [ɔ] کے لیے ایک مخصوص ماترا ایجاد کی گئی ہے ॅ یعنی آ کی ماترا کے اوپر ایک الٹے قوس کا اضافہ۔ لارڈ، ڈاکٹر جیسے الفاظ کو اسی طرح لکھا جاتا ہے۔ اس نازک مصوتے کی گرفت اور ترجمانی ماہرِ صوتیات ہی نے کی ہے۔

موجودہ رسوم الخط اپنی زبان کی آوازوں کو بھی سو فی صدی طور پر ادا نہیں کر پاتے چہ جائیکہ دوسری زبانوں کی آوازوں کو۔ صحت کے اعلیٰ معیار کو پیشِ نظر رکھ کر بین الاقوامی صوتیاتی رسم الخط ایجاد کیا گیا جس میں حسبِ ضرورت ترمیم و اضافے سے ہر زبان صحیح صحیح تلفظ کے مطابق ضبطِ تحریر میں لائی جاسکتی ہے۔

عروض اور صوتیات کا تعلق ظاہر ہے۔ شعر کا وزن کیا ہے صوت رکن کے طول یا بل کی گوناگوں ترتیبیں۔ انگریزی عروض بل پر مبنی ہے، اردو عروض صوت رکن کے طول پر لیکن لسانی حس یہ بتاتی ہے کہ اردو عروض بھی گاہے گاہے لفظ کے بل سے متاثر

ہوتا ہے۔ اردو عروض کی تشکیلِ نو کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ہمیں ہندی اور انگریزی عروض سے بھی فائدہ اٹھانا ہوگا۔ اور مروجہ عروض کو صوتیات کی اصطلاحوں میں ڈھال کر زیادہ سہل اور زیادہ سائنٹفک بنانا ہوگا۔ عروض صوتیات کے سوا کیا ہے۔ اس کی تراش و خراش صوتیات کے علم کے بغیر ممکن نہیں۔

ایک سیاح یا مبلّغ افریقہ، آسٹریلیا یا جنوبی امریکہ کے ایسے قبائلیوں کے بیچ پہنچتا ہے جہاں اب تک کوئی باہری آدمی نہیں گیا۔ وہ ان قبائلیوں کی زبان نہیں جانتا اور یہ قبائلی اس کی زبان نہیں جانتے۔ یہ لسانیات ہی کا کرشمہ ہے کہ ان اجنبی قبائلیوں کی زبان کو سمجھا اور سیکھا جا سکتا ہے اور سیکھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں عیسائی مشنریوں کی خدمات نہیں بھلائی جا سکتیں۔ قبائلیوں کی تہذیب کو باہر والوں سے متعارف کرانا انہیں ماہرینِ لسانیات کا کام ہے جن کے لئے زبان سیکھنا ثانوی مقصد تھا۔ امریکہ میں تجزیاتی لسانیات کے فروغ کی یہی وجہ ہے کہ اس کے ذریعے ان قبائل تک رسائی ہو سکی ہے جو دوسروں کے لیے ایک بند کتاب تھے۔ اصل مقصد ان کو مسیحیت کا پیرو بنانا یا سیاسی طور پر اپنا ہم خیال بنانا ہے۔ یہ مشنری قبائلیوں کی زبانوں کو اس حد تک سیکھ لیتے ہیں کہ اہلِ زبان کی طرح بول سکتے ہیں۔

امریکہ کی فوج کے تینوں بازو بحری، بری اور ہوائی، صوتیات کا شعبہ بھی رکھتے ہیں۔ ان شعبوں میں صوتیات کی مسلسل تحقیق ہوتی رہتی ہے۔ مغربی ممالک نے جسطرح سائنس دانوں کو ایٹم بم، کیمیائی اور جراثیمی آلاتِ حرب کی تحقیق کے لئے حلقہ بگوش کر لیا اسی طرح لسانیات کو بھی فوجی ضروریات میں ملوّث کر لیا۔ فوج میں شعبہ لسانیات کے قیام کی واحد وجہ جاسوسی کے فن کی تکمیل ہے۔ دُنیا کا ہر ملک اپنے سفیروں اور فوجیوں کو پیغام بھیجنے کے لیے ایک کوڈ استعمال کرتا ہے جو اکثر بدلتی رہتی ہیں۔ فوج کے شعبۂ صوتیات کے دو کام ہیں۔

1۔ روز روز اپنی حکومت کے لیے ایسی کوڈ تیار کرنا جو دوسروں کے لیے لاینحل ہو۔

2۔ دوسری حکومتوں کی کوڈ کو فاش کر کے ان کے خفیہ پیغامات جان لینا۔ کوڈ کو افشا کرنے کے طریقے بالکل وہی ہیں جن سے ماضی کی مردہ زبانوں کے مجہول رسم الخط پڑھے گئے۔

امریکہ میں لسانیات کو بالکل سائنس اور ریاضی بنایا جا رہا ہے۔ لسانیات کی ایک قسم ہے کمپیوٹری لسانیات۔ اس کی مدد سے منجملہ اور مقاصد کے ترجمہ کرنے کی مشین بنانے کی کوشش جاری ہے۔ مماثل زبانوں مثلاً مغربی یورپ کی زبانوں میں ایک دوسرے سے مشینی ترجمہ ممکنات میں سے ہے۔ اس کے علاوہ مشینوں کے ذریعے سے دُنیا کی تمام زبانوں کے بیچ ایک قدرِ مشترک کی کھوج جاری ہے۔ اس کی تشکیل ہو جائے تو کسی بھی زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ مشکل نہ رہے گا۔

اسکولوں میں زبانوں کی جو قواعد پڑھائی جاتی ہے اس میں مختلف اصولوں کے تحت مستثنیات کی فہرست بھی ہوتی ہے جس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ یہ اصول جامع نہیں۔ زبانوں کا مروجہ صرف و نحو بڑا پیچیدہ ہوتا ہے۔ لسانیات کا دعویٰ ہے کہ اس کے اصولوں کے تحت کسی زبان کا صرف و نحو لکھا جائے تو وہ جامع بھی ہوگا اور سہل بھی۔ ترقی یافتہ زبانوں کی ایسی قواعد نہیں لکھی گئی لیکن قبائلی زبانوں میں سے بعض کی لکھی گئی ہے۔

سنسکرت میں اسم کی آٹھ حالتیں ہوتی ہیں جن کی تقلید میں ہندی کے قواعد نویس بھی آٹھ حالتیں لکھتے ہیں۔ لسانیات نے انہیں مختصر کر کے محض تین حالتوں سے کام چلایا ہے۔ چند سطروں کے ایک چارٹ میں زبان کے ہر قسم کے اسمائے کے جملہ صیغوں کی حالتوں کا احاطہ کر لیا جاتا ہے۔ اردو کے افعال کے مختلف زمانوں اور ان کی گردان کے قواعد بڑے پیچیدہ ہیں لیکن ماہرینِ لسانیات نے ان سب کو ایک چارٹ میں محصور کر دیا، اور اس میں تمام تبدیلیاں واضح کر دیں۔

معنی کی حامل سب سے چھوٹی اکائی مارفیم کی دریافت سے لفظوں کی ساخت اور تبدیلی کا بیان بڑا آسان اور سائنٹفک ہو گیا ہے۔ ہماری قواعد میں مصدر کو بنیادی مادّہ مان کر اس میں تبدیلیوں کا ذکر کیا جاتا تھا۔ لسانیات نے مصدر میں سے علامتِ مصدر "نا" حذف کر کے مادّے کا تعین کیا اور اس میں مختلف اضافوں کو صوتیات کی اصطلاحوں میں ادا کیا۔

دراصل ہماری مروجہ اسکولی قواعد اہلِ زبان ہی کے پڑھنے کے لئے ہے۔ دوسری زبان والوں کو اس قواعد کے ذریعے زبان سکھانا بڑا بارِدہ ہے۔ جو حضرات امریکیوں

اور روسیوں وغیرہ کو اردو پڑھاتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ صوتیات اور لسانیات کے صرف و نحو کے بغیر قدم آگے بڑھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان طلبہ کو اس کی تاب نہیں کہ دو سال تک قواعد پڑھی جائے اور پھر زبان سیکھی جائے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تین مہینے ہی میں کچھ شُد بُد بول سکیں۔ مغربی ممالک میں ماہرینِ لسانیات نے ایسے طریقے نکالے ہیں جن سے کسی زبان کو تھوڑے عرصے میں سیکھا جا سکتا ہے۔ آج کے مصروف آدمی کے پاس اتنی فرصت کہاں کہ کئی برس زبان سیکھنے ہی کی نذر کر دیے جائیں۔

اردو والوں کو لسانیات کا خصوصی مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مختلف یونیورسٹیوں سے ایم اے ہندی کرنے کے بعد ہندی کے کسی لسانیاتی موضوع پر پی ایچ ڈی کرنے والوں کی تعداد دیکھیے وہم و قیاس سے زیادہ ہوتی ہے۔ ہندی کی کوئی بولی اور کوئی اہم مصنّف باقی نہیں جس کا لسانیاتی مطالعہ نہ کیا گیا ہو۔ کسی کالج یا یونیورسٹی کی لائبریری میں ہندی کا سیکشن دیکھیے موٹی موٹی جلدیں رکھی ہوں گی سُور کی بھاشا، تلسی کی بھاشا وغیرہ اردو میں کسی ادیب کی زبان پر ایک کتاب نہیں۔ بلا مبالغہ اردو اور ہندی میں لسانیاتی کتابوں کا تناسب ایک اور پچاس کا ہوگا۔

اردو میں لسانیات کی قابلِ ذکر کتابیں ہاتھوں کی اُنگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں اور یہ جن موضوعات پر اور جس معیار کی ہیں ہندی میں ان موضوعات اور معیار کی کتابیں اردو سے تیس سال پہلے وجود میں آ چکی تھیں۔ پاکستان میں اردو کو سرکاری پشت پناہی بھی حاصل رہی ہے لیکن پھر بھی لسانیات کے باب میں اردو نے ترقی نہیں کی۔ محمد حسین آزاد نے نیرنگ خیال کے دیباچے میں اردو کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا اس میں "علوم" کی جگہ "لسانیات" اور "ملک" کی جگہ "علاقہ" رکھ کر یوں کہہ سکتے ہیں۔

"اے اہلِ وطن آج وہ دن ہے کہ لسانیات کے ایوانِ شاہانہ میں دربار لگا ہوا ہے۔ ہر ایک زبان اپنے اپنے علاقے کی خدمتیں لے کر حاضر اور قدرت اور عظمت کے درجوں پر قائم ہے۔ تمہیں کچھ معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری زبان کس درجہ پر کھڑی ہے انصاف نظر آتا ہے کہ نہایت ادنیٰ درجہ پر ہے۔ وہ آگے بڑھنا چاہتی ہے مگر کوئی بڑھانے والا نہیں۔ ہاں، اس کا بڑھنا تمہارے ہاتھ میں ہے[1]۔

---

[1] نیرنگ خیال۔ مکتبہ جامعہ دلی 1970ء ص 13

تو اردو والوں کو منجملہ دوسری وجوہ کے اس لیے لسانیات پڑھنی ہے کہ یہ دوسری زبانوں میں پڑھی جا رہی ہے اور اردو کو ان کے مقابلے میں پیچھے نہیں رہنا ہے۔

بیسویں صدی کے ربع اوّل میں گریرسن نے ہندوستان کا لسانیاتی جائزہ لیا تھا یہ جائزہ سرانجام دے کر گریرسن نے ہمارے ملک کی بہت بڑی علمی خدمت کی لیکن اس کا طریقِ کار سائنسی نہ تھا۔ اس نے نثر کی کچھ عبارت لکھ کر کلکٹروں کو بھیج دی اور انھوں نے پٹواریوں کی مدد سے اس کا مقامی بولی میں ترجمہ کرا دیا۔ اس ترجمے کو دیکھ کر گریرسن نے فیصلہ کیا کہ کس علاقے کی کون سی بولی ہے اور کس زبان اور بولی کا کون سا علاقہ ہے۔ جہاں زبانوں یا بولیوں کے ڈانڈے ملتے ہیں وہاں کا تشفی بخش مطالعہ لسانیات میں تربیت یافتہ شخص ہی کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ گریرسن کے زمانے سے اب تک آبادی کی بہت کچھ نقل مکانی ہوئی ہے جس کی وجہ سے گریرسن کا جائزہ موجودہ صورت حال کی صحیح تصویر پیش نہیں کرتا۔ اشد ضروری ہے کہ ماہرین لسانیات کی مدد سے ملک کا ازسرِنو لسانیاتی جائزہ لیا جائے۔

مردم شماری کے انداز پر اس جائزے کے لیے کم از کم دو ہزار والینٹروں کی ضرورت ہوگی۔ لسانیات کی درس گاہوں اور لسانیات کے موسمِ گرما اسکولوں نے بہت سے افراد کو لسانیات کی مبادیات میں تربیت دی ہے۔ لسانیاتی جائزے کے لیے وہ سب خود کو پیش نہیں کریں گے اس لیے ضروری ہے کہ لسانیات دانوں کی بہت بڑی تعداد میسر ہونی چاہیئے۔ دیکھنا یہ ہے کہ حکومت ہند کب لسانیاتی جائزے کا منصوبہ بناتی ہے۔ آج جو یہ بحث ہوتی ہے کہ چندی گڑھ، بیلگام یا گوا کی زبان کیا ہے اگر ایک باقاعدہ سائنٹفک لسانیاتی جائزہ ہوا ہوتا تو ہر گتھی خود بخود کھل جاتی۔ اس سے لسانی سیاست (glotto-politics) دبی دبی رہتی۔ مغربی ممالک میں بولیوں کے مفصل اٹیلس بنے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کو بھی زبانوں اور بولیوں کا اٹیلس تیار کرنا ہے۔ ضرورت ہے کہ نئے لسانیاتی جائزے کے وقت اردو والے لسانی والنیٹر کافی تعداد میں مل سکیں تاکہ اردو کے حقوق محفوظ رہ سکیں۔ اردو بولنے والی آبادی کے لحاظ سے ایسے لسانیات داں والنیٹر نہ ہونے کے برابر ہیں۔

مختلف یونیورسٹیوں میں ایم اے اردو کے نصاب میں لسانیات کا پرچہ بھی ہوتا ہے

لیکن اکثر یہ محض انگلی میں لہو لگا کر شہید ہونے کے مترادف ہے۔ اردو کے آغاز کے نظریوں اور ہند آریائی کے ارتقا کو سب کچھ سمجھ لیا جاتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک تجزیاتی لسانیات نہ پڑھی جائے زبان کی ساخت کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ اردو ہو یا انگریزی یا ہندی جب تک صوتیات نہ پڑھی جائے اپنی زبان کے مصوتوں کی صحیح تعداد ہی معلوم نہیں ہوتی صوت رکن (SYLLABB) کا تصوّر ہی نہیں ہوتا۔ مولیر کا ایک کردار چالیس سال تک نثر میں باتیں کرتا رہا۔ جب اسے نثر کی تعریف بتائی گئی تو حیران ہوا کہ جس چیز کو چالیس برس سے استعمال کر رہا ہے اس سے واقفیت ہی نہ تھی۔ ہم سب بھی زبان کو ایک عمر سے استعمال کر رہے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ زبان کے بارے میں نہ صرف جانیں بلکہ اس کے دروں کے بھی عارف ہو جائیں زبان کے عرفان کے اس عمل کو لسانیات کہتے ہیں۔ اس کے اسرار و رموز کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

دوسرا باب

زبان کی ماہیت اور اس کے مختلف روپ

انسان کو حیوان ناطق کہا گیا ہے۔ گویا انسان کی جانوروں پر سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ زبان (بھاشا) کا استعمال کرتا ہے، اس کے ذریعے اپنے جذبات وخیالات اپنے ساتھیوں تک پہنچا سکتا ہے۔ حیوانات اس سلسلے میں بہت کچھ معذور ہیں۔ بیشتر حیوانات بولتے ہیں۔ وحشی انسان نے اسی سے اخذ کیا کہ جس طرح انسان انسانی زبان میں بات چیت کرتے ہیں اسی طرح حیوان بھی اپنی اپنی آوازوں میں کسی زبان کا استعمال کرتے ہوں گے۔ قدیم لوک کہانیوں اور داستانوں میں ایسے اشخاص کا ذکر ملتا ہے جو جانوروں کی بولی سمجھتے تھے۔ الف لیلہ، گل بکاولی وغیرہ میں ایسے کردار ہیں لیکن یہ محض قیاس و تخیّل ہی ہے۔ حیوانات کا ذہن اور "بھیجا" اتنا ترقی یافتہ نہیں ہوتا کہ وہ باقاعدہ زبان کا استعمال کریں۔ ہاں کچھ محدود تصوّرات ضرور ہیں جو وہ ایک دوسرے تک پہنچاتے ہیں مثلاً

شہد کی مکھّی کہیں پھولوں میں شہد پاتی ہے تو اپنے چھتّے پر اطلاع دینے جاتی ہے۔ وہاں وہ طرح طرح سے گردش کرکے ناچتی ہے جس سے ایک طرف تو وہ پھولوں کی سمت ظاہر کردیتی ہے دوسری طرف رقص کے چکّروں سے فاصلے کی پیمائش بتادیتی ہے۔ یا شمالی تھائی لینڈ میں بعض لنگوروں کی آوازوں کا تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ کم از کم نو قسم کی ہیں جو مختلف قسم کے مفاہیم کو ظاہر کرتی ہیں مثلاً دشمن کی

آمد کی خبر یا کھیل کے لیے بُلاوا یا گروہ کے زیادہ دور تک منتشر ہو جانے پر قریب آنے کا مشورہ وغیرہ۔ یہ آوازیں زیادہ تر اضطراری ہوتی ہیں خوف، خوشی، غصّہ وغیرہ کے اظہار کی۔ شہد کی مکھّی کا رقص صحیح معنوں میں زبان کی ترسیل کا کام دیتا ہے لیکن واضح ہو کہ مکھّی صرف شہد کے ذخیرے ہی کی اطلاع دے سکتی ہے اور بس۔ اس کے آگے نہیں۔ ہاکیٹ نے حیوانی زبان کے مقابلے میں انسانی زبان کی سات خصوصیات[1] گنائی ہیں۔ ان کی جامعیت و مانعیت میں شبہ ہے۔ وہ یہ ہیں۔

1- ترتیب کی دو سطحیں ہونا یعنی پہلی سطح چند اکائیاں ہیں اور دوسری سطح ان کی گوناگوں ترتیب۔ اس ترکیب سے بہت زیادہ پیغامات کی ترسیل ممکن ہے۔۔۔ انسانی زبان میں یہ دو اجزا فونیم اور مارفیم سمجھیے۔ آوازوں کی مختلف ترتیب سے مختلف بامعنیٰ اجزا بنائے جاتے ہیں۔

2- اُپج۔ انسانی زبان کا استعمال کرنے والا ایسے نت نئے پیغامات ادا کر سکتا ہے جو پہلے اس نے کبھی سنے بھی نہ ہوں، یعنی مماثلت کی بنا پر طرح طرح کے مفاہیم تخلیق کیے جا سکتے ہیں۔ حیوانات اپنی پیام رسانی میں اس طرح اضافہ نہیں کر سکتے۔

3- من مانی Orbitary ـــ انسانی زبان میں اکائیاں اور ان کی ترتیب من مانی ہے یہ مفہوم کی عکس نما پیکر نہیں۔ مکھّی کا ناچنا عکّاس پیکر ہے۔

4- ناطق اور سامع میں بدل ممکن ہے۔ ہر بولنے والا انہیں مفاہیم کو دوسروں سے سن بھی سکتا ہے اور ہر سامع بہ وقتِ ضرورت ان بیانات کو خود بھی ادا کر سکتا ہے۔ حیوانات میں بعض بیانات ایسے ہیں جو ایک ہی فریق ادا کر سکتا ہے اور دوسرا محض سُن سکتا ہے مثلاً بعض نر مچھلیوں کا مخصوص اشارے سے مادّہ مچھلی کو جفتی کے لیے اپنے مستقر پر لے جانا یا بعض والدین پرندوں کا اپنے بچوں کو چونچ سے کھانا کھلانا۔ ان موقعوں پر ایک فریق کی حرکات دوسرے فریق کے

---

[1] HOCKETT: A Course in Modern Linguistics. P. 574, NEW YORK, 1968

بس کی نہیں۔

5- اختصاص (SPECIALISATION) - انسانی زبان متعدد مخصوص خیالات کی ترسیل کر سکتی ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ زبان اور مواد میں کوئی لازمی تعلق نہیں

6- بُعد تقریر کا اپنے موضوع سے زمانی و مکانی بُعد ممکن ہے یعنی ہم غیر حاضر اشیا اور واقعات کے بارے میں پیغام دے سکتے ہیں مثلاً

ا 1192ء میں شہاب الدین غوری نے پرتھوی راج کو شکست دی۔

ب سوئٹزرلینڈ بہت خوب صورت ملک ہے۔

حیوانات صرف انہیں موضوعات اور تجربات کی ترسیل کرتے ہیں جو زمان اور مکان میں بالکل قریب ہوں۔

7- انسانی زبان کلچر کے جزو کے طور پر ایک سے دوسرے کو سکھائی جاتی ہے۔ حیوانات کی ترسیل جبلّی ہوتی ہے۔ان کا ہر فرد اسے خود بخود جانتا ہے۔ انسانوں میں بڑی نسل چھوٹی نسل کو شعوری یا غیر شعوری طور پر سکھاتی ہے۔

دراصل حیوانوں کی زبان اور انسان کی زبان کا مقابلہ ہی کیا۔ یہ پربت کے مقابل رائی کو لانا ہے۔ حیوانوں کی ترسیل بالعموم چار مقاصد تک محدود رہتی ہے۔ جفتی کی ترغیب، بچوں کی پرورش، غذا یا علاقہ حاصل کرنے میں تعاون، گروہ کے اندر یا باہر کے غنیموں سے لڑائی۔

انسان کی ترسیل کی کوئی حد نہیں۔ جانوروں کی زبان بیشتر اشاروں کی سطح پر ہوتی ہے اور بس۔ انسانوں میں بھی ترسیل محض نطق ہی کے ذریعے نہیں ہوتی یہ اشاروں سے بھی ممکن ہے۔ اشاروں کا استعمال ازلی اور آفاقی ہے۔ اتنا مہذب ہو جانے کے بعد بھی انسان اپنے خیالات کے اظہار کے لیے اشاروں سے بے نیاز نہیں۔ دونوں ہاتھوں کو اوک بنا کر منہ سے لگانا پانی مانگنے کا اشارہ ہے۔ سر کی جنبش سے ہم "ہاں" یا "نہیں" کہہ سکتے ہیں۔ اس طرح "زبان" کے کم از کم دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔

ا- شعوری آوازیں جن کے ذریعے سے انسان اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کرتا ہے۔

2۔ اشاروں کی زبان۔ مخصوص معنیٰ میں اشارے بھی زبان کے زمرے میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔

اشارے تین قسم کے ہوتے ہیں:

الف۔ بصری۔ اشاروں کی سب سے بڑی تعداد وہ ہے جن میں آنکھ سے دیکھا جاتا ہے مثلاً ہاتھ یا سر کی جنبش۔ اسکاؤٹوں کی جھنڈیوں کے ذریعے گفتگو۔

ب۔ سمعی۔ جنہیں کان سے سنا جاتا ہے مثلاً وقت کی تعئین کے لیے گھڑیاں بجانا۔ دوڑ کا آغاز کرنے کے لیے پستول چھوڑنا۔ چٹکی بجانا۔ کسی کو بلانے کے لیے سیٹی بجانا۔

ج۔ لمسی۔ سب سے محدود اشارے وہ ہیں جن میں لمس سے کام لیا جاتا ہے جسے رت کہتے ہیں۔

بزمِ اغیار میں ہر چند وہ بیگانہ رہے ہاتھ آہستہ مرا پھر بھی دبا کر چھوڑا

یہ ہاتھ دبانا اندھیرے میں بھی کارگر ہوتا ہے کمر تھپ تھپانا یا ہاتھ پکڑ کر کھینچنا بھی لمسی اشارہ ہے۔ اشارے کو الفاظ پر یہ فوقیت ہے کہ ایک ہی جنبش پورے کلام کو ظاہر کر سکتی ہے مثلاً کسی کو بلانے کے لیے اشارہ۔ اس کے علاوہ اشارہ مدعا کو مجسّم اور متشکل کر کے پیش کرتا ہے لیکن ان کے باوجود اشارے صوتی زبان کے مقابلے میں بالکل بے دست و پا ہیں۔ ان کی دنیا بہت محدود ہے۔ یہ روزانہ زندگی کے چند خیالات و جذبات تو ادا کر سکتے ہیں لیکن بیشتر تصورات و تجربات ان کی گرفت سے باہر ہیں مثلاً ذیل کے سیدھے سادھے مطالب کو اشارے میں کہنا ممکن نہیں:

"میں کل جاؤں گا
سچ بولنا چاہیئے
تمہارا نام کیا ہے؟"

زبان کی کئی تعریفیں کی گئی ہیں۔ ان تعریفوں کا مانع ہونا ضروری ہے تاکہ ان کے ذیل میں غیر لسانی اشارے نہ آسکیں۔ زبان کی ایک منطقی تعریف یہ ہو سکتی ہے۔

"زبان بالقصد، من مانی، قابلِ تجزیہ، صوتی علامات کا وہ نظام ہے جس کے ذریعے ایک انسانی گروہ کے افراد اپنے خیالات و جذبات کی ترسیلِ باہمی کرتے ہیں"

"Language is a System of Voluntarily produced arbitrary, analysable, vocal Symbols through which a community communicates its thoughts and feelings."

ہم اس تعریف کا تجزیہ کرلیں تو زبان کی ساری خصوصیات سامنے آجائیں گی۔
زبان ایک نظام ہے یہ بات بدیہی ہے۔ دراصل یہ کئی نظاموں کا مجموعہ ہوتی ہے
زبان کا پہلا نظام صوتیاتی (فونیمی) ہوتا ہے۔ ہر زبان میں کچھ آوازیں ہوتی ہیں
کچھ نہیں ہوتیں مثلاً دراوڑی زبانوں میں معکوسی مصمتے ہیں جب کہ یورپی زبانوں یا عربی
فارسی میں نہیں ہوتے۔ عربی فارسی میں لہاتی آوازیں ق، خ، غ ہوتی ہیں جب کہ
دراوڑی زبانوں میں نہیں ہوتیں۔ ان صوتیوں کی ترتیب بھی مقرر ہے مثلاً انگریزی
میں Table کے پہلے /s/ لگاکر Stable بن سکتا ہے لیکن
Table کی /t/ کے قبل اور کوئی مصمتہ نہیں لایا جاسکتا۔ اردو میں کسی
لفظ کے شروع میں تین مصمتے نہیں آسکتے۔ صوتیے اور ان کی ترتیب مقرر ہیں۔ صوتیوں
سے جو مارفیم بنتے ہیں ان میں بھی ترتیبی باقاعدگی ہے مثلاً "آؤں گا"، کہہ سکتے ہیں "گا
آؤں"، نہیں۔ اس طرح زبان میں صوتیاتی اور قواعدی دو اہم نظام ہوتے ہیں۔
لیکن یہ واضح ہے کہ گو زبان باقاعدہ نظام ہوتی ہے لیکن سو فی صدی نہیں۔
ہر زبان میں کچھ بے قاعدگیاں ہوتی ہیں مثلاً انگریزی میں خلافِ معمول جمع کے
صیغے۔ CHILDREN ، MEN وغیرہ۔ سپیر (SAPIR)
نے اپنی کتاب لینگویج میں لکھا ہے۔

"بدقسمتی سے (یا خوش قسمتی سے) کوئی بھی زبان جبر کی حد تک باقاعدہ نہیں۔
تمام قواعدوں میں چھید ہوتے ہیں۔

"Unfortunately-or luckily-no language is tyrannically consistent. All Grammers leak."

اردو میں مور کا مؤنث مورنی ہے لیکن چور کا چوٹّی ہے۔ مرنا کا ماضی مطلق مرا ہے

اور کرنا کا 'کیا'۔ آنا کا ماضی مطلق 'آیا' ہے اور 'جانا' کا 'گیا'۔ انگریزی میں 'SEEK' کا 'SOUGHT' ہے لیکن FIGHT کا مادّہ FOUGHT حالانکہ منطقی اعتبار سے SIGHT ہونا چاہیئے تھا۔ WILD کی جمع WILDS ہے لیکن CHILD کی CHILDREN بہرحال ان استثنیات کے باوجود فونیمی اور مارفیمی نظام کی موجودگی میں شک نہیں۔

مندرجہ بالا تعریف میں زبان کی اکائیوں کو علامت کہا گیا ہے۔ ایک خیال یا تجربے کی ترجمانی الفاظ میں کی جائے تو یہ الفاظ رمز یا علامت ہی ہوں گے مثلاً کھٹ کھٹ، کوئل، ربنکنا، جیسے صوت نما الفاظ بھی اصل تصور سے مختلف ہوتے ہیں۔ اس کا اندازہ مختلف زبانوں میں ایسے ہم معنیٰ الفاظ کے مقابلے سے ہوگا مثلاً بلی انگریزی میں MEOW، جرمن میں MIAN لیکن فرنچ اور اطالوی میں GNAO کہتی ہے اور ہر زبان کا بولنے والا سمجھتا ہے کہ ان کی زبان کا صوت نما لفظ بلّی کی آواز سے قریب ترین مماثلت رکھتا ہے۔ صوت کی نقل کے باوجود ہر زبان کے صوت نما الفاظ اس کے فونیمی نظام کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس طرح زبان کی ہر اکائی ایک علامت ہوتی ہے۔

یہ علامات 'صوتی' ہوتی ہیں۔ اسکاؤٹ اگر جھنڈیوں کے ذریعے بات کریں تو زبان نہیں، زبان کی ثانوی کوڈ ہے، اشارہ ہے۔ اگر بندرگاہوں پر طرح طرح کے طوفانوں کو ظاہر کرنے کے لیے مختلف قسم کے جھنڈے لگا دیے جاتے ہیں تو وہ بھی زبان نہیں کیونکہ زبان کو صوتی ہونا ضروری ہے۔ 'صوتی' انگریزی لفظ VOCAL کا ترجمہ ہے۔ VOICE محض آواز کو نہیں کہتے بلکہ منہ سے پیدا کی ہوئی آواز کو۔ اردو لفظ 'صوت' میں ایسی تخصیص نہیں۔ ساز کی آواز بھی صوت ہے اور گلے کی آواز بھی صوت۔ یاد رہے کہ زبان کی علامات منہ سے پیدا کی ہوئی آوازیں ہوتی ہیں ہاتھ کی چٹکی یا ڈنکے کی چوٹ کے تواتر سے زبان تشکیل نہیں دی جا سکتی۔

ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری[1] نے "صوتی علامات" میں بھی ایک باریکی پیدا کی ہے۔ ذیل

---

[1] بھاشا دگیان (ہندی)، از ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری ص ۳ - طبع چہارم

کی دہانی آوازیں جذبہ یا خیال کی ترسیل کرتی ہیں لیکن زبان کے تحت نہیں آ سکتیں (۱) بوسے کی آواز (2) گھوڑے یا بیل کو ہانکنے کے لیے "چک چک" جیسی درکشیدہ آواز جو جانور کو 'چلنے' کا اشارہ کرتی ہے۔ ان کو خارج کرنے کے لیے تواری نے 'قابلِ مطالعہ' اور 'قابلِ تجزیہ' کی شرط لگائی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ غیر ضروری ہے۔ یہ آوازیں زبان کے نظام کا حصہ کہاں ہیں اور اگر کسی زبان کے نظام میں لے لی جائیں تو انھیں 'صوتی علامات' کہنے پر کس کو اعتراض ہو سکتا ہے۔

زبان 'من مانی' علامت ہے۔ علامات دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک میں خیال اور اس کی خارجی علامات میں کوئی مشابہت ہوتی ہے مثلاً کسی کو بلانے کے لیے ہاتھ سے اشارہ کرنا یا کسی کو پیار جتانے کے لیے دور سے اس پر بوسہ پھینکنا یا شاہی سواری کا تصویری مرقع۔ دوسری نوع میں تصور کے اظہار کا روپ اس سے بالذات کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ من مانے طور پر کسی بھی علامت پر کسی بھی خیال کے اظہار کے لیے اتفاق کر لیا جاتا ہے مثلاً سکولوں میں ایک مخصوص قسم سے گھنٹی بجانے کے معنی چھٹی ہو جانا، یا دونوں ہاتھوں کو جوڑنے کے معنی اظہارِ تعظیم یا ہری جھنڈی دکھانے سے ریل کو کوچ کی پروانگی۔ الفاظ اسی قسم کی علامت ہیں۔ ارسطو اور EPICUREAN یہی مانتے تھے لیکن رواقیئین (STOICS) کا خیال تھا کہ لفظ اور معنی میں کوئی لازمی تعلق ہے۔ اب یہ بات صاف ہو گئی ہے کہ صوتی علامت اور اس سے مراد لیے جانے والے تصوّر میں کوئی فطری رشتہ نہیں ہوتا مثلاً آگ کہنے میں جو آواز ہوتی ہے اس میں سوزش نہیں ہوتی، وہ ہونٹوں کو جلا نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک صوتی علامت 'مار' سے اردو میں 'مار پیٹ'، فارسی میں سانپ اور انگریزی میں مسخ کرنا مراد لیتے ہیں۔ اور دوسری طرف پیڑ کو ہندی میں پیڑ، سنسکرت میں 'ورکش'، فارسی میں درخت، عربی میں شجر اور انگریزی میں TREE کہتے ہیں، اور اس اختلافِ اصوات سے کوئی قباحت نہیں ہوتی۔

زبان کی علامات بالقصد ہوتی ہیں کہا جاتا ہے کہ انسان درد میں چیختا اور خوشی میں ہنستا ہے۔ چیخنے، رونے اور ہنسنے کی آوازیں دہانی اصوات ہیں اور کسی نہ کسی قسم کے جذبے کا ابلاغ بھی کرتی ہیں لیکن چونکہ یہ اضطراری ہیں اس لیے زبان کا جزو نہیں صرف

بالقصد پیدا کی ہوئی آوازیں ہی زبان کہلاتی ہیں اور اگر قہقہہ فرمائشی یعنی بالقصد ہو تو بھی یہ آواز کا جزو نہیں کیونکہ یہ قابلِ تجزیہ آواز نہیں۔ دراصل بالقصد کی شرط بھی قدرِ تکلف ہے کیونکہ گریہ وخندہ کی آوازیں ' اصوات کے معینہ نظام' کے باہر ہیں اور زبان میں کسی فرد کی ہر آواز تو آتی نہیں، ایک نظام میں بندھی ہوئی آوازیں ہی زبان کا جزو ہوتی ہیں۔

زبان کا استعمال محض صوتی علامات ہی کے لیے مخصوص کر لیا گیا ہے۔ ان صوتی علامات کو دوسرے طریقوں میں بھی منتقل کیا جاسکتا ہے۔ ہم نے زبان کو ' علامتوں کا نظام ' کہا تھا۔ علامتوں کے نظام کو ایک انگریزی لفظ کوڈ (CODS) سے بھی ظاہر کیا جاتا ہے۔ زبان صوتی کوڈ ہے۔ کوڈ دو قسم کی ہوسکتی ہے ابتدائی (PRIMARY) اور ثانوی۔ ثانوی کوڈ کسی ابتدائی کوڈ کی ترجمانی کرتی ہے۔ تکلّمی زبان ابتدائی کوڈ ہے تحریر اس کی ثانوی کوڈ۔ یہ صوتی علامات کو کاغذ یا کسی دوسری سطح پر ساکت کر کے ٹانک دیتی ہے۔ شارٹ ہینڈ، تار دینے کی MORE'S CODE وغیرہ بھی اسی قسم کی ثانوی کوڈ ہیں۔

کہا جاسکتا ہے کہ آدمی تنہائی میں بھی بڑبڑا سکتا ہے غسل خانے کی تنہائی میں بھی گا سکتا ہے، پھر ترسیل کی قید کیوں ؟ ۔ سچ تو یہ ہے کہ اس غیر معمولی صورت میں ایک فرد خود کو دو شخصیتوں میں تقسیم کر لیتا ہے ؛ قائل اور سامع ۔

خود کلامی سے بھی زیادہ پیچیدہ معاملہ ذہن میں سوچنے کا ہے۔ سوچنے میں بھی تو زبان کا استعمال ہوتا ہے۔ وہاں نہ صوتی علامات ہیں نہ ترسیل ہے۔ ابھی تک ہم نے زبان کی دو شکلیں دیکھی تھیں ؛ تقریری اور تحریری۔ تحریر صوتی الفاظ کی ثانوی علامت ہے۔ سوچنا خیالات کے صوتی اظہار سے بھی پہلے کی منزل ہے۔ ہم ذہن میں خیالات کو صوتی علامات کے مقررہ آئین یعنی زبان میں ڈھال لیتے ہیں لیکن ہنوز ان کا خارجی اظہار نہیں کرتے۔ خیالات کی تشکیل ہم انھیں سانچوں میں کرتے ہیں جن سے سماج مراسلت کا کام لیتا رہا ہے۔ سوچنا سوتی علامات سے بے نیاز نہیں ان کا تابع ہے۔ رابرٹ ہال لکھتا ہے " یہ بات کئی صدیوں سے معلوم ہے کہ جب ہم خاموشی سے سوچ رہے ہوتے ہیں تب بھی نُطق، جاری رہتا ہے۔ اکثر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس قسم کی اندرونی بات چیت میں زبان

کا استعمال نہیں ہوتا بلکہ کسی قسم کی مجرّد سوچ ہوتی ہے جو ہمارے ذہن میں ایک تصوّر کو دوسرے تصوّر کے ساتھ بٹھا دیتی ہے، لیکن تشریح الابدان اور نفسیات کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ جب ہم آواز کیے بغیر سوچ رہے ہوتے ہیں تب بھی ہمارے دماغ سے اعصابی لہریں روانہ ہوتی ہیں جیسے ہم بولنے کو ہوں لیکن اعضائے نطق کی حد پر پہنچ کر یہ لہریں روک دی جاتی ہیں۔ بچے ان لہروں کو بر محل روکنا نہیں جانتے اس لیے تنہائی میں بھی بولتے رہتے ہیں یا یہ کہ جب پڑھنا سیکھتے ہیں تو بول کر پڑھتے ہیں۔ بعد میں وہ سوچتے وقت اعصابی لہروں کو اعضائے نطق کی سرحد پر لا کر روکنا سیکھ لیتے ہیں۔ بعض تہذیبوں میں خود کلامی پر اتنی سختی نہیں ہوتی چنانچہ اٹلی میں سڑک پر ہر عمر کے انسان خود سے باتیں کرتے ہوئے چلتے دکھائی دے جائیں گے۔

خاموش فکر میں غیر خارجی تکلّم شامل رہتا ہے۔ ہر بار جب کوئی خاموشی سے پڑھتا یا لکھتا ہے اندرونی تکلّم کا عمل جاری ہو جاتا ہے لیکن وہ باہر آنے سے پہلے رک جاتا ہے [1]،،

زبان خیال ہی کی نہیں جذبے کی بھی ترسیل کرتی ہے۔ نفسیات کے مطابق سوچنے کے علاوہ ذہن کا دوسرا اہم فعل محسوس کرنا (FEELING) ہے۔ محسوس کرنے کا دوسرا نام جذبہ ہے۔ ڈنمارک کے مشہور ماہر لسانیات یسپرسن (JES PERSON) کے مطابق زبان کی ایجاد خیالات کی ترسیل کے لیے نہیں بلکہ جذبے کے اظہار کے لیے ہوئی۔ جذبہ اور فکر دونوں ذہن کے عمل ہیں اس لیے ہماری تعریف میں اس امر سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ترسیل کا موضوع خیالات ہیں کہ جذبہ؛

آخری شرط ہے کہ زبان ایک انسانی گروہ سے متعلق ہے۔ یہ تحدید اس لیے کر دی گئی ہے کہ کوئی زبان تمام بنی نوع انسان کے لیے ترسیل کا کام تو دیتی نہیں اپنے استعمال کرنے والوں ہی کے مفیدِ مطلب ہوتی ہے۔ ایک زبان کے بولنے والوں کو

---

[1] Introductry Linguistics P.16 by Roburt A. HALL 1st Indian Edition 1969,

ہم لسانی گروہ Speech Community کہتے ہیں۔

رابرٹ لوئی گرے نے زبان کی جو تعریف دی ہے وہ تقریباً ہماری جیسی ہے لیکن اس میں اس نے لسانی گروہ والے حصّے کو بڑی تفصیل سے لیا ہے جس کی وجہ سے اس کی تعریف قانونی انداز کی ہو گئی ہے۔ یہ الفاظ ہیں:۔

"Language is such expression and communication to or from human beings by means of speech and hearing the sounds uttered or heard being so combined in systems evolved, conventionalised, and recognised by common usage at any given community or within given communities that they are mutually intelligible to all approximately normal members there of."

یہاں اس پہلو پر زور دیا گیا ہے کہ لسانی گروہ میں لسانی علامات کے مفہوم کے بارے میں ایک ذہنی معاہدہ ہونا چاہئے کہ آوازوں کے معینہ مجموعے (الفاظ) بامعنی اور قابلِ فہم ہوں گے۔

زبان یا صوتی علامات کے دو حصّے ہوتے ہیں ۱۔ ہیئت یا علامت (SIGN) ۲ مواد یا موضوعِ علامت (SIGNIFIED) ہیئت سے مراد صوتی پہلو ہے جو خارجی ہے۔ موضوع نفسیاتی پہلو ہے۔ ہم کسی غیر زبان بولنے والے کو سنتے ہیں تو ہیئت کا مشاہدہ کرتے ہیں موضوع کا نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہیئت سے بھی کہاں واقف ہوتے ہیں ہمیں تو وہ صوتی گڈمڈ معلوم ہوتی ہے۔ زبان کی ہیئت یا اظہار میں جو ایک باقاعدہ صوتی نظام ہوتا ہے اس سے واقفیت اسی وقت ہو سکتی ہے جب ہم زبان کو سیکھ لیں۔ ماہرِ لسانیات ہی زبان کی خارجی ہیئت یعنی صوتی نظام کا عارف ہوتا ہے۔

زبان کے استعمال کرنے والے اہلِ زبان کی توجہ مواد پر ہوتی ہے، ان خیالات

اور تجربات پر جو الفاظ کے ذریعے ادا کرتے ہیں۔ ہیئت اور موضوع کے تعلق کو مفہوم کہا جاتا ہے۔ مخصوص موضوع یا تصور کے لیے صحیح ہیئت یا اظہار کا انتخاب ہی حسنِ زبان ہے گرے نے کہا ہے

"Language is essentially correspondence of signified and sign."

زبان کے استعمال کے دو حصے ہوتے ہیں نفسیاتی اور میکانکی۔ نفسیاتی حصہ ان تصورات سے عبارت ہے جو اصوات کے ذریعے ترسیل کیے جاتے ہیں۔ میکانکی جزو کے تین حصے ہیں؛

۱- منھ سے آواز کا نکلنا 2- آواز کا ہوا کی لہروں پر چلنا 3- سامع کے کان کا آواز کی گرفت کرنا۔

انھیں کی بنا پر صوتیات کی تین قسمیں کی جاتی ہیں:

"(1) Articulatory Phonetics (2) Acoustic Phonetics (3) Auditory Phonetics

ہمیں درمیانی منزل سے فی الوقت سروکار نہیں کہ وہ طبعیات کا میدان ہے۔ بات چیت میں متکلم اور سامع کی حد تک ذیل کی منزلیں ہوتی ہیں۔

۱- متکلم کے دماغ میں کوئی تصور آتا ہے۔

2- دماغ ہی میں کچھ آگے بڑھ کر اس خیال کا صوتی پیکر بنتا ہے۔

3- صوتی پیکر کو اعضائے نطق منھ سے باہر نکال دیتے ہیں۔

4- صوت ہوا کی لہروں پر چلتی ہے۔

5- صوت سامع کے سامعہ میں داخل ہوتی ہے۔

6- تھوڑا آگے بڑھ کر اس کا ایک سمعی پیکر تیار ہوتا ہے۔

7- اس سمعی پیکر کو دماغ تصور میں ڈھال لیتا ہے۔

اس طرح ایک دماغ کا تصور دوسرے دماغ میں پہنچتا ہے۔ دونوں طرف نفسیاتی اور میکانکی دونوں منزلیں آتی ہیں۔

زبان اور خیال کا تعلق بڑا پراسرار اور دلچسپ ہے۔ ایک بحث ہے کہ کیا خیال

بغیر زبان کے ممکن ہے۔ عام طور سے ہم ہمیشہ کسی نہ کسی زبان ہی میں سوچتے ہیں لیکن ذیل کی غیر معمولی صورتیں دیکھیے۔

1۔ ڈرائیور موٹر چلا رہا ہوتا ہے یکایک کوئی بچہ سامنے آجاتا ہے۔ ڈرائیور تیزی سے موٹر کو ایک سمت میں موڑ کر بریک لگا دیتا ہے۔ اس کے دماغ نے ایک فیصلہ کر کے ہاتھوں کے عضلات تک پیغام پہنچا دیا۔ یہ کام اتنی تیزی سے ہوا کہ ذہن میں خیال الفاظ کے جامے میں نہ ڈھل سکا یا عمل کے بعد خیال کی تشکیل ہوئی۔

2۔ بعض اوقات ہمیں یہ کہنے کی ضرورت آتی ہے کہ اظہار کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں، یعنی ذہنی تجربہ الفاظ سے ماورا ہے۔ زن و شوہر لذتِ وصل کا احساس کرتے ہیں لیکن الفاظ کے ذریعے ایک دوسرے کو کیونکر بتا سکتے ہیں کہ اس تجربے کی کیا کیفیت اور نوعیت ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات خیال الفاظ سے بے نیاز بھی ہوسکتا ہے۔ ایک بحث ہے کہ خیال پہلے آیا کہ زبان۔ یہ اسی قسم کی بحث ہے کہ مرغی اور انڈے میں پہلے کون وجود میں آیا۔ ارتقائے حیات میں انسان سے جو حیوانات نزدیک ہیں وہ بڑی سوجھ بوجھ کا ثبوت دیتے ہیں۔ بندر اور کتے آدمیوں کے سے کام کرتے دیکھے گئے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے پاس خیال ہے، علت و معلول کے تعلق کا احساس ہے لیکن ظاہر ہے کہ زبان نہیں۔ جب بن مانس سے انسان کا نیا نیا ارتقا ہوا ہوگا تو ایسی ہی کوئی کیفیت رہی ہوگی یعنی زبان کی واضح تشکیل سے پہلے ابتدائی خیالات ذہن میں جگہ پا سکے ہوں گے۔

راقم الحروف کے تین تجربے حسبِ ذیل ہیں:

1۔ کوئی کتاب پڑھ رہا ہوں۔ نظریں آدھا صفحہ پڑھ گئیں۔ ذہن کچھ اور سوچ رہا ہے جب آدھا صفحہ پڑھ لیا تو چونکا کہ ذہن تو غیر حاضر تھا۔ معلوم نہیں اس صفحے میں کیا لکھا تھا۔ دوبارہ پھر پڑھنا پڑا۔ کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ آنکھوں نے تحریری زبان کو پڑھا لیکن ذہن نے اس کے مواد یعنی تصور کی گرفت نہیں کی۔ اس صورت میں زبان بغیر خیال کے رہ گئی۔

2۔ میں ایک تحریر کی نقل کرتا ہوں۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک ایک پیراگراف

صحیح نقل کرلیتا ہوں لیکن ذہن اس تحریر کے علاوہ کسی اور ادھیڑ بُن میں محو ہے یعنی میرے ذہن نے اصل عبارت کی زبان کی گرفت کی لیکن اس کے خیال کی گرفت نہ کی
ب کتابت یا نقل کراتے وقت ذہن نے محض زبان سے سروکار رکھا لیکن اس کے پیچھے مضمر خیال کو نظر انداز کر دیا۔ اس طرح یہاں بھی زبان بغیر خیال کے باقی رہ گئی۔

3۔ تقریر کے دوران ساتھ ساتھ آگے کے لیے نکات سوچنا بھی ممکن ہے یعنی ذہن سے مسلسل الفاظ ادا ہو رہے ہیں اس کے باوجود ذہن آگے آنے والے خیالات کو ترتیب دے لیتا ہے۔ یعنی ذہن نے بہ یک وقت دو قسم کے خیالات کو سوچا۔

ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ خیال اور زبان کا ساتھ ایسا اٹوٹ نہیں جیسا کہ سمجھا جاتا ہے۔

پیچھے زبان کی تعریف کے سلسلے میں اس کی نوعیت واضح ہو چکی ہے۔ ذیل میں اس کی کچھ اور خصوصیات درج کی جاتی ہیں۔

ا۔ زبان موروثی نہیں ہوتی یعنی کسی مخصوص زبان کو بولنے کی صلاحیت والدین کی طرف سے اولاد کو منتقل نہیں ہوتی۔ یہ سمجھنا صحیح نہ ہوگا کہ اہلِ زبان کا سا تلفظ اور بولنے پر عبور اس زبان والوں کو نسل (RACE) ہی کے لیے ممکن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زبان ماحول کی دین ہے وراثت کی نہیں۔ کسی نوزائیدہ بچے کو دنیا کی کسی بھی زبان والے گھرانے میں دے دیجیے۔ بڑے ہو کر انھیں کی زبان بالکل اسی فطری لہجے میں بولنے لگے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ مخصوص زبان تو درکنار نطق انسانی بھی وراثت میں نہیں ملتا۔ اگر نومولود بچہ انسانی آبادی سے دور جنگل میں پرورش پائے تو وہ جانوروں کی طرح غوں غاں ہی کرے گا جنگلوں سے ملنے والے گرگ طفلوں (WOLF BOYS) کی کئی مثالیں ہمارے دور میں بھی دیکھنے میں آئی ہیں۔

2۔ زبان اکتسابی ہے۔ یہ سماج میں سیکھی جاتی ہے۔ ایک اوسط انسان کوشش کر کے کسی دوسری زبان کی آواز کو ادا کرنا سیکھ سکتا ہے بشرطیکہ اسے کوئی صحیح سکھانے والا مل جائے اور اس میں سیکھنے کی صلاحیت اور صبر ہو۔

3۔ یہ اکتساب نقل سے ہوتا ہے۔ عموماً بچہ اپنے گھرانے میں والدین کی نقل کر کے ان کی زبان حاصل کرتا ہے۔ جو بچے بچپن سے بہرے ہوتے ہیں وہ گونگے بھی رہ

جاتے ہیں کیونکہ وہ دوسروں کی نقل نہیں کر سکتے۔

4۔ زبان سماجی شے ہے۔ اس کا استعمال سماج ہی میں ہو سکتا ہے۔ ایک شخص اپنے لسانی گروہ سے زیادہ عرصے کے لیے ہٹ جاتا ہے تو بعض اوقات اپنی مادری زبان کی مہارت بھی کھو بیٹھا ہے۔ اور وہ جس نئے لسانی گروہ کے بیچ اقامت گزیں ہوتا ہے رفتہ رفتہ اس کی زبان پر عبور پاتا جاتا ہے۔ ہم سب اپنی مادری زبان پر سب سے زیادہ قدرت اس لیے رکھتے ہیں کہ ہم مادری زبان کے ماحول میں سب سے زیادہ وقت گزارتے ہیں، وہ پورا سماج نہ ہو تو کم از کم گھرانے کا ماحول تو ہوگا۔

5۔ زبان ایک عادت ہے۔ ہم بچپن میں اسے حاصل کر لیتے ہیں اور اس کے بعد اسے عادت کے طور پر برتا کرتے ہیں۔ جس طرح ایک آئس برگ کے دس حصّوں میں سے ایک پانی کے اوپر اور نو حصّے پانی میں رہتے ہیں اسی طرح ہمارا زبان کا استعمال بھی زیادہ تر غیر شعوری ہے Twaddell کے الفاظ میں انسان کا لسانی شیوہ فرد کے قابو سے نیچے بھی ہے اوپر بھی۔ قابو کے تحت اس لیے ہے کہ وہ زیادہ تر عادت کی پیداوار ہے۔ قابو کے اوپر اس لیے کہ وہ انفرادی آزاد ارادے کی پیداوار نہیں بلکہ پورے لسانی سماج میں مشترک ہے۔ اس طرح زبان انفرادی بھی ہے سماجی بھی۔

6۔ کسی نئی زبان کی تخلیق نہیں کی جا سکتی۔ اسپرنٹو قسم کی مصنوعی زبانوں کی تخلیق بھی کر لیجئے تو وہ رائج نہیں ہو سکتیں۔ ماضی کی تاریخ میں ہمیں کہیں کوئی بالکل نئی زبان پیدا ہوتے نہیں دکھائی دیتی۔ ہر زبان کسی نہ کسی قدیم روپ سے ارتقا پاتی ہے یعنی ہر زبان کسی نہ کسی شکل میں اتنی ہی پرانی ہے جتنی بنی نوعِ انسان۔ بالکل ہوا میں سے کود پڑنے والی کوئی نئی زبان تاریخ میں نہیں ملتی۔

7۔ زبان میں طرح طرح کے اظہارات کی لامحدود گنجائش ہے۔ ہم اس کی اکائیوں کی متنوّع ترتیبوں سے لامحدود پیغامات کی ترسیل کر سکتے ہیں۔

8۔ زبان تغیّر پذیر ہے۔ دریا کی طرح اس میں کہیں ٹھہراؤ نہیں آتا۔ ہاں تغیّر کی رفتار کافی سست ہوتی ہے۔ ایک فرد کو اپنی زندگی میں اس کے تغیّر کا احساس نہیں ہوتا لیکن

ؔ Introductory Linguistics By HALL P. 17

ہم تاریخ کے آئینے میں دیکھتے ہیں کہ ایک زبان سے کئی زبانیں پیدا ہو جاتی ہیں اور ان زبانوں سے پھر نئی زبانیں۔ بظاہر نئی زبانوں کا یہ ظہور دراصل تبدیلی کا کرشمہ ہے۔ کئی صدیوں میں ایک زبان اس قدر بدل جاتی ہے کہ ہم اسے دوسری زبان کہنے لگتے ہیں۔

9۔ زبان کبھی مکمّل نہیں ہوتی۔ اس کی تکمیل اس کی موت ہے۔

زبان کی مختلف قسمیں

فرڈینینڈ ڈی ساسور کے انتقال 1913ء کے بعد اس کے تلامذہ نے 1915ء میں اس کے کلاس لیکچروں کو مرتب کر کے "عام لسانیات کا نصاب" نامی کتاب شائع کی۔ اس میں ساسور نے زبان کی چند قسمیں کی ہیں۔ یہ تقسیم ہمارے لیے زیادہ مفید تو نہیں لیکن اس پر ایک نظر کرنا مناسب رہے گا۔

1۔ پہلی قسم کو اس نے "پارول" PAROLE کہا۔ یہ ایک فرد کے تمام واقعی ملفوظات کو کہتے ہیں۔ یہ بالکل انفرادی شے ہے سماجی نہیں۔ فرد کی جو اور جیسی مرضی ہو بول سکتا ہے، اس لیے اس کا مطالعہ نہیں کیا جا سکتا۔

2۔ اگر ہم ایک گروہ کے تمام بولنے والوں کی "پارول" کو یک جا کر دیں تو یہ ایک طرف انفرادی بات چیت کا مجموعہ ہوں گی اور دوسری طرف ان پر قواعد کی پابندیاں بھی مسلّط ہوں گی۔ فرد بولیوں کے اس مجموعے کو "لاں گاژ" Language کہتے ہیں۔ یہ بھی پوری طرح اور خالصتاً سماجی وقوعہ نہیں کیونکہ اس میں بولنے والے افراد شامل ہیں اور افراد کے بارے میں یقین سے کہا نہیں جا سکتا کہ وہ کیسے بولیں گے۔ لاں گاژ میں وحدت پیدا نہیں ہوتی جس کی وجہ سے اس کا بھی سائنٹفک مطالعہ ممکن نہیں۔

3۔ اگر ہم لاں گاژ میں سے افراد کا عنصر نکال دیں تو وہ حصّہ جاتا رہے گا جس کے بارے میں صحیح پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی تھی۔ جو کچھ بچے گا اسے "لانگ" (LANGUE) کہیں گے۔ دوسرے الفاظ میں لاں گاژ میں سے پارول منہا کر دی جائے تو جو بچے گا وہ "لانگ" ہو گا۔ لانگ ایک فلسفیانہ سا تصور ہے۔

اگر اس زبان کے اہلِ زبان کو بات چیت کرنی ہو تو وہ قواعد کی پابندیوں کو ملحوظ رکھ کر کس طرح بولیں گے اس کا نام لانگ ہے۔ یہ ہر فرد کے ذہن میں موجود رہتی ہے۔ یہ ایک فعّال عمل نہیں بلکہ انفعالی ہے۔ یہ ان تمام اصول و روایات کا مجموعہ ہے جنھیں ہم نے سلف کے بولنے والوں سے حاصل کیا ہے۔

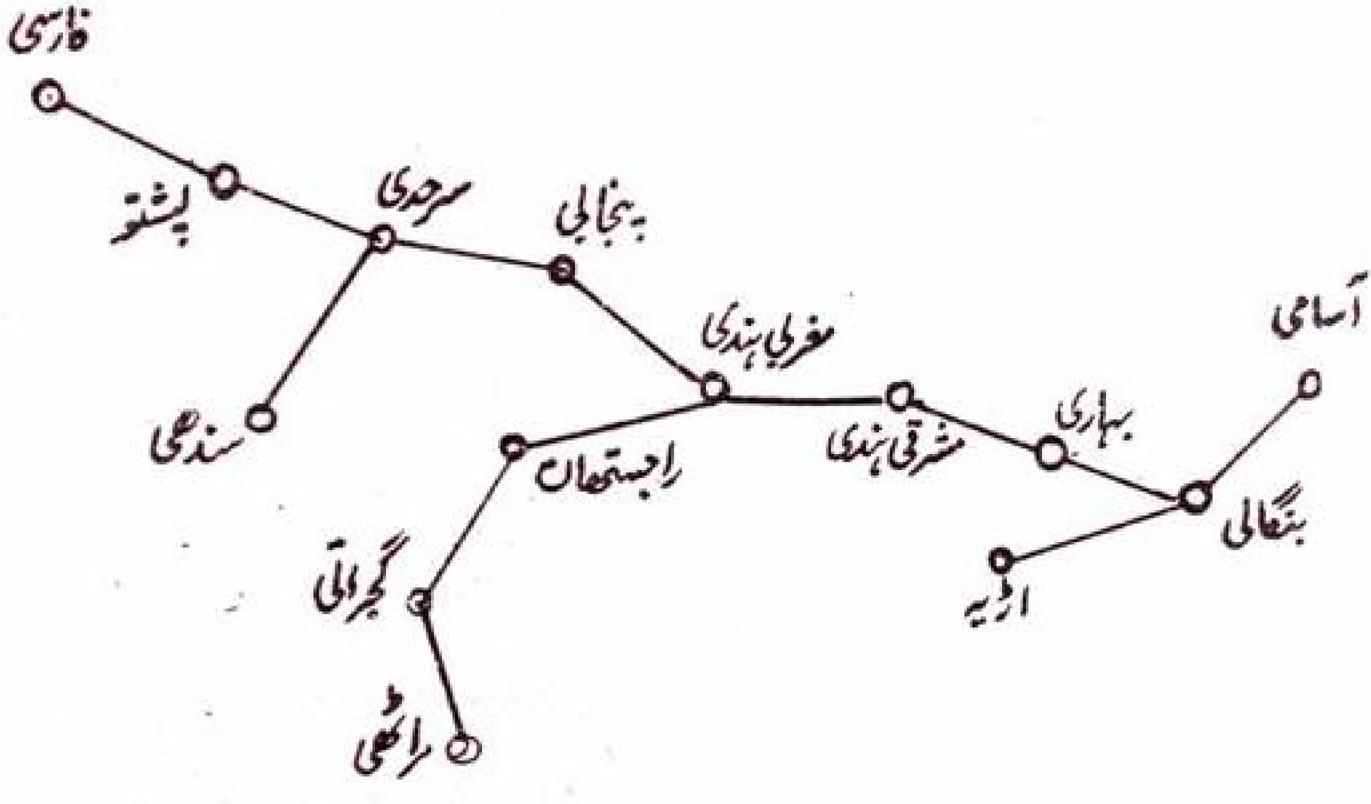
ساسور نے کچھ ایسی کوشش کی ہے کہ زبان کا محض سماجی مجموعی عنصر پیشِ نظر رکھا جائے اور افراد کو اس میں سے خارج کر دیا جائے۔ لاں گاژ اور لانگ کی یہ تقسیم فلسفیانہ زیادہ ہے عملی کم۔ ہمیں ان روپوں کو دیکھنا ہے جو واقعی دیکھنے میں آتے ہیں۔

زبان کی قسموں کی تعیین ہم فرد بولی (Idio lect) سے شروع کرتے ہیں۔ ایک خاص وقت میں ایک شخص کے بولنے کے تمام طریقوں کو ملا کر "فرد بولی" کہتے ہیں۔ ہر شخص کے بولنے کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ یہ اس سے ظاہر ہے کہ ہم کسی کو دیکھے بغیر اس کی آواز سے پہچان لیتے ہیں۔ ٹیلی فون تک پر آواز سے شخص کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اصوات اور بَل کے علاوہ صرف و نحو اور ذخیرۂ الفاظ میں بھی ہر شخص کی اپنی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں۔ یہ واضح کرنے کی ضرورت نہیں کہ عمر کے ساتھ ساتھ ایک فرد کی زبان میں تلفظ، لہجے اور ذخیرۂ الفاظ میں بھی ہر شخص کی اپنی اپنی خصوصیات ہوتی ہیں۔ یہ واضح کرنے کی ضرورت نہیں کہ عمر کے ساتھ ساتھ ایک فرد کی زبان میں تلفظ، لہجے اور ذخیرۂ الفاظ میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ آلات تو یہاں تک ثابت کرتے ہیں کہ ایک شخص ایک لفظ کو ایک بار جس طرح بولتا ہے آئندہ کبھی اس طرح نہیں بول سکتا۔ اس انتہائی صورت کو نظر انداز کر دیا جائے تو ہم ایک شخص کی، عمر کی ایک منزل کی زبان کو "فرد بولی" مان کر آگے بڑھ سکتے ہیں۔

ذہن میں ایک بڑا سا فرضی چارٹ بنایئے جس میں ہر بولنے والے کی نمائندگی کے لیے ایک نقطہ لگا دیا جائے۔ جب بھی ایک ناطق دوسرے سے بولے دونوں نقطوں کے بیچ ایک تیر کا نشان بنا دیجیے۔ ایک میعاد کے اندر (فرض کیجیے بیس یا پچاس سال میں) تیروں کے نشانات کا معائنہ کیجیے۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ گٹھوں (بنڈلوں) میں ہیں۔ ان گنجان یا کھُلا کھُلا ہونا مقدارِ ترسیل Density of communication ظاہر کرتا ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ کثرتِ ترسیل علاقائی ہوتی ہے۔ ایک بڑے گٹھے کے

باہر جاکر ایسی سرحدیں ملیں گی جہاں ترسیل نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ زبان کی سرحد ہے۔ اس بڑے گھٹے کے بیچ میں چھوٹے چھوٹے جمگھٹ ملیں گے جن میں اندرونی ترسیل بہت گھنی ہے لیکن اس سے کچھ کم ایک دوسرے کے ساتھ بیرونی ترسیل بھی ہے۔ ان ذیلی جمگھٹوں کو 'بولیاں' کہتے ہیں۔

ہم برِعظیم ہندوپاک میں پیشاور سے مشرق یا جنوب کی طرف سفر کریں تو ہمیں کہیں پر یکایک زبان کے بدلنے کا احساس نہ ہوگا۔ یعنی ہر شہر یا گاؤں والے اگلے شہر یا گاؤں کی زبان کو بآسانی سمجھ سکیں گے۔ مثلاً تمام شمالی و وسطی برِعظیم میں ایک اٹوٹ لسانی سلسلہ یوں دکھائی دے گا۔



برِعظم کا لسانی سلسلہ

فرانس سے اٹلی کی طرف سفر کرتے جائیے زبان میں یوں نامحسوس تبدیلی ہوگی کہ فرنچ اور اطالوی کو ملاکر ایک ہی سلسلۂ زبان معلوم ہوگا۔ جرمن اور ڈچ یا ناروے اور سویڈن کی زبانوں میں بھی اسی طرح کوئی حدِ فاصل نہیں لیکن ایک سرے والے دوسرے سرے کی زبان نہیں سمجھ سکتے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ایک زبان کے علاقے سے گزر کر دوسری زبان کے علاقے میں داخل ہوگئے ہیں۔ یہ کیونکر طے ہو کہ فرنچ اور

اطالوی یا پنجابی اور مغربی ہندی کے درمیان خطِ فاصل کہاں ہے ۔ یہ الگ الگ زبانیں ہیں یا ایک ہی زبان کی بولیاں ہیں ؟

ایک عام اصول یہ بنا لیا گیا ہے کہ جو لوگ ایک دوسرے کو سمجھ سکتے ہیں وہ ایک زبان کے بولنے والے ہیں۔ لیکن سمجھنا ایک اضافی امر ہے ۔ گاؤں والوں کی نسبت شہر والے، بے پڑھوں کی نسبت پڑھے لکھے اور ایک خطے میں عمر گزار دینے والوں کی نسبت سیاح اور جہاں دیدہ قسم کے لوگ دور دور تک کی زبانیں سمجھ لیتے ہیں ۔ ڈنمارک اور ناروے کے پڑھے لکھے ایک دوسرے کی زبان کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ بے پڑھے نہیں سکتے ۔

ذیل کے دو شعر ملاحظہ ہوں

اک روز جہاں نوں جانا ہے   جا قبرے وِچ سمانا ہے

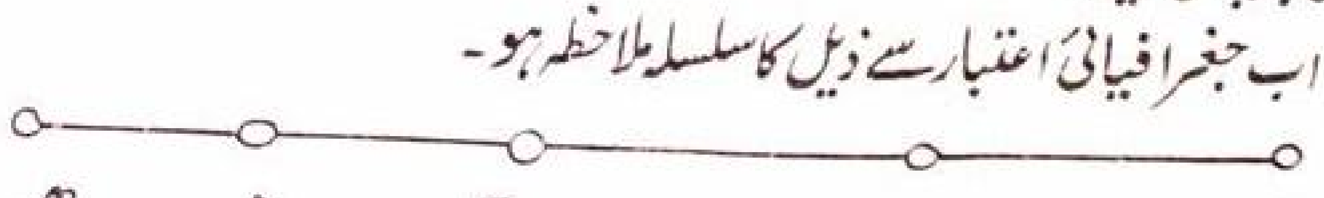
(بُلھے شاہ، پنجابی)

یہ شیرینی خواب آلودۂ مژگاں، نشترِ زنبور   خود آرائی سے آئینہ طلسم موم جادو تھا

(غالب)

ان میں پہلا شعر جو پنجابی کا ہے غالب کے اردو شعر کے مقابلے میں کہیں زیادہ آسانی سے سمجھ میں آتا ہے۔ ہم دسیوں سال انگریزی پڑھنے کے باوجود انگریزی فلموں کے مکالمے نہیں سمجھ پاتے۔ بیسور کے مسلمان جب آپس میں روانی سے اردو میں بات چیت کرتے ہیں تو شمالی ہند والوں کے کچھ پلے نہیں پڑتا۔ ایسا گمان ہوتا ہے جیسے وہ کنڑ میں بول رہے ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دو شخصوں کے درمیان ایک دوسرے کی زبان کو سمجھنے کی مقدار صفر سے لے کر سو فی صدی تک کچھ بھی ہو سکتی ہے۔ کس حد تک قابلِ فہم ہونا ایک زبان کی علامت ہے اور کس نقطے کے آگے دو تقریریں یا عبارتیں دو زبان ہو جاتی ہیں ۔

اب جغرافیائی اعتبار سے ذیل کا سلسلہ ملاحظہ ہو۔



متصل زبانیں یا بولیاں

مندرجہ بالا شکل میں پانچ نقطے فرد بولیوں کے مجموعے ہیں جو متصل مقامات میں واقع ہیں۔ ب کے افراد ا اور ج کی بولی سمجھ سکتے ہیں۔ ج کے افراد ب اور د کی اور د کے افراد ج اور ھ کی لیکن ا اور ھ والے ایک دوسرے کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ا اور ھ دو مختلف زبانیں ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ان کے درمیان حدِ فاصل کہاں قائم کی جائے۔

ہم ا اور ھ کی ایسی خصوصیات لیں گے جو ایک کو دوسرے سے بالکل مختلف روپ دیتی ہیں مثلاً قواعد کے بعض اصول، بعض آوازیں اور بعض بنیادی الفاظ۔ ان کے استعمال کے علاقے کا تعین ہو جائے تو ہم موٹے طور پر ایک لسانی سرحد قائم کر سکیں گے لسانی سرحد پر دراصل ایسی زبان بولی جاتی ہے جو دونوں زبانوں کے بین بین ہوتی ہے، جس میں کچھ خصوصیات ایک زبان کی اور کچھ دوسری زبان کی ہوتی ہیں۔ یہ سرحد اقلیدس کا سیدھا باریک خط نہیں ہوتا بلکہ ایک چوڑی سی پیچ وخم دار پٹی ہوتی ہے۔ اس سرحد کے آس پاس ایک دوسری زبان کے جزیرے ہوتے ہیں۔

ایک دوسرے کی زبان فہمی کی مقدار معلوم کرنے کے کئی طریقے ہوتے ہیں۔ مختلف علاقوں کی دو فرد بولیوں کو لو۔ ان کے مشترک ذخیرۂ الفاظ کا شمار کرو۔ بعض اوقات دور دور کی بے تعلق زبانوں میں بھی بعض الفاظ ہیت و معنی کے اعتبار سے یکساں ہوتے ہیں لیکن وہ محض اتفاق ہوتا ہے۔ مطالعے سے معلوم ہوا ہے کہ ذخیرۂ الفاظ میں اتفاقی مماثلت زیادہ سے زیادہ چار فی صدی ہو سکتی ہے اتفاقی مماثلت سے قطع نظر اگر دو فرد بولیوں کے الفاظ بہت بڑی تعداد میں مشترک ہوں تو ایسی دو فرد بولیاں ایک زبان کا حصہ قرار پائیں گی۔ اس اصول کا اطلاق بھی اتنا سہل نہیں۔ اشتراک کسے کہا جائے گھوڑا اور گھوڑو۔ سانڈ اور سانڑ۔ مارتا ہے اور مار دا ہے۔ آٹھ اور اٹھ آچاریہ اور چاری۔ ندرا اور نیند کو یکساں قرار دیا جائے یا مختلف۔ بڑی مشکل ہے۔

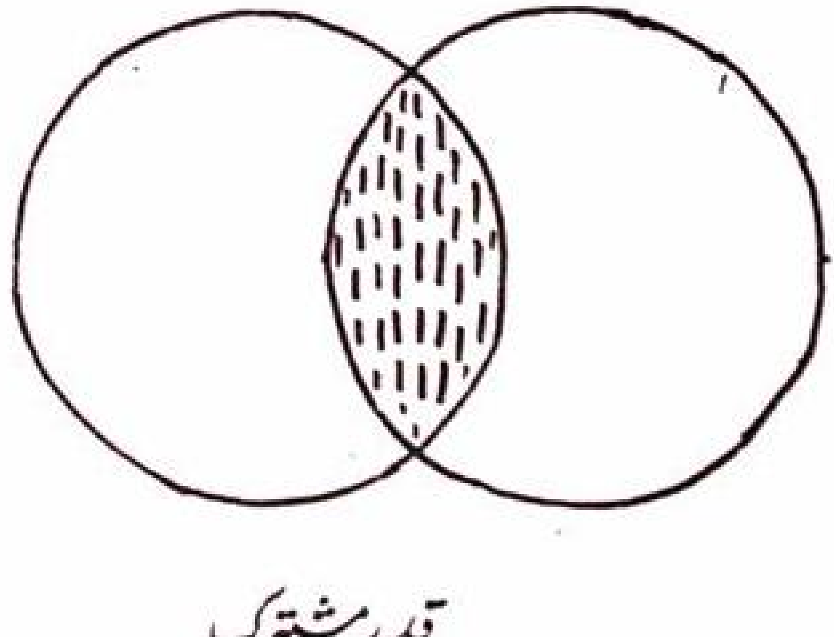
اس الجھن سے بچنے کا یہ راستہ نکالا گیا ہے کہ کسی کی بات چیت کو رکارڈ کر لیجیے۔ اس میں معنی کے حامل تمام نکتے نوٹ کر لیجیے۔ اس رکارڈ کو دوسرے علاقے کے کسی شخص کو سنا کر معلوم کیجیے کہ وہ کتنے مفہوم بردار نکات کو سمجھ سکا۔ اگر وہ بیشتر مطالب کو سمجھ سکا ہے تو دونوں افراد ایک زبان کے بولنے والے ہیں ورنہ نہیں۔

دو شخصوں کا ایک دوسرے کی بات سمجھ لینا مشترک الفاظ کی تعداد پر منحصر ہے۔ دو

بولیوں میں مشترک یا مماثل الفاظ پائے جائیں تو اس کی دو تاویلیں کی جا سکتی ہیں۔
۱۔ یہ دخیل الفاظ ہیں   2۔ یہ دونوں کا آبائی ورثہ ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ دونوں ایک خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔

ملیالم میں کوئی اسّی فی صدی سنسکرت الاصل الفاظ ہیں اور انگریزی میں تقریباً ۶۰ فی صدی فرنچ الفاظ ہیں۔ دونوں مثالوں کے یہ الفاظ دخیل یعنی مستعار ہیں۔ ہم جدی ہونے کی وجہ سے نہیں۔ دوسری طرف ہندی اور بنگالی میں الفاظ کا اشتراک ان کے ہم جدّی ہونے کی وجہ سے ہے۔ تاریخی لسانیات کی مدد سے زبانوں کا خاندانی رشتہ متعیّن ہو جائے تو زبانوں کے وصل وفصل اور ان کی لسانی حدود طے کرنا سہل ہو جاتا ہے۔

توضیحی لسانیات کے پاس زبان اور بولیوں کے تعیّن کا اسی سے ملتا جُلتا طریقہ ہے دو فرد بولیوں کو لیجیے (یہ آس پاس کی دو زبانوں یا ایک زبان کی دو بولیوں کے نمائندے ہو سکتے ہیں) وہ ایک دوسرے کی بات کو جس حد تک سمجھ سکتے ہیں وہ ہاکیٹ[1] کے الفاظ میں ان کی زبان کی قدرِ مشترک (common cote) ہے۔



قدرِ مشترک

[1] A course in modern linguistics by Hockett. P. 334, 13th Printing 1968, Macmillan Company New york.

مندرجہ بالا شکل میں دو فرد بولیوں کی قدرِ مشترک سایہ دار حصے میں دکھائی گئی ہے۔
دوسری زبان پر عبور کے درجے ہوتے ہیں پہلا درجہ دوسری زبان کو سُن کر سمجھنے کا ہوتا ہے دوسرا درجہ اسے بولنے پر عبور کا ہوتا ہے۔ ثانی الذکر اوّل الذکر کی نسبت محدود ہوتا ہے مثلاً یوپی کے اردو بولنے والے پنجابی زبان کا بڑا حصّہ سمجھ سکتے ہیں لیکن بولنے کے معاملے میں دو چار جملوں سے زیادہ قدرت نہیں ہوتی یا بہت سے اردو والے فارسی سمجھ سکتے ہیں لیکن خود چند جملے ہی بول سکتے ہیں۔ اس طرح دور رہنے والوں کی فرد بولی میں (مثلاً بہار اور ہریانہ کے دیہاتیوں میں) سمجھنے کی قدرت وسیع تر ہوگی لیکن بولنے کی تنگ تر۔

ایک گھٹے ہوئے (compact) علاقے کی تمام فرد بولیوں میں ایک قدرِ مشترک ہوتی ہے۔ اگر فرد بولیوں کی یہ قدرِ مشترک سمجھنے اور بولنے دونوں کی حد تک سو فی صدی یا تقریباً سو فی صدی ہے تو یہ فرد بولیاں ایک بولی کے تحت آتی ہیں۔ اگر ایک بڑے علاقے کی تمام فرد بولیوں میں یہ قدرِ مشترک کسی قدر کم ہو مثلاً ۶۰ یا ۷۰ فی صدی تو یہ ایک زبان کی کئی بولیوں کو پیش کرتی ہے۔ اگر یہ قدرِ مشترک بہت ہی کم ہے مثلاً دس بیس یا تیس فی صدی تو ظاہر ہے کہ ان فرد بولیوں میں ایک سے زیادہ زبانیں دخل پا گئی ہیں۔

دوسرے الفاظ میں اس فارمولے میں بھی وہی معیار ملحوظ رکھا گیا ہے جو پیچھے کے صفحات میں درج کیا گیا یعنی قابلِ فہم ہونا لیکن اس میں بھی کسی قدر پیچیدگیاں ہیں۔ سمجھانا منحصر ہے ذخیرۂ الفاظ کے ایک بڑے حصّے کے اشتراک اور مشابہت پر۔ ہریانی اور پنجابی میں، اردو اور فارسی میں، انگریزی اور فرنچ میں بہت سے الفاظ مشترک یا مماثل ہیں مثلاً ذیل کے اردو شعر

شمارِ سبحہ، مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا تماشائے بہ یک کف بردنِ صد دل پسند آیا

کو ایک ایرانی بھی سمجھ سکتا ہے۔ تو کیا ہریانی اور پنجابی یا انگریزی اور فرنچ کو ایک زبان کی دو بولیاں قرار دے دیا جائے؟ نہیں۔ یہاں ہمیں اپنے اصول میں ترمیم کرنی پڑے گی زبانوں کے رشتے میں صرف بنیادی الفاظ رہنمائی کرتے ہیں۔ بقیہ ذخیرۂ الفاظ کی اہمیت نہیں وہ بنیادی الفاظ کیا ہیں

خاص خاص اعضائے جسم :- آنکھ، ناک، کان، منھ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ
خاص خاص رشتے :- ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، بھائی، بہن وغیرہ
گنتی کے الفاظ :- ایک دو تین چار ... دس گیارہ بارہ .... بیس اکیس وغیرہ
بنیادی افعال کے مادّے :- آ، جا، کھا، پی، چل، لے، دے وغیرہ
ضمائر :- میں، ہم، تم، آپ، وہ

ایک ماخذ سے کچھ ہی پہلے جدا ہونے والی دو زبانوں یعنی سگی یا چچیری بہنوں میں یہ الفاظ بھی بڑی حد تک مماثل ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو

ہندی	مراٹھی	گجراتی	تامل	کنڑ	ملیالم
ناک	ناہ	ناہ	سوکو	سوگو	سوک
کان	کان	کان	چیوی	کیوی	چیوی
کھا	کھا	کھا	تن	تنّو	تنّو
پی	پی	پی	کدی	کدی	کدی

ان چند الفاظ سے ہند آریائی اور دراوڑی خاندان واضح ہو گئے لیکن گمان ہو سکتا ہے کہ بنیادی الفاظ کا پیمانہ قریب المخرج زبانوں میں امتیاز نہیں کرتا۔ ایسی بات نہیں ہے۔ اگر سو بنیادی الفاظ لیے جائیں تو زبانوں اور بولیوں کا فرق بالکل واضح ہو جائے گا۔ الفاظ کی مماثلت سے بھی صحیح تر رہنمائی قواعد کے اصول کریں گے۔ تعریف و استخراج کے قواعد اور کلام کی نحوی ساخت زبانوں کے حصار کی حد بندی کا بہترین ذریعہ ہیں۔ یہ ایک زبان کی مختلف بولیوں میں مماثل ہوتے ہیں اور مختلف زبانوں میں مختلف۔

ایک زبان کے بولنے والوں میں جس قدر ملنا جلنا ہوگا اسی قدر ان کی بولی یکساں ہوگی۔ نتیجہ یہ ہے کہ بڑے علاقے میں بسنے والے لسانی گروہ میں امتدادِ زمانہ کے ساتھ مقامی خصوصیات پیدا ہوتی جائیں گی۔ یہ اختلافات ایک زبان کو بولیوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ ایک بولی کے بولنے والوں کی فرد بولیوں میں کم و بیش یکسانیت

ہوتی ہے۔کیا قواعد، کیا روزانہ ضرورت کے ذخیرۂ الفاظ دونوں میں مکمل مطابقت معلوم ہوتی ہے۔چنانچہ بولی کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے:

"بولی کسی زبان کی وہ ذیلی شاخ ہے جس کے بولنے والوں کو کسی لسانی اختلاف کا احساس نہیں ہوتا۔"[1]

زبان کا علاقہ جتنا بڑا ہوگا اس میں اتنی ہی زیادہ بولیاں ہوں گی۔یہ علاقہ اگر دشوار گزار ہوگا یعنی اس کے باشندے ایک دوسرے سے کم مِل جُل پاتے ہوں گے تو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بولیوں کا فرق ہوتا جائے گا۔غیر متمدّن قبائل میں چوں کہ نقلِ مکانی کم ہوتی ہے اس لیے ان کی زبانوں میں بولیوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔انڈونیشیا کے جزیرۂ CELEBES میں سیکڑوں بولیاں ہیں۔نیوگنی میں اس سے بھی زیادہ ہیں۔صفحۂ زمین سے محو ہونے سے قبل چھوٹے سے جزیرۂ ٹسمانیہ کے جنگلیوں کی تعداد محض پچاس رہ گئی تھی اور وہ چار بولیاں[2] بولتے تھے جن میں آنکھ، ناک اور سر کے لیے الگ الفاظ تھے۔

ایک زبان کی مختلف بولیوں کے بیچ ایک دوسرے کو سمجھنے کی مقدار کم یا زیادہ ہوتی ہے۔اسے ہم بولی لچک (DIALECT FLEXION) کہیں گے۔ بعض زبانوں میں اس کی مقدار کم ہوتی ہے بعض میں زیادہ۔منڈاری چینی میں یہ کافی زیادہ ہے یعنی کئی کروڑ بولنے والے (جن میں کئی بولیاں ہوں گی) ایک دوسرے کی زبان سمجھ سکتے ہیں لیکن مغربی افریقہ کی بعض زبانوں میں یہ کافی کم ہے یعنی ایک بولی والے پاس کی بولی کو بھی خاصًا کم سمجھ پاتے ہیں۔

زبان بولیوں کے مجموعے کا نام ہے لیکن ہم کسی کتاب میں ہندی، اردو یا انگریزی زبان کے نمونے پڑھتے ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ الفاظ اس زبان کی ہر بولی کا مشترک حصہ ہیں۔نہیں بلکہ یہ کتابی زبان بھی ایک بولی کی منزّہ صورت ہے جو بعض غیر لسانی وجوہ سے موقر ہو گئی ہے۔کسی زبان کی سب سے اہم بولی کو معیاری زبان

---

[1] Linguistic Change by Sturtevant, P.146, CHICAGO 1961

[2] ایضاً ص ۱۵۳

قرار دے دیا جاتا ہے۔ بولنے والوں کی یا مقام کی اہمیت سے کوئی بولی اہم ہو کر معیاری ہو جاتی ہے۔ معیاری زبان کے تعین میں اور دوسری بولیوں کی تقابلی اہمیت میں ذیل کے اسباب میں سے کوئی ایک یا کئی کارفرما ہوتے ہیں:۔

1۔ سیاسی اقتدار والے علاقے مثلاً راجدھانی کی بولی معیاری زبان بن جاتی ہے دلی کی اردو لندن کی انگریزی اور روم کی لاطینی بولیاں اپنی زبان کی معیاری شکل قرار پائیں۔ پونا کی مراٹھی بھی اسی وجہ سے معیاری مانی گئی۔

2۔ کسی مقام کی دینی برتری بھی وہاں کی بولی کو بھی اہم کر دیتی ہے۔ متھرا کی برج بھاشا اور ایودھیا کی اودھی معیاری تسلیم کی جاتی تھیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایک زمانے میں برج اور اودھی کو زبان کا مرتبہ حاصل تھا۔ امرتسر کی بولی کو پنجاب کی کی معیاری زبان قرار دینے کی یہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ سکھوں کا مقدس مقام ہے

3۔ جس بولی میں جتنا ادب ہوگا اتنی ہی اس کی اہمیت ہوگی۔ مغربی ہندی کی بولیوں میں ماضی میں برج اور آج کھڑی بولی سب سے اہم ہے۔ مشرقی ہندی میں اودھی، بقیہ دو بولیوں یعنی باگھیلی یا چھتیس گڑھی سے کہیں زیادہ اہم ہے اور اس کی وجہ ان کے ادب کی کمیت و کیفیت ہے۔

اگر کسی وجہ سے معیاری زبان کی اہمیت کم ہو جاتی ہے تو وہ محض بولی ہو کر رہ جاتی ہے اور کوئی دوسری بولی معیاری زبان کا مرتبہ حاصل کر لیتی ہے۔ شاہ جہاں کے عہد تک جب آگرہ ہندوستان کا دارالخلافہ تھا برج ہندی کا معیاری روپ تھی اور کھڑی بولی محض ایک بولی تھی۔ شاہ جہاں نے جب دارالسلطنت دلّی کو منتقل کر دیا تو کھڑی بولی معیاری زبان ہو گئی اور برج محض ایک بولی ہو کر رہ گئی۔

معیاری زبان تعلیم و ادب، نظم و نسق، تہذیب اور مجلس کی زبان ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کی اہمیت اور وقعت روز افزوں ہوتی جاتی ہے۔ یہ مختلف بولیوں کے درمیان مشترک زبان کا کام دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معیاری زبان میں بات چیت کرنا تہذیب اور مرتبت کی نشانی سمجھا جاتا ہے اور بولی کا استعمال تہذیب و تعلیم و امارت سے بے بہرہ ہونے کی علامت۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معیاری زبان شہروں سے بولیوں کو نکال کر ان کی جگہ پر قابض ہو جاتی ہے، بولیوں میں ادب کی تخلیق رک

جاتی ہے اور معیاری زبان ہی ادب کی زبان بن جاتی ہے۔

معیاری زبان کے استعمال کی بھی کئی سطحیں اور کئی معیار ہوتے ہیں۔ ہم ان میں جتنی درجہ بندی کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ بلوم فیلڈ نے[1] ایک تقسیم کی تھی۔ ہم اسے بنیاد بنا کر اس میں قدرے اضافہ کر کے پیش کرتے ہیں۔

۱۔ ادبی یا کتابی معیار۔ یہ سب سے زیادہ فصیح اور قواعد و ضوابط میں جکڑی ہوتی ہے۔ ہمیں خالص ادبی اسالیب مثلاً فسانۂ عجائب کی زبان باغ و بہار کی زبان، رانی کیتکی کی کہانی کی زبان میں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کا مطالعہ اسلوبیات کے ضمن میں جائے گا۔

2۔ تقریری معیار۔ یہ پڑھے لکھوں اور طبقۂ بالا کی بات چیت ہوتی ہے۔ اس کے بھی دو درجے قائم کرنا مفید ہوگا۔

ا پُر تکلف گفتگو۔ یہ تکلف کی مجلسوں اور تقریروں کی زبان ہوتی ہے۔ گو اس میں تلفظ ٹھیک ٹھاک ہوتا ہے پھر بھی اس میں اور ادبی معیار میں فرق ہوتا ہے اور یہ فرق خاص طور سے نحو میں دکھائی دیتا ہے۔

ب بے تکلف گفتگو۔ یہ پڑھے لکھوں یا شرفا کی آپس میں، دوستوں میں گھروں میں ہونے والی بات چیت ہے۔ اس کا تلفظ اور ذخیرۂ الفاظ ادبی معیار سے بہت دور نہیں ہوتا۔

3۔ صوبائی معیار۔ معیاری زبان اپنے مرکزی علاقے (یعنی جہاں یہ بولی بھی ہے) سے ہٹ کر دوسرے علاقوں میں بھی مجلسی اور تہذیبی زبان کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ وہاں مقامی اثرات سے کچھ مقامی کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہم انھیں صوبائی معیار کہیں گے۔ پنجابی اردو، بھوپالی اردو، حیدرآبادی اردو، بمبئی کی اردو اسی قسم کے صوبائی معیار ہیں۔ یہ زبان کی مقامی بولیاں نہیں معیاری زبان کی علاقائی شکلیں ہیں۔

4۔ پست معیار (SUB-STANDARD) تعلیم سے محروم یا معاشی اعتبار

---

[1] Language by BLOOMfield, P. 52, DELHI-1963

سے پست طبقے معیاری زبان کو مسخ کر کے بولتے ہیں۔ شہروں کے کم پڑھے لوگ طبقۂ متوسط کی نچلی سطح کے افراد، کاریگر، خوانچے والے، چھوٹے دکاندار، پست معیار کا استعمال کرتے ہیں۔ گویا یہ معیاری زبان کی غیر فصیح شکل ہوتی ہے۔ ایک امریکن KENYON نے[1] اس کی بھی دو قسمیں کی ہیں

ا بے تکلف پست معیار۔ یہ ان طبقوں کی عام بول چال ہے۔

ب مکلف پست معیار۔ یہ صورت تب ہوتی ہے جب پست معیار کا عادی شخص اونچے طبقے والوں سے بات چیت کرتے وقت اچھی زبان بولنا چاہتا ہے اور اس میں بعض ایسے الفاظ اور شکلیں استعمال کر جاتا ہے جو کوئی معیاری بولنے والا نہیں کرتا۔

5۔ سوقیانہ روزمرّہ SLANG یہ بولی ٹوکیا الفاظ کا نام ہے۔ یہ لڑکوں میں یا چھوٹے طبقوں میں مستعمل ہوتے ہیں۔ ان کی خصوصیت غیر ثقہ ہونا ہے۔ ان میں سے کچھ باہر کی زبانوں سے مستعار ہوتے ہیں بقیہ کچھ انوکھے انداز میں معنیٰ بدل کر بنا لیے جاتے ہیں۔ بہت سے عریاں محاورے انھیں کے ذیل میں آتے ہیں۔ سلینگ بہت عارضی ہوتا ہے۔ چند سال رائج رہتا ہے پھر بدل جاتا ہے۔ آج کل ہپّیوں (HIPPIES) کے اثر سے نوجوانوں میں کتنے سلینگ الفاظ رائج ہو گئے ہیں۔ POT: چلم، CHIC لڑکی، THREADS: کپڑے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض اوقات معیاری زبان میں بھی سلینگ الفاظ بار پا جاتے ہیں مثلاً سنسکرت کپال، کھوپڑا، کے معنی اصلاً ٹھیکری تھے۔ فرنچ میں TETE بمعنی سر استعمال ہوتا ہے حالانکہ لیٹن میں TESTA کے معنی 'مٹی کا برتن' ہیں۔

6۔ طبقاتی بولی: معیاری زبان میں معاشی اور تکنیکی گروہوں کی بولی بھی کسی قدر مختلف ہوتی ہے مثلاً انجینیر، ڈاکٹر، وکیل، مولوی، پنڈت، آڑھتی، ملاح وغیرہ کا روزمرّہ۔ اس میں صوتیاتی یا قواعد کا کوئی فرق نہیں ہوتا صرف ذخیرۂ الفاظ کا فرق ہوتا ہے یعنی یہ معیاری زبان ہی ہے جس میں کسی طبقے کے مروّجہ الفاظ اور اصطلاحیں شامل ہو گئی

---

[1] HALL: introductory LINGUISTICS P. 21

ہیں۔

اسی کے ساتھ ہم ایک مخصوص طبقاتی بولی یعنی عورتوں کی زبان کا ذکر کریں گے۔ یہ بھی ذخیرۂ الفاظ (محاورہ اور روزمرّہ) کی حد تک طبقاتی بولی ہے۔ اردو اس سلسلے میں سب سے تیز ہے۔ یہاں ریختی ایجاد کی گئی اور اب بھی متعدد الفاظ اور محاورے عورتوں سے مخصوص ہیں چنانچہ سید احمد دہلوی نے لغات النساء لکھ دی۔ شمالی کیلی فورنیا میں 'یانا' ریڈ انڈینوں کی زبان میں مردوں اور عورتوں کے بہت سے الفاظ مختلف ہیں۔ انتہائی مثال ریڈ انڈینوں میں کریب لوگوں کی ہے جہاں سارے مرد کریب زبان بولتے ہیں اور عورتیں اراوک زبان۔ ان دونوں میں آپس میں کسی قدر اشتراک بھی ہے۔

مندرجہ بالا تمام قسمیں معیاری زبان کی تھیں۔ معیاری زبان کسی زبان کی سب سے اہم بولی کو کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ زبان کے پھیلاؤ میں دوسری مقامی بولیاں بھی شامل ہوتی ہیں اور لسانیات کے طالب علم کو ان میں بہت زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ بڑی زبا[ن کی] بولیاں بھی خاصے بڑے علاقے پر پھیلی ہوتی ہیں چنانچہ یہ بولیاں کچھ اور ذیلی بولیوں (SUB- DIALECTS) میں بٹ جاتی ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ ہر بارہ کوس کے بعد پانی اور بانی (آواز یعنی بولی) بدل جاتے ہیں۔ اتنا بھی نہ سہی تو تقریباً ستر اسّی میل بعد یعنی ضلع کے ساتھ ساتھ بولی ضرور بدل جاتی ہے۔ مغربی ہندی کی ایک بولی ہے کھڑی بولی۔ کھڑی بولی کی ذیلی بولیاں سہارنپور کی بولی، ضلع بجنور کی بولی، رام پور کی بولی وغیرہ ہیں۔ ان علاقوں کے رہنے والے ان کے نازک اختلافات کو بخوبی پہچانتے ہیں مثلاً سہارنپور کی زبان میں درمیانی نون غنّہ کے اعلان کا اور اُن کے اضافے سے جمع بنانے کا رجحان ہے۔ وہاں قینچی کو قنچی (با علان نون) اور آنکھ کی جمع انکھاں بھی بول دیتے ہیں۔ بجنور میں طویل مصوّتے کے بعد آنے والے مصمتے کو نیم مشدّد کر دیا جاتا ہے مثلاً آگّے، بوتّی۔ مراد آباد میں بعض ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں جن سے آس پاس کے اضلاع والے ناواقف ہیں مثلاً بہاری کرنا بمعنی اُڑا لینا، صفری بمعنی امرود۔

گنواری بولی :- بولی کی سب سے زیادہ مسخ شدہ شکل کو گنواری بولی (پیٹ وا PATOiS) کہتے ہیں۔ اس کا علاقہ تو مختصر ہوتا ہی ہے یہ غیر مہذب اور جاہلانہ بھی

سمجھی جاتی ہے۔ جس طرح معیاری بولی کی غیر فصیح شکل کو 'پست معیار' کہا گیا تھا اسی طرح علاقائی بولی کے پست تر روپ کو گنواری بولی کہہ سکتے ہیں۔

ایک بحث ہے کہ زبان اور بولیوں کا تاریخی رشتہ کیا ہے۔ کیا امتدادِ زمانہ کے ساتھ ایک زبان بٹ کر بولیوں میں تقسیم ہوگئی یا مختلف بولیاں مل جل کر زبانیں بن گئیں یعنی بولیاں پہلے آئیں یا زبان؟ ایبتاں اور میکس مُلر کا خیال ہے کہ زبان کا فطری ارتقا انتشار سے اتحاد کی طرف ہے۔ ابتدا میں انسانی بولیاں متعدد ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھیں۔ میل جول کے ساتھ ان کے اختلافات کم ہوتے گئے اور وہ ایک زبان کی شکل میں گٹھ گئیں۔ بالکل اس طرح جیسے کہ ابتدا میں خاندان "گوتر" ذات پات اور قبیلے تھے جو بعد میں قوم کی شکل میں منظم ہوگئے۔ امریکی ماہر لسانیات وہٹنے اس نظریے سے اتفاق نہیں کرتا۔ اس کی رائے ہے کہ زبان پہلے آئی اور وہ آہستہ آہستہ بولیوں میں تقسیم ہوگئی۔ کچھ اور عرصے کے بعد یہ بولیاں خود زبان کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں اور ان سے پھر بولیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ ایسی بدیہی بات ہے جس کے ثبوت کی ضرورت نہیں۔ زبانوں کی تاریخ اس کی سب سے بڑی شاہد ہے۔ ہند یورپی یا ہند آریائی کی تاریخ کے آئینے میں دیکھیے، زبانیں کس طرح بولیوں کو جنم دیتی گئی ہیں۔

لسانی تاریخ میں یہ واقعہ عام ہے کہ بولیاں ایک دوسرے سے جدا ہوکر آزاد زبانیں بن جاتی ہیں۔ اطالوی یا فرنچ یا جرمن اور ڈچ کسی زمانے میں ایک زبان کی دو بولیاں تھیں۔ یہ بہت ممکن ہے کہ کئی سو سال میں برطانیہ اور امریکہ کی انگریزی یا ہندوستان اور پاکستان کی اردو دو مختلف زبانیں ہوجائیں۔ اس کے برعکس شاذ و نادر ایسا بھی ہوتا ہے کہ زبان زوال پذیر ہوکر محض بولی رہ جاتی ہے۔ برج اور اودھی کو عہد وسطیٰ میں زبان کا درجہ حاصل تھا۔ اب وہ ہندی کی بولیاں ہوکر رہ گئی ہیں۔ میتھلی اور راجستھانی کو بھی ہندی والے بولی قرار دیتے ہیں۔ کون جانے کہ لسانی جبر کے زیر اثر کچھ زمانے کے

Language and the study of Language by V.Y. Hitey, London, 1884 - P177

ے ایضاً صفحہ 180

بعد پنجابی بھی ہندی کی بولی بن کر رہ جائے۔

معیاری زبان میں پھیلنے کا رجحان ہوتا ہے۔ وہ پاس پڑوس کی بولیوں کو ختم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ روم کی لاطینی بولی آس پاس کی کئی بولیوں کو کھا گئی۔ معیاری زبان اور بولیاں ایک دوسرے کو متاثر بھی کرتی ہیں۔ انبالے کی ہندی پر ہریانی کا اثر اور بنارس کی ہندی پر بھوجپوری کے اثرات ہیں۔ جہاں تک لہجے کا تعلق ہے مراٹھواڑے کی اردو مراٹھی لہجے اور میسور کی اردو کنڑ لہجے میں بولی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ علاقائی بولیاں معیاری بولی سے ذخیرۂ الفاظ بلکہ بعض اوقات قواعدی روپ بھی لیتی جاتی ہیں۔

بولیوں میں زندگی کا متحرک خون رواں دواں ہوتا ہے۔ یہ ارتقا پذیر ہوتی ہیں۔ معیاری زبان ادب اور قواعد کی اسیر ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ ہر قدم پر سند کی تلاش کرتی ہے۔ روزمرّہ سے بے گانہ ہو کر یہ روایت پسند اور ماضی پرست ہو جاتی ہے۔ بولیاں مستقبل کا آئینہ ہوتی ہیں۔ آخر کار معیاری زبان کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تقریر سے پچھڑ کر پیچھے رہ گئی ہے۔ ہار کر اور جھنجلا کر اسے بولی کا ساتھ دینا پڑتا ہے شروع شروع میں وہ جن لسانی تبدیلیوں پر ناک بھوں چڑھا کر انھیں تحقیر سے، ساتھ ٹکسال باہر قرار دیتی ہے ایک عرصے کے بعد اسے وہی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ معیاری بولی کی زندگی کی شرط یہی ہے کہ وہ بولیوں کی طرف سے مغائرت نہ برتے اور ان کے ذخیرۂ الفاظ سے استفادہ کرتی رہے ورنہ سنسکرت کی طرح قواعد زدہ ہو کر ٹھٹھر جائے گی۔ معیاری زبان اس ندی کی طرح ہے جس کی سطح کے اوپر برف کی منجمد تہہ جمی ہو لیکن اس کے نیچے موج تہہ نشیں مچل رہی ہو۔ یہ امورج تہہ نشیں بولیاں ہیں۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ گفتگو عموماً بولی ہی میں کی جاتی ہے۔ معیاری زبان صرف پُر تکلف موقعوں کے لیے ہوتی ہے۔ کلاس روم، عدالت، اسمبلی، لکچر ہال وغیرہ میں بھلے ہی باقاعدہ ٹکسالی معیاری زبان بولی جائے، گھر میں آکر ہر شخص کا رجحان بولی کی طرف ہو جاتا ہے۔

تقریری روپ سے زیادہ کنارہ کشی اور لغت و قواعد کے زیادہ احترام کے باعث بعض اوقات زبانیں مر بھی جاتی ہیں یعنی اُن کا بولنے والا کوئی نہیں رہتا۔ سنسکرت اور

عبرانی اس کی مثالیں ہیں لیکن ان کی خاکستر پر دوسری نسل پیدا ہو جاتی ہے۔
بعض اوقات احیائیت یا علاقائیت کا جذبہ بولی کو ایک وقعت عطا کر دیتا ہے۔ میتھلی راجستھانی اور ڈوگری کو زبان کا مرتبہ دلانے کی تحریکیں ہیں جن کے زیر اثر ان بولیوں میں ادب کی کچھ نہ کچھ تخلیق کی جا رہی ہے۔ بھوج پوری میں فلمیں بن رہی ہیں۔ پرشوتم داس ٹنڈن اودھی میں بات چیت کرنے میں زیادہ آسودگی محسوس کرتے تھے۔ بلوم فیلڈ کے مطابق جرمنوں میں پچھلی ایک صدی میں بولیوں کے لیے ایک رومانی لگاؤ کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے چنانچہ طبقۂ بالا کے بعض جرمن گھر میں بولی ہی میں گفتگو کرتے ہیں۔ سوئٹزرلینڈ کے جرمن اپنے گھروں میں اور پڑوسیوں سے مقامی بولی میں بات چیت کرنا پسند کرتے ہیں۔

بولی انسان کی بنیادی ضرورتوں یعنی ہوا، پانی اور سادہ خوراک کی طرح ہے معیاری زبان ہماری اُن ضروریات کی طرح ہے جو تہذیب نے پیدا کر دی ہیں مثلاً ریل، بجلی۔ ابتدا میں یہ آسایش رہی ہوں گی لیکن اب اُن کے بغیر زندگی مشکل ہے۔ ادبی زبان ان آسائشوں کی طرح ہے جو خواص کے لیے ہوتی ہیں مثلاً موٹر، ٹیلی فون، ریفریجریٹر وغیرہ۔ تہذیب کے فروغ کے لیے ان سبھی کی ضرورت ہے۔

ابھی ہم نے زبانوں کے اہرام میں زبان (معیاری زبان)، بولی، ذیلی بولی اور گنواری بولی کی منزلیں قایم کی ہیں لیکن ہم زبان سے مزید اوپر جا کر دو اور سیڑھیاں چڑھ سکتے ہیں تبھی چوٹی پر پہنچیں گے۔

زبان کے اوپر لسانی خاندان ہوتا ہے۔ یہ ان کئی زبانوں پر مشتمل ہوتا ہے جو ایک مشترک مورث سے نکلی ہیں۔ ایسے کئی خاندان مل کر ایک STOCK کہلاتے ہیں۔ اسٹاک اکثر قبل تاریخ دور میں ہوتا ہے۔ یہ خاندانی شجرہ بندی کی آخری حد ہوتا ہے۔ اس کا بھی ہزاروں سال قبل ایک اور مورثِ اعلیٰ رہا ہوگا لیکن ہم اس کے بارے میں تاریکی میں ہوتے ہیں مثلاً ہند یورپی یا ہند حتّی ایک اسٹاک ہے جس میں یونانی، اطالوی، موئیوٹانک، کیلٹک، آریائی اور بعض دوسرے خاندان ہیں۔ خاندان کا تصوّر اضافی ہے۔ زبان اور خاندان کے بیچ میں بھی کچھ منزلیں ہو سکتی ہیں آریائی خاندان میں ایرانی، ہند آریائی اور دردی ذیلی خاندان ہیں۔

مردہ زبانیں:- انھیں کے ساتھ ہم زندہ اور مردہ زبانوں کی تقسیم کو لیں گے۔ مردہ زبانیں وہ ہوتی ہیں جنھیں کوئی مادری، پہلی زبان کے طور پر نہیں بولتا۔ جس زبان کو کچھ لوگ مادری زبان کے طور پر بولتے ہیں وہ زندہ ہے۔ اگر کسی زبان کا کوئی بھی مادری زبان کے طور پر بولنے والا نہ رہے لیکن اس کے باوجود اس زبان میں کچھ لوگ کچھ کام کرتے ہوں یا لکھتے پڑھتے ہوں تب بھی وہ مردہ ہی کہلائے گی۔ لکھنا پڑھنا کسی زبان کو زندہ نہیں کر سکتا۔ مادری زبان کے طور پر بولا جانا ہی زندگی کی واحد علامت ہے۔ اسرائیل میں عبرانی اور ہندوستان میں سنسکرت اسی قسم کی مصنوعی طور پر زندہ لیکن دراصل مردہ زبانیں ہیں۔

زبانوں کے مردہ ہونے کی ایک وجہ تقریری روپ سے زیادہ کنارہ کشی اور قواعد کا بتاپت احترام، اوپر بیان کی گئی۔ دوسری کئی وجوہ سے بھی زبانیں مر جاتی ہیں یعنی کبھی تو ان کے بولنے والے تنازع للبقا میں پسپا ہو کر ختم ہو جاتے ہیں جس طرح ثمانیہ والے گئے گزرے ہو گئے یا جنوبی ہند میں ٹوڈا تقریباً ختم ہو چکے ہیں یا ریڈ انڈین روز بروز کم ہوتے جا رہے ہیں۔ بعض صورتوں میں ایک زبان کے بولنے والے سیاسی یا تہذیبی حیثیت سے دوسری زبانوں کے زیر اقتدار آکر آہستہ آہستہ اپنی زبان کو ہاتھ سے گنوا دیتے ہیں۔ امریکہ کے حبشیوں نے اپنی زبانیں چھوڑ کر انگریزی اختیار کر لی ہے۔ آئرلینڈ میں یہاں کی زبان انگریزی سے مختلف خاندان کی تھی، اب عام طور سے انگریزی بولی جاتی ہے۔ ماضی کے طویل دھندلکے میں متعدد چھوٹی زبانیں اس طرح کالعدم ہو گئی ہیں کہ ان کا نام لیوا بھی صفحۂ ارض پر موجود نہیں۔ چنانچہ یہ یقینی ہے کہ گردِ تاریخ میں دفن ہو جانے والی زبانوں کی تعداد زندہ زبانوں سے کہیں زیادہ ہے۔

مردہ زبانوں کی ایک محترم قسم ابتدائی اصل (PROTO) زبان ہوتی ہے۔ یہ کسی خاندان یا اسٹاک کی مورث اعلیٰ ہوتی ہے۔ بالعموم اس کے الفاظ اور روپ تاریخی و تقابلی طریقوں سے دریافت کیے جاتے ہیں۔ تحریری ریکارڈ شاذ ہوتے ہیں۔ پروٹو کی بہترین مثال پروٹو ہند یورپی ہے یعنی وہ قدیمی اصل زبان جس سے یونانی، لاطینی، اوستا اور ویدک زبانیں نکلیں۔ اسی طرح پروٹو جرمنک وہ زبان

ہے جس سے جرمن خاندان کی مختلف زبانیں نکلیں۔ پروٹو جرمنک الفاظ بازتشکیل کے ذریعے برآمد کیے جاتے ہیں۔ پروٹو دراوڑی کا بھی ذکر کیا جاتا ہے لیکن ابھی اس کی شکل کے بارے میں اتفاق نہیں۔

زبانوں کے بعض روپ یا پوری زبانیں مصنوعی طریقوں سے بھی بنائی جاتی ہیں۔ ان کی دو اقسام قابلِ ذکر ہیں: خفیہ زبانیں اور بین الاقوامی زبانیں۔

خفیہ زبانیں:۔ انھیں انگریزی میں CANT یا آرگوٹ ARGOT کہتے ہیں۔ یہ پوری زبانیں نہیں ہوتیں بلکہ مخصوص محاورے یا علامتی اظہار ہوتے ہیں جن کی واحد غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کو برتنے والے حلقے کے باہر انھیں کوئی نہ سمجھ سکے۔ گویا یہ ایک خفیہ کوڈ ہے جسے چور، جرائم پیشہ یا تشدد پسند بائی استعمال کرتے ہیں مثلاً ٹھگوں کے کچھ علامتی فقرے[1] ملاحظہ ہوں

علامتی فقرہ	مفہوم
دامودر	پگڑی میں دام ہیں
ناراین	نالے میں لے چلو
باسدیو	بانس مارو
پرشاد دو	زہر دو
پوجا کرو	پیٹو
امر کرو	مار ڈالو

کیا آپ نے لڑکوں کو اس طرح بات چیت کرتے نہیں سنا کہ ہر لفظ میں کسی ایک مصمتے کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ مشاق بچے اس طرح روانی سے گفتگو کرتے دیکھے گئے ہیں مثلاً "ف" کے اضافے کے ساتھ

"تفم کفہاں جفارفے ہفو" تم کہاں جا رہے ہو

بین الاقوامی زبانیں۔ ایک عام خیال یہ ہے کہ قوموں کا فرق زبانوں کے اختلاف کی وجہ

---

[1] بھاشا وگیان (ہندی)، طبع چہارم ص 61 از بھولا ناتھ تواری۔

سے ہے۔ اگر کوئی بین الاقوامی زبان بنالی جائے تو یہ اختلاف کم ہو جائے گا۔ کسی ایک قوم کی زبان کو حسد ورقابت کی وجہ سے بین الاقوامی زبان کے طور پر قبول نہیں کیا جاسکتا پھر یہ بھی تو ہے کہ کوئی زبان اتنی باقاعدہ نہیں کہ اسے عالمی زبان کا مرتبہ دیا جائے۔ کوشش یہ ہے کہ بین الاقوامی زبان آسان اور باقاعدہ ہو۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر علمانے کئی مصنوعی بین الاقوامی زبانیں وضع کیں۔ قیاس یہ ہے کہ پچھلے سو سال میں سو سے زیادہ ایسی زبانیں بنائی گئیں مثلاً

"Kosmos, Occidental, Parla, Spokil-universala, Frater, Latino sine flexzone, Globo, Langue bleue, Idiom Neutral, Inter Lingua, Novial."

ان سے زیادہ اہم اور قابل ذکر ذیل کی تین ہیں

1۔ 1879ء میں SCHLEYER نے VOLAPUK بنائی۔

2۔ 1887ء میں ڈاکٹر زمے ناف (ZOMENNOF) نے اسپرنتو (ESPERENTO) وضع کی۔

1907ء میں CONTURAT نے Ido تشکیل کی۔

ان میں اسپرنتو سب سے مشہور اور کامیاب کوشش ہے۔ یہ لاحقہ امتزاجی زبان ہے جو لیٹن خاندان میں زبانوں پر مبنی ہے۔ 'اسپرنتو' کے معنی لیٹن میں "پُر امید" کے ہیں۔ اس زبان کے قواعد اتنے باقاعدہ اور آسان ہیں کہ اسے پڑھنا بہت سہل ہے۔ اسپرنتو میں کم از کم پانچ ہزار کتابیں اور سو رسالے نکلے لیکن چونکہ کسی قوم یا بزمِ اقوام نے اسے نہیں اپنایا اس لیے یہ فروغ نہ پا سکی۔

اڈو اصلاح شدہ اسپرنتو ہے۔ یہ اس سے بھی زیادہ سہل ہے لیکن کیا کیا جائے، کوئی فرد اور گروہ اپنی مادری زبان کو چھوڑ کر ان زبانوں کو اپنی پہلی زبان کے طور پر اپنانے کو تیار نہیں۔ "نتیجۃً" ان زبانوں کے پتلے میں جان نہیں پڑ سکتی۔

(I.A.L.A.) International Auxiliary Language Association چند سال سے ایک اور بہتر بین الاقوامی زبان تیار کرنے کی فکر

میں ہے ظاہر ہے کہ یہ زبان لیٹن، رالومانس پر مبنی ہوگی۔

مخلوط زبانیں۔ اوسطاً پڑھے لکھے انسان کے ذخیرۂ الفاظ میں تقریباً 25 ہزار الفاظ ہوتے ہیں اور ساتھ ہی صرف و نحو کے قواعد اور ترتیبیں وغیرہ، لیکن لسانی عمل کے ڈانڈے پر کچھ ایسی کام چلاؤ کا ہیدہ زبانیں بھی ہوتی ہیں جنھیں امدادی (Auxiliary' ارتباطی (contact) یا نواحی (Marginal) زبان کہا جاتا ہے اور جو محدود مقصد کے لیے دو بالکل مختلف زبان والوں کے بیچ ترسیل کا کام چلاتی ہے۔ یہ عموماً کاروبار کی ضروریات کے لیے استعمال کی جاتی ہے جس کی وجہ سے اسے Pidgin زبان کہتے ہیں۔ یہ نام Business کی تخریب ہے۔ اس میں کئی زبانوں کے الفاظ لے کر ایک زبان کا قواعدی نظام لگا دیتے ہیں اور یہ نظام زیادہ سے زیادہ سہل کر دیا جاتا ہے مثلاً فعل کے تمام صیغوں کی جگہ محض مصدر ہی استعمال کرتے ہیں۔ یہ زبانیں معمولی لین دین کی ضرورتوں کی ڈھب کی ہوتی ہیں اور بس۔

پجن زبانیں اکثر دو جماعتوں میں قلیل مدت کے قلیل مقصد کے ارتباط سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان کا کوئی لسانی گروہ نہیں ہوتا۔ یہ ارتباط مختلف قسم کے ہو سکتے ہیں مثلاً تجارت کی خاطر ملنے والے، سیاح اور گائڈ، غلام اور آقا، گھریلو نوکر اور مالک وغیرہ۔ ہر فریق دوسرے کی زبان کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ماضی میں متعدد پجن زبانیں پیدا ہوئیں اور ختم ہو گئیں۔ چند مشہور پجن زبانیں یہ ہیں۔

۱۔ پجن انگریزی:۔ یہ چینی بندرگاہوں میں مستعمل ہے۔ اس کا ذخیرۂ الفاظ انگریزی یا انگریزی نما اور صوتیات اور قواعدی نظام چینی ہے۔

2- BEACH-LA-MAR:۔ بحرالکاہل کے جنوب مغرب کے جزیروں میں بولی جاتی ہے۔ دو مثالوں سے اس چوں چوں کے مربّے کا اندازہ ہوگا

KAI-KAI HE FINISH? کیا کھانا تیار ہے

You not like soup? He plenty good kai ka

کیا تم شوربہ پسند کرتے۔ یہ بہت اچھا ہے۔

3- Chinook Gargon:۔ امریکہ میں واشنگٹن اور oregon میں ریڈ انڈین قبیلے اور انگریزی نیز فرانسیسی تاجروں کے بیچ استعمال ہوتی تھی۔ یہ چنوک نامی

ریڈ انڈین زبان پر مبنی تھی اور اس میں تھوڑی سی ملاوٹ انگریزی اور دوسری ریڈ انڈین زبانوں کی تھی۔ یہ یو۔ ایس۔ اے۔ کے شمالی مغربی بحرالکاہلی ساحل پر بھی بولی جاتی تھی۔

پجن زبانوں کی اگلی منزل کریول زبانیں Creole یا Creolized ہیں فرنچ اسپینی میں criar کے معنی ہیں create یا پیدا کرنا۔ creolized کے معنی ہوئے خانہ زاد۔ ویسٹ انڈیز اور مارشیس وغیرہ میں جو یورپین بس گئے تھے ان کی اولاد کو کریول کہتے تھے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک نسل بچپن سے اپنی اوّل زبان کے طور پر پجن زبان سنتی ہے اور بڑے ہوکر اسی کو اختیار کر لیتی ہے۔ جب پجن زبان کسی گروہ کی واحد زبان ہو جائے تو اُسے کریول زبان کہتے ہیں یعنی پجن زبان ثانوی ہوتی ہے اور کریول واحد اور پہلی۔ چند کریول زبانیں یہ ہیں۔

1۔ Afrikaan ۔ یہ جنوبی افریقہ کے ڈچ لوگوں کی زبان ہے۔ اس میں ڈچ اور افریقی الفاظ ملے ہوئے ہیں اور تصریف نہایت سادہ و سہل ہے۔

2۔ سوری نام (ڈچ گنی) میں دو کریول انگریزی زبانیں مستعمل ہیں۔

ا۔ ٹاکی ٹاکی یا Nigro Tongo ساحل پر رہنے والے غلاموں کے خلاف بولتے ہیں۔

ب۔ Jen Tongo دوسری زبان ہے جو Bush Negro استعمال کرتے ہیں۔

3۔ GULLAH ۔ امریکہ میں جنوبی کیرولینا کے پاس Sea islands میں امریکی حبشی بولتے ہیں۔

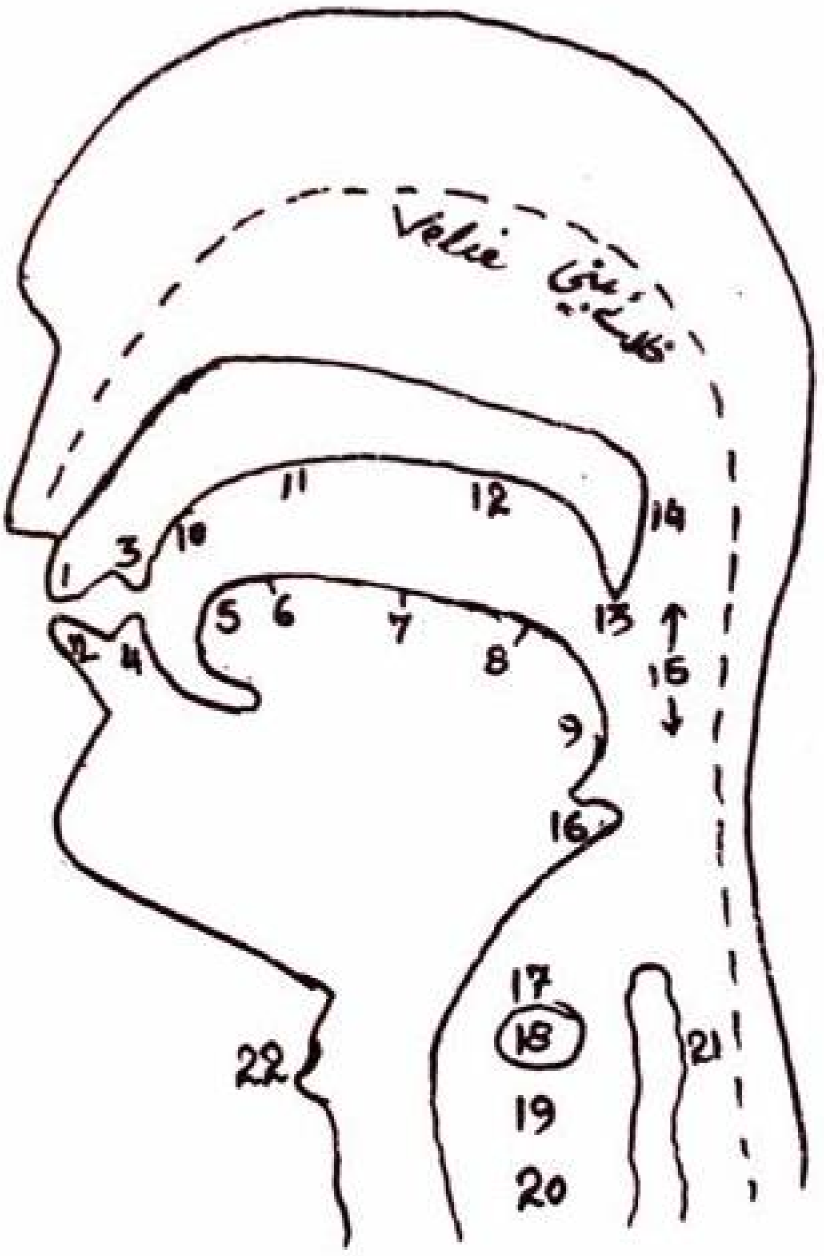
واضح ہو کہ ان مہذب زبانوں کو کریول یا پجن نہیں کہہ سکتے جن میں ایک زبان کے بنیادی مادے اور قواعد باقاعدگی سے موجود ہیں خواہ دخیل الفاظ کی تعداد بے نہایت ہی کیوں نہ ہو مثلاً آرمینی کے 1940 الفاظ میں صرف 438 آرمینی تھے یا البانوی کے 5140 الفاظ میں صرف 430 البانوی کے تھے بقیہ دوسری زبانوں کے۔ اس کے باوجود ہم ان زبانوں کو مندرجہ بالا معنی میں مخلوط نہیں کہہ سکتے۔ اور اردو کو ان معنوں میں مخلوط کہنے کا سوال ہی نہیں۔

تیسرا باب

صوتیات

لسانی ترسیل کے عمل کے تین حصے ہوتے ہیں۔
1۔ قائل کے اعضائے نطق صوت پیدا کرتے ہیں۔
2۔ صوت لہروں کی شکل میں ہوا کے دوش پر آگے بڑھ جاتی ہے۔
3۔ سامع کے کان ان صوتی لہروں کی گرفت کرتے ہیں۔
صوتیات میں تیسرے حصے کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ پہلے دو نے صوتیات کی دو شاخوں کو جنم دیا۔
1۔ تلفیظی صوتیات (ATTinCutoTY Phoneties)
2۔ سمعیاتی صوتیات (Acoustic Phonetics)
پہلی شاخ قدیم ہے، دوسری جدید۔ اس باب کے آخری حصے میں دوسری شاخ کا تعارف پیش کیا جائے گا۔
صوتیات کہہ کر بالعموم تلفیظی صوتیات مراد لی جاتی ہے۔ اس شاخ میں ان آوازوں اور ان کی تخلیق کے عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو نطق انسانی میں کام آتی ہیں۔ صوتیات کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر صوت کا صحیح ترین اور مفصل ترین بیان پیش کیا جائے۔ اس کے لیے پہلی منزل انسان کے اعضائے نطق سے واقفیت ہے۔ ان اعضا کی تکنیکی تفصیل تو علمِ تشریح الابدان (ANATOMY) میں دی جاتی ہے، لسانیات

ہیں ان کے صرف اسی پہلو سے سروکار رکھا جائے گا جس کا تعلق آواز کی تخلیق سے ہے۔ سب سے پہلے اعضائے نطق کا حسبِ ذیل نقشہ ملاحظہ ہو۔



1، 2۔ ہونٹ
3، 4۔ دانت
5۔ نوکِ زبان (opex of Tongue)
6۔ زبان کا پھل (blade of Tongue)
7۔ وسطِ زبان (front of Tongue)
8۔ زبان کا پچھلا حصہ (doesum)
9۔ بیخ زبان (Coot of Tongue)
10۔ اوپری سوڑھ یا لثہ (a lveola)
11۔ سخت تالو (dome or hard Plate)
12۔ نرم تالو یا غشا (Velum or soft Plate)
13۔ کوّا یا لہات (uvula)
14۔ خلائے بینی (velie)
15۔ حلق (Phaeysix)
16۔ کنٹھ کا ڈھکنا (Epiglottis)
17۔ صوتی تار (vocal Chords)
18۔ صوتی تاروں کا دہانہ (Glottis)
19۔ حنجرہ (lacysix)
20۔ سانس کی نلی (trachea)
21۔ کھانے کی نلی (Gullet or essophagus)
22۔ ٹینٹوا (Adam's apple)

اعضائے نطق کو چار بڑے جوفوں یا خلاؤں میں بانٹا جا سکتا ہے۔

۱۔ خلائے دہن 2۔ خلائے بینی 3۔ خلائے حلق cavity of the Pharynic

4۔ خلائے حنجرہ (CAVITY OF THE LAEYRX)

دہن میں ہونٹوں اور دانتوں کے علاوہ اوپری چھت کے چار حصے ہیں۔

۱۔ اوپری مسوڑا 2۔ سخت تالو 3۔ نرم تالو یا غشا اور 4۔ کوا یا لہات ہیں۔ زبان کے بھی چار حصے ہیں۔ ۱۔ نوک زبان 2۔ وسط زبان یا زبان کا پھل 3۔ عقب زبان یا زبان کا پچھلا حصہ اور 4۔ بیخ زبان یا زبان کی جڑ۔ خلائے بینی حلق سے ناک کو جانے والے پورے راستے کو کہتے ہیں۔ حلق سے نیچے دو نلیاں جاتی ہیں۔ پیچھے کی طرف کھانے کی نلی ہے۔ اور آگے کی طرف سانس کی نلی۔ بیچ میں ایک دیوار ہے۔ سانس کی نلی کے منھ کے اوپر بیخ زبان کا سب سے نچلا حصہ کنٹھ ڈھکنا (EPIGLOTTIS) کہلاتا ہے جو ایک قسم کی چھوٹی سی جیبھ ہے۔ جب ہم کچھ کھاتا پانی نگلتے ہیں۔ تو یہ ڈھکنا پھرتی سے سانس کی نلی کے اوپر آکر اسے ڈھک لیتا ہے۔ جس سے کھانا پانی سانس کی نلی میں نہیں جاتا۔ اگر کبھی یہ ڈھکنا اپنے عمل میں کوتاہی برتتا ہے تو کھانے پانی کی تھوڑی سی مقدار سانس کی نلی میں داخل ہو جاتی ہے۔ اس پر اس نلی کے عضلات اسے زور سے باہر کو پھینکتے ہیں۔ اور اسے اچھو لگنا کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہندوستانی تہذیب میں کھانا کھاتے وقت بولنا ممنوع تھا۔ اس علاقے کو خلائے حلق کہتے ہیں۔

سانس کی نلی کے اوپری حصے میں عضلات کا ایک ڈبہ ہوتا ہے جسے حنجرہ (LAEYRX) کہتے ہیں۔ اس کے خارجی حصے کو ٹیٹوا (ADAM,S APPLE) کہتے ہیں۔ حنجرے میں دو صوتی تار ہوتے ہیں۔ جو تار سے زیادہ گوشت کے ہونٹ جیسے ہوتے ہیں۔ یہ آگے کی طرف جڑے اور پیچھے کی طرف کھلے ہوتے ہیں اس طرح ٨۔ ان کے پیچھے جوڑنے والے عضلات کو (ARYTEROID CARTILAGE) کہتے ہیں۔ صوتی تاروں کے بیچ کے منھ کو GLOTTIS کہتے ہیں۔ ڈھیلی حالت میں مردوں کے صوتی تار پون انچ اور عورتوں کے آدھ انچ لمبے ہوتے ہیں۔ اور تن جانے پر یہ بالترتیب ایک اور پون انچ ہو جاتے ہیں۔ صوتی تاروں کے اوپر انہیں جیسے دو

صوتی تار ہوتے ہیں۔ جو نسبتاً چھوٹے ہوتے ہیں۔ انہیں نقلی صوتی تار FALES VOCAL CORD کہتے ہیں۔ بالعموم آواز کی تخلیق میں ان کی کارفرمائی نہیں ہوتی۔

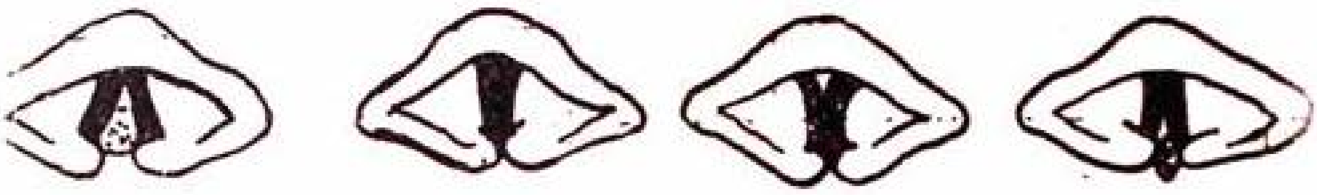
کسی تنگ راستے سے دباؤ کے ساتھ ہوا گذاری جائے تو آواز پیدا ہوتی ہے بانسری کا منھ کتنا تنگ ہوتا ہے۔ اس کے منھ سے لکڑی کا پتہ یا جیبھ نکال دی جائے اور دہانہ پورا کھول دیا جائے تو کوئی آواز نہیں نکلے گی۔ انسانی اعضائے نطق میں بھی آواز پیدا کرنے کا کچھ ایسا ہی طریقہ ہے۔ پھیپھڑے سے ہوا صوتی تاروں کے بیچ سے نکلتی ہے۔ حسبِ ضرورت یہ تار ایک دوسرے کے نزدیک آجاتے ہیں اور راستے کو مزید تنگ کر دیتے ہیں۔ جس سے آواز اور زوردار ہو جاتی ہے۔ اس شکل میں ہوا گذرتے وقت تاروں میں تیز ارتعاش پیدا کر دیتی ہے۔ یہ ارتعاش جتنا تیز ہوگا آواز اتنی ہی زیادہ زوردار ہوگی۔ عام بول چال میں مردوں کے صوتی تاروں کے ارتعاش کی رفتار 109 سے 163 چکر فی سیکنڈ اور عورتوں کے تاروں کی 218 سے 326 چکر فی سیکنڈ تک ہوتی ہے۔ ویسے یہ کم سے کم 42 ' ۔ر زیادہ سے زیاد 2048 تک ہو سکتی ہے۔

صوتی تاروں کے نزدیک آنے پر ارتعاش سے جو آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس کا اصطلاحی نام (VOICE) ہے۔ صوتی تاروں کے دور معمول کی حالت میں رہنے پر جو آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ انہیں (VOICELESS) کہا جاتا ہے۔ ناموں کی غیر موزونیت ظاہر ہے۔ آواز کو VOICLESS کہنا کیا معنی۔ بہرحال ہم اس قدیم اصطلاح کو نہیں بدل سکتے۔ حیدرآباد میں اس کا ترجمہ مصتی اور غیر مصتی کیا گیا تھا چنانچہ اردو میں اس موضوع سے بحث کرنے والی پہلی کتاب "زبان اور علمِ زبان" میں ان کے لیے یہی[1] اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں۔

---

[1] بعض حضرات نے ان کے لئے مسموع اور غیر مسموع کی اصطلاح استعمال کی۔ سماعت کا تعلق کان سے ہوتا ہے، جب کہ آوازوں کا یہ فرق گلے میں پیدا ہوتا ہے۔ انگریزی میں آواز کو (VOICELESS) کہنا جس طرح بے تکا ہے۔ اردو میں آواز کو غیر مسموع یا غیر مصتی کہنا اسی طرح بے جوڑ ہے۔ لیکن غیر مصتی میں یہ ترجیح ہے کہ (بقیہ صفحہ پر)

اس کتاب میں انہیں اصطلاحوں کو استعمال کیا جائے گا۔
مختلف موقعوں پر صوتی تار چار حالتوں میں ہو سکتے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔



4- سرگوشی   3- مصیتی   2- بند یا گلوئی بندشیہ   1- کھلا یا غیر مصیتی
GLOTTAL STOP

صوتی تاروں کی چار صورتیں جو اوپر سے دیکھنے میں نظر آتی ہیں۔ صوتی تاروں کے بیچ کا دہانہ GLOTTIS پنسل سے بھر کر دکھایا گیا ہے۔

بائیں طرف کی پہلی صورت میں تار زیادہ سے زیادہ کشادہ ہیں۔ یہ صورت خاموش رہ کر سانس لینے میں ہوتی ہے۔ یا ان آوازوں کی ادائیگی میں جنہیں غیر مصیتی کہا جاتا ہے۔ دوسری صورت اس کی ضد ہے۔ اس میں دونوں صوتی تار بالکل بند ہو گئے ہیں یہ نہایت شاذ شکل ہے اور چند زبانوں ہی میں ملتی ہے۔ ہند آریائی زبانوں میں ایسی کوئی آواز نہیں ہوتی۔ عربی کا ہمزہ اور "ع" ایسی ہی آوازیں ہیں۔ افریقہ کی زبانوں میں ان آوازوں کی بہتات ہوتی ہے۔ ان میں دونوں صوتی تاروں کو ملا کر یکایک جدا کر دیا جاتا ہے اور ان کے بیچ سے ہوا گذار دی جاتی ہے۔ تیسری صورت میں صوتی تار ایک طرف بالکل مل جاتے ہیں۔ اور دوسری طرف تھوڑے سے کھلے رہتے ہیں۔ اس شکل میں جو آوازیں نکلتی ہیں انہیں مصیتی (VOICE - LESS) کہا جاتا ہے۔ آخری صورت میں اوپر کا تین چوتھائی حصہ ملا ہوا ہے۔ اور نیچے کا ایک

(بقیہ صفحہ) یہ VOICELESS کا لفظی ترجمہ ہے اور قدیم سے رائج ہے۔ اس کو بدل کر ایک مزید نامعقول اصطلاح "غیر مسموع" گڑھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ لفظ مصیتی چونکہ ہیئت میں "صوتی" سے مختلف ہے۔ اس لئے یہ زیادہ ان گھڑ نہیں معلوم ہوتی۔

چوتھائی کھلا ہے۔ اگر ان کے بیچ سے اس طرح ہوا گذاری جائے کہ صوتی تاروں میں ارتعاش نہ ہو تو جو آواز نکلے گی۔ اسے سرگوشی (WHISPER) کہتے ہیں۔ کانا پھوسی کرنے میں ایسی ہی بے آواز کی آواز ہوتی ہے۔

مصمّتیت کا عمل مشق سے شناخت کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر پ، ت، چ ٹ۔ک۔ غیر مصمتی مصمتے ہیں اور ب۔ د۔ ج۔ ڈ۔گ مصیتی ہیں۔ مصوتے مصیتی ہی ہوتے ہیں۔ دونوں کانوں کے اوپر ہتھیلی رکھ لیجئے اور بار بار انگریزی الفاظ PACK . BAG کہیئے۔ BAG کہنے میں زور کی گونج معلوم ہوگی جب کہ PACK کہنے میں نہیں ہوگی۔ یہی صورت بار بار مندرجہ بالا آوازوں کے جوڑے پ، ب یا ت، د کہنے میں ہوگی۔ کوشش کیجیے کہ محض واحد آواز ادا کی جائے۔ بعد میں شامل ہونے والا مصوتہ مختصر سے مختصر ہو۔ شناخت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ٹینٹوے پر نرمی سے ایک انگلی رکھ کر یہ آوازیں ادا کیجیے۔ مصمتی آواز میں ٹینٹوا آگے کی طرف کو بڑھے گا۔ جب کہ غیر مصمتی میں نہیں بڑھے گا۔ آئینے میں دیکھنے سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ فی زمانہ مشینوں کی مدد سے مصمتی اور غیر مصمتی آوازوں کی صحیح صحیح شناخت کر لی گئی ہے۔ حیرت ہے کہ ڈھائی ہزار سال پہلے سنسکرت کے ماہر صوتیات رشی پانی نے بھی مصمتیت کے عمل کو دریافت کر لیا تھا۔ اور سنسکرت کی ہر آواز کے بارے میں صحیح صحیح نشان دہی کر دی تھی کہ وہ مصیتی ہے کہ نہیں۔

صوتی تاروں کی اور کئی پوزیشن ممکن ہیں لیکن وہ لسانیاتی اعتبار سے اہم نہیں۔ مثلاً سرگوشی اور مصمتیت کے بیچ MUR MUR (بہت آہستہ بڑبڑانا یا زیر لب بڑبڑانا) ہے اس میں صوتی تاروں میں برائے نام تناؤ آتا ہے۔ وہ خفیف سا ارتعاش بھی کرتے ہیں اس کے علاوہ گذرتی ہوئی ہوا کی لہر مقامی ہیجان (TRIBULENCE) کر دیتی ہے سرگوشی کی ایک قسم میں یہ مقامی ہیجان ہوتا ہے۔ لیکن مصمتی کیفیت نہیں ہوتی۔ یعنی صوتی تاروں میں تناؤ اور ارتعاش نہیں ہوتا۔ سرگوشی کی ایک اور قسم میں صوتی تار بالکل مل کر بند ہو جاتے ہیں۔ لیکن انہیں پشت سے جوڑنے والے عضلات -ARYTEROID) CARTILAGES -) فاصلے سے ہٹ جاتے ہیں جس سے ان کے بیچ سے ہوا گذر سکتی ہے۔

آوازوں کی ادائیگی میں صوتی تاروں کے اوپر خلائے حلق یا خلائے دہن میں بھی کچھ عمل ہوتا ہے۔ اس عمل میں کچھ اعضائے نطق دوسرے اعضا کی طرف بڑھتے ہیں۔ کبھی کچھ فاصلے پر رک جاتے ہیں۔ کبھی بالکل چھو دیتے ہیں۔ بڑھنے والے عضو نطق کو تلفیظ کار ACTICULATOR اور جس سمت یہ حرکت کرتا ہے۔ اسے نقطۂ تلفیظ (POINT OF ACTICULATOR) کہتے ہیں۔ ذیل میں تلفیظ کاروں اور ان سے متعلق نقطہ ہائے تلفیظ کی فہرست درج کی جاتی ہے۔

تلفیظ کار	نقطۂ تلفیظ
نیچے کا ہونٹ	اوپر کا ہونٹ
نیچے کا ہونٹ	اوپر کا دانت
نوکِ زبان	اوپری دانت
نوکِ زبان	اوپری مسوڑا
نوکِ زبان (الٹ کر)	تالو
زبان کا پھل (BLADE)	اوپری مسوڑا
وسطِ زبان	تالو کا اگلا حصّہ
عقبِ زبان	تالو کا پچھلا حصّہ
عقبِ زبان	نرم تالو
کوا یا لہات	بیخِ زبان

حلق اور حنجرے میں بھی بعض آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن وہ بہت کم ہیں۔ ان میں دونوں طرف کے اعضا حرکت کرتے ہیں۔ اور وہاں تلفیظ کار اور نقطۂ تلفیظ کی تقسیم نہیں کی جاتی۔ تلفیظ کار اور نقطۂ تلفیظ کو ملا کر محلِ تلفیظ (POSITION OF ACTICULATOR) کہتے ہیں۔ ان سے پیدا شدہ آوازوں کو ان سے نسبت دے کر کہا جاتا ہے۔ محلِ تلفیظ کے اعتبار سے آوازوں کی حسبِ ذیل قسمیں ہوتی ہیں۔

1- دولبی (BI-LABIAL) مثلاً ب۔م 2- لب دنتی مثلاً ف
3- راس بین دنتی (APICO-INTERDENTAL)- اگر راس زبان کو اوپری اور نیچے کے دانتوں کے بیچ لگایا جائے جیسے بعض اوقات th (θ ، ð) میں تو یہ آواز

راس بین دنتی کہلائے گی۔ 4۔ راس دنتی (APICO - DENTAL) راس زبان اور
اور اوپری دانت سے ادا ہونے والی مثلاً ت۔ د 5۔ راس لثوی (APICO -
ALVEOLAR -) زبان کی نوک اور اوپری مسوڑے سے ادا ہونے والی مثلاً ن۔ س
ز 6۔ راس تالوئی یا معکوسی۔ زبان کا سرا اوپر کی طرف مڑ کر تالو کو چھوتا ہے۔ مثلاً
ٹ۔ ڈ ہیں۔ 7۔ پھل لثوی (LAMIRO - ALVEOLAR) نوکِ زبان سے پیچھے
کے حصے کو زبان کا پھل کہتے ہیں۔ اس سے اور اوپری مسوڑے سے ادا ہونے والی آواز
کو پھل لثوی کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً ہندی لفظ "سینم" کا انتی مصمتہ 8۔ وسط زبان تالوئی۔
(ANTIO - DOMAL) یا PALATAL مثلاً چ۔ ج 9۔ عقب زبان غشائی۔
(DOESO - VELAR) زبان کے پچھلے حصہ اور نرم تالو سے ادا ہونے والی مثلاً
ک۔ گ 10۔ عقب زبان لہاتی مثلاً ق۔ خ۔ غ (11)۔ حلقی (PHAIYNGEAL)
مثلاً عربی تلفظ سے ح۔ ع 12۔ حنجرائی یا گلوئی (GLOTTAL - LARYNGEAL)
دونوں صوتی تاروں سے پیدا ہونے والی مثلاً حنجرائی بندشیہ یعنی عربی ہمزہ یا اردو کی
ہائے ہوّز۔

زیادہ باریکی پیدا کرنی مقصود ہوتی ہے تو تالو اور نرم تالو۔ دونوں کو تین تین حصّوں
میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ نیز دونوں تالوؤں کے بیچ کی جگہ کو وسط تالو نام دیا جاتا ہے
اس طرح اوپری مسوڑے اور لہات کے بیچ ذیل کے سات حصے ہو جاتے ہیں۔

Pre palatal, Palatal, Post palatal, Medio palatal,
Front velar, velar, back velar.

ان سے زیادہ مقبول تقسیم ذیل کے چھ حصّوں میں ہے۔ جو کئی امریکی کتابوں اور امریکی
چارٹ میں ملتی ہے۔

Pre-Palatal, Medio palatal, Post Palatal, Pre velar
Medio Velar - Post velar.

IPA میں تالو سے متعلق تین مقامات کا نام۔

Palato alveolar, alvelo - Palatal, Palatal.

ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان محلات سے متعلق الگ الگ مخصوص آوازیں نہیں۔ بلکہ ایک ہی

آواز اپنے آس پاس کی آوازوں بالخصوص بعد میں آنیوالی آواز کے اثر سے اپنا مقام تھوڑا آگے یا پیچھے سرکا لیتی ہے۔ مثلاً کی۔ کا۔ کو میں کی۔ کا (ک) قبل غشائی ہے۔ "کا" کا (ک) غشائی اور "کو" کا (ک) بعد غشائی ہے۔

منھ یا ناک کے راستے ہوا کے گذارنے کے تین طریقے ہوسکتے ہیں!

۱۔ خلائے بینی کو حلق سے اوپر بند کردیا جائے اور ہوا صرف منھ سے باہر نکلے۔ بیشتر آوازیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ ناک کا راستہ بند کرنے کا عمل کوا کرتا ہے۔

2۔ منھ کا راستہ کسی مقام پر بند کردیا جائے۔ اور ہوا کو صرف ناک سے باہر گذارا جائے انفی مصمتے م۔ ن وغیرہ اسی طرح ادا ہوتے ہیں۔

3۔ ناک اور منھ دونوں سے بہ یک وقت ہوا باہر نکلے۔ غنائی مصوتوں میں یہی کیفیت ہوتی ہے۔

ہوا کو ناک یا منھ دونوں سے آزادانہ گذرنے دیا جاتا ہے۔ یا روک تھام کر یا کسی تنگ راستے سے۔ یہ سب امور مل کر مختلف آوازوں کی تشکیل کرتے ہیں۔ انہیں طریقۂ تلفیظ MANNER OF ARTICULATION کہتے ہیں۔ ان میں زیادہ اہم حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ناک اور منھ دونوں راستے بند کرکے ہوا کو کچھ لمحے کے لئے بند کرلیا جائے۔ اور اس کے بعد یک لخت رہا کردیا جائے۔ اس سے ایک ہلکی سی اسپھوٹ (PLOSION) کی کیفیت ہوتی ہے۔ ان آوازوں کو انگریزی میں STOP یا PLOSIVE EXPLOSIVE کہتے ہیں۔ اور اردو میں بندشیہ PLOSIVE مخفف ہے۔ EXPLOSIVE کا۔ کچھ افریقی یا ریڈ انڈین زبانوں میں بعض بندشیے اس غیر معمولی طریقے سے ادا کئے جاتے ہیں کہ ہوا کو اندر سے باہر نکالنے کی بجائے باہر سے اندر کی طرف کو کھینچا جاتا ہے کسی مقام پر تالا بند کرکے رہا کیا جاتا ہے۔ جس سے درکشیدہ (IMPLOSIVE) یا چٹکار (CLICK) آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔

2۔ منھ کا راستہ بند کرلیا جائے اور ناک کے راستے ہوا نکلنے دی جائے۔ انہیں انفی (RASAL) آوازیں کہتے ہیں۔

3۔ ناک کا راستہ بند ہو۔ نوکِ زبان بڑھ کر دانتوں میں لگ جائے۔ اور دونوں اطراف سے ہوا باہر نکلنے دے۔ یہ کیفیت "ل" کے ادا کرنے میں ہوتی ہے۔ اسے پہلوئی آواز

(LATERAL) کہتے ہیں۔

4۔ کوئی تلفیظ کار عضو کسی نقطہ پر دستک دے کر پیچھے ہٹ جائے۔ تو دستکی (TAPPED) آواز پیدا ہوگی۔ اگر دستک کا عمل بار بار دہرایا جائے۔ تو ایک ارتعاش کی کیفیت پیدا ہوگی۔ اس آواز کو ارتعاشی (TRILLED) یا ملفوفی (EOLLED) کہتے ہیں۔ اردو کا "ر" دستکی ہے۔ دراوڑی "ر" ارتعاشی ہے۔ یہ نوک زبان سے پیدا ہوتے ہیں۔ فرنچ "ر" لہات یعنی کوّے سے پیدا ہوتا ہے۔

5۔ اگر تنفس کو کسی سکڑے ہوئے تنگ راستے سے گذارا جائے۔ تو ان سے پیدا شدہ آوازوں کو (FRICATIVE یا SPIEANT) کہتے ہیں۔ اردو میں انہیں صفیری کہا گیا ہے۔ صفیر (سیٹی) میں بھی آواز تنگ راستے سے نکلتی ہے۔

مندرجہ بالا تمام آوازیں مصمتہ کہلاتی ہیں۔

6۔ اگر سانس کو کسی نمایاں روک ٹوک کے بغیر گذرنے دیا جائے تو اس سے پیدا شدہ آواز کو مصوتہ کہتے ہیں۔ چونکہ مصوتے کی ادائیگی میں ہوا کو کہیں روکا نہیں جاتا تو آواز کیونکر پیدا ہو۔ یہ کام صوتی تاروں کے قریب لانے سے ہوتا ہے۔ یعنی مصوتہ ہمیشہ مصیتی ہوتا ہے۔ جب کہ مصمتے مصیتی بھی ہوتے ہیں غیر مصیتی بھی۔

یونانی قواعد نویس DIONYSIOS THRAX (دوسری صدی قرم) نے تعریف کی تھی کہ مصوتے تنہا ادا ہو سکتے ہیں۔ جب کہ مصمتے مصوتے کے ساتھ ہی ادا ہوتے ہیں۔ عام طور سے یہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو ایسی بات نہیں۔ س۔ ش کی آواز کے بغیر مصوتے کے ادا کی جا سکتی ہے۔ افریقی زبانوں میں ایسے الفاظ ہوتے ہیں۔ جن میں کوئی مصوتہ نہیں ہوتا۔ چیک زبان (CZECHE) کا یہ جملہ ملاحظہ ہو۔ جو محض مصمتوں پر مشتمل ہے۔

Strč Prst skrz krk

اس کے معنی ہیں۔ گلے کے اندر انگلی ڈالو۔ لفظ کے آخر میں ہم بہت سے مصمتوں

1- Gray:- Language and Language P. 57
2- Gray:- Foundation of Language P. 54

کو مصوتوں کے بغیر ادا کرتے ہیں۔ مثلاً آپ۔ آب۔ جیں۔ اس کے علاوہ جس لفظ کے شروع میں اگر دو یا دو سے زیادہ مصمتے جمع ہو گئے ہیں۔ تو ان میں سے آخری مصمتے سے قبل کا مصمتہ (یا مصمتے) کسی مصوتے کی مدد کے بغیر ادا ہوتا ہے مثلاً ہندی لفظ پریم۔ پرویش میں بالترتیب پ اور پ ر۔ انگریزی لفظ FLY ، CRY میں ف ک۔ اسی طرح لفظ کے آخر میں مصمتی خوشہ ہو تو اس میں بھی پہلے رکن کے بعد کا مصمتہ یا مصمتے مصوتے کے سہارے کے بغیر ملفوظ ہوتے ہیں۔ مثلاً دوست میں ت اور راجیندر میں در۔

مصوتے اور مصمتے میں خاص امتیاز یہ کیا جاتا ہے کہ مصوتے کی ادائیگی بے روک ٹوک ہوتی ہے۔ جب کہ مصمتے میں کہیں نہ کہیں راہ تنگ یا مسدود ہوتی ہے۔ لیکن اس تعریف کا پوری طرح اطلاق نہیں ہوتا۔ ریح۔ روح۔ ایکھ۔ بیکھ وغیرہ میں ای۔ او کو ادا کرتے ہیں ہیں زیادہ تنگی کا احساس ہوتا ہے۔ بہ نسبت ر۔ ل۔ کے اور ہائے ہوز کو ادا کرنے میں تو راہ کی تنگی کا پتہ ہی نہیں ہوتا۔ گرشے نے مصوتے اور مصمتے کی یہ تعریف دی ہے۔ جس میں سماعی اثر پر زور دیا ہے۔

Vowel :- A sound produced by passage of air through the buccal cavity without any stoppage, abstruction, or construction giving rise to audible friction or interruption

Consonant :- A sound characterised by audible friction or interruption due to stoppage, abstruction, or constriction of the air in passing through the buccal cavity

مصمتوں کی مختلف قسموں کی نوعیت جاننے پر ہم مصمتے اور مصوتے کی دوگانہ تقسیم پر ایک بار پھر نظر کریں گے۔ ابھی ہم نے آوازوں کو مصمتیت اور طریقہ تلفیظ کی بنا پر تقسیم کیا تھا۔ ان کی دو مزید تقسیم درج کی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک اہم ہے اور دوسری سراسر غیر اہم۔

ا۔ ھ کاریت :- اگر کسی مصمتے کو ادا کرنے میں پھیپھڑوں سے معمول سے زیادہ ہوا چھوڑی جائے تو مصمتے میں ھ کا شمول معلوم ہوتا ہے۔ ایسے مصمتوں کو ھ کاری کہتے ہیں۔ اور بقیہ کو غیر ھ کاری۔ ھ کاریت کی پہچان یہ ہے کہ ایسی آواز کو ادا کرتے وقت منھ کے

آگے کوئی کاغذ یا ہتھیلی کی جائے تو ہوا کے جھونکے کا احساس ہوگا۔ پ۔ پھ کی تلفیظ میں یہ فرق صاف ہوکر سامنے آجائے گا۔ زیادہ تر آوازیں غیر ھ کاری ہوتی ہیں۔ صرف بندشی اور ایفرکیٹ مصمتوں ہی کو ھ کاری ماننا صحیح ہے۔ اردو ہندی میں یہ دس مصمتے ھ کاری ہیں۔

پھ ، بھ ۔ تھ ۔ دھ ۔ ٹھ ۔ ڈھ ۔ چھ ۔ جھ ۔ کھ ۔ گھ

ان کے علاوہ بعض مصنفوں نے ذیل کے ھ کاری مصمتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

مھ (کمھار) نھ (انھیں) لھ (کولھو) رھ (سرھانا) ڑھ (گڑھا)

ڈاکٹر زور[1] نے لکھا ہے کہ اگر لفظ کے ایک صوت رکن کے آخر میں (Z) آئے اور اس سے اگلا صوت رکن (h) سے شروع ہو تو یہ مل کر (Zh) کی آواز دیتے ہیں مثلاً اظہار ، مذہب کا تلفظ ڈاکٹر زور کے بقول اظھار۔ مذھب ۔ ہے۔ میری رائے میں مھ۔ نھ۔ لھ۔ رھ۔ ڑھ۔ زھ (ظھ۔ یا ذھ) میں ھ کاریت نہیں ہے۔ بلکہ یہ دوہرے مصمتے ہیں۔ ان میں ھ کا ادغام اتنا مکمل نہیں جتنا بندشی آوازوں میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سنسکرت ترسیم میں بھ۔ پھ وغیرہ کے لئے علیحدہ نشانات وضع کئے۔ لیکن لھ۔ مھ وغیرہ کو ھ سے ملا کر لکھا۔

انگریزی میں لفظ کے شروع میں غیر مصمتی بندشیے P ، T ، K بالعموم ھ کاری بولے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعد میں آنے والے مصوتے کی وجہ سے ان میں ہوا کا جھونکا بڑھ جاتا ہے۔ ابتدا کے علاوہ دوسرے مقامات پر ایسا نہیں ہوتا۔ فرنچ میں ھ کاریت کا رواج نہیں۔ انہیں انگریزی لفظوں کے ابتدائی P، T، K کا ھ کاری تلفظ بہت عجیب معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ انگریزوں کو فرانسیسیوں کے ابتدائی K ، T ، P کا غیر ھ کاری تلفظ دوبھر گذرتا ہے۔

ھ کاریت کے مختلف درجے ہوسکتے ہیں۔ سہولت کی خاطر ہم صرف دو درجے ھ کاری اور غیر ھ کاری مانتے ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ انگریزی لفظ PILL . TOWEL . KILL کے ابتدائی مصمتے اس حد تک ھ کاری نہیں ہوتے جتنے اردو الفاظ بھیل۔ ٹھوک، کھال کے پہلے مصمتے۔

---

[1] DR ZORE : HINDUSTANI PHONETIES P.97 1930

2۔ کرخت اور ملائم۔ تلفظی صوتیات میں آوازوں کی تلفیظ کی ایک اور بنا پر تقسیم کی جاتی ہے
الف۔ کرخت یا تناؤ دار (FOETIS) انہیں ادا کرنے میں عضلات تنے اور کسے رہتے ہیں۔ مثلاً س، ش، ژ میں یا طویل ای (بیج) طویل اُو (حوَر) وغیرہ
ب:۔ ملائم یا ڈھیلا (LENIS) انہیں ادا کرنے میں عضلات آرام کی حالت میں ہوتے ہیں۔ مثلاً ر، ل یا خفیف اِ (इ) اور خفیف اُ (उ) مثلاً دل، گل ہیں۔ ان کا فرق محسوس کرنے کے لئے منھ قدرے کھول کر جیبھ کے نیچے کی طرف جڑ کے پاس انگوٹھا لگائیے اور پھر کِ (कि) اور کو (की) کے طویل ای میں زبان کے تناؤ کا احساس ہوگا۔ جب کہ خفیف میں ڈھیلے پن کا۔

صوتیات کا علم کسی خاص زبان سے متعلق نہیں ہوتا۔ اس میں تمام زبانوں کی آوازوں کا عمومی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ان کی نزاکتوں کو کاغذ پر ظاہر کرنے کے لئے نشانات متعین کر لئے جاتے ہیں۔ ان میں سب سے مشہور بین الاقوامی صوتی ہجا۔

(I.P.A یا INTERNATIONAL PHONETIC ALPHABET) ہے۔ ۱۸۸۶ء میں یسپرسن نے دنیا بھر کی زبانوں کے لئے ایک رسم الخط تیار کرنے کے بارے میں پال پاسی کو ایک خط لکھا تھا۔ اس کے نتیجے میں ۱۸۸۶ء میں پیرس میں " بین الاقوامی صوتی انجمن۔" — (L'ASSOCIATION PHONETIQUE INTERNATIONAL) بنی اور اسی سال بین الاقوامی صوتی ہجا کی تشکیل ہوئی۔ بین الاقوامی انجمن کا مقصد ایک ایسے ہی ہجا کی تخلیق کرنا تھا۔ جس میں نطق انسانی کی ہر آواز کے لئے ایک واضح نشان ہو۔ اس وقت انجمن کے ارکان کو غیر یورپی ممالک کی آوازوں کا زیادہ علم نہ تھا۔ اس لئے ان کے چارٹ میں صرف انہیں آوازوں کے لئے نشانات مقرر کئے گئے جن سے وہ واقفیت رکھتے تھے۔ بحث و تمحیص کے بعد ان میں وقتاً فوقتاً ترمیمات اور اضافے ہوتے رہے۔ ظاہر ہے موجودہ چارٹ کے مقابلے میں دنیا بھر کی زبانوں میں آوازوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس ہجا میں یہ اہتمام ہے کہ کسی بھی زبان کی مزید آوازوں کے لئے حسب ضرورت نئی علامات کے اضافے کی اجازت ہے۔

امریکہ میں مختلف مصنفوں نے اس چارٹ سے ہٹ کر زیادہ تفصیلی علامات کا استعمال کیا ہے جو ٹرز - وارڈ۔ کینن (KENYON) اور پائک وغیرہ کے چارٹ بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ ان چارٹوں میں عموماً مصمتوں اور مصوتوں میں خصوصاً IPA کی نسبت کہیں زیادہ نشانات ہیں نشانات

کے IPA سے مختلف ہونے کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ کئی مشہور امریکی مصنفوں کی کتابیں مثلاً (NIDE، پاٹک۔ ٹریگر۔ اور اسمتھ کی) اولاً ٹائپ رائٹر پر لکھی گئیں جس کی وجہ سے ٹائپ کی ضروریات کے مطابق علامات کو بدلنا پڑا۔ امریکہ کا ایک چارٹ زیادہ مشہور ہے۔ لیکن چونکہ وہ زیادہ مفصل ہے، اس لئے ہم اسے نظر انداز کر کے فی الوقت صرف IPA کو درج کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور اس میں بھی صرف مصمتوں کو، مصوتوں کو نہیں۔

	Bilabial	Labio dental	Dental and alveolar	Retroflex	Palato alveolar	Alveolo palatal	Palatal	Velar	Uvular	Pharyngeal	Glottal
Plosive	p b		t d	ʈ ɖ			c ɟ	k g	q ɢ		ʔ
Nasal	m	ɱ	n	ɳ			ɲ	ŋ	ɴ		
Lateral Non-Fricative			l	ɭ			ʎ				
Lateral Fricative			ɬ ɮ								
Rolled			r						R		
Flapped			ɾ	ɽ					R		
Rolled Fricative			ř								
Fricative	ɸ β	f v	θ ð s z ɹ	ʂ ʐ	ʃ ʒ	ɕ ʑ	ç ʝ	x ɣ	χ ʁ	ħ ʕ	h ɦ
Frictionless Continuants and Semi-Vowels	w ɥ	ʋ	ɹ			j(ɥ)		(w)	ʁ		

I.P.A. (CONSONANTS)

ذیل میں چارٹ کی مزید آوازوں کی صراحت کی جاتی ہے۔

بندشی آوازوں کی تلفیظ میں تین منزلیں ہوتی ہیں 1۔ سانس کا منھ میں لانا 2۔ ناک اور منھ کا راستہ بند کرکے ہوا کو روکنا 3۔ تالابندی کو کھول کر سانس کو رہا کرنا۔

ناک کا راستہ کوّے یا لہات کو پیچھے کی سمت موڑ کر بند کیا جاتا ہے۔ کسی اور مقام پر نہیں منھ کا راستہ صوتی تاروں سے لے کر ہونٹوں تک کسی بھی مقام پر بند کیا جا سکتا ہے۔ بعض اوقات بندشیوں کے ادا میں صرف دو منزلیں ہوتی ہیں۔ تیسری منزل رہائی کی نوبت نہیں آتی۔ یہ ذیل کی دو صورتوں میں ہوتا ہے۔

ا۔ اگر غیر مصمتی بندشیہ یا الفرکیٹ لفظ کے آخر میں آئے مثلاً آپ۔ بندشی مصمتہ آخر میں بھی رہائی مانگتا ہے۔ ملاحظہ ہو آب

ب۔ اگر بندشیہ کے بعد دوسرا مصمتہ آئے تو اعضائے نطق کو دوسرے مصمتے کی تلفیظ کے لئے تیار رہنا پڑتا ہے۔ اس طرح پہلا بندشیہ بغیر رہائی ہی کے ادا ہو جاتا ہے۔ مثلاً وقت۔ رخت۔ قبضہ

چارٹ کے سب سے اوپر کے افقی کالم سے مختلف آوازوں کے محلِ تلفیظ واضح ہو جاتے ہیں بندشیے متعدد مقامات سے ادا ہو سکتے ہیں۔ چارٹ میں محض اہم مقامات دیئے گئے ہیں۔ لب دنتی بندشیے نظریاتی طور پر ممکن ہیں۔ لیکن ہوتے نہیں۔ اگر کوئی شخص بولتے وقت بہت زور سے ہنس رہا ہو جس کے سبب دونوں ہونٹوں کو بالکل ملانا ممکن نہ ہو تو ممکن ہے کہ وہ لب دنتی بندشیہ ادا ادا کر جائے۔ برازیل کے ریڈ انڈینوں کی ایک زبان UMOTINA ہے۔ اس میں راس لبی (APICO - LABIAL) بندشیہ ہوتا ہے۔ جو نوکِ زبان کو ہونٹوں سے ملانے سے ادا ہوتا ہے۔ اپنی قسم کی یہ واحد مثال ہے۔ انگریزی کے T . D لثوی بندشیے ہیں جنہیں نوکِ زبان کے اوپر کے مسوڑے سے ملا کر ادا کیا جاتا ہے۔ چونکہ ہماری زبان میں یہ آواز نہیں ہوتی۔ اس لئے ہمارے لئے لثوی بندشیہ ادا کرنا ممکن نہیں۔ ہم انہیں ترمیم کرکے معکوسی بنا کر ادا کرتے ہیں اور اس طرح انہیں اپنے ٹ۔ ڈ سے ملا دیتے ہیں جو غلط ہے۔ معکوسی بندشیوں کو ادا کرنے کے لئے نوکِ زبان کو الٹ کر تالو سے لگانا پڑتا ہے۔ دنتی۔ لثوی اور معکوسی بندشیوں میں سے انگریزی میں صرف لثوی بندشیے ملتے ہیں۔ فرنچ میں دنتی اور لثوی دونوں۔ عربی۔ فارسی میں صرف دنتی۔ ہند آریائی زبانوں میں دنتی اور معکوسی اور ملیالم میں دنتی۔ لثوی اور معکوسی تینوں

قسم کے ۔ معکوسی بندشیے ہندوستان کی خصوصیت ہیں۔ لیکن یورپ میں سوئیڈن کی زبان میں بھی ملتے ہیں۔ سوئیڈش زبان کا لفظ KoRT کا (R.T) ٹ اور Bord کا (RD) ڈ ہے۔

تالوئی آوازیں ɟ c فرنچ اور ہنگیرین زبان کی ہیں۔ IPA میں انہیں ج۔ چ کے لیے استعمال کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ غیر مصیتی چ کی ھکاری شکل چھ اور مصیتی ج کی ہکاری شکل جھ ہے IPA میں ان آوازوں کو اس لئے درج نہیں کیا گیا کہ اکثر نے انہیں دہری آوازیں مانتی ہے۔
اسی لیے انہیں ایفرکیٹ (AFFRiCATA) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ چ کو ت + ش کا اور ج کو د + ژ کا مجموعہ مانا جاتا ہے۔ یہ آوازیں بنیادی طور پر بندشی ہی ہیں۔ ان میں بندش عنصر طویل ہوتا ہے اور صفیری خاتمہ اتنا مختصر کہ کان کو اس کی شناخت نہیں ہو سکتی۔ چ کو ادا کرنے میں پہلے ت کی طرح بندش لگتی ہے۔ اس کے بعد رہائی یکایک نہیں ہوتی بلکہ آہستہ آہستہ کاہلی کے ساتھ اس طرح کہ ت کے بعد تنگ شگاف نما راستہ قائم ہو جاتا ہے جس پر ٹھہرا جائے تو س جیسی صفیری آواز نکلنے لگے۔ مصیتی ج میں د، ژ کی منزلیں آتی ہیں۔ بندشیے اور ایفرکیٹ میں یہ فرق ہے کہ بندشیے میں زبان یک لخت جدا ہوتی ہے جس سے اسپھوٹ ہوتا ہے۔ ایفرکیٹ میں یہ آہستہ آہستہ الگ ہوتی ہے۔ بعض مصنف انھیں واحد آواز مانتے ہیں۔ بعض دوہری۔ ان کے دوہرے پن کا پتہ آلات سے لگتا ہے۔ سماعی تاثر واحد آواز کا ہے۔ ظاہرا یہ کتنا عجیب معلوم ہوتا ہے کہ [چ] ت، ش کا مجموعہ ہے لیکن آوازوں کا تاریخی ارتقاد دیکھیے۔ سنسکرت لفظ منیہ سے مچھ اور اُتسو سے اچھاؤ بن گیا۔ پانِنی نے ان مصمتوں کو اسپھوٹ ہی کے ضمن میں لیا ہے۔ مختلف زبانیں اپنے اپنے استعمال اور پسند کے مطابق انھیں مفرد یا دوہرا قرار دیتی ہیں۔ قطعیت سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اردو ہندی میں انھیں مفرد مان کر ایک علیحدہ سطر ایفرکیٹ، میں درج کرنا مناسب ہے۔ لفظ کے آخر میں یہ نسبتاً کمزور ہوتے ہیں دوسری زبانوں میں بعض اور ایفرکیٹ بھی ملتے ہیں مثلاً جرمن میں P اور Φ کے اجتماع سے اور سوئٹزرلینڈ کی جرمن میں k اور X کے اجتماع سے۔

لہاتی بندشیوں میں لہات یا کوا عقبِ زبان یا بیچ زبان کو چھوتا ہے۔ ہماری زبان میں صرف غیر مصیتی لہاتی بندشیہ ق ملتا ہے مصیتی لہاتی بندشیہ نہیں۔ گلوئی بندشیہ کو انگریزی میں Glottal stop کے علاوہ Glottal catch بھی

کہتے ہیں۔ اس کا مقام تلفیظ صوتی تار ہیں اسے ادا کرنے کے لیے دونوں صوتی تار مل کر یکایک جدا ہوتے ہیں جس سے گلوئی بندشیہ ادا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ گلوئی بندشیے میں مصیتی اور غیر مصیتی کا سوال ہی نہیں۔ اردو کے برخلاف عربی کا ہمزہ گلوئی بندشیہ ہوتا ہے عربی اور عبرانی کے علاوہ یہ مصمتہ ہندوستان کی منڈاری زبان (منڈا خاندان) شمالی جرمن، ڈچ اور بعض افریقی زبانوں میں ملتا ہے۔ انگریزی میں حیرانی ظاہر کرنے والے بعض فجائیہ کلموں میں اس قسم کی آواز ادا کر دی جاتی ہے۔

ابھی تک ہم نے بندشیوں کو مصیتی اور غیر مصیتی میں تقسیم کیا ہے۔ ان کے علاوہ وہ شاذ و نادر ایک قسم نیم مصیتی (Devoiced Plosives) کی بھی ہوتی ہے۔ اُنھیں Devoiced کے علاوہ Lenes بھی کہتے ہیں۔ اگر مصیتی غیر ہکار بندشیے کو خفیف اخراج ہوا کے ساتھ ادا کیا جائے تو یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے مثلاً جنوبی جرمن میں [b̥] نہ ب ہے نہ پ ہے بلکہ دونوں کے بیچ میں ہے۔ سننے میں یہ کبھی ب معلوم ہوتا ہے کبھی پ لیکن یہ ان دونوں سے علیحدہ فونیم ہے انگریزی bulb، heads کا آخری مصمتہ مصیتی اور غیر مصیتی کے بیچ ادا ہوتا ہے یعنی بلب کا آخری مصمتہ ب اور پ کے بیچ اور heads کا آخری مصمتہ س اور ز کے بیچ سنائی دیتا ہے۔ صوتی تحریر میں اُنھیں مصیتی حرف سے لکھ کر اس کے نیچے ایک چھوٹا سا دائرہ بنا دیتے ہیں جیسے [b̥] [s̥]۔

ان مفرد بندشیوں کے علاوہ ایک غیر معمولی قسم دوہری تلفیظ (Double aeticulation) کے بندشیوں کی ہے۔ ان میں بہ یک وقت منھ میں دو جگہ ہوا کو بند کیا جاتا ہے ہونٹوں پر اور عقب زبان و غشا پر۔ انھیں بھی غشائی (Labio-velar) بندشیہ کہتے ہیں۔ یہ بعض مغربی افریقی زبانوں نیز نیوگنی کی زبان میں ملتے ہیں۔ اُنھیں [kp] اور [gb] سے لکھا جاتا ہے لیکن ان زبانوں میں یہ دوہرے نہیں مفرد مصمتے ہیں جن میں بہ یک وقت ک پ کی گ ب کی آواز معلوم ہوتی ہے۔

اب لیجئے انفی مصمتوں کو

انفی مصمتوں کو ادا کرتے وقت منھ کا راستہ بند کر دیا جاتا ہے اور خلائے بینی

کے راستے سانس خارج ہوتا رہتا ہے۔ منھ میں جس مقام پر سانس روکا جائے اسی کے مطابق انفیے کو نام دیا جاتا ہے۔ انفی مصمتے مصیتی ہوتے ہیں چند کم معروف زبانوں ہی میں غیر مصیتی انفیے ملتے ہیں۔ م زیادہ تر دولبی ہوتا ہے لب دنتی m اطالوی اور اسپینی زبان کا [n] ہے۔ اردو میں [و] اور [ف] سے پہلے آنے والا م لب دنتی ہو جاتا ہے مثلاً ہموار، [ف] سے قبل [و] کا وقوع اردو میں شاذ ہے ہم فن، غم فروش جیسی ترکیبیں سوچی جا سکتی ہیں۔ آسام کے شہر امفال (Imphal) کے نام میں بھی لب دنتی م ہے۔

ن اپنے متعاقب مصمتوں کے نقطۂ تلفیظ کے ساتھ اپنا مقام بھی بدلتا رہتا ہے۔ اس کا بنیادی مقام راس دنتی ہے یعنی زبان اوپر کے دانت کو چھو کر منھ کا راستہ بند کرتی ہے۔ مثال بن، بنتا، بند۔ ن ہی کی ایک شکل معکوسی ݨ [ɳ] ہے۔ سنسکرت دراوڑی زبانوں اور مراٹھی وغیرہ میں یہ کھل کر ن سے مختلف بولی جاتی ہے۔ ہندی میں اس کا تلفظ صرف عالمانہ بولی میں ہوتا ہے۔ بول چال کی ہندی اور اردو میں یہ ٹ، ٹھ، ڈ، ڈھ سے قبل آتا ہے مثلاً گھنٹہ، کنٹھا، انڈا، منڈھ۔ معکوسی مصمتوں سے پہلے کا [ن] معکوسی تلفیظ ہی سے ادا ہوتا ہے یعنی نوکِ زبان الٹ کر تالو کو چھوتی ہے تاکہ اسی مقام سے متعاقب مصمتے کو ادا کر دے۔ سماعی اثر بالکل دنتی [ن] جیسا ہوتا ہے۔

تالوئی انفیہ IPA میں [ɲ] سے اور دیوناگری میں ञ سے ظاہر کیا جاتا ہے یہ ج، جھ، چ، چھ سے قبل آتا ہے مثلاً رنج، منجھی، پنچ، پنچھی۔ یہاں بھی متعاقب مصمتے کی خاطر ن اپنے مقام تلفیظ کو پیچھے لے جاتا ہے اور اس طرح زبان کے پچھل یا وسط اور تالو کے اگلے حصے سے یہ انفیہ ادا ہوتا ہے ہندی کے ایک لفظ ونیم، میں یہ انفیہ ج، چ کے بغیر بھی آتا ہے۔ رومانس زبانوں مثلاً اطالوی، اسپینی اور پرتگالی میں بھی یہ ج، چ کے بغیر آزاد مصمتے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ یہ فرنچ اور اطالوی کا gn اور اسپینی کا ñ ہے۔

غشائی انفی مصمتہ IPA میں [ŋ] سے اور دیوناگری میں ङ سے ادا کیا جاتا ہے۔ یہ ک، گ، کھ، گھ سے پہلے آتا ہے مثلاً ڈنک، رنگ، پنکھا، کنگھا ہیں۔ اسے ادا کرنے

میں ہم زبان کے پچھلے حصے کو نرم تالو سے ملاتے ہیں۔ اس محلِ تلفیظ اور ن کے محلِ تلفیظ میں کوئی مناسبت نہیں۔ اتنی طرفین پر ادا ہونے والی آوازوں کو ایک قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ اردو رسم الخط کا کرشمہ ہے کہ ہم ڈنک، رنگ کے انفیے کو [ن] سمجھ لیتے ہیں حالانکہ اس کا سماعی تاثر بھی ن جیسا نہیں۔ 'انگ' کہیے تو اس لفظ میں ابتدائی مصوتے اور آخری بندشیے کے بیچ جو انفی مصمتہ ہے وہ غشائی انفیہ کی مکمل آواز ہے سنسکرت میں ایک لفظ vāṅmaya میں یہ انفیہ ک، گ کے بغیر آتا ہے۔ معلوم نہیں وہاں اس کا صحیح تلفظ کیا ہے۔ لہاتی انفیہ ہماری زبان میں نہیں ہوتا۔ 'عنقا' جیسے لفظ میں بھی ہم ن کو [ق] سے ہم مخرج نہیں کرتے۔ یہ اسکیموز زبان کے 'enina' اور دوسرے الفاظ میں ملتا ہے۔

زبان کو اوپری مسوڑے سے لگا کر اگر ایک یا دونوں طرف سے ہوا رہا کی جائے تو پہلوئی مصمتہ ادا ہوتا ہے۔ راقم الحروف کے ل کے تلفظ میں سانس دائیں جانب سے خارج ہوتا ہے بائیں طرف سے بالکل نہیں ہوتا یا بہت کم ہوتا ہے۔ بعض رومانس زبانوں میں لثوی کی بجائے تالوئی ل ہوتا ہے جو زبان کے پھل (BLADE) اور تالو سے ادا ہوتا ہے۔ پہلوئی مصمتہ اکثر مصیتی ہوتا ہے غیر مصیتی بہت کم زبانوں میں ملتا ہے۔ اس کی تمام اقسام ل سے مشابہ ہوتی ہیں۔ انگریزی میں ل اور [ر] کو ملا کر رقیقیے (Liquids) کہا جاتا تھا۔ انگریزی اور فرنچ میں اس کی دو قسمیں ہیں۔ لفظ کی ابتدا میں یا مصوتے سے قبل یہ زیادہ صاف اور واضح ہوتا ہے اس لیے اسے جلی ل (clear or Bright) کہتے ہیں۔ صوت رکن کے آخر میں، بالخصوص لفظ کے آخر میں انگریزی [ɫ] مبہم ہوتا ہے۔ اسے مبہم ل (Dark L) کہتے ہیں۔ مبہم ل کی تلفیظ میں زبان کا وسطی اور پچھلا حصہ بھی شریک ہوتا ہے۔ انگریزی لفظ Little کا پہلا L صاف اور دوسرا مبہم ہے۔ اسکاچ انگریزی میں ہر ماحول میں L مبہم ہوتا ہے۔ سنسکرت اور مراٹھی وغیرہ میں معکوسی ل (ḷ) بھی ملتا ہے۔ اس کی تلفیظ میں نوکِ زبان کو الٹ کر تالو سے لگایا جاتا ہے لیکن معکوسی بندشیے کے برخلاف ایک یا دونوں طرف قدرے نالی چھوڑ دی جاتی ہے جس سے سانس خارج ہوتا ہے۔ معکوس لٹ کا سماعی تاثر ل کے مقابلے میں ڑ سے زیادہ مشابہ ہوتا ہے۔ تالوئی پہلوئی [ʎ] اطالوی — [gl] مثلاً egli میں، اسپینی [ll] مثلاً Allá میں اور یونانی زبان میں ملتی

ہے۔ پہلوئی صفیریے کو صفیریوں کے صنعت میں لیا جائے گا۔

ارتعاشی یا ملفوفی (Trilled OR Flapped)۔ اس مصمتے کو ادا کرنے میں ایک نازک تلفیظ کار موجِ نفس کے باعث بار بار ایک بار جنباں ہوتا ہے۔ یہ تلفیظ کار عام طور سے نوکِ زبان اور شاذ لہات اور اس سے بھی شاذ دونوں ہونٹ ہوتے ہیں۔ اس تلفیظ سے ر کی مختلف اقسام بنتی ہیں جن میں سے خاص دو ہیں۔

ارتعاشی (TRILLED) :۔ اس میں تلفیظ کار موجِ تنفس سے بار بار کپکپاتا ہے۔ اس سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ ایک نقطِ تلفیظ سے پیدا ہونے والی دو آوازوں کی یکے بعد دیگرے تیز تکرار ہوتی ہے۔ نوکِ زبان سے اوپری دانت یا اوپری مسوڑے کے آگے ارتعاش زیادہ عام ہے یہ خاص طور سے اسپینی پرتگالی اور اطالوی میں ملتا ہے۔ اس سے کم فرنچ اور جرمن کی بعض اقسام میں۔ دراوڑی زبانوں کا [ر] بھی کسی قدر ارتعاشی ہوتا ہے۔ لہاتی ارتعاشی مصمتہ جرمن زبان میں ملتا ہے۔ فرنچ میں پہلے بولا جاتا تھا اب فرنچ کے لہاتی صفیریہ ہوگیا۔ صرف اعلیٰ تلفظ کے شائقین میں لہاتی ارتعاشیہ بولتے ہیں۔ دونوں ہونٹوں کی TRILL بچوں کے کھیل میں سنائی دیتی ہے لیکن باقاعدہ مصمتہ کے طور پر نہایت شاذ ہے یہ صرف ایک زبان کے ایک لفظ میں ملتی ہے۔ وہ زبان میکسیکو کی خاکنائے پر بولی جانے والی ایک ریڈ انڈین زبان (Isthmus Zapotec) ہے۔ انگریزی میں سردی کی کثرت سے ایک مجازی کلمہ ہرہرہر جیسا ادا کیا جاتا ہے اس میں بھی دولبی ارتعاشی مصمتہ بن جاتا ہے۔

ملفوفی (FLAPPED OR ROLLED)۔ اگر تلفیظ کار عضو بہت تیزی سے صرف ایک بار حرکت کرے یعنی دستک سی دے کر ہٹ جائے تو اس سے پیدا ہونے والی آواز کو ملفوفی کہتے ہیں۔ اس کو نہایت مختصر بندشیہ سمجھیے۔ اکثر یہ اوپری دانتوں یا مسوڑے کے ساتھ ہوتی ہے۔ انگریزی اور اردو [ر] لثوی ہے۔ ڈاکٹر زور[a] نے آلات پر فوٹو لینے کے بعد اردو ر کی یہ تفصیل دی ہے۔

لفظ کی ابتدا (مثلاً رام) میں ر کو ادا کرنے میں زبان اوپری مسوڑے کے سامنے دوبار پیچ کھاتی ہے۔ درمیانی ر (مثلاً مرا) میں زبان ایک بار مڑتی ہے اس کے بعد

[a] De Zore: Hindustani Phonetics P. 91

ایک مصوتہ ادا ہوتا ہے پھر دوبارہ خفیف سا لپیٹ یا دستک ہوتی ہے۔ آخری ر (مار) کو ادا کرنے میں زبان تین بار مڑتی ہے۔

یہ پیچ یا لپیٹ اتنے کم اور مختصر ہوتے ہوں گے کہ بالکل غیر محسوس ہیں کیا تلفیظ میں کیا سماعی تاثر کے لحاظ سے اردو ر میں ایک ہی دستک یا لپیٹ کا احساس ہوتا ہے۔

اگر نوکِ زبان کو اوپر اُٹھا کر تالو کے سامنے لپیٹ دیا جائے تو نتیجتہً "ڑ" کی آواز نکلتی ہے۔ امریکی انگریزی کا r بہت پیچیدہ ہے۔ مختلف علاقوں میں اس کی متعدد قسمیں ہیں لیکن عموماً وہ ڑ جیسی معکوس معلوم ہوتی ہیں۔ کہیں یہ نیم مصوتہ یا مصوتہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

IPA چارٹ میں Rolled اور Flapped ɾ کو جدا جدا درج کیا گیا ہے۔ وہاں Rolled r سے مراد عام [r] (ارتعاشی نیز ایک بار ادا ہونے والی دستکی) اور Flapped ɾ سے معکوس یا معکوس نما [ɽ] لی ہے۔ [ɾ] اسپینی زبان کی r ہے مثلاً pero میں۔ [R] فرانسیسی [ر] کی ایک قسم ہے۔ IPA سے ہٹ کر Rolled r اور Flapped ɾ کی اصطلاحوں میں فرق نہیں کیا جاتا۔

صفیریے (Fricatives OR Spirants)۔ اگر سانس کو کسی سکڑے ہوئے تنگ راستے سے گزارا جاتا ہے تو اس سے پیدا شدہ آواز کو صفیری کہتے ہیں۔ ان کی اصلاً دو قسمیں ہیں۔ 1۔ دہانی صفیریہ اور 2۔ حجرہ کی خلا کا یا گلوئی صفیریہ۔ آخرالذکر صرف ھ [h] ہوتا ہے۔

دہانی صفیریوں کی تین یا چار قسمیں ہوتی ہیں جن میں دو زیادہ عام ہوتی ہیں۔

الف۔ درز دار (SLIT)۔ ان میں ہوا کا راستہ عمودی حیثیت سے تنگ اور افقی رُخ وسیع ہوتا ہے۔ ف، انگریزی v، θ (THINK)، ð (CHOSE) درز دار صفیریے ہیں۔ گلیسن نے خ، غ کو بھی درز دار صفیریوں میں شمار کیا ہے گو ان کی صورت میں درز یا نالی کی تقسیم کا اطلاق نہیں ہوتا۔

ب۔ نالی دار (RILL یا GROOVE) ان میں زبان قدرے گول ہو کر نالی کی شکل اختیار کر لیتی ہے یعنی عمودی راستہ بڑا اور افقی راستہ تنگ ہو جاتا ہے س ز، ش ژ اس قسم کے صفیریے ہیں۔ انھیں سیٹیے (SIBILANTS) بھی

کہتے ہیں۔ ہاکیٹ نے ش ژ کو ایک تیسری قسم سطحی صفیریہ Surface spirant کہا ہے۔ اس کے مطابق انھیں ادا کرنے میں زبان کی پوری سطح تالو کے اوپری حصے کے سامنے آجاتی ہے۔

ج:۔ ان دونوں سے کم پائی جانے والی قسم پہلوئی صفیریہ ہے۔ اسے ادا کرتے میں منھ کا راستہ بیچ سے بند رہتا ہے اور ایک یا دونوں طرف سے قدرے کھلا رہتا ہے۔ عام [ل] اور پہلوئی صفیریہ میں یہی فرق ہے کہ صفیری [ل] کو ادا کرتے وقت اطراف سے ہوا کے گزرنے کا راستہ نسبتاً زیادہ کشادہ ہوتا ہے صفیری میں کم۔ غیر مصمتی پہلوئی صفیریہ [ɬ] ویلش زبان کا [ɬe] اور افریقہ کی کافر زبان کا [ɬh] ہے مصمتی پہلوئی صفریہ افریقہ کی زولوزر زبانوں کا [ɮah] ہے۔

د:۔ ملفوفی صفیریہ ر Rolled Fricative ۔ IPA میں اسے بھی علیحدہ کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ [ř] کو ادا کرنے میں اگر سانس کا راستہ زیادہ تنگ ہو تو یہ صفیری ہو جائے گا۔ امریکی انگریزی کی بعض بولیوں میں (مثلاً břd میں) صفیری ر آتا ہے۔ اب بعض صفیریوں کی توضیح کی جاتی ہے۔

غیر مصمتی دولبی صفریہ یونانی حرو ف ’فی‘ (Φ) سے ظاہر کیا گیا ہے۔ یہ جرمن زبان کا w اور ysvana کا f ہے۔ جاپانی زبان میں v سے پہلے h آئے تو دولبی صفریہ ہوتا ہے اور اس کی آواز ف جیسی ہوتی ہے مثلاً Fvji Hazi لکھ کر ن/ پڑھنا مصمتی دولبی صفریہ یونانی حرف ’بیٹا‘ (B) سے لکھا جاتا ہے۔ یہ اسپینی کا b ہے وسطی عہد کی جرمن کا w بھی یہی تھا۔ f انگریزی اور اردو کی معروف آواز ہے لیکن [v] انگریزی آواز ہے اردو واؤ نہیں θ اور ð کو عموماً لثوی مانا جاتا ہے لیکن بعض علماء انھیں بین دندانی (Interdental) قرار دیتے ہیں۔ غیر مصمتی صفیریہ θ یونانی کے حرف تھیٹا سے لکھا جاتا ہے۔ یہ اسپینی زبان میں z, c کی آواز ہے۔ انگریزی Thing کا Th یہی ہے۔ اس کی مصمتی شکل کو قدیم انگریزی کے حرف eth (یونانی ڈیلٹا سے مماثل یعنی ð) سے لکھا جاتا ہے۔ یہ انگریزی، اسپینی، ڈینش اور یونانی میں ملتا ہے۔ انگریزی لفظ This میں یہی آواز ہے۔ θ اور ð صفری آوازیں ہیں یعنی انھیں ادا کرتے وقت نوک زبان اوپری

مسوڑے سے قدرے دور رہتی ہے۔ اہلِ ہند اس پر قادر نہیں اور زبان کو مسوڑے سے ملادیتے ہیں جس سے اُن کی آواز بندشی ٹھ، ڈ ہو جاتی ہے جو صحیح نہیں۔

S Z معمولی دنتی یالثوی سیٹیے ہیں۔[ʂ] جنوبی انگریزی کی T (مثلاً d T Y میں) یا امریکی انگریزی کی ہرز (مثلاً d ہرزنگ) میں ہے۔ معکوسی S مراٹھی کا مور دھنی ष ہے۔ ہندی میں اس کو श سے جدا لکھتے ہیں لیکن بولنے میں اس کا معکوسی تلفظ نہیں کیا جاتا۔ یہ پیکنگ کی منڈاری بولی اور سویڈش زبان میں بھی ہے۔ سویڈش s ہے یہی ہے۔ ʐ محض پیکنگ کی بولی میں ملتا ہے۔ ʃ اردو میں ش سے انگریزی میں sh سے فرنچ ch سے اور جرمن میں seh سے ادا کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ دوسری بہت سی زبانوں میں ملتا ہے۔ ʒ فارسی اور اردو کا [ژ] ہے، انگریزی میں measure جیسے الفاظ میں ملتا ہے۔ فرنچ Jean میں g کی آواز ژ ہے۔ جنوبی امریکہ کی اسپینی کا ll بھی یہی آواز دیتا ہے۔ ɕ پولش ś اور پیکنگ کا x (ش) ہے ʑ پولش کا ź ہے۔ اس پیراگراف کی تمام آوازیں [ʂ] کے استثنا کے ساتھ، سیٹیے (Sibilants) کہلاتی ہیں۔

غشائی صفیریوں میں غیر مصبتی کو x سے لکھتے ہیں۔ یہ اسکاٹش زبان کا ch، جرمن کا ch، اسپینی کا j اور روسی کا x ہے۔ ڈاکٹر زور[1] نے اردو کے خ کو بھی غشائی صفیریہ قرار دیا ہے۔ ɣ منجملہ دوسری زبانوں کے اسپینی، ڈینش، جرمن، یونانی اور عربی میں ملتی ہے۔ یہ عربی اور اردو کی غ کی ایک قسم ہے۔ ڈاکٹر زور[2] نے اردو غ کو غشائی قرار دیا ہے۔ لہاتی غیر مصبتی صفیریہ کو یونانی حرف 'چی' (χ) سے لکھا جاتا ہے یہ عربی خ کی دوسری قسم ہے۔ [ʁ] کو فارسی ر اور عربی غ کی ایک قسم بتایا گیا ہے۔ اس طرح خ، غ کی ایک ذیلی صوت کو غشائی اور دوسری کو لہاتی قرار دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو کی خ، غ عقب غشائی (Post Velar)

---

[1] 1 And 2. Hindustani Phonetics P.

[2] Gleason:- An Introduction to Descriptive Linguistics P. 241

ہیں۔ لہاتی سے کسی قدر نیچے حلقی (Pharyngeal) صغریے نہیں ان میں [ħ] عربی کی ح اور [ʕ] عربی کی ع ہے۔ انھیں ʕ ʕ لکھنا بہتر ہے۔ واضح ہو کہ بندشیے کی علامت کو بیچ سے کاٹ دیا جائے تو اس سے متعلق صفیریہ مراد ہوتا ہے۔ [h] گلوئی صفیریہ ہے۔ یہ بالعموم غیر مصیتی ہوتا ہے۔ لفظ ہاتھ کے شروع میں دیکھیے۔ اس کی آواز خفیف سے سانس کے سوا کیا ہے۔ اگر اس کے آس پاس مصیتی مصمتے یا مصوتے ہوں تو یہ مصیتی [ɦ] ہو جاتا ہے مثلاً 'behave' manhood میں۔ گلیسن کی رائے میں [ɦ] مصیتی نہیں ہوتا بلکہ اس میں آواز کا سُر قدرے بلند ہوتا ہے اور بس۔

دولبی غیر مصیتی نیم مصوتہ w ہے۔ اس کے ادا کرنے میں دونوں ہونٹ گول ہو جاتے ہیں۔ انگریزی کا v صفیری اور لب دنتی ہے۔ اسے ادا کرنے میں نیچے کا ہونٹ اوپر کے دانت کی سمت بڑھتا ہے لیکن قدرے درز چھوڑ کر رک جاتا ہے۔ ہونٹ کشیدہ رہتے ہیں۔ ہندوستانی زبانوں کا واؤ نہ w ہے نہ صفیری v۔ ہاں اگر اردو میں واؤ کے قبل پیش ہو مثلاً ہوا۔ جوا میں تو یہ w کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ʋ فرنچ کا غیر صوت رکنی (non-syllabic) v ہے نیم مصوتہ ہے اردو کا واؤ اور ڈچ w ہے۔ w اور ʋ کے محلِ تلفیظ ایک طرف تو ہونٹ اور دانت ہیں تو دوسری طرف منھ کے اندر عقبِ زبان نرم تالو (غشا) کی طرف بڑھتا ہے۔ j یے ہے۔ اسے ادا کرنے کے لیے وسطِ زبان تالو کی سمت بڑھتا ہے۔ نیم مصوتوں کو ادا کرتے وقت ہوا کا راستہ بقیہ تمام مصمتوں کی نسبت زیادہ کشادہ رہتا ہے۔ اگر اسے کسی قدر اور کشادہ کر دیا جائے۔ یعنی زبان کو واؤ اور یے کے مقابلے میں قدرے کم اٹھایا جائے تو واؤ کی جگہ او (u) اور یے کی بجائے ای (i:) ادا ہو جائے یعنی مصوتے نیم مصوتوں سے زیادہ کشادہ ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا چارٹ میں تمام زبانوں کی تمام آوازیں ادا نہیں کی گئیں۔ ایسا کرنا نہ تو ممکن ہے نہ مستحسن ہے۔ چارٹ میں زیادہ مشہور اور عام آوازیں اور مقبول طریقۂ تلفیظ درج کرنے پر اکتفا کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے امکانات ہیں۔ چند مخصوص اور پیچیدہ آوازوں کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

۱۔ دوہری تلفیظ Double articulation یا Co-articulation

ان میں بہ یک وقت دو لمسی مقامات پر تلفیظ کا عمل ہوتا ہے اور بعض اوقات دو قسم کے طریقۂ تلفیظ بھی مل جاتے ہیں۔ چونکہ دونوں محلّ تلفیظ ایک دوسرے سے ہٹے ہوئے اور آزاد ہوتے ہیں اس لیے آواز کا رنگ روپ قدرے بدل جاتا ہے۔ اس کی ذیل کی قسمیں اہم ہیں۔

الف:۔ لبیانا (Labialization)

ہونٹوں کے علاوہ دوسرے مقامات سے ادا ہونے والی آوازوں کے ساتھ ہونٹوں کو بھی مدوّر کر دیا جاتا ہے۔ عموماً یہ غشائی مصمتوں کے ساتھ ہوتا ہے اور انھیں k^w، g^w سے لکھا جاتا ہے مثلاً انگریزی الفاظ quick کی آواز۔ اطالوی میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ لبیانے کی انتہائی مثال مغربی افریقہ کے لبی غشائی Labio-velar مصمتے kp، gb ہیں۔ واضح ہو کہ یہ مفرد آوازیں ہیں۔

ب۔ انفیانا (nasalisation)

اگر آواز کی تلفیظ میں منہ کے ساتھ ساتھ ناک سے بھی ہوا رہا کی جائے تو مصمتہ انفیایا جاتا ہے۔ انفیانے کا عمل مصوتوں کے ساتھ زیادہ عام ہے۔ مصمتوں میں یہ صفیریوں کے لیے ممکن نہیں۔ بندشی مصمتوں کی ایک قسم ماقبل انفیائیت (Pre-nasalisation) ہے۔ ان میں سانس کو پہلے منہ کے راستے روکا جاتا ہے اور اس کے کچھ بعد میں خلائے بینی کے راستے۔ اس کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شروع میں ایک نہایت خفیف ہم مخرجی انفی مصمتہ (Short homorganic Nasal) ادا کیا گیا ہے۔ ان مصمتوں کو [ⁿt] [ᵐb] لکھتے ہیں۔ اردو میں یہ ہمیشہ مصمتی ہوتے ہیں۔ یہ چار ہیں [ᵑg] [ⁿḍ] [ⁿd] [ᵐb] مثلاً تانبا (تامبا) چاندی مینڈک، مانگا۔

ج:۔ تالویانا (Palatalization)

اگر مصمتے کی ادائیگی میں وسطِ زبان کو بھی تھوڑا اوپر اٹھایا جائے تو مصمتہ تالویایا جاتا ہے۔ روسی اور دوسری سلافی زبانوں میں یہ سب عام ہے۔ اکثر انھیں ایک

اوپری Y لکھ کر ادا کیا جاتا ہے مثلاً kʸ

د۔ GLOTTALIZATION

ان آوازوں کو glottalized کے علاوہ ejective بھی کہتے ہیں۔ ان کو ادا کرنے کے لیے ایک طرف منہ میں کسی مقام پر تنفس کو بند کر دیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی گلے میں صوتی تاروں کو ملا کر گلو بند کر لیتے ہیں۔ پہلے منہ کا راستہ کھول کر سانس کو رہا کیا جاتا ہے اور اس کے ایک لحظے بعد صوتی تاروں کو کھول دیا جاتا ہے جس سے پٹ سی (بوتل کا کارک کھلنے کی) آواز ہوتی ہے کیونکہ سکڑی ہوئی ہوا یکا یک باہر نکلتی ہے۔ گلوبائی مصمتوں میں بندشیے عام ہیں، انفیے ان سے کم اور صفیریے تقریباً نایاب ہیں۔ امریکی زبانوں Nookta اور kwakuitl میں پہلے گلوئی بندش کو رہا کیا جاتا ہے اور پھر خلائے بینی میں سانس گزرنے دیا جاتا ہے جس سے گلوبائی انفیے پیدا ہوتے ہیں۔

ھ۔ پہلویانا (Lateralisation)

بعض امریکی (ریڈ انڈین) زبانوں میں پہلوئی بندشیے بھی ملتے ہیں یعنی بندشی آوازوں کا تنفس محض ایک طرف سے رہا کیا جاتا ہے جس سے بندشیے کے ساتھ L مخلوط معلوم ہوتی ہے۔ انھیں tɬ ، ʧɬ سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ پہلوئی صفیریوں کا ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔

گلوبائی آوازیں غیر معمولی قسم کی ہوتی ہیں یہ اکثر ریڈ انڈین زبانوں میں ملتی ہیں۔ اب اسی قسم کی دو اور عجیب آوازوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

2۔ درکشیدہ (IMPLOSIVE) بندشیے

ہاکیٹ نے انھیں injective کہا ہے۔ ان میں خلائے دہن میں کسی مقام (ہونٹوں، دانتوں، تالو یا غشا) پر سانس کو بند کر دیا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ خلائے بینی کو بند کرتے ہیں۔ تیسرا کام یہ ہوتا ہے کہ ساتھ ہی ساتھ حنجرہ (Larynx) کو نیچے کی طرف بھیج دیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ صوتی تاروں کو ملا کر گلو بند نہیں کیا جاتا بلکہ پورا صوت ڈبہ نیچے کو کر دیا جاتا ہے اس سے حلق Pharynx میں مقید ہوا پھیل کر ہلکی ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد منھ کا راستہ کھول کر بندش کو رہا کیا جاتا ہے۔ منھ اور حلق میں ہوا پتلی ہوتی ہے اس لیے منھ کھلنے پر باہر سے ہوا تیزی کے ساتھ اندر داخل ہوتی ہے۔ یہ آوازیں مصمتی اور غیر مصمتی دونوں طرح کی ہو سکتی ہیں۔ مصمتی میں صوتی تاروں کی کپکپاہٹ کے سبب حلق میں ہوا اتنی خفیف اور پتلی نہیں رہتی اس لیے منھ کی بندش رہا ہونے پر اندر کو بہت کم ہوا داخل ہوتی ہے۔ یہ آوازیں خاصی کمزور ہوتی ہیں۔

ویسٹرمین کے مطابق ان مصمتی آوازوں کے فوراً بعد ایک مصوتہ بھی سنائی پڑتا ہے۔ یہ افریقہ کی بعض زبانوں مثلاً ایبو، ہوں، زولو نیز کچھ ریڈ انڈین زبانوں میں ملتی ہیں۔ اخراجی بندشیے میں اسپھوٹ ہوا کے باہر نکلنے سے ہوتا ہے۔ درکشیدہ بندشیوں میں ہوا کے اندر داخل ہونے سے۔ اخراجی بندشیوں کو Plosives کہا جاتا ہے۔ دراصل ان کا پورا نام Explosives ہونا چاہیے تاکہ درکشیدہ Implosives سے فرق کیا جا سکے۔ ان کو ترسیم میں ایک بالائی الٹے کاما سے ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً [pʻ]

3- چٹکار ([illegible])

یہ بھی ایک قسم کی درکشیدہ آوازیں ہیں۔ ان میں عقب زبان کو اوپر اٹھا کر غشا یا نرم تالو سے ملا دیتے ہیں۔ ساتھ ہی اس کے آگے منھ میں کسی مقام پر ایک اور جگہ بندش کر لی جاتی ہے۔ اس طرح بیچ میں مقید ہوا دب جاتی ہے۔ پھر زبان کو وسط سے قدرے آگے نیچا کر کے جوف کو بڑھا دیا جاتا ہے جس سے ہوا پھیل کر پتلی ہو جاتی ہے۔ اسی وقت آگے کی بندش رہا کی جاتی ہے۔ چونکہ جوف میں ہوا پھیلی ہوئی تھی اس لیے باہر سے اندر کو مزید ہوا داخل ہوتی ہے۔ اسی وقت عقب زبان اور غشا کی بندش بھی رہا کی جاتی ہے۔ یہ رہائی بہت خفیف ہوتی ہے۔ اس سے چٹاخ یا چٹکار جیسی آواز پیدا ہوتی ہے۔ ہندوستان اور مغرب میں یہ آواز صرف بیلوں، گھوڑوں کو ہانکنے میں کام آتی ہے۔

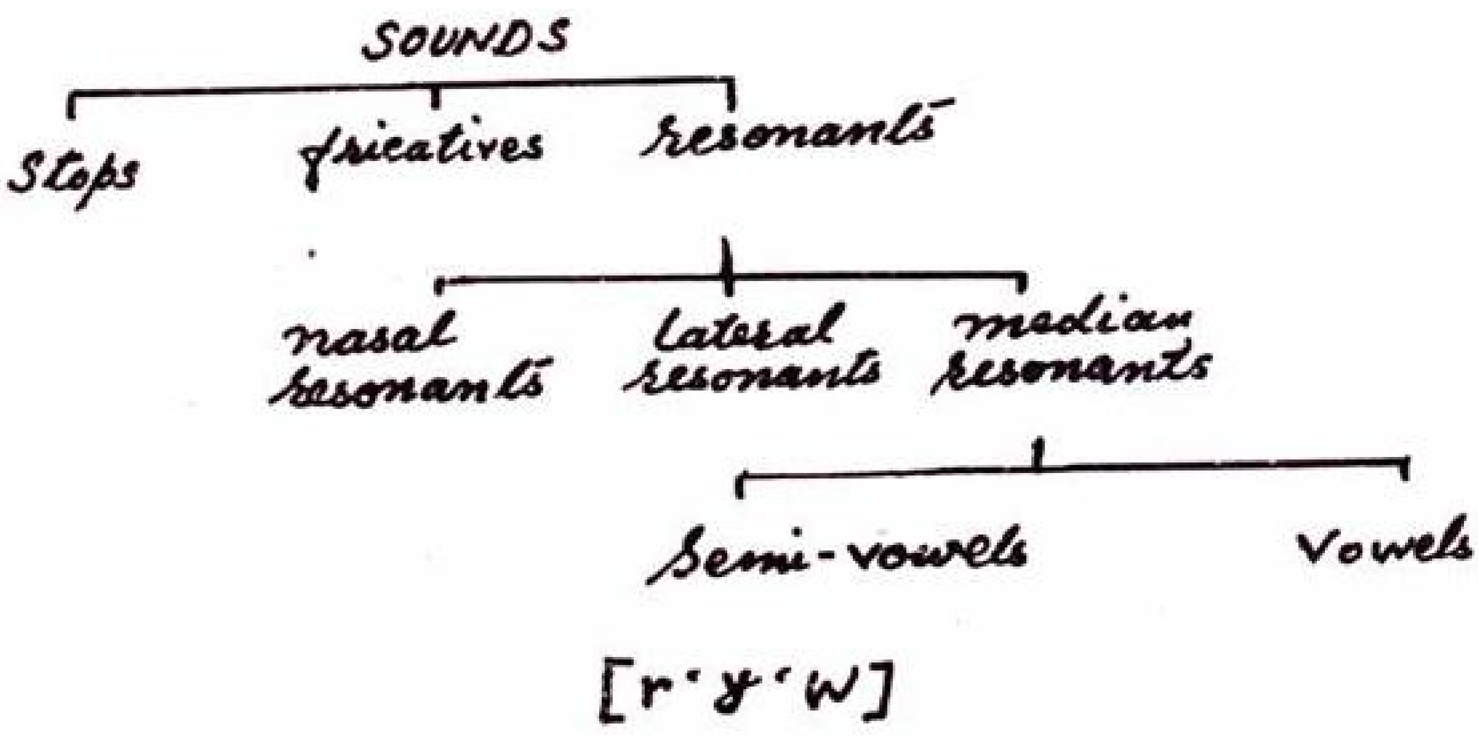
چونکہ یہ آوازیں صرف خلائے دہن میں بنتی ہیں اس لیے مصمتی، غیر مصمتی، انفی، غیر انفی سب طرح کی ہو سکتی ہیں۔ یہ دولبی، دنتی، لثوی، لث تالوئی، تالوئی، اور لثوی پہلوئی ہوتی ہیں۔ آخر الذکر میں ہوا کو ایک پہلو سے اندر لیا جاتا ہے۔ یہ آوازیں جنوبی افریقہ کی زبان بُش مین، زولو، ہاٹن ٹاٹ اور بعض امریکی زبانوں میں ملتی ہیں۔ انگریزی اور فرانسیسی میں بعض منجائی آوازیں چٹکار سے ادا کی جاتی ہیں۔ خیال ہے کہ کسی زمانے میں ہند یورپی میں بھی چٹکار آوازیں تھیں جو اب معدوم ہو گئیں۔ واندریے کا عقیدہ

ہے کہ واؤ کی آواز کا ارتقا چٹکار آواز سے ہوا ہے۔

ہم نے مصمتوں اور مصوتوں کی دوگانہ تقسیم کے بعد لکھا تھا کہ مصمتوں کی مختلف قسمیں جاننے کے بعد ہم اس تقسیم پر مزید غور کریں گے۔ آیئے اب اسے دیکھا جائے۔ سب سے مشہور قدیمی اور مستند تقسیم مصمتے اور مصوتے ہی کی ہے۔ یے اور واؤ کو نیم مصوتہ کہا جاتا ہے لیکن IPA میں انھیں مصمتے کے ذیل میں دکھایا جاتا ہے۔ گلیسن نے تمام آوازوں کو تین بڑے گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔

STOPS , FRICATIVES , RESONANTS

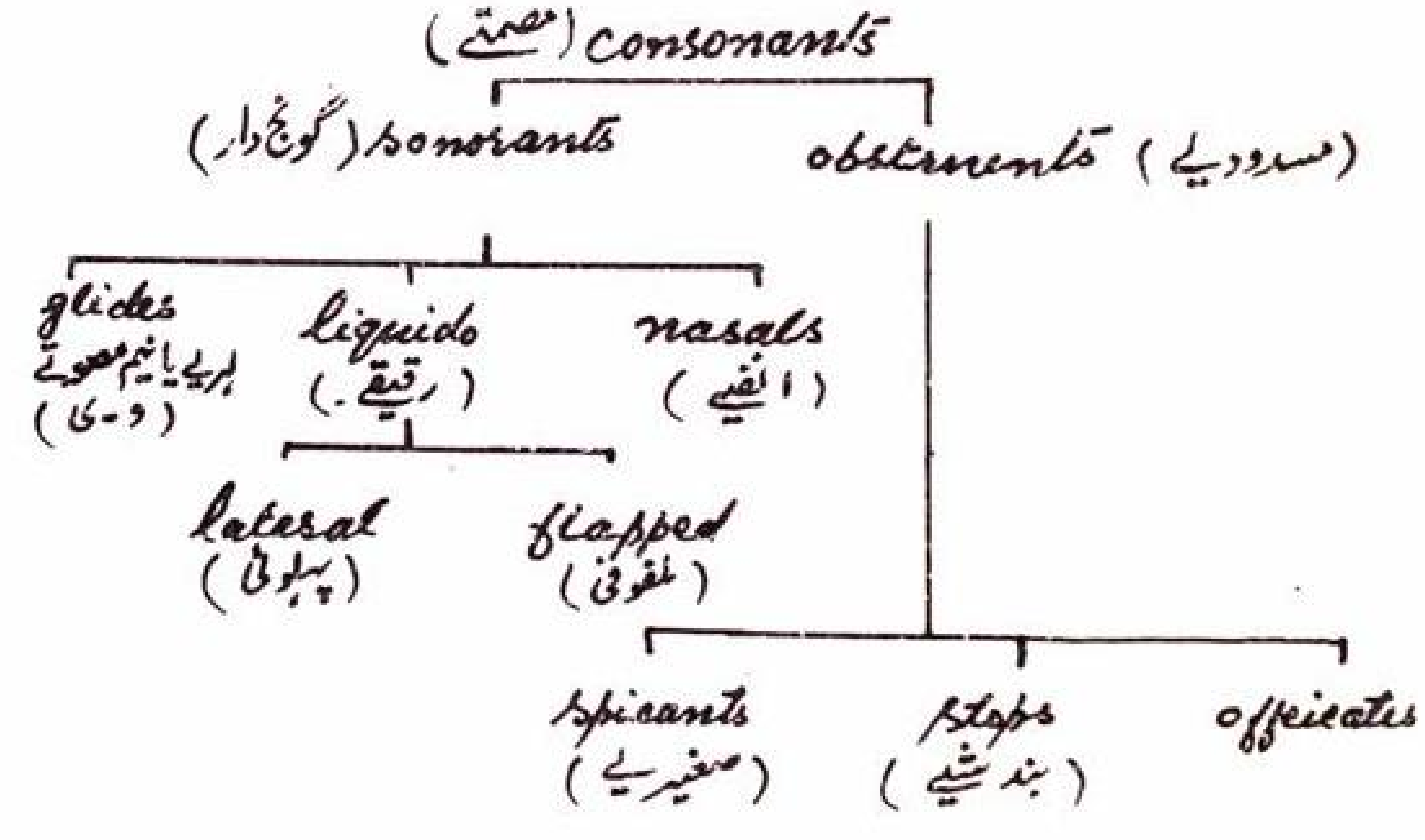
یعنی بند شیبے، صفیریے، گونجیلے۔ گونجیلی وہ آوازیں ہیں جو حنجرے میں پیدا ہوتی ہے، منھ اور ناک کا کام ان میں محض ترمیم کرنا ہے۔ گونجیلوں کی بھی اس نے قسمیں کی ہیں جس سے اس کی کل قسمیں یوں ہو جاتی ہیں۔



مرکزی گونجیلے (median resonants) وہ ہیں جن میں منھ کے وسط سے آواز نکلتی ہے۔ ان کی قسم نیم مصوتوں کے ذیل میں [r] کو بھی شامل کیا ہے۔ پہلوئی گونجیلا وہ مصمتہ ہے جس کی تلفیظ میں پہلو سے ہوا نکلتی ہے۔ یہ صرف ایک آواز [l] ہے۔ انفی گونجیلے وہ ہیں جن میں ناک سے ہوا نکلتی ہے۔

کلین نے مصمتوں کے چارٹ میں trills اور flaps کو بندشیوں، صفیریوں اور گونجیلوں سے بھی الگ دکھایا ہے۔ اس طرح [r] کی ایک قسم مرکزی گونجیلوں میں آگئی ہے اور بقیہ قسمیں اُن سے باہر ملفوف اور ارتعاشی ہیں۔

پائک اور ہاکیٹ نے سماعی تاثر کی بنا پر آوازوں کو vocoid اور contoid میں تقسیم کیا ہے۔ ہاکیٹ کا vocoid وہی ہے جسے گلیسن نے Resonant کہا ہے۔ vocoid کے ضمن میں مصوتوں (vowels) کے علاوہ پہلوئی l اور معکوسی vocoid (امریکی r جو [ڑ] سے مشابہ ہے)۔ انفی کو وہ nasal continuant کہتا ہے اور یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ یہ صاف صاف contoid نہیں بلکہ vocoid اور contoid کے بین بین ہیں کیونکہ یہ بالکل بندشیوں کی طرح پیدا ہوتے ہیں۔ بندشیوں کے علاوہ بقیہ آوازوں کو جاریہ continuant اس لیے کہتے ہیں کہ یہ آوازیں دیر تک جاری رہ سکتی ہیں جبکہ بندشی مصمتہ فوراً ختم ہو جاتا ہے۔ جاریہ میں انفی، پہلوئی، ارتعاشی، صفیری، نیم مصمتہ، مصوتے سبھی شامل ہیں — اصطلاحوں کی قدرے تبدیلی کے ساتھ ہاکیٹ مصمتوں کی یہ قسمیں کرتا ہے۔[1]



۱ ہاکیٹ، کورس ص 75-97

ہاکیٹ نے ضمناً جاریہ کا ذکر کیا ہے۔ گرے نے اسی بنا پر مصمتوں کو دو انواع میں بانٹا ہے۔

الف:۔ جاریہ (Static یا Continnant)۔

یہ دیر تک اپنی کیفیت بدلے بغیر ادا کیے جا سکتے ہیں۔ ان میں انفی، پہلوئی، ارتعاشی (Trills) اور صفیریے شامل ہیں مثلاً آپ، دن، دل، بر، اِس، اُف وغیرہ کے آخری مصمتے کو کتنی بھی دیر ادا کر سکتے ہیں۔

ب:۔ KINETIC

یہ وہ مصمتے ہیں جو جاری نہیں رکھے جا سکتے۔ مثلاً بندشیے، ایفرکیٹ، FLAPS ہاکیٹ نے صرف بندشیوں کو غیر جاریہ کہا تھا۔ ایفرکیٹ انھیں کے ضمن میں شامل ہو جاتے ہیں جہاں تک [ر] کی آواز کا تعلق ہے۔ اس کی ارتعاشی شکل دیر تک جاری رہ سکتی ہے۔ لیکن ملفوفی (ایک دستک والی) شکل جاری نہیں رہ سکتی۔ ملفوفی (FLAP) کے ضمن میں ڑ بھی آجاتی ہے۔

آوازوں کی تقسیم کی یہ نزاکتیں عام لسانیات کے طالب علم کے لیے چنداں ضروری نہیں۔ مصمتے اور مصوتے کی دوگانہ تقسیم ہی پر اکتفا کی جا سکتی ہے۔ گڑبڑ وہ آوازیں کرتی ہیں جو دونوں کی سرحد پر واقع ہیں۔ یے، واؤ تو صریحاً نیم مصمتے ہیں۔ دو رقیقیے ل، ر بھی ان کے نزدیک آجاتے ہیں۔ سنسکرت میں مصمتوں کی گروہ بندی میں ان چاروں کو یکجا رکھ کر انتستھ (अन्तस्थ) کیا گیا ہے۔

مصمتوں اور مصوتوں سے ہٹ کر تلفیظی صوتیات میں آوازوں کی ادائگی کی ایک اور قسم کی جاتی ہے۔

۱۔ کرخت یا تناؤ دار (FORTIS)۔

انھیں ادا کرنے میں عضلات، تنے اور کسے رہتے ہیں مثلاً س، ژ، طویل اِی، طویل اُو (مثلاً صوریں) وغیرہ۔

ملائم یا ڈھیلا Lenis

انھیں ادا کرنے میں عضلات آرام کی حالت میں ہوتے ہیں مثلاً ر، ل، یا خفیف[3] اِ اور خفیف اُ (उ ऊ इ) وغیرہ۔

کرخت اور ملائم کا فرق معلوم کرنے کے لیے منھ قدرے کھول کر زبان کے نیچے کی طرف جبڑے کے پاس انگوٹھا لگائیے اور پھر کि اور की کہیے۔ خفیف مصوتے

میں ڈھیلے پن کا احساس ہوگا اور طویل میں تناؤ کا۔ کرختی اور ملائمی کا یہ فرق اضافی ہے یعنی اگر درجہ بندی کی جائے تو بعض آوازیں دونوں کے بین بین ملیں گی۔

یہ فرق ایک زبان کی آوازوں کے علاوہ مختلف قوموں اور زبانوں کے تلفّظ میں بھی دیکھنے میں آتا ہے۔ انگریزی کے مقابلے میں فرنچ اور اطالوی مصوتے کرخت ہوتے ہیں حالانکہ ان کے محلِ تلفیظ یکساں ہوتے ہیں۔ ہمیں انگریزوں کا انگریزی تلفّظ تناؤ دار معلوم ہوتا ہے اور اُن سے بھی زیادہ امریکیوں کا تلفظ جس کے سننے سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے منھ کے اندر اعضائے نطق پر بڑا کھنچاؤ اور تناؤ پڑ رہا ہوگا جرمن اور ڈچ زبانوں میں مصوتوں کا کرخت یا نرم ہونا معنی میں فرق پیدا کر دیتا ہے۔

مصوّتے۔ ان کی تعین میں ذیل کے تین بنیادی عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔

1۔ زبان کا کون سا حصہ اوپر اُٹھتا ہے یعنی تلفیظ کار کا کام کرتا ہے۔

اس مقصد کے لیے زبان کے محض تین حصّے کرنا کافی ہے، اگلا، وسطی اور پچھلا زیادہ تر مصوتے اگلے یا پچھلے حصّے سے ادا ہوتے ہیں۔ بہت کم مصوتے وسطی ہوتے ہیں۔

2۔ زبان کتنی اونچی اُٹھتی ہے۔

زبان کے اوپر اُٹھنے کی مقدار سے ہوا کا راستہ تنگ یا کشادہ ہوگا۔ انگریزی ماہر صوتیات ڈینیل جونز نے زبان کے اُٹھنے کے چار مدارج دیے۔

1۔ کشادہ (OPEN) 2۔ نیم کشادہ (HALF OPEN) 3۔ نیم بند (HALF-CLOSE)
4۔ بند (CLOSE)

کشادہ میں زبان سب سے نیچی رہتی ہے اور اس کے بعد بتدریج اوپر اُٹھتی جاتی ہے۔ واضح ہو کہ بند میں وہ تالو کو چھو کر ہوا کا راستہ، بند نہیں کر دیتی۔ اِس حالت میں بھی وہ نیم مصوتوں کے مقابلے میں زیادہ نیچی رہتی ہے۔ امریکہ میں اُنھیں کشادہ اور بند کی بجائے اونچا اور نیچا کہا گیا اور ان میں بہت سی نزاکتیں پیدا کی گئیں یعنی اونچے کے دو درجے، وسطی کے تین درجے اور نیچے کے دو درجے کیے گئے۔ یہ آئندہ صفحات میں واضح ہوں گے۔

ہونٹ پھیلے (کشیدہ) رہتے ہیں یا گول (مدوّر) ہو جاتے ہیں۔

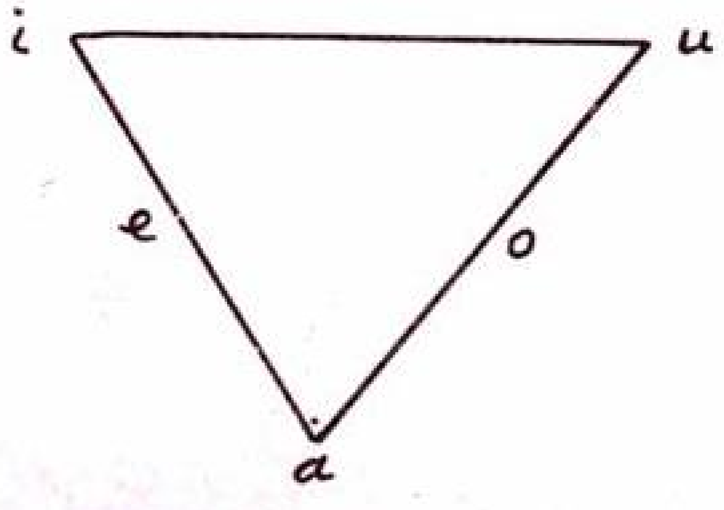
انگریزی اور اردو میں آگے کے مصوتے کشیدہ اور پیچھے کے مدوّر ہوتے ہیں لیکن

انگریزی کی جملہ بولیوں میں ایسا نہیں۔ دوسری زبانوں میں اُن کے برعکس یا دونوں قسم کی صورتیں ملتی ہیں۔ یہ بھی ہے کہ زبان جس قدر اوپر اُٹھتی ہے اسی تناسب سے ہونٹوں کا گولائی کا عمل بڑھ جاتا ہے۔ گولائی کا یہ عمل مختلف زبانوں میں مختلف ہوتا ہے مثلاً اسکینڈینو یا (بالخصوص سویڈن) کی زبانوں میں پچھلے مصوتے دوسری یورپی زبانوں کی نسبت زیادہ مدوّر ہوتے ہیں۔ سویڈش میں اُو کو ادا کرنے میں ہونٹوں کو اتنا گول کر دیا جاتا ہے جتنا دوسری زبانوں میں اُو کو ادا کرتے ہیں۔

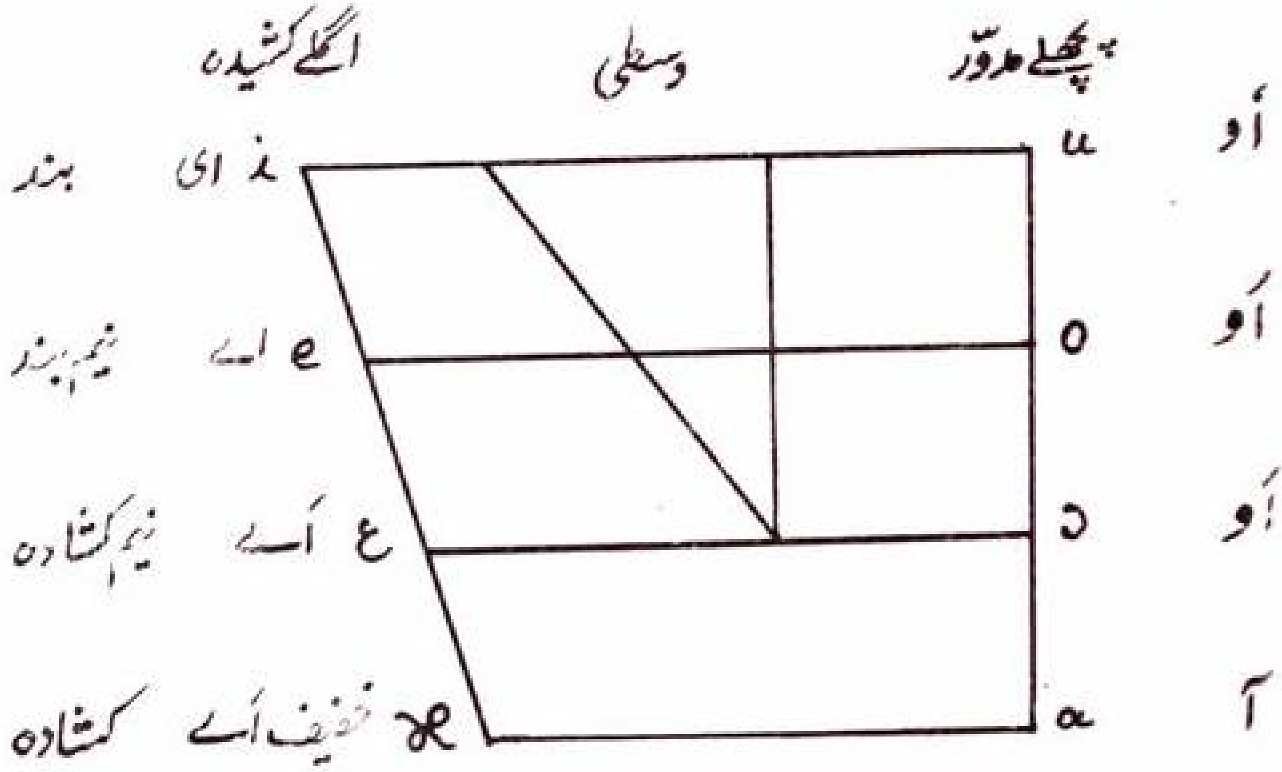
ہونٹوں کا یہ پھیلاؤ یا گولائی بعض زبانوں میں فونیم کا فرق کر دیتا ہے یعنی دو مصوتے زبان کے بالکل اسی مقام سے ادا ہوتے ہیں لیکن ایک کے ادا کرنے میں ہونٹ کشیدہ ہوتے ہیں دوسرے میں مدوّر۔ ترکی میں آگے اور پیچھے دونوں جگہ کشیدہ اور مدوّر دونوں طرح کے مصوتے ہوتے ہیں۔ فرنچ میں اگلے مصوتے کشیدہ ہوتے ہیں لیکن تین اگلے مدوّر مصوتے بھی ہوتے ہیں۔

مصوتوں کو بانٹنے والے مزید عوامل کو لینے سے قبل مصوتوں کی تعداد پر دھیان دیا جائے۔

دورِ حاضر میں سب سے پہلے جون ولس نے 1653ء میں مصوتوں کے مقامِ تلفیظ کا مطالعہ کیا۔ بین الاقوامی صوتیاتی چارٹ میں مصمتوں کے نیچے مصوتے بھی دیے رہتے ہیں لیکن اس چارٹ کا نظام بالکل مقبول نہیں ہوا۔ 1870ء کے قریب ایک سوابیائی عالم ہیل ورگ نے تلفیظ کی بنا پر مصوتوں کی ایک مثلث بنائی جو یوں ہے۔



مشہور انگریز ماہر صوتیات ڈینیل جونز نے آٹھ بنیادی مصوتے قرار دیے۔اس نے زبان کی اونچائی کے چار درجے فرض کیے ہیں اور سب کو برابر فاصلے سے تقسیم کیا ہے۔اگلے اونچے مصوتوں کے لیے زبان کچھ آگے بڑھتی ہے جس کی وجہ سے جونز کی مثلث ایک Trapezium ہو گئی ہے۔گو اسے مصوتی مثلث ہی کہا جاتا ہے۔آٹھ بنیادی مصوتے یہ ہیں۔



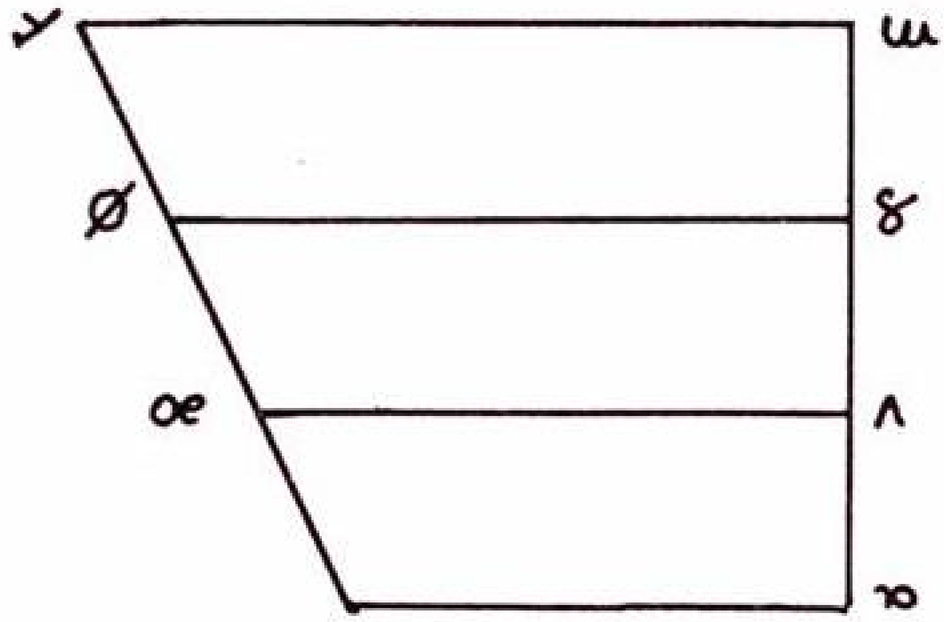
بائیں ہاتھ کے مصوتوں کو ادا کرتے ہیں زبان کا اگلا حصہ اوپر اٹھتا ہے۔ای میں زبان سب سے اونچی اٹھتی ہے یعنی اتنی کہ اسے بند کر دیا گیا ہے حالانکہ منھ بند نہیں ہوتا۔اس سے قدرے اوپر اٹھا دیا جائے تو نیم مصوتہ [یے] ادا ہوگا گویے کا نقطہ تلفیظ ای سے قدرے پیچھے ہے۔اس مقام پر زبان کو اوپر اٹھا کر تالو سے ملا دیا جائے تو [ج] ایفرکیٹ ادا ہوگا۔آگے کے اوپری مصوتے کو ادا کرنے میں زبان آگے کی سمت کو بڑھتی ہے۔جتنے نیچے آتے جائیں گے زبان اسی قدر پیچھے ہوتی جائے گی۔اگلے مصوتوں کی طرح پیچھے سب سے اونچا مصوتہ اُو (واؤ معروف) ہے اور اس کے بعد اَو۔اَو۔آ وغیرہ بالعموم اگلے مصوتوں کے ادا کرنے میں ہونٹ پھیلے رہتے ہیں اور پچھلے مصوتوں کی ادائیگی میں کشیدہ ہوتے ہیں۔

ثانوی بنیادی مصوتے

مندرجہ بالا چارٹ کے آٹھ مصوتے بنیادی ہیں۔ان میں شرط یہ ہے کہ اگلے

مصوتے لب کشیدہ ہوتے ہیں اور پچھلے مدوّر۔ لیکن ہر زبان میں ایسا نہیں ہوتا بعض زبانوں میں اس کے برعکس بھی ہوتا ہے۔ فرنچ میں مندرجہ بالا آٹھ مصوتوں کے علاوہ تین اگلے مدوّر مصوتے بھی ہوتے ہیں۔ ترکی میں آگے اور پیچھے ہر مقام پر مدوّر اور کشیدہ مصوتوں کے جوڑے ہوتے ہیں۔ اس طرح سات ثانوی بنیادی مصوتے ہیں جن میں اگلے مصوتے مدوّر اور پچھلے کشیدہ ہیں۔ ان کے نشانات IPA سے لیے گئے ہیں۔ یہ حسب ذیل ہیں۔

اگلے مدوّر   پچھلے کشیدہ



ثانوی بنیادی مصوتے

ان ساتوں مصوتوں کا محلِ تلفیظ وہی ہے جو اصل بنیادی مصوتوں کا۔ آواز بھی تقریباً وہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ اگلے مصوتے مدوّر ہیں اور پچھلے کشیدہ۔ ان میں اگلے مصوتوں کے سب سے نیچے کے نقطے پر کوئی مصوتہ نہیں۔ نظریاتی طور پر یہ ممکن ہے لیکن عملاً نہیں پایا جاتا۔

ان بنیادی مصوتوں میں سارے مصوتے شامل نہیں ہیں۔ ہر زبان میں اُن کے علاوہ کئی مصوتے ہوتے ہیں۔ ان کا محل بنیادی مصوتوں کے تناسب سے دکھایا جاسکتا ہے۔ اگلے اور پچھلے مصوتوں کے علاوہ وسطی مصوتے بھی ہوتے ہیں۔ جونز کے بنیادی مصوتوں کے چارٹ کے اندر جو مثلث ہے اس میں جو مصوتے واقع ہوتے ہیں انھیں غیر وابستہ یا بے رنگ (neutral) کہتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم فتحہ ہے جسے

جرمن حرف شور (ə) سے ادا کیا جاتا ہے۔ یہ مثلث کی نیچے والی راس پر واقع ہے۔

مندرجہ بالا چارٹ ڈینیل جونز اور انگلستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ امریکہ کے ماہرین نے مصوتوں کی زیادہ باریک اقسام کو محصور کرنے والا چارٹ پیدا کیا ہے جو 42 نشانات پر مشتمل ہے۔ یہ حسب ذیل ہے۔

	FRONT اگلے		CENTRAL مرکزی		BACK پچھلے	
	unrounded کشیدہ	rounded مدوّر	unrounded کشیدہ	rounded مدوّر	unrounded کشیدہ	rounded مدوّر
HIGH اونچا	i	ü=y	ɨ	u̇	ï=ɯ	u
LOWER HIGH نچلا اونچا	I	Ü	Ɨ	U̇	Ï	U
HIGHER MID اوپری درمیانی	e	ö=ø	ė	ȯ	ë=ɤ	o
MEAN MID اوسط درمیانی	E	∩̈	ə=Ė	∩̇	Ë	∩
LOWER MID نچلا درمیانی	ɛ	œ=ɔ̈	ɛ̇	ɔ̇	ɛ̈=ʌ	ɔ
HIGHER LOW اوپری نچلا	æ	ω̈	æ̇	ω̇	æ̈	ω
LOW نچلا	a	ɒ̈	ȧ	ɒ̇	ä=ɑ	ɒ

مصوتوں کا امریکی چارٹ

مصوتوں کا انگریزی انداز زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ پھر یہ ضروری نہیں کہ مصوتوں کا محل ظاہر کرنے کے لیے مثلث کھینچی جائے۔

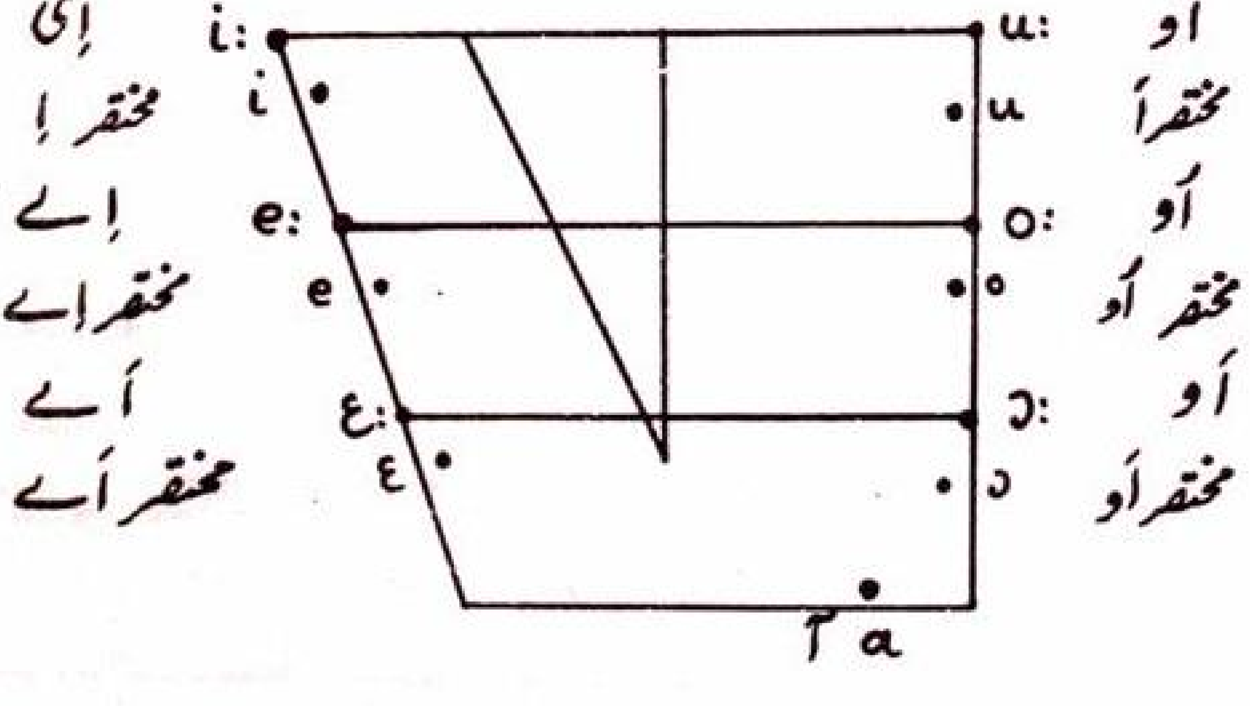
انگریزی کا مصوتی نظام بنیادی طور سے آٹھ مصوتوں کا ہے۔ اسپینی یا روسی میں پانچ بنیادی مصوتے ہیں۔

	پچھلا	وسطی	اگلا
اونچا	u		i
درمیانی	o		e
نیچا		a	

ریڈ انڈین زبان Tagalog میں محض تین بنیادی مصوتے ہیں۔

	پچھلا	وسطی	اگلا
اونچا	u		i
نیچا		a	

خفیف مصوتوں کا مقام طویل مصوتوں کے مقابلے میں کسی قدر نیچا اور کسی قدر اندر کی طرف کو ہوتا ہے۔ اردو میں چودہ مصوتے ہیں جنھیں ذیل کی مثلث میں پیش کیا جاتا ہے۔



ایک ساتھ کے مختصر اور طویل مصوتوں کو لکھنے کا یہ طریقہ ہے کہ مختصر مصوتے کے لیے جو نشان استعمال کیا جاتا ہے طویل مصوتے کے اظہار کے لیے اس کے آگے کولن کی طرح دو نقطے لگا دیے جاتے ہیں۔

اردو مصوتے امریکی قاعدے سے یوں ادا کیے جا سکتے ہیں۔

	اگلے کشیدہ	مرکزی مدوّر	پچھلے مدوّر
HIGH اونچے	iː اِی		uː اُو
LOWER HIGH نچلے اونچے	i اِ		u اُ
HIGHER MID اوپری درمیانی	eː اِے		oː اُو
MEAN MID اوسط درمیانی	e خفیف اِے		o اُ
LOWER MID نچلے درمیانی	ɛː اَے		ɔː اَو
HIGHER LOW اوپری نچلے	ɛ خفیف اَے	ə اَ	ɔ خفیف اَو
LOW نچلے			ɑ آ کشیدہ

دراصل 'آ' کا مقام پچھلے اور وسطی دونوں پر پھیلا ہوتا ہے۔ ان سب مصوتوں کی مثالیں حسب ذیل ہیں۔ سب سے پہلے اگلے مصوتے اوپر سے نیچے لیجیے۔ اس کے بعد مرکزی مصوتہ۔ پھر پچھلے مصوتے نیچے سے اوپر کو

چِیل ۔ دِل ۔ ریل پیل ۔ سہرا ۔ خَیر ۔ کہنا ۔ کام ۔ معلّی (ع پر خفیف اَو)

دَور ۔ تحفہ ۔ زُور ۔ گُل ۔ دُور

خفیف اَو صرف عربی الاصل الفاظ میں ملتا ہے۔ معلّی ۔ محرم وغیرہ میں گُل کے پیش کی

نسبت ہونٹ زیادہ پھیلے رہتے ہیں۔ یہ واضح ہو کہ مصوتہ جتنا نیچا ہوتا جاتا ہے ہونٹوں کی گولائی اتنی ہی کم ہو جاتی ہے۔ خفیف اَد تحفہ۔ کرام کے خفیف اُو سے مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اس سے نیچا بھی ہے اور زیادہ کشیدہ بھی۔

ابھی ہم نے تلفیظ کے لحاظ سے تین عوامل پیش کیے تھے جو مصوتوں کی تشکیل کرتے ہیں۔ اب ان کی تشکیل بلکہ تقسیم کے دوسرے عوامل پر غور کیا جاتا ہے۔

۱۔ طول

مصوتے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ خفیف، طویل اور طولانی۔ طویل کو ادا کرنے میں خفیف کے مقابلے میں تقریباً دوگنا وقت لگتا ہے۔ مقدارِ وقت کے علاوہ دونوں کے محلِ تلفیظ میں بھی قدرے فرق ہوتا ہے۔ عموماً مختصر مصوتے طویل مصوتوں سے کسی قدر پیچھے سے ادا کیے جاتے ہیں۔ تیسری قسم بہت طویل کی ہے جسے ہم طولانی کہہ سکتے ہیں۔ یہ عام بول چال میں نہیں ہوتی بلکہ کسی لفظ پر زیادہ زور دے کر بولنے میں یا کسی کو پکارتے وقت یا فجائیہ کلمات میں سنائی دیتی ہے مثلاً پوجا کے منتر میں "اوم"، کسی کو دور سے پکارتے ہوئے "فضلا!"، فجائیہ ah یا "اچھا"! وغیرہ۔

آگے چل کر مصمتوں اور مصوتوں دونوں کے طول پر مزید غور کیا جائے گا۔

2۔ کرخت اور ڈھیلے

مصمتے اور مصوتے دونوں کرخت، یا ملائم ہوتے ہیں۔ عموماً مختصر مصوتے طویل مصوتوں کی نسبت ڈھیلے اور ملائم ہوتے ہیں۔ مختصر اِ (چ)، اور طویل اِی کہہ کر زبان کے پچھلے حصے میں دونوں کا تاثر دیکھ لیجیے۔ طویل اِی کہنے میں جیبھ کا پچھلا حصہ آگے کو کھنچتا اور تنا معلوم ہوتا ہے۔ مختلف زبانوں میں بھی کرخت اور ملائم کا فرق ہوتا ہے۔ مثلاً فرنچ اور اطالوی مصوتے انگریزی کے نسبت زیادہ کرخت ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ زیرِ بحث نہیں۔ فی الوقت ہم ایک ہی زبان کے مصوتوں میں فرق کر رہے ہیں۔

چونکہ کرختی اور ملائمی کچھ مصوتوں ہی سے مخصوص نہیں اس لیے یہ تفریق غیر اہم ہے۔

3- مصمتیت

مصوتے عام طور سے مصمتی ہوتے ہیں لیکن بعض زبانوں میں مصوتوں میں مصمتیت کی مقدار کے کئی درجے ہوتے ہیں۔ قدرے کم مصمتی مصوتوں کو بلومؔ فیلڈ[1] نے MUFFLED VOWELS کہا ہے۔ ان سے کم مصمتیت والے مصوتوں کو نحیف مصوتے (MURMURED VOWEL) کہتے ہیں۔ کوئی بہت بیمار یا کمزور شخص نحیف آواز میں بولے تو صوتی تاروں کا ارتعاش بہت ہلکا ہوگا۔ ان سے پیدا ہونے والے مصوتوں میں آہستہ آہستہ بڑبڑانے کی (MURMUR) سی کیفیت ہوگی۔ اور بعض زبانوں میں مصمتیت کے بغیر بھی مصوتے ادا کیے جاتے ہیں۔ ان میں وہی کیفیت ہوتی ہے جو سرگوشی اور کاناپھوسی میں ہوتی ہے یعنی صوتی تار کھلے رہتے ہیں اور اُن کے بیچ سے ہوا گزرتی رہتی ہے لیکن اُن کے ساتھ کے عضلات arytenoids میں ارتعاش ہوتا ہے۔ سرگوشی والے مصوتے پوری طرح غیر مصمتی ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری[2] کے مطابق اودھی زبان میں بعض موقعوں پر उ इ ऋ کو غیر مصمتی بھی بولتے ہیں۔ یہ مصوتے شاذ ہیں اس لیے اُن کی چنداں اہمیت نہیں

4- انفیت

اوپر جن مصوتوں کا ذکر کیا گیا اُنھیں ادا کرتے وقت سانس محض منھ کے راستے باہر نکلتا ہے۔ کوّا یا لہات پیچھے کو مڑ کر خلائے بینی کا راستہ مسدود کیے رہتا ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ منھ اور ناک دونوں کے راستے کھلے رہیں۔ یہ صورت مصوتے کی انفیت میں دیکھنے میں آتی ہے۔ اردو میں جسے نون غنہ اور ہندی میں چندر بندو (جس کا نشان بالائی 'ں' ہے) کہتے ہیں وہ محض مصوتی انفیت ہے۔ خفیف اِ اور خفیف اُ کو چھوڑ کر اردو کے باقی ۱۱ مصوتے انفی شکل میں بھی ملتے ہیں۔ ایک ایک مثال

---

[1] BLOOMFIELD: LANGUAGE P. 102

[2] بھولا ناتھ تواری: بھاشا وگیان (ہندی) ص 313

ملاحظہ ہو

اینٹ ۔ سینچائی ۔ سینکا ۔ اینٹھ ۔ گنوار ۔ سانس ۔ سونف ۔ پہنچ ۔ لڑکوں ۔ کنور صاحب گیہوں ۔

صوتی تحریر میں انفیت کے اظہار کے لیے مصوتے کے اوپر مد کا نشان ~ بنایا جاتا ہے۔ مثلاً سانس [sã s]

اس مکمّل مصوتی انفیت کے علاوہ ایک جزوی انفیت بھی ہوتی ہے۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب مصوّتے کے قبل یا بعد میں کوئی انفی مصمتہ ہو مثلاً رام ، مار ۔ رام کا آ کہتے وقت اعضائے نطق 'م' کہنے کی تیاری شروع کر دیتے ہیں جس سے خلائے بینی کا راستہ کھلنے لگتا ہے اور 'آ' میں کسی قدر انفیت آ جاتی ہے 'مار' کا [م] کہتے وقت خلائے بینی کا راستہ کھلا رہتا ہے ۔ [آ] کو ادا کرنے میں یہ راستہ بند ہو جانا چاہیے لیکن اس کے پوری طرح بند ہونے سے قبل ہی 'آ' کی ابتدا ہو جاتی ہے اور خلائے بینی کے قدرے کھلے ہونے کی وجہ سے 'آ' میں انفیت کا رنگ آ جاتا ہے۔ 'رام' اور 'راگ' یا 'مار' اور 'پار' کہہ کر دیکھیے انفی مصمتے والے مصوتے میں غیر انفی مصمتے والے مصوتے کی نسبت کچھ فرق سنائی دے گا۔

انفیت مصمتوں میں بھی ممکن ہے ۔ بندشیوں اور انفی مصمتوں میں تو اس کا سوال ہی نہیں کیونکہ ان کو ادا کرتے وقت منھ کا راستہ بند کرنا پڑتا ہے اور انفیت کی شرط ہے کہ ناک اور منھ دونوں سے بہ یک وقت سانس نکلے۔ بقیہ مصوتوں کو انفیایا جا سکتا ہے لیکن اردو اور انگریزی میں مصمتے کی انفیت کی مثال نہیں ملتی۔ ہندی ड़ा کو انفی مصمتہ کہا جاتا ہے۔ راقم الحروف کی رائے میں یہ غالباً [ڑ] اور اس سے قبل یا بعد کے مصوتے کی انفیت کا مجموعہ ہے جسے غلط فہمی سے انفی ڑ سمجھ لیا گیا ہے ۔ اسے علیحدہ مصمتے کی حیثیت دینے کی ضرورت نہیں ۔

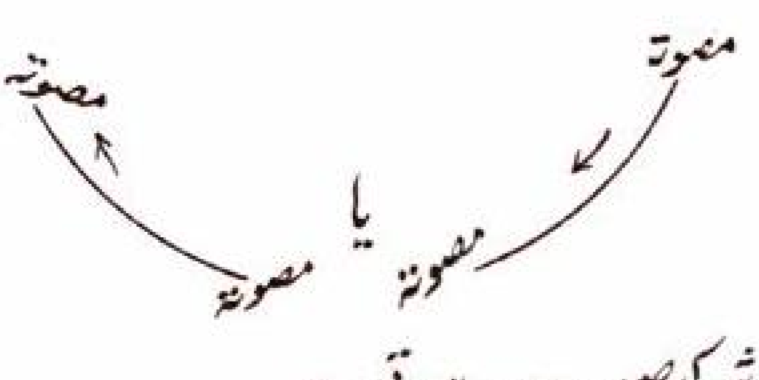
دوہرا مصوتہ (DIPHTHONG) ۔ ابھی تک مفرد مصوتوں کا ذکر کیا گیا لیکن کبھی کبھی دو اور شاذ تین مصوتے بھی ساتھ ساتھ آتے ہیں ۔ فی الحال دو مصوتوں کے جوڑوں کو لیجیے ۔ ان کی دو صورتیں ہیں ۔

1۔ دونوں مصوتے علیحدہ علیحدہ ملفوظ ہوں اور دونوں علیحدہ صوت رکنوں کے

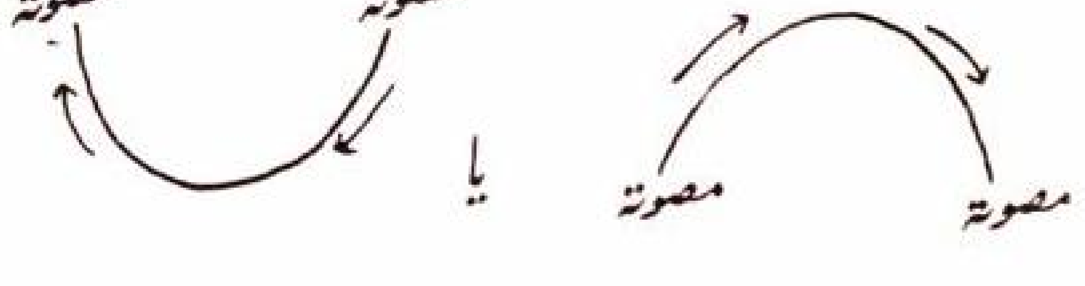
جزو ہیں مثلاً معآ۔ آئی (دوہرا مصوتہ طویل)۔ مائل

2۔ دونوں مصوتے اس طرح شیر وشکر ہوں کہ دونوں ایک کوشش اور سانس کے ایک جھٹکے میں ادا ہو جائیں۔ ان کے بیچ کہیں رکنے اور ٹوٹنے کا احساس نہ ہو، صوتی اعتبار سے ایک رکن ہوتے ہیں۔

اوّل الذکر کو مرکب مصوتے یا مصوتی خوشہ (vowel cluster) کہیں گے اور موخر الذکر کو Diphthong ۔ ڈفتھانگ کو اردو میں دوہرا مصوتہ کہہ سکتے ہیں۔ گو یہ دو اجزا پر مشتمل ہوتا ہے لیکن عملاً اسے ایک ہی مانا جاتا ہے۔ ان کو ادا کرنے میں پہلے مصوتے کی تلفیظ کو مکمل نہ کر کے زبان دوسرے مصوتے کے محل تلفیظ کی طرف چل دیتی ہے اور یہ روش اتنی نرم ہوتی ہے کہ موڑ کا احساس نہیں ہوتا۔ دوسرے مصوتے کو بھی پورا ادا نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے محل تلفیظ سے کسی قدر پہلے ہی رک جاتے ہیں۔ اس طرح اس کے دوسرے جزو کو vowel guide کہتے ہیں چونکہ یہ دونوں مصوتے زن وشو کی طرح مل کر ایک شخصیت رکھتے ہیں اس لیے کبھی کبھی پورے دوہرے مصوتے کے لیے بھی VOWEL-GLIDE کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ ہم اسے ذیل کی شکل میں پیش کر سکتے ہیں۔



جب کہ مصوتی خوشے کی صورت یہ ہوتی ہے



اس طرح دوہرے مصوتے کی مصوتی نظام میں وہ کیفیت ہے جو مصمتی نظام میں الیفر کیٹ کی ہے۔ وہاں بھی دو مصمتے مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ الیفر کیٹ کی طرح دوہرے مصوتوں کا تجزیہ ہر زبان اپنے اپنے مزاج کے مطابق کرتی ہے یعنی یہ کہ انھیں

دوہرا مصوتہ کہا جائے یا مرکب مصوتے۔ مثلاً فرنچ میں [yɛ] اور [wa] جو واحد مصوتہ فرض کیا جاتا ہے۔ مثال fier [fyɛ:r] بمعنی مغرور اور moi [mwa] بمعنی میں جب کہ اطالوی میں مماثل [yɛ]، [wɔ] اور فرنچ میں [ye] کو دوہرا مصوتہ مانا جاتا ہے۔

جڑواں مصوتے کے دو اجزا میں ایک زیادہ نمایاں ہوتا ہے دوسرا کم نمایاں۔ نمایاں ہونا منحصر ہے زیادہ بل یا گونج یا اونچے صوت درجے (Pitch) پر۔ جو جزو کم نمایاں ہوتا ہے اسے مصمتی مصوتہ (Consonantal vowel) یا غیر صوت رکنی مصوتہ (NON-SYLLABIC VOWEL) کہتے ہیں۔ انگریزی اور اردو کے دوہرے مصوتوں میں اکثر پہلا جزو رکنی اور دوسرا غیر رکنی ہوتا ہے۔ اگر پہلا جزو رکنی ہو اور دوسرا غیر رکنی تو اس دوہرے مصوتے کو گراؤ دوہرا مصوتہ (Falling Diphthong) کہتے ہیں۔ اگر دوسرا رکن رکنی یعنی زیادہ نمایاں ہو تو اس دوہرے مصوتے کو ___ Rising Diphthong کہتے ہیں۔ شاذونادر ایسی بھی شکل ہو سکتی ہے کہ دونوں اجزا پر برابر بل ہو۔ اس صورت میں مسطح دوہرا مصوتہ (Level Diphthong) قائم ہوگا لیکن یہ صورت شاذ ہے۔ دوہرے مصوتوں میں مرکزی مصوتہ (ə) سب سے کم نمایاں ہوتا ہے۔ نیچے [illegible] مصوتے اونچے مصوتوں سے زیادہ نمایاں ہوتے ہیں اور طویل مصوتے خفیف مصوتوں سے زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کی بنا پر طے کیا جا سکتا ہے کہ دوہرا مصوتہ اٹھاؤ ہے کہ گراؤ۔

دوہرے مصوتے کا ایک رکن مصوتے کی بجائے نیم مصوتہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ انگریزی میں زیادہ عام ہے اردو میں کم۔ ان دونوں زبانوں میں نیم مصوتہ اگر دوہرے مصوتے میں آتا ہے تو ہمیشہ دوسرے جزو کے طور پر جب کہ رومانس زبانوں فرنچ، اطالوی اور اسپینی وغیرہ میں یہ دوہرے مصوتے کے پہلے جزو کے طور پر بھی آتا ہے۔ چونکہ نیم مصوتہ ہر مصوتے سے کم نمایاں ہوتا ہے اس لیے جن دوہرے مصوتوں میں پہلا رکن نیم مصوتہ ہو وہ اٹھاؤ دوہرے مصوتے ہوتے ہیں۔ بعض زبانوں میں دوہرے مصوتے کا اٹھاؤ یا گراؤ ہونا فونیمی تضاد فراہم کرتا ہے یعنی دونوں کے اجزا یکساں ہوتے ہیں لیکن تلفیظ میں کسی جزو کو نمایاں کیا

جاتا ہے اس سے معنی میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اردو ہندی میں یہ ضروری ہے کہ دوہرے مصوتے کا دوسرا جزو ہمیشہ خفیف مصوتہ یا نیم مصوتہ ہو۔ اگر یہ طویل مصوتہ ہوگا تو جڑواں مصوتہ نہ رہ کر مصوتی خوشہ بن جائے گا۔ انگریزی میں عجیب صورت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے فونیمی نظام سے طویل مصوتے خارج کر دیے ہیں۔ ہم جنھیں انگریزی کے طویل مصوتے سمجھتے اور بولتے ہیں انگریزی مادری زبان والے انھیں ایک خفیف مصوتے + نیم مصوتے کے مجموعے کے طور پر دوہرا مصوتہ بنا کر بولتے ہیں مثلاً ذیل کے الفاظ ملاحظہ ہوں[1]۔ قوسین میں ان کا صوتی املا دیا ہے جس میں پہلا مصوتہ ہمیشہ مختصر ہے۔

see (siy)

say (sey)

buy (Bay)

boy (Boy)

do (duw)

go (gow)

Bow (Baw)

بعض زبانوں میں دوہرے مصوتے کا دوسرا جزو طویل مصوتہ بھی ہو سکتا ہے مثلاً فرنچ لفظ Fier [fyɛ:r] بمعنی مغرور میں [yɛ:]۔ لتھونین (Lithunion) زبان میں n, m, r, l کبھی صوت رکنی نہیں ہوتے (صوت رکنی مصمتوں کا تذکرہ آگے صوت رکن کے سلسلے میں کیا جائے گا) لیکن [al, ar, am, an] میں ان مجموعوں کو اسی طرح دوہرا مصوتہ مانا جاتا ہے جیسے [ay] یا [aw] کو۔ دوہرے مصوتوں کی ایک اہم تقسیم اٹھاؤ اور گراؤ کا ذکر کیا گیا۔ اب ایک غیر اہم تقسیم درج کی جاتی ہے۔

اگر دوہرے مصوتے کے دونوں اجزا کا محلِ تلفیظ دور دور واقع ہو تو دوہرے مصوتے کو فراخ (wide) کہتے ہیں۔ اگر یہ فاصلہ کم ہو تو اسے تنگ (Narrow)

---

[1] BLOOMfield: Language P. 124

کہتے ہیں۔ مثلاً 'آئ' فراخ دوہرا مصوتہ ہے اور 'آؤ' تنگ ہے۔

راقم الحروف کے نزدیک اردو میں جتنے دوہرے مصوتے ہیں وہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دوہرے مصوتے کے جملہ تقاضے پورا کرتا ہے۔ انھیں کئی حصوں میں گروہ بند کر کے درج کیا جاتا ہے۔

الف:۔ اٹھاؤ دوہرے مصوتے

نمبر شمار	صوتیاتی تحریر	اردو تحریر	مثال
1	əi	آئ	تیار۔ سید۔ کئی دن سے بخار آتا ہے
2	əe	آئے	ع کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگنِ عشق
3	əu	اَو	کوّا۔ گئو

ب:۔ گراؤ دوہرے مصوتے

نمبر شمار	صوتیاتی تحریر	اردو تحریر	مثال
4	ai	آئ	آئینہ۔ رائ
5	ae	آئے	فائدہ۔ رائتہ
6	ao	آؤ	ناؤ۔ شیخ جی آؤ مصلّے گرِ دِجام کرو
7	au	آؤ	بِڑاؤ۔ گراؤ
8	o:i	اوئ	کوئ۔ روئیے۔ کوئ مرتا ہے کیوں خدا جانے
9	o:e	اوئے	روئے۔ کوئلہ
10	o:u	اُوؤ	کھوؤں۔ حیراں ہوں دل کو روؤں کو پیٹوں جگر کو میں

ج:۔ مسطّح دوہرا مصوتہ

نمبر شمار	صوتیاتی تحریر	اردو تحریر	مثال
11	ui	اُئ	گھٹیا۔ چھوٹی موٹی (اس کا پہلا جزو اکثر طویل لکھا جاتا ہے لیکن بولنے میں مختصر ہوتا ہے)

د:۔ غیر اہم یعنی کم واقع ہونے والے گراؤ دوہرے مصوتے

نمبر شمار	صوتیاتی تحریر	اردو تحریر	مثال
12	e:i	اِےئ	کھیئی

13	e:o	اےوٗ	کشتی کھیوٗ ۔ انڈے سیوٗ
14	e:u	اےوٗ	جیئوٗ
15	ɛ:e	اَے ئے	روپیےٗ
16	u:i	اوٗئی	یکسوئی ، روئی

ھ: گراؤ دوہرے مصوتے[1] جن کا دوسرا جزو نیم مصوتہ ہے

17	i:v	ای و	نیو
18	i:v	اِو	شِو
19	e:v	اے و	دیو ۔ ریوڑی
20	ə:v	اَو	مادھو ۔ وشنوٗ
21	a v	آو	باولا ۔ سانولا ۔ آنولا
22	o:v	اُوو	اسٹوو

ہندی میں دو مزید دوہرے مصوتے ہیں جو اردو میں نہیں ملتے ۔ ان کا دوسرا جزو نیم مصوتہ ہے

23	u v	اُو	یووانی युववाणी
24	əy	اَیے	जाय سنسکرت انداز سے ملفوظ जय

(اسے اب ہندی میں واحد مصوتے کے طور پر بولا جاتا ہے)

تہرے مصوتے (Triphthong) ۔ شاذونادر تین مصوتے یا نیم مصوتہ بھی ایک صوت رکن کے طور پر بولے جاتے ہیں انھیں تہرے مصوتے کہتے ہیں ۔ اردو ہندی میں تو اس کی مثالیں نہیں لیکن انگریزی اور دوسری یورپی زبانوں میں ضرور ملتی ہیں ۔ ان میں کچھ مصوتے ہوتے ہیں اور ایک نیم مصوتہ ۔ مثالیں حسب ذیل ہیں ۔

---

[1] 'لسانی مطالعے' میں ص 73 پر راقم الحروف نے لکھا تھا کہ دوہرے مصوتے میں نیم مصوتہ نہیں آسکتا اس لیے مندرجہ بالا شق ھ کے تحت آنے والے دوہرے مصوتوں کو دوہرا مصوتہ ماننے سے انکار کیا تھا ۔ یہ فیصلہ صحیح نہ تھا ۔

	لفظ	صوتی تحریر میں تلفظ	معنی
انگریزی	Hew	[hyvw]	کاٹنا
اطالوی	niei	[myɛi]	میرا
اطالوی	tuoi	[twɔi]	

آسٹریلیائی انگریزی میں سوڈا کا تلفظ [sɑudə یا sɑ] ہے اور اس میں تہرا مصوتہ ہے۔

لہریہ (GLIDE)۔ انگریزی اور اردو میں اس کی نوعیت میں قدرے فرق ہے۔ پہلے انگریزی لہریے کو لیجئے کیونکہ وہ اس کی مستند شکل ہے۔ فرانسس ڈنین (Francis P. Dinneen) نے لہریے[1] کی یہ تعریف دی ہے۔
Glide an vocalic sounds Produced when The Tongue moves one Position To another.
انگریزی میں لہریے کا تعلق بیشتر دوہرے مصوتے سے ہے دوہرے مصوتے ہی میں زبان ایک مصوتے (یا نیم مصوتے) کے مقام سے چل کر دوسرے مصوتے (یا نیم مصوتے) کے مقام تک جاتی ہے۔ ان میں جو آواز غیر صوت رکنی ہوتی ہے اسے لہریہ کہتے ہیں۔ اگر یہ غیر صوت رکنی آواز جڑواں مصوتے کا پہلا جزو ہو تو اسے on glide کہتے ہیں مثلاً فرنچ fier [fyɛ:r] یا moi [mwa] میں w، y اگر غیر صوت رکنی آواز جڑواں مصوتے کا دوسرا رکن ہو تو اسے off-glide کہتے ہیں اور زیادہ تر یہی صورت ہوتی ہے مثلاً اردو آئینہ، فائدہ انگریزی go [gow] گلین نے yes کے [y] کو بھی لہریہ مانا ہے حالانکہ ظاہرا [yə] دوہرا مصوتہ نہیں معلوم ہوتا۔ سچ یہ ہے کہ انگریزی میں نیم مصوتوں کو عام طور سے لہریہ مان لیا جاتا ہے۔

---

[1] Francis. P. Drimen:- An Introduction to General linguistics P.28

انگریزی میں چار یا پانچ لہریے مانے گئے ہیں۔ سب سے عام تو y، w ہیں جو boy [bɔy]، buy [bay]، go [gow] جیسے الفاظ میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے بعد مرکزی مصوتہ ə ہے جو چار دوہرے مصوتوں کا دوسرا رکن ہے۔

fear [fiə] fair [fɛə]

sure [ʃuə] shore [ʃɔə]

انگریزی میں طویل مصوتوں کو اکثر دوہرے مصوتے کے طور پر بولتے ہیں۔ ورنہ دوسری صورت یہ ہے کہ خفیف مصوتے کے بعد H لگا کر بولتے ہیں۔ یہ [H] بہت ہلکا بولا جاتا ہے اور اسے [H] سے بالکل مختلف مانا جاتا ہے۔ مثال can بمعنی ٹین کا ڈبہ /kæHn/ - balm /bahm/ -

ان چار لہریوں کے علاوہ[1] امریکی انگریزی میں [r] بھی بعض اوقات لہریے کا کام دیتا ہے۔ امریکی تلفظ میں یہ معکوسی نیم مصوتہ ہے۔ اسے ادا کرنے میں زبان اوپر اٹھا کر لپیٹ جاتی ہے۔ مغربی امریکہ یا وسطی مغربی امریکہ Middle West میں bird کے تلفظ میں [r] معکوسی مصوتہ بن جاتا ہے لیکن red میں r مصوتہ ہے اور r[2] glide ہے۔ اس کے برعکس مشرقی امریکہ میں /ər/ کے دو حصے ہیں جن میں [r] ایک معکوسی لہریہ ہے۔

اردو ہندی میں ہم مان لیتے ہیں کہ دوہرے مصوتے کا غیر صوت رکنی جزو لہریہ کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہم[3] ان صورتوں کو لیتے ہیں جن میں دو مصوتے مختلف صوت رکنوں کے فرد ہوتے ہیں۔ اگر ایک صوت رکن کے آخر میں مصوتہ آتا ہے اور دوسرے کے شروع میں تو تلفظ کی سہولت کے لیے انھیں ملانے کے لیے ایک اور آواز داخل

---

[1] Gleason: An Introduction To descriptive Linguistic P. 37

[2] Hochett: A course in Modern Linguistics P.82

[3] Gleason: Descriptive Linguistics P. 39

ہو جاتی ہے جو نیم مصوتہ ی یا و ہوتا ہے۔ اس کی مدد سے ایک محلِ تلفیظ سے دوسرے مصوتے کے محل تک گزر آسان ہو جاتا ہے مثالیں ملاحظہ ہوں۔

پیا [Piya] - پیو [Piyo] - پیے [Piye] - کیفیت [kɛ:fi: yət] جوا [Jvwa] - ہندوؤں [hindu:wõ] - ہوئے [huwe] اس طرح مختصر [i] یا طویل [i:] کے بعد [y] اور مختصر [u] یا طویل [u:] کے بعد [w] آتا ہے۔

دو نہایت مختلف مخرج والے مصمتوں کے درمیان بھی خفیف سا لہریہ آجاتا ہے مثلاً چڑیا ڑ کے بعد اور Goldsmith میں ld کے بعد خفیف سا مصوتہ [i] بولا جاتا ہے۔ اسے بھی لہریہ کہیں گے۔

ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری[1] نے ایک اور قسم کے لہریے کا ذکر کیا ہے۔ انگریزی لفظ School ' Station اور ہندی الفاظ स्त्री ' स्नान میں کھڑی بولی والے ابتدا میں ایک خفیف i یا ə لگا کر اسٹیشن، اسکول، اسنان، استری بولتے ہیں۔ وہ اس ابتدائی مصوتے کو لہریہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ صحیح معنی میں on-glide ہے۔ دیا، لیے کے لہریے کو وہ وسطی لہریہ کہنے کے حق میں ہیں اور ہندی الفاظ سواستھیہ، برہم وغیرہ کے آخر کے خفیف سے فتحہ [ə] کو Off-glide نام دیتے ہیں۔ انگریزی میں انھیں لہریہ کہنے کا رواج نہیں۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ انھیں لہریے میں شامل نہ کیا جائے۔

طول (LENGTH) کسی آواز (مصوتے یا مصمتے) کو بولنے میں جتنا وقت لگتا ہے اسے اس کا طول یا مقدار کہتے ہیں۔ ہندی میں اسے ماترا اور انگریزی میں Mora کہتے ہیں۔ ماترا کو ایک اکائی فرض کر لیجیے۔ اس کی اہمیت مصوتوں میں زیادہ اور مصمتوں میں کم ہے۔ سب سے پہلے مصوتوں ہی کو نظر میں رکھیے۔

ان کے طول کے دو درجے سب سے مشہور ہیں۔ خفیف (مختصر) اور طویل۔ ہندی میں اول الذکر کو چھوٹی ماترا (ہرس و ह्रस्व) اور بڑی ماترا (दीर्घ)

---

[1] بھولا ناتھ تواری: بھاشا وگیان (ہندی) ص 319

کہتے ہیں۔ تیسری مقدار ان سے بھی بڑی ہے جسے ہم طولانی کہہ سکتے ہیں۔ ظاہرا خفیف یا چھوٹی طولانی یا پلُت प्लुत کے تین ماترا کے ہوتے ہیں۔ ریاضی کے سے یہ درجے حقیقت کی قریبی نمائندگی کرتے ہیں قطعی نہیں کیونکہ مختلف ماترائیں بالکل اس طرح ایک دوسرے کا مضاعف نہیں۔ انگریزی کے چھوٹے مصوتے کی تلفیظ میں 228. سیکنڈ اور طویل مصوتے میں 318. لگتے ہیں۔ طولانی مصوتہ سنسکرت قواعد نویسوں کی تخلیق ہے لیکن یہ نہایت شاذ ہے۔ رگ وید جیسی کتاب میں یہ صرف دو تین موقعوں پر آیا ہے۔ اس کی سب سے مشہور مثال اُوم ہے۔ اس کے اُو کو طولانی یا تین ماترا کا ظاہر کرنے کے لیے ओ३म لکھتے ہیں۔
ہماری بول چال میں مصوتے کو دو موقعوں پر طولانی کیا جاتا ہے۔

الف:- کسی کو پکارنے میں جیسے رام، لڑکے۔

ب:- فجائیہ کلمے میں مثلاً کراہتے ہوئے ہائے، آہ، a :: h

عام سامع کو مصوتے کے یہ دو تین طول ہی سنائی دیتے ہیں لیکن ماہرین صوتیات طول کی کم از کم ایک مقدار اور سن سکتے ہیں۔

خفیف تر:- اسے خفیف کا آدھا سمجھیے۔ چڑیا، بڑھیا، دنیا میں یے سے پہلے ہم نہایت خفیف کسرہ [i] بولتے ہیں۔ اسی طرح GOLDSMITH میں d کے بعد ایک کسرہ ہے۔ STATION، SCHOOL، स्त्री جیسے الفاظ میں س سے پہلے ایک کسرہ بولا جاتا ہے۔ یہ سب خفیف تر مصوتے ہیں۔

طول کی یہ مقدار سہولت کی بنا پر کردی گئی ہیں ورنہ ہر شخص مختلف حالتوں اور کیفیتوں میں مختلف رفتار سے بولتا ہے۔ کبھی تیز کبھی آہستہ۔ مشین پر گراف لیا جائے تو طول کے چار نہیں متعدد درجے دکھائی دیتے ہیں۔

ہندی میں خفیف اور اُن کے ساتھ کے طویل مصوتوں کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ وہ ایک ہی انداز کے ہوتے ہیں۔ ان میں صرف طول یا وقتِ تلفیظ کا فرق ہوتا ہے۔ یہ پوری طرح صحیح نہیں۔ تلفیظی صوتیات سے دریافت ہوا ہے کہ ان میں محلِ تلفیظ کا بھی فرق ہے مثلاً خفیف مصوتے کے ادا کرنے میں زبان اس کے ساتھ کے طویل مصوتے کی نسبت کسی قدر نیچی رہتی ہے۔ اس کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایک ساتھ کے خفیف اور طویل مصوتوں کے جوڑوں میں جو مماثلت و قُرب ہے وہ کسی دوسرے

مصوتے کے ساتھ نہیں ہوتی۔ اس لیے ہم ان جوڑوں کے باہمی تعلق سے انکار نہیں کر سکتے۔ ان کے علاوہ نیچے کے مصوتے یعنی کشادہ مصوتے اوپر کے یعنی بند مصوتوں سے طویل ہوتے ہیں۔ مرکزی مصوتہ (فتحہ) سب سے مختصر ہوتا ہے۔

آوازوں کے طول پر ان کا ماحول بھی اثر انداز ہوتا ہے یعنی ایک مصوتہ لفظ میں ایک ماحول میں طویل تر اور دوسرے ماحول میں خفیف ہو سکتا ہے۔ ایسے کچھ عوامل ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

الف:۔ لفظ میں بل دار رکن کا مصوتہ بغیر بل کے مصوتے سے طویل تر ہوتا ہے مثلاً کمل میں پہلا فتحہ دوسرے فتحے سے طویل تر ہے۔ دادا کا پہلا آ دوسرے آ سے طویل ہے۔

ب:۔ طویل مصوتہ اگر لفظ کے آخر میں آئے تو بہ نسبت دوسرے مقامات کے قدرے چھوٹا ہوگا مثلاً sea 'قے' کا آخری مصوتہ بالترتیب SEED اور قید کے مصوتے سے چھوٹا ہے۔

ج:۔ مصیتی مصمتے سے قبل کا مصوتہ غیر مصیتی مصمتے سے قبل کے مصوتے سے زیادہ طویل ہوتا ہے مثلاً آپ، آگ کا آ آپ، آک کے آ سے طویل تر ہے۔ یہ فرق طویل مصوتے میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے مختصر مصوتے میں اس قدر نہیں لیکن وہاں بھی ہوتا ضرور ہے مثلاً جب کا فتحہ جیپ کے فتحے سے زیادہ طویل ہے۔

د:۔ یکساں مصوتہ اگر ایک چھوٹے لفظ کے پہلے رکن میں اور ایک طویل لفظ کے پہلے رکن میں آئے تو چھوٹے لفظ کے پہلے رکن میں یہ بڑے لفظ کے مقابلے میں طویل تر ہوگا مثلاً اُوک، آب کا مصوتہ بالترتیب اوکھلی، ابتر کے مصوتے سے طویل تر ہے۔ یہ فرق طویل مصوتے میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔

ھ:۔ اکہرے مصمتے سے قبل کا مصوتہ مشدد مصمتے سے قبل کے مصوتے سے طویل تر ہوتا ہے مثلاً پکا اور پکّا میں پہلے کا خفیف مصوتہ (یعنی فتحہ) طویل تر ہے۔ خاصا کا پہلا آ خاصّہ کے پہلے آ سے لمبا ہے۔

و:۔ تنہا مصمتے سے قبل کا مصوتہ مصمتی خوشے سے قبل کے مصوتے سے طویل ہوتا ہے مثلاً 'جب' کا فتحہ 'جبر' کے فتحے سے طویل تر ہے۔

اگر ایک لفظ میں ایک ایسا مصمتی خوشہ ہو جس کا پہلا رکن کوئی انفیہ یا پہلوئی ہو اور دوسرا غیر مصمتی مصمتہ تو اس سے قبل آنے والا مصوتہ مختصر ہوتا ہے بہ نسبت ایسے مصمتے سے قبل کے مصوتے کے جس کے بعد یا تو کوئی دوسرا مصمتہ نہ ہو یا پھر مصیتی مصمتہ ہو مثلاً LEARNT کا مصوتہ LEARN یا LEARNS کے مصوتے سے چھوٹا ہے FAULT کا مصوتہ FALL یا FALLS کے مصوتے سے چھوٹا ہے۔ اردو میں شانت کا طویل مصوتہ شان یا شاندار یا ناند کے مصوتے سے چھوٹا ہے۔ سمت کا مصوتہ رسم، یا حمد کے فتحہ سے چھوٹا ہے۔

مصمتوں میں بھی طول کے درجے ہوتے ہیں۔ سب سے مشہور تو اکہرے اور مشدّد مصمتے کا فرق ہے۔ تشدید (GEMINATION) دراصل ایک طویل مصمتہ ہے یعنی اس کی تلفیظ میں تلفیظ کار، نقطۂ تلفیظ کے پاس کچھ زیادہ دیر ٹھہر جاتا ہے۔ عام بول چال میں اسے دوہرا مصمتہ ماننے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے دو صوت رکن بن جاتے ہیں۔ بنّا، گنّا میں طویل مصمتہ ہے اور بننا، گننا میں دوہرا مصمتہ۔ طویل مصمتہ میں ابتدا اور انتہا کا عمل ایک ہی ہوتا ہے درمیانی عمل طویل ہوتا ہے۔ دوہرے مصمتے میں تلفیظ کے عمل کے تینوں حصے دہرائے جاتے ہیں۔

مصوتے کے طول کو دو طرح سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ صحیح تر قاعدہ یہ ہے کہ مصوتے کے نشان کے آگے دو نقطے کولن کی طرح لگا دیے جاتے ہیں مثلاً [o:] [e:] سنسکرت الفاظ اور متون کو جب رومن میں چھاپا گیا تو وہاں یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ طویل مصوتہ ظاہر کرنے کے لیے اوپر ایک خط کھینچ دیتے تھے مثلاً ā ō ۔ کسی مصوتے کو بالتصریح مختصر ظاہر کرنا ہو تو اس کے اوپر ایک قوس بنا دیتے ہیں مثلاً [ă] کے معنی ہیں محض فتحہ کے۔ صوتیاتی خط میں طویل یعنی مشدد (geminated) مصمتے کو بھی دو نقطوں کے اضافے سے ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً پکا [pəka] ، پکّا [pək:a]۔

مصمتے کا طول بھی اپنے ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

الف:- خفیف مصوتے کے بعد آنے والا مصمتہ طویل مصوتے کے بعد آنے والے مصمتے سے طویل تر ہوتا ہے۔ یہ فرق لفظ کے آخر میں زیادہ نمایاں ہوتا ہے مثلاً دِن کا [ن] دین کے [ن] سے طویل تر ہے۔ اسی طرح مُنّا کا دوسرا نام مَنّا

کے دوسرے م سے طویل تر ہے۔

ب:۔ انفیے، ل اور ر مصیتی مصمتے سے قبل آئیں تو زیادہ طویل ہوتے ہیں بہ نسبت غیر مصیتی مصمتوں سے قبل کے مثلاً (۱) حمد، سمت۔ (2) بندہ، بنتا۔ (3) ڈنکا، گا بگا۔ (4) ڈالڈا، بالٹی۔ (5) مرگ، ترک میں پہلے لفظ کے انفی یا پہلوئی یا ملفوفی مصمتے دوسرے لفظ کے اس مصمتے سے طویل تر ہیں۔

طول کے اعتبار سے مصوتوں اور مصمتوں کو ترتیب دیا جائے تو یوں کہیں گے۔ ابتدا میں سب سے طویل آوازیں دی ہیں اور ان کے بعد بالترتیب کم طویل آوازیں۔

1۔ نچلے یا کھلے طویل مصوتے
2۔ اوپری یا بند طویل مصوتے
3۔ نچلے یا کھلے مختصر مصوتے
4۔ اوپری یا بند مختصر مصوتے
5۔ مرکزی مصمتے
6۔ نیم مصوتے
7۔ انفیے اور ارتعاشی ر THRILL
8۔ ملفوفی ر (ROLLED) اور پہلوئی ل
9۔ مصیتی سیفیے
10۔ غیر مصیتی سیفیے
11۔ دوسرے صفیریے
12۔ مصیتی ایفرکیٹ
13۔ غیر مصیتی ایفرکیٹ
14۔ مصیتی بندشیے
15۔ غیر مصیتی بندشیے

بندشیوں میں بھی بی میں زیادہ وقت، تالوئی میں اس سے کم اور دنتی میں سب سے کم وقت لگتا ہے۔ ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری[1] نے انگریزی کی بعض آوازوں کی تلفیظ کا

[1] بھولا ناتھ تواری: شادگیان ص 335

وقت دیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

طویل مصوتہ 318. سیکنڈ۔ خفیف مصوتہ 228. سیکنڈ

انفی مصمتہ 146. سیکنڈ۔ پہلوئی اور ملفوفی یعنی ل اور ر 122. سیکنڈ۔

غیر مصیتی بندشیے 12. سیکنڈ صفیریے 112. سیکنڈ۔ مصیتی بندشیے 088.

یہ ترتیب ہماری پہلی دی ہوئی فہرست سے مختلف ہے۔ پہلی فہرست گرے کے مطابق تھی۔ گرے نے صفیریوں اور بندشیوں دونوں میں مصیتی آواز کو غیر مصیتی سے طویل قرار دیا ہے۔ تواری کے اندراج کے مطابق غیر مصیتی آواز مصیتی سے طویل تر ہے۔ مشاہدہ اس کی تائید نہیں کرتا۔ تواری کے دیے اوقات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مصمتے کی تلفیظ میں خفیف مصوتے سے بھی کم وقت لگتا ہے یعنی یہ ایک ماترا کا بھی نہیں ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ مصمتے کے طول میں صرف اکہرے اور مشدّد مصمتے کا فرق اہم ہے۔ باقی پوری بحث محض ذہنی ورزش ہے جس کی افادیت بہت کم ہے۔

صوت رکن (SYLLABLE)۔ تمام ماہرین لسانیات صوت رکن کے وجود پر متفق ہیں لیکن اُن میں اس بات پر اتفاق نہیں کہ یہ کیا ہے۔ صوت رکن کا شعور مفرد آواز کے شعور سے زیادہ قدیم ہے۔ یہ گفتار کے فطری قطعات ہیں جب کہ مفرد آواز کا شعور ترقی یافتہ انسان ہی کو ہو سکتا ہے۔ چنانچہ عہدِ قدیم میں رکن واری رسم الخط پہلے ایجاد کیے گئے اور ابجدی بہت بعد میں۔ ہر زبان میں شاعری کتنی قدیم ہے اور اکثر زبانوں میں شعر کا وزن یا آہنگ صوت رکن پر مبنی ہوتا ہے، اس کے طول پر یا بَل پر۔

قدیم ہندوستان کے ماہرینِ قواعد اور ماہرینِ زبان کو صوت رکن کا حیرت انگیز حد تک عرفان تھا۔ قبل مسیح دور میں اس کے بارے میں کتابیں لکھی گئیں۔ پتنجلی کے مہابھاشیہ کی طرح متعدد کتابوں میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ بعض پوری کتابیں محض صوت رکن کے بارے میں ہیں۔ ہمارے عہد میں صوت رکن کی اہمیت کئی وجہ سے ہے۔

کئی زبانوں میں لفظ اور جملے میں بعض مقامات پر بَل ہوتا ہے۔ اس بل کا مواد صوت رکن ہی ہوتا ہے۔ انگریزی کی طرح یہ بل معنی کے تعین میں فعّال ہو سکتا ہے یا اردو کی طرح مفہوم کے نقطۂ نظر سے غیر متعلق لیکن دونوں میں جب تک صحیح صوت

رکن پر بل پر بل نہ دیا جائے تلفظ اکھڑا اکھڑا معلوم ہوتا ہے۔ بیرونی زبان کو اہلِ زبان کی طرح ملفوظ کرنا ہے تو اس کے صوت رکنوں کا صحیح بل سیکھنا ہوگا۔

اکثر زبانوں کے شعر کا وزن بھی صوت رکن پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ صوت رکن کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ شارٹ ہینڈ کی بنیاد صوت رکن کے ادراک ہی پر ہے۔ غرض یہ ہے کہ صوت رکن کی تعیین کتنی ہی مشکل اور متنازع کیوں نہ ہو اس سے چشم پوشی ممکن نہیں۔

سب سے پہلے یہ واضح ہو جانا چاہیے کہ دنیا کی سب زبانوں میں صوت رکن ایک اصول کے تحت متعین نہیں کیا جا سکتا۔ بعض بعض زبانوں کے صوت رکن ہماری زبانوں سے بالکل مختلف ہیں۔ ہم اوّل دنیا کی مشہور مہذب زبانوں کا احصار کرنے والے اصولوں پر غور کریں گے۔ دوسری زبانوں کے غیر معمولی انداز کے صوت رکنوں کا بعد میں ضمنی طور پر ذکر کر دیا جائے گا۔

مختلف ماہرین لسانیات نے صوت رکن کی بہت سی تعریفیں کیں جن میں سے بعض میں صحت کا عنصر کم ہے بعض میں زیادہ۔ ہم تمام تعریفوں کی تفصیل دے کر تضیع اوقات نہ کریں گے۔ صرف چند اہم تعریفوں کو لیتے ہیں۔

1۔ قدیم تصور یہ تھا کہ لفظ میں جتنے مصوتے ہوتے ہیں اتنے ہی صوت رکن ہوتے ہیں۔ انگریزی اور اردو کے لیے یہ 95 فی صدی صحیح ہے لیکن پوری طرح صحیح نہیں کیونکہ جیسا ہم آگے دیکھیں گے اس میں دو استثنا ہیں۔

الف:۔ جڑواں یا تثلیثی مصوتے کا محض ایک مصوتہ صوت رکن کی نمائندگی کرتا ہے بقیہ مصوتہ یا مصوتے صوت رکنی نہیں ہوتے

ب:۔ شاذ بعض مصمتے (رقیقیے) بھی صوت رکنی ہوتے ہیں مثلاً انگریزی الفاظ Bottle، Little، Button کے آخری مصمتے۔ ان پر بھی آگے مزید غور کیا جائے گا۔

اِن کے علاوہ بعض زبانوں میں ایسے الفاظ بھی ہوتے ہیں جن میں کوئی مصوتہ نہیں ہوتا مثلاً ریڈ انڈین زبان بیلا کولا میں۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ ان زبانوں میں لفظ بغیر صوت رکن کے ہوتا ہے۔ اس طرح صوت رکنوں کی تعداد کو مصوتوں پر منحصر کر دینا صحیح نہیں۔

2۔ دوسرا جدید تصور یہ رہا ہے کہ جو آوازیں سانس کے ایک جھٹکے (Weath—

Group) میں ادا ہوں وہ ایک صوت رکن پر مشتمل ہوتی ہیں۔ یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ سانس کی ایک آمد ورفت میں کئی صوت رکن ادا ہوتے ہیں۔

3۔ سب سے صحیح اور سائنٹفک نظریہ اسٹیٹسن (Station) کا ہے۔ اسے انھوں نے پہلے تو اپنے مضامین میں واضح کیا۔ بعد میں اپنی کتاب Motor Phonetics میں تفصیل سے پیش کیا۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن 1951ء میں امسٹرڈم سے شائع ہوا۔ انھوں نے آلات سے مفصل مطالعہ کرکے ذیل کی معلومات فراہم کیں۔

سانس کو اندر لینے اور باہر نکالنے میں دو ایک دوسرے سے نیم آزاد مشینیں کارفرما ہوتی ہیں۔ ان میں سے پہلی یہ ہے کہ پھیپھڑوں کے نیچے کی دیوار ایک جھلی (Diaphragm) ہوتی ہے۔ یہ اور پیٹ کے عضلات مل کر کام کرتے ہیں۔ پیٹ کے عضلات آگے بڑھتے ہیں۔ اور پھیپھڑوں کی جھلی نیچے کو آ جاتی ہے۔ اس سے پھیپھڑوں کے اندر کی جگہ بڑی ہو جاتی ہے جس سے باہر سے سانس اندر آ جاتا ہے۔ اس کے بعد پیٹ کے عضلات اندر کو سکڑتے ہیں اور جھلی اوپر کو چڑھتی ہے جس سے پھیپھڑوں پر دباؤ پڑتا ہے اور وہ سکڑتے ہیں۔ اس سے سانس باہر کو نکلتا ہے۔ یہ حرکت باقاعدگی سے تقریباً برابر عرصے میں ہوتی رہتی ہے۔ اس دوران میں جتنی آوازیں ادا ہوں گی انھیں ایک سانس گروہ (Breath Group) کہتے ہیں۔

سانس لینے کی دوسری مشین پسلیوں کے بیچ کے عضلات ہیں جنھیں انگریزی میں (Intercostal Muscles) کہتے ہیں۔ یہ عضلات بھی سانس لینے میں اس طرح مدد کرتے ہیں کہ یہ اطراف کی دیوار کو اندر باہر کرکے پھیپھڑوں کے سکڑنے اور پھیلنے میں مدد کرتے ہیں۔ پسلیوں کے عضلات کے اس اندر دبنے اور باہر کو پھیلنے کو (chest Pulse) کہتے ہیں۔ بولنے میں پیٹ کے عضلات اور پھیپھڑوں کے نیچے کی جھلی کی حرکت تو اسی رفتار سے جاری رہتی ہے جیسے خاموشی میں لیکن پسلیوں کے عضلات کی حرکت تیز ہو جاتی ہے۔ یہ حرکت جتنی بار ہوتی ہے لفظ میں اتنے ہی صوت رکن ہوتے ہیں۔

اسٹیٹسن کی اس دریافت سے روڈمن یاکوبسن، ہیفنر اور ہیلے جیسے بڑے ماہرین لسانیات اور مصنف متفق ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صوت رکن اور chest Pulse برابر چلتے ہیں لیکن اس طرح صوت رکن ایک مشینی اکائی (Motor Unit) ہو جاتا

ہے جس کا محض تلفیظی یا سماعی طور پر ادراک نہیں کیا جاسکتا۔

4 چوتھا نظریہ آواز کی گونج (SONOCITY) کا ہے۔ کچھ آوازوں میں زیادہ گونج ہوتی ہے یعنی وہ زیادہ نمایاں ہوتی ہیں یا زیادہ دور سے سنی جا سکتی ہیں کچھ کم مصوتے سب سے زیادہ گونج دار ہوتے ہیں۔ ان میں طویل مصوتے مختصر مصوتوں سے زیادہ گونجیلے ہوتے ہیں۔ نیچے کا یا کھلے مصوتے اوپر کے یا بند مصوتوں سے زیادہ گونج دار ہوتے ہیں۔ مصوتوں کے بعد نیم مصوتوں کا نمبر آتا ہے۔ ان کے بعد رقیقیے یعنی ر، ل۔ اس کے بعد انفیے۔ پھر صفیریے۔ صفیریوں میں سینیے دوسرے صفیریوں سے زیادہ گونج دار ہوتے ہیں۔ ان میں اور بقیہ مصمتوں میں مصیتی آوازیں غیر مصیتی سے زیادہ گونج دار ہوتی ہیں۔ صفیریوں کے بعد مصیتی بندشیے اور ایلفرکیٹ اور اُن کے بعد غیر مصیتی بندشیوں اور ایلفرکیٹوں کا نمبر ہے۔ اس طرح اگر ہم اوپر سے نیچے گونج کے اعتبار سے آوازوں کو ترتیب دیں تو غالباً یوں ہوگی۔

1- آ
2- آو - آے
3- اُو - اِے
4- اُو - اِی
5- خفیف اَو - خفیف اَے
6- خفیف اُو - خفیف اِے
7- خفیف اُو - خفیف اِی
8- اَ
9- یے - و
10- ر - ڑ - ل
11- م - ن - ݨ - ن گ (ﯕ)
12- ز - ژ
13- س - ش
14- ہ - غ

15- ف - θ - خ - ہ (h)
16- ب - د - لثوی d - ڈ - ج - گ
17- پ - ت - لثوی t - t - چ - ک

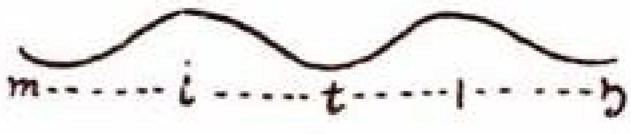
ھ یعنی ہائے ہوز کی صحیح گونج کے بارے میں شبہات ہیں۔

گونج دار آواز ایک چوٹی (Peak یا Nucleus یا HEAD) ہوتی ہے جس کے آس پاس کم گونج والی آواز کی گھاٹیاں ہوتی ہیں۔ ہر لفظ میں جتنی چوٹیاں ہوں گی اتنے ہی صوت رکن ہوں گے۔ یہ چوٹیاں مصوتوں کے مقام پر ہوتی ہیں لیکن غیر مصمتی مصوتوں پر نہیں ہوتیں اور صوت رکنی مصمتوں پر ہوتی ہیں۔ ہال کی[1] کتاب سے چند یورپی الفاظ کا نقشہ ملاحظہ ہو۔

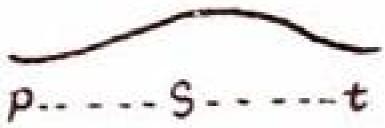
Eng. pat [pat]



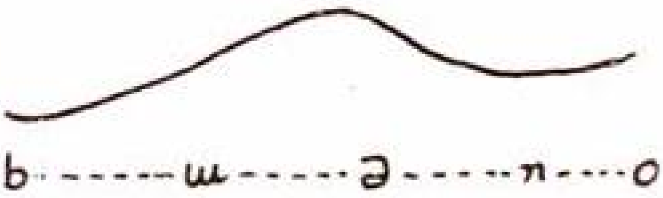
Eng. meeting [mitiŋ]



Eng. pst [pst]



Italian buono [bwəno]
= good



Spanish mano [mano]
= hand



دوسرے، چوتھے اور پانچویں خط میں نیچے کے مصوتے کی نسبت اوپر کے مصوتے میں بلند تر چوٹی دکھائی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ کے مختلف صوت رکنوں پر بل کا

---

[1] HALL: Introductory Linguistics P. 61

وقوع فطری گونج میں ترمیم کر دیتا ہے اور بعض کم گونج والی آوازوں کو بالطبع زیادہ گونج والی آوازوں سے زیادہ نمایاں کر دیتا ہے۔

چوتھے خط میں دوہرا مصوتہ ہے۔ اس کا پہلا رکن ما غیر صوت رکنی ہے جبکہ [ے] میں صوت رکن کی چوٹی ہے۔

اب تیسرے خط کو لیجیے۔ یہ ایک قسم کا ندائیہ لفظ ہے۔ اگر آہستہ سے کسی کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنی ہو تو اس لفظ کو ادا کرتے ہیں اس میں کوئی مصوتہ نہیں۔ ظاہرا اس میں کوئی صوت رکنی چوٹی نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن یہاں [س] نے جو پ، ت سے زیادہ نمایاں ہے یہ چوٹی فراہم کی ہے۔ اس کی صراحت کے لیے ہم صوت رکنی مصمتے کی وضاحت کرتے ہیں۔

صوت رکنی مصمتہ (Syllabic consonant)۔ اگر کسی لفظ میں اس طرح کا مصمتی خوشہ جمع ہو جس میں بعد کا مصمتہ پہلے مصمتہ سے بہت زیادہ گونج والا ہو تو اکثر یہ مصمتہ ایک نئے صوت رکن کی چوٹی ہوتا ہے۔ انگریزی میں صرف انفیے اور رقیقے صوت رکنی مصمتے ہوتے ہیں۔ ذیل کی مثالوں میں انگریزی املا پر نہ جائیے۔ ان کا صحیح تلفظ صوتی تحریر میں درج کیا جائے گا جس سے معلوم ہو گا کہ بعض میں آخری مصمتی خوشے سے پہلے کا مصوتہ ملفوظ نہیں ہوتا۔

صوت رکنی مصمتے کے نیچے ایک کھڑا خط بنا دیا جاتا ہے جس سے واضح ہو جائے کہ مصمتہ صوت رکن کی چوٹی ہے۔ اب ذیل کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

bottom[butm̩], button [bʌt n̩], baking[bekŋ̍]

bottle[bat l̩], butter[bʌt r̩]

بالعموم یہی مصمتے صوت رکنی ہوتے ہیں لیکن شاذ دوسرے مصمتے بھی صوت رکنی ہو جاتے ہیں مثلاً انگریزی میں مکھی کی بھنبھناہٹ کی نقل میں [b zz[b z̩] یا کسی کو متوجہ کرنے کے لیے [PSt] [ps̩t]۔ واضح ہو کہ یہ دونوں سیٹیے ہیں جن میں رقیقیوں اور انفیوں کے بعد سب سے زیادہ گونج ہوتی ہے۔ مصمتی خوشے میں صوت رکنی مصمتہ ماقبل مصمتہ سے سنبھل نہیں پاتا اور آگے کو لٹکا ہوا ہوتا ہے گویا وہاں لفظ کی گردن ٹوٹ رہی ہو اور یہ گردن ٹوٹنا دراصل صوت رکن کی تقسیم ظاہر کرتا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ صوت رکنی مصمتہ لفظ کے آخر ہی میں آئے۔ یہ درمیان میں بھی واقع ہو سکتا ہے مثلاً

Bottling[bɔtliŋ], Stirring [st ṛiŋ], Pottern[pɛtṇ]

ان کا بیچ میں آنا شاذ اور آخر میں آنا زیادہ عام ہے۔

پیچھے لکھا جا چکا ہے کہ بعض اوقات بل کی شدت گونج کے اصول میں خلل ڈالتی ہے مثلاً ذیل کے الفاظ ملاحظہ ہوں

Adzed[ɛdzd] , Tent[Tekst], step[step]

پہلے لفظ کا z، دوسرے اور تیسرے کا s متعاقب مصمتے سے زیادہ گونج والا ہے لیکن چونکہ مصوتے پر اتنا شدید بل ہے اس لیے مندرجہ بالا مصمتے صوت رکنی نہیں ہو پائے اور یہ الفاظ ایک ایک صوت رکن کے ہیں۔

کیا اردو ہندی میں بھی صوت رکنی مصمتے ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری نے جہاں ایسی زبانوں کے نام گنائے ہیں جن میں مصمتے صوت رکنی ہوتے ہیں وہاں ہندی کا ذکر نہیں کیا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے خیال میں ہندی میں مصمتہ رکنی نہیں ہوتا لیکن یہ صحیح نہیں اگر انگریزی لفظ بٹن (صحیح تلفظ بہ سکونِ ٹ) [bʌtṇ] کا [ن] صوت رکنی ہے تو ہندی لفظ رتن اور اردو لفظ متن (دونوں بہ سکون اوسط) کا [ن] کیوں صوت رکنی نہیں اگر Bottom [batm] کا [m] صوت رکنی ہے تو ہندی لفظ आतम کا [म] بھی صوت رکنی ہے۔ ذیل کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

1- ہجو، عفو
2- مدھیہ، راجیہ
3- رکن، متن (بہ سکونِ اوسط)
4- ستم आतम
5- عقل، نقل، بطل (بہ سکون اوسط)۔ طبل
6- ہزبہ، شستر (ہتھیار)، عطر

ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری: بھاشا وگیان ص 370

7 صع، فتح، صلح، شرح

میرا خیال ہے کہ ان سب الفاظ کے آخری مصمتے صوت رکنی ہیں۔ و، ی تو نیم مصوتے ہیں انھیں صوت رکنی ہونے میں کوئی قباحت نہ ہونی چاہیے۔ ساتویں سطر کا [h] بھی نیم مصوتے کا حکم رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ الفے اور رقیقیے بھی مندرجہ بالا مثالوں میں صوت رکنی ہیں۔ اس طرح اردو میں سات مصمتے صوت رکنی ہیں۔

و ۔ ی ۔ ح [h] ۔ م ۔ ن ۔ ل ۔ ر

یہ مصمتے اسی صورت میں صوت رکنی ہوں گے جب اُن سے قبل کوئی بندشیہ یا الفرکیٹ ہو اور اُن کے بعد اسی صوت رکن میں کوئی مصوتہ واقع نہ ہو مثلاً 'عقل' کا لام صوت رکنی ہے لیکن 'عقلی' کا نہیں۔

اب انگریزی اور اردو میں صوت رکن کی تعداد معلوم کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ لفظ میں جتنے مصوتے ہوں گے اتنے ہی صوت رکن ہوں گے بجز دو استثنا کے۔

الف:۔ جڑواں مصوتے کا مصمتی مصوتہ صوت رکن کا کام نہیں دے گا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہیے کہ جڑواں مصوتے کو صوت رکن کی تعیین میں ایک مصوتے کے طور پر مانا جائے گا۔

ب:۔ صوت رکنی مصمتہ بھی اپنی جگہ پر صوت رکن ہوگا۔

ہم انگریزی کے صحیح تلفظ پر قادر نہیں اس لیے وہاں نہ جڑواں مصوتے کا صحیح ادراک کر سکتے ہیں نہ صوت رکنی مصمتے کا لیکن اردو کی حد تک جڑواں مصوتے کی شناخت بہت آسان ہے اور مندرجہ بالا اصول کی روشنی میں مصمتی مصوتے کی بھی۔ بہر حال لیبارٹری میں تحقیق کے بعد ان صوت رکنی مصمتوں کی توثیق کی جانی چاہیے۔

چونکہ صوت رکن کی تعیین کا کوئی اصول تمام زبانوں پر صادق نہیں آسکتا اس لیے گورنج کا یہ اصول بھی ہر زبان کے لیے کافی نہیں مثلاً برٹش کولمبا کی ریڈ انڈین زبان بیلا کولا (Bella Coola) میں بہت سے الفاظ یا صوت رکن مصوتوں کے بغیر ہوتے ہیں۔ ذیل کا مشہور لفظ ملاحظہ ہو [tkʷtˣʷ] اس میں محض چار مصمتے ہیں اور چاروں غیر مصیتی ہیں۔ دوسرا اور چوتھا مصمتہ مدّور ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے یعنی LABIALISED ہے۔ اس لفظ میں چار صوت رکن ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان مصمتوں میں سے کسی میں کوئی قابلِ قدر گونج نہیں۔

صوت رکن کے اجزا۔ ہاکیٹ نے صوت رکن کو تین اجزا میں تقسیم کیا ہے۔ صوت رکن کا مرکزی حصہ چوٹی (PEAK) ہوتا ہے۔ صوت رکن کے شروع میں جو مصمتہ یا مصمتے ہوں اُنھیں مُبدا (onset) کہتے ہیں۔ صوت رکن کے آخر میں جو مصمتہ یا مصمتے ہوں اُنھیں اخیریہ (CODE) کہتے ہیں۔ اس طرح مکمل صوت رکن کے تین جزو ہوئے۔ مُبدا چوٹی اور اخیریہ۔ یہ سادہ یعنی ایک آواز کے بھی ہو سکتے ہیں اور مرکب یعنی ایک سے زیادہ آوازوں کے بھی۔ مرکب کی مثالیں یہ ہیں۔

مرکب مبدا۔ پیار۔ کلب۔ فرانس۔ سوراجیہ۔ پلیٹ۔ اردو ہندی میں مرکب مبدا کا دوسرا مصمتہ۔ صرف ی۔ ر۔ ل۔ و۔ ہو سکتا ہے۔ ہندی میں ان چاروں کو انتستھ کہتے ہیں۔

مرکب چوٹی۔ فائدہ۔ رائتہ

مرکب اخیریہ۔ وصل۔ دوست۔ سلب۔ راجیندر۔ کرشن۔

اب صوت رکن کئی قسم کے ہو سکتے ہیں۔

1۔ جن میں مبدا، چوٹی اور اخیریہ تینوں ہوں مثلاً کام

2۔ جن میں محض مبدا اور چوٹی ہو مثلاً جا، جو

3۔ جن میں محض چوٹی اور اخیریہ ہو مثلاً اب، آم

4۔ جن میں محض چوٹی ہو مثلاً آ، اِی (ایمان میں)

صوت رکنی مصمتے کو محض چوٹی والا صوت رکن مانا جائے گا۔

لفظ میں صوت رکنوں کی حدیں اکثر واضح ہوتی ہیں لیکن بعض صورتوں میں نہیں ہوتیں مثلاً انگریزی لفظ coming میں دو صوت رکنوں کا وجود یقینی ہے لیکن ان کی فصیل کہاں ہے۔ m پہلے صوت رکن کا جزو ہے کہ دوسرے کا؟ یہ پہلے صوت رکن کا اخیریہ اور دوسرے کا مبدا معلوم ہوتا ہے۔ ایسی صورتوں میں صوت رکنوں کی تقطیع ناممکن ہے۔ ہاکیٹ نے اس m کو دخلیہ (INTERLUDE) نام دیا ہے۔

اردو میں صفر، مزا جیسے الفاظ میں یہی صورت ہے۔ مزا میں دوسرے صوت رکن کی چوٹی آ پہلے صوت رکن کی چوٹی (فتحہ) سے زیادہ وسیع ہے۔ دوسرے صوت رکن پر بَل بھی ہے اس لیے ز صاف دوسرے صوت رکن کی طرف مائل ہے۔ کیا یہ بہتر نہ

ہوگا کہ ز کو دخلیہ قرار دینے کی بجائے 'مزا' کے دو صوت رکن م+زا قرار دیئے جائیں۔ کیا 'صفر' میں بھی یہی صورت ممکن نہیں۔ اردو میں انگریزی کے خلاف صوت رکن کا بل باقاعدہ اور متعین ہے صفر میں دوسرے صوت رکن پر بل ہے۔ بل کی وجہ سے دوسرے صوت رکن کا فتحہ یکسانیت کے باوجود پہلے سے طویل تر ہے۔ چوں کہ 'صفر' میں بل دار صوت رکن طویل تر ہونا چاہیے اس لیے ف کو دوسرے صوت رکن کا جزو ماننے میں کوئی حرج نہیں۔ صفر میں 'ف' بالکل فطری طریقے پر ملفوظ ہوتا ہے۔ لیکن 'صفت' کے 'ص اور ف' میں جو مضبوط رشتہ ہے وہ صفر کے 'ص ف' میں نہیں۔ بہرحال صفر میں ف ر کا تلفظ فر جیسا ہے لیکن ص، ف کا 'صفت' جیسا نہیں۔ اگر ف کو دوسرے صوت رکن کے ساتھ رکھ دیا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔

صوت رکن کی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔

ا۔ اگر صوت رکن مصوتے یا جڑواں مصوتے پر ختم ہو جائے اور اس کے بعد دخلیہ یا انجیریہ نہ ہو تو ایسے صوت رکن کو آزاد یا کھلا (OPEN) صوت رکن کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ طویل مصوتے پر پورا ہونے والا صوت رکن کھلا ہوتا ہے۔ مثلاً آ ز ر جا من کے پہلے صوت رکن

ب۔ اگر صوت رکن میں مصوتے کی چوٹی کے بعد ایک یا زیادہ مصمتے ہیں تو ایسے صوت رکن کو مسدود یا بند (CHECKED or CLOSED) کہتے ہیں مثلاً گردن۔ روزگار کے صوت رکن۔

جن زبانوں میں کھلے صوت رکن زیادہ ہوتے ہیں ان میں کھلی صوت رکنیت (OPEN-SYLABIFICATION) ہوتی ہے مثلاً فرنچ، اطالوی، اسپینی ہیں۔ جن زبانوں میں بند صوت رکن زیادہ ہوتے ہیں ان میں بند صوت رکنیت ہوتی ہے جیسے انگریزی میں۔ اردو ہندی کا معاملہ بین بین ہے۔

صوت رکنی نظام۔ مختلف زبانوں میں مختلف صوت رکنی نظام ہوتے ہیں۔ یہ چار قسم کے ہیں۔

1۔ چوٹی قسم کے مثلاً انگریزی اردو۔ اس میں لفظ میں اتنے ہی صوت رکن ہوتے ہیں جتنی بلندی کی چوٹیاں یعنی اس نظام میں کوئی صوت رکن چوٹی کے بغیر نہیں آتا۔

2- مبدا چوٹی قسم۔ اس میں ہر صوت رکن میں لازماً مبدا اور[3] چوٹی ہوتی ہے۔ اخیریہ ہو بھی سکتا ہے نہ بھی ہو سکتا ہے۔ کیلیفورنیا کے علاقے کی YOKNTS زبان کی YAWELMANI بولی ایسی ہے۔ اس میں بیشتر صوت رکن مصمتہ + مصوتہ کے ہوتے ہیں۔ بعض مصمتہ + مصوتہ + مصمتہ کے دخلیہ کا وجود نہیں یعنی ہر صوت رکن کی حدیں واضح ہوتی ہیں۔

3- مبدائی قسم - یہ نہایت کم یاب ہے۔ یہ ریڈ انڈینوں کی بیلا کولا زبان میں ملتی ہے جہاں بعض صوت رکنوں میں صرف مبدا ہوتا ہے چوٹی ہوتی ہی نہیں۔ ملاحظہ ہو لفظ [xʷ t 'k ɬ] - اس کا ہر مصمتہ علیحدہ صوت رکن ہے۔ بیلا کولا کے تمام الفاظ ایسے نہیں۔

4- مدت یا عرصہ قسم - جاپانی زبان کے کچھ صوت رکن اس قسم کے ہیں۔ ان کی تعین مبدا، چوٹی یا اخیریہ سے نہیں ہوتی بلکہ بولنے کی مدت سے۔ مثلاً SAYONARRA (الوداع) اور نپن (جاپان) میں اتنے صوت رکن ہیں۔

/m/p/po/n̄   /S/YO/NA/TA

ان دونوں الفاظ کی تلفیظ میں برابر وقت لگتا ہے اور صوت رکن p اور n کی تلفیظ میں اتنا ہی وقت لگتا ہے جتنا YO اور TA کی تلفیظ میں۔

صوت رکن۔ اتصال قسم (SYLLABLE-JUNCTIVE)۔ چینی زبان کی کینٹنی (CANTONESE) بولی میں صوت رکن تلفظ کے بیچ اتصال کی مدد[5] سے طے ہوتا ہے یعنی ہر صوت رکن کے دونوں طرف وقفہ، اتصالی ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لفظ کے بیچ جتنے وقفے ہوتے ہیں اتنے ہی صوت رکن ہوتے ہیں۔

بولنے کی رفتار کے اعتبار سے زبانوں کا آہنگ دو قسم کا بتایا گیا ہے۔ ہم اس میں ایک کا اضافہ کریں گے۔

1- تابع صوت رکن آہنگ (SYLLABLE- TIMED rhythm)۔ ان زبانوں میں تمام صوت رکن خواہ وہ بل دار ہوں یا بغیر بل کے تقریباً برابر وقت میں ملفوظ کیے جاتے ہیں۔ اس طرح بیس صوت رکنوں کو بولنے میں دس صوت رکنوں کے بولنے سے تقریباً دو گنا وقت لگے گا۔ فرنچ، اطالوی، اسپینی اسی قسم کی زبانیں ہیں۔

2۔ تابعِ بل آہنگ (STRESS-TIMED ELYTHM)۔ اس میں تلفیظ بل دار رکنوں پر منحصر ہوتی ہے۔ جملے میں جتنے بل دار رکن ہوں گے اتنا ہی وقت لگے گا۔ بغیر بل کے صوت رکنوں کی تعداد سے زیادہ فرق نہ پڑے گا۔

اگر تیزی سے بولا جائے تو دوسری نوع میں بل دار رکن تو صاف ادا ہوں گے لیکن بغیر بل کے بھینچ سکڑ کر ایک دوسرے میں سما جائیں گے مخفف ہو جائیں گے۔ پہلی نوع میں کتنا ہی تیز بولا جائے بل دار اور بغیر بل کے صوت رکنوں کو برابر سکوڑا جائے گا اور دونوں واضح ملفوظ ہوں گے۔

یقیناً ہماری زبان ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں۔ اس کے لیے ایک تیسری نوع قرار دینی ہوگی۔

3۔ تابع طول آہنگ (LENGTH-TIMED-ELYTHM)۔ صوت رکنوں کی جتنی طوالت ہوگی ان کو ادا کرنے میں اتنا ہی وقت لگے گا۔ نظر، گردن، روزگار تینوں الفاظ میں دو دو صوت رکن ہیں لیکن تینوں کی تلفیظ صوت رکنوں کے طول کے برابر وقت لیتی ہے۔

لہجہ اور بل۔ لہجہ سے مراد ACCENT ہے اور بل سے STRESS۔ بعض اوقات عدم احتیاط سے ACCENT کو STRESS معنی میں استعمال کر لیا جاتا ہے لیکن یہ مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ACCENT کو سُر (PITCH) اور بل دونوں کے مجموعے تک محدود کیا جائے۔ دنیا میں زبانوں کے دو قسم کے لہجے ہوتے ہیں۔

بل لہجہ (STRESS-ACCENT)۔ ان میں لفظوں کی تلفیظ میں مختلف صوت رکنوں پر بل کی کمی بیشی ہوتی ہے۔ سُر کا فرق اہم نہیں ہوتا۔ موجودہ ہندیورپی زبانیں بل لہجے والی ہیں۔

سُر لہجہ (PITCH-ACCENT) یا موسیقیانہ لہجہ۔ ان زبانوں میں لفظ کے بیچ سُر کا نشیب و فراز اہم ہوتا ہے بل کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اس کی بہترین مثال چینی زبان ہے۔ ویدک سنسکرت میں بھی کسی حد تک سُر پایا جاتا تھا۔ واضح ہو کہ تلفیظ میں سُر کی کمی بیشی ہر زبان میں ہوتی ہے لیکن سُر لہجے والی زبانیں وہ کہلاتی ہیں جہاں سُر معنوی اعتبار سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔

بَل:۔ ہم بولتے وقت لفظ کے ہر رُکن کی تلفیظ میں برابر قوت صرف نہیں کرتے۔ قوت کی کمی بیشی سے بَل کا تعین ہوتا ہے۔ اس کا جسمانی عمل حسب ذیل ہوتا ہے۔

1- پیٹ کی جھلی (DIAPHRAGM) اور پسلیوں کے بیچ کے عضلات (Inter Costal Muscles) زیادہ زور لگاتے ہیں۔

2- پھیپھڑوں سے ہوا کی زیادہ مقدار خارج کی جاتی ہے۔

3- تمام اعضائے نطق زیادہ تناؤ کے ساتھ تلفیظ کرتے ہیں۔

4- چونکہ بَل دار رکن کی تلفیظ میں پھیپھڑوں سے زیادہ ہوا نکلتی ہے اس لیے مصیتی آوازوں کی تلفیظ میں صوتی تار اور زیادہ تن جاتے ہیں اور ان میں ارتعاش اور زیادہ ہوتا ہے جس سے آواز قدرے زیادہ بلند ہو جاتی ہے۔

بَل کو دو مماثل اوصاف سُر کی بلندی اور صوت رکن کے نمایاں پن سے خلط نہیں کرنا چاہیے۔ بَل دار رکن یا لفظ میں سُر کی بلندی لازمی نہیں۔ سینے کی ہوا جب صوتی تاروں کی تنگنائے سے باہر نکلتی ہے تو ان تاروں میں کپکپاہٹ ہوتی ہے۔ یہ کپکپاہٹ جتنی زیادہ ہوگی آواز اتنی ہی بلند ہو جائے گی۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا بَل نام ہے تنفس کے شدت سے خارج ہونے کا۔ یہ پھیپھڑوں کا عمل ہے۔ سُر کی بلندی صوتی تاروں سے متعلق ہے اس لیے دونوں میں سبب اور نتیجے کا تعلق نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب بَل دار رکن کے لیے ہوا زیادہ قوت کے ساتھ زیادہ مقدار میں نکلتی ہے تو اکثر اوقات صوتی تاروں میں بھی زیادہ ارتعاش پیدا کر دیتی ہے جس کی وجہ سے بَل دار رکن میں سُر کی بلندی بھی آ جاتی ہے لیکن یہ ہمیشہ نہیں ہوتا۔ لفظ 'سہاگو' میں پہلے رکن پر بَل ہے۔ ہم سرگوشی کے انداز میں اس لفظ کو بَل کی غیر معمولی شدت کے ساتھ بول سکتے ہیں جس کے باوجود سُر معمول سے بھی نیچا رہے گا یعنی بَل کا بغایت فراز سُر کی بغایت پستی کے ساتھ وقوع ہو سکتا ہے۔

سُر کے علاوہ بَل سے مماثل دوسرا وصف آوازوں کی نمایانی ہے جس کا ذکر صوت رکن کی تعین کے سلسلے میں کیا گیا۔ کچھ آوازیں دوسری آوازوں کی نسبت زیادہ نمایاں ہوتی ہیں ان میں نسبتاً زیادہ گونج (SONORITY) ہوتی ہے جس کی وجہ سے یہ زیادہ دور سے سنائی دیتی ہیں۔ رکن آوازوں کا وہ سلسلہ ہے جس میں اس نمایاں پن یا گونج کی ایک چوٹی ہو۔ پھر لفظ کے تمام ارکان یکساں نمایاں نہیں ہوتے۔ ایک رکن دوسرے

رکن سے زیادہ نمایاں ہو سکتا ہے۔ نمایاں ہونا بل کے مترادف نہیں۔ بل اس کے کئی اسباب میں سے ایک ہے۔ نمایاں ہونا آواز کے جبلی وصف کے علاوہ طول، بل اور سُر کی بلندی میں [1] سے کسی ایک یا کئی عناصر کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ بل مفرد وصف ہے۔ لفظ 'آسمان' میں دو صوت رکن ہیں اور ظاہر ہے کہ دونوں میں نمایاں پن کی ایک ایک چوٹی ہے لیکن بل صرف پہلے رکن پر ہے۔ دوسرے رکن 'مان' کا مصوتہ نمایاں ہے لیکن بل دار نہیں۔

بل کی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔

1۔ **آزاد بل** (FREE STRESS):- لفظ کی تصریف میں بل ایک صوت رکن سے ہٹ کر دوسرے صوت رکن پر چلا جاتا ہے مثلاً سنسکرت میں مفعولی حالت میں 'پاد' پر بل ہے لیکن اضافی حالت میں 'پدس' ہو کر 'دس' پر بل دیا جاتا ہے۔

2۔ **متعین بل** (FIXED STRESS):- بعض زبانوں میں لفظ کے ارکان کا بل تصریف کی صورت میں نہیں بدلتا۔ اسے متعین بل کہتے ہیں مثلاً لیٹن، کلٹی اور بڑی حد تک ٹیوٹانی زبانوں میں۔ واضح ہو کہ یہ صورتِ حال قطعی نہیں۔ بعض موقعوں پر ان زبانوں میں بھی بل منتقل ہو جاتا ہے۔

بعض ماہرین نے بل کی دو اور قسمیں کی ہیں۔

ا۔ **معروضی بل** (OBJECTIVE)۔ یہ وہ ہے جو سننے والے کو محسوس ہو۔ بیشتر زبانوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

ب۔ **موضوعی بل** (SUBJECTIVE)۔ یہ محض ایک نفسیاتی کیفیت ہے۔ یہ تلفظ میں ادا نہیں ہوتا اس لیے سننے والے کو محسوس نہیں ہوتا۔ ہاں جو اہلِ زبان ہیں یا اس کے مزاج کا کما حقہ عرفان رکھتے ہیں وہ شناخت کر سکتے ہیں کہ یہ بل کہاں پڑے گا۔ جنوبی افریقہ کی تسوانا (tswana) زبان میں اس قسم کا بل پایا جاتا ہے۔

بل کے اعتبار سے زبانوں کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں۔

---

[1] Daniel Jones:- An outline of English Phonetics Ed 56 P297

1- وہ زبانیں جن میں بل کا وقوع معنی کی تعیئن میں اہم ہے یعنی لفظ کے ایک صوت رکن سے بل کو دوسرے صوت رکن پر منتقل کر دیا جائے تو معنی میں فرق ہو جائے گا۔ ایسا ہر لفظ میں نہیں ہوتا کچھ لفظوں میں ہوتا ہے۔ ایسی زبانوں میں انگریزی، جرمن اطالوی، اسپینی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ انگریزی میں بہت سے لفظ ایسے ہیں جو اسم کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں فعل کے طور پر بھی مثلاً

Present, Permit, Pervert, Conflict, Increase

جب یہ اسم ہوتے ہیں تو ان کے پہلے صوت رکن پر بل ہوتا ہے۔ جب یہ فعل ہو جاتے ہیں تو دوسرے صوت رکن پر۔ اطالوی میں لفظ canto کے پہلے رکن پر بل ہو تو اس کے معنی ہیں 'میں گاتا ہوں'۔ دوسرے پر بل ہو تو معنی ہوئے 'اس نے گایا'۔ Principi کے پہلے رکن پر بل ہو تو اس کے معنی شہزادے (Princes) ہوتے ہیں اور دوسرے رکن پر بل کے ساتھ اس کا مفہوم اصول (Principles) ہوتا ہے۔

2- وہ زبانیں جن میں بل کا وقوع مفہوم کی تعیئن میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اسے کہیں بھی رکھ دیجئے معنی میں فرق نہ آئے گا۔ ہاں تلفظ اکھڑا اکھڑا اجنبی سا محسوس ہوگا۔ ہندوستانی زبانیں فارسی اور فرانسیسی اس قسم کی ہیں۔ اردو میں 'آنا' کے پہلے صوت رکن پر بل ہے۔ اگر کوئی پہلے کی بجائے دوسرے صوت رکن پر بل دے کر بولے تو معنی وہی رہیں گے ہاں اہلِ زبان کا سا تلفظ نہ ہوگا۔

بل کی رو سے زبانوں کی دو اور قسمیں کیجیے۔

1 وہ زبانیں جن میں بل کے وقوع کا کوئی اصول نہیں یعنی یہ طے نہیں کہ ایک ہی ساخت کے الفاظ میں بل کہاں آئے گا مثلاً انگریزی میں ذیل کے الفاظ میں پہلے صوت رکن پر بل ہے۔

Going, Spoken, Phonene

اور ذیل کے الفاظ میں دوسرے صوت رکن پر بل ہے۔

Obtain, Because, Above

انگریزی میں الفاظ کے وقوع میں اس قدر بے اصولی ہے کہ بقول ڈینیل جونز[1] اس

---

[1] An out Line of English Phonetics P. 284

کے کوئی قواعد مرتب ہی نہیں کیے جاسکتے۔ فرنچ کے علاوہ بیشتر یورپی زبانیں اسی قسم کی ہیں۔

2. وہ زبانیں جن میں بَل کے وقوع کے قواعد متعین ہیں مثلاً ہند آریائی زبانیں، فرنچ، کلاسکی، لاطینی، ہنگیرین (مگیار)۔ اردو کے بَل کے اصول آگے پیش کیے جائیں گے۔ فرنچ میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ بَل کا وجود ہی نہیں۔ لفظ یا بعض اوقات لفظوں کے مرکب کے آخری صوت رکن پر قدرے زیادہ بَل ہوتا ہے بقیہ سب یکساں نحیف بَل کے ساتھ ادا کیے جاتے ہیں۔ کلاسیکی لاطینی میں اگر لفظ کا آخری سے پہلا صوت رکن طویل ہوتا تھا تو اس پر بَل ہوتا تھا۔ اگر وہ طویل نہ ہوتا تھا تو آخری سے پہلے سے پہلے صوت رکن پر بل دیا جاتا تھا۔ ہنگیرین میں پہلے صوت رکن پر بہت زیادہ بل ہوتا ہے اس کے بعد طاق نمبر کے صوت رکنوں پر بَل کی مقدار بتدریج کم ہوتی جاتی ہے جب کہ جفت نمبر کے رکنوں پر بل بالکل ہی نہیں ہوتا۔ یعنی پہلے رکن پر سب سے شدید بَل، تیسرے پر اس سے کم، پانچویں پر اس سے بھی کم جب کہ دوسرے اور چوتھے پر بالکل نہیں ہوتا۔

اوپر دو بنیادوں پر زبانوں کی تقسیم کی گئی۔ ان دونوں کی پہلی قسم ایک دوسرے کے مطابق ہیں اور دوسری قسم بھی ایک دوسرے سے مطابقت رکھتی ہیں یعنی جن زبانوں میں بَل کا وقوع پہلے سے متعین اور باضابطہ ہوتا ہے ان میں بل فونیمی حیثیت نہیں رکھتا۔ جن زبانوں میں اس کی فونیمی حیثیت ہے وہاں یہ بے ضابطہ اور من مانے طریقے پر آتا ہے۔

مختلف زبانوں میں بَل کی شدّت میں خاصا فرق ہوتا ہے۔ بعض زبانوں مثلاً فرنچ میں یہ نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ بعض دوسری زبانوں مثلاً ہنگیرین میں یہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ انگریزی ان دو انتہاؤں کے بیچ ہے اور اردو انگریزی سے بھی نیچے۔ انگریزی میں بھی انگریز امریکیوں سے زیادہ بَل دے کر بولتے ہیں۔ اہل زبان کی انگریزی سنیے تو بار بار بَل کی چوٹیاں محسوس ہوں گی۔ ہنگیرین میں ایک ہی لفظ کے صوت رکن پر بَل کا نشیب و فراز اور زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں اردو ہندی میں بَل نسبتاً ہموار ہوتا ہے۔ پنجابی میں اردو کی نسبت زیادہ بَل کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔

بَل کے مختلف درجے کیے گئے ہیں۔ صوتیات کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ

مدارج متعدد ہو سکتے ہیں مثلاً انتہائی شکل وہ ہوگی جو بعض اوقات جذبے کی شدت میں استعمال ہوتی ہے مثلاً چیخ کر کہنے میں بھاگو یہاں سے SHUT UP میں پہلے صوت رکن پر۔ اس غیر معمولی صوت کو فی الحال نظر انداز کر سکتے ہیں۔ فونیمیات میں دو سے چار مدارج تک کو اہم قرار دیا جاتا ہے۔ اس باب میں ہمیں فونیمی نقطۂ نظر سے بَل کی گرفت نہیں کرنی ہے لیکن اس کی مدد سے بَل کی قسمیں طے کرنے میں ہماری رہنمائی ہوگی۔

بَل کی کچھ نہ کچھ مقدار ہر رکن پر ہوتی ہے کیونکہ ہر رکن کی ادائیگی میں کسی قدر طاقت تو صرف ہوتی ہی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ رکن کی ادائیگی میں یکساں طاقت بروئے کار نہیں آتی یعنی بَل کے مختلف درجے ہوتے ہیں۔ اس طرح ایک لفظ میں جتنے رکن ہوں گے اتنے ہی بل کے درجات ہوں گے مثلاً ڈینیل جونز نے انگریزی لفظ Apportunity کے پانچ ارکان پر بَل کے پانچ مختلف درجے متعین کیے لیکن بعد میں اس موشگافی کو خود ہی ترک کر دیا۔ بل کے بہت سے مدارج کا تعین ناقابل عمل بھی ہے غیر ضروری بھی۔ انگریزی میں ٹریگر اور اسمتھ نے بَل کے چار درجے قرار دیے ہیں جن کی تقلید گلیسن اور کئی دوسرے اہل قلم کرتے ہیں یعنی پہلا یا خاص بل، ثانوی بَل ثلثی بل اور نحیف بَل یعنی بَل کا فقدان۔ ان کا ثانوی بل خاص بل سے قدرے نحیف یا اس کی وہ ترمیم شدہ شکل ہے جو مرکب لفظ میں انصال کے لعد آتی ہے۔ ان جزئیات کے بارے میں مزید تفصیلات انگریزی کتب میں مل سکتی ہیں۔

بعض دوسرے اہلِ قلم نے بَل کے تین درجے قرار دیئے ہیں۔ قوی، درمیانہ اور نحیف۔ نحیف سے مراد بَل کا عدم وجود ہے۔ قوی بل کو خاص بل اور درمیانہ کو ثانوی کہہ سکتے ہیں۔ ثانوی بَل کئی صوت رکنوں والے الفاظ میں واقع ہوتا ہے۔ قدیم رومانس زبانوں مثلاً اطالوی ہسپینی پرتگالی اور رومانیائی میں فونیمی حیثیت سے بل کے صرف دو درجے قوی اور نحیف ہیں صوتی حیثیت سے بعض زبانوں مثلاً اطالوی میں ایک درمیانہ بل بھی ملتا ہے لیکن اس کا وقوع اتنا باقاعدہ ہے کہ اسے خاص بَل کا ہم صوت کہہ سکتے ہیں۔

تحریر میں بَل کے دکھانے کے کئی طریقے ہیں۔ صوت رکن کے اوپر ایک ہلکی سی لکیر سے اس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ٹریگر اور اسمتھ اور ان کے متعلقہ انگریزی کے چار درجوں کو یوں ظاہر کرتے ہیں۔ بائیں سے دائیں پڑھیے

نحیف ثلثی ثانوی خاص

نحیف کا نشان بالائی نیم قوس اکثر حذف کر دیا جاتا ہے اور صرف تین نشان کام میں لائے جاتے ہیں۔ جہاں بَل کے تین درجے ہوتے ہیں وہاں یہ نشان استعمال کیے جاتے ہیں۔

خاص ثانوی نحیف

یہاں بھی نحیف کو بل کا فقدان مان کر حذفِ نشان سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس طرح بَل دو قسم کے ہوئے خاص اور ثانوی جو بالائی زبر کی دو کششوں سے ظاہر کیے جاتے ہیں۔ اردو رسم الخط میں چونکہ لفظ کے تمام صوت رکن ملے جلے لکھے جاتے ہیں اس لیے ان میں بَل کی نشان دہی بہت مشکل ہے۔ جہاں کہیں یہ ضروری ہو وہاں لفظ کے مختلف رکنوں کو منقطع لکھ کر ان پر بَل کے نشان لگانے چاہئیں۔

انگریزی میں بَل کے چار فونیم ہیں۔ اردو میں بَل مفہوم پر اثر انداز نہیں ہوتا اس لیے اس کی اس قدر اہمیت نہیں لیکن اس کا وجود ہے ضرور۔ اگر اردو میں بل مفہوم سے بے تعلق ہے تو اس کا مطالعہ کیوں کیا جائے؟ اس کے وقوع کے اصول دریافت کرنے میں کیوں وقت ضائع کیا جائے؟ سچ یہ ہے کہ الفاظ کے صحیح تلفظ میں بل کی بڑی اہمیت ہے۔ جنھوں نے کسی غیر زبان والے مثلاً روسی یا انگریز کو اردو بولتے سنا ہوگا انھیں اس کا تجربہ ہوگا کہ اکثر الفاظ کا تلفظ صحیح ہونے کے باوجود بات کچھ اکھڑی اکھڑی سی محسوس ہوتی ہے۔ یہ ناہمواری لفظ کے ارکان میں بل کے غلط استعمال کا نتیجہ ہے۔ ولایت اور امریکہ جانے والے ہندوستانیوں کو کبھی کبھی یہ تلخ تجربہ ہوتا ہے کہ بڑی فصیح انگریزی بولنے کے باوجود ان کے بعض الفاظ یا فقرے اہل زبان کے لیے ناقابل فہم رہتے ہیں۔ یہ سب غلط ارکان پر بل دینے کا نتیجہ ہے۔

اردو الفاظ میں بَل کے وقوع کے اصول سب سے پہلے ڈاکٹر زور[1] نے اور ان کے بعد ڈاکٹر مسعود حسین[2] خاں نے پیش کیے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ دونوں کتابیں پیرس کی سرزمین پر وجود میں آئیں۔ ہندی میں ساگر یونیورسٹی کے شعبۂ لسانیات کے ڈاکٹر رمیش[3] چندر مہروترا

---

[1] Hindustani Phonetics 1930. PP 108-112

[2] A Phonetic A and Phonological Study of Word in Urdu 1954, P.P. 21-26

[3] ہندی میں بلاگھات اور مسٹر لر۔ مضمون مشمولۂ راج رشی ابھی نندن گرنتھ ص 452 تا 453

نے اس موضوع پر غور کیا ہے۔ ان حضرات نے بل کو خاص اور ثانوی میں تقسیم نہیں کیا۔ صرف ایک قسم کے بل سے سروکار رکھا ہے۔ ڈاکٹر زور نے بعض دو رکنی الفاظ میں دونوں ارکان پر یکساں بل قرار دیا جو اصول اور واقعہ دونوں کے خلاف ہے ڈاکٹر مسعود حسین نے اسے بجا طور پر رد کر دیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ایک دو اضافوں کے ساتھ ڈاکٹر زور کے اصولوں پر اکتفا کی ہے۔ ان دونوں حضرات نے بل کی جو تعیین کی ہے مجھے اس کے بیشتر حصے سے اتفاق ہے لیکن میری رائے میں دو اور تین رکنی الفاظ کا بل صرف تین اصولوں میں سمیٹا جاسکتا ہے جس کے لیے ڈاکٹر زور نے 32 اصول درج کیے ہیں۔ مندرجہ بالا دونوں حضرات کے نتائج سے مجھے بہت کم اختلاف ہے لیکن ڈاکٹر مروترا کے تجزیے سے کہیں بھی اتفاق نہیں۔

اردو الفاظ میں بل صوتی رکن کے طول سے متعلق ہے۔ اس اعتبار سے رکن کی تین قسمیں کی جاسکتی ہیں۔

1۔ ایک ماترا کا رکن مثلاً ادھر، جدھر کا پہلا رکن

2۔ دو ماتراؤں کا رکن مثلاً اِس، جِس، اوّل اور کوا کا پہلا رکن، آ، جا۔

3۔ تین ماتراؤں کا رکن مثلاً آم، نام، راست، امن، دست، ناؤ وغیرہ

بل کے سلسلے میں اوّل دو کلیے درج کیے جاتے ہیں۔

1۔ ایک ماترا کا رکن ہمیشہ بغیر بل کا ہوگا۔

2۔ ایک لفظ میں دو مسلسل ارکان پر بہ یک وقت خاص بل نہیں آسکتا۔

ایک رکنی لفظ اگر تنہا استعمال کیا جائے تو اس پر خاص بل ہوگا لیکن جملے کے اندر صرف اہم الفاظ پر بل ہوتا ہے غیر اہم پر نہیں۔ دو اور تین رکنی الفاظ کے خاص بل کو تین کلیوں میں پابند کیا جاسکتا ہے۔

1۔ اگر ایک رکن بقیہ سے زیادہ طویل ہے تو اس پر خاص بل ہوگا۔

2۔ اگر ایک سے زیادہ ارکان بقیہ سے زیادہ طویل ہیں تو ان طویل ارکان میں آخری سے سے پہلے رکن پر بل ہوگا مثلاً تیمار دار میں مار پر۔ پرہیزگار میں ہیز پر

3۔ اگر سب ارکان برابر طویل ہیں تو آخری سے پہلے رکن پر بل ہوگا۔

یہی اصول عموماً چار رکنی الفاظ پر بھی چسپاں کیے جاتے ہیں۔ ثانوی بل عموماً خاص بل والے

رکن سے دور رکن پہلے آتا ہے۔ یہاں بل کے وقوع کے مفصل اصول درج کرنا بے موقع ہوگا۔ یہ راقم الحروف کی کتاب لسانی مطالعے میں بل اور زور کے مضمون میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ مرکب ہونے کی شکل میں بعض الفاظ کا بَل بدل جاتا ہے اسی طرح جملے میں استعمال سے بھی لفظوں کے بل میں تبدیلی ہو جاتی ہے کیونکہ بعض چھوٹے الفاظ مل کر ایک طویل لفظ کا انداز اختیار کر لیتے ہیں اور ان کے مجموعے پر ملا کر بل کے اصول کا اطلاق ہوتا ہے۔ لفظوں کے اندرونی بل کی طرح جملے کا اندرونی بل بھی دریافت کیا جا سکتا ہے۔ جملے کے نقطۂ نظر سے بعض الفاظ پر بل ہوگا اور بعض معنوی اعتبار سے غیر اہم الفاظ بغیر بل کے کہلائیں گے۔ بل کے اثر سے آوازیں کسی قدر متاثر ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری[1] نے یہ اثرات شمار کرائے ہیں۔ اردو الفاظ کے متعلق یہ اصول حسب ذیل ہیں۔

1۔ بل دار رکن کا مصوتہ معمول سے کسی قدر طویل ہو جاتا ہے۔

2۔ بل دار رکن کا مصمتہ بھی نامعلوم حد تک طویل تر ہو جاتا ہے۔

3۔ بل شدید ہو تو سُر بھی اکثر بلند ہو جاتا ہے۔

4۔ بل دار رکن یا آواز میں ہوا کسی قدر زیادہ مقدار میں نکلتی ہے۔ اس لیے اگر غیر ہکاری مصمتے پر بل دیا جائے لیکن سُر کو اسی مناسبت سے بلند نہ کیا جائے تو غیر ہکاری آواز ہکاری جیسی ہو جاتی ہے مثلاً کیا بتاؤں، میں 'کیا' پر زیادہ بل دیا جائے تو 'کیا' کا تلفظ 'کھیا' جیسا ہو جائے گا۔

5۔ بل دار آوازیں بغیر بل کی آوازوں کے مقابلے میں کسی قدر تنی ہوئی (Fortis) ہوتی ہیں۔

سُر اور سُر لہر۔ انگریزی میں سُر کو Tone یا Pitch کہتے ہیں اور سُر لہر کو Intonation سُر صوتی تاروں میں کپکپاہٹ کی کمی بیشی سے ظہور میں آتا ہے۔ صوتی تار جتنے تنے اور اکڑے ہوتے ہیں اور ان کے بیچ جتنا کم راستہ رہتا ہے اسی مناسبت سے ان میں لرزش زیادہ ہوتی ہے اور اس سے آواز بلند ہو جاتی ہے۔ جس طرح ستار کے تار جتنے زیادہ کسے ہوتے ہیں اتنی ہی وہ زیادہ آواز دیتے ہیں اور ڈھیلے تار کم۔ بالکل یہی صوتی تاروں کا حال ہے۔ ہم پورے جملے اور اکثر پورے لفظ کو بھی ایک سُر میں نہیں بولتے۔

---

[1] بھاشا وگیان طبع چہارم ۱۹۶۲ء ص 345

سُر کی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ اگر پورا صوت رکن ایک ہی سُر میں ادا کیا جائے تو اسے مطّح سُر (Level Tone یا Register Tone) کہتے ہیں۔ اگر ایک صوت رکن کی تلفیظ میں سُر کی تبدیلی ہو تو اسے لہراتا سُر (Contove Tone یا Gliding Tone) کہتے ہیں۔

بل کی طرح سُر چند زبانوں میں با معنی ہوتا ہے۔ انھیں تان زبانیں Tone languages کہتے ہیں۔ ان کی بہترین نمائندہ چینی ہے۔ ان میں ایک صوت رکن کی ادائیگی میں بھی سُر کی تبدیلی ہوتی ہے۔ سُر کے تین بنیادی امکان ہیں۔ سطحی۔ گراؤ اور اُٹھاؤ۔ ان کی آمیزش سے مرکب سُر بن سکتے ہیں مثلاً سطحی اٹھاؤ۔ سطحی گراؤ۔ اٹھاؤ گراؤ۔ گراؤ اٹھاؤ وغیرہ۔ اس طرح چینی میں ایک لفظ (جو بالعموم ایک صوت رکن کا ہوتا ہے) کو مختلف سُروں میں بول کر مختلف معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ باڈمر کے مطابق چینی زبان میں ایک لفظ کو سُروں کے ہیر پھیر سے 98 مفاہیم میں لیا جاتا ہے۔

دنیا کی بیشتر زبانوں میں سُر امتیازی نہیں ہوتا لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم پورا کلام یا بعض اوقات پورا لفظ بھی ایک سُر میں نہیں بولتے۔ موسیقی میں سُروں کے متعدد درجے کیے جاتے ہیں مثلاً سات، آٹھ، 11، 22 وغیرہ۔ بول چال میں تین چار درجے ہی کرنا مفید ہے۔ ان میں پہلا درجہ نیچا، دوسرا اوسط، تیسرا اونچا اور چوتھا بہت اونچا ہے۔ چوتھے سُر درجے (Bitch Level) کا استعمال کم ہوتا ہے۔ عام طور پر تین درجے ہی کام میں لائے جاتے ہیں۔ سُر درجوں کا تعلق صوتیات کی بجائے فونیمیات سے زیادہ ہے۔ ان کے اظہار کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ یا رکن کے اوپر سُر درجے کا ہندسہ لکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد آگے چل کر جس لفظ یا صوت رکن پر سُر درجہ بدلے گا وہاں دوسرا ہندسہ لکھا جائے گا۔ کلام کے تمام صوت درجوں کو ملا کر سُر لہر کہتے ہیں۔

مختلف زبانوں میں سُر درجوں کا نظام مختلف ہوتا ہے۔ فرنچ میں عموماً کلام میں ابتدا میں سُر سب سے نیچا ہوتا ہے جو بتدریج بڑھتا جاتا ہے۔ جملے کے اختتام سے کچھ قبل یہ سب سے اونچا ہوتا ہے اور اس کے بعد یکایک گر جاتا ہے۔ اطالوی میں یہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ انگریزی میں لہر کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ مختلف زبانوں میں ایک کلام کے سُر درجوں کا پھیلاؤ بھی مختلف ہوتا ہے مثلاً امریکیوں کے مقابلے میں انگریزوں کی انگریزی بول چال

میں سُر کا نشیب و فراز زیادہ ہوتا ہے اور اطالوی میں یہ اور بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس طرح امریکی کسی اطالوی کو بولتے سنیں تو یہ محسوس کریں گے کو وہ بولنے کی بجائے گا رہا ہے۔ اطالوی کسی امریکی یا انگریز کو بولتے سنے گا تو یہ کہے گا کہ یہ یکساں سُر ہی میں بول رہا ہے۔

یکساں سُر (Monotone) کا انداز چار صورتوں میں ہوتا ہے

1۔ جب کسی جذبے مثلاً طیش میں آدمی بہت بلند آواز میں چلّا کر بولے تو مختلف صوت درجے مدّھم یا ختم ہو جاتے ہیں۔ دراصل اس بلند آواز میں بھی سُر درجے قائم کیے جا سکتے ہیں لیکن وہ عام سپتک (Octone) سے زیادہ بلند سپتک میں ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ چار مدارج نہ ہو کر دو یا تین ہی رہ جائیں۔

2۔ بہت آہستہ سازشی انداز میں بات کی جائے تو بھی سُر درجے پگھل جاتے ہیں۔

3۔ اگر سرگوشی کے انداز میں بولا جائے تو چونکہ صوتی تار جھنیاں ہی نہیں ہوتے اس لیے آواز کی بلندی پستی کا سوال نہیں۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ سرگوشی میں بولنے پر بھی سُر کا نشیب و فراز ممکن ہے یا محسوس ہوتا ہے یہ نشیب و فراز کیونکر واقع ہوتا ہے اس کا علم نہیں۔

4۔ دروغ گیر آلہ (Lie detector) کے سامنے سوال کرنے والا شخص یکساں بے رنگ سُر میں بولتا ہے، تاکہ جواب دینے والے کو اندازہ نہ ہو سکے کہ کونسا سوال غیر اہم ہے اور کون سا اسے گرفت میں لے آئے گا۔ ایسے سوالوں کو پورے کا پورا دوسرے سُر درجے میں ادا کیا جاتا ہے۔

سُر درجے کے ساتھ کی دوسری چیز اختتامی خط (Terminal Contone) ہے۔ یہ کلام یا فقرے کے خاتمے کا صوتی درجہ ہوتا ہے۔ یہ مسطح، گراؤ یا اُٹھاؤ ہو سکتا ہے۔ اس کا تعلق فونیمیات سے ہے۔

موسیقی میں عام بول چال کے سُر اور سُر لہر بالکل بدل جاتے ہیں۔ لسانیات میں موسیقی کے سروں سے تعلق نہیں معمول کی بول چال کے معمولی سروں سے سروکار ہوتا ہے۔

زور (Emphasise) ۔ صوتی عمل کے طور پر زور کا ذکر صرف ڈینیل جونز نے کیا ہے چنانچہ اسی کے مطابق اس کی تفصیلات درج کی جاتی ہیں۔

بعض اوقات کسی مفہوم میں شدت لانے کے لیے کلام میں ایک لفظ پر زور دیا جاتا ہے۔ لفظ میں زور پیدا کرنے کے تین طریقے ہیں۔

1۔ سر کو بہت بلند کر دینا

2۔ بل کو بہت شدید کر دینا

3۔ مصوتے یا کبھی کبھی مصمتے کو بہت طویل کر دینا۔

ان میں سے کوئی ایک، دو یا تینوں عمل بروئے کار لائے جا سکتے ہیں۔ جملے میں الفاظ کا بل معینہ اصولوں کے مطابق دریافت کیا جا سکتا ہے لیکن زور کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ قائل کی مرضی پر منحصر ہے۔ موٹے طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ زور دو قسم کا ہوتا ہے۔

1۔ ممیز کرنے والا زور۔ اگر کسی لفظ کے مفہوم کو جملے کے بقیہ الفاظ سے ممیز کرنا ہوتا ہے تو اس پر زور دیتے ہیں۔ ذیل کی مثالوں میں جس لفظ پر زور ہے اس کے اوپر دو کھڑی لکیریں بنا دی گئی۔

کیا تم دِلّی" جاؤ گے ؟

کیا تم" دِلّی جاؤ گے ؟

کیا تم دِلّی جاؤ" گے ؟

2۔ شدت ظاہر کرنے والا زور۔ یہ اکثر صفات اور بعض افعال پر لایا جاتا ہے۔ مثلاً۔

بہت" اچھے

بھائی وہ تو کمینہ" ہے

ان بچّوں نے تو مجھے کھا" لیا

زور کو اکثر بل یا سُر کی بلندی سے ظاہر کرتے ہیں۔ شاذ مصوتے یا مصمتے کو لمبا کر کبھی ادا کرتے ہیں۔ مصمتے کے طول کی مثال ملاحظہ ہو۔

کیا گا" نا گایا ہے

وہ دھم" سے کودا

ان مثالوں میں گانا کا "گ" اور دھم کا دم، لمبا کر دیا گیا ہے۔

اتصال (Juncture)۔ جب ہم ایک آواز کے بعد دوسری آواز ادا

کرتے ہیں یا آواز کے بعد سکوت اختیار کرتے ہیں تو ایک عبوری کیفیت (transitional) ہوتی ہے دو آوازوں کے بیچ کبھی کوئی وقفہ ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔ انفصال یا اتصال کی اس کیفیت کو انگریزی میں Juncture کہتے ہیں۔ بلوم فیلڈ اور ہاکیٹ نے اسے Transition کہا ہے۔ ہندی میں اسے سنگم کہتے ہیں۔

اس کی دو خاص قسمیں ہیں کھلا اتصال (Open Juncture یا Plus Juncture) اور بند اتصال (Close Juncture)۔ دونوں کے تضاد کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

کھلا اتصال	بند اتصال
۱۔ دوا پی + لی ہے	۱۔ دوا پیلی ہے
2 دخترِ درزی کا سینہ دیکھ کر جی میں آتا ہے کہ مل + مل دیجئے	2۔ دخترِ درزی کا سینہ دیکھ کر جی میں آتا ہے کہ ململ دیجئے
3۔ نل + کی مرمت کرنے والا آیا ہے	3۔ کتے کی دُم نلکی میں بھی رکھیے تو سیدھی نہ ہوگی
4۔ اب بن + نا (بننا) چھوڑیے	4۔ اس کا بنّا گورا ہے

پیلی، ململ، نلکی اور بنّا میں لفظ کے درمیان کہیں توقف نہیں ہوتا۔ دراصل ایک لفظ میں ایک ساتھ بولی جانے والی تمام آوازوں کے بیچ بند اتصال ہوتا ہے۔ صحیح معنی میں یہی اتصال ہے بقیہ سب انفصال ہیں۔ اسی لیے کھلے اتصال کو ہال نے Disjuncture کہا ہے اور دوسرے لکھنے والے Transition کہتے ہیں۔

کھلے اتصال کی دو قسمیں خارجی کھلا اتصال اور داخلی کھلا اتصال ہیں۔ خارجی کھلا اتصال کلام یا لفظ کی حد ظاہر کرتا ہے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں اختتامی (Terminal) اور نیم خارجی یا فقری یا comma juncture۔

اختتامی اتصال کو ہاکیٹ نے Terminal contone اور گلیسن نے clause terminal کہا ہے۔ یہ کلام کے آخر یا شروع میں آتا ہے۔ ان موقعوں پر آنے والے مصمتوں یا مصوتوں میں بعض ایسی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں جو دوسرے موقعوں پر نہیں ہوتی یعنی

ا۔ لفظ یا جملے کے آخر کے بندشیوں میں سپھوٹ کے بعد رہائی کا عمل نہیں ہوتا مثلاً

کون ہے ؟ ارے آپ ! اس میں پ کے بعد رہائی نہیں ہوتی۔

ب:۔ آخر میں م، ل، ر، ن وغیرہ ہوں تو کسی قدر کھینچ کر بولے جاتے ہیں مثلاً نادان دیکھ

  تو کہ چلا آرہا ہے ۔ کون میں 'کون' کی 'ن' کشیدہ ہے ۔

ج:۔ کھلے اتصال کے بعد یعنی لفظ کی ابتدا میں انگریزی کے p ، t ، k میں ھکاریت شامل ہو جاتی ہے۔

انگریزی، فرنچ، جرمن میں ان نازک صوتی اختلافات کا اچھا مشاہدہ کیا گیا ہے۔ نیم خارجی کھلا اتصال زیادہ دلچسپ ہے۔ اس کے منتقل ہونے سے فقرے کے معنی بدل جاتے ہیں مثلاً

1۔ He will act roughly in the same manner
He will act roughly in the same manner

2۔ حسین مرد + اور عورت
حسین مرد + اور عورت

حالانکہ ہر لفظ کی دونوں حدوں پر کھلا اتصال ہوتا ہے لیکن کاما والا اتصال لفظی حدوں والے اتصال یا وقفے سے زیادہ طویل ہوتا ہے مثلاً اوپر کی انگریزی مثال میں ہر لفظ کے بعد بہت خفیف وقفہ ہوتا ہے لیکن پہلے جملے میں act کے بعد اور دوسرے میں rougly کے بعد طویل تر وقفہ ہوگا۔

خیال ہو سکتا ہے کہ کھلا سنگم ہمیشہ وہیں آتا ہے جہاں ہم تحریر میں بین الفاظ فاصلہ چھوڑتے ہیں گویا یہ لفظوں کی حد ظاہر کرتا ہے۔ لیکن دراصل ایسا نہیں یہ لفظوں کے بیچ بھی آسکتا ہے اور وہاں اسے داخلی کھلا اتصال کہیں گے۔ یہ بہت اہم ہے۔ انگریزی میں اس کی کئی مشہور مثالیں ہیں مثلاً minus کے مقابلے sly + ness۔

کھلے اتصال کی دو مزید قسمیں ہیں اگر یہ دو مارفیموں کے بیچ آتا ہے تو اسے مارفیمی اتصال کہتے ہیں مثلاً Sly + Ness ۔ مل + مل ۔ پی + لی ۔ دیوانہ + تھا اور اچھا + نہ تھا ۔ وغیرہ میں

بعض اوقات یہ ایسے صوت رکنوں کے بیچ بھی واقع ہو سکتا ہے جہاں مارفیمی حد نہیں لیکن تلفظ کی وضاحت کے لیے وقفہ دے کر بولنا پڑتا ہے مثلاً

قر + آن ۔ مے + عاد (میعاد) ۔ بے + عانہ (بیعانہ)

جم + عی + یت (جمعیت) ۔ مس + عود (مسعود)

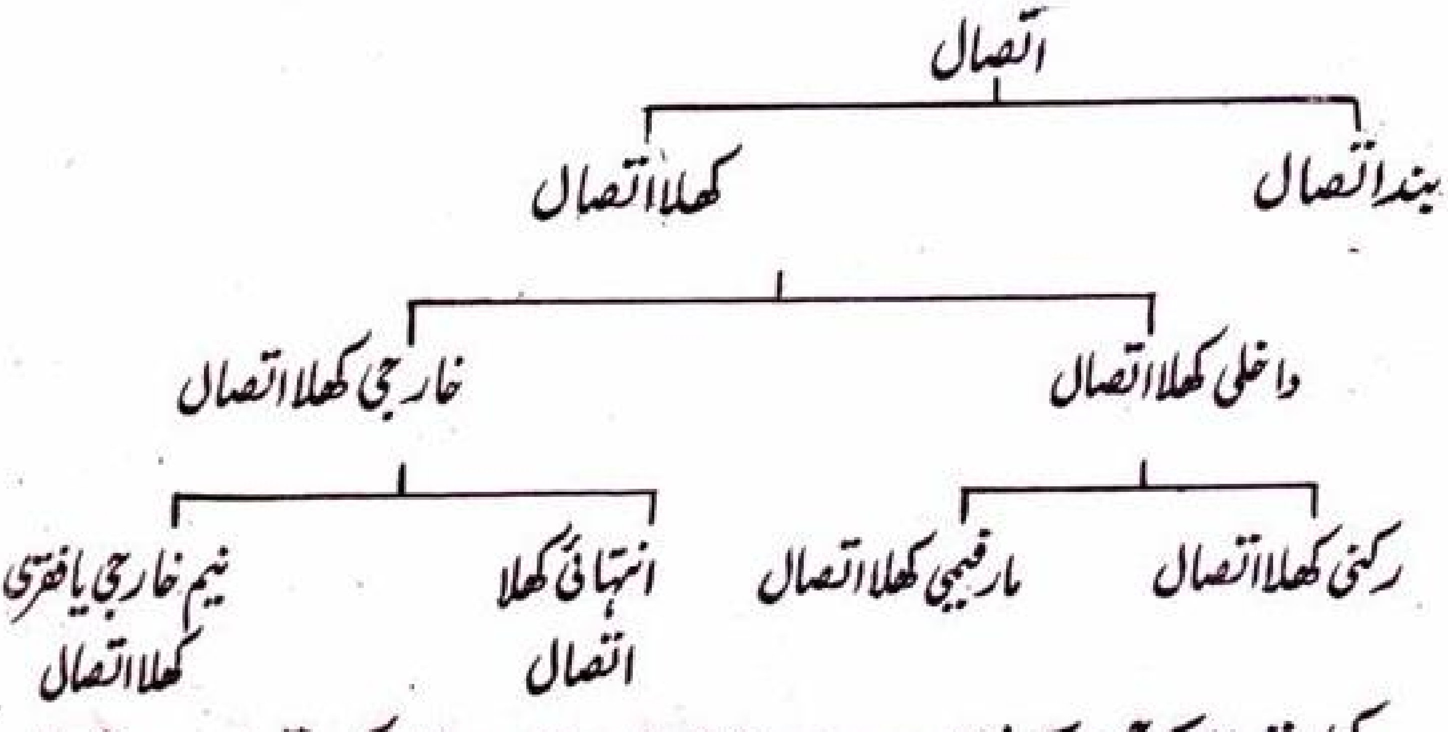
قر + آن اور مس + عود کے بیچ کھلا اتصال ہے جسے داخلی صورت رکنی کہیں گے۔ عام بول چال میں ان الفاظ کو قران اور مسعود بولا جاتا ہے یعنی کھلے اتصال کی جگہ بند اتصال لے آیا جاتا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ کھلا اتصال لفظ کے بیچ بھی آسکتا ہے۔ اس کے برعکس ایسی بھی مثالیں ہیں جہاں لفظوں کی حدوں کے بیچ بھی کھلا اتصال نہ ہو کر بند اتصال بولا جاتا ہے۔ اردو لفظ "نہ" کے بعد ہمیشہ بند اتصال ہوتا ہے یعنی "نہ کر" کہنے میں نہ کے بعد کوئی وقفہ نہیں ہوتا۔ ہاکیٹ نے لکھا ہے کہ اگر ایک لفظ کے آخر اور دوسرے کے شروع میں بغیر بل تنے رکن ہیں تو یہ دونوں لفظ کھلے اتصال کے بغیر ملا کر بولے جائیں گے مثلاً Pirate savannah ۔ ہاں اگر پہلے لفظ کے آخر اور دوسرے کی ابتدا میں مصوتہ ہو تو پھر کھلا اتصال در آئے گا۔ ہاکیٹ کے مطابق قدرے تیز بولنے میں ذیل کے الفاظ بھی ملا کر یعنی بند اتصال کے ساتھ بول دیے جاتے ہیں۔

find her lose her. The nine of spades

حقیقت یہی ہے کہ رواں بول چال میں لفظوں کے بیچ کئی کھلے اتصال غائب ہو کر بند اتصال میں بدل جاتے ہیں۔

خلاصے کے طور پر ہم اتصال کی قسموں کو ذیل کے چارٹ میں پیش کر سکتے ہیں۔



کھلے اتصال کو جمع کے نشان سے اور شاذ Dash سے ظاہر کرتے ہیں۔ بند اتصال

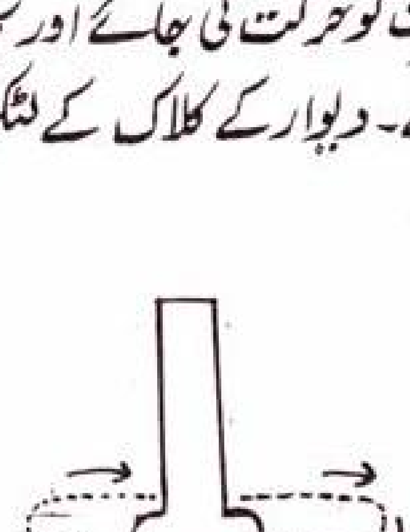
کے لیے کوئی نشان نہیں لگایا جاتا۔

سمعیاتی صوتیات:۔ تلفظی صوتیات نے انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کی ابتدا میں بہت ترقی کی۔ اس وقت بھی بعض لوگوں کو محسوس ہوا کہ آوازوں کی گروہ بندی کو تلفظی اعضا کا تابع بنانا سو فی صدی صحیح نہیں۔ مشہور ہے کہ پیش (ملاء) کی آواز کی تلفیظ کے لیے ہونٹ مدوّر ہونے چاہئیں لیکن میں کشیدہ ہونٹوں کے ساتھ بھی لفظ ڈر ادا کر سکتا ہوں اور اس میں مصوتے کی آواز صحیح ہوگی۔ اس صورت حال سے غیر مطمئن ہو کر لسانی محققوں نے زیادہ صحیح اور قطعی طریقۂ کار کی جستجو کی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران مشینوں سے آوازوں کے عکس لیے گئے اور اُن کا تجزیہ کیا گیا جس کے نتیجے میں سمعیاتی صوتیات وجود میں آئی۔ اس میں یہ مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ آواز ہوا کے دوش پر کس طرح سفر کرتی ہے اور مختلف آوازوں کا کیا روپ رنگ ہوتا ہے۔

اردو والوں میں محض ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اس شاخ کا درس لیا ہے اور اس پر امریکہ میں کام کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا مضمون اردو آوازوں کی نئی درجہ بندی مشمولہ نذرِ ذاکر ملاحظہ ہو۔ ذیل میں انھیں اور سلجھا کر درج کیا جاتا ہے۔

آواز لہروں کی شکل میں آگے بڑھتی ہے۔ یہ لہریں 1100 تا 1200 فٹ فی سیکنڈ کی رفتار سے بڑھتی ہیں۔ ان لہروں کی دو خصوصیات ہمارے لیے قابلِ توجہ ہیں۔

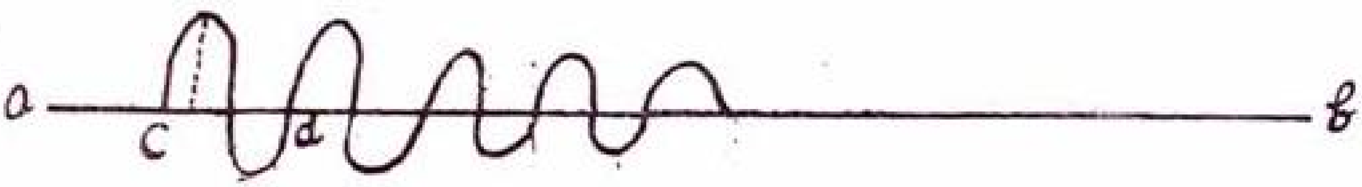
یہ لہریں ایک قسم کی تھرتھراہٹ کے انداز میں پھیلتی ہیں۔ اس تھرتھراہٹ کی ایک اکائی کو سائکل کہتے ہیں۔ ایک نقطے یا خط سے ایک طرف کو حرکت کی جائے واپس پھر مرکز کی طرف آ کر دوسری طرف کو حرکت کی جائے اور پھر مرکز پر واپس آئیں۔ اس پورے عمل کو ایک سائکل کہا جاتا ہے۔ دیوار کے کلاک کے لٹکن کو پکڑ کر ہلا دیا جائے تو اس کے دورے کی یہ شکل ہوگی۔



یہ پوری گردش ایک سائکل ہے۔ ایک سیکنڈ میں جتنی گردش ہوں گی اُتنی سائکل

فی سیکنڈ یہ لٹکن مرکز سے ہٹ کر ایک طرف کو جتنی دور تک جاتا ہے اس فاصلے کو Amplitude کہتے ہیں۔

وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ پورا عمل سست پڑتا جاتا ہے۔ ابتدا میں لٹکن جتنی دور تک گیا تھا بعد میں اس سے کم دور جائے گا۔ اور یہ فاصلہ طے کرنے میں زیادہ وقت لگے گا۔ آخر آخر کمی اور سستی کے ساتھ ساتھ جنبش بالکل ہی ختم ہو جائے گی۔ اس عمل میں بتدریج لٹکن کی CPS اور Amplitude گھٹتی چلی گئی۔ بالکل یہی کیفیت صوتی لہروں کی ہے۔ ان کی روش کا یہ اندازہ ہے۔



a b وقت کا محور ہے۔ e d ایک سائکل ہے۔ ٹوٹی ہوئی لکیر Amplitude ظاہر کرتی ہے CPS سے آواز کا سُر متعین ہوتا ہے اور Amplitude سے شدت (intensity)۔ یہ دونوں زیادہ ہوں گی تو آواز زوردار ہوگی کم ہوں گی تو مدّھم ہوگی۔

عام طور پر انسان چند CPS سے لے کر 20 ہزار CPS تک کی آواز سن سکتا ہے لیکن بول چال میں 90 سے لے کر دس ہزار CPS تک ہو سکتی ہیں۔ ان میں 200 سے 2000 تک کی آواز زیادہ صاف ہوتی ہے۔ گفتگو کا بیشتر حصہ ایک ہزار CPS سے کم ہوتا ہے لیکن ایک ہزار سے کچھ اوپر کی آواز واضح ترین ہوتی ہے 4200 CPS سے اوپر کی آواز سامعہ کے لیے تکلیف دہ ہوتی ہے۔

چونکہ آدمی ایک ہی سُر میں نہیں بولتا اس لیے گفتگو میں کئی صوتی لہریں بیک وقت چلتی ہیں جن کا CPS اور Amplitude مختلف ہوتا ہے۔ اس طرح انسانی بات چیت صوتی لہروں کا الجھا ہوا مرکب ہوتی ہے۔

اب طبعیات کا ایک اور تصور لیجیے۔ فزکس کی لیبوریٹری میں دھات کا ایک کانٹا (Tuning fork) ہوتا ہے جو آگے سے u کی شکل کا ہوتا ہے۔ اسے کسی چیز سے ٹکرایا جائے تو اس سے نکلنے والی صوتی لہروں کا CPS ہمیشہ یکساں ہوگا کیونکہ کانٹے

کو ایک خاص تواتر (frequency) پر سیٹ کیا ہوا ہوتا ہے۔ اسی لیے اس سے ہمیشہ آواز کا ایک سُر نکلے گا۔

ہوا کی لہروں کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنی راہ میں آنے والے ان اجسام میں تھرتھراہٹ پیدا کر دیتی ہیں جو تھرتھرا سکتی ہیں۔ فضا میں کوئی ہوائی جہاز تیزی سے گزرے یا توپ کا گولہ چھوٹنے کی آواز آئے تو کھڑکیاں کانپ جاتی ہیں اور آواز پیدا کرتی ہیں۔

ہر شے کی اپنی فطری صوتی frequency ہوتی ہے۔ اگر ایک شے سے آواز کی لہریں چلیں اور آگے چل کر انھیں اپنے ہی تواتر والی شے مل جائے تو تھرتھراہٹ بہت بڑھ جائے گی۔ ردِ عمل کے طور پر ہونے والی اس تھرتھراہٹ کو گمک Resonance کہتے ہیں۔

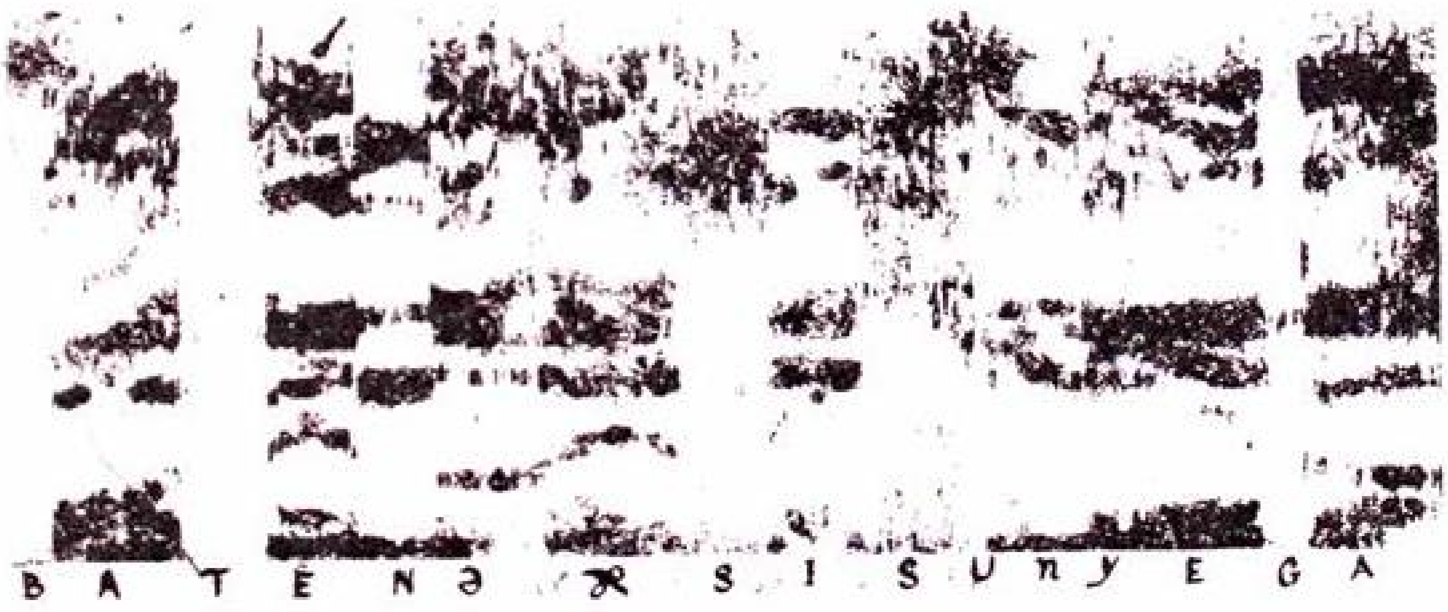
ہم اپنا عمل جاری رکھتے ہیں۔ ایک کانچ کی نلکی یا پیالہ نما برتن لیجیے اور اس میں قدرے پانی بھر لیے۔ اس کے اندر جو ہوا ہوگی اسے ہوا کا ستون Air column کہتے ہیں۔ طبیعیات کی اصطلاح میں ہوا کا ستون ہوا کا وہ جمگھٹ ہے جو ایک اکائی کے طور پر تھرتھرائے۔ اگر سُر والے کانٹے (Tuning Fock) کو ضرب لگا کر نلکی یا پیالے کے ہوا کے ستون کے اوپر لایا جائے تو کانٹے کی صوتی لہریں نیچے کے ہوا کے ستون میں بھی کپکپاہٹ اور آواز پیدا کر دیں گی۔ اگر نلکی کا CPS کانٹے کے CPS کے برابر سیٹ کیا ہوا ہے تو یہ کپکپاہٹ اور گونج بہت ہوگی اگر ان میں فرق ہوگا تو تھرتھراہٹ میں بھی اسی مناسبت سے کمی ہوگی۔

دہن انسانی میں بھی آوازوں کی تلفیظ میں دو جوف بنتے ہیں جن میں ہوا کا ستون ہوتا ہے۔ صوتی تاروں کی کپکپاہٹ سے ان جوفوں میں بھی کپکپاہٹ ہوتی ہے اور آواز شدت اختیار کر لیتی ہے۔ انفی آوازوں میں ایک تیسرا جوف خلائے بینی کا ہوتا ہے۔

آوازوں کے عکس کے لیے دوسری جنگِ عظیم میں ایک مشین Sound spectrograph ایجاد کی گئی۔ بعد میں اہلِ صوتیات نے اس سے فائدہ اٹھایا جن میں مارٹن جوس کا نام سرِ فہرست ہے۔ انھیں اپنی تحقیقات کے نتائج شائع کرنے کی اجازت 1948ء میں ملی۔ اسپیکٹروگراف کئی شکلوں میں ملتا ہے جن میں سوناگراف سب سے اہم ہے اسپیکٹروگراف میں ایک بار میں 2.4 سیکنڈ تک کی بات کا عکس لیا جا سکتا ہے۔ اس کے عکس کو اسپیکٹروگرام

کہتے ہیں۔

اسپیکٹروگرام دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تنگ پٹی کے جو 45 کے حساب سے ہوتے ہیں یعنی ان میں ایک پٹی صفر سے CPS 45 کی، دوسری 45 سے 90 کی، تیسری 90 سے 135 تک کی وغیرہ ہوتی ہے۔ دوسرے اسپیکٹروگرام چوڑی پٹی کے ہوتے ہیں، جنھیں 45 کی بجائے CPS 300 پر سیٹ کیا جاتا ہے۔ یہ زیادہ صاف ہوتے ہیں لیکن اتنے صحیح اور قطعی نہیں ہوتے جتنے تنگ پٹی والے۔ سہولت کی خاطر چوڑی پٹی کے اسپیکٹروگرام پر کام کرنے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ ذیل میں ڈاکٹر نارنگ کے مضمون مشمولہ نذرِ ذاکر سے ان کے تلفظ میں 'باتیں نہ ایسی سنیے گا'، کا اسپیکٹروگرام دیا جارہا ہے۔ یہ چوڑی پٹی کا ہے۔



شکل نمبر۲ انفی/دہانی (oral / nasal) شکل نمبر۲ میں /n/ اور /t/ کے سپکٹرم کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ /n/ میں سمعیاتی خطوط کا اجتماع ہے، وہ /t/ سے غائب ہے۔ نیز /n/ کا تیسرا سمعیاتی خط جو مابعد کے /e/ کو متاثر کر رہا ہے، خاص طور پر نمایاں ہے۔ یہ غنیت کا نتیجہ ہے۔ نیز غنیت کی وجہ سے پہلا اور دوسرا سمعیاتی خط کمزور پڑ گئے ہیں۔ اوپر کے سپکٹروگرام میں باتیں کے انفی مصوتے /ẽ/ اور سُنیے کے غیر انفی مصوتے /e/ کے نقش ملاحظہ ہوں۔ /ẽ/ پر لہریہ /~/ کے سمعیاتی خطوط کے اثر سے قطع نظر، اس کے پہلے دو سمعیاتی خطوط اتنے کمزور نہیں جتنے /e/ کے ہیں۔ /ẽ/ میں انفیت کا تیسرا سمعیاتی خط بالخصوص نمایاں ہے۔

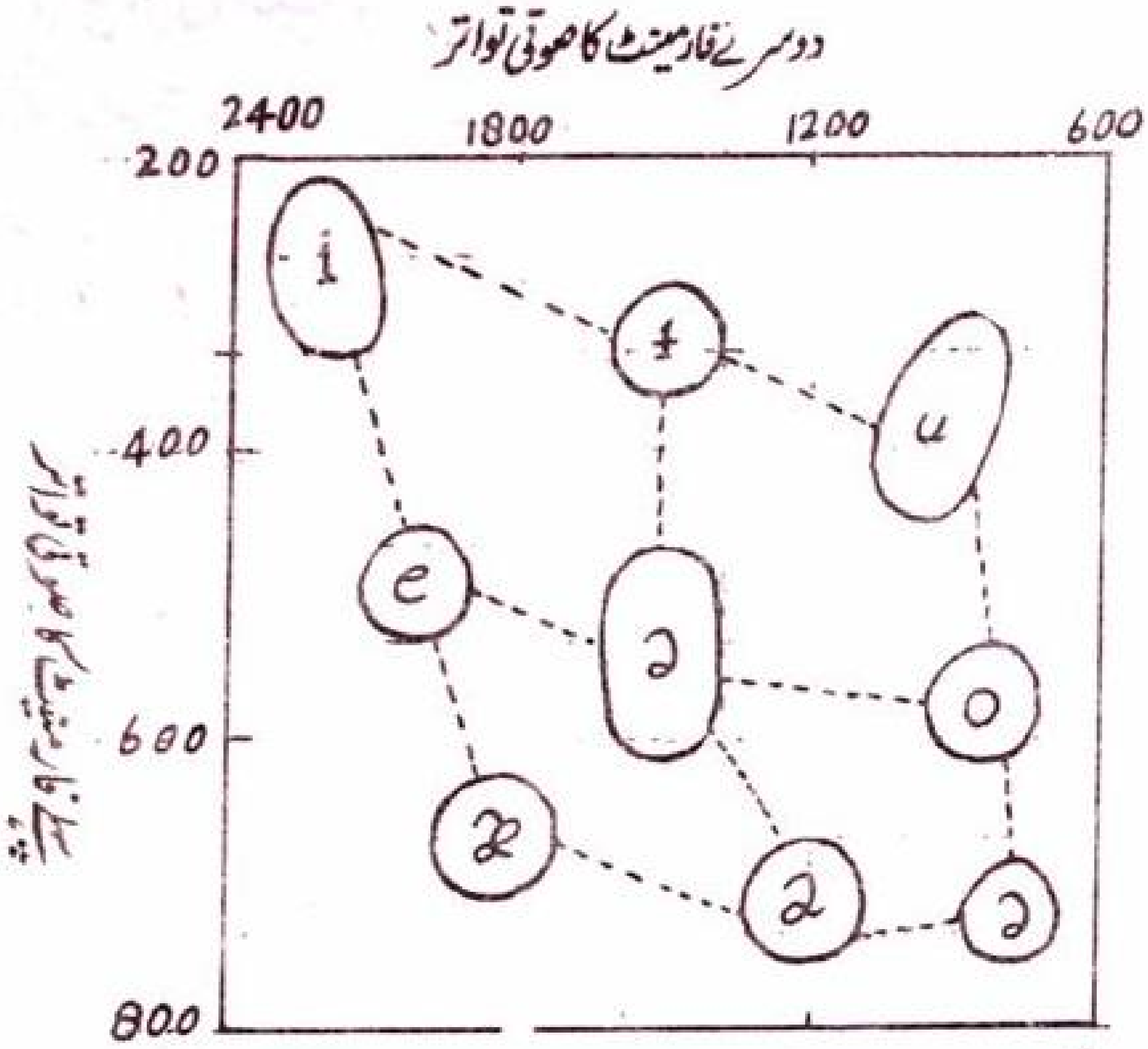
(بحوالہ اردو آوازوں کی نئی درجہ بندی از ڈاکٹر گوپی چند نارنگ۔ نذرِ ذاکر ص 4.5)

واضح ہو کہ اسپیکٹروگرام سے بھی آوازوں کی نوعیت قطعیت سے معلوم نہیں ہوتی کیونکہ متعدد عوامل گڈ مڈ ہوتے ہیں۔ انسانی آواز بہت سی CPS کا مرکب ہوتی ہے اس لیے اسپیکٹروگرام میں ان کے گچھے آتے ہیں۔ انھیں سمعیاتی خط (Formant) کہتے ہیں۔ مصوتوں میں دو فارمنٹ ہوتے ہیں۔ اسپیکٹروگراف مصمتوں کے مقابلے میں مصوتوں کے تجزیے میں زیادہ مفید ثابت ہوا ہے۔

مصوتوں میں دو قسم کے فارمینٹ جو ہوتے ہیں وہ ذہن میں دو ہوائی ستونوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مصوتے کو ادا کرتے وقت دہن موٹے طور پر دو حصوں میں بٹ جاتا ہے اس کی تلفیظ میں زبان جس نقطے پر اوپر کو اٹھتی ہے ایک جوف یا خلا اس کے پیچھے ہوتا ہے دوسرا اس کے آگے پہلا فارمنٹ جوفِ حلق کی نمائندگی کرتا ہے دوسرا فارمنٹ دہن میں اگلے جوف کی۔ پہلے فارمینٹ سے مصوتے کی اونچائی یا نیچائی ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرے فارمینٹ سے یہ کہ مصوتے کو ادا کرتے وقت زبان آگے کو بڑھی یا نہیں یعنی یہ کہ مصوتہ پیچھے کا ہے یا آگے کا۔ دونوں فارمینٹوں میں صوتی تواتر کی جو مقدار ہے اسے لے کر چارٹ بنایا جاسکتا ہے۔ گلیسن نے اپنی کتاب میں ایسا چارٹ تشکیل کیا ہے۔ چونکہ اونچے مصوتوں کے پہلے فارمنٹ میں رفتارِ تواتر (CPS) کم ہوتی ہے اس لیے انھیں عمودی خط میں اوپر سے نیچے کو درج کیا جائے گا۔ چونکہ پیچھے کے مصوتوں کا دوسرا فارمنٹ کم رفتار تواتر والا ہوتا ہے اس لیے دوسرے فارمنٹ کو ہم پیچھے سے آگے کی طرف کو درج کریں گے۔ انگریزی مصوتوں کا یہ چارٹ[1] ملاحظہ ہو۔

---

1. Gleason: An Introduction to Descriptive Linguistics.



انگریزی مصوتوں کے دونوں فارمینٹوں کا صوتی تواتر

ان میں مصوتوں کے گرد جو بیضاوی یا گول حصار ہیں وہ مصوتوں کی مختلف ذیلی صوتوں کا مجمع ظاہر کرتے ہیں۔ دونوں فارمینٹوں کے تواتر کو چارٹ کرنے سے یہ غیر معمولی اہمیت کا نکتہ سامنے آیا کہ یہ چارٹ بالکل وہی ہے جو تلفیظ کے مطابق دہن کا چارٹ ہوتا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ مصوتے کو ادا کرنے میں زبان جتنی اونچی اٹھتی ہے پہلے فارمینٹ کا صوتی تواتر اتنا ہی کم ہوتا ہے جتنی نیچے آتی ہے اتنا ہی زیادہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح زبان جتنی پیچھے رہتی ہے دوسرے فارمینٹ کا صوتی تواتر اتنا ہی کم ہوتا ہے جتنی آگے آتی ہے اتنا ہی زیادہ ہو جاتا ہے۔

بندشی آوازوں کو بولتے وقت بندش کے موقع پر تنفس کا بہاؤ بند ہو جاتا ہے اس لیے اسپیکٹروگرام میں بندشی آوازوں کی نمائندگی ایک عمودی خلا سے ہوئی ہے۔ ان کے خواص اس خالی کھڑی پٹی کے دیکھنے سے معلوم ہوں گے۔ یہ واضح رہے کہ بولنے میں آوازیں ایک کے بعد دوسری کے سلسلے سے نہیں آتیں بلکہ جزئی طور سے ایک دوسرے پر چڑھی ہوتی ہیں مثلاً ایکٹر (ACTOR) کہنے میں ک کی بندش رہا ہونے سے پہلے زبان t کی تلفیظ

شروع کر دیتی ہے اور اس کی بندش قائم کر دیتی ہے۔ پھر دونوں کی بندشیں ایک ساتھ رہا ہوتی ہیں۔ آواز کے ایک فیتے (TAPE) کو مناسب جگہ سے کاٹ دیا جائے اور پھر دونوں ٹکڑوں کو آہستہ رفتار سے بجایا جائے تو پہلے ٹکڑے کے آخر میں دو تین آوازیں سنائی دیں گی اور دوسرے ٹکڑے کی ابتدا میں بھی وہی دو تین آوازیں سنائی دے جائیں گی۔

مصمتے اپنے قبل اور بعد کے مصوتوں پر اپنا نقش چھوڑ جاتے ہیں اس لیے اسپکٹروگرام میں انھیں اپنی ماقبل اور مابعد آوازوں کی مدد سے پڑھا جا سکتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسپکٹروگرام بندشیوں کی حد تک منخذ نہیں ہوتا۔

اسپکٹروگرام میں سب سے نیچے سیاہ رنگ کا جو افقی فارمینٹ جیسا ہوتا ہے وہ تھیتی پٹی (voice bar) ہے۔ جو آوازیں مصمتی ہیں ان میں یہ موجود ہوتی ہے۔ غیر مصمتی میں نہیں ہوتی۔ مصوتوں میں اس کی اونچائی زیادہ ہوتی ہے۔

انفی مصوتوں میں چونکہ یہ یک وقت تین جوف کام کرتے ہیں یعنی حلق، دہن کا اگلا حصہ اور خلائے بینی اس لیے ان کے تین فارمینٹ بنتے ہیں۔ تیسرا فارمینٹ پہلے اور دوسرے کے بیچ میں ہوتا ہے یا پہلے کے ساتھ مدغم ہو جاتا ہے اور دونوں مل کر ایک چوڑے فارمینٹ کی شکل میں ہوتے ہیں۔

چونکہ [T] کہنے میں بھی ایک لحظے کو زبان مسوڑے کو بالکل چھوڑ دیتی ہے اس لیے اسپکٹروگرام میں اس کے لیے بھی ایک باریک کھڑی خالی پٹی بن جاتی ہے۔

صفیری آوازوں کے نقش میں باقاعدہ Harmonics نہیں بنتے بلکہ گڑبڑ سی ہوتی ہے یعنی دھندلی دھندلی عمودی لکیریں بن جاتی ہیں۔ ملاحظہ ہو اسپکٹروگرام میں [س]۔ چونکہ تنگ راستے سے ہوا کے گزرنے سے صوتی لہروں میں اضطرابی کیفیت ہوتی ہے اس لیے طبیعیات میں اسے White voise کہتے ہیں۔ مختلف صفیریوں کے اسپکٹروگرام میں یہ سفید شور مختلف علاقوں میں اکٹھا ملے گا مثلاً س میں اوپر کے صوتی تواتر (Frequency) میں اور [-] میں نیچے کے صوتی تواتر میں۔ غیر مصمتی صفیریوں میں صرف سفید شور ہوتا ہے Harmonics نہیں۔ مصمتی صفیریوں میں سفید شور Harmonics کے اوپر چھایا ہوتا ہے یعنی یہ عمودی حیثیت سے زیادہ بڑے علاقے میں ہوتا ہے۔

رومن یاکوبسن نے مختلف آوازوں کی گروہ بندی ان کی امتیازی خصوصیات کی بنا پر کی۔ ان امتیازی خصوصیات کا پتہ اسپیکٹروگرام ہی سے چلایا جاسکتا ہے مثلاً یہ کہ آواز پیوستا ہے کہ منتشر، Strident ہے یا Mellons، گمبھیر (Grave) ہے یا تیکھی (Acute) سپاٹ (Flat) ہے کہ Plain، تیز (Sharp) ہے کہ کند (Plain)۔ غرض یہ ہے کہ اسپیکٹروگراف سے آواز کی بہت سی ایسی خصوصیات کا پتہ چلایا جاسکتا ہے جو دوسرے آلات سے اتنی خوبی سے نہیں ہوتا۔

تلفیظی صوتیات میں سمعیاتی صوتیات سے بہت مدد ملتی ہے۔ اس میں جو قطعیت ہے وہ تلفیظی صوتیات میں اکثر نہیں ہوپاتی۔ یہ دونوں شاخیں ایک دوسرے سے الگ یا ایک دوسرے کی حریف نہیں بلکہ ایک دوسرے کو مدد پہنچانے کے لیے ہیں۔

صوتیاتی آلات: تلفیظی صوتیات میں کچھ آلات کا استعمال کیا جاتا تھا مثلاً مصنوعی تالو۔ کچھ ایسے آلات تھے جو بنیادی حیثیت سے ڈاکٹروں کے استعمال کے ہوتے ہیں مثلاً Laryngoscope لیکن انھیں صوتیات میں ماخوذ کرلیا گیا ہے۔ سمعیاتی صوتیات سوتی صدی آلات اور تجربہ گاہ کا علم ہے۔ اس میں بہت قیمتی اور پیچیدہ مشینیں استعمال کی جاتی ہیں۔ ان میں سے بھی بیشتر اصلاً سائنس کی دوسری شاخوں کے لیے بنائی گئیں مثلاً اسپیکٹروگراف اور آسلوگراف طبیعیات کے شعبوں میں کام میں لائے جاتے ہیں۔ صوتیات نے ان سے خاص فائدہ اُٹھایا۔ ذیل میں قدیم و جدید صوتیاتی آلات کا تعارف درج[1] کیا جاتا ہے۔

اوّل سب سے اہم اور سب سے قیمتی تین بڑی مشینوں کے بارے میں سنیے:

کائموگراف (Kymo-graph): اسے پہلے ڈاکٹر استعمال کرتے تھے لیکن 1876ء میں روزا پیلی نے اسے آوازوں کے مطالعے کے لیے استعمال کیا۔ اس سے صوتیات میں بہت مدد ملتی ہے۔ ایک چوکور گراموفون جیسے صندوق کے اوپر ایک کھڑا ڈھول لگا رہتا ہے جس پر دھوئیں سے سیاہ کیا ہوا ایک چکنا کاغذ لپٹا رہتا ہے۔ پاس ہی ایک مشین ہوتی ہے۔ اس میں ربر کی ایک نلکی لگی ہوتی ہے نلکی کے ایک سرے پر

---

[1] آلات کا تعارف ڈاکٹر بھولاناتھ تواری کی ہندی کتاب سے ماخوذ ہے۔

ایک سوئی لگی رہتی ہے جو ڈھول کے کاغذ پر چلتی ہے۔ نلکی کے دوسرے سرے پر ایک ایسی چوڑی سی چیز ہوتی ہے جو منھ میں ٹھیک طرح لگ سکتی ہے۔ اس میں بولتے ہیں۔ بجلی سے ڈھول گھومنے لگتا ہے اور سوئی سے اس پر آواز کا گراف بن جاتا ہے۔ اس گراف سے مصیتی، غیر مصیتی ہکاری، غیر ہکاری، بندشی، ایفریکیٹ، صفیری وغیرہ آوازوں کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔ مصیتی آواز کے گراف میں چھوٹی چھوٹی لہریں ہوتی ہیں۔ غیر مصیتی کا خط سیدھا ہوتا ہے۔ انفیت کا مشاہدہ کرنا ہو تو ایک نلکی ناک میں لگا لیتے ہیں۔ اس کے دوسرے سرے پر ایک اور سوئی لگی ہوتی ہے۔ یہ ایک دوسرا گراف بناتی ہے۔ طول اور وقت کا اندازہ کرنے کے لیے ایک اور نلکی ایک گھڑی سے لگی ہوتی ہے۔ اس کی سوئی ایک سیکنڈ میں سو نشان بناتی ہے۔ اس کے خط سے طول کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

اس پر ترقی دے کر مختلف ممالک میں اس کے بہتر نمونے تیار کیے گئے اُن کا ذیل میں تعارف کیا جاتا ہے۔

الف:۔ الیکٹرو کائموگراف:۔ اس میں مائک لگا رہتا ہے۔ اس میں آواز زیادہ فطری طریقے سے بولی جا سکتی ہے لیکن یہ قدیم کائموگراف کے برابر مفید نہیں۔ اس میں مصیتیت اور سُرہی کو جانا جا سکتا ہے۔

ب:۔ اِنک رائٹر:۔ اس میں کائموگراف کی طرح دھوئیں کا کالا کاغذ نہ لپیٹ کر سفید کاغذ لپیٹتے ہیں اور اس پر سوئی سیاہی کے نشان بناتی ہے۔ اس کے خط زیادہ صحیح ہوتے ہیں۔ اس کا صرفہ استعمال بھی کم ہوتا ہے۔

ج:۔ کروموگراف (Chromograph):۔ اسے اسپین کے ایک ماہر لسانیات نے 1932ء کے قریب بنایا۔ یہ اچھا خاصا آلہ ہے لیکن رائج نہ ہو سکا۔

د:۔ منگوگراف (Mingo-graph):۔ یہ مصیتیت اور سُر ناپنے کے لیے بہت اچھا ہے۔ اس میں بھی مائک لگا رہتا ہے۔ یہ سویڈن میں بنایا گیا۔

انگلستان میں ایک ایسا کائموگراف بنایا گیا جس میں کیمرے کا استعمال ہوتا ہے۔

آسلوگراف (Ascillo-graph):۔ صوتیات کے مطالعے میں یہ بہت اہم مشین ہے۔ اس میں بولنے سے آواز کی لہریں بنتی ہیں جو بیچ کے شیشے کے پردے پر دکھائی پڑتی ہیں۔ ان کا فوٹو لے لیا جاتا ہے۔ یہ مشین بجلی سے چلتی ہے۔

اس سے آواز کی تلفیظ کا صحیح وقت معلوم ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں آواز کی لہریں ایک ہزار فی سیکنڈ کے حساب سے درج ہوتی ہیں۔ اس سے سُر کا مطالعہ بھی ہوتا ہے اور مصیتی غیر مصیتی کا بہت صحیح علم ہو جاتا ہے۔ موٹے طور پر آواز کی شدت یعنی نرمی و کرختگی کو بھی ناپا جا سکتا ہے طریقِ تلفّظ کے لحاظ سے آوازوں کی جو قسمیں ہیں ان کا بھی پتا چل جاتا ہے۔

3۔ اسپیکٹروگراف (Spectrograph):۔ یہ دوسری جنگ عظیم کے دوران فوجی ضرورتوں کے تحت ایجاد کیا گیا۔ اب یہ صوتی مطالعے میں سب سے اہم آلہ ہے اس سے خاص طور سے صوتی تواتر یعنی سائکل فی سیکنڈ اور تلفیظ کے وقت کا پتا چلتا ہے۔ ساتھ ہی انفیت کی بھی توضیح ہوتی ہے۔ اس میں مصوتوں کا عکس جتنا اچھا آتا ہے مصمتوں کا نہیں۔ اسپیکٹروگراف کی کئی قسمیں ہیں مثلاً سوناگراف (Sonograph) Vibralyzee اور Cardialyzee وغیرہ۔ ان میں سوناگراف سب سے مفید ہے۔ اس میں وقت کا ناپ اچھا ہوتا ہے۔ اس میں مائک پر بولتے ہیں اور مشین سے فوٹو بنتا ہے۔ اس میں آواز کی جملہ طبعی خصوصیات پر روشنی پڑتی ہے۔

اب دوسرے کم اہم آلات کو لیجیے۔

4۔ **مصنوعی تالو:**۔ یہ اپنے منھ کے تالو یعنی چھت کی ناپ کی ایک چادر بنوائی جاتی ہے اس پر کالا رنگ ہوتا ہے۔ اس کے اوپر کھریا مٹی پھیر کر اسے تالو پر لگا لیتے ہیں اور کسی آواز کی تلفیظ کرتے ہیں۔ تلفیظ میں زبان کا جتنا حصّہ تالو کو چھوتا ہے اتنے حصّے کی کھریا گیلی ہو جاتی ہے۔ پھر مصنوعی تالو کو احتیاط سے نکال کر اس کا فوٹو لے لیتے ہیں یا نقشہ بنا لیتے ہیں۔ ایسے نقشے کو پیلیٹوگرام کہتے ہیں۔ آج کل ایک مشین پیلیٹوگرام پروجیکٹر سے بھی مدد لی جانے لگی ہے۔ بولنے کے بعد نقلی تالو کو لے کر اس میں لگا دیتے ہیں۔ بجلی کا بٹن دبانے سے اس کا عکس ایک شیشے پر پڑتا ہے جہاں ایک پتلے کاغذ پر اس کا نقش لیا جا سکتا ہے۔ اس کی مدد سے پیلیٹوگرام جلدی تیار ہو جاتا ہے۔

5۔ ایکس رے:۔ زبان پر پتلی کڑیوں کی بنی ایک دھات کی چادر یا پردہ بچھا لیتے

ہیں اور کوئی آواز ادا کرتے ہیں۔ اس وقت میں ایکس رے سے فوٹو لیا جاتا ہے۔ اس سے زبان کے صحیح مقام کا پتا چل جاتا ہے۔ یہ مصوتوں کے لیے خاص طور سے مفید ہے۔

6۔ **پیمانۂ دہن** (mouth measurer):- ایک کھوکھلی ٹیڑھی نلکی میں ایک تار پرویا ہوتا ہے۔ منھ میں اس نلکی کو رکھ کر تار کو زبان پر لٹکا کر اور چھوا کر یہ ناپ لیتے ہیں کہ زبان کتنی اٹھی ہوئی ہے۔ ایسا ناپ زبان کے کئی حصوں کا لیتے ہیں۔

7۔ **لیرنگس کوپ**:- اس میں ایک پتلی چھڑ پر 102 ڈگری کے زاویے پر ایک چھوٹا سا شیشہ (آئینہ) لگا رہتا ہے۔ کسی کے منھ کو روشنی کی طرف کر کے منھ میں کوے (لہات) کے پاس یہ شیشہ ڈال دیتے ہیں اور اس میں مخرج الصوت کا عکس دکھائی دے جاتا ہے۔ اس کے بعد جو آوازیں بولنا ممکن ہوا انھیں بول کر صوتی تاروں کی کیفیت دیکھ لیتے ہیں۔ اپنے منھ میں دیکھنا ہو تو ایک آئینہ باہر رکھ کر اس میں اس کا عکس دیکھ سکتے ہیں۔ اس کا استعمال سب سے پہلے 1807ء میں ہوا۔ یہ E.N.T. کے ڈاکٹروں کا آلہ ہے۔ اس کے استعمال میں یہ دقت ہے کہ منھ میں اتنی اندر شیشہ ڈال کر چند آوازیں ہی ادا ہو سکتی ہیں وہ بھی غیر فطری طریقے پر۔

8۔ **اینڈسکوپ** (Endoscope):- یہ لیرنگسوپ کی اصلاح شدہ شکل ہے۔ اس کے سہارے منھ بند کرنے پر بھی صوتی تاروں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

9۔ Pattern Play-Back:- یہ حال کی ایجاد ہے۔ اس سے اسپکٹروگراف کی تصویروں کو بجایا جا سکتا ہے یعنی تصویر سے دوبارہ آواز پیدا کی جا سکتی ہے۔

10۔ Pitch Metal:- اس سے آواز کی بلندی ناپی جا سکتی ہے۔

11۔ Intensity-metre:- اس سے آواز کی نرمی و کرختگی وغیرہ ناپی جاتی ہے۔

12۔ Speech Stretche:- اس سے ریکارڈ کی ہوئی آواز کو بہت دھیرے دھیرے سنا جا سکتا ہے۔

ان کے علاوہ دوسرے کئی آلات بھی ہیں۔ صوتیات کا مشینی مطالعہ امریکہ میں بڑی تفصیل سے ہو رہا ہے۔ ہمارے ملک میں اس پر صرفے کے لیے وسائل نہیں۔ ویسے پونا اور آگرہ میں صوتیات کی اچھی خاصی لیبوریٹری ہیں۔ ممکن ہے بعض دوسری جگہوں پر بھی کھل گئی ہوں۔

چوتھا باب

فونیمیات

بین الاقوامی صوتیاتی انجمن جب انیسویں صدی کے آخری سے میں قائم کی گئی تو اس کے مقاصد میں سے ایک یہ تھا کہ دنیا کی تمام زبانوں کی تمام آوازوں کو قرطاس پر قلم بند کر دیا جائے۔ تو جلد ہی معلوم ہوا کہ یہ ناممکن ہے کیونکہ محلِ تلفیظ کی رو سے آوازوں کے لامتناہی امکانات ہیں۔ برطانوی ماہر صوتیات ہنری سوئٹ (SWEET) کان سے سن کر 120 مصوتوں میں امتیاز کر سکتا تھا اور ان کے علاوہ بھی متعدد امکانات ہیں۔ 1920 کے بعد کئی ماہرینِ لسانیات نے آزادانہ طور پر دریافت کیا کہ آوازوں کی جملہ نزاکتیں اور اقسام روزانہ کے کام کاج میں اہم نہیں بلکہ عملی حیثیت سے کار آمد اکائیاں (Functional Units) ہی اہم ہیں۔ انھیں فونیم کا نام دیا گیا۔

لفظ "فونیم" کا استعمال سب سے پہلے ہیویٹ نے 1876 کے قریب کیا لیکن اس نے اسے محض زبان کی آوازوں کے معنی میں لیا تھا۔ 1920 کے بعد کئی ماہرین صوتیات نے فونیم کا نظریہ پیش کیا۔ ان میں چیکوسلواکیہ کے پرنس نکولس ٹروبیز کوئی (Traubetzkoy) اور امریکہ کے سپیر اور بلوم فیلڈ قابل ذکر ہیں۔ بعد میں پائک (PIKE) نے اس موضوع پر غور کر کے ایک کتاب PHonemics کے نام سے لکھ دی۔ فونیمکس یا فونیمیات وہ علم ہے جو کسی زبان کے فونیم دریافت اور متعین کرے اور ان کی ذیلی اقسام کا مطالعہ کرے۔ بعض لکھنے والے فونیمکس کو فونالوجی (PHONOLOGY) بھی کہتے ہیں۔
اردو میں فونیم کا ترجمہ صوتیہ بھی کیا گیا ہے اور فونیمکس کا تجزیاتی صوتیات یا اس کا

اختصار تجصوتیات۔ سہولت اس میں ہے کہ فونیم کو اردو میں فونیم ہی کہا جائے اور فونیکس کو فونیمیات۔

صوتیات کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر آواز کی زیادہ سے زیادہ تفصیلات کا مطالعہ کیا جائے۔ جہاں تک روزانہ زندگی کے کاروبار کا تعلق ہے ان تفصیلات کی ضرورت نہیں پڑتی یعنی مفہوم کے ابلاغ میں قطعاً غیر اہم ہیں۔ ہاں اگر ہم کسی ایسی زبان کا مطالعہ کریں جو ابھی تحریر کی منزل تک نہیں پہنچی تو ہمیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی آوازوں کی کون سی خصوصیات اہم ہیں کون سی غیر اہم۔ اس لیے ابتداءً ہم زیادہ سے زیادہ خصوصیات پر توجہ کرکے زیادہ سے زیادہ اقسام معلوم کرلینا چاہتے ہیں۔ اس کی مثال اپنی جانی پہچانی زبانوں سے لی جائے۔

رندا ۔ انڈا ۔ رنج ۔ سنگ ۔ ان چاروں کے ن کو ہندی میں علیحدہ آوازیں مانا گیا ہے۔ اردو میں انھیں ایک کہا گیا ہے۔ حقیقت کیا ہے؟ آیا اور دنیا کی ی بولنے میں کافی مختلف ہے۔ ذیل کے الفاظ کے جوڑوں کے پہلے مصوتوں میں بھی کچھ فرق سنائی دیتا ہے۔

کہہ، کر ۔ محنت، نکہت ۔ تحفہ، طرفہ

کوئی غیر زبان والا ان آوازوں کو سنے تو کیا فیصلہ کرے۔ یہ آوازیں ایک ہیں کہ مختلف؟ انگریزی لفظ کے شروع میں p، t، k آتے ہیں تو انھیں ہکاری یعنی pH، tH، kH بولتے ہیں لیکن لفظ کے درمیان اور آخر میں p، t، k۔ انگریزی مادری زبان والے کو اس فرق کا احساس نہیں ہوتا۔ اس کے نزدیک PIN اور SPIN میں ایک ہی ہے۔ ہم ہندوستانیوں کو ان کا فرق سنائی دیتا ہے۔

سچ یہ ہے کہ ہم اپنی زبان کی جن آوازوں کے محض ایک روپ کا ادراک رکھتے ہیں ان میں دراصل متعدد ذیلی آوازیں شامل ہوتی ہیں لیکن ہمارے کام کاج کے لیے وہ غیر اہم ہوتی ہیں۔ اب کسی دوسری زبان میں ان ذیلی آوازوں کا فرق اہم بھی ہو تو ہم اسے سمجھ نہیں پاتے۔ مختلف زبانوں میں زیادہ تر آوازیں تو مشترک ہی ہوتی ہیں لیکن چند آوازیں مختلف بھی ہوتی ہیں۔ جس شخص کو لسانیات کا تجربہ نہ ہو وہ دوسری زبان کی اجنبی آوازوں کو نہیں پہچان سکتا۔ پنجابی شخص کو ق اور ک کا فرق محسوس نہیں ہوتا۔ ہمارے کان مراٹھی ল، ঘ یا ड़، ळ کا فرق نہیں سن پاتے۔

علم صوتیات اور مختلف زبانوں کے صوتی مطالعے سے سامعہ ذکی الحس ہوجاتا ہے اور

آوازوں کے نازک فرق کو گرفت کرنے لگتا ہے لیکن اس کی ایک حد ہے۔ مشین کے ذریعہ سے ہوا کی لہر کا گراف اور فوٹو لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس آواز کو ہم بالکل ایک اور یکساں سمجھتے ہیں وہ بھی مختلف موقعوں پر مختلف ہو جاتی ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہمیں اپنا ہر بال یکساں گول معلوم ہوتا ہے لیکن خوردبین کے نیچے رکھ کر دیکھا جائے تو ہر ایک کی ساخت مختلف ہے کہیں کم موٹا، کہیں زیادہ، کہیں گول ہے تو دوسری جگہ اس سے مختلف۔ ہم ایک آواز 'ک' کو سو دفعہ کائموگراف یا اسلوگراف کے سامنے کہیں تو معلوم ہوگا کہ ہر بار اس کا گراف مختلف بنتا ہے۔ کا، کی، کو کہتے ہوئے توجہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ 'کا' کا [ک] نسبتاً وسط سے 'کی' کا [ک] نسبتاً آگے سے اور 'کو' کا [ک] نسبتاً پیچھے سے ادا ہو رہا ہے۔

ہندی الفاظ 'دانت' اور 'رانگ' میں یہ مان لیا گیا ہے کہ دو مختلف انفی مصمتے ہیں کیونکہ دونوں کی تلفیظ مختلف مقامات سے ہوتی ہے لیکن 'دانت' اور رنج کے انفیے بھی تو مختلف مقامات سے ادا ہوتے یعنی 'دانت' اوپری دانت سے اور 'رنج' تالو سے لیکن ان کے انفیوں کو ہم نے ایک ہی قرار دیا ہے۔ کہیں ہم غلطی سے انت اور انگ میں دو آوازوں کو ایک نہیں سمجھ رہے۔

صوتیات ہمیں ضروری اور غیر ضروری ہر قسم کی متعدد تفصیلات سے دوچار کر دیتی ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ ہم محض ان تفصیلات یا خصوصیات سے سروکار رکھیں جو مفہوم کی ترسیل میں اہم ہیں۔ بقیہ کو نظر انداز کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ فونیمیات یہی کام سر انجام دیتی ہے۔ یہ ایک آواز کی تمام ذیلی اصوات کو سمیٹ کر ایک گروہ میں رکھ دیتی ہے اور اسے فونیم کا نام دیتی ہے۔

فونیم کی متعدد تعریفیں کی گئی ہیں جن میں سب سے مفید حسب ذیل ہے۔

"کسی زبان کے نظام اصوات میں فونیم صوتی حیثیت سے مماثل آوازوں کا ایسا گروہ (یعنی مجموعہ) ہے جو اسی قسم کے دوسرے گروہوں سے مختلف اور متضاد ہو۔"

واضح ہو کہ فونیم اور فونیمیات کا تعلق کسی مخصوص زبان یا بولی سے ہوتا ہے جب کہ صوتیاتی مطالعہ کسی مخصوص زبان کا بھی ہو سکتا ہے اور عام طور سے نطق انسان کا یا کئی زبانوں کا۔

ایک فونیم کی ذیل میں نازک سے نازک فرق کی بنا پر جتنی آوازیں شامل ہوتی ہیں انھیں ہم صوت (ALLOPHONE) یا ذیلی صوت کہتے ہیں۔ ایک فونیم کے مختلف ہم صوتوں کا فرق محض صوتیات کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ یہ فرق عملی طور پر اہم اور بامعنی (SIGNIFICATION) نہیں ہوتا۔ ہم کسی لفظ میں ایک فونیم کا ایک ہم صوت بدل کر دوسرا ہم صوت بول دیں تو معنی میں فرق کوئی نہ ہوگا مثلاً انگریزی میں PIN کو پھن بولا جاتا ہے۔ کوئی شخص 'پھن' نہ کہہ کر پن کہہ دے تو معنی نہیں بدلیں گے۔ لیکن ایک فونیم کی جگہ دوسرا فونیم بول دیا جائے تو یا تو معنی بدل جائیں گے یا بالکل جاتے رہیں گے۔ انگریزی میں پن کی P کو T سے بدل کر TIN کہہ دیں تو معنی مختلف ہو جائیں گے۔

کسی زبان کے فونیموں کی شناخت میں سب سے اہم اصول یہ ہے۔

"دو فونیم مختلف الفاظ میں یکساں ماحول میں آسکتے ہیں (بلکہ آتے ہیں) لیکن ایک فونیم کے دو ہم صوت کبھی یکساں ماحول میں نہیں آسکتے۔"

اقلی جوڑا (MINIMAL PAIR)

اگر ہمیں لفظوں کا ایسا جوڑا مل جائے جس کے دونوں الفاظ میں محض ایک ایک آواز مختلف ہو بقیہ سب یکساں ہوں اور ان الفاظ کی معنی میں فرق ہو تو یہ قطعی طور پر طے ہو جاتا ہے کہ یہ مختلف آوازیں مختلف فونیم ہیں کیونکہ محض انھیں کی بنا پر لفظ کے معنی بدل گئے ایسے جوڑوں کو اقلی جوڑا کہتے ہیں۔

بار، پار - کل، کیل - آب، آپ - زیادہ، ژیاں اسی قسم کے اقلی جوڑے ہیں جن سے ب اور پ - اَ اور اِی - ز اور ژ کی علیحدہ فونیمی حیثیت طے ہو جاتی ہے۔

اگر زبان کے پورے ذخیرۂ الفاظ میں صرف ایک جوڑا ایسا مل جائے جہاں دو آوازیں یکساں ماحول میں آتی ہیں تو وہ آوازیں علیحدہ فونیم ہیں خواہ زبان کے بقیہ پورے خزانے میں وہ ہر جگہ مختلف ماحول میں آتی ہوں یعنی ایک اقلی جوڑا دو آوازوں کو مختلف قرار دینے کے لیے کافی ہے۔ ز، ژ کے محض دو اقلی جوڑے ملتے ہیں۔

زیاں، ژیاں ظرف (تلفظ کے اعتبار سے زرف) ژرف

ڈ اور ڑ کا ایک ہی اقلی جوڑا اجڈ، اجڑ ملتا ہے۔
اردو مصوتوں کے اقلی جوڑے تلاش کیے جائیں تو ذیل کا ایک سلسلہ ملتا ہے۔
پال ، بال ، تال ، دال ، ٹال ، ڈال ، کال ، گال ، قال ، چال ، جال ،
مال ، نال ، لال ، رال ، فال ، سال ، زال ، شال ، خال ، حال (یعنی تلفظ
کے اعتبار سے ہال)
ان مصمتوں کے بارے میں یہ قطعی طور پر معلوم ہو گیا کہ یہ الگ الگ فونیم ہیں۔اب
بچے ذیل کے مصمتے
ڽ (ڃ) ، ژ ، غ ، و ، ی۔

مماثل جوڑا دیا (SUB-MINIMAL PAIR)

اگر دو آوازوں کا اقلی جوڑا دستیاب نہ ہو تو یہ کافی ہے کہ ایسا جوڑا تلاش کر لیا جائے جس کے دونوں الفاظ جزوی طور پر مشترک ہوں اور یہ مشترک حصہ زیر غور آوازوں کو اپنے بیچ رکھتا ہو یعنی یہ ثابت ہو جائے کہ یہ دونوں آوازیں یکساں ماحول میں واقع ہوئی ہیں۔اس سلسلے میں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے۔

الف۔ آوازوں کی فونیمی حیثیت متعین کرنے کے لیے مماثل آوازوں سے ان کا تضاد ثابت کرنا کافی ہے۔ مماثل سے مراد ہے وہ آوازیں جن کا نقطۂ تلفیظ یا طریقِ تلفیظ قریب ہو۔ایسا نہیں ہوتا کہ ایسی دو آوازیں جن میں کچھ بھی مشابہت نہ ہو ایک دوسرے کی ہم صوت ہوں۔ مثلاً ب کی فونیمی حیثیت متعین کرنے کے لیے اس کا تضاد ب ، پھ ، م ، ف سے ثابت کرنا کافی ہے۔ ق یا ژ ، سے تضاد ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔

ن اور ڽ [ڃ] کے تضاد میں کوئی اقلی جوڑا نہیں ملتا۔اگر ہمیں کوئی ایسا جوڑا مل جائے جس کے ان اجزا میں مطابقت ہو جہاں یہ آوازیں واقع ہوئی ہیں اور بقیہ میں اختلاف ہو تو بھی ہمارا کام چل جاتا ہے۔ایسے جوڑے کو مماثل جوڑا ——
(ANALOGOUS PAIR) کہتے ہیں ن ، ڽ کے تضاد کے لیے
ANALOGOUS PAIR منکا ، ڈنکا سنکی ، کھنکی

ایسے ہی دو مماثل جوڑے ہیں۔ ان میں انفی فونیموں سے پہلے کے مصمتوں کے اختلاف کی وہ نوعیت نہیں کہ وہ ن کو ڼ میں بدلنے کا موجب ہو سکے۔ اس لیے ان مماثل جوڑوں کی بنا پر ہم ن اور ڼ کو مختلف صوتیہ قرار دیتے ہیں۔

تضاد (CONTRAST)

اوپر کئی بار 'تضاد' کی اصطلاح استعمال کی گئی۔ جو آوازیں ایک دوسرے کے ساتھ یکساں ماحول میں واقع ہوتی ہیں انھیں تضاد (CONTRAST) کی حالت میں کہا جاتا ہے۔ جب وہ معنی کا فرق بھی کر دیتی ہیں تو اُن کی حیثیت جداگانہ فونیم کی ہو جاتی ہے۔ تضاد کے لیے محض ایک اقلی یا محض ایک مماثل جوڑا کافی ہے۔

اوپر جوار دو مصمتوں کے تضاد کا ایک طویل سلسلہ دیا گیا تھا اس میں سے ژ، غ، و، ی بچ رہے تھے۔ ان کے مماثل جوڑے حسب ذیل ہیں۔

- ژالہ ، غالی ، والا ، کوتوال ، عیال

اس طرح یہ مصمتے بھی اس طویل سلسلے کے ساتھ تضاد میں آجاتے ہیں یعنی فونیمی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

تکمّلی بٹوارہ (COMPLEMENTARY DISTRIBUTION)

جو آوازیں ایک ماحول میں واقع نہیں ہوتیں انھیں تکمّلی بٹوارے میں کہا جاتا ہے۔ ایک صوتیے کے ہم صوت ایسی آوازیں ہوتی ہیں۔ مثلاً

ا۔ انگریزی میں [p] اور [pʰ] کا وقوع یوں ہے۔

pʰ لفظ کے شروع میں

p لفظ کے درمیان اور آخر میں

اس لیے ان دونوں کو ایک فونیم کے ہم صوت مانا گیا۔ ان میں سے کسی ایک ہم صوت سے فونیم کا نام مستعار لیا جائے گا۔ ہم صوت کو بڑے بریکٹوں میں [ ] لکھا جاتا ہے اور فونیم کو ترچھی لکیروں / / کے بیچ۔

مندرجہ بالا مثال کو ذیل کی شکل میں ذیل کے طریقے سے لکھا جاتا ہے۔

/p/ [p] [pʰ]

ب۔ یا اردو میں /و/ کی دو قسمیں ہیں۔

[w] یہ دو لبی واؤ ہے۔ یعنی اس کے تلفظ میں دونوں ہونٹ تلفیظ کار اور نقطۂ تلفیظ کا کام کرتے ہیں۔ یہ عموماً [ل] ہریے کے بعد آتا ہے۔

[v] یہ لب دنتی واؤ ہے جس کا نقطۂ تلفیظ اوپری ہونٹ ہے۔ یہ مندرجہ بالا ماحول کے علاوہ بقیہ سب مقاموں پر آتا ہے۔

اس صورتِ حال کو یوں درج کیا جائے گا

/v/ [v] [w]

واضح ہو کہ بڑے قوسین [ ] کا تعلق صوتیات سے ہے اور آڑے خطوط / / کا فونیمیات سے۔ صوتیاتی تحریر میں کوئی مفرد آواز یا لفظ یا فقرہ لکھنا ہو تو بڑے قوسین میں محصور کریں گے۔ اگر خاص طور سے فونیمیت پر زور دینا ہو تو آڑی لکیروں کے بیچ لکھیں گے۔

آزادانہ تغیر (FREE VORIATION) —

تکملی بٹوارے میں ایک استثنا ہے بعض دفعہ دو ہم صوت یوں ایک دوسرے سے میل کھاتے ہیں کہ بعض لفظوں میں (سب میں نہیں) خواہ اسے بول دو خواہ اُسے معنی میں کوئی فرق نہ ہو گا۔ چنانچہ کچھ لوگ ایک تلفظ کرتے ہیں کچھ دوسرا۔ مثلاً احمد کو عربی انداز سے یا پنجاب اور جموں کشمیر کے تلفظ میں اس فتحہ سے بولا جاتا ہے جو مرکزی مصوتہ [ə] ہے۔ چنانچہ احمد کا پہلا مصوتہ احمد جیسا تلفظ دیتا ہے۔ دلّی اور یوپی میں اسے خفیف اے [ɛ̆] سے ادا کیا جاتا ہے۔ اس طرح اردو میں فتحہ کی یہ دونوں قسمیں ایک ماحول میں واقع ہوتی ہیں لیکن ہم ان دونوں کو اس لیے علیحدہ فونیم قرار نہیں دیتے

کہ ان کی تبدیلی سے معنی کی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ایک ماحول میں واقع ہونا اسی وقت اہم ہے جب کہ معنی بدل جائیں ورنہ یہ فرق غیر معنوی (NON- SIGNIFICANT) ہے بلفظ کے ایسے معصوم اختلاف کو آزادانہ تغیر کہتے ہیں۔ اس کو ظاہر کرنے کا نشان ~ ہے جو اس قسم کی دو آوازوں کے بیچ ذیل کے طریقے سے بنا دیا جاتا ہے۔

ə/ [ə] ~ [ǽ]

بہت سے الفاظ میں ایک فونیم کے دو ہم صوت ہی نہیں بلکہ مختلف فونیم بھی آزادانہ تغیر میں واقع ہو سکتے ہیں مثلاً یمنا ~ جمنا۔ نُقص ~ نقص یعنی ان جوڑوں میں ی ~ ج - ُ ~ ə آزادانہ تغیر میں واقع ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ اپنی آزاد فونیمی حیثیت برقرار رکھتے ہیں کیونکہ بعض دوسرے الفاظ میں یہ تضاد کی حالت میں واقع ہوتے ہیں مثلاً یم، جم۔ گُل، گَل۔ اور ہم نے یہ اصول بتایا تھا کہ اگر دو آوازیں محض ایک جوڑے میں بھی تضاد کی حالت میں ہوں تو زبان کے بقیہ ذخیرے میں ان کے وقوع پر ہمیں نظر کرنے کی ضرورت نہیں۔

چونکہ ہم صوت کی تعریف یہ ہے کہ وہ کبھی ایک ماحول میں واقع نہیں ہو سکتے۔ اور آزادانہ تغیر والے ہم صوت ایک ماحول میں واقع ہو جاتے ہیں اس لیے بعض محتاط ماہرین صوتیات تکملی بٹوارے کی جگہ نامتضاد بٹوارہ -Non-contrastive Distribution- کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں کیونکہ اس میں تکملی بٹوارے اور آزادانہ تغیر دونوں کا احاطہ ہو جاتا ہے۔

ہم جس زبان کے بہت زیادہ الفاظ سے واقف ہوں اور جس میں اقلی یا مماثل جوڑے ڈھونڈھ سکتے ہوں وہاں تو فونیموں کی تعیین آسان ہے لیکن اگر ایک اجنبی زبان سے واسطہ ہو اور ہمارے سامنے اس کے بہت زیادہ الفاظ نہ ہوں تو بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوتا ہے۔

فونیم کے ادراک کے لیے ذیل کے اصول پیشِ نظر رکھنے چاہئیں۔

صوتی مماثلت (PHONETIC SIMILARITY)۔

ہم صوتوں کو فونیم سے متعلق کرتے وقت صوتی مماثلت کے اصول کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ یعنی اگر ایک آواز دو آپس میں جداگانہ آوازوں کے ساتھ تکملی بٹوارے میں ہو تو اسے مماثل آواز کے ساتھ گروہ بند کرنا چاہیے۔ مثلاً انگریزی کی یہ مثال ملاحظہ ہو۔

[tʰale] tale ، dale ، stale

ہم دیکھتے ہیں کہ [tʰ] اور [d] صرف لفظ کے شروع میں آتے ہیں اور ابتدائی [S] کے بعد اور بل دار مصوتے [ئ] سے قبل صرف [t] آتا ہے [tʰ] یا [d] نہیں۔ ہمارے سامنے مسئلہ ہے کہ ہم [t] اور [tʰ] کو ایک ساتھ گروہ بند کریں یا [t] اور [d] کو۔ صاف ظاہر ہے کہ صوتی مماثلت کی بنا پر [t] اور [tʰ] کو ایک فونیم کے دو ہم صوت قرار دیا جائے گا۔

اردو میں بھی ایک بہت اچھی مثال ملتی ہے۔ فرض کیجیے، ہمارے سامنے ذیل کے الفاظ ہیں۔

بنتا ، پنجہ ، انڈا ، ڈنکا ، منکا [mantka] ، نام ، گردن

ان میں پہلے چار الفاظ کا انفی مصمتہ بعد میں آنے والے مصمتے سے متاثر ہو کر اس کے نقطۂ تلفیظ سے ادا ہوتا ہے۔ ایسے انفی مصمتہ کو ہم مخرجی (HOMORGANIC) کہتے ہیں۔ منکا کا نون متعاقب ک سے فصل برقرار رکھتا ہے۔ نقطۂ تلفیظ کے لحاظ سے بنتا ، نام ، گردن کے نون دنتی ہیں ، پنجہ کا نون تالوئی ، ڈنکا کا نون غشائی یعنی نرم تالوئی ہے۔ ہندی میں اسے ङ کہتے ہیں ، صوتیات میں اسے [ŋ] لکھا جاتا ہے۔ اردو میں ہم اسے [نگ] لکھ سکتے ہیں۔ یہ ہمیشہ ک یا گ سے پہلے ہم مخرج ہو کر آتا ہے۔ اب ان کی گروہ بندی کے دو طریقے ہیں۔

ہم ذیل کے دو فونیم اور ان کے ہم صوت قرار دیں

1- [ہم مخرج ن] یعنی جو بعد کے مصمتے سے ہم مخرج ہے اس کے چار ہم صوت ہوئے۔

[دنتی ہم مخرج ن] [تالوئی ہم مخرج ن] [معکوسی ہم مخرج ن] [غشائی ہم مخرج ن]

ان چاروں کی مثالیں بنتا، پنجہ، انڈا، ڈنکا ہیں۔

2- / غیر ہم مخرج ن / - یہ بعد کے مصمتے سے ہم مخرج نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی ذیلی ہم صوت نہیں۔ اس کے تحت منکا، نام، گردن محصور ہو جائیں گے۔

ب- گروہ بندی کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم ذیل کے دو فونیم قرار دیں۔

1- /ن/ یہ بنیادی حیثیت سے دنتی ہے لیکن متعاقب مصمتوں کے زیر اثر اس کا نقطۂ تلفیظ بدل سکتا ہے اس لیے اس میں یہ ہم صوت ملتے ہیں۔

[دنتی ن] جس کا نقطۂ تلفیظ اوپری دانت ہے مثلاً بنتا، نام، گردن۔

[تالوئی ن] جس کا نقطۂ تلفیظ تالو ہے مثلاً پنجہ

[معکوسی ن] اس کا نقطۂ تلفیظ تالو میں اور پیچھے ہے اور اسے نوک زبان الٹ کر چھوتی ہے مثلاً انڈا۔

2- [ن] - یہ انفی مصمتہ زبان کے پچھلے حصّے اور غشا یعنی نرم تالو سے ادا ہوتا ہے۔ مثلاً ڈنکا۔

سوال یہ ہے کہ کس گروہ بندی کو ترجیح دی جائے۔ اردو رسم الخط کے طریقے کو بھول جایئے۔ صوتی مماثلت کی بنا پر دوسری گروہ بندی ٹھیک ہے ہم مخرج یا غیر ہم مخرج ہونا آواز کی نوعیت نہیں بدل دیتا۔ آخر یہ فرق نقطۂ تلفیظ ہی کی بنا پر تو کیا گیا ہے۔ اگر نقطۂ تلفیظ کو اہمیت دینی ہے تو ہم دوسری گروہ بندی کو ماننے پر مجبور ہیں کیونکہ بنتا، نام، گردن، پنجہ، انڈا پانچوں کا تلفیظ کار مشترک ہے یعنی نوک زبان اور نقطۂ تلفیظ پہلے تین کا مشترک ہے یعنی اوپری دانت جب کہ پنجہ اور انڈا کا نقطۂ تلفیظ اوپری دانت سے قریب تالو ہے۔ ڈنکا کا ن تلفیظ کار اور نقطۂ تلفیظ دونوں کے اعتبار سے بہت دور ہے۔ تلفیظ کار ہے زبان کا پچھلا حصہ اور نقطۂ تلفیظ نرم تالو۔ اوپری دانت اور دور از کار نرم تالو سے ادا ہوتے والی آوازوں کو ایک فونیم کی ذریات قرار دینے کا کوئی جواز نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اردو رسم الخط کے علی الرغم ڈنکا، پنکھا، گنگا، کنگھا، رنگ وغیرہ کا مصمتہ نون نہیں بلکہ ایک دوسرا انفی مصمتہ ن /ŋ/ ہے۔

نظام اصوات میں باضابطگی (Pattern Congruity)

عموماً ہر زبان کے نظام اصوت میں باقاعدگی ہوتی ہے۔ فونیم اور ہم صوتوں کی

تلاش کرتے وقت اس پہلو کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اگر ت، د ۔ ٹ، ڈ ۔ ک، گ کے غیر مصمتی اور مصمتی جوڑے ہیں تو امکان ہے کہ ان سے مماثل آواز ایفرکیٹ میں چ کے ساتھ ج بھی ہوگا۔ اردو میں ق کے ساتھ کوئی مصمتی بندشیہ نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اردو کی اپنی آواز نہیں۔ باہر سے لی ہوئی ہے اور اس نے اردو کے بندشیوں کی باقاعدگی کو ضرر پہنچایا ہے۔

اس اصول کا اطلاق مصوتوں میں بہتر طریقے پر نظر آتا ہے۔ اردو ہندی میں خفیف اور طویل مصوتوں کے جوڑے ہیں۔ इ ई وغیرہ کی مماثلت پر अ आ کو بھی ایک ہی مصوتے کی خفیف اور طویل شکل سمجھ لیا گیا چنانچہ سنسکرت متون کو رومن یعنی انگریزی خطوط میں لکھا جاتا ہے تو انھیں a اور ā لکھا جاتا ہے۔ بالائی خط مصوتے کے طول کو ظاہر کرتا ہے اور بالائی خط کا فقدان مصوتے کے اختصار کی نشانی ہے۔ اب صوتی سطح پر اردو کے مصوتوں کی ترتیب یوں دی جاتی تھی۔

خفیف	طویل
i	i:
e	e:
ɛ	ɛ:
ə	a:
	ɔ:
o	o:
u	u:

ə اور a گویا [a] [a:] ہیں۔ باضابطگی کا مزید تقاضا یہ ہے کہ جس طرح دوسرے طویل مصوتوں کے ساتھ متوازی خفیف مصوتہ ہے اسی طرح [ɔ:] کے ساتھ بھی خفیف مصوتہ ہونا چاہیے۔ غور کرنے سے راقم الحروف کو معلوم ہوکہ محرم، معلّی وغیرہ میں پہلا مصوتہ [ŏ] نہیں بلکہ [ɔ̆] ہے۔ اس طرح ترتیب باقاعدہ ہوگئی۔

کفایت کا اصول (PRINCIPLE OF ECONOMY)

صوتیات (PHONETICS) کا مطالبہ ہوتا ہے کہ صوتی تجزیے میں ہم ایک

آواز کی زیادہ سے زیادہ نزاکتیں دریافت کر سکیں یعنی ایک فونیم کے جتنے زیادہ ہم صوت معلوم ہو سکیں اچھا ہے لیکن فونیمات کا اصول ہے کہ ایک زبان کی کل آوازوں کو جتنے کم فونیموں میں اسیر کیا جا سکے اتنا ہی بہتر ہے۔ فونیم جتنے کم ہوں گے اتنی ہی سہولت رہے گی۔ شرط یہی ہے کہ زبان کے مزاج کو مجروح نہ کریں۔

کفایت کی عمل فرمائی کا فائدہ ملاحظہ ہو۔ اگر ہم پھ، بھ، تھ، دھ، ٹھ، ڈھ، چھ، جھ، کھ، گھ کو علیحدہ فونیم قرار نہ دے کر ان کی ھ کاریت کو علیحدہ کرلیں اور اس ھ کاریت کو /h/ کا ہم صوت قرار دیں تو اس طرح زبان کے نظام سے دس فونیم ختم ہو جاتے ہیں۔ ھ کاریت [H] کی [h] سے مماثلت ظاہر ہے۔ اس طرح یہ تجزیہ کفایت کے علاوہ صوتی مماثلت کے پیمانے پر بھی چوکھا اترتا ہے۔

طول کو ایک فونیم قرار دینے سے ہم مصوتی فونیموں کی تعداد تقریباً نصف کر سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ پکا اور پکّا [pək: a ، pəka] جیسے تضادات کے لیے مزید فونیم درکار نہ ہوگا۔

کفایت کی خاطر زبان کے مزاج کو مجروح کرنا یہ ہوگا کہ ہم مصیتیت (VOICING) کو ایک فونیم قرار دیں اور محض غیر مصیتی مصمتوں کو فونیم کہیں اور بقیہ کو دو فونیموں یعنی غیر مصیتی مصمتہ + مصیت کا مجموعہ قرار دیں یعنی [گ] کا تجزیہ یوں کریں

/ک/ + /مصیتیت/

ظاہر ہے کہ یہ تجزیہ مناسب نہیں۔

فونیم کی تلاش کرتے وقت ہمیں ذیل کے اصول بھی مدِ نظر رکھنے چاہئیں۔

1۔ آوازیں اپنے مقام کے اعتبار سے بھی قدرے بدل جاتی ہیں مثلاً انگریزی میں k، t، p لفظ کے شروع میں قدرے ھکاری ہو کر k^H، t^H، p^H ہو جاتی ہیں انھیں ایک دم الگ فونیم نہ سمجھ بیٹھنا چاہیے۔ اردو میں آخری ھکاریت بھی بہت مدھم ہوتی ہے مثلاً ہاتھ، ساتھ کو ہم ہات، سات تو نہیں بولتے لیکن ان کی ھکاریت تھال کے تھ کے برابر بھی نہیں بلکہ بہت کم ہے۔ ان خفیف صوتی اختلافات کا بغور مطالعہ کر کے فیصلہ صادر کرنا چاہیے کہ یہ آوازیں علیحدہ فونیم ہیں یا ایک فونیم کے دو ہم صوت۔

2۔ اپنے ماحول یعنی ماقبل یا مابعد آوازوں کے زیرِ اثر آوازیں اپنے مخرج سے تھوڑا بہت

ہٹ جاتی ہیں مثلاً ' ن ' کا اصل نقطۂ تلفیظ اوپری دانت ہے لیکن پنجہ ، انڈا میں متعاقب مصمتے کے زیرِ اثر ن کا مخرج پیچھے ہٹ گیا ہے۔ کی ، کا ، کو میں متعاقب مصوتے کی وجہ سے ک کا مخرج بدلتا رہتا ہے۔ 'کی' کا [ک] نسبتاً آگے ہے 'کا' کا درمیان میں اور 'کو' کا نسبتاً پیچھے سے ادا ہوتا ہے۔ آوازوں کے اس اختلافِ مخرج کی صحیح تاویل کر کے انھیں ہم صوت قرار دینا چاہیے جداگانہ فونیم نہیں۔

یہ غلطیاں اپنی زبان کے تجزیے میں تو نہیں ہو سکتیں لیکن غیر زبان یا بالکل اجنبی زبان کے فونیمی تجزیے میں اس قسم کے مسائل درپیش آتے ہیں۔ اجنبی زبان کا مواد اکٹھا کر کے قلم بند کیا جائے تو اس کا تجزیہ کرتے وقت اپنی زبان کے فونیموں کی شعوری یا غیر شعوری عادت کی وجہ سے غلطی رونما ہو سکتی ہے۔ یہ ذیل کی اقسام کی ہو سکتی ہے۔

1۔ **بے جا فرق گیری** (OVER- DIFFERENTIATION)۔ یعنی غیر اہم اختلافات کو اہم سمجھ بیٹھنا۔ اس بے جا موشگافی کی مثال یہ ہے کہ ہم انگریزی کے ابتدائی پ یا ک کو پھ یا کھ سمجھ کر علیحدہ فونیم نہ قرار دے دیں حالانکہ انگریزی میں ھ کا ریت کی کوئی اہمیت نہیں۔ یا مثلاً ریڈ انڈینوں کی ALSATIAN اور MENOMINI زبانوں میں پ اور ب کا فرق نہیں۔ یہ ایک ہی فونیم کے دو ہم صوت ہیں۔ ہم ان کی زبان کا فونیمی تجزیہ کرنے کے لیے مواد اکٹھا کریں تو بہت ممکن ہے کہ اپنی لسانی عادت کی وجہ سے ہم ان کے الفاظ کو کہیں پ کے ساتھ اور کہیں ب کے ساتھ لکھ کر انھیں جداگانہ فونیم قرار دے دیں۔ تفصیلی مطالعہ ثابت کر دے گا کہ ان کے وقوع کے ماحول میں تکمیلی بٹوارہ موجود ہے۔

2۔ **اہم فرق فراموشی** (UNDER- DIFFERENTIATION)۔ اوپر والی غلطی کا عکس بھی ہو سکتا ہے یعنی ان اہم اختلافات کو نظر انداز کر دیا جائے جو فونیمی تضاد رکھتے ہیں مثلاً ایک انگریز ہندوستانی زبانوں کے تجزیے میں پھل اور سپیرا کے پھ اور پ کو ایک ہی فونیم کے ہم صوت سمجھ بیٹھے یا ایک پنجابی دہلی کے اردو بولنے والے کی بات چیت میں کافی اور قالین کے ابتدائی مصمتوں کو یکساں قرار دے کر اردو میں مصمتہ ق ، کا ذکر ہی نہ کرے۔

3۔ **آوازوں کی بے جا تقطیع** (OVER- SEGMENTATION)۔ مفرد آواز

کو مرکب جان کر اس کو دو آوازوں کا مرکب قرار دے دیا جائے مثلاً کوئی جرمن شخص اردو ایفریکیٹ چ، ج کو بالترتیب ts، dʒ کا مجموعہ قرار دے بیٹھے یا بعض افریقی زبانوں میں لبی غشائی (LABIO-VELAR) بندشیے ہوتے ہیں جنھیں [KP] اور [gb] لکھا جاتا ہے۔ ان زبانوں میں دوہری آوازیں نہیں بلکہ مفرد آوازیں ہیں۔ اگر ہم اس زبان کا مواد اکٹھا کرکے فونیمی تجزیہ کرنے بیٹھیں تو بہت ممکن ہے کہ ہم انھیں غلطی سے دو مصمتے سمجھ بیٹھیں۔

اردو رسم الخط میں اسی قسم کی غلطی دکھائی دیتی ہے جہاں بعض مقامات پر طویل مصوتوں کو دو آوازوں کا مجموعہ سمجھ لیا گیا ہے مثلاً ایک، ایکھ، اوس، عید وغیرہ۔ ان سب میں مفرد مصوتے اِے، اِی، اُو کو دو دو آوازوں کا مجموعہ مان لیا گیا ہے۔ انگریزی میں ش کو SH سے اور چ کو CH سے لکھنے سے بچوں کو یہ غلط فہمی دے سکتا ہے کہ یہ آوازیں دو مصمتوں کی مرکب ہیں۔

4۔ تقطیع میں کمی (UNDER-SEGMENTATION)۔ مرکب آوازوں کو مفرد سمجھ لینا۔ ہندی لھ، مھ، نھ، ڑھ دوہری آوازیں ہیں کیونکہ ان میں ھکاریت اس طرح شیر و شکر نہیں ہو پاتی جیسے بھ، پھ میں۔ لھ، مھ، نھ، ڑھ وغیرہ کو مفرد آواز سمجھ لینا تقطیع کے مطالبوں کو فراموش کرنا ہے۔ سنسکرت رسم الخط میں क्ष، त्र، ज्ञ وغیرہ کو حروف میں شامل کرنا ایسی غلط فہمی کا غماز ہے کہ ان مرکب آوازوں کو مفرد سمجھا گیا ہوگا۔

5۔ آواز کا غلط ادراک۔ اپنی زبان کی آوازوں کے علاوہ دوسری زبان میں جو نئی آوازیں ہوتی ہیں بسا اوقات سامع انھیں غلط سن بیٹھتا ہے یعنی انھیں اپنی زبان کی کسی آواز جیسا سمجھ لیتا ہے۔ اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ ہم انگریزی کے لثوی d، t کو نہ صحیح سن پاتے ہیں نہ بولنے پر قادر ہیں انھیں ہم معکوسی ٹ، ڈ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح صفیری [θ] کو غیر معینی ھکاری بندشیہ تھ اور [ð] کو مصمتی بندشیہ د، سمجھتے اور بولتے ہیں۔ ہم مراٹھی کے [ळ] کو سوا ڑ، سمجھ لیتے ہیں کیونکہ ہم اس کے مخصوص معکوسی پہلوئی تلفظ کو سننے اور بولنے پر قادر نہیں۔

اس طرح غیر زبان کی اجنبی آوازوں کی گرفت اور تجربے میں ذکی الحس سامع اور

ژرف نظر کی ضرورت ہے۔

فونیمی تجزیے کا طریقہ

ہمارے سامنے ایک زبان کے الفاظ کا مواد ہو اور ہم ان میں فونیموں اور ہم صوتوں کی تلاش کریں تو مندرجہ بالا اصولوں کی روشنی میں آوازوں کے وقوع اور ماحول کا نظرِ غائر سے جائزہ لینا چاہیے۔ مشق سے فونیم اور ہم صوت میں تمیز کرنا مشکل نہ ہوگا مثلاً ہمارے سامنے اردو کے حسبِ ذیل الفاظ ہیں۔

ڈھال ، بڈّھا ، ڈھونڈھ ، منڈھ

بڑھا ، پڑھنا ، ڈھونڈھنا ، چڑھ

ہمیں یہ دریافت کرنا ہے کہ [ڈھ] اور [ڑھ] آزاد فونیم ہیں یا ایک ہی فونیم کے دو ہم صوت ہیں۔ ہم ان کے وقوع اور ماحول کو ایک چارٹ میں یوں لکھیں گے۔

	ابتدا	وسط				آخر	
		ڈ کے بعد مشدد ہوکر	ن کے بعد	انفی مصوتے (نون غنہ) کے بعد	دوسرے موقعوں پر	ن کے بعد	دوسرے موقعوں پر
ڈھ	✓	✓	✓	✓	X	✓	X
ڑھ	X	X	X	X	✓	X	✓

مندرجہ بالا مواد کی بنا پر [ڈھ] اور [ڑھ] دونوں ایک فونیم /ڈھ/ کے ہم صوت قرار پاتے ہیں۔ یہ مشق مثال کے طور پر پیش کی گئی ورنہ مغربی یوپی کا ایک قصبہ "بڈھانہ"، اس تجزیے کو غلط کرنے کے لیے کافی ہے۔ نیز ہم ان دونوں کو ہکاریت سے مرکب قرار دے کر منفرد آوازوں ہی سے خارج کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

فوقِ قطعاتی فونیم

(SUPRA-SEGMENTAL PHONEME)

مصمتے اور مصوتے قطعاتی فونیم ہوتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے بعد سلسلہ وار آتے

ہیں۔ ان کے علاوہ بعض ایسے خواص ہوتے ہیں جو ان فونیموں کے ساتھ مدغم ہوکر آتے ہیں۔ لیکن فونیم کا کام کرتے ہیں مثلاً بَل، سُر، سرلہر وغیرہ۔ قطعاتی فونیم سطری یا خطی ترتیب (LINEAR) سے آتے ہیں اور فوقِ قطعاتی فونیم تطبیقی (OVER-LAPPING) ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قطعاتی فونیم بھی سروں پر جاکر ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہوتے ہیں مثلاً زرہ بکتر میں ک اور ت کی بندش ایک ساتھ رہا ہوتی ہے۔ گلیسن[1] نے انگریزی میں ذیل کے فوقِ قطعاتی فونیم درج کیے ہیں۔

1- OPEN TRANSITION /+/
4- STRESSES /ˊ ˆ ˋ ˘/
4- PITCHES /1 2 3 4/
3- CLAUSE TERMINALS /↘ ↗ ⟶/

اردو میں ان میں سے بل کے چاروں فونیم مفقود ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ انفیت /ں/ کا فونیم ہے۔ نیز ہم کفایت کی خاطر مصوتے کے طول /:/ کو بھی ایک فونیم قرار دیں گے۔ بعض زبانوں میں سر کے مدارج کے بھی فوق قطعاتی فونیم ہوتے ہیں۔ چینی زبان کی بعض بولیوں میں اُن کی تعداد نو تک ہے لیکن چار سُر زیادہ عام ہیں۔ انھیں ہم یوں ادا کریں گے

Low Rising /↗/ , Low Falling /↘/ , High Falling /↘/

LEVEL /⟶/

اردو فونیم :- ان کی تفصیل میری ایک اور[2] تحریر میں ملاحظہ ہو۔ یہاں ان کا صرف شمار کرایا جاتا ہے۔

27 مصمتے :- / پ - ب - ت - د - ٹ - ڈ - ک - گ - ق - چ - ج - م - ن - ݨ - ل - ر - ڑ - ف - س - ز - ش - ژ - خ - غ - O (/h/) - و - ی - /

---

[1] Gleason: DESCRIPTIVE LINGUISTICS P. 50

[2] اردو کا صوتی تجزیہ۔ مشمولہ لسانی مطالعے، ص 85 تا 95

8 مصوتے :- i , e , ɛ , ə , a , ɔ , o , u

ان میں /a/ کے سوا بقیہ تمام مصوتے مختصر ہیں۔ a کو /ə/ کی طویل شکل قرار دینا زیادہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کیونکہ دونوں کی نوعیت میں فرق ہے۔

فوق قطعاتی فونیم

اتصال /+/

سُر کے درجے یعنی سُر لہر /1 2 3 4/

خطوطِ اختتام (T.C.S) اٹھاو /↗/ ۔ گراؤ /↘/ ۔ ہموار /→/

مصوتی انفیت (NASALISATION) /~/

طول /:/

جملہ 45

صوتی اور فونیمی ترسیم (PHONETIC AND PHONEMIC TRASCRIPTION)

ہر زبان کا رسم الخط اس کی آوازوں اور تلفّظ کو صحت سے ادا کرنے میں قاصر رہتا ہے۔ کوئی اس فریضے کو نہایت ناقص طریقے سے ادا کرتا ہے کوئی کم ناقص طریقے سے۔ انھیں دیکھ کر انیسویں صدی کے نصف دوم میں بین الاقوامی صوتیاتی ہجا (International Phonetic Alphabet۔) کی ایجاد کی گئی جس میں مختلف زبانوں کی جملہ آوازوں کو صحت کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ ساری آوازوں کا احصاء تو مشکل تھا ہاں اہم مغربی زبانوں کی آوازوں کو ضرور لے لیا گیا۔ اس میں یہ بھی انتظام تھا کہ جس آواز کے لیے علامت نہ ہو اسے کسی نئی علامت یا مروجہ علامتوں میں سے کسی پر امتیازی نشانات (DIACRITICS) کا اضافہ کر کے ظاہر کیا جائے۔

صوتیاتی تحریر (PHONETIC TRANSCRIPTION) کو حسب ضرورت حسب خواہش مفصل اور جزئیاتی بنایا جا سکتا ہے یعنی محلّ تلفیظ کی نزاکتوں، بل اور سُر وغیرہ کو اس طرح ادا کیا جائے کہ ایک آواز کی جملہ ذیلی اصوات الگ الگ طریقے سے سامنے آجائیں۔ صوتیاتی تحریر کو دقیق ترسیم (NARROW TRANSCRIPTION) بھی کہتے ہیں۔

IPA کے آغاز کے کچھ ہی عرصے بعد بہت سے ماہرین نے محسوس کیا کہ آواز کے

جملہ اوصاف اور خصوصیات کو ظاہر کرنا غیر ضروری اور بار دہ ہے۔ انھوں نے ایسی بعض نزاکتوں اور انھیں ظاہر کرنے والے امتیازی نشانات کو حذف کرنا شروع کیا۔ فونیم کا تصور ابھرنے پر سب سے سادہ تحریر وہ مانی گئی جو فونیم کے لیے ایک نشان اور ایک نشان سے ایک فونیم ظاہر کرے۔ اس تحریر کو فونیمی ترسیم کے علاوہ وسیع ترسیم (BROAD TRANS-CRIPTION) بھی کہتے ہیں۔ اس میں ذیلی اصوات کو ظاہر نہیں کیا جاتا۔ اس کے بھی مختلف مدراج ہیں۔ بعض میں کچھ خصوصیات کو ظاہر کر دیا جاتا ہے بعض میں بالکل نہیں۔ اس ترسیم کا کسی خاص زبان سے تعلق ہوتا ہے۔ وسیع ترسیم اس زبان کا بہترین اور مثالی رسم الخط فراہم کرتی ہے لیکن کسی بھی زبان کے رسم الخط کو فونیمی تقاضوں کے مطابق نہیں ڈھالا گیا۔

صوتی مطالعے میں وسیع ترسیم اس لیے ناکافی رہتی ہے کہ ایک ماہر جن خصوصیات کو غیر اہم سمجھ کر حذف کر دیتا ہے دوسرا انھیں اہم سمجھتا ہے اور ترسیم میں ان کا فقدان دیکھ کر ضروری نتائج اخذ کرنے میں قاصر رہتا ہے۔

ان دونوں ترسیموں کے بیچ ایک اور ترسیم (ETHNO-PHONEMIC TRANSCRIPTION) ہے۔ مخصوص عملی ضرورتوں سے فونیمی ترسیم میں کچھ مروّجہ علامات کا استعمال کر لیا جائے جو فونیمی یا صوتنیاتی اعتبار سے بالکل صحیح نہ ہوں تو ایسی ترسیم کو ETHNO-PHONEMIC کہتے ہیں مثلاً جزیرۂ ہیٹی کی مخلوط زبان (HAITIAN CREOLE) کو رسم الخط دیا گیا تو اس میں ژ کے لیے J اور ش کے لیے ch کی علامات رکھ دی گئیں تاکہ وہاں کے لوگ جب فرنچ زبان لکھنا چاہیں تو انھیں پریشانی نہ ہو۔ اس طرح ایتھنو فونیمی ترسیم ترمیم شدہ فونیمی ترسیم ہوتی ہے۔ ترسیم کے باب میں رومن رسم خط کے سلسلے میں ——— INITIAL TEACHING ALPHABET کی تفصیل دی جائے گی یہ بھی اسی قسم کی ترسیم قرار دی جائے گی۔

آوازوں کا ترکیبی تجزیہ[1] (COMPONENTIAL ANALYSIS)۔

فونیم کا تصور تلفیظی صوتنیات پر مبنی ہے۔ تلفیظی اعتبار سے آوازوں کی گروہ بندی بہت

---

[1] راقم الحروف نے دھارواڑ میں منعقدہ گرمائی اسکول لسانیات میں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے نقاطِ تلفیظ، طریقہ ہائے تلفیظ اور بعض دوسرے اوصاف کی بنا پر کی جاتی ہے۔ اس طرح اس گروہ بندی میں بہت سی بنیادوں کو پیشِ نظر رکھنا پڑتا ہے۔ فونیم میں آوازوں کے غیر اہم اوصاف کو نظر انداز کر کے صرف امتیازی خصوصیات کو پیش نظر رکھا گیا۔

قائل کے ذہن سے سامع کے کان تک آواز صوتی لہروں میں سفر کرتی ہے۔

پچھلے باب میں سمعیاتی صوتیات کے ضمن میں اس کی تفصیل دی جا چکی ہے۔ آواز بندشی ہے کہ صفیری، تالو سے ادا ہوئی ہے کہ غشا سے، اس قسم کی جملہ امتیازی خصوصیات صوتی لہروں میں موجود رہتی ہوں گی۔

زبان کی آوازوں بالخصوص فونیموں کی بنیادی خصوصیات کیا ہیں؟ کیا انھیں کسی ایسے سادہ طریقے سے پیش کیا جا سکتا ہے جس کا اطلاق تمام زبانوں پر ہو۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر رومن یاکوبسن نے بعض دوسرے علما کے ساتھ اس کا حل تلاش کیا۔ انھوں نے اپنی تحقیقات کو سمعیاتی صوتیات پر مبنی کیا اور اسپیکٹوگراف یا سونوگراف میں آوازوں کے عکس (اسپیکٹروگرام) کے لیے جس سے انھوں نے معلوم کیا کہ آوازوں کی بنیادی خصوصیات 12 جوڑوں میں سمیٹی جا سکتی ہیں۔ انھوں نے اپنے نظریے کو PRELIMINARIES TO SPEECH ANALYSIS 1952 میں پیش کیا۔ بعد میں اسے اپنی دوسری کتاب FUNDAMENTALS OF LANGUAGE 56ء میں دیا۔ دونوں میں ان کے ساتھ دوسرے مصنفین بھی شریک ہیں۔

اس نظریے میں یاکوبسن نے آوازوں کی جملہ بنیادی خصوصیات کو دو دو کے بارہ جوڑوں میں اسیر کیا۔ اصلاً یاکوبسن نے پانچ ہی جوڑے رکھے تھے لیکن بعد میں بڑھا کر انھیں بارہ تک پہنچا دیا۔ ہر آواز میں ان متضاد خصوصیات کے جوڑوں میں سے کوئی سی ایک موجود اور دوسری مفقود ہوتی ہے یا کوئی سی بھی نہیں ہوتی یعنی اس خصوصیات کا اطلاق ہی نہیں ہوتا۔ ان

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا) 62ء میں پروفیسر ڈی۔ آئی۔ سبرامنیم سے ADVANCED PHONEMICS کا درس لیا۔ اس کے سلسلے میں انھوں نے خاص طور سے یاکوبسن کے ترکیبی تجزیے کے نظریے کو پڑھایا۔ یاکوبسن کی کتاب کے سرسری مطالعے سے بھی نوٹ لیے۔ مندرجہ بالا سطور میں ان یادداشتوں کے علاوہ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے مضمون "اردو آوازوں کی نئی درجہ بندی، امتیازی خصوصیات کی روشنی میں" مشمولہ نذرِ ذاکر 1968 سے مفصل استفادہ کیا گیا ہے۔

خصوصیات کو اس نے امتیازی خصوصیات DISTINCTIVE FEATWES کہا ہے۔ ان کی بنا پر تجزیے کی صحت اس بات سے ظاہر ہے کہ کسی ایک آواز کی امتیازی خصوصیات دوسری آواز کی امتیازی خصوصیات سے سو فی صدی مطابق نہیں ہو سکتیں۔ کہیں نہ کہیں فرق ضرور ہوتا ہے۔ گویا تلفیظی صوتیات میں جو طرح طرح کی بنیادوں پر آواز کا تعین کیا جاتا ہے یہاں محض بارہ متضاد خصوصیات کے بل پر ہر مصمتے اور مصوتے کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔ تلفیظی صوتیات کے کسی چارٹ میں تمام زبانوں کی تمام آوازوں کا احاطہ نہیں کیا جاتا لیکن یاکبسن کا دعویٰ ہے کہ اس کا تجزیہ اتنا آفاقی ہے کہ وہ دنیا کی تمام زبانوں کی تمام آوازوں کا احصار کرتا ہے۔ دوسرے لوگ یاکوبسن کے اس بلند بانگ دعوے سے متفق نہیں۔

یہ واضح ہو کہ امتیازی خصوصیات کا تجزیہ صرف اسپیکٹروگرام کے ذریعے سے ہو سکتا ہے کیونکہ یہ پورا نظریہ سمعیاتی صوتیات سے تعلق رکھتا ہے۔ ذیل میں ان خصوصیات کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔ ان میں[1] یاکوبسن نے پہلے اسپیکٹروگرام کی خصوصیات درج کی ہیں بعد میں تلفیظی۔

1۔ مصوتی بہ مقابلہ غیر مصوتی (VOCALIC / NON-VOCALIC)۔

مصوتی آوازوں میں واضح طور پر فارمنٹ ہوتا ہے۔ غیر مصوتی میں نہیں ہوتا۔ انفیوں میں بھی کچھ فارمنٹ ہوتے ہیں۔ بعض صفیرے بھی مصوتی (VOCALIC) ہوتے ہیں۔

تلفیظی اعتبار سے گلو (GLOTHIS) میں ہلچل ہوتی ہے اور صوتی راستہ کھلا رہتا ہے۔

2۔ مصمتی / غیر مصمتی۔

سمعیاتی خصوصیت:۔ مصمتی میں کُل قوت کم اور غیر مصمتی میں زیادہ ہوتی ہے۔ مصمتی کے اسپیکٹرم میں بعض خالی یعنی سادہ مقامات ہوتے ہیں۔

---

[1] ROMAN JAKOBSON AND MORRIS HALLE: FUNDAMENTALS OF LANGUAGE, PP. 29-32, MOUTON & CO., THE HAGUE, 1956

نیز ڈاکٹر نارنگ کا مضمون۔

تلفیظی خصوصیت:۔ صوتی راستے میں رکاوٹ کا ہونا یا نہ ہونا۔

مصوتے:۔ مصوتی اور غیر مصمتی ہوتے ہیں۔ لہریے (نیم مصوتے) غیر مصوتی اور غیر مصمتی ہوتے ہیں۔ رقیقیے (ل، ر) مصوتی اور مصمتی ہوتے ہیں یعنی جوف دہن میں رکاوٹ بھی ہوتی ہے اور راستہ جزوی طور پر کھلا بھی رہتا ہے۔ بقیہ مصمتے غیر مصوتی اور مصمتی ہوتے ہیں۔

3- پیوست / منتشر (COMPACT / DIFFUSE)

پیوست میں اسپیکٹرم کے تنگ سے مرکزی علاقے میں قوت مجتمع ہو جاتی ہے یعنی سمعیاتی خطوط پاس پاس ہوتے ہیں جب کہ منتشر میں سمعیاتی خطوط مرکز سے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں۔

خلائے دہن میں جہاں کہیں راستہ تنگ ہوتا ہے اس کے آگے اور پیچھے دو گونجدار جوف بن جاتے ہیں۔ پیوست میں آگے کا جوف بڑا ہوتا ہے جب کہ منتشر میں پیچھے کا جوف بڑا ہوتا ہے۔

کھلے مصوتے اور غشائی، تالوئی اور پیش تالوئی مصمتے پیوست ہوتے ہیں جب کہ بند مصوتے اور لبی، دنتی، لثوی مصمتے منتشر ہوتے ہیں۔

4- تناؤ دار / ڈھیلا (TENSE / LEX)

تناؤ دار میں زیادہ قوت ہوتی ہے نیز اسپیکٹرم میں زمانی خط میں بھی زیادہ قوت ہوتی ہے۔ ڈھیلی آوازوں میں اس کے برعکس ہوتا ہے۔ تناؤ دار میں عموماً زمانی وقفہ زیادہ ہوتا ہے۔

تلفیظی اعتبار سے ڈھیلی آوازوں میں صوتی راستہ نسبتاً آرام کی حالت میں ہوتا ہے جب کہ تناؤ دار میں آرام کی حالت سے مختلف ہو کر بگڑ جاتا ہے۔

5- مصیتی / غیر مصیتی

اسپیکٹرم میں نیچے کی طرف مصیتی پٹی موجود ہو تو آواز مصیتی ہوگی۔ یہ موجود نہ ہو تو غیر مصیتی ہوگی۔

6- انفی / دہانی (NASAL / ORAL or NASALISED/NON-NASALISED)۔

انفی آواز میں پہلا سمعیاتی فارمنٹ کمزور ہوتا ہے جب کہ اس کے اوپر قوت زیادہ وسیع علاقے میں پھیل جاتی ہے۔ یہ بالائی فارمنٹ میں انفی فارمنٹ کے شمول سے ہوتا ہے۔

دہانی آوازوں میں انفی فارمنٹ نہیں ہوتا۔

7- غیرمسلسل / جاریہ (DISCONTINUOUS/CONTINUANT)

اسپیکٹرم میں سب سے نیچے جو مصوتی پٹی بنتی ہے غیر مسلسل آوازوں میں اس کے اوپر خاموشی پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد یک لخت ایک عمودی خط کا آغاز ہوتا ہے۔ جاریہ آوازوں میں سکوت اور آواز کی یک لخت تبدیلی نہیں ہوتی۔

تلفیظی اعتبار سے غیر مسلسل آوازوں میں یک لخت راستہ بند ہوتا ہے جیساکہ بندشیے اور ارتعاشی میں ہوتا ہے۔ اس کے برعکس صفیریوں اور پہلوئی ل میں راستہ جاری رہتا ہے۔

8- سخت / نرم (STRIDENT / MELLOW)

سخت آوازوں کے اسپیکٹرم میں زیادہ شدت والا شور ہوتا ہے اور لہریں بے قاعدہ ہوتی ہیں۔ نرم آوازوں میں شور کی شدت کم ہوتی ہے اور لہریں باقاعدہ ہوتی ہیں۔ سخت آوازوں کے اسپیکٹرم کا اوپری حصہ تقریباً سیاہ ہوتا ہے۔

سخت آوازوں میں مخرج کے کنارے غیر ہموار ہوتے ہیں۔ مثلاً س، ز کی تلفیظ میں نکلتے وقت ہوا نچلے دانتوں کے غیر ہموار کناروں سے ٹکراتی ہے جس سے ہوا کی لہریں بے قاعدہ ہو جاتی ہیں۔ نرم آوازوں میں یہ کنارے ہموار ہوتے ہیں۔

9- منقطع / غیر منقطع (CHECKED/UNCHECKED)-

منقطع آوازوں میں کم وقت میں زیادہ قوت کی نکاسی ہوتی ہے اور فارمنٹ زیادہ صفائی سے ختم ہو جاتا ہے۔ غیر منقطع آوازوں میں زیادہ وقت میں کم قوت بروئے کار آتی ہے۔

گلوئی بندشیے والی یا GLOTTDLISED آوازیں منقطع ہوتی ہیں جب کہ بقیہ غیر منقطع ہوتی ہیں۔

گمبھیر/تیکھی (GRAVE / ACUTE)

گمبھیر آوازوں میں اسپیکٹرم کے کم صوتی تواتر والے یعنی بالائی حصے میں قوت کا اجتماع ہوتا ہے جب کہ تیکھی آوازوں میں زیادہ صوتی تواتر (FREQUENCIES) والے حصے میں قوت جمع ہوتی ہے۔ تلفیظی اعتبار سے گمبھیر آوازیں نواحی ہوتی ہیں اور تیکھی آوازیں غیر نسبتاً درمیانی ہوتی ہیں۔ نواحی آوازوں مثلاً عشائی اور لبی میں جوفِ دہن وسیع ہوتا ہے

اور خانوں میں نہیں بٹتا۔ درمیانی آوازوں میں یہ جوف حصوں میں بٹ جاتا ہے۔ دنتی اور تالوئی آوازیں تیکھی ہوتی ہیں۔ مصوتوں میں اُو۔ اُو گمبھیر ہیں جبکہ اے، ای تیکھی ہیں۔

11- سپاٹ / غیر سپاٹ (FLAT / PLAIN)

سپاٹ فونیموں میں فارمنٹ نیچے کی طرف کو جھکا ہوتا ہے۔

تلفیظی شکل :۔ دہانے کو تنگ درز دار کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی غشا کا حصہ یا اس سے بھی نیچے حلق (PHAEYNX) کو پیچھے کی طرف کیا جاتا ہے جس سے منہ کا جوف بڑا ہو جاتا ہے۔ یہ سپاٹ آوازوں کے لیے ہوتا ہے جب کہ غیر سپاٹ میں یہ نہیں ہوتا۔

یہ آوازیں عربی اور ترکی میں پائی جاتی ہیں۔ کسی ایک زبان میں لبوں کو سکوڑنا اور حلق کو سکوڑنا یا نیچے کرنا، یہ دونوں کیفیت ایک ساتھ نہیں پائی جاتیں۔ عربی اور ترکی میں حلق کے عمل پر زور ہے تو ہند آریائی اور دراوڑی میں معکوسی اور غیر معکوسی میں یہ عمل پیدا ہوتا ہے کیونکہ معکوسی آواز کو پیدا کرنے کے لیے زبان کی جڑ قدرے پیچھے ہٹتی ہے جس سے دہن کا پچھلا حصہ اور پیچھے تک چلا جاتا۔

12 تیز / سادہ (SHARP / PLAIN)

تیز آوازوں کے اوپر کے فارمنٹ میں اوراوپر جانے کا رجحان ملتا ہے تلفیظی اعتبار سے یہ تالوئیت (PALATALIZATION) میں ہوتا ہے۔ روسی زبان ہی میں تیز مصمتے ملتے ہیں۔

مندرجہ بالا خصوصیات میں سے نویں اور بارھویں جوڑے کا ہندوستانی آوازوں پر اطلاق نہیں ہوتا۔ بقیہ دس خصوصیات ہی کی تلاش کی جاتی ہے۔ اس نظریے کی خوبیاں اور خامیاں۔ اس نظریے میں ہر وصف کے دو درجے قرار دیے گئے ہیں اس کا وجود یا اس کی ضد یا فقدان۔ مثلاً مصمتیت اور غیر مصمتیت۔ بیچ میں کئی درجے ہو سکتے ہیں لیکن اس نظریے نے غیر اہم اوصاف کو نظر انداز کر دیا ہے۔ دو دو خصوصیات کی جوڑی میں سے ایک کا انتخاب بہت سادہ اور سہل ہے دس بارہ خصوصیات کے اس دو رخے انتخاب سے ایک زبان کی تمام آوازوں کی تعیین کر دینا بہت جامع ہے۔

اس نظریے سے آوازوں کی سب سے اہم، ناگزیر اور بنیادی خصوصیات بھی دریافت ہو جاتی ہیں۔ جو خصوصیات تمام آوازوں کو جدا جدا کر سکیں ان کے بنیادی ہونے میں کیا

شک ہے۔

اس نظریے کی کمزوری یہ ہے کہ اس کا اطلاق محض اسپیکٹروگراف یا سونوگراف کی مدد سے ہو سکتا ہے۔ ہر شخص کو ہر وقت یہ بیش قیمت آلات نومتیسر نہیں۔ سپکٹروگرام مصوتوں کے تعین میں تو بہت کارآمد ہیں لیکن مصمتوں کی خصوصیات کو اتنی صحت سے نہیں کھولتے۔ ان مختلف امتیازی خصوصیات کا اسپکٹرم میں اتنی قطعیت سے تعین نہیں ہو سکتا کہ اس کی بنا پر ہر اجنبی یا کم واقع ہونے والی آواز کو صحیح صحیح پڑھا جاسکے۔

یہ نظریہ تلفیظی صوتیات سے روگردانی کرتا ہے حالانکہ تلفیظی صوتیات مختلف آوازوں کے متعلق کتنی بنیادی سچائیاں افشا کرتی ہے۔ اس کا اطلاق ہر ذی الحس شخص خاصی صحت سے کر سکتا ہے اور آلات کی مدد لی جائے تو سب کچھ ریاضی کی سی قطعیت کے ساتھ سامنے آجاتا ہے۔ ہمارے لیے یہ جاننا اور سکھانا آسان ہے کہ آواز نالو سے ادا ہوئی کہ غشائے، اس کے لیے راستہ تنگ رکھا گیا کہ کشادہ۔ لیکن یہ جاننا یا سکھانا بہت مشکل ہے کہ اسپیکٹروگرام میں کون کون سی امتیازی خصوصیات ظاہر ہو رہی ہیں اور یہ کون کون سی آوازوں کو ظاہر کرتی ہیں۔

ذیل میں اردو کی مصمتی آوازوں کی امتیازی خصوصیات ایک چارٹ میں درج کی جاتی ہیں۔ یہ چارٹ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے محولۂ بالا مضمون کے چارٹ میں[1] قدرے ترمیم کر کے

---

[1] کرناٹک یونیورسٹی دھارواڑ میں لسانیات کا موسم گرما اسکول 62ء میں منعقد ہوا۔ میں ADVANCED PHONETICS کے کلاس میں بحیثیت طالب علم کے شریک تھا اور کیرالا کے پروفیسر دی۔ آئی۔ سبرامنیم درس دیتے تھے۔ انھوں نے امریکہ میں رہ کر ملیالم زبان کی PALAYA بولی کی امتیازی خصوصیات معلوم کی تھیں۔ ان کا چارٹ انھوں نے سارے کلاس کو دیا اور خواہش ظاہر کی کہ اس چارٹ کو دیکھ کر، نیز یاکوبسن کی کتابوں کی مدد سے، طلبہ اپنی اپنی زبان کے مصمتوں کا اسی قسم کا چارٹ تیار کریں۔ میں نے ان کے چارٹ نیز یاکوبسن کی کتاب FUNDAMENTALS OF LANGUAGE کی مدد سے اردو مصمتوں کی امتیازی خصوصیات کا ایک چارٹ تیار کر دیا۔ اسپکٹروگراف میں عکس لیے بغیر اس طرح امتیازی خصوصیات کی تعیین لال بجھکڑ والا کارنامہ تھا۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے 65-64 میں امریکہ میں سونوگراف کی مدد سے اردو کے مصمتوں کی امتیازی خصوصیات معلوم کیں۔ ان کا کام سائنٹفک تھا۔ جب وہ نذیر ذاکر کے (باقی حاشیہ صفحہ اگلے پر)

تیار کیا گیا ہے۔ اس میں جمع (+) کا نشان ظاہر کرتا ہے کہ آواز میں پہلی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ نفی کا نشان (–) ظاہر کرتا ہے کہ دوسری خصوصیت پائی جاتی ہے۔ اگر کوئی بھی نشان نہیں بنایا گیا تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس خصوصیت کا اس آواز پر اطلاق نہیں ہوتا۔

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ کا) یے مندرجہ بالا موضوع پر مضمون لکھنے لگے تو میں نے انھیں لکھا کہ کئی سال پہلے میں نے بھی اردو آوازوں کی امتیازی خصوصیات کا چارٹ تیار کیا تھا۔ میں نے اپنا چارٹ ان کے پاس بھیج دیا۔ انھوں نے کمال لطف سے لکھا کہ میرا اور ان کا تجزیہ بالکل یکساں ہے۔ میں اسے ان کے لطف سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ میں نے بغیر سمجھے بوجھے ایک چارٹ بنا دیا تھا۔ ان کا کام سائنٹفک ہے۔ اب میں ان کا چارٹ دیکھتا ہوں تو مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ کم از کم چند مقامات پر میرا ان کا تجزیہ مختلف رہا ہوگا۔

اردو مصمتوں کی امتیازی خصوصیات

	پ	ب	ت	د	ٹ	ڈ	ک	گ	ق	چ	ج	م	ن	ن̆	ل	ر	ڑ	ف	س	ز	ش	ژ	خ	غ	ھ [h]	و	ی
VOCALIC/ NON-VOCALIC	–	–	–	–	–	–	–	–	–	–	–	–	–	–	+	+	–	–	–	–	–	–	–	–	–	–	–
CONSONANTAL/ NON-CONSONANTAL	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	–	–
COMPACT/ DIFFUSE	–	–	–	–	+	–	+	+				–	+	+			+	–	–	–	+	+	+		–	+	–
TENSE/ LAX																									+		
VOICED/ VOICELESS	–	+	–	+	–	+	–	+	–	–	+	+	+	+	+	+	+	–	–	+	–	+	–	+	–	+	+
NASAL/ ORAL	–	–	–	–	–	–	–	–	–	–	–	+	+	+	–	–	–	–	–	–	–	–	–	–	–	–	–
DIS-CONTINUOUS/ CONTINUANT	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	+	–	+	+	–	–	–	–	–	–	–	–		
STRIDENT/ MELLOW	–	–	–	–	–	–	–	–	+	+	+	–	–	–			–	+	+	+	+	+	–	–	–		
GRAVE/ ACUTE	+	+	–	–	–	–	+	+	+		–	+	–	+			–	+	–								
FLAT/ PLAIN				–	+	+							–				+										

پانچواں باب

مارفیمیات یا صرف

جس طرح ہماری مروجہ اسکولی قواعد کے دو اہم شعبے صرف اور نحو ہیں اسی طرح لسانیات میں بھی قواعد نام ہے صرف اور نحو کا 'صرف' کی اصطلاح استعمال کرنے میں یہ قباحت ہے کہ لسانیات کی مارفولوجی قواعد کے صرف سے مختلف ہے۔ روایتی قواعد میں مارفیم کے مقابلے کا تصور نہیں جہاں تک لفظ کا تعلق ہے مارفالوجی میں king of England's daughter میں 'king of England' ایک لفظ جانا جاتا ہے جب کہ قواعد میں یہ تین الفاظ کا مجموعہ ہے۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ مارفالوجی کے لیے روایتی قواعد کی اصطلاح 'صرف' سے صرف نظر کر لیا جائے۔ ہندی میں اس کا ترجمہ روپ وگیان کیا گیا ہے کیونکہ وہاں 'مارفیم' کو روپ کہا گیا۔ 'زبان اور علم زبان' میں سروری صاحب نے ہندی ترجمے کے پیش نظر مارفیم کو تشکیلیہ اور مارفولوجی کو 'تشکیلیات' کہا۔ نیا لفظ گھڑنے کی بجائے 'مارفیم' ہی کو استعمال کیا جائے تو ابلاغ و تفہیم میں سہولت رہے گی۔ مارفیم کے علم کو اردو لاحقے کے ساتھ مارفیمیات کہہ سکتے ہیں۔

ماہرین لسانیات نے مارفیم کی بڑی سائینٹفک تعریف کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اردو کے لیے وہ کسی قدر ثقیل اور مغلق ہو جاتی ہے۔ مبتدی کے لیے یہ مبتدیانہ تعریفیں کافی ہیں۔

مارفیم چھوٹی سے چھوٹی با معنی اکائی ہوتی ہے۔

مارفیم وہ چھوٹی سے چھوٹی اکائی ہے جس میں ہئیت اور موضوع کے بیچ ایک رشتہ ہو

مارفیم چھوٹے سے چھوٹا بامعنی جزو ہے مثلاً گھر، میز، کرسی واحد مارفیم ہیں۔ ہوشیار، روزگار دو دو مارفیموں ہوش + یار، روز + گار کے مجموعے ہیں۔ 'گار' کے لغوی معنی تلاش نہ کیجیے، کیونکہ مارفیم کے بامعنی ہونے کے معنی لغت کے معنی نہیں بلکہ ہیئت اور مواد کے بیچ کسی نہ کسی رشتے کا پایا جانا کافی ہے۔ 'گار' ایک لاحقہ ہے جو مادے سے مل کر معنی دیتا ہے مثلاً آموزگار، پرہیزگار، ستم گار۔ بعض مارفیموں کے معنی اس سے بھی زیادہ مبہم ہوتے ہیں مثلاً 'لڑکا' دو یا تین مارفیموں کا مجموعہ ہے لڑک + آ۔ 'آ' تذکیر اور وحدت کے معنی دیتا ہے اس لیے غالباً اسے دو مدغم مارفیم ماننا بہتر ہوگا۔

بعض اوقات ایک مارفیم کی کئی ذیلی شکلیں ہوتی ہیں مثلاً 'وہ کھاکر گیا'، 'وہ کھاکے گیا'، 'دس بجنا چاہتے ہیں'، 'دس بجا چاہتے ہیں'۔ ان جوڑوں میں کر اور کے یا بجنا اور بجا کے نا اور آ ہم معنی ہیں۔ یہ ایک ہی مارفیم کی شکلیں ہیں انھیں ایلومارف کہتے ہیں بلوم فیلڈ نے انھیں Alternant کہا ہے جس طرح ایک فونیم میں کئی ہم صوت ہو سکتے ہیں اسی طرح ایک مارفیم میں کئی ایلومارف ہو سکتے ہیں۔ مارفیم کو منجھلے بریکٹ میں اور ایلومارف کو آڑی لکیروں کے بیچ لکھتے ہیں۔ مثلاً اردو میں جمع مذکر کے مارفیم {-ے} کے چند ایلومارف ذیل کے الفاظ میں دیکھیے۔

لڑکے - لڑکوں - بتاں - دل با - الطاف - پتھر (دس پتھر پھینکے) انھیں یوں لکھا جائے گا۔

/-ے/ /-وں/ /-آں/ /-ہا/ /-ات/ /-∅/

آخری ایلومارف صفر ہے جسے ایک ترچھی لکیر سے اس لیے کاٹ دیتے ہیں۔ تاکہ انگریزی حرف O سے التباس نہ ہو کسی غیر زبان میں خصوصاً اور اپنی زبان میں عموماً مارفیم اور ایلومارف کی تعیّن کافی مشکل ہے۔ بعض اوقات یہ بالکل واضح ہوتے ہیں لیکن بعض مرتبہ غیر واضح رہتے ہیں۔ ان کی تعیّن کے لیے ماہر مارفیمیات نائڈا (NIDA) نے چھ اصول بنائے ہیں جو پیچیدہ اور مشکوک صورتوں میں بھی رہبری کرتے ہیں۔ وہ اصول حسبِ ذیل ہیں۔

پہلا اصول:- جو روپ (FORMS) ہر محل پر فونیمی اعتبار سے یکساں ہوں اور جن کا مفہوم یکساں ہو وہ ایک مارفیم ہیں مثلاً لڑکپن، بچپن، بڑکپن میں 'پن' اہمیت کے معنی دیتا ہے اس لیے یہ ایک مارفیم ہے لیکن درپن، بچپن، کوپن میں پن کے یہ معنی نہیں

اس لیے مفہوم کے اختلاف کی بنا پر ان کے آخری جزو کو پہلے مارفیم {پَن} کا ایلومارف نہیں کہہ سکتے۔

دوسرا اصول:۔ جو روپ معنوی اعتبار سے یکساں ہیں صوتیاتی (فونیمی) اعتبار سے ان میں کچھ فرق ہے (مثلاً کچھ فونیم کم یا زیادہ ہوں یا ان کی ترتیب میں فرق ہو) اور اس فرق کی صوتیاتی سطح پر تاویل کی جا سکتی ہے تو ہم اس فرق کو نظرانداز کر سکتے ہیں اور وہ سب مختلف الہیئت اور ہم معنی روپ ایک مارفیم کے اجزا ہیں مثلاً۔

ابوالکلام کا {اُل} اور عبدالسلام کا {اُس} اور نورالدین کا {اُد} ایک ہی مارفیم کے ایلومارف ہیں کیونکہ اُن کی یہ صوتیاتی توجیہ ہو سکتی ہے کہ قمری حروف سے پہلے اُل آتا ہے اور شمسی حروفِ تہجی سے پہلے ل متعاقب شمسی مصمتے میں بدل جاتا ہے۔ مارفیمی تبدیلی کی مختلف شکلیں ہیں جن کی تفصیل کسی اور مقام پر درج کی جائے گی۔

تیسرا اصول:۔ جو روپ معنوی اعتبار سے یکساں ہوں یعنی دوسرے روپوں سے ممیز ہوں لیکن صوتیاتی اعتبار سے مختلف ہوں اور اُن کے اس اختلاف کی صوتیاتی سطح پر توجیہ بھی نہ ہو سکتی ہو تو یہ روپ بھی ایک مارفیم کے جزو ہیں اگر بعض قیود کے ساتھ تکملی بٹوارے میں ہوں

اُردو کے لیے صرف ذیل کی ایک تحدید کا درج کرنا کافی ہے۔

اگر روپوں کا ایک ایسا سلسلہ ہے جو معنوی اعتبار سے یکساں ہیں لیکن صوتی اعتبار سے قدرے مماثل اور قدرے مختلف ہیں اور اس اختلاف کی صوتیاتی توجیہ نہیں ہو سکتی۔

اور ایک دوسرا سلسلہ ہے جو صوتی اعتبار سے پہلے سلسلے سے قدرے مماثل ہے لیکن معنوی اعتبار سے کوئی اشتراک نہیں رکھتا تو پہلے سلسلے کے روپ ایک مارفیم کے ایلومارف ہیں۔ مثلاً

مرا - گیا - کیا - آیا

ان الفاظ میں ماضی مطلق واحد مذکر کا مارفیم معنوی اعتبار سے یکساں ہے لیکن صوری یعنی صوتی اعتبار سے اس میں آخری "آ" کے اشتراک کے باوجود اس سے پہلے کے فونیموں میں اختلافات ہیں۔ فونیمی سطح پر توجیہ نہیں ہو سکتی کہ مر سے مرا۔ جا سے گیا۔ کر سے کیا اور آ سے آیا۔ کیوں بنا۔

اب ایک دوسرا سلسلہ دیکھیے۔

لڑکا، ڈنڈا، لوہا

اس سلسلے کے الفاظ آخری 'آ' پہلے سلسلے کے روپوں کے آخری اجزا آ، گیا، آیا، پایا سے قدرے مماثل ہے لیکن پہلے سلسلے کے تمام الفاظ کا آخری جزو ماضی مطلق کے جو معنی دیتا ہے وہ دوسرے سلسلے کے الفاظ میں مفقود ہے۔ اس سے ثابت ہوتا کہ پہلے سلسلے کے الفاظ کے آخری جزو ایک مارفیم {-آ} کے ایلومارف ہیں جو ماضی مطلق واحد مذکر کے معنی دیتے ہیں۔

چوتھا اصول:۔ اگر مماثل ساخت والے روپوں کے سلسلے میں دو روپوں میں صوری فرق ہو تو وہ صوری فرق اس صورت میں مارفیمی (دراصل ایلومارفی) حیثیت رکھے گا اگر اس سلسلے کے کسی اور فرد میں صرف صفر کی فرق ہی سے مفہوم کا اختلاف ظاہر ہوتا ہو مثلاً

انگریزی میں واحد سے جمع بناتے وقت اکثر [S-] یا [Z-] کا لاحقہ لگایا جاتا ہے۔ لیکن FOOT سے FEET بناتے وقت مبادلہ (REPLACING) کیا گیا ہے چونکہ واحد SHEEP اور جمع SHEEP میں صرف صفر کا فرق ہے اس لیے FOOT اور FEET کے مبادلے کو مارفیم کی ذیل میں رکھا جائے گا یعنی جمع کے مارفیم کا ایلومارف تسلیم کیا جائے گا۔

راقم الحروف کو نائڈا کے اس اصول سے اتفاق نہیں۔ اگر SHEEP میں جمع کا ایلومارف صفر کی شکل میں نہ ہوتا تب بھی اس میں شک نہ تھا کہ FOOT سے FEET میں جمع کا ایلومارف آیا ہے۔ صفر کا ایلومارف اسے کہاں متاثر کرتا ہے۔

نائڈا نے FEET میں تین مارفیم مانے ہیں۔

مادہ FOOT ۔ اسے ای میں مبادلہ، جمع کا صفر مارفیم۔ میرے نزدیک اس میں صرف دو مارفیم ہیں۔ گلیسن[1] کی طرح مبادلے کو جمع کے مارفیم {Z--} کا ایلومارف کہنا کافی ہے۔ صفر ایلومارف کی ضرورت نہیں۔ اس طرح اردو میں اس اصول کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

پانچواں اصول:۔ اگر دو الفاظ صورت کے اعتبار سے یکساں ہیں تو ان

---

[1] Gleason: Descriptive Linguistics P.75

کے بارے میں یہ طے کرنا کہ وہ مختلف مارفیم ہیں یا ایک مارفیم کے ایلومارف ہیں ذیل کی شرائط کی مدد سے ممکن ہے۔

1۔ اگر ایک صورت والے الفاظ معنی میں بالکل مختلف ہیں تو وہ دو مارفیم ہیں۔ مثلاً بار معنی بوجھ۔ بار بمعنی باریابی۔ بار بمعنی پھل۔ بار بمعنی مرتبہ مختلف مارفیم ہیں۔ اسی طرح مَن بمعنی دل، مَن بمعنی چالیس سیر، مَن بمعنی سانپ کے منھ سے نکلنے والا درخشاں گوہر بھی تین مختلف مارفیم ہیں۔

2۔ اگر یکساں ہیئت والے الفاظ میں معانی ملتے جلتے ہوں لیکن بالکل یکساں نہیں تو اُن کی مارفیمی حیثیت کا تعین حسب ذیل قواعد سے کیا جائے گا۔

الف :۔ اگر معنی کا خفیف فرق ان کے قواعدی صیغے کے اختلاف یا محل وقوع کے اختلاف کا ساتھ دیتا ہے تو یہ دونوں روپ ایک مارفیم کے ایلو مارف کہلائیں گے مثلاً

شمع کا گل کاٹ دو

شمع کو گل کر دو

پہلے جملے میں گل جلی ہوئی بتی کے معنی میں آیا ہے اور اسم ہے۔ دوسرے جملے میں یہ صفت ہے جو فعل کا جزو بن کر آتی ہے یعنی شمع کو بجھی ہوئی کر دو۔ دونوں جملوں میں گل کے معنی ملتے جلتے ہیں۔ ان میں جو فرق ہے وہ اُن کے صیغوں کے اختلاف کا ساتھ دیتا ہے اس لیے یہ ایک ہی مارفیم ہیں۔

ب :۔ اگر معنی کا خفیف فرق محلِ وقوع کی مختلف نوعیتوں کی وجہ سے نہیں تو اس فرق والے روپ مختلف مارفیم ہیں مثلاً

آب بہ معنی پانی اور آب بہ معنی چمک ملتے جلتے معنی کے الفاظ ہیں کیونکہ پانی بھی دھوپ میں چمک جاتا ہے لیکن ان کے یہ مختلف معانی مختلف صیغوں یا مختلف محلّ وقوع کے باعث نہیں اس لیے انھیں جدا جدا مارفیم کہا جائے گا۔ اس قسم کی مزید مثالیں یہ ہیں۔

1۔ تلوار کا جوہر کبھی نقطوں کی شکل میں اور کبھی دھاریوں کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔

2۔ میں نے اس کی نظم کا جوہر اپنے ایک شعر میں کھینچ لیا ہے۔

2- ع عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

میری ذات سے کسی کو نقصان نہیں پہنچ سکتا

3 پہاڑ پر چڑھنے والی ٹولی میں دو سردار اور تین ہندو ہیں (سردار بمعنی سکھ)

پہاڑ پر چڑھنے والی ٹولی میں سردار کے علاوہ چار افراد اور ہیں۔

ان مثالوں میں دونوں جگہ مشترک ہیئت والے الفاظ کے معنی ملتے جلتے ہیں لیکن ان کے فرق کی توجیہ ان کے محل کے اختلاف سے نہیں کی جاسکتی اس لیے انھیں علیحدہ مارفیم ماننا بہتر ہے۔

واضح ہو کہ بعض اوقات ملتے جلتے معنی والے ہم شکل الفاظ میں یہ طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کے معنی ملتے جلتے ہیں یا مختلف ہیں مثلاً اوپر کی دوسری مثال میں ایک جگہ ذات بہ معنی فرقہ (ہندی لفظ जाति کی ترمیم) ہے اور دوسرے جملے میں ذات بہ معنی شخصیت ہے۔ انھیں بالکل جدا بھی قرار دیا جاسکتا ہے اور مماثل بھی کیونکہ فرقہ بہت سی شخصیتوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

چھٹا اصول:۔ کسی روپ کو ہم مارفیم قرار دے سکتے ہیں اگر وہ ذیل کی شکلوں میں واقع ہوتا ہے۔

وہ تنہا آسکتا ہے مثلاً میز۔ فلک۔ گھر

الف:۔ اگر وہ کبھی تنہا نہیں آسکتا تو ایسی ترکیبوں یا جوڑوں میں واقع ہوتا ہے جن میں سے کم از کم ایک جزو تنہا آسکتا ہے مثلاً

'گھن گرج' میں 'گھن' مارفیم ہے کیونکہ 'گرج' تنہا آسکتا ہے۔ روزگار میں 'گار' مارفیم ہے کیونکہ روز تنہا آسکتا ہے۔ دھینگا مشتی میں مشتی دراصل 'مستی' ہے اس لیے 'دھینگا' مارفیم ہے کیونکہ 'مستی' تنہا آسکتا ہے۔ اٹکل پچو میں پچو مارفیم ہے کیونکہ اٹکل تنہا آسکتا ہے۔ اسی طرح غل غپاڑا، کپڑا وپڑا میں غپاڑا، وپڑا مارفیم کا درجہ پاتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ لسانیاتی قواعد میں بامعنی ہونے کے معنی لغت کے بامعنی سے مختلف ہیں۔

ب:۔ اگر وہ تنہا نہیں آسکتا ہے لیکن ایسی ترکیب میں واقع ہوتا ہے جس کا دوسرا جزو بھی گو تنہا نہ آسکے لیکن کسی دوسری ترکیب کا جزو بن کر آسکے مثلاً

پیٹر غٹو میں 'غٹو' مارفیم ہے کیونکہ پیٹر حالانکہ تنہا نہیں آسکتا لیکن دوسری ترکیب 'پیٹر قناتیا' میں آسکتا ہے۔ اسی بنا پر قناتیا بھی مارفیم ہو جاتا ہے۔

'الل ٹپ' میں 'الل' مارفیم ہے۔ حالانکہ 'الل' یا 'ٹپ' کبھی تنہا نہیں آتے لیکن ٹپ ملتے جلتے مفہوم میں دوسرے جوڑوں میں آتا ہے مثلاً ٹپاٹپ، ٹپ ٹپ۔ الل ٹپ میں ٹپ کے معنی بے تکی طرح کود پھاند کے ہیں۔ ٹپاٹپ اور ٹپا کھانا میں بھی 'ٹپ' کے ایسے ہی معنی ہیں۔

واضح ہو کہ بعض الفاظ میں ایک جزو کی محض صوتی مماثلت کی بنا پر اُنھیں مارفیم نہیں قرار دیا جاسکتا مثلاً پریم، پریت، پرکاش، میں 'پر' کو مارفیم نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان الفاظ کا بچا ہوا جزو ہماری شرائط کو پورا نہیں کرتا۔ مارفیم کی قسمیں۔

مارفیم کی قسموں پر غور کرتے ہوئے مارفیم اور ایلومارف کا فرق بھول جائیے کیونکہ کہیں یہ قسمیں مارفیم کی ہیں تو کہیں ایلومارف کی۔ مارفیم کی تقسیم دو بنیادوں پر کی جاسکتی ہے۔ 1۔ ان کی داخلی ساخت اور 2۔ بٹوارا یا وقوع کی بنا پر۔

پہلے داخلی ساخت کو لیجیے۔ داخلی ساخت میں تین بنیادوں پر غور کیا جائے۔

(الف) مارفیم کے فونیموں کی نوعیت (ب) مارفیم کی شکل اور جسامت (ج) مارفیم کے مختلف اجزا کا آپسی رشتہ۔

ا۔ الف۔ فونیموں کی نوعیت۔ فونیم دو طرح کے ہوتے ہیں۔

1۔ قطعاتی جو مصمتے اور مصوتے ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے آگے سطری (LINEAR) ترتیب سے لگے ہوتے ہیں۔

2۔ فوقِ قطعاتی جو قطعاتی صوتیوں پر چھائے رہتے ہیں مثلاً بل، سُر، سر لہر، خطِ اختتامی وغیرہ

مارفیم بھی فونیموں کی بنا پر تین طرح کے ہو سکتے ہیں۔

1۔ قطعاتی صوتیوں والے 2۔ فوقِ قطعاتی صوتیوں والے 3۔ قطعاتی اور فوقِ قطعاتی دونوں قسم کے صوتیوں والے۔

1۔ مارفیموں کی بہت بڑی تعداد یعنی کوئی 99 فی صدی قطعاتی صوتیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ مثلاً میز، چرخ، ہاتھ۔

2- فوقِ قطعاتی مارفیم کی مثال حسب ذیل ہے۔

کیا تم دِلّی جا رہے ہو
کیا تم دِلّی جا رہے ہو
کیا تم دِلّی جا رہے ہو

ان تینوں جملوں میں سُر درجوں یعنی سُر لہر نے معنی کا فرق پیدا کیا ہے۔

احمد ! دیکھا؟
محمود ! دیکھا؟

دیکھا دو قطعاتی مارفیموں کا مجموعہ ہے دیکھ + آ ۔ اس کے علاوہ مندرجہ بالا مثالوں میں سر لہر اور خطوطِ اختتامی کے مارفیم ہیں۔ پہلے 'دیکھا' میں اٹھاؤ اختتام ہے دوسرے 'دیکھا' میں گراؤ اختتام ہے۔

3- قطعاتی اور فوق قطعاتی کے ملے جلے فونیم ۔ یہ نہایت نادر ہیں۔

گلزارِ نسیم کا شعر ہے

تنہا اسے دیکھ کر کہا "ہیں! محمودہ کیا ہوئیں؟" کہا "ہیں"

پہلے مصرع کے "ہیں" کی سُر لہر کو اس طرح لکھا جائے گا

ہیں

یہ لفظ ہمیشہ اس مخصوص سُر لہر اور خطِ اختتامی کے ساتھ بولا جائے گا تبھی اس کے یہ مجازی معنی کھلیں گے۔ اس لیے اس کو قطعاتی اور فوق قطعاتی مارفیموں میں بانٹنے کی ضرورت نہیں بلکہ دونوں کا ملا جلا ایک ہی مارفیم قرار دینا ہوگا۔ انگریزی میں Oh 'Pst' Uch جیسے مارفیم اسی قسم کے ہیں۔

ا۔ ب:۔ اگر مارفیموں کو اُن کی شکل اور جسامت کی بنا پر دیکھا جائے تو کم سے کم ایک مصوتے یا مصمتے کا مارفیم ملتا ہے مثلاً

ایک مصوتہ: آ، اے خدا، او لڑکے ۔ اُٹوٹ میں اُ بہ معنی نہیں۔

ایک مصمتہ: طفلک کا {ک} اور goes کا {z} ایک مصمتے کے مارفیم ہیں۔

ایک مصمتے یا مصوتے سے بڑے ہر قسم کے مارفیم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً چند طویل مارفیموں کی مثالیں یہ ہیں اضطراب، اصطخدوس، صندوق، قسطنطنیہ، املتاس۔

ا۔ ج:۔ مختلف اجزا کی ترتیب کی بنا پر مارفیم کی دو قسمیں کی جائیں گی۔ مسلسل، غیر مسلسل

الف:۔ مسلسل مارفیم وہ ہیں جن کے فونیم ایک سلسلے میں آتے ہیں۔ بیشتر مارفیم اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ ہند آریائی زبانوں کے مارفیم بیشتر مسلسل ہوتے ہیں۔

ب:۔ غیر مسلسل مارفیم وہ ہیں جن کے فونیم ایک سلسلے میں نہیں ہوتے۔ عربی میں اُن کی تعداد بہت ہے اور عربی کے اثر سے اردو میں بھی ہندی کی نسبت غیر مسلسل مارفیم کہیں زیادہ ہیں۔

استقبال	میں دو مارفیم ہیں	اِس تَ آ ۔ ق ب ل
قاتل	میں دو مارفیم ہیں	ق ت ل ۔ آ
تقدیر	میں دو مارفیم ہیں	ت ی ۔ ق د ر

انگریزی کے RANG میں دو مارفیم ہیں { RNG } اور { a }۔ اس طرح r n g غیر مسلسل مارفیم ہے۔ ہندی میں 'چال' میں دو مارفیم ہیں { چ ۔ ل } اور { آ }۔ ہندی لفظ آلس کو آلکس بول دیا جاتا ہے۔ 'آلکس' میں دو مارفیم ہوئے { آل ۔ س } { کَ }۔ اس طرح چ۔ ل یا آل ۔ س غیر مسلسل مارفیم ہوئے۔

2۔ بٹوارے یا وقوع کی بنا پر مارفیموں کی قسمیں۔ زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں بٹوارے کو دیکھتے ہوئے مارفیموں کو ذیل کی دو دو قسموں میں بانٹا جاسکتا ہے۔

1۔ پابند بالمقابل آزاد 2۔ مادّہ یا غیر مادّہ 3۔ مادّہ یا اصل 4۔ مرکزی بالمقابل غیر مرکزی 5۔ ایک سلسلے کے یا مختلف سلسلوں کے 6۔ باہم مانع 7۔ باہم لازمی 8۔ خاتم اللفظ اور غیر خاتم اللفظ

1۔ پابند بالمقابل آزاد

پابند (Bound) مارفیم وہ ہیں جو کبھی تنہا اور مطلق حیثیت میں نہیں آسکتے: یہ چسپیے (Affixes) اور بعض مادّے ہوتے ہیں مثلاً آن (انجان)۔ ے (آئے)۔ ای (فتیلی) اور لڑک (لڑکا، لڑکی، لڑکپن کا مادّہ)

آزاد (FREE) وہ مارفیم ہے جو آزاد حیثیت سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً گھر، فلک، خوش۔

واضح ہو کہ بعض اوقات آزاد مارفیم بھی ترکیبوں میں آکر پابند ہو جاتے ہیں۔ مثلاً گھریلو، افلاک، خوشی۔ ان میں گھر، فلک، خوشی اس وقت عملی طور پر پابند مارفیم ہیں گو ان میں آزاد ہونے کی صلاحیت ہے۔

چینی زبان میں بیشتر یا غالباً تمام مارفیم آزاد ہیں۔ اسکیموں زبان میں تمام مارفیم یا بیشتر مارفیم پابند ہوتے ہیں۔ ہند یورپی زبانوں میں زیادہ مارفیم آزاد اور کم تر پابند ہوتے ہیں۔

2- مادّہ (ROOT) بالمقابل غیر مادّہ

لفظوں کا مرکزی حصہ مادّہ ہوتا ہے۔ بعض الفاظ دو مادّوں کے مجموعے ہوتے ہیں مثلاً تار گھر۔ مادّوں کے علاوہ دوسرے اجزا غیر مادّہ ہوتے ہیں۔ بعض الفاظ محض مادّے پر مشتمل ہوتے ہیں بعض مادّہ غیر مادّہ پر مثلاً قلم صرف مادّہ ہے اور قلم دان یا قلمی مادّہ + غیر مادّہ ہیں۔

دقت یہ ہے کہ بعض اوقات مادّے غیر مادّہ بن جاتے ہیں اور غیر مادّہ مادّہ۔ مثلاً استھان ہندی میں ایک مادّہ ہے جس سے استھانیہ جیسے مشتق بنتے ہیں لیکن راجستھان، دیوستھان میں یہ غیر مادّہ بن جاتا ہے۔ انگریزی میں Able مادّہ ہے لیکن Andible، Contemptible میں غیر مادّہ ہو گیا ہے۔ اس کے برعکس خوں بار، اشک بار میں بار غیر مادّہ ہے لیکن بارش، بارانی وغیرہ میں یہی مادّہ بن جاتا ہے۔

یکساں ساخت کے الفاظ کے مقابلے سے ہماری رہبری ہو سکتی ہے کہ کسی لفظ کا کوئی جزو مادّہ ہے یا غیر مادّہ۔

3- اصل (STEM) مقابل غیر اصل (NON-STEM)

لسانیات میں مادّہ (ROOT) اور اصل (STEM) میں دلچسپ فرق کیا گیا ہے۔ اصل کا سوال صرف اسی وقت اٹھتا ہے جب ایک مادّے میں کسی قسم کے اجزا یعنی چیپیوں یا دوسرے مادّوں کا اضافہ ہو۔ اصل (STEM) مرکزی مادّے یا مادّوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان میں دوسرے جزو بھی شامل رہتے ہیں لیکن کم از کم ایک جزو اس سے باہر چھٹا رہنا چاہیے جس کے لیے یہ اصل کا کام کر رہی ہے مثلاً ایک لفظ انس میں 'انس' اصل ہے اور 'آن' غیر

اصل۔ انسانی میں ’ی‘ کے نقطہ نظر سے ’انسان‘ اصل ہے۔ انسانیت [insaniyat] میں ’یت‘ کے لیے ’انسانی‘ اصل ہے۔ ایت [iyat] کے لیے ’انسان‘ اصل ہے۔ آنیت [aniyat] کے لیے انس اصل ہے لیکن پورے لفظ میں مادہ ایک ہی ہے ’انس‘ گویا ایت [iyat] کے لیے اصل ہے ’انسان‘، لیکن مادہ ہے ’انس‘۔ اصل ہمیشہ پابند ہوتی ہے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی جزو جڑا رہتا ہے۔ مادہ آزاد بھی ہوسکتا ہے پابند بھی۔ جب پابند ہوگا تو وہ اصل (STEM) بھی ہوگا۔ گویا اصل کا تصور لفظ میں اضافی اجزا کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اصل + غیر اصل = لفظ

آزاد روپ (FREE FORM) مادہ ہوتا ہے لیکن اصل (STEM) نہیں ہوتا۔

4 مرکز بالمقابل غیر مرکز

ہر کلمہ میں کم از کم ایک مادہ ہوتا ہے جو اس کا مرکز ہوتا ہے۔ غیر مادہ اجزا اس کے غیر مرکز ہوتے ہیں مثلاً لڑکین، خانہ داری، انسانیت میں بالترتیب لڑک، خانہ، انس مرکز ہیں۔ بقیہ اجزا غیر مرکز۔

مرکز مادے کے مترادف نہیں۔ بعض الفاظ میں دو مادے ہوسکتے ہیں لیکن ان میں سے ایک زیادہ اہم ہوگا اور وہ اس کا مرکز ہوگا مثلاً پیشاب گھر میں ’گھر‘ مرکز ہے۔ کالج گرل میں ’گرل‘ مرکز ہے۔ نحو سے متعلق آئندہ باب میں فقروں کے مرکز (Head یا Nucleus) کی شناخت کے کچھ اصول درج کیے جائیں گے۔ انھیں کی روشنی میں لفظ یا مرکب کا مرکز بھی متعین کیا جاسکتا ہے۔

5۔ ایک سلسلے (SERIES) یا زمرے (CLASS) کے مارفیم بالمقابل مختلف زمروں کے مارفیم۔

ایک جملے میں استعمال ہونے والے مارفیم کی جگہ جو دوسرے مارفیم آسکتے ہیں وہ اس کے سلسلے یا گروہ کے ہوتے ہیں مثلاً

میں کرسی لایا ہوں　　میں کرسی لایا ہوں　　میں کرسی لایا ہوں

میں بیوی لایا ہوں	میں کرسی اُٹھاتا ہوں	وہ کرسی لایا ہے
میں کھلونا لایا ہوں	میں کرسی توڑتا ہوں	تم کرسی لائے ہو

مندرجہ بالا مثالوں سے معلوم ہوا کہ کرسی، بیوی، کھلونا ایک سلسلے کے مارفیم ہیں۔ لایا ہوں، اٹھاتا ہوں، توڑتا ہوں، لایا ہے، لائے ہو دوسرے سلسلے کے ہیں۔ میں، وہ، تم تیسرے سلسلے کے ہیں۔ ان کے کسی رکن کو دوسرے سلسلہ کے الفاظ کے مقام پر نہیں رکھا جاسکتا۔ اس طرح ایک سلسلے کے مارفیم بالعموم قواعد کے قایم کیے ہوئے گروہوں یعنی اجزائے کلام (Part of Speech) سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک قسم کے اسما ایک سلسلے میں ہوتے ہیں صفات دوسرے سلسلے میں، ضمیر تیسرے سلسلے میں وغیرہ۔ ان میں بھی مزید تقسیم ہوسکتی ہے۔ مثلاً میں، تم، وہ، ہم ایک سلسلے کے ضمیر ہیں مجھے، تمھیں، اسے، انھیں دوسرے سلسلے کے میرا، تمھارا، ہمارا تیسرے سلسلے کے، جس، کس، چوتھے سلسلے کے۔ اسی، انھیں، تمھیں، ہمیں، مجھ ہی پانچویں سلسلے کے۔

6۔ باہمی مانع بالمقابل باہمی غیر مانع

ایک سلسلے کے مارفیم ایک دوسرے کے لیے مانع ہوتے ہیں یعنی ان کے بالکل ساتھ اسی سلسلے کے دوسرے مارفیم کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا مثلاً[1]

میں لڑکے کو پیار کرتا ہوں

میں اپنے لڑکے کو پیار کرتا ہوں	میں ہر لڑکے کو پیار کرتا ہوں
میں تمھارے لڑکے کو پیار کرتا ہوں	میں اپنے چھوٹے لڑکے کو پیار کرتا ہوں
*میں کرسی لڑکے کو پیار کرتا ہوں	میں ہر روز لڑکے کو پیار کرتا ہوں
*میں ماں لڑکے کو پیار کرتا ہوں	

"لڑکے" کے ساتھ ہر، اپنے، چھوٹے، تمھارے، ہر روز جیسے مارفیم آسکتے ہیں کیونکہ یہ دوسرے گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن لڑکے کے سلسلے کے مارفیم کرسی، ماں نہیں آسکتے۔

---

[1] کسی روپ یا ساخت کے اوپر اور قبل ستارے کا نشان * بنانا یہ ظاہر کرنا ہے کہ یہ روپ یا ساخت فرضی ہے جس کا وجود ممکن نہیں یا یقینی نہیں۔

واضح ہو کہ دوسرے ہر گروہ کے مارفیم 'لڑکے' کے ساتھ نہیں لائے جا سکتے ان میں سے کچھ کا انتخاب کیا جاتا ہے اور کچھ مانع رہتے ہیں۔

7- باہمی لازمی

اگر ایک مارفیم کے ساتھ دوسرے کا آنا لازمی ہو تو وہ دونوں مارفیم باہمی لازمی قرار پائیں گے مثلاً

He is better than you

چونکہ تم میرا خیال رکھتے ہو اس لیے میں تمھارا خیال رکھتا ہوں

He is not only my relative but also my friend

ان تینوں مثالوں میں ذیل کے باہمی لازمی مارفیم ملتے ہیں۔ {Than} {er}۔ چونکہ، اس لیے۔ but also ، not only اگر شاذ ان میں سے ایک حذف ہو جاتا ہے تو اسے مقدّر (under stood) سمجھنا چاہیے۔ دراصل یہ ایک مخصوص جملے میں ایک دوسرے کے لیے لازمی ہوتے ہیں سو فی صدی صورتوں میں نہیں۔ اگر سو فی صدی صورتوں میں ایک ساتھ آئیں تو دونوں کو ملا کر ایک مارفیم قرار دیا جائے گا۔

پانچویں، چھٹی اور ساتویں اقسام خالص وقوع کی بنا پر قائم کی گئی ہیں۔

8- خاتم اللفظ بالمقابل غیر خاتم اللفظ مارفیم

بعض مارفیموں کے بعد لفظ میں مزید اضافہ ممکن ہے مثلاً اِنس، انسان، انسانیت، انسانیت دوست، انسانیت دوستی، انسانیت دوستوں۔ گھر، گھریلو، گھریلوپن، گھریلوپنوں۔

جمع کا مارفیم 'وں'، خاتم اللفظ ہے۔ اس کے بعد مزید اضافہ ممکن نہیں۔ اس سے پہلے کے تمام مارفیم غیر خاتم اللفظ ہیں۔ آ، آتا، آتا ہے، آتا تھا، میں ہے، تھا، خاتم اللفظ ہیں جب کہ آ، تا غیر خاتم اللفظ۔

اب مارفیم سے آگے بڑھ کر لفظ اور مرکب کی بحث کی جاتی ہے۔ لفظ کی تعریف سے پہلے دو اصطلاحوں آزاد روپ اور پابند روپ پر ایک بار پھر غور کر لیا جائے۔

جو روپ کبھی اکیلے اور آزاد نہیں بولے جاتے وہ پابند روپ ہیں مثلاً

پن دیزکپن)، ایلا دشرمیلا)، آن رانجان)

بلوم فیلڈ[1] کے نزدیک بقیہ سب آزاد روپ ہیں لیکن دوسری[2] جگہ بلوم فیلڈ لکھتا ہے کہ جو روپ کبھی نہ کبھی جملے کے طور پر آسکتے ہیں آزاد روپ ہیں۔ آپ کہیں گے کرسی کب جملے کے طور پر آسکتا ہے؟ جواب میں عرض ہے کہ لسانیات میں جملے کے مفہوم قواعد کے جملے سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ آئندہ باب میں واضح کیا جائے گا۔ ایک مکالمہ ملاحظہ ہو۔

احمد! تم کیا اُٹھا کر لائے ہو؟

محمود! "کرسی"

یہاں 'کرسی' جملہ ہے۔ بلوم فیلڈ کی یہ تعریف قبول کرنے میں یہ قباحت ہے کہ 'کا' سے 'کر' THE جیسے الفاظ کبھی جملے کے طور پر نہیں بولے جاتے۔ غیر معمولی مثالیں یہ ہوسکتی ہیں

Teacher: "What is the definite article in English"

Student: "The"

استاد "اضافت کا حرفِ جار کیا ہے؟"

شاگرد "کا"

استاد "کاف بیانیہ سے کونسا کلمہ مراد ہے!"

شاگرد "کہ"

لیکن اس کی شعبدہ گری سے تو پابند روپ بھی جملہ بن سکتے ہیں

استاد "ہندی کا سب سے اہم نفی کا سابقہ کیا ہے۔"

شاگرد "اَن"

ن قواعدی اور درسی مشقوں سے قطع نظر THE 'کا' سے وغیرہ کبھی اکیلے نہیں بولے جاتے۔ یہ دراصل آزاد اور پابند روپ کے بیَن بیَن ہیں۔ اس لیے بعض نے یہ نزاکت پیدا کی ہے۔ جو روپ فقرے میں تنہا اپنے پاؤں پر کھڑا ہوسکتا ہے اسے فقرہ آزاد روپ (Phrase-Free Form) کہتے ہیں جیسے کرسی، لڑکا جو روپ فقرے

---

1 Bloomfield: Language P. 160

2 Ibid P. 178

ہیں آزاد حیثیت سے نہیں آسکتا بلکہ دوسرے لفظ کے ساتھ ہی آسکتا ہے اسے فقرہ پابند روپ کہتے ہیں مثلاً انگریزی The، اردو کو، پر وغیرہ۔

مارفیم اور فقرہ (Phrase) لسانی اصطلاح میں ہیں لیکن لفظ اس حد تک قطعی اصطلاح نہیں۔ مندرجہ بالا تقسیم میں 'لفظ' کا سہارا لینا پڑتا ہے جس سے ہم آزاد اور پابند روپوں کی ذیل کی تقسیم کریں گے۔

1۔ فقری آزاد روپ (Phrase- Free Form) مثلاً کرسی

2۔ فقری پابند روپ (Phrase - Bound Form) مثلاً THE، کو

3۔ لفظ پابند روپ (Word - Bound Form) مثلاً پن، ness

پابند روپ کے بارے میں عام تصور یہی ہے کہ یہ مارفیمی ساختوں (لفظ یا مرکب) ہی میں آتا ہے یعنی یہ تصریف (Inflection) اور اشتقاق (Derivation) کا کام دیتا ہے لیکن ایسی بات نہیں ہے بعض پابند روپ مارفیمی سے اوپر نحوی ساختوں میں جاکر پابند ہوتے ہیں مثلاً انگریزی کا اسم کی جمع کا لاحقہ (Z -، əZ -، S -) ہمیشہ مارفیمی ساخت کے ساتھ لگ کر آتا ہے لیکن اسی جیسی آواز رکھنے والا اضافی لاحقہ (جسے S' لکھتے ہیں) مارفیمی کے علاوہ نحوی ساختوں کے ساتھ بھی آسکتا ہے مثلاً

The Hard Mayor of London is show

The man I saw yesterday's daughter

دو ہزار تین سو پچاسواں۔ وہ اس کا شہزادہ جناتی انداز مندرجہ بالا مثالوں میں { 's } { ای } اور { واں } کو فقرہ پابند روپ Phrasally- bound کہیں گے جب کہ { ین } (لڑکین)، آئے (آئے، کرلے) مارفیمی پابند روپ (Inflectionally-bound) ہیں۔

لفظ، کوئی سنجیدہ لسانیاتی اصطلاح نہیں۔ یہ قواعدی اصطلاح ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ یہ وہ عنصر ہے جس کو لکھتے وقت دونوں طرف کچھ جگہ چھوڑی جاتی ہے لیکن لسانیات میں ہم ترسیم (Graphase) کی روایات کی بنا پر فیصلہ نہیں کرسکتے۔ ترسیم کے لحاظ سے MATCH BOX ایک لفظ ہے اور MATCH BOX دو۔

---

[2] ROBUT HALL : Introductory Linguistics P. 132

اس لیے ہاکیٹ[1] نے لفظ کی یہ تعریف یا پہچان مقرر کی ہے۔

"لفظ جملے کا وہ قطعہ ہے جس کے دونوں طرف وقفہ ممکن ہے "

اس نے ممکن پر زور دیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ہم پورا جملہ بغیر رکے ایک ساتھ بول جائیں لیکن اگر آہستہ آہستہ رک کر بولیں تو لفظوں کی حدود ہی پر رک سکتے ہیں ان کے بیچ نہیں ہاکیٹ نے مشکوک صورتوں کے لیے ایک اور ترکیب سجھائی ہے۔ جو روپ کسی بھی ساخت میں MACROSEGMENT وہ ساخت جس میں ایک سر لہر اور خطِ اختتامی ہو) کے طور پر بولے جاسکیں وہ ضرور آزاد لفظ ہیں مثلاً

A: Where are you going ?

B: Out

A: Out Where?

B: Side.

اس سے ہاکیٹ نے نتیجہ نکالا کہ قواعد کے برخلاف outside دو لفظ ہیں ایک نہیں۔ وہ don't کو بھی دو الفاظ قرار دیتا ہے لیکن ان کے بیچ وقفہ تو ہے ہی نہیں۔

لفظ کی ایک تعریف یہ کی گئی کہ یہ "سب سے چھوٹا آزاد روپ' (Minimum Free Form) ہے۔ اس میں بھی ایک طرف تو کہ' سے' THE جیسے لفظوں سے مشکل پیدا ہوتی ہے جو صحیح معنی میں آزاد روپ نہیں لیکن ہمارے شعور میں لفظ ہیں۔ دوسری طرف فرنچ جیسی زبان پر یہ تعریف لاگو نہیں ہوتی جہاں بیشتر الفاظ پابند روپ ہوتے ہیں مثلاً ذیل کا جملہ دیکھیے۔

il ne m'en avait pas encore parlé

اس کے معنی ہیں He hadn't yet spoken to me about it - اس جملے میں محض encore Parle آزاد روپ ہیں بقیہ پابند ہیں اور ملا کر بولے جاتے ہیں۔ اس طرح 'لفظ' کو "سب سے چھوٹا آزاد روپ" کہنا کافی نہیں بلوم فیلڈ[2]

---

[1] ہاکیٹ : ص 167

[2] بلوم فیلڈ: ص 178

نے لفظ کی زیادہ صحیح تعریف کی ہے۔ پہلے وہ فقرے (Phrase) کی تعریف کرتا ہے۔

"جو آزاد روپ دو یا دو سے زیادہ آزاد روپوں پر مشتمل ہو فقرہ ہے۔"

ہاکیٹ نے بھی فقرے کو کم از کم دو آزاد روپوں پر مشتمل مانا ہے۔ بلوم فیلڈ فقرے کی تعریف کر کے کہتا ہے۔

A word is a free form which does not consist entirely of (tow or more) lesser free forms

لفظ وہ آزاد روپ ہے جو اور چھوٹے آزاد روپوں ہی پر مشتمل نہ ہو۔

اس طرح لفظ ایسا آزاد روپ ہے جو

1۔ ایک سب سے چھوٹے آزاد روپ پر مشتمل ہو مثلاً گھر، کرسی۔

2۔ اگر ایک سے زیادہ آزاد روپ رکھتا ہو تو کم از کم ایک پابند روپ ان کی شیرازہ بندی کرتا ہو مثلاً

The king of England's

The man I saw yesterday's

اس طرح مندرجہ بالا فقرے دراصل ایک طویل لفظ ہیں۔ 1933ء سے 1954ء تک ان کے بارے میں بحث رہی۔ آخر انھیں Lexeme کہہ کر فیصلہ کیا گیا۔ ہاکیٹ نے اس کی ایسی تعریف کی ہے جو بلوم فیلڈ کی مندرجہ بالا تعریف کے لگ بھگ آ جاتی ہے۔ عام طور سے یہ اصطلاح مقبول نہیں ہوئی۔

بعض زبانوں میں لفظ اور فقرے، اور لفظ اور پابند روپ کا فرق طے کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے لسانیاتی معنوں میں لفظ پر قناعت کرنی چاہیے۔ اسے ہر جگہ قواعدی لفظ کے برابر لانے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ بلوم فیلڈ کی لفظ کی تعریف اقلی آزاد روپ Minimum free form کی یہ خصوصیت ہے کہ زیر بحث ساخت میں وہ اقلی آزاد روپ ہو مثلاً The king of England's۔ یہ نہیں کہ دوسری امکانی صورتوں میں بھی وہ اقلی آزاد روپ ہی ہو۔ The king of England میں اور اقلی آزاد روپ King ، of ، England ممکن ہیں۔

انگریزی کے مختلف ماہرین لسانیات کی تحریروں میں اصطلاحوں کے معنی اور استعمال

میں فرق ہے جو عام پڑھنے والے کو الجھا دیتا ہے۔ بلومفیلڈ نے 'The king of England's' کو اکائی آزاد روپ مان کر ایک لفظ قرار دیا ہے۔ ہاکیٹ 'Twenty- eighth' اور 'The May of Boston's' کو اکائی آزاد روپ مانتا ہے لیکن اول الذکر میں دو اور موخر الذکر میں چار الفاظ قرار دیتا ہے۔ گویا اس کے ذہن میں 'لفظ' قواعدی لفظ کے سوا نہیں۔ بلوم فیلڈ کے نزدیک ذیل کی دو ترکیبیں بھی لفظ ہیں۔

1- DEVIL - MAY - CARE

یہ ترکیب DEVIL-MAY-CARE MANNER میں آتی ہے۔ اگر DEVIL-MAY-CARISH ہو تب تو یہ صاف صاف لسانیاتی لفظ ہے لیکن پابند روپ کے بغیر بلوم فیلڈ اسے لفظ قرار دینے کا یہ جواز دیتا ہے کہ یہ فقرہ واحد مرکب بن کر صفت کا کام دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے بیچ میں کوئی اور لفظ داخل نہیں کیا جا سکتا۔ اردو میں اس قسم کی ایک ترکیب 'چہ غم' ہے۔ اس کے معنی مست مولاپن کے ہیں۔ ایک اور فارسی ضرب المثل یا محاورہ 'در ایام جوانی ہر چہ افتد دانی' ہے۔ اسے مختصر کر کے محض 'افتد دانی' کو یوں استعمال کیا جاتا ہے۔

اس کی افتدادانی کی عمر تھی

بلوم فیلڈ کے قول کے مطابق 'چہ غم' اور 'افتد دانی' کو ایک ہی لفظ قرار دیا جائے گا۔

2- JACK - IN-THE-PULPIT

یہ ایک پودے کا نام ہے۔ چونکہ اس کے بیچ کوئی اور لفظ ڈال کر اس کے تسلسل کو مسخ نہیں کر سکتے اس لیے بلوم فیلڈ اسے بھی لفظ قرار دیتا ہے۔ اردو میں ایک پودے کا نام 'رات کی رانی' ہے ہم اس کے بیچ میں بھی اور کوئی لفظ نہیں ڈال سکتے۔ بلوم فیلڈ اسے بھی ایک ہی لفظ قرار دے گا۔

راقم الحروف کی رائے میں DEVIL-MAY-CARE، چہ غم، افتد دانی، JACK-IN-THE-PULPIT، رات کی رانی، ان میں سے کسی کو واحد لفظ قرار دینا مناسب نہیں کیونکہ یہ بلوم فیلڈ کی دی ہوئی تعریف یا دوسری ہر تعریف کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ فقرے میں وحدتِ معنی ہو تو وہ لفظ نہیں بن جاتا۔

لیکن اسمِ معرفہ کے معاملے میں آکر فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہندوستان میں بعض

مقامات کے نام یہ ہیں -

1۔ راجہ کی منڈی۔ 2- DAIRY – ON – SONE

3- Gopalpul — ON – SEA

انھیں ایک مرکب لفظ قرار دیں یا فقرہ۔ غالباً انھیں ایک لفظ ماننا صحیح ہوگا کیونکہ ہم ان کی ساخت کو بھول کر لفظِ واحد کے طور پر استعمال کرتے ہیں مثلاً ریل میں بیٹھے ہوئے کہیں گے "راجہ کی منڈی آنے والا ہے" "راجہ کی منڈی گزر گیا" یہاں منڈی کو مونث نہیں بولیں گے۔ اسی طرح انگریزی وضع کے مندرجہ بالا شہروں کے نام واحد بولے جاتے ہیں اور اُن میں کہیں تصریف یا تصرف نہیں کیا جاتا۔

لفظ ایک ایسی اصطلاح ہے جو مارفیمیات کی حد تک غیر معین ہے، جس سے حتی الامکان محترز رکھنے کی ہدایت کی جاتی ہے لیکن جس کے بغیر مارفیمیات کا کام بھی نہیں چلتا۔ خود مارفیمیات تعریف 'لفظ' کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ کہنا کافی نہیں کہ "مارفیمیات مارفیم کی ساخت کا مطالعہ کرتی ہے" کیونکہ مارفیمات میں مارفیم کی ساخت ہی کا نہیں بلکہ مارفیموں کے باہمی تعلق، ان کے وقوع وغیرہ کا بھی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ مارفیمات کی بہترین تعریف یہ ہوگی۔

مارفیمیات مارفیم کا، نیز لفظ کو تشکیل کرنے والے مختلف مارفیموں کے باہمی تعلق کا مطالعہ کرتی ہے۔

یا اسے مختصر کر کے یوں کہہ سکتے ہیں کہ

"مارفیمیات مارفیم اور لفظ کا مطالعہ کرتی ہے"

لفظ کی تعریف بلوم فیلڈ کے الفاظ میں یہ ہوگی کہ یہ مفرد آزاد روپ ہوتا ہے یا ایک سے زیادہ آزاد روپوں اور کم از کم ایک پابند روپ پر مشتمل ہوتا ہے

مارفیمیات میں ہمیں اُن آزاد روپوں اور پابند روپوں کے اتصال کے طریقے معلوم کرنے ہوتے ہیں۔ اوّل ہم اس عنصر کو دیکھیں جو مارفیمی حیثیت سے متعلق روپوں میں مشترک ہوتا ہے مثلاً

اچھا ، اچھی ، اچھے

MAN , WOMAN

GROSS , GROZE

ان میں سے ایک کو تہہ نشین روپ (UNDERLYING FORM)
فرض کر لیا جاتا ہے اور بقیہ اس کی ترمیمات (MODIFICATION) - مندرجہ بالا مثالوں
میں اچھا، MAN ، grass تہہ نشین روپ ہیں اور دوسرے الفاظ ترمیمات
(MODIFICATIONS) ہیں۔ تہہ نشین روپ کا تعین زبان کے مزاج اور روایات
کی بنا پر ہوتا ہے۔ پھر بھی بعض اوقات یہ طے کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کون سا روپ تہہ نشین
ہے اور کون سا ترمیمی مثلاً LIFE ، LIVE میں کون سا کیا ہے۔

ایک روپ سے دوسرے روپ بنانے کے لیے یا تو کچھ روپوں کا اضافہ کیا جاتا ہے یا
تخفیف یا ترمیم وغیرہ۔ اس عمل کو قواعدی عمل (grammatical process)
کہتے ہیں۔ ان کی حسب ذیل قسمیں ہیں۔

(1) اضافہ - ADDITION - اس کی دو قسمیں چسپیے (AFFIX) اور تکرار (Red-uplication) ہیں۔ چسپیوں کی حسب ذیل قسمیں ہیں۔

الف:- سابقے (PREFIX)۔

یہ وہ روپ ہیں جو اصل (STEM) کی ابتدا میں ملحق کیے جائیں مثلاً اٹل۔ انجان۔
نڈر۔ ناگوار۔ ہند یورپی زبانوں میں سابقے بہت کم مستعمل ہیں۔ یہ اکثر نفی کے معنی میں آتے
ہیں۔ تمام چسپیے پابند روپ ہوتے ہیں لیکن ان میں سے بعض آزاد روپ کی طرح استعمال
ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں مثلاً غیر ذی روح ، غیر دانش مندانہ میں غیر پابند روپ ہے لیکن
یہ دوسری ترکیبوں میں آزاد روپ کے طور پر آسکتا ہے۔

ب:- لاحقے (SUFFIX)

یہ اصل کے آخر میں لگائے جاتے ہیں۔ مثلاً آیا ، کھایا میں 'یا' ۔ رنگیلا، شرمیلا میں ایلا۔
ہند یورپی زبانوں میں ان کی تعداد بہت ہے۔

ج:- وسطیے (INEIX)۔

یہ مادّے یا اصل کے بیچ میں شامل کیے جاتے ہیں مثلاً 'ق ت ل' سے قاتل یا قتیل۔ یہ
سامی زبانوں میں عام ہیں ہند یورپی میں ان کا رواج نہیں۔ ذیل کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ بلانا کا
مادہ بلا ہے اور بلوانا کا 'بلوا' لیکن در اصل 'بلوا' مادہ نہیں ہے۔ یہ 'بلا' میں وسطیے کے اضافے
سے بنا ہے۔ 'بلا' میں 'و آ' کو دوسرا مارفیم قرار نہیں دے سکتے کیونکہ یہ ہم مشتق شکل میں

برقرار رہتا ہے اس لیے مُلا ایک ہی مارفیم ہے۔

د:۔ فوقیے (SUPER-FIX)

فوقِ قطعاتی فونیموں کو فوقیے کہتے ہیں۔ ان کی کارفرمائی اس وقت نظر آتی ہے جب بَل وغیرہ میں تبدیلی کے ذریعے معنی میں تبدیلی کی جائے مثلاً انگریزی میں PRESENT جیسے الفاظ میں پہلے جزو پر بل ہو تو یہ الفاظ اسم ہوتے ہیں۔ دوسرے CONFLICT پر بل ہو تو فعل ہو جاتے ہیں۔ انگریزی میں ٹکٹ، بر بنی ہے لیکن ربس ٹکٹ، میں اولین بَل 'بس' پر ہو جاتا ہے اور ٹکٹ پر نہیں رہتا۔

اردو میں مصوتی انفیت ایک فوقیہ مارفیم ہے مثلاً کرے اور کریں میں انفیت سے مفہوم کا فرق ملاحظہ ہو۔ سُر درجات اور خط اختتامی سے مل کر جو سُر لہر بنتی ہے وہ بھی فوقیہ مارفیم ہے مثلاً

احمد: دیکھا؟

محمود: دیکھا؟

انگریزی میں چسپیوں پر بَل نہیں ہوتا۔ اردو میں ایسی کوئی تحدید نہیں۔ یہاں بل باقاعدہ ہے لیکن انگریزی کے برعکس معنی میں امتیاز نہیں پیدا کرتا۔

تکرّرہ (REDUPLICATION)۔ پورے مادّے یا ایک جزو کو دہرانے سے بھی دوسرا لفظ بنتا ہے مثلاً سائیں سائیں، دھڑا دھڑ، چٹاخ چٹاخ، کھٹکھٹانا۔ فلپائن کی زبان TAGALOG میں بعض لفظوں کا پہلا رکن دہرایا جائے تو صرف کے معنی کا اضافہ ہو جاتا ہے مثلاً

DALA WA : TWO   DADALAWA : ONLY TWO

TATLA : THREE   TATATLS. : ONLY THREE

یا افریقہ کی ایک زبان میں اِرک معنی چلنا اور اِرک رِک : وہ چلتا ہے۔

چسپیوں کی شکل میں اضافہ کرنے والے تمام روپ اضافائی مارفیم ہوتے ہیں تکرّرہ کی شکل میں بھی مارفیم کا تجزیہ کرتے چلیں۔

ﻪ Robut Hall: Introductory Linguistics P. 29

نائڈا (NIDA) نے اصول بتایا ہے اگر پورے مادّے یا اصل کو دہرایا جائے تو اسے مرکب ماننا بہتر ہے مثلاً کھٹ کھٹ۔ سائیں سائیں میں ایک ہی مارفیم کو دو بار لا کر مرکب بنا دیا گیا ہے لیکن اگر اصل کا محض ایک جزو دہرایا جائے تو اسے تکراری مارفیم کہیں گے مثلاً اوپر کی مثال میں da dala.wa میں دو مارفیم قرار دیے جائیں گے { dalawa } اور { da } جو تکراری مارفیم ہے۔

اردو میں تکراری مارفیم کا تعین مادّے کے پورے یا جزوی طور پر دہرائے جانے پر نہیں کیا جائے گا بلکہ دہرائے جانے والے جزو کے تنہا بامعنی یا بے معنی ہونے پر مثلاً ذیل کے دو زمرے ملاحظہ ہوں۔

1۔ بڑبڑانا، چڑچڑا، بخشا بخشی (بخشم بخشی)، بھاگم بھاگ، مالا مال ان میں تکراری اجزا کو مفرد بھی لیا جائے تو بامعنی ہیں مثلاً بڑ (مجذوب کی بڑ)۔ چڑھ۔ بخش۔ بھاگ۔ مال۔ ان میں تکراری مارفیم فرض کرنے کی بجائے ایک ہی مارفیم کی تکرار سے مرکب شکل کا وجود قرار دے سکتے ہیں۔

2۔ گڑگڑانا، گڑگڑاہٹ، ڈبڈبانا، ہنہنانا، گدگدانا، ڈگڈگا کر پینا۔

ان میں محض گڑ، گڑ، ڈب، ہن، گد، ڈگ کے کوئی معنی نہیں اس لیے ان کا مادہ اور مارفیم گڑگڑ۔ گڑگڑ، ڈبڈب، ہنہن، گدگد، ڈگڈگ قرار دیا جائے گا اور اسے ہم تکراری مارفیم کہیں گے۔

(2) مِنہائی (SUBTRACTION)۔ دوسرا قواعدی عمل منہائی ہے۔ اگر اصل یا مادّے میں سے کچھ فونیم کم کر دیے جائیں اور اس سے ایک دوسرا بامعنی مارفیم وجود میں آ جائے تو اس عمل کو منہائی کہتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال فرنچ میں ہیں جہاں مونث صیغے میں سے ایک مصمتہ کم کرنے سے مذکر صیغہ برآمد ہوتا ہے۔

grande [grãd]: mas-culine of grand

grand [grã] : feminine of grand

فرنچ کا مزاج یہ واضح کرتا ہے کہ تہہ نشین روپ grande ہے۔ grand کو بنیاد مان کر اضافہ تجویز کرنا زبان کی روایات کے خلاف ہے۔ انگریزی کی مثالیں:۔

-Elocute سے Elocution-(to) chauff سے chauffer

لیٹن میں اس کی کافی مثالیں ہیں۔ اردو فارسی میں آمدن سے آمد۔ خواندن سے خواند، خوان وغیرہ۔ فارسی کا مزاج یہ متعین کرتا ہے کہ آمد مادّہ نہیں جس سے 'آمدن' بنایا گیا ہو بلکہ آمدن سے آمد بنا ہے۔ اسی طرح خواند سے 'خوان' دیکھیے جو ہفت خواں، جیسے روپوں میں ہے۔ یہ منہائی کی بہترین مثال ہے۔

واضح ہو کہ اناج سے ناج، احاطہ سے حاطہ، دختر سے دخت، کان سے کن (کنکٹا لنگھورا میں) منہائی کی مثالیں نہیں کیونکہ یہاں کوئی نیا لفظ نہیں بنا۔ ناج، اناج کا ایلومارف صرف ہے۔ اس کے برعکس فرنچ لفظ grand [گراں] کا مارفیمی تجزیہ یوں ہوگا۔

{grõd} + { Subtractive Moephent of Masculinity }

(3) مبادلہ (SUBSTITUTION یا REPLACEMENT)

اگر مادّے کے ایک حصّے کو حذف کر کے اس کی جگہ دوسرے حصّے کا اضافہ کر دیا جائے تو اس جزوی تبدیلی کو مبادلہ یا Replacement کہتے ہیں مثلاً انگریزی میں Rang سے Ring، Found سے Find، Men سے Man، knives سے knife اردو میں چل سے چال، کھُل سے کھول، رُک سے روک۔ Found کا مارفیمی تجزیہ یوں ہوگا۔

FOUND: { Find }+ { ou replacing i }

دوسرے مارفیم کو مبادلاتی مارفیم (Replacive Morpheme) کہیں گے۔

اگر مبادلے کی تبدیلی سے دوسرے معنی والا مارفیم برآمد نہ ہو تو اس تبدیلی کو مارفیمی تبدیلی نہ کہہ کر ایلومارفی تبدیلی کہا جائے گا۔ مثلاً جاگنا سے جگنا۔ کندھا سے کاندھا۔ جگہ سے جاگہ۔ آکاش سے اکاش (اکاش بیل) آخر سے آخیر میں مبادلاتی ایلومارف ہے۔

(4) کُل بدلی (SUPPLETION)۔ مبادلے کی یہ انتہائی شکل ہے۔ اگر تبدیلی مادّے کے ایک جزو میں نہ ہو کر اس حد تک ہو کہ پورا مادّہ ہی بدل جائے تو اس تبدیلی کو کُل بدلی (SUPPLETION) کہتے ہیں۔ مثالیں

Better سے good - Went سے go۔

is سے be - Worse سے bad - جانا سے گیا۔

یہ تبدیلی مارفیم سے نہیں ایلومارف سے متعلق ہوتی ہے مثلاً Went کا مارفیمی تجزیہ کریں تو اس میں دو مارفیم ہیں۔ {t} + {Wen} /Wen/ {Go} کا کل بدلی ایلومارف ہے۔ /t/ ماضی ظاہر کرنے والے {d} کا کل بدلی ایلومارف ہے۔ Worse میں دو مارفیم ہیں

{Comparative} + {Bad}-/Worse/' {Bad} کا کل بدلی ایلومارف ہے۔ اس کے علاوہ تقابلی مارفیم {er} کا صفر ایلومارف /Ø ALLOMORPH/ ہے۔

صفر مارفیم یا صفر ایلومارف کو محض صفر [O] کی شکل میں نہیں لکھتے مبادا انگریزی مصوتے [O] سے التباس ہو۔ اس کو ایک ترچھے خط سے کاٹ دیتے ہیں اور Zero پڑھتے ہیں۔

(5) صفر ایلومارف ZERO ALLOMORPH یا ZERO ALTERNANT

اگر مادے یا مارفیم میں کوئی بھی تبدیلی کیے بغیر محض محلِ وقوع سے دوسرے معنی برآمد کر لیے جائیں تو ان میں صفر تبدیلی فرض کرنی ہوگی مثلاً واحد SHEEP سے جمع SHEEP - SPLIT ، at ، Put وغیرہ کی ماضی شکل۔ ان کا مارفیمی تجزیہ یوں ہوگا۔

Sheep (Plural) = {Sheep Singular} + {Plus Morpheme}

لیکن اس لفظ میں جمع کے مارفیم {S -} کا صفر ایلومارف ہے۔ اسی طرح ماضی کے صیغے Put میں مارفیم Put اور ماضی کے {d-} مارفیم کا صفر ایلومارف ہے۔

اردو میں جو اسما مصمتوں پر ختم ہوتے ہیں وہ غیر فاعلی جمع کی صورت میں بھی واحد صیغے کی شکل برقرار رکھتے ہیں مثلاً

اس نے ایک پتھر پھینکا

اس نے دس پتھر پھینکے

دوسرے جملے کے 'پتھر' میں دو مارفیم ہیں - پتھر + جمع کا صفر مارفیم۔

قواعدی عمل کی یہی قابلِ ذکر شکلیں ہیں۔ ضروری نہیں کہ ایک روپ سے دوسرا روپ

برآمد کرتے وقت ایک ہی عمل بروئے کار لایا جائے۔ بعض اوقات دو یا تین عمل ایک ساتھ کارفرما ہوتے ہیں مثلاً 'ہنہنانا'، میں تکرار نیز چسپیے کی کارفرمائی ہے better میں شکل بدلی اور اضافی لاحقے کا عمل ہے۔

لفظ کی ساخت کو بیان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مارفیموں کا تجزیہ کیا جائے اور انھیں ملانے والے قواعدی عمل کا بیان کیا جائے۔ مارفیمی چسپیوں کو وقوع کی ترتیب سے ترتیبی گروہوں (Order classes) میں درج کیا جاسکتا ہے۔ ان میں بعض گروہ دوسرے گروہوں سے پہلے یا بعد میں آتے ہیں مثلاً جاؤں گا، کروں گا، آیئے گا، چاہیے تھا کے ترتیبی گروہ یہ ہیں۔

مادہ	پہلا ترتیبی گروہ	دوسرا ترتیبی گروہ
جا	ؤں	گا
کر	وں	گا
آ	یئے	گا
چاہ	یئے	تھا

معلوم ہوا ؤں، یئے اصل کے فوراً بعد آتے ہیں۔ گا، تھا کا اضافہ کیا جائے تو یہ دوسرے ترتیبی گروہ کے طور پر آتے ہیں۔

مندرجہ بالا قواعدی عمل کو لفظ سازی کی دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(1) تصریف (INFLECTION) - (2) اشتقاق (DERIVATION)

پہلے تصریف کی تفصیل بیان کی جائے اس کے علاوہ جو مستخرج روپ بچیں گے وہ اشتقاقی ہوں گے۔

تصریف کا تعلق چار اجزائے کلام (Parts of Speech) سے ہے اسم، ضمیر، صفت، فعل۔ تصریفی چسپیے کلام میں لفظ کا مقام یا حیثیت متعین کرتے ہیں۔ اسم، ضمیر، صفت اور فعل کے علاوہ بقیہ اجزائے کلام نحو کے لیے مفید ہوتے ہیں مختلف اجزائے کلام میں کئی تصریفی زمرے (Inflectional catagories)۔ ہوتے ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

1۔ اسم میں تعداد، جنس اور حالت (case)۔

ان میں حالت کی ساخت کا تعلق مارفیمیات سے ہے اور اس کی تشکیل کرنے والے چسپیے تصریف کے ذیل میں آتے ہیں۔ لیکن اس کی غرض و غایت کا تعلق نحو سے ہے اس لیے اسے نحو کے ذیل میں لیا جائے گا۔

تعداد:۔ تاریخی اعتبار سے واحد سب سے پہلا عدد ہے اور ابتدا میں غالباً یہی ایک صیغہ تھا۔ جمع کا صیغہ نہیں تھا۔ اس کے بعد جمع کا صیغہ بنا۔ بعض زبانوں مثلاً سنسکرت، عربی میں تثنیہ بھی ہوتا ہے۔ بعض زبانوں میں تثنیہ محض ضمیر میں ہوتا ہے اسم میں نہیں مثلاً تبت ہمالیائی کی کناوری اور ناگا انگامی زبان میں یا شمالی امریکہ کی چنوک (chinuk) زبان میں۔ ملینیشیا کی بعض زبانوں مثلاً ysa-bel میں تثلیثہ بھی ہوتا ہے لیکن غالباً یہ ضمیر میں ہوتا ہے (ہم تینوں)۔ بعض زبانوں مثلاً سالومن میں جزیروں کی ao لگ میں، ڈیوک آف یارک جزیرے کی زبان اور گلبرٹ جزیرے کی زبان میں تربیعہ (Quadrial) بھی ملتا ہے۔ تجزیئے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جمع + دو یا تین یا چار کی گنتی ہیں۔

واحد کے بعد جمع کا صیغہ آیا لیکن تثنیہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کہیں یہ جمع سے نکلا کہیں جمع اس سے نکلی، کہیں اس نے علیحدہ سے ارتقا پایا۔

جنس:۔ مختلف زبانوں میں یہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔ فطری جنس اور قواعدی جنس۔

فطری جنس:۔ تین طرح کی ہوتی ہے۔ مذکر، مونث اور نامتعلق (Neuter)

قواعدی جنس میں جنس من مانی ہوتی ہے فطری نہیں مثلاً لیٹن میں دریا مذکر ہے ستارہ مونث۔ جرمن میں Weib (عورت) مشترک جنس (neuter) ہے۔ یونانی اور لاطینی میں سورج مذکر اور چاند مونث ہے لیکن جرمن اور لتھونیائی میں اس کے برعکس ہے۔ بعض اوقات کوئی لفظ واحد میں ایک جنس لیکن جمع میں کوئی اور جنس ہو سکتا ہے مثلاً خدا کے لیے جرمن لفظ واحد میں مذکر اور جمع میں نامتعلق ہے۔ عربی میں مونث الفاظ بھی جمع کی شکل میں مذکر ہو جاتے ہیں مثلاً فوج، خصوصیت مونث ہیں لیکن افواج خصوصیات مذکر ہیں۔

دارو ڑی زبانوں میں جنس کی بجائے اونچی ذات والے الفاظ مذکر اور نیچی ذات والے مونث ہوتے ہیں۔ قواعدی جنس Animism کی یادگار ہے۔

بعض زبانوں میں جنس کی جگہ گروہ ہوتے ہیں مثلاً میلینیشیا کی زبان Gsai میں دو گروہ ہیں۔

ا۔ اعضائے جسم کے نام، رشتے داریاں، کچھ مقامی اسم جو حرفِ جار کی طرح استعمال ہوتے ہیں وغیرہ۔

ب۔ دوسرے اسما۔

شمالی امریکہ کی زبان Haida میں اشیا لمبی، دبلی، گول، چپٹی، جاندار، پڑ، مادہ، شاخ دار وغیرہ میں منقسم ہیں۔ بانتو میں 17 سے 23 تک گروہ ہیں۔ نہیں کہہ سکتے کہ انھیں جنس کہا جائے گا کہ نہیں۔

2۔ ضمیر میں شخص (Person)، تعداد حالت اور جنس ہوتی ہے۔

بعض زبانوں میں متکلم ضمیر میں شمولی (inclusive) اور خارجی (exclusive) صیغے ہوتے ہیں۔ مثلاً سنتھالی اور دراوڑی میں شمولی 'ہم' میں۔ متکلم اور مخاطب دونوں شامل ہوتے ہیں یعنی 'میں اور تم' خارجی 'ہم' میں صرف متکلم شخص یا اشخاص ہوتے ہیں۔ مخاطب اس سے خارج ہوتا ہے۔

ضمیر کی حالت اسم کی حالت کی طرح ہوتی ہے۔ اس کا تعلق نحو سے ہے۔ اردو ضمیر میں جنس نہیں ہوتی لیکن انگریزی میں HE اور SHE میں جنس ہوتی ہے۔ عربی میں بھی ضمیر کے بعض صیغوں میں جنس ہوتی ہے۔

3۔ فعل میں (1) تعداد، (2) جنس، (3) زمانہ، (4) طور (Voice) (5) صورت (mood) ہوتی ہے۔

زمانہ (tense) سے مماثل ایک چیز aspect ہوتی ہے۔ زمانہ وقت کا اظہار کرتا ہے لیکن aspect فعل کی تکمیل و عدم تکمیل کا یعنی فوری یا جاریہ۔ بعض فعل بالطبع جاریہ یا ناتمام قسم کے ہوتے ہیں مثلاً strike اور shoot فوری اور تمام ہیں اور "heat" walk جاریہ۔ سامی زبان میں دراصل زمانہ نہیں aspect ہے حامی، سامی، یورالی، قدیم ہند ایرانی، کلاسکی یونانی اور بالٹوسلافی میں بھی aspect ہوتی ہے۔ مختلف زبانوں میں زمانہ کے صیغے طرح طرح کے ہوتے ہیں۔

طور سے مراد فعل کا معروف یا مجہول ہونا ہے۔ انگریزی کے passive اور اردو کے مجہول طور میں بعض اوقات فرق ہوتا ہے یعنی اردو کے مجہول طور میں فاعل

مقدر رہتا ہے، انگریزی میں ضروری نہیں۔

صورت (mood) سے فعل کا طریقہ ظاہر ہوتا ہے یعنی یہ کہ فعل خبری، شرطی یا تمنائی، احتمالی یا شکی، امری اور مصدری میں سے کیا ہے۔

مختلف زبانوں میں یہ زمرے کم و بیش ہوتے ہیں یعنی بعض زمرے موجود ہوں بعض نہ ہوں۔ ان کی قسمیں بھی مختلف زبانوں میں مختلف ہوتی ہیں مثلاً اردو کے فعل میں جنس ہوتی ہے لیکن فارسی اور انگریزی کے فعل میں نہیں ہوتی۔

4 صفت میں جنس، تعداد اور درجہ ہوتے ہیں۔ انگریزی اور فارسی صفت میں جنس اور تعداد نہیں ہوتی۔ فرنچ اور اردو میں ہوتی ہے۔ انگریزی اور فارسی صفت میں تین درجے ہوتے ہیں good ، better ، best بہ، بہتر، بہترین۔ اردو صفت میں درجے نہیں ہوتے۔

مندرجہ بالا چاروں اجزائے کلام میں کسی لفظ اور اس کی پوری گردان کو اس کا paradigm کہتے ہیں مثلاً

لڑکا کی گردان:

لڑکا، لڑکے، لڑکوں، لڑکو، لڑکی، لڑکیاں، لڑکیوں، لڑکیو۔

اچھا کی گردان: اچھا، اچھی، اچھے

میں کی گردان: میں، ہم، مجھے، ہمیں، میرا، ہمارا۔

فعل کی گردان بہت بڑی ہوتی ہے۔

ان تصریفی زمروں کی ساخت اگر چسپیوں کے ذریعے ہوتی ہے تو انھیں تصریفی چسپیے (inflectional affixes) کہتے ہیں۔ اگر آزاد روپ کے اضافے کے ساتھ ہوتی ہے تو انھیں تصریفی فقرہ کہیں گے مثلاً حسین، حسین تر، حسین ترین میں تصریفی چسپیے کا استعمال ہے۔ خوبصورت، سب سے زیادہ خوبصورت تصریفی فقرے ہیں۔ اسی طرح

عمر زید کے ہاتھوں مارا گیا

وہ آتا ہوگا

کے فعل تصریفی فقرے ہیں جو تصریفی چسپیوں کی مدد سے بنتے ہیں۔ پہلے میں مجہول

طور (passive) ہے اور دوسرے میں احتمالی صورت (mood) جو تصریفی فقروں کے ذریعے ظاہر ہوتی ہیں۔

ایک تہہ نشیں یا بنیادی روپ سے جو تصریفی لفظ بنتے ہیں ان سب کے بننے کے قواعدی عمل کو تصریف (inflection) کہتے ہیں۔

ان سے ہٹ کر کسی اور قسم کے الفاظ بنائے جائیں تو اُن کے قواعدی عمل کو اشتقاق (derivation) کہتے ہیں۔ اشتقاق کے بھی کم و بیش وہی عمل ہوتے ہیں جو تصریف کے مثلاً

1۔ اشتقاقی سابقے۔ انجان، اِمٹ، بے رُاس، سڈول decode

2۔ اشتقاقی وسطیے۔ کاتب، قاتل

3۔ اشتقاقی لاحقے۔ نرمی، بچپن، شرمیلا۔

4۔ اشتقاقی مبادلہ۔ کِھل سے کھیل (یائے معروف کے ساتھ)۔ رُک سے روک۔ چل سے چال۔

5۔ اشتقاقی مبادلہ + چسپیہ ہندی وید سے وِیدک۔ انگریزی Bind سے Boundary

6۔ اشتقاقی تکرر۔ ڈگدگانہ

7۔ اشتقاقی منہائی یعنی مقلوب اشتقاق (inverse derivation)۔ مادّے سے کچھ کم کر کے جب کوئی روپ برآمد کیا جاتا ہے اُسے مقلوب اشتقاق کہتے ہیں۔ مثلاً شوفر سے Chang - لاطینی pugnare سے Pugno- فرنچ grande سے grand اور فارسی آمدن سے آمد تصریفی منہائی کی مثالیں ہیں اس لیے اُنھیں مقلوب اشتقاق نہیں سمجھ لینا چاہیے۔

تصریف محض مقررہ قواعدی روپوں کے لیے استعمال کی جاتی ہے جب کہ اشتقاق کے ذریعے لفظ سازی کے روپ لامحدود ہیں۔ تصریف اور اشتقاق میں دو اور فرق ہیں۔

1 تصریفی روپ ہمیشہ بروں مرکزی ہوتے ہیں۔ (بروں مرکزی کی تعریف نحو کے باب میں ملاحظہ ہو)۔

اشتقاقی روپ دروں مرکزی اور بروں مرکزی دونوں قسموں کے ہو سکتے ہیں۔

2۔ اشتقاقی روپ کی جگہ محض ایک سادہ روپ آسکتا ہے مثلاً

الف:۔ میں اس کی شرافت کا قائل ہو گیا۔

میں اس کے خلق کا قائل ہو گیا۔

ب:۔ اس کے ذرائع غیر محدود ہیں۔

اس کے ذرائع بہت ہیں۔

یہاں 'شرافت' کی جگہ خلق اور غیر محدود کی جگہ بہت آسکتا ہے لیکن تصریفی روپ کی جگہ محض ایک غیر تصریفی لفظ نہیں آسکتا مثلاً کرسیوں، مجھے، انسانوں، دوڑی، جار ہا تھا' وغیرہ کی جگہ کوئی ایسا سادہ لفظ نہیں آسکتا جو تصریفی چسپیوں کے بغیر وہی مفہوم ادا کر دے۔

اگر کسی روپ میں اشتقاقی چسپیے بھی ہوں تصریفی بھی تو ہند یورپی زبانوں میں اشتقاقی چسپیے مادّے یا اصل سے نزدیک تر ہوں گے جب کہ تصریفی چسپیے ہمیشہ باہر کی طرف ہوں گے مثلاً ہند سے ہندوستان اور ہندوستانی اشتقاقی چسپیوں سے بنتے ہیں ہندوستانی میں جمع کا تصریفی لاحقہ 'اوں' لگا کر ہندوستانیوں بنایا گیا جو آخر میں آیا۔ 'کھل' میں اشتقاقی تکرار کے ذریعے کھل کھل اور اشتقاقی لاحقہ 'آ' لگا کر ایک نیا روپ 'کھلکھلا' بنایا۔ اس میں ماضی مطلق کے لیے تصریفی لاحقہ 'یا' لگا کر 'کھلکھلایا' بنایا جائے گا۔

مرکّب (COMPOUND)

مارفیمیات میں ایک طرف مارفیم، چسپیوں اور لفظ سے بحث کی جاتی ہے تو دوسری طرف ان سے آگے بڑھ کر مرکب الفاظ کی ساخت پر بھی غور کیا جاتا ہے۔ اس پر نظر رکھتے ہوئے لفظ کی مختلف قسمیں کی جاتی ہیں۔

اگر لفظ محض ایک مارفیم کا نہ ہو تو اس کے کئی اجزا ہوتے ہیں۔ نحو کے باب میں

جملے اور فقرے کو ان کے قریبی مشمولات میں توڑنے کا طریقہ درج ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی ترکیب کو زبان کے مزاج کے مطابق شروع میں ان دو اجزا پر توڑا جائے جو اس کے سب سے فطری دو حصے معلوم ہوتے ہیں اس کے بعد ان اجزا کو پھر مزید اجزا میں تقسیم کرسکتے ہیں یہاں تک کہ ہم واحد مارفیم تک پہنچ جائیں۔ خانہ دامادی ہم خانہ + دامادی پر تقسیم کریں تو صحیح نہیں کیونکہ اس مرکب کو خانہ داماد + ای کو ملاکر حاصل کیا گیا ہے۔ بعد میں خانہ داماد کو خانہ + داماد پر بانٹا جاسکتا ہے۔

مرکب مارفیمیات اور نحو کی سرحد کی چیز ہے۔ مرکب اور فقرے کا فرق تلوار کی دھار کی طرح ہے۔ اس پر آگے چل کر غور کیا جائے گا۔ سنسکرت اور فارسی قواعدوں میں مرکب کی بہت سی قسمیں کی جاتی ہیں لیکن وہ جدید لسانیات کے مفید مطلب نہیں کیونکہ وہ ہیئت اور ساخت کی بنا پر نہیں کی جاتیں بلکہ معنی کی بنا پر مثلاً مرکب توصیفی، مرکب اضافی وغیرہ۔ ہمیں ان سے چشم پوشی میں کوئی ضرر نہیں۔

گرے نے مرکب کی دو قسمیں کی ہیں۔

صحیح مرکب (PROPER-COMPOUND):- اس کے اجزا میں صرف آخری جزو کی تصریف ہوتی ہے۔ بیشتر مرکب اسی قسم کے ہوتے ہیں مثلاً زباں درازیاں، تار گھروں۔

غیر صحیح مرکب۔ جس میں کم از کم دو اجزا پر تصریف کا عمل ہوتا ہے۔ مثلاً لیٹن میں rei-publicae سے res-publica اردو میں دوڑ دھوپ سے دوڑتا دھوپتا۔ کپڑا وپڑا سے کپڑے وپڑے (سپھاڑ کر)۔ ہٹا کٹا سے ہٹے کٹے (- آدمی نے) آتا ہوا سے آتے ہوئے۔

صحیح مرکب تاریخی اعتبار سے زیادہ پرانے ہوتے ہیں غیر صحیح نسبتاً بعد کے ہیں کیونکہ ابھی ان کے دونوں منصرف ہونے والے اجزا گھل مل کر ایک نہیں ہوئے بلکہ اپنی علیحدہ حیثیت قائم رکھے ہوئے ہیں۔

مشمولات (CONSTITVENTS) کی بنا پر کئی قسموں میں منقسم کیا ہے۔ ذیل میں اوّل اس تقسیم کا خلاصہ ایک شجرے کی شکل میں درج کیا جاتا ہے بعد میں اس کی تفصیل دی جائے گی۔

- لفظ
  - سادہ (واحد مارفیم مثلاً گھر)
  - پیچیدہ (ایک سے زیادہ مارفیم)
    - ابتدائی مشتق (ایک سے زیادہ مارفیم البپابند روپ مثلاً Receive)
    - ثانوی الفاظ (ایک سے زیادہ مارفیم جن میں کم از کم ایک آزاد روپ)
      - ثانوی مشتق (ایک یا زیادہ آزاد روپ + پابند روپ
        - ثانوی لفظی مشتق (ایک آزاد روپ + پابند روپ مثلاً سمجھ دار)
        - ثانوی مرکبی مشتق (مرکب + پابند روپ مثلاً خانہ دامادی)
        - فقروی مشتق (فقرہ + پابند روپ مثلاً دو سو چالیسواں
      - مرکب لفظ (ایک سے زیادہ محض آزاد روپ)
        - نحوی مرکب (جن میں آپس میں نحوی رشتہ ہو مثلاً لال پگڑی)
        - غیر نحوی مرکب (جن میں نحوی رشتہ نہ ہو مثلاً خانہ داماد)
        - خلافِ نحوی مرکب (نحوی ترتیب کے خلاف مثلاً (House-keep

لفظ کو ایک مارفیم یا ایک سے زیادہ مارفیم کی بنا پر سادہ لفظ اور پیچیدہ لفظ میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1۔ سادہ (SIMPLE) :۔ محض ایک مارفیم پر مشتمل ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مارفیم آزاد روپ اور مادّہ ہوگا مثلاً گھر، میز، باہر۔

2۔ پیچیدہ (COMPLEX) :۔ اس میں ایک سے زیادہ مارفیم ہوتے ہیں جس سے اس کے تحت طویل مفرد لفظ کے علاوہ مرکب بھی آجاتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

2۔الف :۔ ابتدائی مشتق (PRIMARY DERIVATIVE) :۔ اس میں ایک سے زیادہ مارفیم ہوتے ہیں لیکن سب پابند روپ ہوتے ہیں۔ انگریزی میں اس قسم کے کئی الفاظ ہیں جن کے دونوں پابند اجزا کسی دوسرے لفظ میں بھی آزاد روپ کے طور پر نہیں آتے مثلاً

2 ب ۔ثانوی الفاظ: SECONDARY WORDS :۔ ایک سے زیادہ مارفیم پر مشتمل ہوتے ہیں اور ان میں کم از کم ایک آزاد روپ ہوتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ثانوی مشتق اور مرکب۔ پہلے مشتق کو دیکھیے :

RECEIVE , DECEIVE , REMOTE , DEMOTE , PROMOTE ,

CONTAIN , DETAIN.

اردو میں بھی ایسی کئی مثالیں ہیں جن کے دونوں اجزا پابند روپ ہیں مثلاً بگٹٹ، نکٹا، وغیرہ۔ لیکن ان میں اور انگریزی کی مثالوں میں یہ فرق ہے کہ انگریزی مثال کے اجزا میں پابند روپ ہونے کی صلاحیت ہی نہیں۔ وہ ہمیشہ چپیے کے طور پر مستعمل ہوتے ہیں۔ اردو مثالوں کے اجزا آزاد روپوں کے پابند ایلومارف ہیں مثلاً

بگٹٹ = باگ + ٹوٹ ، نکٹا = ناک + کٹا

اردو میں خالص چپیوں پر مشتمل الفاظ لڑکا، کھڑا وغیرہ ہیں جن کے دو مارفیم لڑک + آ ، کھڑ + آ ہیں اور یہ ہمیشہ پابند روپ ہی میں آتے ہیں۔

2۔ب۔ ثانوی مشتق (SECONDARY Words) :۔ اس میں ایک یا ایک سے زیادہ آزاد روپ ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ کم از کم ایک پابند روپ ضرور ملحق ہوتا ہے۔ پابند روپ کی موجودگی کی وجہ سے ثانوی مشتق کی حیثیت لسانیاتی مفرد لفظ کی ہوتی ہے۔ آزاد روپ اس کا تہہ نشین یا بنیادی روپ ہوتا ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔

2 ب 1:1 ثانوی مشتق (SECONDARY WORD DERIVATIVE)

اس میں ایک آزاد روپ اور ایک پابند روپ ہوتا ہے مثلاً سمجھدار، خردمند، دربان، لڑکو۔

2ب ا: 2 ثانوی مرکبی مشتق (DE-COMPOUND):- یہ ایک مرکب اور پابند روپ کا مجموعہ ہوتا ہے۔ مرکب سے مراد ایسا لفظ ہے جس کے تمام اجزا آزاد روپ ہوں مثلاً خانہ داماد، مال گودام، کم فہم۔ جب اُن میں ایک پابند روپ کا اضافہ کر دیا جاتا ہے تو تہہ نشین مرکب اپنی حیثیت کھو دیتا ہے اور پورا روپ ایک مفرد لفظ بن جاتا ہے مثلاً خانہ داماری، مال گوداموں، کم فہمی۔ Gentlemanly

چونکہ اس میں مرکب کا مرکب پن زائل ہو جاتا ہے اس لیے انگریزی میں اسے DE-COMPOUND کہا گیا۔ اس کا لفظی اردو ترجمہ مرکب شکن یا مرکب کش ہونا چاہیے تھا لیکن مرکبی مشتق سے بھی وہی مفہوم ادا ہو جاتا ہے اس کے علاوہ لفظی مشتق، مرکبی مشتق اور فقروی مشتق کی اصطلاحوں میں یک رنگی ہے۔

2ب ا: 3 فقروی مشتق (PHRASE DERIVATIVE):- اس میں فقرہ تہہ نشین روپ ہوتا ہے۔ اس پر پابند روپ کا اضافہ کر کے اس کا فقرہ پن زائل کر دیا جاتا ہے اور پوری ساخت ایک مفرد لسانیاتی لفظ کا حکم رکھتی ہے۔ مثلاً

The king of England, old-Maidish

ایک ہزار دوسو چالیسواں ، نواب واجد علی شاہانہ

ان کا جملوں میں استعمال دیکھیے

1- وہ ایک ہزار دوسو چالیسواں ووٹر ہے

2- اور سیٹھ صاحب کا رہن سہن نواب واجد علی شاہانہ ہے

2ب 2- مرکب لفظ (COMPOUNDS):- یہ ایک سے زیادہ آزاد روپوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ مرکب، لفظ اور فقرے کی نیز مارفیمیات اور نحو کی سرحد پر واقع ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات ان کی تمیز مشکل نہیں ہوتی لیکن کبھی کبھی دشواری ہوتی ہے تمام زبانوں کے لیے یکساں قاعدے نہیں پیش کیے جاتے۔ مرکب اور فقرے کے چند اہم فرق درج کیے جاتے ہیں جن میں سے ہر زبان اپنے مزاج کے مطابق اطلاق کرتی ہے۔

1- مرکب لفظ اکثر فقرے سے زیادہ معنی کی تخصیص کرتا ہے مثلاً مرکب red-shirt کے معنی خدائی خدمت گار کے ہیں۔ RED-SHIRT فقرے کے معنی کوئی سی بھی

سُرخ قمیض کے ہیں۔ سیاہ گوش مرکب ہے کیونکہ یہ ایک مخصوص جانور کا نام ہے۔ Bird اور Meat میں Jail-Bird اور Sweet-Meat کے مختصر معنی ملاحظہ ہوں۔

2۔ انگریزی جیسی زبان میں جس میں بل کی بہت اہمیت ہے اونچے یا اولین بل کی بنا پر مرکب اور فقرے میں فرق کرتی ہے فقرے کے ہر لفظ پر اوّلین بل ہوتا ہے لیکن مرکب میں صرف پہلے رکن پر، دوسرے پر خفیف بل ہوگا یا بل غائب ہو جائے گا۔

3۔ اگر دو ارکان کے بیچ مارفو فونیمی تبدیلی ملتی ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ یہ ساخت مرکب ہے فقرہ نہیں۔ ہندی میں اسے سندھی کہتے ہیں۔ انگریزی میں holy day، two pence فقرے ہیں لیکن مرکب ہیں holiday، twopence — [tʌpns] جیسا تلفظ ملتا ہے۔

اردو میں ادھ موا (آدھا + موا)۔ پت جھڑ (پتہ + جھڑ)۔ پھلجھڑی (پھول + جھڑی)۔ ست ماسا (سات + ماسا)۔ پنج محل (پانچ + محل) ایسی مثالیں ہیں۔

شاذونادر دوسرے جزو میں بھی تبدیلی ہو سکتی ہے مثلاً نکٹا (ناک + کٹا) فقرے کے ارکان سالم رہتے ہیں۔

4۔ کبھی مرکب میں پہلا رکن تصریف شدہ معلوم ہوتا ہے لیکن فقرے میں اس قسم کی تصریف نہیں آتی۔ تصریف کا غیر معمولی ہونا مرکب کی نشانی ہے مثلاً فرنچ میں grande [grãd] مؤنث کا صیغہ ہے اور grand (grã) مذکر صفت کا۔ لیکن grand' mere [grã-mɛ:r]: دردی' میں صفت کا مونث روپ نہ آکر مذکر صیغہ آتا ہے۔ اس سے یقینی ہوگیا کہ یہ مرکب ہے۔

5۔ مرکب میں اگر اصل (STEM) میں تصریف نہیں ہوتی جب کہ قواعد کا تقاضا ہو کہ ہونی چاہیے تو یہ بھی مرکب کی نشانی ہے۔ یونانی، جرمن وغیرہ میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

6۔ فرسودہ قواعدی شکلوں کی موجودگی بھی مرکب کی نشانی ہے مثلاً انگریزی میں Dreadnought میں نفی کا مارفیم فرسودہ اور متروک ہے۔ فرنچ میں

sage-femme [ساژ فام] کے لفظی معنی عقلمند عورت اور محاوراتی معنی۔ mid-wife ہیں۔ فرنچ میں صفت موصوف کے بعد آتی ہے لیکن قدیم فرنچ میں پہلے آتی تھی۔ ساژ فام جیسی ترکیب مرکّب ہی میں ممکن ہے۔

7۔ مرکب میں لفظوں کی ترتیب معین رہتی ہے اسے بدلا نہیں جا سکتا۔ فقرے میں یہ بدلی جا سکتی ہے مثلاً Bread-and-Butter ایک محاورہ اور مرکب ہے۔ اسے Butter-and-Bread نہیں کہہ سکتے لیکن فقرے میں بدل کر کہہ سکتے ہیں مثلاً

Bring Butter and Bread From The Market

دل گردہ، دم خم، ہار جیت، رونا دھونا، دوڑ دھوپ سب مرکب ہیں اس لیے ہم انھیں گردہ دل، خم دم، جیت ہار، دھونا رونا، دھوپ دوڑ نہیں بول سکتے۔

لیکن یہ پہچان ہر جگہ کام نہیں آ سکتی کیونکہ بہت سے طویل محاوروں نیز ضرب الامثال میں بھی لفظوں کی ترتیب معین رہتی ہے مثلاً

'غریب کی جورو سب کی بھابھی'، کو' جورو غریب کی سب کی بھابھی' نہیں کہہ سکتے۔ شاید یہ اس لیے ہو کہ' جورو غریب کی' نثر کی فطری ترتیب کے خلاف ہے۔

8۔ اگر کسی ساخت (contruction) کے ارکان میں نحو کے خلاف ترتیب ہو مثلاً (to) Bootlick، (to) house keep تو یہ پکّی نشانی ہے کہ یہ فقرہ نہیں مرکب ہے۔ اردو میں' زبان دراز'، 'تاریخ اردو ادب'، مہاراجہ جے پور، ریڈیو کشمیر اور انگریزی میں Director-general، Secretary-general ایسی ہی ترکیبیں ہیں۔ ازرق چشم، چرب زباں کی طرح زبان دراز کو بھی دراز زباں ہونا چاہیے تھا۔ تاریخِ اردو ادب کو فارسی قاعدے سے تاریخِ ادب اردو ہونا چاہیے۔ بقیہ سب ترکیبیں بھی مقلوب ہیں۔ اس لیے یہ سب مرکب ہیں فقرے نہیں۔

9۔ مرکب کے اجزا ناقابلِ تقسیم حد تک ایک دوسرے سے چسپاں ہوتے ہیں یعنی ان کے بیچ میں کوئی اور لفظ داخل نہیں کیا جا سکتا مثلاً Beware کو Be very rare نہیں کہہ سکتے۔ یتیم خانہ کو یتیم اطفال خانہ نہیں کہیں گے۔ فقرے میں ایسی کوئی تحدید نہیں۔ ایک ہزار دو سو چالیس، کی جگہ' ایک ہزار دو سو اور چالیس' کہہ سکتے ہیں۔

۱۵ مرکب کا کوئی رکن کسی دوسری نحوی ساخت کا مشمول نہیں بن سکتا مثلاً very black bird کو Black Bird نہیں کہہ سکتے "دل گردہ سے دعونِ دل گردہ" کہنا غلط ہوگا۔ فقرے کے رکن آزاد ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ مرکب کے اجزا فقرے کے ارکان کی نسبت کہیں زیادہ شیر و شکر ہوتے ہیں اور معنی میں ایک لفظ کا حکم رکھنے کا رجحان رکھتے ہیں۔

مرکب کی تین قسمیں ہیں۔

2 ب 2 : 1 نحوی مرکب (SYNTACTIC COMPOUND) :- اس مرکب کے اجزا میں کوئی نحوی رشتہ مثلاً صفت موصوف، مفعول فعل، فاعل فعل، تمیز فعل ہوتا ہے۔ مثال لال پگڑی، چڑی مار۔

2 ب 2 : 2 غیر نحوی مرکب (ASYNTACTIC COMPOUND) :- اس کے دونوں اجزا میں نحوی تعلق نہیں ہوتا بلکہ دو الفاظ پاس پاس رکھ دیئے جاتے ہیں مثلاً خانہ داماد، Fire Proof، تار گھر۔

2 ب 2 : 3 **خلافِ نحوی مرکب** (SEMI-SYNTACTIC COMPOUND) :- اس کے اجزا میں نحوی تعلق ہوتا ہے لیکن فطری نحوی تعلق سے منقلب مثلاً انگریزی میں (to) house-keep حالانکہ keep-house ہونا چاہیے تھا۔ اردو میں زباں دراز بھی منقلب ترکیب ہے۔ ہم تنگ دل، کور چشم، فراخ دل کہتے ہیں۔ یہاں بھی دراز زبان کہنا چاہیے تھا لیکن اسے زباں دراز کہا جو خلافِ نحوی مرکب ہے۔

"ریڈیو کشمیر" جیسا مرکب خلافِ نحوی کے ذیل میں نہیں بلکہ غیر نحوی کے ذیل میں آئے گا کیونکہ اس کے دونوں اجزا میں کوئی نحوی تعلق نہیں۔ خلافِ نحوی مرکب در اصل نیم نحوی مرکب ہے۔

لسانیاتی مرکب اردو مرکب سے مختلف ہے۔ لسانیات میں مرکب کے تمام اجزا آزاد روپ ہوتے ہیں۔ اگر انھیں پابند روپ سے جوڑ اگیا تو وہ ثانوی مرکب یا مشتق ہو جاتا ہے مثلاً خانہ داماری، Gentlemanly۔ مارفیمیات انھیں مفرد لفظ کے ذیل میں رکھتی ہے جب کہ اردو میں یہ مرکب ہیں۔

مرکبات کی ایک قسم دروں مرکزی اور بروں مرکزی بھی کی جاتی ہے۔ آئندہ باب میں دروں مرکزی اور بروں مرکزی فقروں کا ذکر کیا جائے گا۔ تقسیم کی اسی بنا کو مرکب پر لاگو کر دیا جائے تو دونوں قسمیں واضح ہو جائیں گی۔

پیچیدہ لفظ کی مندرجہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ تصریفی رویوں کی نسبت اشتقاقی رویوں میں بہت زیادہ تنوع ہے۔

چھٹا باب

نحو

قواعد کی دو شاخیں ہیں (1) مارفیمیات (صرف) (2) نحو (SYNTAX)
مارفیمیات پر گزشتہ باب میں غور کیا گیا۔ اس باب کا موضوع نحو ہے۔ اوّل نحو کی کچھ تعریفیں درج کی جاتی ہیں۔

" نحوشی ترکیبیں (CONSTRUCTION) وہ ہیں جن کا کوئی قریبی مشمول (IMMEDIATE COUSTITUENT) پابند روپ نہیں۔" (بلوم فیلڈ)

" جو ترکیبیں تصریف اور اشتقاق کے عمل سے بنتی ہیں انھیں اور بڑی بندشوں میں ترتیب دینے کے اصولوں کو نحو کہتے ہیں" (گلیسن)

" نحو میں وہ طریقے شامل ہیں جن سے کلام (UTTERANCE) میں الفاظ اور فوقِ قطعاتی مارفیموں کو ایک دوسرے کے رشتے میں ترتیب دیا جاتا ہے۔" (ہاکیٹ)

" نحو ان طریقوں کا مطالعہ ہے جن میں الفاظ استعمال ہوتے ہیں جب کہ مارفیمیات ان طریقوں کا مطالعہ ہے جن سے لفظ بنتے ہیں۔" (ہال)

موٹے طور پر مارفیمیات لفظ کی ساخت کا مطالعہ کرتی ہے اور نحو لفظ سے بڑی ترکیبوں میں لفظوں کی ترتیب کا۔ لیکن ان دونوں کی حدود بعض مقامات پر مبہم ہوتی ہیں اور بعض پر یہ دونوں شاخیں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔ ایسے مقامات خاص طور پر دو ہوتے ہیں۔

1۔ مرکب (COMPOUND) لفظ :۔ بلوم فیلڈ نے Wild-animal-house

jack-in-the-pulpit, devil-may-care کو لفظ قرار دیا ہے۔ in the pulpit' 'may care' 'wild animal' یقیناً فقرے (Phrases) ہیں جو نحوی ترکیب ہیں۔ ان مرکب الفاظ کے بارے میں اختلاف رائے ہو سکتا ہے کہ انھیں مرکب لفظ مانا جائے یا فقرہ اردو کے مزاج کے مطابق "رات کی رانی" فقرہ معلوم ہوتا ہے۔

ب۔ **فقروی لفظ:۔** 'The king of England's' 'دو سو چالیسواں' انھیں پابند روپ کے الحاق کی بنا پر لفظ کہا گیا لیکن 'دو سو چالیس' فقرہ معلوم ہوتا ہے۔ اور The king of England's یقیناً فقرہ ہے جو نحو کی قلم رو میں آتا ہے۔

اور تو اور واحد لفظ میں بھی کبھی کبھی صرف اور نحو دونوں ایک دوسرے سے 'لب و دنداں' دکھائی دیتے ہیں۔ 'وہ' سے 'اسے' (he سے him) بنایا گیا جو ایک تصریفی عمل ہے لیکن اسے کے معنی نحو کی حد میں داخل ہوئے بغیر نہیں شرح کیے جا سکتے۔ 'اسے' مفعولی یا کوئی دوسری حالت ہے۔ حالت (case) نحو کا موضوع ہے لیکن اسم یا ضمیر کی حالت کی تشکیل مارفیمیاتی عمل یعنی تصریفی چسپیوں کے ذریعے ہوتی ہے۔

پابند روپ کی موجودگی کو بآسانی مارفیمی ترکیب کی نشانی قرار دے دیا جاتا ہے لیکن جو کچھ انگریزی کے بارے میں صحیح ہے وہ ہر زبان پر تو لاگو نہیں ہو سکتا۔ جن زبانوں میں تصریف و اشتقاق کی شدت ہے، مثلاً فرنچ یا اسکیمو زبان میں، وہاں متعدد الفاظ پابند روپ میں گتھے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہاں کس ترکیب کو مارفیمیاتی اور کسے نحوی کہا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ موٹے اصولوں کو سامنے رکھ کر ہر زبان میں مارفیمیات اور نحو کی حد بندی کے اپنے اصول واضع کرنے ہوں گے۔

اب نحو کے سلسلے کی بعض بنیادی اصطلاحات دیکھیے

(CONSTR

مارفیموں یا لفظوں ، با معنی گروہ کو ترکیب کہتے ہیں۔ محض ایک مارفیم کی ترکیب نہیں ہو سکتی۔ 'گھر' ترکیب ۔ 'گھروں' ترکیب ہے لیکن مارفیمیاتی سطح پر، نحوی سطح پر نہیں۔ اسی طرح صرف وہ الفاظ (یا مارفیم) ایک ترکیب کہے جائیں گے جن میں آپس میں کوئی براہِ راست تعلق ہو مثلاً

تم نے جسے بلایا تھا وہ آگیا ہے

یہ پورا کلام بھی ایک ترکیب ہے اور اس میں ذیل کی ترکیبیں بھی ہیں۔

تم نے جسے بلایا تھا

جسے بلایا تھا

بلایا تھا

وہ آگیا ہے

آگیا ہے

آگیا وغیرہ

لیکن 'نے جسے' یا 'تھا وہ' یا 'گیا ہے' ترکیبیں نہیں کیونکہ ان میں کوئی براہ راست تعلق نہیں۔

شمول کار (CONSTITUTE) یہ وہ ترکیب ہے جس میں ایک سے زیادہ مارفیم یا لفظ شامل ہوں۔ یہ خود کسی دوسری بڑی ترکیب کی مشمول ہو سکتی ہے۔

مشمول (CONSTITUENT)

یہ وہ مارفیم لفظ یا ترکیب ہے جو کسی بڑی ترکیب کا جزو ہو۔ یہ مشمول دوسرے شمول کاروں کے تعلق سے شمول کار ہو سکتے ہیں۔

مثلاً اوپر کے جملے میں 'تم نے جسے بلایا تھا' مشمول ہے لیکن 'تم نے' اور 'جسے بلایا تھا' کے لیے شمول کار ہے۔ اسی طرح 'جسے بلایا تھا' مشمول ہے جس کے شمول کار دو ہیں۔

تم نے جسے بلایا تھا

تم نے جسے بلایا تھا وہ آگیا ہے

لیکن 'بلایا تھا' کے تعلق سے 'جسے بلایا تھا' شمول کار ہے۔ ایک کلام شمول کار ہوتا ہے مشمول نہیں۔ اس میں شامل ہر مارفیم مشمول ہوتا ہے شمول کار نہیں۔ بیچ کی سب ترکیبیں اپنے سے بڑی ترکیبوں کی مشمول ہوتی ہیں اور اپنے اندر شامل لیکن اپنے سے چھوٹی ترکیبوں کے لیے شمول کار ہوتی ہیں۔

قریبی مشمول (IMMEDIATE CONSTTUENTS):-

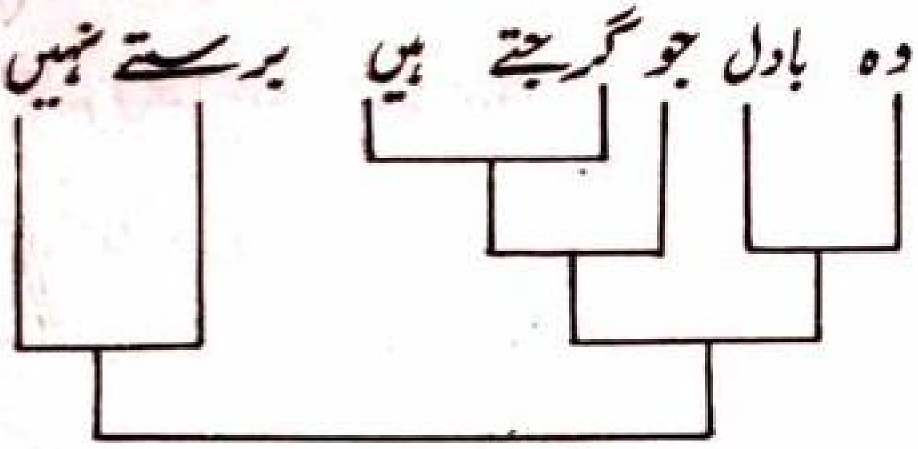
نحو میں کسی شمول کار کا تجزیہ دو دو (بہت شاذ اس سے زیادہ) مشمولوں میں کیا جاتا ہے۔ ایک شمول کار کو اوّل ان دو قریبی مشمولوں میں بانٹا جاتا ہے جو اس زبان کی قواعد کے تقاضوں سے فطری تقسیم کہلائے گی۔ پھر ہر قریبی مشمول کو اس کے قریبی مشمولوں میں پھاڑا جاتا ہے یہاں تک کہ مفرد مارفیم تک پہنچ جاتے ہیں۔ اسے قریبی مشمولی تجزیہ (Immediate constituent analysis) کہتے ہیں۔ انگریزی میں Immediate constituent کا مخفف I.C. استعمال کیا جاتا ہے۔ اردو میں قریبی مشمول کا مخفف ق م بلکہ 'قم' لکھا جاسکتا ہے۔

جو ترکیب کسی دوسری ترکیب کی مشمول نہ ہو اسے جملہ کہتے ہیں جو مشمول کسی دوسرے مشمول پر مشتمل نہ ہو اسے مارفیم کہتے ہیں۔ جملے کی خارجی قواعد نہیں ہوتی محض داخلی قواعد ہوتی ہے۔ مارفیم کی داخلی قواعد نہیں ہوتی محض خارجی قواعد ہوتی ہے۔ جملے پر آگے چل کر غور کیا جائے گا۔

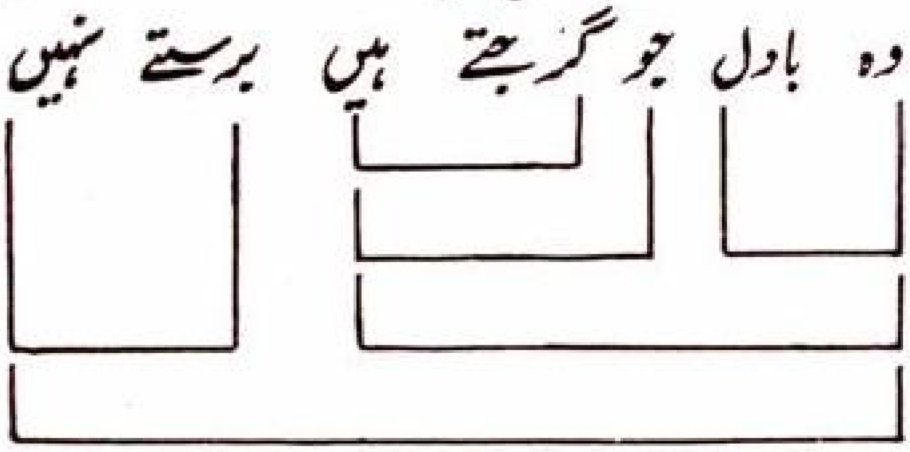
قریبی مشمولی تجزیہ

نحو میں یہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس سے ہر جملے یا فقرے کی ساخت آئینہ ہو جاتی ہے۔ ق م تجزیہ ایک ڈائگرام یا بکس میں کیا جاتا ہے۔ ہم اس کی چند شکلیں درج کرتے ہیں۔ اس تجزیے کو ہم لفظ تک محدود رکھیں گے کیونکہ اردو رسم الخط میں لفظ کے مارفیم علیحدہ علیحدہ کاٹنا مشکل ہوتا ہے۔ اصولی طور پر ق م تجزیے کو مارفیم تک پہنچنا چاہیے لیکن عملی سہولت کے پیشِ نظر اسے لفظ تک محدود کیا جاتا ہے۔

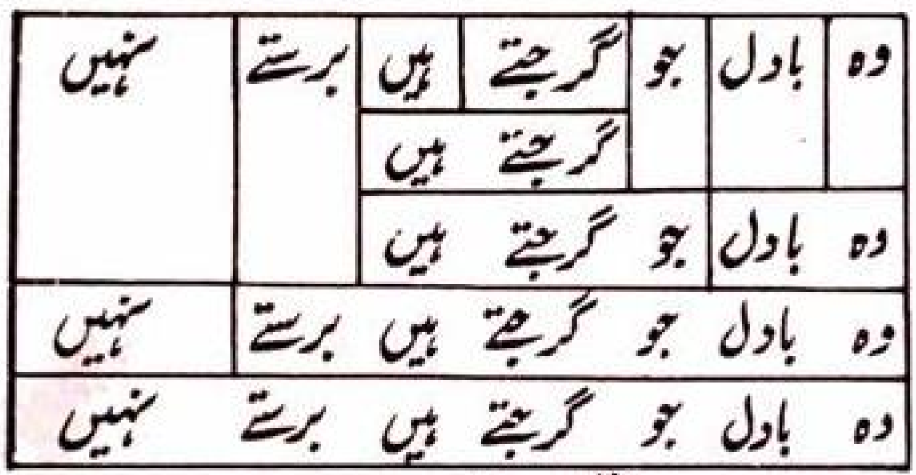
ذہن میں تجزیہ کرتے وقت جملے یا ترکیب کو بالعموم دو قریبی مشمولوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور ان اجزا کو پھر دو مشمولوں میں۔ علی ہذا القیاس لیکن نقشہ بناتے وقت ابتدا میں سب سے چھوٹے اجزا کا جوڑ دکھایا جاتا ہے اور نیچے کو بڑھتے بڑھتے جملے کے دو قریبی مشمولوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس طرح یہ ایک معکوس عمل ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اسے نیچے سے اوپر کو پڑھا جائے۔ ذیل میں چارٹ کے تین طریقے درج کیے جاتے ہیں۔



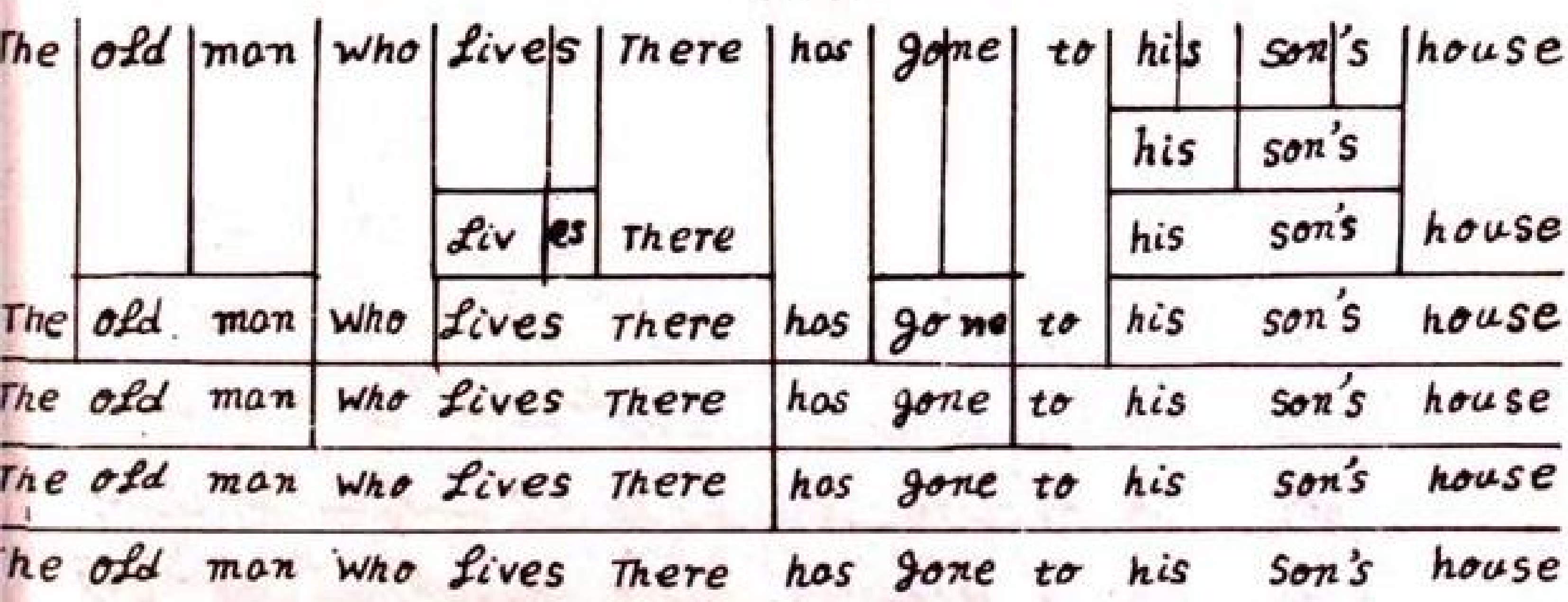
شکل ۔ ا



شکل ۔ ب



شکل ۔ ج



آخری انگریزی جملے کا چارٹ شکل۔ج والا ہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس میں چاروں طرف چوکھٹا نہیں بنایا گیا۔ اس میں مارفیم تک کا تجزیہ دکھایا گیا ہے۔ ان سب میں سب سے کم محنت طلب شکل۔الف ہے۔ چارٹ کسی بھی طرح بنایا جائے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

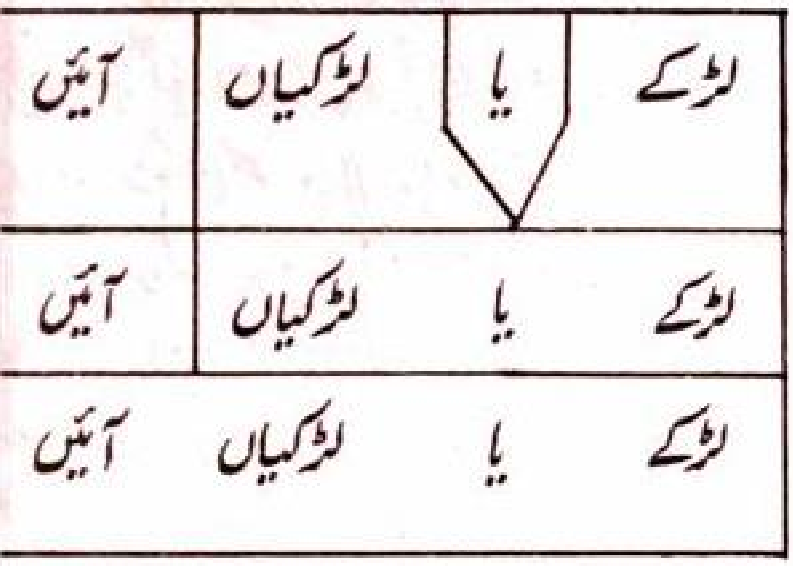
تجزیہ کرنے والے کو اپنی مادری زبان کے جملے یا ترکیب کے ثنوی تجزیے میں کوئی دقت نہیں ہوتی کیونکہ وہ ایک طرف معنی کی بنا پر فطری حصوں کو صاف صاف پہچان سکتا ہے، دوسری طرف لہر کی مدد سے جملے کے اجزاء کی صحیح حد بندی کر سکتا ہے۔ اس سے بھی مدد ملتی ہے کہ زبان میں کس قسم کی نحوی ترکیبیں عام طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ گرجتے ہیں، بولتے ہیں، کھاتے ہیں مماثل اجزا ہیں۔ اسی طرح جو گرجتے ہیں، وہ گرجتے ہیں، ہم گرجتے ہیں، ہم بولتے ہیں ایسی ترکیبیں ہیں جن کا وقوع عام ہے اس لیے ان پر جملے کی نحوی تقسیم مناسب ہے، لیکن 'ہیں برستے' یا 'بادل جو گرجتے' جیسی ترکیبیں عام نہیں اس لیے ان پر نحوی حد قائم نہیں کی جا سکتی۔

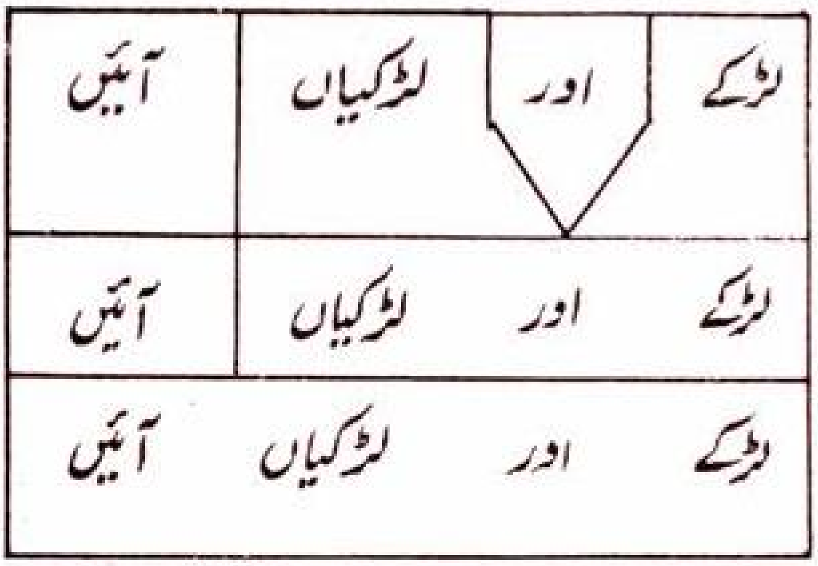
ہماری نحوی تقسیم ٹھیک ہے اس کو جانچنے کا ایک پیمانہ یہ ہے کہ ہمارے قائم کیے ہوئے طویل شمول کی جگہ کوئی مختصر ترکیب یا لفظ آسکتا ہے کہ نہیں۔ صحیح تقسیم میں ہر فقرے کی جگہ واحد لفظ کے آنے کی گنجائش رہنی چاہیے۔ اس عمل کو Substitution کہتے ہیں مثلاً

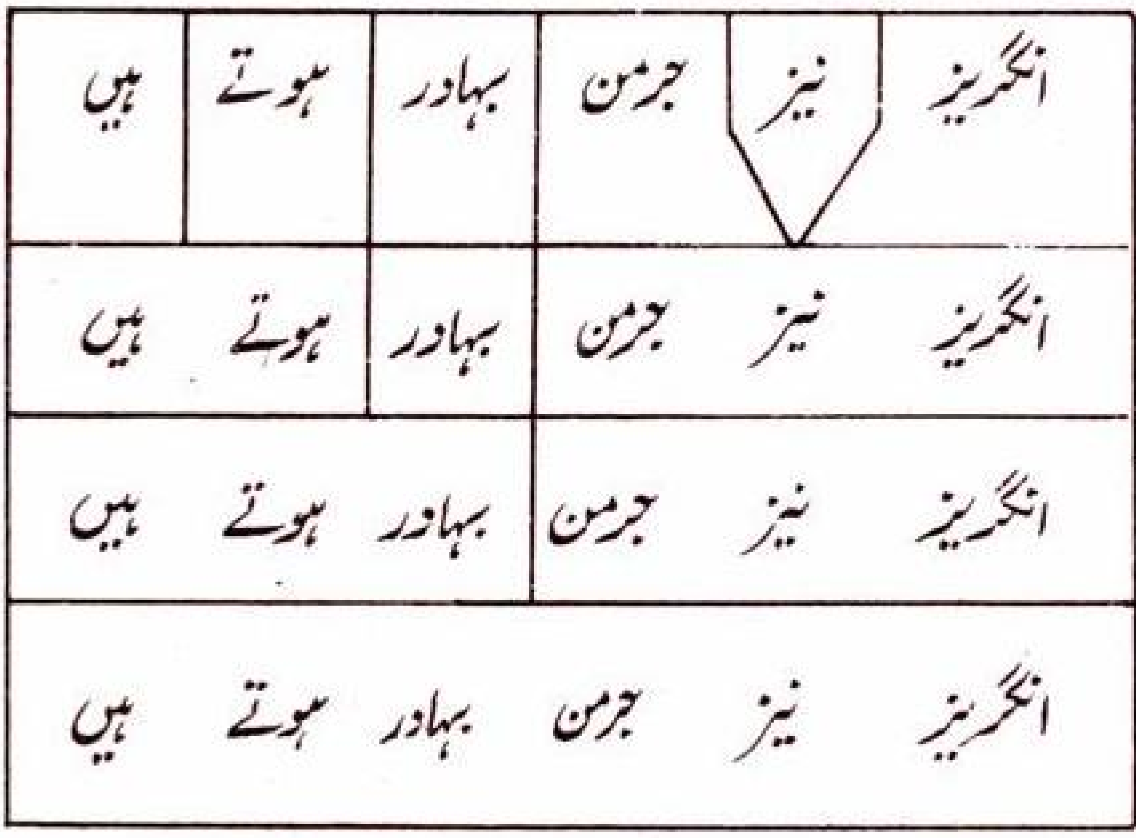
دو	بوڑھے	آدمی	ہر	روز	دو	پرانی	کتابیں	پڑھتے	ہیں
دو	آدمی		روز		دو	کتابیں		پڑھیں	
آپ			روز		کتابیں			پڑھیں	
آپ			کتابیں					پڑھیں	
آپ			پڑھیں						

پڑھیے

نشان گر: (MARKER)۔ ذیل کے جملوں کا تجزیہ دیکھیے۔







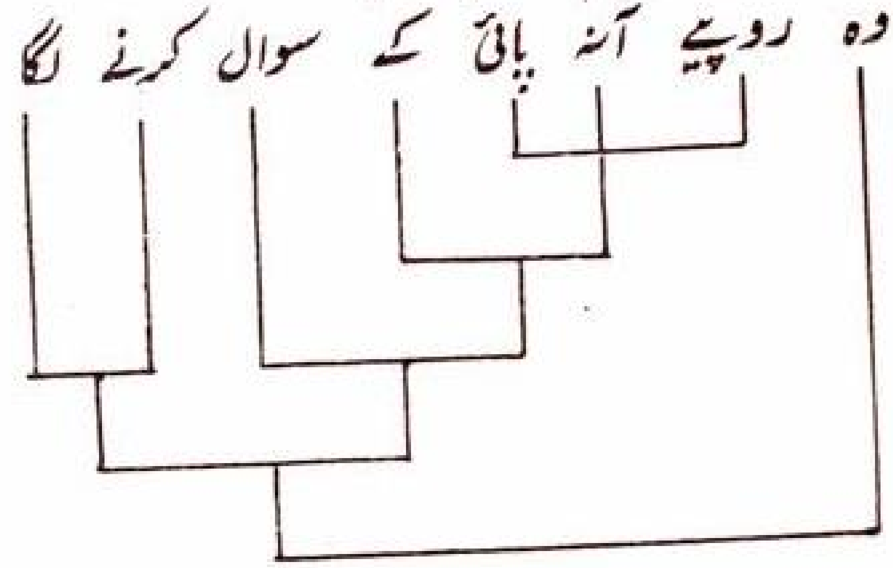
ان جملوں میں 'اور'، 'یا' 'نیز' ان تینوں کا تعلق اپنے ماقبل لفظ سے جتنا ہے اسی قدر مابعد لفظ سے اُنھیں کسی ایک سے منتھی کرنا مناسب نہیں اس لیے اُنھیں علیحدہ دکھانا چاہیے۔ 'اور' 'نیز' عطف ہیں، 'یا' تردیدیہ لیکن ہم اس قبیل کے سب الفاظ کو نشان گر کہہ سکتے ہیں۔ ہاکیٹ[1] نے major's wife کی علامتِ اضافت {'s} کو بھی مارکر قرار دیا ہے۔ اردو میں ہم اس سے اتفاق نہیں کرسکتے۔ موہن کی کتاب میں 'کی'، 'کا' 'موہن' سے اس قدر گہرا رشتہ ہے جیسے 'موہن نے'، 'موہن کو'، میں حروفِ جار کا۔ اس لیے اردو میں نشان گر، 'اور' 'نیز' 'یا'، 'و'، ہی ہو سکتے

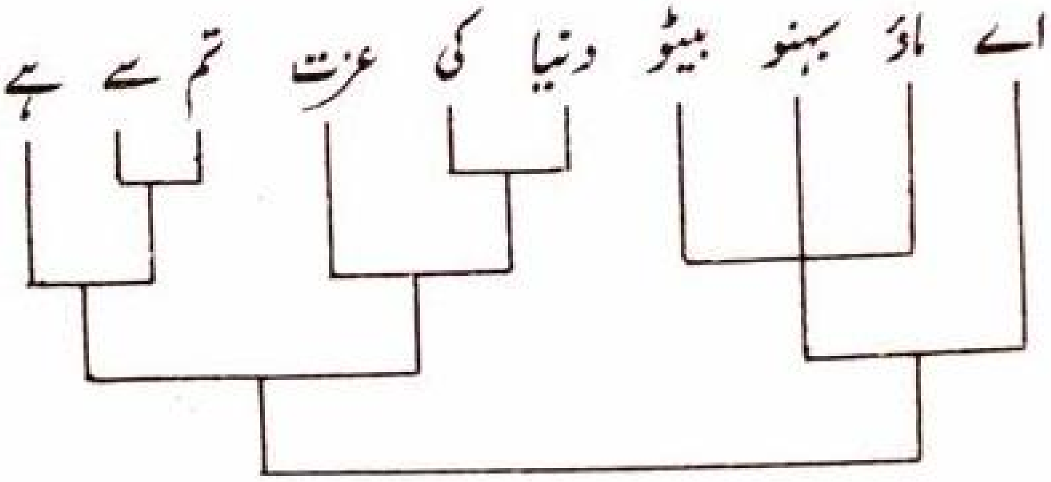
[1] ہاکیٹ: ص 153

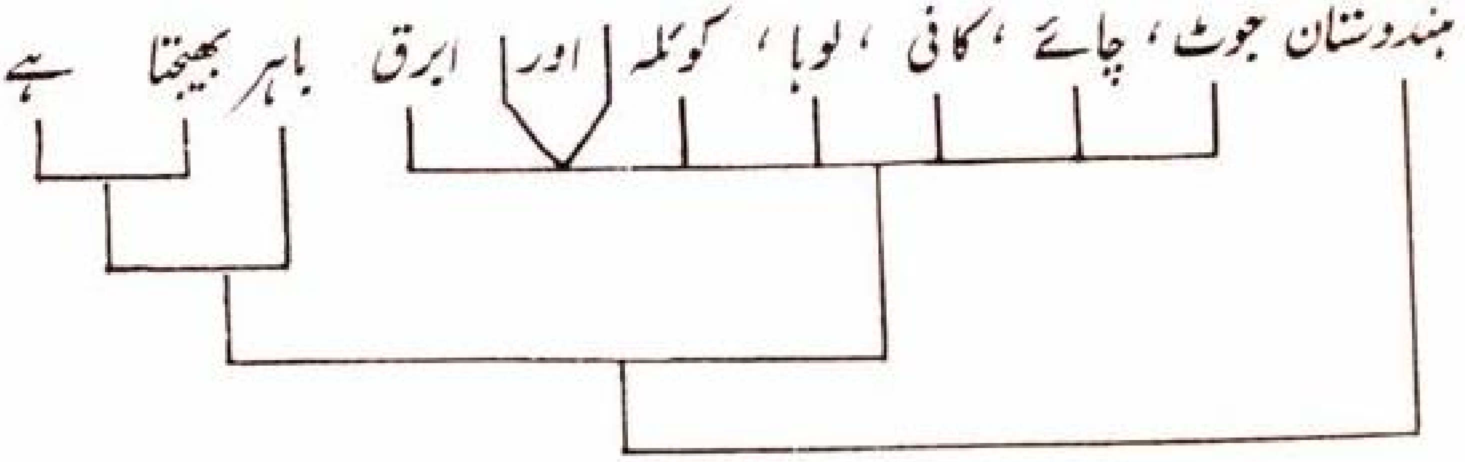
ہیں۔

متعدد قریبی مشمول (Multiple IC)

قریبی مشمولات میں عموماً دو دو کی تقسیم کی جاتی ہے لیکن بعض اوقات تین بلکہ شاذ اس سے بھی زیادہ اجزا میں بھی تقسیم کرنی پڑتی ہے۔







آخری جملے میں ایک مشمول کو بہ یک وقت سات اجزا میں تقسیم کرنا پڑا ہے۔ دوسرے

زیادہ قریبی مشمولوں کو متعدد قریبی مشمول (multiple I.C.) کہتے ہیں۔

غیر مسلسل قریبی مشمول

کبھی کبھی قریبی مشمول کے ذیلی اجزا مسلسل نہیں ہوتے بلکہ اُن کے بیچ کوئی دوسرا مشمول دخل درمعقولات کر دیتا ہے۔ مثلاً انگریزی جملے

Is John going with you?

کے دو قریبی مشمول 'John' اور 'is going with you' ہیں

اردو مثال دیکھیے۔

وہ لڑکا جسے تم نے بلایا تھا آگیا ہے۔

اس شمول کار کے دو فطری اجزا یہ ہیں

جسے تم نے بلایا تھا　　　　وہ لڑکا آگیا ہے

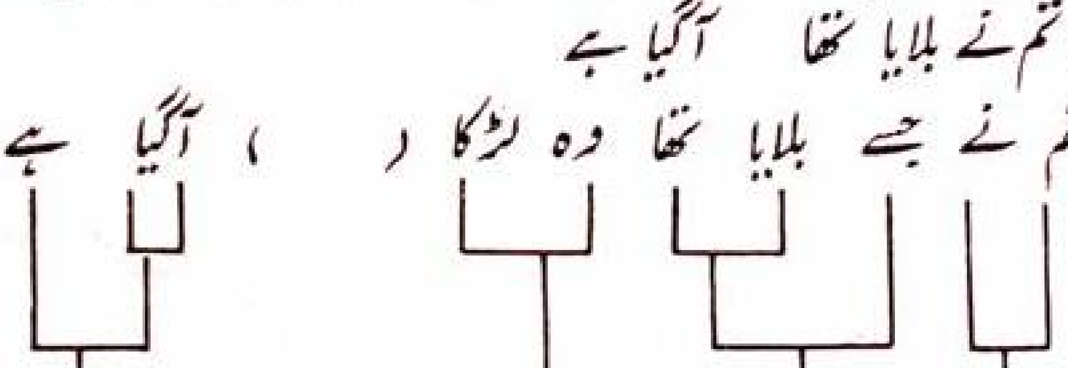
اور پہلے مشمول کے فطری مشمول یہ ہیں

تم نے　　　　جسے بلایا تھا

ق م تجزیہ کرنے کے لیے ہم اس بڑے جملے کی ترتیب بدل کر لکھیں گے تاکہ قریبی مشمول مسلسل ہو جائیں لیکن جس جگہ سے کسی لفظ یا ترکیب کو نکال دیا گیا ہے وہاں قوسیں بنادیں گے تاکہ یہ معلوم ہوتا رہے کہ یہاں سے کسی لفظ یا ترکیب کو ہٹایا گیا ہے۔ تجزیہ یوں ہوگا۔

وہ لڑکا جسے تم نے بلایا تھا　آگیا ہے

(　　) تم نے جسے بلایا تھا وہ لڑکا (　　) آگیا ہے

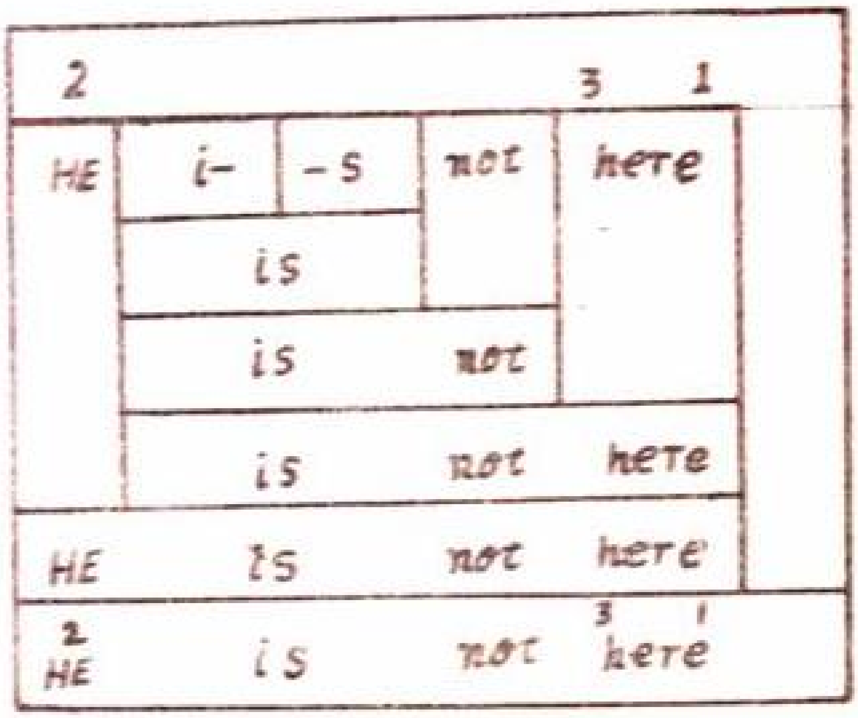


پہلے قوس کی خالی جگہ ظاہر کرتی ہے کہ یہاں "وہ لڑکا جسے" کی ترکیب تھی"۔ دوسرے قوس کی جگہ ظاہر کرتی ہے کہ یہاں 'جسے تم نے بلایا تھا' کی ترکیب تھی۔ اسے غیر مسلسل

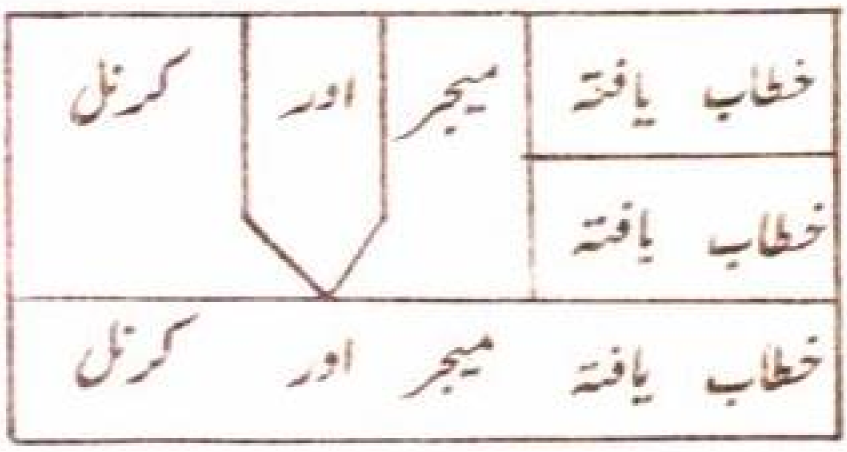
مشمولات پر ترجیح دینی چاہیے۔

ہم رد قریبی مشمول (SIMULTANEOUS I.C.)

کلام میں سُر درجے اور خطِ اختتامی یعنی سُر لہر بھی ہوتی ہے۔ مکمل تجزیے میں انھیں بھی دکھایا جا سکتا ہے۔ سُر لہر کا دکھانا قدرے مشکل ہوتا ہے اس لیے عموماً تجزیے میں اسے حذف کر دیا جاتا ہے۔ اگر دکھانا مقصود ہو تو ذیل کے طریقے سے دکھا سکتے ہیں۔ یہ چارٹ ہاکیٹ کی کتاب[1] سے اخذ کر کے قدرے وضاحت کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔

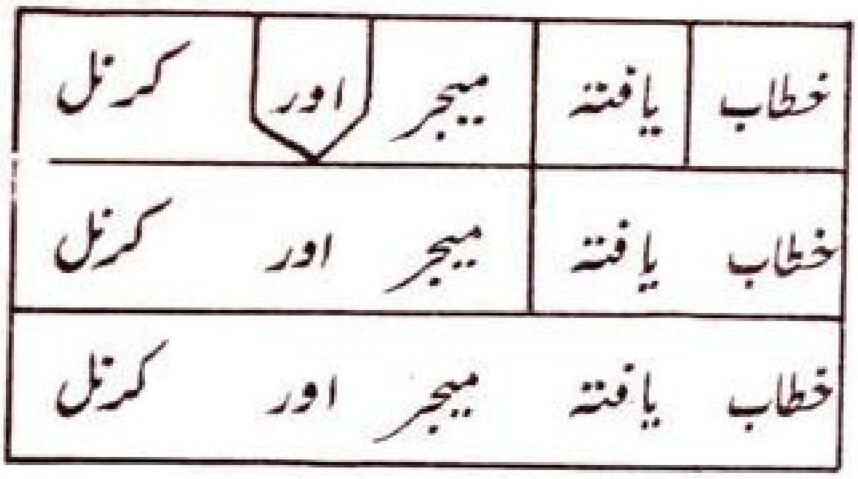


قریبی مشمولی تجزیے سے بعض اوقات کہنے والے کا مافی الضمیر واضح ہو جاتا ہے مثلاً خطاب یافتہ میجر اور کرنل، کے ذیل میں سے کوئی سے ایک معنی ہو سکتے ہیں۔



---

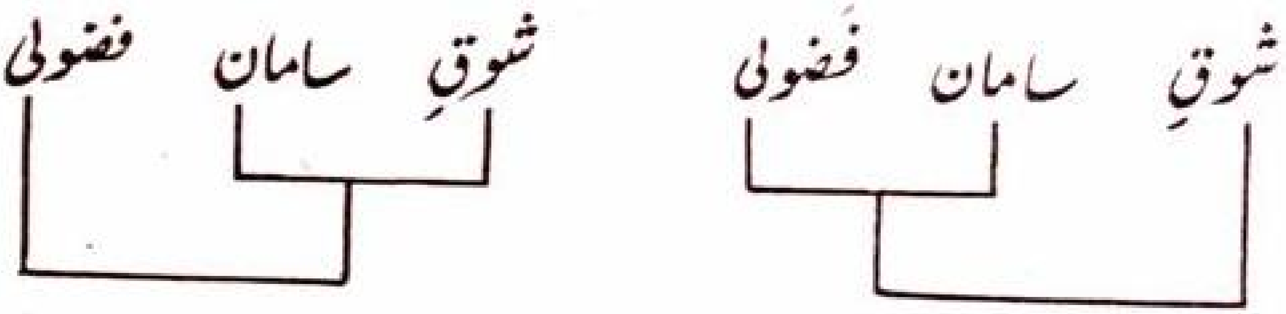
[1] ہاکیٹ ص 155



مندرجہ بالا فقرے constructional Homonymity کی مثال ہیں
جن کی وضاحت ق م تجزیے سے ہوئی۔ فارسی اضافت کی ترکیبوں میں یہ تجزیہ بہت مفید
ہوتا ہے مثلاً غالب کا شعر ملاحظہ ہو۔

شوقِ ساماں فضولی ہے وگرنہ غالب — ہم میں سرمایۂ ایجادِ تمنا کب تھا

شوقِ ساماں فضولی ایک مشکل ترکیب ہے جس کے معنی پہلی نظر میں واضح نہیں ہوتے۔
اس کی ساخت دو قسم کی ہو سکتی ہے



شارح واضح کرے گا کہ کون سی ترکیب صحیح ہے

اگر جملہ پیچیدہ ہو اور چارٹ بنانا دقت طلب ہو تو ضروری نہیں کہ تجزیہ چارٹ
کے ذریعے ہی واضح کیا جائے اسے نثری عبارت میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

قریبی مشمول کا بیان ختم ہوا۔

روپ گروہ (CONSTITUENT CLASS یا FORM CLASS)

ایک نحوی شمول کار ترکیب میں جو مشمول ہوتے ہیں ان میں سے ہر مشمول کے
عوض بدل کر بعض دوسرے الفاظ رکھے جا سکتے ہیں اور بعض نہیں رکھے جا سکتے۔ جو

الفاظ مبادلے (SUBSTITUTION) میں آسکتے ہیں وہ مشمول کے روپ گروہ یا مشمول گروہ کہلاتے ہیں مثال کے طور پر دیکھیے

وہاں رہنے والا	بوڑھا آدمی	اپنے	بیٹے کے	گھر	گیا
بدلہ سنگھ	بوڑھا		بیٹے کے	گھر	گیا
وہ	بوڑھا		بیٹے کے	گھر	گیا
	بوڑھا		تار	گھر	گیا
	بوڑھا		وہاں		گیا
	بوڑھا				گیا
	زید				گیا
	وہ				گیا

ایک کالم کی تمام ترکیبیں

وہاں رہنے والا بوڑھا آدمی

بدلہ سنگھ بوڑھا آدمی

بوڑھا

زید

وہ

ایک کے مقام پر دوسری آسکتی ہیں۔ اسی طرح دوسرے کالم میں اپنے بیٹے کے گھر ، بیٹے کے گھر ، تار گھر ، وہاں کا رشتہ ہے۔ ایک کالم کے روپوں کو ملا کر مشمول گروہ یا روپ گروہ کہتے ہیں۔ ان روپوں کو ہم انتخاب کے ذریعے حاصل کرتے ہیں مثلاً ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ

*بوڑھا بنگ گیا

*بوڑھا ہم گیا

وجہ یہ ہے کہ 'بنگ' اور 'ہم' 'بیٹے کے گھر' یا 'وہاں' کے روپ گروہ میں نہیں آتے۔

واضح ہو کہ یہ لازمی نہیں کہ ایک شمول گروہ کے سب ارکان دوسرے شمول گروہ کے ارکان کے ساتھ آسکیں مثلاً مندرجہ بالا مثال سے معلوم ہوا کہ 'وہ بوڑھا' 'زید' 'وہ' تینوں ایک روپ گروہ کے فرد ہیں لیکن ذیل کی مثال دیکھیے

میں نے زید سے کہا

*میں نے وہ بوڑھا سے کہا

*میں نے وہ سے کہا

یہاں 'زید' کے ساتھ 'وہ بوڑھا' اور 'وہ' نہیں آسکتے۔ یہاں قواعد ہمارے انتخاب میں تحدید کرتی ہے۔ قواعد کا مطالبہ ہے کہ وہ بوڑھا کی جگہ 'اس بوڑھے' اور 'وہ' کی جگہ 'اس' لایا جائے۔ مزید مثالیں دیکھیے

1	لڑکے	کتابیں	پڑھتے ہیں
2	لڑکے	کتابیں	دیکھتے ہیں
3	لڑکے	مونگ پھلیاں	دیکھتے ہیں
4	لڑکے	مونگ پھلیاں	کھاتے ہیں
5	*لڑکے	کتابیں	کھاتے ہیں
6	*لڑکے	مونگ پھلیاں	پڑھتے ہیں

لے کسی لفظ یا ترکیب کے پہلے پھول یا تارے کا نشان بنا ہو تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لفظ یا ترکیب قیاسی اور مصنوعی ہے۔

دوسری اور تیسری ترکیب سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیں، مونگ پھلیاں، ایک روپ گروہ کے رکن ہیں۔ پہلی اور دوسری ترکیب سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑھتے ہیں، دیکھتے ہیں، ایک روپ گروہ میں ہیں۔ تیسری اور چوتھی ترکیب سے معلوم ہوتا ہے کہ دیکھتے ہیں، کھاتے ہیں ایک روپ گروہ میں ہیں لیکن چوتھی اور پانچویں ترکیب سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیں، مونگ پھلیاں ایک روپ گروہ میں نہیں۔ اسی طرح تیسری اور چھٹی ترکیب سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑھتے ہیں، دیکھتے ہیں، ایک گروہ میں نہیں۔ دوسری اور پانچویں ترکیب سے معلوم ہوتا ہے کہ دیکھتے ہیں، کھاتے ہیں، ایک دوسرے کے بدلے نہیں آسکتے۔ یہ تحدید معنی کی بنا پر ہوئی ہے قواعد یا مقام کی بنا پر نہیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک روپ گروہ کے افراد بیشتر صورتوں میں ایک دوسرے کی جگہ آسکتے ہیں لیکن ہر جگہ نہیں۔ ایک روپ گروہ کے افراد اکثر وہ ہوتے ہیں جنھیں روایتی قواعد میں اجزائے کلام (Parts of speech) کہا گیا تھا۔ اسم کی جگہ اسم ضمیر کی جگہ ضمیر یا اسم کی جگہ ضمیر، صفت کی جگہ صفت یا توصیفی فقرہ فعل کی جگہ فعل وغیرہ۔

روپ گروہ کے افراد کو دریافت کرنے کا کوئی ریاضیاتی اصول نہیں۔ زبان کے دروں کا عرفان رکھنے والے ان کی تعین کرسکتے ہیں۔

ترکیبی سانچے (CONSTRUCTION PATTERNS)

مختلف روپ گروہوں کے ارکان کو جس طرح ملاکر ایک ترکیب تیار کی جاتی ہے اسے ترکیبی سانچا کہتے ہیں۔ اس طرح کے مختلف ترکیبی سانچے ہوتے ہیں مثلاً

موہن کھانا کھاتا ہے	موہن آتا ہے
زید نے کتاب پڑھی	زید سو گیا
	کتا چل رہا ہے
کیا وہ چلا گیا	اگر تم نے کہا ہے تو برا کیا
کیا زید سو گیا	اگر اس نے کھانا کھا لیا تو چلا گیا ہوگا۔
زید کب گیا	چونکہ تم نے انکار کردیا اس لیے مجھے ہاں کرنی پڑی

مندرجہ بالا گروہ چار ترکیبی سانچوں کو پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر گروہ کے جملوں کا

ترکیبی سانچا یکساں ہے۔ مختلف گروہوں کے جملوں کے ترکیبی سانچے مختلف ہیں۔

ترتیب (ORDER)

لفظ میں مختلف مارفیمی چیپیوں کی ترتیب مقرر ہوتی ہے مثلاً 'آیا ہے'، 'آئے گا' میں پہلے اصلی ہوتی ہے اس کے بعد یا 'ئے' پھر اگر ضروری ہو تو ہے، 'گا' ہوتا ہے۔ ترکیبوں یعنی فقرے یا جملے میں بھی لفظ کے محل (Position) یا ترتیب (order) کی اہمیت ہے ترتیب طرح طرح کی ہوتی ہے لیکن وہ کسی اصول کے تحت ہی ہوتی ہیں۔ ہر لفظ کو ایک دوسرے سے نہیں بدل سکتے مثلاً

عمر نے زید کو مارا

ایک مقرر ترتیب کے تحت ہے لیکن ذیل کے جملوں میں ترتیب مفقود ہے

* عمر زید نے کو مارا
* عمر مارا نے زید کو

حرفِ جار 'نے' فاعل ہی کے بعد آسکتا ہے کو مفعول کے بعد

عمر نے کتاب کو پٹک دیا

کہہ سکتے ہیں لیکن عمر کو کتاب نے پٹک دیا۔ نہیں کہہ سکتے۔

ایک حسین لڑکی

میرا اچھا بیٹا

صفت موصوف سے پہلے آتی ہے ہم

* ایک لڑکی حسین
* میرا بیٹا اچھا

کم از کم نثر میں نہیں کہہ سکتے نظم کی بات دوسری ہے وہاں تو فعل فاعل سے پہلے آسکتا ہے۔ یعنی ترتیب کے کچھ حصے ایسے ہیں جو نظم میں برعکس ہو سکتے ہیں مثلاً

ع کم بخت دیکھ تو کہ چلا آرہا ہے کون

'کون چلا آرہا ہے' کی جگہ 'چلا آرہا ہے کون' کہہ سکتے ہیں لیکن

* چلا آ کون رہا ہے یا * کم بخت دیکھ کہ تو چلا آرہا ہے کون نہیں کہہ سکتے یعنی

نظم میں بھی ترتیب کے بعض حصوں میں خلل کی اجازت نہیں۔ ویسے لسانیات میں ہم نثری ترتیب ہی کا مطالعہ کرتے ہیں۔

روپ گروہ اور ترتیب مل کر ترکیبی سانچے متعین کرتے ہیں۔ روپ گروہ ترتیب اور ترکیبوں کے سانچے کسی زبان کی نحوی قواعد ہیں۔ نحوی قواعد اور مارفیمیات کو ملاکر زبان کی قواعد کہا جاتا ہے۔

روپ گروہوں اور ترکیبی سانچوں کی دریافت کے میکانکی اصول نہیں بتائے جاسکتے یہ زبان کے مزاج دانوں کو فطری طور پر آتے ہیں اور جب تک زبان سے کماحقہ واقفیت نہ ہو جائے ان کی تعین مشکل ہے۔

جملہ (SENTENCE)

لسانیات میں جملہ کا تصوّر قواعدی جملے سے مختلف ہے۔ لسانیات میں جملے کی تعریف یہ ہے۔

کوئی قواعدی روپ جو کسی بڑی قواعدی ترکیب میں شمول نہیں ہے جملہ کہلاتا ہے۔

جس طرح ایک انتہا پر آخری شمول (Ultimate constituent) ہوتا ہے اسی طرح دوسری انتہا پر آخری شمول کار (Ultimate constituent) ہوتا ہے اور وہی جملہ ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض صورتوں میں جملے میں مشمول اور شمول کار کا فرق ہی نہ ہو یعنی پورا جملہ ایک مارفیم کا ہو مثلاً

ندائیہ

احمد : زید!

زید : ہاں۔

"زید" اور "ہاں" دونوں قول پورے جملے ہیں اور ایک مارفیم کے ہیں۔ قواعد میں انھیں جملہ نہیں کہتے۔

لسانیات میں جملے سے ملتی جلتی دو اور اصطلاحیں ہیں۔

UTTERANCE :- یہ اتنی بات ہے جو ایک سلسلے میں بول دی جائے۔ اکثر یہ ایک

جملے پر مشتمل ہوتی ہے لیکن دوسری صورتوں میں ایک سے زیادہ جملوں کو بھی محیط کرتی ہے مثلاً

موسم اتنا اچھا ہے۔ جلدی کیا ہے۔ ابھی اور بیٹھو۔

Utterance کو اردو میں کلام کہہ سکتے ہیں۔ بہرحال یہ کوئی لسانی اصطلاح نہیں جملے سے ملتی جلتی دوسری چیز میکرو سگمنٹ (Magro-Segment) ہے یہ ہاکیٹ کی اصطلاح ہے۔

تقریر کا جتنا جزو ایک سُر لہر کے تحت بولا جائے میکرو سگمنٹ ہے۔ سُر لہر مشتمل ہوتی ہے سر درجوں + خطِ اختتام پر۔ خطِ اختتام تین طرح کے ہوتے ہیں۔ اٹھاؤ اور گراؤ سے بات کا ختم ہونا ظاہر ہوتا ہے لیکن ہموار خطِ اختتام سے ایک خفیف سا وقفہ (جو کاما comma میں ہوتا ہے) ظاہر ہوتا ہے اور اس کے بعد کسی بات کی توقع رہتی ہے۔ یعنی ہموار خطِ اختتام بات کے نامکمل رہنے کی نشانی ہے۔ ہموار خطِ اختتام پر داخلی کھلا اتصال (Internal open Juncture) ہوتا ہے اور اٹھاؤ یا گراؤ خطِ اختتام پر خارجی کھلا اتصال (External Open Juncture) ہوتا ہے۔ ہموار خطِ اختتام کی بہترین مثال یہ ہے۔

دس بجے ہیں | اب میں چلتا ہوں ↓

مندرجہ بالا قول ایک جملہ ہے جس میں دو میکرو سگمنٹ ہیں۔ روایتی قواعد کے لحاظ سے انھیں دو جملے قرار دیا جائے گا

دس بجے ہیں ↓ اب میں چلتا ہوں ↓

تو لسانیات اور روایتی قواعد دونوں کے اعتبار سے یہ دو جملے ہو جائیں گے

دس بجے ہیں | اب میں چلتا ہوں ↓

تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں | اب سو جاؤ ↓

ان جملوں میں دراصل دو دو فقرے ہیں جن کے بیچ میں حرفِ اتصال محذوف ہے دراصل قائل یہ کہنا چاہتا ہے

دس بجے ہیں اس لیے اب میں چلتا ہوں۔

تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں اس لیے اب سو جاؤ۔

اس لیے کے حذف کے بعد دونوں فقروں کو ملانے والی ترکیب کو (Parataxis) کہتے ہیں۔ اردو میں اسے 'ہم نشینی' کہہ سکتے ہیں سچ یہ ہے کہ بول چال میں ہم اس لئے تو، لیکن، کہ، جیسے اتصال اجزا کو عام طور سے مقدر چھوڑ دیتے ہیں مثلاً

1. تمھاری طبیعت خراب ہے سو جاؤ
2. اس نے کہا میں جا رہا ہوں
3. نیند آ رہی ہے اب میں چلا
4. چلا تو جاؤں میری سنے گا کون
5. تم چلو میں پانچ منٹ میں آیا۔

اگر ان میں پہلے فقرے کے بعد ہموار خطِ اختتام ہے تو دونوں فقرے مل کر ایک جملہ بنتے ہیں جو قواعدی جملے سے طویل تر ہے۔ اگر ان میں پہلے فقرے کے بعد اٹھاؤ یا گراؤ خطِ اختتام ہے تو یہ دو جملے لیکن ایک utterance ہے۔

قواعد کے برعکس لسانیات کا یہ اصرار نہیں کہ جملے میں فعل ضرور ہونا چاہیے۔ لسانی نحو کو بول چال کے طریقے سے سروکار ہے۔ روزمرہ کے یہ الفاظ دیکھیے۔

1. ا: محمود! (ندائیہ)
2. ا: حسین! (فجائیہ مثلاً کسی کی وفات پر اس کا نام لے کر بین کیا جائے)
3. ا: وہ گیا

   ب: کب؟
4. ا: وہ گیا

   ب: کس کے ساتھ؟
5. ا: تم چلو گے؟

   ب: ہاں

مندرجہ بالا مثالوں میں پانچ واحد الفاظ محمود، حسین، کب، ہاں اور ایک بغیر فعل کا فقرہ 'کس کے ساتھ'، لسانی اعتبار سے جملے کا حکم رکھتے ہیں کیونکہ ان میں بات مکمل ہو جاتی ہے۔ مروجہ قواعد کے اعتبار سے آخری تین مثالوں میں کچھ محذوف حصے مقدر ہیں جو یہ ہیں۔

وہ کب گیا ؟
وہ کس کے ساتھ گیا ؟
ہاں میں چلوں گا۔
لیکن ہمیں اپنی طرف سے الفاظ کا اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں جب ان کے بغیر بھی بات پوری طرح سمجھ میں آجاتی ہے۔

SENTENCE_TYPES (جملوں کے ٹائپ)۔ جملے کئی ٹائپوں یا نوع کے ہوتے ہیں جن میں سے ایک ٹائپ زیادہ پسندیدہ (Fauvorate) یا کبیر (Major) ہوتا ہے۔ انگریزی اور اردو میں ذیل کے ٹائپ ہوتے ہیں۔

عامل عمل ٹائپ (ACTOR_ACTION TYPE)۔ اس کے دو قریبی مشمولات میں پہلا موضوع ہوتا ہے اور دوسرا اس کے بارے میں کوئی تبصرہ یا اطلاع

1۔ وہ چلا / گیا
2۔ کتے / بھونکتے ہیں
3۔ حیات اللہ انصاری کا نیا ناول / میں نے اسے ابھی نہیں پڑھا
4۔ ان کو / مار لگائی گئی
5۔ مجھے / اس کے مرنے کا بڑا دکھ ہے

ہم نے انھیں فاعل فعل ٹائپ نہیں کہا۔ تاکہ قواعدی فاعل سے خلط مبحث نہ ہو۔ انھیں تو موضوع تبصرہ ٹائپ Topic_comment Type کہنا سب سے بہتر ہوتا 'حیات اللہ انصاری کا نیا ناول' ایک موضوع ہے جس کے بارے میں یہ تبصرہ یا اطلاع فراہم کی گئی ہے کہ میں نے ابھی اسے نہیں پڑھا۔ یہاں قواعد کے اعتبار سے 'حیات اللہ انصاری کا نیا ناول' فاعل نہیں ہے لیکن لسانیات میں ہم اسے Actor کہہ سکتے ہیں اس لیے اس نوع کے جملوں کو عامل عمل ٹائپ کہہ سکتے ہیں۔

عموماً عامل عمل ٹائپ کے جملے میں کم از کم دو لفظ ہوتے ہیں یعنی یہ فقرہ ہوتا ہے لیکن بعض زبانوں میں عامل عمل میں مدغم رہتا ہے مثلاً

فارسی میں : ترا شنیدم، گفتند
اردو میں : چلیں ، آتا ہوں ،
فارسی جملے میں عامل عمل میں شامل ہے۔ اردو جملوں میں مقدر ہے انگریزی اور اردو میں امر و نہی کے جملوں میں بھی عامل مقدر رہتا ہے۔ مثلاً۔
آؤ

میرے لیے صندوق لاؤ
بات مت کرو

یہ اسی طرح سے عامل عمل ٹائپ کے جملے ہیں جیسے "چلیں ؟" "آتا ہوں" ہند آریائی زبانوں میں عامل عمل ٹائپ پسندیدہ ٹائپ ہے جو 95 فی صدی یا اس سے بھی زیادہ جملوں پر حاوی ہوتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر زبان میں اس ٹائپ کا جملہ پسندیدہ ہو۔ اردو اور بلغاریائی زبانوں میں ایسے جملے کے علاوہ ایک اور قسم کا جملہ بھی پسندیدہ ہوتا ہے جس میں فعل نہیں ہوتا۔ اس قسم کے ایک جملے کا اردو میں لفظی ترجمہ ہوگا۔
یہ کتاب بہت اچھی ہے
چینی زبان میں پسندیدہ جملے کا کچھ اور ہی انداز ہوتا ہے
ہند آریائی میں عامل عمل ٹائپ یا پسندیدہ ٹائپ کے علاوہ بقیہ جملوں کو صغیر جملہ (Minor sentence) کہتے ہیں۔ اس کی قسموں پر غور کرنے سے پہلے یہ واضح کر دیا جائے کہ ہاکیٹ[1] امر و نہی کے جملوں کو بھی تخفیف میں شمار کرتا ہے چونکہ ان میں عامل نہیں ہوتا لیکن بلوم فیلڈ[2]، ہال[3] وغیرہ امر و نہی کے جملوں کو عامل عمل قسم ہی میں لیتے ہیں اور یہی صحیح ہے صغیر جملوں کی حسب ذیل قسمیں ہیں۔

1۔ مختصر کہاوتی انداز (APHORISTIC)۔ اس کے دو حصے ایک ساتھ ہوتے ہیں جن میں بالعموم فعل نہیں ہوتا۔ گو بعض اوقات ہو سکتا ہے یہ اکثر ضرب الامثال ہوتی ہیں۔

The more , The merrice

Frist come , First served

---

[1] ہاکیٹ ص 200 [2] بلوم فیلڈ : ص 174 [3] ہال : 213

Old saint, young sinner

اونچی دوکان پھیکا پکوان
نام بڑے درشن چھوٹے
حلوائی کی دوکان دادا جی کی فاتحہ
جتنا چھوٹا اتنا کھوٹا

2- ندائیہ
محمود! نفی! میم صاحب! لڑکے! قبلہ!

3- جوابیہ
جناب ، حضور ، جی

4- فجائیہ - شدتِ جذبہ میں ادا ہونے والے لفظ اور فقرے مثلاً
آہ ، ہائے ، شاباش ، سبحان اللہ ، شکریہ ، اللہ اللہ ، لاحول ولا قوۃ

5- تکمیلیہ (COMPLETIVE)- ان کی ذیل میں وہ سب لفظ اور فقرے آتے ہیں جو پہلے کہی ہوئی بات کی تکمیل کرتے ہیں یا کسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں مثلاً
کب؟ ، یہاں ، کل صبح ، کس کے ساتھ؟ ، میز پر ، ہاں ، نہیں۔
دو شخصوں کا تعارف کراتے ہوئے ایک دوسرے سے کہا جائے
حامد صاحب ، محمود صاحب
دونوں کے یہ نام بھی تکمیلیہ صغیر جملے ہیں - اسی طرح ذیل کا مکالمہ دیکھیے
ا: مشاعرے میں ضرور آنا
ب: اگر ہو سکا۔
ب کا قول تکمیلیہ جملہ ہے
ذیل کی قسم کبیر اور صغیر کے بیچ واقع ہوتی ہے - یہ مختصر کہاوتی انداز کی قدرے وسیع شکل ہے

The more you have, The more you want
The bigger They come, The harder They Fall

فقرے (PHRASES)۔

لسانیات میں اصطلاحوں کی کثرت پریشان کن ہے۔ اس سے زیادہ پریشانی یہ ہے کہ ایک مصنف کوئی اصطلاح استعمال کرتا ہے دوسرا کوئی دوسری۔ یا ایک مصنف ایک اصطلاح کو ایک معنی میں استعمال کرتا ہے دوسرا مصنف کسی دوسرے معنی میں۔ ایسی چند اصطلاحیں لیجیے۔

ترکیب (CONSTRUCTION) مارفیموں یا لفظوں کے کسی بامعنی گروہ کو ترکیب کہتے ہیں۔ یہ دو یا زیادہ مارفیموں پر مشتمل ہوتی ہے۔ گویا اس کے تحت مرکب لفظ فقرہ (PHRASE)، CLAUSE اور جملہ سب کچھ آجاتا ہے۔

جملہ (SENTENCE) وہ قواعدی روپ یا ترکیب جو کسی بڑی ترکیب میں مشمول نہیں ہے یعنی جو آخری شمول کار ہے۔

ترکیب اور جملے کی حد تک تو بیشتر لکھنے والوں میں اتفاق ہے لیکن فقرہ اور clause میں بہت خلطِ مبحث ہے روایتی قواعد میں clause مرکب یا پیچیدہ (complex) جملے کے اس جزو کو کہتے ہیں جس میں مسند الیہ (subject) اور مسند (Predicate) ہو انھیں ہم ذیلی جملہ کہہ سکتے ہیں (Phrase) میں مسند الیہ اور مسند دونوں نہیں ہوتے اس لیے یہ جملے کا ایک پارہ ہوتا ہے مثلاً

ہم مفت شرمندۂ احساں ہوئے اور آپ کے ارماں پورے ہوئے۔

اگر موہن آئے گا تو میں جاؤں گا

حامد جانتا تھا کہ محمود کل دتی جائے گا

میں نے موہن کو بلایا لیکن وہ نہیں آیا

ان جملوں کے دونوں اجزا کو clause کہا گیا ہے

وہ <u>دوڑتا ہوا</u> گیا

<u>بجھے ہوئے</u> دل سے کوئی <u>بڑا</u> کام نہیں ہوسکتا

خط کشیدہ الفاظ فقرے ہیں

Introductory Linguistics کے مصنف ہال نے فقرے

اور clause میں یہی فرق کیا ہے لیکن وہ clause کی دو قسمیں کرتا ہے

آزاد INDEPENDENT CLAUSE۔ اس اصلاح کو وہ سوفی صدی اس معنی میں لیتا ہے جس میں دوسرے مصنف جملہ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

تابع (DEPENDENT CLAUSE)۔ یہ وہ ذیلی جملہ ہے جو کسی دوسرے ذیلی جملے کے ساتھ مل کر کسی مرکب یا پیچیدہ جملے کا قریبی شمول ہو مثلاً

تم تھکے ہوئے ہو / تم سو جاؤ ↓

وہ کہتا ہے کہ وہ تھکا ہوا ہے

اگر تم سگریٹ پینا چاہو تو یہ دیکھ لو کہ کہاں اس کے پینے کی اجازت ہے۔

ان جملوں میں تابع ذیلی جملے پائے جاتے ہیں۔

ہال نے Phrase کو مفرد جملے کے بارے کے معنی میں لیا ہے۔

دوسرے مصنف مثلاً بلوم فیلڈ، ہاکیٹ ان میں کوئی فرق نہیں کرتے اور انھیں ترکیب (construction) کے مفہوم میں لے لیتے ہیں۔ وہ کبھی clause کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں کبھی clause کی اور ان کے یہاں جملہ (آزاد جملہ) بھی ان اصطلاحوں میں شامل ہو جاتا ہے۔

ہم ذیلی جملے (clause) کی اصطلاح کو نظرانداز کر دیتے ہیں اور فقرے کو ترکیب کے ہم معنی مان کر اس کی ساخت پر نظر ڈالتے ہیں۔ ذیل کے بیان میں ہاکیٹ کی تقلید کی گئی ہے۔

ہر ترکیب یا فقرے میں کم از کم دو آزاد روپ شامل ہوتے ہیں۔ ان کی نوعیت کی بنا پر دو قسمیں کی جا سکتی ہیں۔

دروں مرکزی (ENDOCENTRIC) جس ترکیب کے قریبی شمولوں میں سے ایک یا ایک سے زیادہ شمول کار کے روپ گروہ میں ہو یعنی اس کی جگہ لایا جا سکے وہ ترکیب دروں مرکزی ہوتی ہے مثلاً "شریر لڑکا"۔ اس ترکیب میں 'لڑکا' کا روپ گروہ وہی ہے جو "شریر لڑکا" کا۔ جو قریبی مشمول شمول کار ترکیب کے روپ گروہ میں ہوتا ہے اسے سر یا مرکز (Head or centre) کہتے ہیں، دوسرے قریبی مشمول کو وصف (Attribute) برون مرکزی (Exocentric)

اگر مشمولوں میں سے کوئی بھی پورے شمول کار کے روپ گروہ میں نہیں ہوتا یعنی اس کی جگہ نہیں رکھا جا سکتا تو اسے بروں مرکزی ترکیب کہتے ہیں۔ اس کے معنی یہ نہ سمجھے جائیں کہ اس ترکیب کا مرکز باہر ہوتا ہے۔ اس کا بہتر نام غیر دروں ترکیبی ہوتا۔

دروں مرکزی ترکیبیں خاص طور سے دو قسم کی ہوتی ہیں۔

1۔ تال میلی (CO-ORDINATIVE)

یہ دو اجزا کو باہم ملاتی ہیں۔ اِن کی تین ذیلی قسمیں کی جا سکتی ہیں۔

الف۔ عطفی (ADDITIVE)۔ ان میں بالعموم 'اور' یا اس کے ہم معنی عطفی نشان (Marker) کی مدد سے دو اجزا کو جوڑا جاتا ہے مثلاً

بچے اور بوڑھے۔ اکثر و بیشتر۔ مع الخیر و العافیت۔ عمر نیز بکر۔ چار مرد مع تین عورتیں۔ ایک سو چالیس۔

آخری مثال میں دو قریبی مشمول 'ایک سو' 'چالیس' ہیں۔ ان کے بیچ کا عطفی نشان مقدر ہے۔ یہ ترکیب دراصل 'ایک سو اور چالیس' ہے۔

ب۔ تنویدی (ALTERNATIVE)۔ اِن میں نشان گر (Marker) 'یا' کا استعمال ہوتا ہے۔

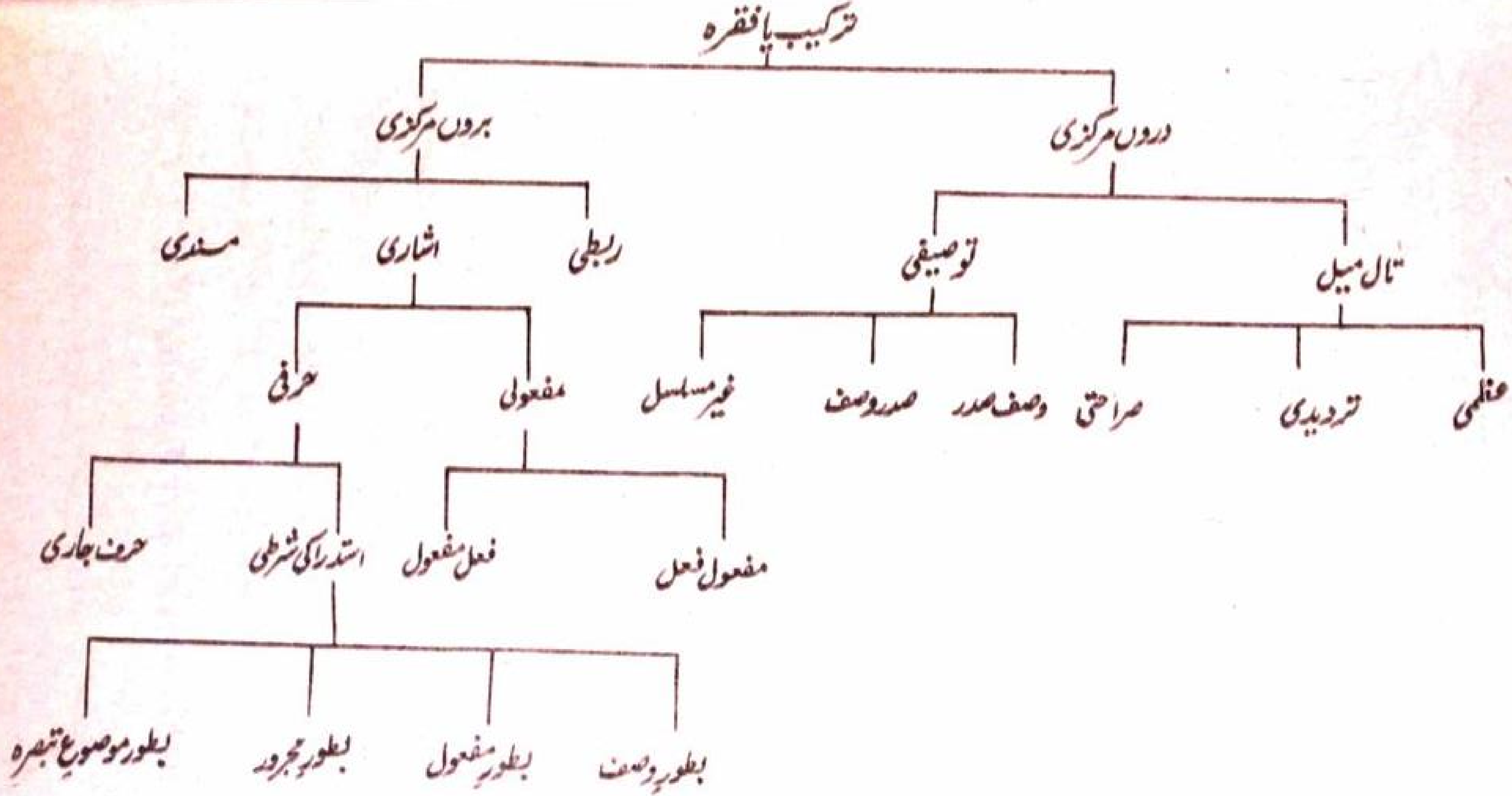
کالا یا گورا، خواہ آؤ خواہ نہ آؤ۔ وہ خود آئے گا یا چٹھی بھیجے گا۔

ج۔ صراحتی (APPOSITIVE)۔ اِن میں ایک قریبی مشمول دوسرے قریبی مشمول کی صراحت کرتا ہے۔ دونوں مشمول مرکز بھی ہیں وصف بھی۔

سلطان واجد علی شاہ۔ جناب سعادت علی خاں۔ پروفیسر سرور۔ شاعر اقبال۔ مسٹر جناح۔ سانبھر جھیل۔ ضلع بجنور۔ ہوم ر ایلیڈ کا مصنف۔

2۔ توصیفی یا متبوعی (SUB-ORDINATIVE ATTRIBUTIVE)۔

توصیفی بہتر اصطلاح ہے۔ یہاں توصیف قواعدی اصطلاح 'صفت' کے مفہوم میں


ترکیب یا فقرہ
دروں مرکزی
بروں مرکزی
توصیفی
تال میل
ربطی
اشاری
مسندی
وصف صدر
صدر وصف
غیر مسلسل
عطفی
تردیدی
صراحتی
مفعولی
حرفی
مفعول فعل
فعل مفعول
استدراکی شرطی
حرف جاری
بطور وصف
بطور مفعول
بطور مجرور
بطور موضوع تبصرہ

نہیں آیا بلکہ وسیع تر مفہوم میں ان ترکیبوں میں توصیف ایک لفظ بھی ہو سکتی ہے اور فقرہ بھی۔
اردو میں ان فقروں میں بیشتر وصف ATRIBUTE پہلے آتا ہے صدر (Head)
بعد میں۔ کمتر شکلوں میں اس کے برعکس ہوتا ہے۔ شاذونادر صدر اور وصف غیر مسلسل
ہوکر ایک دوسرے کو محصور کر لیتے ہیں۔ تینوں کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

الف:۔ پہلے وصف اور اس کے بعد صدر

اچھا لڑکا، تمھارے سے بہتر / مکان۔ ہرگز نہیں / جا سکتا۔ جب تم اسکو / آجاؤ۔
الماری والی / کتاب۔ میز پر رکھی / پنسل۔ تیزی سے / چلا۔ ساتھ / چلو۔

ب:۔ پہلے صدر اور اس کے بعد وصف۔ یہ عربی فارسی ترکیبوں میں عام ہے۔ اردو میں کمتر ہے۔

مردِ آخر بیں۔ نمبر تین۔ وہ امیدوار / جس کے بارے میں میں نے ذکر کیا تھا۔
میں وہاں جاؤں گا / اگر تمھیں اعتراض نہ ہو۔

ج:۔ غیر مسلسل۔ ان میں صدر بیچ میں آجاتا ہے اور وصف اس کے دونوں طرف ہوتا ہے۔ ذیل کی مثالوں میں صدر کے نیچے خط کھینچ دیا جائے گا۔

اتنا میٹھا کہ میں کھا نہیں سکتا۔ ایسی حسین جیسے پری۔

Latest <u>volume</u> to come, Better <u>plan</u> than yours

اردو میں غیر مسلسل وصف بہت کم ہوتا ہے۔ انگریزی میں عام ہے۔

بروں مرکزی ترکیبیں (EXOCENTRIC CONSTRUCTION) یا فقرے۔

ان کی تعداد اور قسمیں دروں مرکزی سے کہیں زیادہ ہیں اس لیے ان کی گروہ بندی نسبتاً دشوار ہے۔ موٹے طور پر ان کی تین قسمیں کی جا سکتی ہیں۔

(1) **اشاری** (DIRECTIVE) ۔ اس کے دو قریبی مشمولوں میں سے ایک ——— یہ ہوتا ہے دوسرا مشار الیہ (AXIS) ۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔

الف:۔ مفعولی (OBJECTIVE) ۔ ان میں اشاریہ کوئی فعل ہوتا ہے اور مشار الیہ اس کا مفعول۔ ان کی تعداد کافی زیادہ ہے مفعول لفظ بھی ہو سکتا ہے فقرہ بھی ان کی ترتیب بھی دو طرح سے ہو سکتی ہے۔
پہلے مفعول بعد میں فعل۔ کتاب / خریدی۔ جانا / چاہتا تھا۔ گانا / بند کرو۔

لڑکے کو کلاس سے کھسکتے دیکھ لیا۔

پہلے فعل بعد میں مفعول۔ معلوم نہیں وہ آرہا ہے کہ نہیں۔
سوچتا ہوں کہ چلا جاؤں۔

ب:۔ حرفی۔ ان میں جار مجرور یا کسی ایسے ہی دوسرے حرف اور اس کے تابع سے دو مشمول بنتے ہیں۔ اس کی دو ذیلی قسمیں ہیں۔

ب 1 :۔ حرفِ جاری (POST - POSITIONAL یا PREPOSITIONAL)۔
اس میں اشاریہ حرفِ جار ہوتا ہے اور مشار الیہ مجرور مثلاً
صندوق / میں ۔ میز کے اوپر
بعض حروفِ جار کبھی کبھی متعلق فعل یا تمیز (ADUEEB) کے طور پر کام کرتے ہیں مثلاً اوپر / اڑ رہا تھا، ALONG THE ROAD
جاری بیرون مرکزی فقرے بالعموم کسی دوسرے لفظ یا ترکیب کے لیے وصف کا کام دیتے ہیں۔
میز کے اوپر رکھی کتاب۔ اندھیرے میں پڑھ رہی تھی۔
خط کشیدہ فقرے جاری اشاری فقرے ہیں جو بعد کے مشمول کے لیے وصف کا کام کر رہے ہیں۔

ب 2 :۔ استدراکی یا شرطی (Conjunctive)۔ اس میں اشاریہ حرف استدراک ہوتا ہے یا حرفِ شرط مثلاً
اگر، مگر، لیکن، اگرچہ، گھر، چونکہ، جب، پس وغیرہ۔ استدراکی یا شرطی ترکیبوں کی مثال حسبِ ذیل ہے۔
اگر میری مرضی ہوگی۔ جب ہم وہاں تھے۔ اگرچہ وہ نہیں آیا۔ جو کچھ ہم چاہیں۔
استدراکی شرطی فقرے چار حیثیت سے آتے ہیں۔

ب 2 : 1 :۔ وصف کے طور پر۔ ذیل کی مثالوں میں استدراکی شرطی ترکیب کے نیچے خط کھینچ دیا گیا ہے۔

The fact that she is sick

Bigger Than he is

(جاؤں گا) اگر میرا جی چاہے گا۔

ب 2 ب:۔ فعل کے مفعول کے طور پر

میں نے سوچا کہ وہ آرہی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ چلا گیا یا نہیں۔
میں نہیں جانتا، وہ کیوں آرہا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ کب آجائے۔

ب 2 ج:۔ حرفِ جار مجرور کے طور پر

I waited until after she got there

The importance of the case lies in That it sets a new precedent

ب 2 د:۔ تبصرے (comment) کے موضوع (Topic) کے طور پر۔

یہ بات دلچسپ ہے کہ وہ آرہی ہے

(2) ربطی (CONNECTIVE)۔ یہ بسا اوقات فعلِ ناقص کے ذریعے مربوط ہوتے ہیں۔

عمر آدمی ہے۔ عمر یہاں ہے۔ ہمارے طلبہ نیک ہیں۔

ان مثالوں میں پورے جملے کو ربطی ترکیب کہیں گے۔ ان میں فعل ناقص درحال 'عمر' اور 'آدمی'۔ 'عمر' اور 'یہاں'۔ 'ہمارے طلبہ' اور 'نیک' کو ملانے کا کام کررہا ہے۔ اس لحاظ سے اسے بھی نشان گر (MARKER) کہہ سکتے ہیں لیکن اصل نشان گر وہ ہوتا ہے جو کسی قریبی مشمول کا جزو نہیں ہوتا مثلاً مرد اور عورت۔ عمر آدمی ہے۔ کے دو قریبی مشمول 'عمر' 'آدمی ہے' ہوں گے۔ یعنی 'ہے' ایک قریبی مشمول کا جزو ہوجاتا ہے اس لیے اسے ناقص نشان گر (Impute Marker) کہہ سکتے ہیں۔ اس کی مزید قسموں کا بیان نحوی انسلاکات کے ضمن میں کیا جائے گا۔

(3) **مسندی فقرے** (PREDICATIVE)۔ بروں مرکزی فقروں کی سب سے بڑی تعداد انھیں کی ہوتی ہے۔ یہ عامل عمل (Actor-action) ٹائپ کے ہوتے ہیں یعنی ایک مشمول موضوع ہوتا ہے دوسرا اس کے بارے میں تبصرہ۔ ان کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں جن کی تفصیل حذف کی جاتی ہے۔ چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں۔

زید چلا گیا۔ اس نے صندوق کو کونے میں رکھا۔ میں نے اسے زور سے روتا دیکھا۔

صدر (NUCLEUS) اور تابع (SATELLITE)

فقروں کا قریبی مشمولی تجزیہ کیا جائے تو ایک مشمول مرکزی معلوم ہوگا دوسرا نواحی۔ مرکزی کو صدر (Head یا Nucleus یا center) کہیں گے نواحی کو تابع یا توابع (satellite)۔ صدر[1] کی شناخت کے یہ اصول ہیں۔

1۔ اگر ایک قام (قریبی مشمول) آزاد روپ کے طور پر تنہا آسکتا ہے اور دوسرا نہیں آسکتا تو اوّل الذکر صدر ہے مثلاً میز پر میں میز صدر ہے۔

2۔ جس قام کا روپ گروہ (Form class) زیادہ بڑا ہے وہ صدر ہوگا۔ مثلاً 'میز پر رکھی ہوئی کتاب'۔ اس میں 'کتاب' کا روپ گروہ 'میز پر رکھی ہوئی' کے روپ گروہ سے زیادہ بڑا ہے اس لیے کتاب صدر ہے۔

3- POTENTIAL RANGE OF MORE ACCURENCES۔ جس قام کے مختلف جملوں میں استعمال ہونے کے زیادہ امکانات ہوں وہ صدر ہے۔

4۔ مندرجہ بالا میں استثنا کے طور پر ایک قام جو اپنے ساتھ کے دوسرے قام کے مقابلے میں زیادہ موقعوں پر واقع ہوتا ہے شاذ و نادر صدر کی بجائے تابع ہوسکتا ہے۔

5۔ دروں مرکزی فقروں میں جو قام شمول کار کے روپ گروہ میں آسکتا ہے وہ صدر ہے۔

6۔ جن زبانوں میں بل کی اہمیت ہوتی ہے ان میں فقرے میں جس جزو پر بل یا شر لہر شدید ہو وہ صدر ہوتا ہے۔ یہ خاص طور سے انگریزی کے لیے صحیح ہے۔

---

[1] Nuclear stencture in Linguistic by Pittman- included in goos: Readings in Linguistics-

7- اگر کچھ بھی معلوم نہ ہو تو جس ق م کا طول زیادہ ہے اس کے صدر ہونے کے امکان ہیں۔

8- نامانوس نمونے (PATTERNS) مانوس نمونوں یا ڈھانچوں کی مماثلت پر پرکھے جا سکتے ہیں۔

نحوی انسلاک کے طریقے (WAYS OF SYNTACTICAL LINKAGE)۔

فقروں جملوں میں لفظوں اور ترکیبوں کا انسلاک مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ دروں مرکزی اور بروں مرکزی ترکیبوں کے بیان میں ان کا انسلاکات کا اندازہ ہوا ہوگا۔ ہاکیٹ کے نزدیک سب سے کمزور رابطہ وہ ہے جہاں ایک شمول کار کے دو مشمولوں میں ان کے روپ گردہ کے سبب رشتہ قائم ہوتا ہے مثلاً اچھا لڑکا۔ ڈاک گھر۔ اس قسم کے ربط کو ہم انتخاب پر مبنی ربط کہیں گے۔

ان سے قوی تر انسلاک نشان گر (Marker) کے ذریعے ہوتا ہے۔ مثلاً شعلہ و شبنم

انسلاک کا ایک طریقہ ناقص نشان گر (Impure Marker) کے ذریعے ہے۔ خالص نشان گر کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنے اِدھر اُدھر کے کسی قریبی مشمول کا جزو نہیں ہوتا بلکہ ایک طرح سے تیسرا قریبی مشمول ہوتا ہے لیکن ناقص نشان گر کو دو ترکیبوں یا لفظوں کو ملاتا ہے لیکن خود ان میں سے ایک جزو ہوتا ہے۔ اس کی مندرجہ بالا شکلیں عام ہیں۔

ا۔ اشاری حرف جاری ترکیبوں میں حرفِ جار Pencil on the desk اس ترکیب میں حرفِ جار on نے پنسل اور ڈیسک کو ملایا اس لیے یہ ایک قسم کا نشان گر ہے لیکن on خود دوسرے قریبی مشمول on the desk کا جزو ہے۔

ب۔ اشاری استدراکی شرطی ترکیبوں میں حرفِ استدراک یا حرفِ شرط۔

میں جانا چاہتا تھا لیکن وہ تیار نہ ہوا

میں تمہارے ساتھ چل سکتا ہوں اگر تم پسند کرو۔

ج۔ ربطی ترکیبوں میں فعلِ ناقص مثلاً زید انسان ہے

نحوی انسلاک کا سب سے عام طریقہ تصریف (Inflection) کے ذریعے ہے۔ یہی جملے کی تشکیل کرتا ہے اور یہی اصل نحوی انسلاک ہے۔ اس میں تصریفی چسپوں کے علاوہ حرفِ جار سے بھی مدد لی جاتی ہے۔

نحوی تصریفی انسلاک کی تین قسمیں ہیں جن میں سے اردو انگریزی میں صرف دو رائج ہیں۔

1۔ توافق (CONCORD)۔ انگریزی میں اسے congruence یا Agreement بھی کہتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں کہ جملے کے کسی مخصوص لفظ کو کسی دوسرے لفظ کے موافق ہونا چاہیے۔ یہ موٹے طور پر دو قسم کی ہوتی ہے۔

الف:۔ صفتی۔ صفت کی جنس یا تعداد یا دونوں موصوف کے مطابق ہوتی ہیں۔ یہ درون مرکزی فقروں میں ملتی ہے

اچھا لڑکا، اچھے لڑکے، اچھی لڑکیاں

یہ لیٹن، فرنچ، اسپینی وغیرہ میں بہت عام ہے۔ انگریزی میں اشاری صفت میں تعداد کا توافق ملتا ہے۔ That Boy, Those Boys

ب:۔ فعلی۔ فعل کی جنس یا تعداد یا دونوں فاعل یا مفعول کے مطابق ہوتی ہیں۔ لاطینی اور بہت سی زبانوں میں فعل فاعل کے مطابق ہوتا ہے۔ اردو کی قدیم شکل دکنی میں بھی ایسا ہی تھا لیکن اب معیاری اردو میں فاعل کے بعد 'نے' آنے کی صورت میں فعل مفعول کے مطابق لایا جاتا ہے۔ مثلاً

جدید اردو	دکنی
لڑکے نے گنّا کھایا	لڑکا گنّا کھایا
لڑکی نے گنّا کھایا	لڑکی گنّا کھائی
لڑکوں نے گنّا کھایا	لڑکے گنّا کھائے
لڑکیوں نے گنّا کھایا	لڑکیاں گنّا کھائیں
لڑکے نے روٹی کھائی	لڑکا روٹی کھایا
لڑکی نے روٹی کھائی	لڑکی روٹی کھائی

لڑکوں نے روٹی کھائی	لڑکے روٹی کھائے
لڑکیوں نے روٹی کھائی	لڑکیاں روٹی کھائیں
لڑکیوں نے گنّے کھائے	لڑکیاں گنّے کھائیں
لڑکوں نے روٹیاں کھائیں	لڑکے روٹیاں کھائے

متابعت (Government) جملے کی مختلف ترکیبوں میں بعض اجزائے کلام بالخصوص اسم اور ضمیر کا نحوی مقام ظاہر کرنے کے لیے تعریف کے خاص روپ بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ اس عمل کو متابعت (Government) کہتے ہیں۔ جب یہ اسم سے متعلق ہوتے ہیں تو انھیں حالت (case) کہا جاتا ہے۔ حالتیں ضمیر میں بھی ہوسکتی ہیں لیکن اسم سے کسی قدر کم۔ انگریزی میں اسم میں حالت نہیں ہوتی صرف ضمیر تک محدود ہے۔ اردو ہندی میں ان کی بڑی ریل پیل ہے۔ جدید فرنچ اطالوی اور اسپینی میں محض ایک ایک ہے۔ سامی میں ان کی تعداد تین ہے پہلے جو تھا بھی رہا ہوگا۔ سنسکرت میں آٹھ ہیں، اصل ہند یورپی میں دس تک رہے ہوں گے جنوبی تائی کی زبان جارجین میں 23 حالتیں ہوتی ہیں۔ کل ملاکر 36 تک ممکن ہیں۔

سنسکرت اور ہندی قواعد میں اسم کی آٹھ حالتیں مانی جاتی ہیں۔ ذیل میں ان کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔ ساتھ میں انگریزی نام بھی دیے جارہے ہیں۔

تمام حالتوں کی مثال کے لیے ایک طویل جملہ ملاحظہ ہو جس کے بعد حالتوں کا چارٹ دیا جارہا ہے۔

اے بالمیک! رام نے بھبھیشن کے بھائی راون کو سیتا کے لیے میدان جنگ میں اپنے رتھ سے تیر کی مدد سے مار ڈالا۔

انگریزی نام	ہندی نام	اردو ترجمہ	مثال
Vocative	سمبودھن	ندائی	اے بالمیک
Nominative	کرتا	فاعلی	رام نے
Accusative	کرم	مفعولی	راون کو
Genitive	سمبندھ	اضافی	بھبھیشن

LOCATIVE	ادھکرن	ظرفی	میدان جنگ میں
DATIVE	سمپردان		سیتا کے لیے
ABLATIVE	اپادان	فاصلی	رتھ سے
INSTRUMENTAL	کرن	طوری	تیر سے

انگریزی میں مفعولی کے لیے Accusative بڑا عجیب لفظ ہے۔ اس کی تاریخ یہ ہے کہ یونانی زبان میں ایک اسم ہے [aytia:] جس کے معنی ہیں سبب (cause) اس سے یونانی قواعد نویسوں نے فعل کے مقصود (Goal) کے لیے جو حالت بنائی اس کا نام [aytia:tike: ptO:sis] رکھا جس کے معنی ہیں

"The case partaining to what is effected"

اتفاق سے [aytia:] کے مجازی معنی الزام کے بھی ہیں۔ لیٹن کے قواعد نویسوں نے اس اصطلاح کے غلط معنی لے کر اس کا ترجمہ Accusatives کیا جس کے "احترام سے متعلق" ہیں۔ بعد میں لیٹن قواعد نویس Priscian نے اس کی تصحیح کرکے causativus کی اصطلاح تجویز کی لیکن غلط ترجمہ Accusativus ہی رائج رہا جس سے انگریزی اور روسی میں Accusative ترجمہ کیا گیا۔

ہم نے Locative کا اردو ترجمہ 'ظرفی' دیا ہے۔ اردو کی 'ظرفی' میں ظرفِ مکان کے علاوہ ظرفِ زمان بھی شامل ہوگا یعنی 'میدانِ جنگ میں، گھر میں' کے علاوہ 'شام سے، رات کو' وغیرہ بھی آجائیں گے جب کہ ہندی میں نہیں آتے۔

'accusative' اصلی مفعول (Direct object) کے لیے ہوتا ہے لیکن Dative 'ثانوی مفعول (Indirect object) کے لیے آتا ہے، جس شخص کے لیے کام کیا جائے۔

ABLATIVE میں ضروری ہے کہ کوئی چیز کسی دوسری چیز یا شخص سے فاصلے کے اعتبار سے جدا ہو جیسے رتھ سے، پیڑ سے پھل گرتا ہے۔ لڑکا گھر سے اسکول جاتا ہے۔

INSTRUMENTAL۔ اردو کے طوری میں ذریعہ، سبب کے علاوہ طور

حرف اضافہ بھی شامل ہے یعنی تلوار سے مارا، کے علاوہ وشوق سے پڑھا، بھی اسی میں آتا ہے۔ ہندی میں ایسا نہیں ہوتا۔

اردو کی ایک اور حالت خبری ہے۔ وہ اسم جو بطور خبر کے واقع ہو مثلاً وہ بیمار ہے۔ حامد اس شہر کا حاکم ہے۔

یونانی اور لاطینی میں سنسکرت جیسی حالتیں ہیں لیکن کسی قدر کم مثلاً یونانی میں Locative، Ablative، Instrumental نہیں ہوتیں۔ لیٹن میں Instrumental نہیں ہوتیں اور Locative محض چند اسما میں ہے۔ فن لینڈ کی زبان فنش میں ذیل کی پندرہ حالتیں ہیں۔ یہ لفظ 'talo' بمعنی مکان کے ہیں[1]۔

NOMINATIVE	talo	SUBJECT
GENITIVE	talon	OF
ACCUSATIVE	talon	OBJECT
INESSIVE	talossa	in
ELATIVE	talosta	OUT OF
ILLATIVE	Laloom	into
ADESSIVE	talolla	'on' 'at'
ABLATIVE	talolta	FROM
ALLATIVE	talolle	TO
ESSIVE	talona	as
PORTITIVE	taloa	(POET) OF
TRANSLATIVE	taloksi	(CHANGES) into
ABESSIVE	talotta	WITH OUT
INSTRACTIVE	taloin	WITH BY
COMITATIVE	taloine	TOGETHER WITH

[1] Gleoson: Descriptive Linguistics P 160

یہاں ذیل کی باتیں قابلِ غور ہیں۔

1- بیشتر حالتوں کا تضاد معنوی ہے ساخت پر مبنی نہیں۔

2- تمام حالتوں میں مادہ ta.ła مکمل رہتا ہے جس کے بعد حالت کے لاحقوں کو کاٹنا آسان ہے۔

3- حالت کے یہ لاحقے بہت حد تک حروفِ جار ہیں جو مادے میں مدغم ہو گئے ہیں۔

حالت کے اظہار کے دو طریقے ہیں۔

1- اسم یا ضمیر وغیرہ میں تصریفی تبدیلیوں سے مثلاً لڑکوں، لڑکے

2- حروفِ جار کی مدد سے مثلاً لڑکے نے، لڑکے سے، لڑکے کو

صحیح معنی میں اسم یا ضمیر کی حالت وہی ہے جو تصریف کی مدد سے ظاہر ہو یعنی اسم یا ضمیر کی بناوٹ میں تبدیلی ہو۔ سنسکرت میں ایسا ہی ہے۔ حروفِ جار کی مدد سے ظاہر ہونے والی حالت محض معنوی ہے ساختی نہیں۔ انگریزی اسم کی حالت ساختی نہیں معنوی ہوتی ہے۔ فِنش زبان ان دونوں کے بین بین ہے۔ وہاں حروفِ جار اسم میں سمو کر ساخت میں کبھی قدرے تبدیلی کر دیتے ہیں۔

SYNCRETISM۔ اگر حالتوں میں صوری (ساختی) اعتبار سے کمی ہو جاتی ہے اور بعض روپ ایک سے زیادہ حالتوں کا کام دینے لگتے ہیں تو اس صورتِ حال کو syncretism کہتے ہیں مثلاً اردو میں

لڑکے آم کھا رہے تھے	حالتِ فاعلی
میں نے لڑکے کو مارا	حالتِ مفعولی

یہاں 'لڑکے' کی دو مختلف حالتیں ایک ہی صوری روپ میں ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ دوسری مثال میں 'کو'، مفعولی حالت کی نشانی ہے تو ذیل کی مثال دیکھیے

کتابیں گم ہو گئی ہیں	حالتِ فاعلی
میں نے کتابیں پڑھ ڈالیں	حالتِ مفعولی

syncretism 'تصریفی صورتوں کا ادغام' ہے

سنسکرت کی تقلید میں ہندی میں اسم کی آٹھ حالتیں کی جاتی ہیں لیکن تجزیاتی لسانیات میں صرف وہی معتبر ہیں جو صوری اعتبار سے مختلف ہوں۔ حرفِ جار کی مدد سے ظاہر

ہونے والی (لیکن اسم کی یکساں صورت والی) حالتوں کو علیحدہ شمار نہیں کیا جاتا۔ اس طرح لسانیات نے اردو ہندی اسم کی حالتوں کو تین میں سمیٹ لیا ہے۔ ان میں ایک صورت کو بنیادی مانا گیا ہے اسے راست (Direct) کہتے ہیں۔ دوسری صورت منصرف ہے اسے کج (oblique) کہا گیا ہے۔ تیسری کج کی مصوتی انفیت کو منہا کرنے سے بنتی ہے اور اسے ندائی (vocative) کہتے ہیں۔ واحد میں راست صورت کسی تبدیلی کے بغیر ظاہر ہوتی ہے۔

مصوتے پر ختم ہونے والے مذکر اسما کی تصریف مصمتے پر ختم ہونے والے اسما کی تصریف سے مختلف ہوتی ہے۔ مذکر کے مختلف سانچوں کو ہم مذکر1 - مذکر2 - مذکر3 کہہ سکتے ہیں۔ اب اردو ہندی کی حالتیں ملاحظہ ہوں۔

	واحد			جمع		
	راست	کج	ندائی	راست	کج	ندائی
مذکر1	گھوڑا	گھوڑے	گھوڑے	گھوڑے	گھوڑوں	گھوڑو
مذکر2	گھر	گھر	گھر	گھر	گھروں	گھرو
مذکر3	مالی	مالی	مالی	مالی	مالیوں	مالیو
مونث1	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکیاں	لڑکیوں	لڑکیو
مونث2	عورت	عورت	عورت	عورتیں	عورتوں	عورتو
ضمیر	وہ	اسے		وہ	انھیں	
	میں	مجھے		ہم	ہمیں	

[illegible]نیات کی مدد سے اسم کی حالتوں کو تین میں اور ضمیر کی حالتوں کو دو میں سمیٹ لیا گیا ہے۔ سنسکرت میں بھی ضمیر کے لیے تین حالتیں ظرفی، فاصلی اور طوری ممکن نہیں تھیں یعنی محض پانچ تھیں۔ ندائی حالت محض ضمیر حاضر میں ہوتی تھی غائب اور متکلم میں نہیں۔ بعض زبانوں میں ضمیر کی حالتیں اسم سے کسی قدر مختلف ہوتی ہیں مثلاً انگریزی میں دیکھیے

HE WASHED HIMSELF (اس نے خود کو دھویا)

HE WASHED HIM (اس نے کسی دوسرے کو دھویا)

پہلے جملے میں عامل اور معمول ایک ہی شخص ہیں جب کہ دوسرے جملے میں مختلف ہیں۔ سویڈش زبان میں ضمیر کی اضافی حالت میں اسی طرح کی دو ذیلی صورتیں ہیں ایک میں اضافی ضمیر کا مرجع فاعل ہوتا ہے دوسرے میں کوئی دوسرا شخص مثلاً

HAN Tog sin hatt (اس نے اپنی ٹوپی لی)

Han tog hans hatt (اس نے کسی اور کی ٹوپی لی)

ریڈ انڈین Algonquian میں ایک شخص اور دوسرے شخص کے لیے ضمیر غائب کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ انھیں ضمیر کی حالت کہا جائے گا۔ اسم کی متابعت میں یہ مفروضہ ہے کہ اسم کی حالت فعل کے تابع ہے۔ متابعت اسم و ضمیر تک محدود نہیں۔ بعض اوقات یہ فعل اور صفت پر بھی وارد ہوتی ہے۔ فرانسیسی زبان میں اصلی فقرے کا اختلاف تابع فقرے کے فعل کی شکل بدل دیتا ہے مثلاً

میں سوچتا ہوں وہ آرہا ہے Je pense qu'il vient

میں نہیں سوچتا ہوں وہ آرہا ہے Je ne pense pas qu-il vienne

زولو زبانوں میں صفت بھی مختلف حالتوں میں صورت تبدیل کرتی ہے مثلاً جب وہ اسم کے ساتھ وصف کے طور پر آئے تو اس کی صورت مختلف ہوتی ہے اور جب وہ خبر کے طور پر آئے تو اس کی صورت مختلف ہوتی۔

۳۔ دوہرا حوالہ (CROSS-REFRENCE)۔ نحوی انسلاک کی تیسری قسم دوہرا حوالہ ہے۔ یہ زیادہ تر بعض دروں مرکزی ترکیبوں میں پایا جاتا ہے۔ اس میں ایک ترکیب کے ایک عنصر (ایک فقرے کے ایک لفظ) کو دوسرا لفظ دوہرا کر پیش کرتا ہے۔ یہ انگریزی اور اردو میں نہیں پایا جاتا۔ لیٹن، فرنچ وغیرہ میں عام ہے۔ بول چال کی جرمن، ہنگیرین زبانوں اور بعض امریکی زبانوں میں بھی ملتا ہے۔ اردو ترجمے میں اس کی یہ صورت ہوگی۔

زید، اس کا چاقو میں نے لیا

زید، وہ دوڑا
ایلس، وہ دوڑی

لاطینی اور فرنچ وغیرہ میں ضمیر میں جنس ہوتی ہے جیسے انگریزی میں he، she میں۔ ان میں اسم کے نام سے جو جنس ظاہر ہوتی ہے ضمیر سے وہ اور صریح اور مستحکم ہو جاتی ہے۔ فرنچ میں بعض سوالیہ فقروں میں اس طرز کا لانا معیاری ہے۔

جون، وہ کہاں ہے؟

لیٹن کے فعل میں فاعل کی خصوصیت بھی شامل رہتی ہے۔

vir portat آدمی لے جاتا ہے

'portat' کے معنی ہیں 'وہ لے جاتا ہے'۔ اس میں واحد ضمیر پوشیدہ ہے اس لیے دراصل vir portat کے معنی ہوئے آدمی، وہ لے جاتا ہے۔

یہ بھی دوہرا حوالہ ہوا۔

مشمول گروہ اور لفظی ترتیب

مندرجہ بالا بحث میں جملے کے نحوی انسلاکات بیان کرتے وقت معنی پر بطورِ خاص نظر رکھی گئی ہے جس کی وجہ سے ہم روایتی قواعد کے بہت نزدیک پہنچ گئے ہیں۔ تجزیاتی لسانیات کا نحو خالص ساختی (Structural) نقطۂ نظر سے بھی جملے کے مختلف اجزا کے رشتوں کا تجزیہ کر سکتا ہے۔

ذیل کا فرضی جملہ ملاحظہ ہو

*رینس چومر کے اپلے ہاری میں جماسمی ہے

ہم اس جملے کے معنی نہیں سمجھتے لیکن ہم یہ تمیز کر سکتے ہیں کہ یہ اردو کا جملہ ہے فارسی یا پشتو کا نہیں۔ ہمیں یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ 'رینس' غالباً کوئی اسم اور فاعل ہے 'جماسمی' فعل معلوم ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے 'اپلے ہاری' میں صفت موصوف کا رشتہ ہو۔ 'چومر کے اپلے ہاری' اضافتی ترکیب معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں اتنی ساری باتیں اس لیے معلوم ہوئیں کہ ہم تین لفظوں 'کے'، 'میں'، 'ہے' کو شناخت کرتے ہیں۔ 'اپلے' کا آخری 'اے'، 'جما' کا 'آ' اور 'سمی' کی 'ای'

یہ تینوں تصریفی لاحقے معلوم ہوتے ہیں۔ پھر لفظوں کے مقام سے ہمیں خیال ہوتا ہے کہ پہلا لفظ ربینس ' فاعل ، ہوگا۔ ' اپلے ہاری ، جس میں پہلا لفظ صفت اور دوسرا موصوف ہو سکتا ہے۔ ' چومر ' مضاف الیہ اور ' اپلے ہاری ' مضاف ہونا چاہیے۔ ' چماسمی ہے ' فعل ہونا چاہیے۔

اب ذیل کا جملہ دیکھیے۔

* بھینس پوکھر کز گندے پانی ہس نہار ہی پُر

ہم اس جملے میں ' کز ' ہس اور پُر ' کے معنی نہیں سمجھتے لیکن ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ' کز ' کے معنی ' میں ' یا ' کے ' ہونا چاہیے۔ ' ہس ' کے معنی ' میں ' ہونا چاہئے اور ' پُر ' کے معنی ' ہے ' یا ' تھی ' ہو سکتے ہیں۔ ان تین ناموس الفاظ کے باوجود ہمیں جملے کے معنی کا اندازہ ہوتا ہے۔

اور ذیل کا جملہ دیکھیے۔

بھینس پوکھر گندے پانی نہار ہی۔

معنی بالکل صاف ہیں کہ بھینس پوکھر کے گندے پانی میں نہار ہی ہے (یا نہار ہی تھی) ہم تار سے پیغام دیتے ہیں تو صرفہ کم کرنے کے لیے ان الفاظ کو حذف کر دیتے ہیں جن کے بغیر معنی سمجھنے میں کوئی التباس نہیں ہوتا مثلاً

Reaching punjab mail monday.

اس کے معنی ہیں

I am reaching by punjab mail on monday

یہاں I ، am ، by ، on ایسے الفاظ ہیں جن کے بغیر بھی مفہوم واضح رہا گویا یہ الفاظ اس قدر مفہوم کے حامل نہیں جس قدر دوسرے لفظوں کا رشتہ اور جملے میں مقام واضح کر رہے ہیں۔ ضمیر ' I ' کو اگر مقدر مان کر چھوڑ دیں تو on ، by ، am جیسے الفاظ کو بیکار آمد امدادی الفاظ (Function words) کہہ سکتے ہیں۔ بعض مصنف انھیں اور جیبیوں کو ملا کر Functors کہتے ہیں تاکہ لفظ کے علاوہ لفظ سے چھوٹی ترکیبیں بھی شامل ہو سکیں۔ ہمارے فرضی جملے

رئیس پوکھر کے اپلے ہاری ہیں جما سمی ہے

ہیں کے 'ہیں' ہے اور اپلے 'جما' سمی کے آخری مصوتے اسی طرح کے کار آمد امدادی اجزا ہیں۔

بھینس پوکھر کے گندے پانی ہیں نہا رہی ہے

یہاں امدادی اجزا دو فائدے پہنچا رہے ہیں۔ (1) لفظوں کے مشمول گروہ (CONSTITUENT CLASS) کے تعین ہیں مدد دینا اور (2) جملے میں لفظوں کی ترتیب (order) کی طرف اشارہ کرنا۔

کسی زبان کے جملے کی ساخت انھیں دو باتوں ہیں محصور ہوتی ہے 'بھینس' کی جگہ ہم گائے، ہتھنی، لڑکی، عورت، صندوقچی وغیرہ لا سکتے ہیں۔ ضمیر 'وہ' بھی آسکتا ہے۔ یہ تمام اسما اور ضمیر ایک مشمول گروہ کے افراد ہوئے۔ اسی طرح 'پوکھر' کی جگہ جھیل، تالاب، تال، حوض وغیرہ لائے جا سکتے ہیں۔ 'گندے' کی جگہ 'صاف، ستھرے، میلے، نیلے' جیسے الفاظ آسکتے ہیں۔ 'نہا رہی ہے' کی جگہ 'لوٹ رہی ہے، پڑی ہے، گھوم رہی ہے، جا رہی تھی، چلی گئی' وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ روایتی قواعد میں 'اجزائے کلام' (PARTS OF SPEECH) تقریباً یہی ہوتے ہیں۔

جملے کی ساخت اور معنی ہیں مختلف لفظوں کا مشمول گروہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اور دوسرا اہم کردار ادا ہوتا ہے لفظوں کی ترتیب سے

* رئیس پوکھر کے اپلے ہاری ہیں جما سمی ہے

ہم محض ترتیب سے پہچان سکتے کہ 'رئیس' جملے ہیں فاعل ہے۔ 'جما سمی ہے' فعل ہے۔ 'اپلے ہاری' صفت موصوف ہو سکتے ہیں۔ 'پوکھر' مضاف الیہ ہے اور 'اپلے ہاری' مضاف۔ ہم 'پوکھر کے گندے پانی' کی جگہ 'پوکھر گندے کے' یا 'گندے پانی ہیں' کی جگہ 'ہیں گندے پانی' نہیں کہہ سکتے۔ ہم اردو نثر میں یوں بھی نہیں کہہ سکتے

گندے پانی ہیں نہا بھینس رہی ہے پوکھر کے

گویا ہر زبان میں مختلف مشمول گروہوں کے واقع ہونے کی ایک ترتیب بھی ہوتی ہے۔ مشمول گروہ اور لفظی ترتیب مل کر جملے کی ساخت متعین کرتے ہیں۔ جملے کی

ساخت کا یہ خالص تجریدی (Abstract) تصور ہے۔ مختلف زبانوں کو سامنے رکھ کر جب ہم غور کرتے ہیں تو توافق اور متابعت جیسی عملی حقیقتیں سامنے آتی ہیں۔

تشکیل (Transformation) کا نظریہ

روایتی قواعد سے ناآسودگی نے تجزیاتی لسانیات کو جنم دیا۔ اس میں اوّل اوّل صوتیات پر زیادہ زور دیا گیا بعد میں فونیم اور مارفیم کے تصوّر کو لسانیات کا مرکز مان لیا گیا۔ نحو میں قریبی مشمولی تجزیے پر اکتفا کی گئی اور معنیات کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ تجزیاتی لسانیات چونکہ تاریخی لسانیات کے خلاف ردّ عمل تھا اس لیے اس میں وقت کی رفتار کو نظر انداز کر کے ایک منجمد نقطۂ وقت میں زبان کا مطالعہ کیا گیا۔ قواعدی طریقوں (Grammatical processes) یعنی ایک شکل سے دوسری شکل کے اشتقاق و استخراج کو اہمیت نہیں دی گئی۔ امریکہ کے مشہور ادارے ماچیٹس انسٹیٹوٹ آف ٹکنالوجی (M.I.T.) کے پروفیسر چامسکی (Noam Chomsky) نے غور و خوض کے بعد زبان اور قواعد کا ایک نیا نظریہ پیش کیا جو اُن کے نزدیک زیادہ صحیح اور جامع ہے اور جو مخصوص زبان کے علاوہ عام طور سے زبان پر لاگو کیا جاسکتا ہے۔ یہ نظریہ لسانی سطحوں میں نحو کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ تجزیاتی لسانیات صوت سے شروع ہو کر فونیم اور مارفیم کے راستے جملے کی ساخت تک پہنچتی ہے۔ چامسکی کے نظریہ میں جملے کی ساخت کو بنیادی اور اوّلین اہمیت ہے۔

ہم انسان کے واقعی لسانی استعمال کا مشاہدہ کر سکتے ہیں یا اس سے بڑھ کر اُس کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس استعمال کی امکانی صلاحیتوں کا۔ یہ صلاحیت لامحدود ہے۔ چامسکی اس اصول کو فوراً ادا کرتا ہے کہ انسان واقعی جس محدود تعداد کے جملوں کا استعمال کرتا ہے قواعد اُنھیں کے مطالعے کا نام ہے۔ اس کے نزدیک زبان میں محدود مواد کا غیر محدود استعمال کرتی ہے۔ قواعد کو اس غیر محدود امکان کا احصا کرنا چاہیے۔

چامسکی نے جملے کی قواعدی صحت (Grammatical ness) اور مفہومی صحت (Sensical ness) میں امتیاز کیا مثلاً یہ دو جملے دیکھیے

1۔ بے رنگ ہرے تصورات غصّے کے ساتھ سوتے ہیں۔

2۔ غصے کے ساتھ سوتے ہیں تصورات ہرے بے رنگ۔

پہلے جملے کو ہم قواعدی اعتبار سے صحیح کہیں گے۔ دوسرے کو غلط۔ معنوی اعتبار سے دونوں جملے غلط ہیں۔ گویا قواعدی صحت معنی کے تابع نہیں۔

اب اس کی کچھ تعریفیں دیکھیے۔

نحو:۔ ان اصولوں اور لائحۂ عمل کا نام ہے جن سے کسی زبان میں جملے بنائے جاتے ہیں۔

قواعد:۔ وہ تدبیر ہے جس سے کسی زبان کے تمام قواعدی صحیح جملے بنائے جاسکیں۔ اور کوئی بھی قواعدی غلط جملہ نہ بنایا جاسکے۔

زبان:۔ ان جملوں کا مجموعہ ہے جو طول میں محدود ہوتے ہیں اور محدود عنصروں (elements) سے بنائے جاتے ہیں۔

ذیل کے جملے دیکھیے

آدمی نے گیند کو مارا

آدمی نے گیند کو نہیں مارا

کیا آدمی نے گیند کو مارا؟

آدمی نے کس چیز کو مارا

پہلا جملہ بنیادی جملہ ہے اور بعد کے جملے اس میں ہیت کی تبدیلی (Transfor-mation) سے حاصل کیے گئے ہیں۔ بنیادی جملے کو چامسکی تخم (Kernel) یا base کہتا ہے اس سے بننے والے جملے کو متخرج جملہ (dervied sentence) کہتا ہے۔ تبدیلی کے قواعد کو transformation rules کہتے ہیں۔ کسی زبان میں بنیادی جملوں سے جتنے بن سکتے ہیں ان سب کی تشکیل کے قواعد کو لکھ دیا جائے تو یہ اس زبان کی تشکیلی قواعد (transformational Grammer) ہوگی۔ اس قواعد کے تین حصے ہوتے ہیں۔

1۔ پہلے حصے کو فقری ترکیبی حصہ (Phrase stuctive segment) کہتے ہیں فقرے کی ترکیب کے قواعد بنیادی حیثیت سے وہی ہیں جو قریبی شمولی تجزیے کے ہوتے ہیں۔ اس کے تجزیے کے قاعدوں کو (Phrase, stenctive rules)

کہتے ہیں۔

2- دوسرا حصہ ہیئت کی تبدیلی (transformation) کا ہوتا ہے۔ اس کے قاعدوں کو (transformation rules) کہتے ہیں۔ یہ قاعدے بنیادی جملے میں کچھ مارفیم کم یا زیادہ کرتے ہیں یا ان کی ترتیب بدل دیتے ہیں۔

3- تیسرا حصہ مارفونیمی ہوتا ہے جس میں چسپیوں وغیرہ کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔

پہلے دو حصوں کو مجرد علامتوں کے ذریعے لکھا جاتا ہے۔ ان میں سے اکثر علامات اجزائے کلام یا نحوی ساختوں کے نام کے پہلے حروف ہوتے ہیں لیکن بعض اوقات بالکل غیر متعلق حروف کو بھی علامات کے طور پر استعمال کر لیا جاتا ہے مثلاً T کو Article کے لیے۔ پھر ذیلی اقسام (Sub Classes) کو تحت نشیں چھوٹے حروف کے ذریعے ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً N_{Prop} کے معنی ہیں Noun Proper یا N_{Sing} کے معنی ہیں Noun singular حرفی علامات کی وجہ سے تشکیلی بیانات الجبرے جیسے ہو جاتے ہیں۔

یہ بیانات بہت سے قاعدوں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ قواعد اختیاری اور کچھ لازمی ہوتے ہیں۔ ان قاعدوں کا یہ انداز ہوتا ہے

$$S \rightarrow NP + VP$$

اسے ہم پڑھیں گے S is to be rewritten as NP + VP ان قاعدوں کو بازتحریری قاعدے (re write rules) کہتے ہیں۔

ایک سیدھے سادے جملے The man hit the ball کے فقروی ترکیبی قاعدے (Phrase-structure (PS) rules) یہ ہیں۔

1- $S \rightarrow NP + VP$

2- $NP \rightarrow T + N$

3- $VP \rightarrow Verb + NP$

4- $T \rightarrow$ the

5- $N \rightarrow$ man, ball, etc.

6- $Verb \rightarrow$ hit, took, etc.

ان قاعدوں سے اس تخم جملے اور اس سے مماثل تخم جملوں کی ترکیب کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔ تجزیہ یوں ہے۔

Sentence	Rules
NP + VP	1
T + N + VP	2
T + N + verb + NP	3
The + N + verb + NP	4
The + man + verb + N.P	5
The + man + hit + T + N	2
The + Man + hit + The + N	4
The + man + hit + The + ball	5
The + Man + hit + N.P	6

یہ یاد رہے کہ ایک قدم میں ایک تبدیلی ہی کی اجازت ہے۔ اب ایک جملہ لیجیے۔

John is writing a letter.

گلیسن اس جملے کا ترکیبی تجزیہ کر کے 14 قدموں میں یہاں تک پہنچتا ہے۔

John + Z3 + be (is) + ing + write (writing) + a + letter + Ø (letter)

یہاں Z3 سے مراد انگریزی فعل کے حال کے لاحقے کی ایک صورت ہے۔ اس میں تبدیل ہیئت کا اطلاق کر کے یہ جملہ بنتا ہے۔

Z3 + b (is) + John + Ing + write (Write) + a + Letter + Ø (Letter)

مزید تبدیلی سے یہ شکل ہوگی۔

Z3 + b + Who + Ing + Write + a + Letter + Ø

اس میں ایک لازمی تشکیل قاعدے کا اطلاق کر کے سوالیہ لفظ who کو شروع میں

لانا ہوگا۔

Who + Z + be + ing + Write + a + Letter + Ø
is writing Letter

تشکیلی قاعدے کو علامات میں لکھا جاتا ہے یعنی فرض کیجیے

John is writing a letter

کو یوں لکھیں

N + Aux + V + t + N

Aux سے مراد Auxcilary اور t سے مراد the ہے۔

اس سے سوالیہ جملہ اخذ کرنے کے لیے یوں لکھنا چاہیے

N + Aux + Vt + N → Aux + N + V + t + N

اس طرح جملہ حاصل ہوا

تیسری منزل مارفونیمی ہے۔ گزشتہ تجزیے میں مذ کو z_3 + b یا writing کو ing + write یا letter کو Ø + letter لکھنا مارفونیمی ہی ہے۔ اس کے علاوہ بھی مارفونیمی قواعد صریحاً لکھے جاتے ہیں مثلاً انگریزی میں فعل کے ماضی کا قاعدہ

(i) Walk → /wɔk/
(ii) take + Past → /tuk/
(iii) hit + Past → /hit)
(iv) /...D/ + Past → /...D/+/+d/ (where D = /c/ or /d/) etc

چامسکی نے تشکیلی تجزیے کے بہت سے ایسے فوائد درج کیے جو فقروی ترکیبی تجزیے میں نہیں ہوتے۔ ان کے منجملہ اس نے یہ بھی کہا کہ بہت سے ایسے ابہام جو فقروی ترکیب کی سطح پر واضح نہیں ہوتیں تشکیلی تجزیے کی سطح پر ہو جاتی ہیں مثلاً

دیوانوں کی تصویر کشی کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟

قریبی مشمولی تجزیہ یہ واضح کرنے میں ناکام رہتا ہے کہ دیوانوں نے تصویر کھینچی ہیں یا

کسی اور نے دیوانوں کی تصویر بنائی ہیں۔ تشکیلی تجزیے میں اس جملے کی ابتدا میں جو اسمی فقرہ 'دیوانوں کی تصویر کشی' ہے اسے ذیل کے دو بنیادی جملوں میں سے حسبِ منشا کسی ایک کی توسیع قرار دیا جاسکتا ہے۔

دیوانے تصویر کشی کرتے ہیں

وہ دیوانوں کی تصویر کشی کرتے ہیں۔

چامسکی کی پہلی کتاب Syntactic Structures ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی۔ دوسری کتاب Aspect of the Theory of Syntax میں آئی اور اس میں اس کے نظریے کا ارتقا پایا جاتا ہے اس کتاب میں چامسکی نے اپنی قواعد کا نام تخلیقی قواعد Generative grammer رکھا ہے کیونکہ اس میں ایک جملے سے دوسرے جملے تخلیق کیے جاتے ہیں۔ اس قواعد کے تین اجزا ہوں گے۔

۱۔ **نحوی جزو**:۔ اس میں وہ سب اطلاع فراہم ہوگی جو کسی خاص جملے کی فونیمی یا معنوی تشریح کے لیے درکار ہوگی۔

۲۔ **فونیمی جزو**:۔ نحوی قواعد سے بننے والے جملے کی صوتی ہیئت کی تعین کرے گا۔

۳۔ **معنوی جزو**:۔ یہ جملے کی معنوی تشریح کی تعین کرے گا۔

چامسکی نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ نحوی اور معنوی اجزا ایک دوسرے سے بالکل جدا نہیں ہوں گے۔ فونیمی اور معنوی اجزا محض تشریحی ہیں۔ وہ جملوں کی تخلیق میں کوئی کارفرمائی نہیں کرتے۔ نحوی جزو میں یہ دو حصے ہوں گے۔

ا۔ **بنیاد**:۔ اس میں بہت سے باز تحریر قاعدے Rewriting ہوں گے جو کسی سیاق و سباق کے پابند نہ ہوں گے۔

ب:۔ تشکیلی جزو:۔ (Transformational Component)۔ یہ بہت سی تشکیلیوں (Transformation) کا سلسلہ ہوگا۔

چامسکی کے تشکیلی نظریے کی یہ ایک مختصر جھلک ہے۔ عام لسانیات کی کتاب میں اس سے زیادہ تفصیل نہیں دی جاسکتی۔

تشکیلی قواعد کا ایک خاص عملی فائدہ یہ ہے کہ محض اس کی بنا پر ترجمے کی مشین بنائی جاسکتی ہے۔ ایک زبان کے جملے کا فقروی ترکیبی تجزیہ علامات کے تحت کیا جائے اور پھر ان

علامات کی جگہ ماخذ زبان کے الفاظ اور مارفیم نہ رکھ کر مقصود زبان کے الفاظ رکھ دیئے جائیں۔ یہ انھیں زبانوں میں ممکن ہے جن کا نحو بہت مماثل ہو۔ انگریزی سے جرمن اور روسی میں ترجمے کی مشینیں بنانے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

اس کے علاوہ تشکیلی قواعد میں وہ سب فائدے دکھائی نہیں دیتے جن سے اس کے حامی منصف کرتے ہیں۔ یہ الجبرائی علامات کی وجہ سے بہت تجریدی اور مغلق ہوتی ہے۔ بچوں کو جس طرح روایتی قواعد کی مدد سے زبان کا صرف و نحو سکھایا جاتا ہے اس طرح تشکیلی قواعد کا نحو نہیں سکھایا جاسکتا کیونکہ یہ محض ان کے بس کا ہے جو پہلے سے دوسری قواعدیں اچھی طرح پڑھ چکے ہوں۔ تشکیلی قواعد روایتی اسکولی قواعد کا نعم البدل نہیں کیونکہ اوّل الذکر کے لیے آخر الذکر کا علم ضروری ہے۔ اس میں اسم، صفت، فعل، امدادی فعل، توصیفی فقرہ، ماضی کا نشان وغیرہ روایتی قواعد کی جملہ اصطلاحیں بروئے کار آتی ہیں۔

ستم یہ ہے کہ تشکیلی قواعد ہمیں تجزیاتی لسانیات یا بیان سے بھی بے نیاز نہیں کرتی۔ اس میں تجزیاتی لسانیات کے نحو سے واقفیت ضروری ہے تاکہ فقروں کا قریبی مشمولیں تجزیہ کیا جاسکے۔ اور مارفونیمی تجزیے کے لیے مارفیم چیپیوں اور فونیموں کی شناخت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ گویا اس قواعد کا اطلاق کرنے کے لیے روایتی قواعد نیز تجزیاتی لسانیات دونوں پر عبور ضروری ہے۔ اس طرح یہ قواعد محض اہل لسانیات کے لکھنے پڑھنے ہی کی چیز رہ جاتی ہے۔ چونکہ اس کی عملی افادیت روایتی یا تجزیاتی قواعد سے کم ہے اس لیے ابھی تک اس قسم کی کوئی مکمل قواعد دیکھنے میں نہیں آئی۔

بہر حال چامسکی کی کوششوں سے یہ فائدہ ہوا کہ لسانیات میں نحو اور جملے کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ چامسکی نے جملے کو فونیم مارفیم اور لفظ پر فوقیت دی۔

قواعد کی قسمیں

مندرجہ بالا بیان میں قواعد کی بعض قسموں مثلاً روایتی اسکولی قواعد، تجزیاتی لسانیات کی فقروی ترکیبی قواعد اور چامسکی کی تشکیلی قواعد کا ذکر کیا گیا۔ چونکہ قواعد عام طور سے صرف و نحو کو کہا جاتا ہے اس لیے ان دونوں کے مطالعے کے آخر میں قواعد کے مختلف مفہوموں اور قسموں پر غور کیا جاسکتا ہے۔

گرام کو یونانی میں Grammatika کہتے تھے۔ گراما کے معنی 'لکھنے' کے ہیں اور Tekhne کے معنی آرٹ یا فن۔ اس طرح گریماٹکے کے معنی 'لکھنے کا فن' ہیں، یہ 'تقریر کے فن' کی ضد ہے۔ اس سے لیٹن لفظ Grammatica بنا جس کے معنی 'تحریر کے قاعدوں کا مجموعہ' ہے۔ ان قواعد کے سب سے مشہور مدون Priscian اور Donatus ہیں۔ قرونِ وسطیٰ میں جب لیٹن سے رومانس زبانیں مثلاً فرنچ، اطالوی، اسپینی وغیرہ نکلیں تو انھیں اسکولوں میں باقاعدہ نہیں پڑھایا جاتا تھا۔ بچہ اسکول میں لیٹن کی گرامر پڑھ کر اس زبان کے قاعدے یاد کرتا جب کہ اپنی مادری زبان کو خود بخود سیکھ جاتا تھا۔ اس طرح قواعد کے معنی محض 'لیٹن کی قواعد' کے ہو گئے جب کہ اس وقت کی جدید زبانیں قواعد سے عاری سمجھی جاتی تھیں۔

سترھویں اٹھارویں صدی کے یورپ میں طبقاتی شعور بہت بیدار تھا۔ جو شخص اپنے طبقے سے اوپر اٹھنا چاہتا تھا وہ طاقتِ لسانی اور فصیح گوئی کا اکتساب کرتا تھا۔ اس عہد میں قواعد میں یہ بھی بتایا جاتا تھا کہ کون سے طریقِ اظہار ثقہ ہیں اور کون سے غیر ثقہ۔ اگر قواعد سماجی اقدار کا خیال کر کے ترکیبوں کو مستحسن اور مذموم قرار دینے لگے تو ایسی قواعد کو تعینی قواعد (Prescriptive grammer) کہتے ہیں مثلاً

انگریزی میں کہا جائے کہ nt مذ قواعد کے مطابق ہے 'ain't' غیر فصیح ہے اس لیے قواعد کے مطابق نہیں۔ اردو میں 'آپ کھائیے' کہنا صحیح ہے 'آپ کھاؤ' عوامی ہے جسے شرفا استعمال نہیں کرتے۔ 'کرنا' کا ماضی 'کیا' درست ہے جب کہ 'کرا' 'کری' کہنا دہقانی ہے۔ ذیل کی تمام ترکیبیں غیر ثقہ ہیں۔

مشکور، یگانگیت، سمجھ دار، لبِ سڑک، نہود

ترکیبوں کو ان کی ساخت کی بنا پر نہیں بلکہ سماجی پسندیدگی یا طبقاتی برتری و بدتری کی بنا پر مقبول یا مقہور قرار دینا تعینی قواعد کی کمزوری ہے۔

اٹھارویں انیسویں صدی میں کسی مخصوص زبان کے تاریخی ارتقا کا مطالعہ کرنے کا بہت رواج تھا مثلاً لیٹن کی ساخت اور اس سے نکلنے والی فرنچ کی ساخت کا مطالعہ۔ اس قسم کی قواعد کو تاریخی قواعد Historical grammer کہتے تھے۔

اکہرایک ماخذ سے پھوٹنے والی مختلف زبانوں اور بولیوں کے رویوں اور بناوٹ

کا تقابلی مطالعہ کیا جاتا تھا تو اسے تقابلی قواعد Comparative grammer
کہتے تھے۔

بیانی یا توضیحی قواعد (Discriptive grammer

بیسویں صدی میں قواعد میں روپ اور ان کے باہمی تعلقات پر زور دیا گیا اور انھیں معنی سے بے نیاز کرنے کی کوشش کی گئی۔ قواعد کا اصلی کام کسی زبان کی ساخت کا مطالعہ ٹھہرا۔ بلوم فیلڈ نے قواعد کی تعریف کی

The grammer of a Language is encludes a very complex set of habits (taxemes of selection) by which every form is assigned to a certain form-class and is used only in certain convention-al fuctions.

ایسی قواعد کو بیانی قواعد (Discriptive Grammer) کہتے ہیں گلیسن نے اس کی تعریف یوں کی ہے۔

Systematically organized set of statements about the constructional patterns that charactuise grammatical statements.

ان قواعدوں میں مختلف لسانی روپوں اور ان کے انسلاک کے طریقوں کا بیان کیا جاتا ہے۔ ان میں کوئی اخلاقی یا سماجی قدریں شامل نہیں ہوتیں۔ ان میں مفہوم کو بڑی اہمیت نہیں دی جاتی۔

بیانی قواعد کی ایک خاص قسم ترکیبی خاکہ (Stenctural sketch) ہوتی ہے۔ اس میں اختصار کے ساتھ ایک زبان کی ساخت کا بیان کر دیا جاتا ہے مثالیں بھی کم ہوتی ہیں اور تفصیل بھی کم۔ یہ ماہرین لسانیات کے لیے لکھی جاتی ہے اور انھیں کی اصطلاحوں میں ہوتی ہے۔ اس میں سو پچاس یا اس سے بھی کم صفحات ہوتے ہیں۔
اس کے مقابلے پر حوالے کی قواعد (Reference grammer) ہے

جو عام قاری کے لیے ہوتی ہے۔ یہ بھی تجزیاتی قواعد ہوتی ہے لیکن اس میں ہر بیان زیادہ سے زیادہ مفصل اور آزاد ہوتا ہے۔ یہ حوالے کے لیے ہوتی ہے۔ جس قاری کو جو حصہ دیکھنا ہو دیکھ لے اور سمجھ جائے اس میں مثالیں بھی بھرپور ہوتی ہیں۔

جدید لسانیات نے اس قسم کی قواعدوں کو بہت مقبول بنایا۔ اسکولی قواعدیں کسی حد تک بیانی اور کسی حد تک تعیّنی ہوتی ہیں یعنی دونوں کا ملغوبہ ہیں۔ جدید بیانی قواعد کے برخلاف وہ ساخت سے زیادہ معنی پر نظر رکھتی ہیں۔

گلیسن نے دو قسم کی قواعدوں کا ذکر کیا ہے۔

Sentence-interpeeting grammer ایسی قواعد ہے جو کسی زبان کے جملوں کا صحیح بیان کرے یعنی غیر زبان والے کی یہ رہبری کر سکے کہ جملے کی کونسی ترتیب و ترکیب صحیح ہے کون سی نہیں ہے۔ اہلِ زبان کی بات اور ہے غیر زبان والا روایتی قواعد کی مدد ہی سے صحیح جملے نہیں بنا سکتا۔

اور اگر کوئی قواعد ایسے قاعدے سکھائے جن کی مدد سے نئے جملے بنائے جا سکیں تو اسے Sentence-producing grammer کہیں گے۔ یہ قواعد بیانی قواعد سے زیادہ واضح اور مفصّل ہوتی ہے۔

قواعد کی یہ دونوں قسمیں محض نظریاتی ہیں کوئی بنیادی قسمیں نہیں۔ کوئی قواعد محض پہلی یا دوسری قسم کی نہیں ہوتی بلکہ ہر قواعد کسی حد تک مندرجہ بالا دونوں فائدے دیتی ہے۔ اسی طرح گلیسن نے قواعد کی ایک تیسری شکل کا تصور کیا ہے۔

قواعد عام طور سے جملے کی ساخت تک محدود ہوتی ہیں۔ جملے کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے کہ اس میں بات مکمّل ہو جاتی ہے لیکن در اصل ہر جملے میں بات مکمّل نہیں ہوتی۔ بسا اوقات یہ پہلے اور بعد کے جملوں سے متعلق ہوتا ہے مثلاً

*He is a good man does not satisfy me

یہ جملے مکمل ہیں لیکن ضمیر کا مرجع جب تک معلوم نہ ہو بات پوری کہاں ہوئی۔ جو قواعد جملے سے زیادہ کا جائزہ لے اسے فوقِ جملوی قواعد Supra sentence grammer کہہ سکتے ہیں۔

پہلی دو قسموں کی طرح یہ تیسری قسم بھی محض خیالی اور نظریاتی ہے۔ عملاً کوئی فرق جملوی قواعد دیکھنے میں نہیں آئی۔

اگر دو زبانوں کی جملہ تخلیق کرنے والی قواعدوں کو یک جاکر کے لکھا جائے تو اسے تضادی قواعد Contenstive یا تبادلی قواعد (Transfer grammer) کہتے ہیں۔ اس میں یہ دکھایا جاتا ہے کہ ایک زبان کے جملوں کے ساختی ڈھانچوں کے مقابلے میں دوسری زبان کے جملوں کی ساخت کس طرح کی ہوگی۔

قواعد کی آخری قابل ذکر شکل تشکیلی قواعد (Generative grammer) ہے جس کا چامسکی کے سلسلے میں ذکر کیا گیا۔ اس میں ایک جملے سے دوسرے جملے ماخوذ کرنے کے قواعد ہوتے ہیں۔ مکمل تشکیلی قواعد وہ ہوگی جس میں ایک زبان کے جملوں کے تمام بنیادی نمونوں اور ان سے ماخوذ ہونے والے تمام نمونوں کے تشکیلی قواعد درج ہوں گے۔

قواعد کا تعلق دراصل زبان کے نظریے سے ہے مختلف ماہرین لسانیات زبان کا جو نظریہ پیش کرتے ہیں اس میں قواعد کا بھی ایک نیا نظریہ نہفتہ ہوتا ہے۔

:-:-:-:-:-:-:-:-:-:-:-:-:-:-:-:-:-:

ساتواں باب

معنیات

لسانی مطالعے کی پانچ اہم شاخیں ہیں جن میں سے ایک معنیات (Semonties) ہے۔ اسے نواحی شعبہ کہا گیا ہے۔ 1839ء میں لے سنگ (heising) نے لاطینی فائلالوجی کی کتاب لکھی تو اسے قواعد کے علیحدہ شعبے کے طور پر پیش کیا لیکن اس کی اہمیت بیسویں صدی کے اوائل سے ہوئی ہے۔ ڈی ساسور کے دکورس سے معنیات کا نیا نقطۂ نظر وجود میں آیا۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں اس شعبے کو بہت سے نام دیے گئے۔ Semantics کے علاوہ Semotics، Sematalogy، Semology اور Semasiology اور اُن کی ہم معنی اصطلاحوں کو استعمال کیا گیا لیکن 1883ء میں مشہور ماہر معنیات بریل (Breal) کی اصطلاح Semantics کو مستند مان لیا گیا۔

دِقت یہ ہے کہ فلسفے اور منطق میں بھی معنیات (Semanties) نام کی ایک شاخ ہے۔ فلسفیانہ معنیات منطقی اثباتیت (Logical Positivism) کی شاخ ہے۔ 1922ء میں پولینڈ کے ایک منطقی نے فلسفیانہ معنیات کی اصطلاح استعمال کی اور 1935ء میں پیرس کی فلسفہ کانگریس نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ فلسفے کی معنیات میں علامت (sign) مرموز (signified) کے تعلق کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ فلسفے کے نظریۂ علامات کی ایک شاخ Syntactics ہے جس میں علامات کے باہمی باضابطہ رشتے کو دیکھا جاتا ہے۔ اسی کا مطالعہ زبانوں کے

منطقی نحو (Logical Syntex) میں کیا گیا۔ فلسفے نے زبان پر نظر کی تو معلوم ہوا کہ زبان کی کئی خصوصیات ایسی ہیں جو اسے غیر منطقی قرار دیتی ہیں مثلاً یہ یکساں اور باقاعدہ نہیں اس کو استحکام نہیں ہمیشہ تغیر پذیر رہتی ہے نیز اس کے عقلی عناصر میں جذباتی عوامل اس طرح گتھے رہتے ہیں کہ اُنھیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

گرے نے نطق کے عمل کے دو حصے کیے (1) میکانکی جس میں صوتیات اور مارفیمیات کو شامل کیا (2) نفسیاتی جس میں نحو اور معنیات کو جگہ دی۔ اس طرح لسانیات کی دو خاص شاخیں صوتیات اور معنیات ہو جاتی ہیں۔ اس تقسیم میں خرابی یہ ہے کہ مارفیمیات (صرف) اور نحو کو علیحدہ کر دیا گیا ہے حالانکہ ان کے ڈانڈے اس طرح ملے ہوئے بلکہ ایک دوسرے میں مدغم ہیں کہ ان کے بیچ خطِ تقسیم کھینچنا ممکن نہیں۔

بلوم فیلڈ کے وقت سے لسانیات نے زیادہ سے زیادہ روپ اور شکل سے تعلق رکھا ہے وہ حتی الامکان مفہوم سے کنارہ کشی کرتی ہے۔ بعض ماہرین لسانیات کو تو لفظ 'معنی' سے چڑ ہوگئی ہے۔ کیمبرج میں 1957ء میں پروفیسر ایلن (W.S. Allen) نے افتتاحیہ خطبہ دیا تو اس میں کہا کہ ماہرین (معنی) کو کتنا بھی کریہہ لفظ قرار دیں لیکن اس میں شک نہیں کہ ہر ماہر لسانیات معنی کے تصور سے کام لیتا ہے گو وہ اعتراف نہ کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ معنی کے بغیر لسانیات زندہ ہی نہیں رہ سکتی۔

فونیم کا تصور معنی کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ معلوم نہیں کہ یہ ایک احساس کمتری تو نہیں کہ اہل لسانیات اپنے علم کو سائنس بنانے پر فخر کرتے ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ لسانیات کو زیادہ سے زیادہ ریاضی جیسا بنا دیا جائے۔ تجزیاتی مطالعہ صوتیات اور مارفیمیات ہی میں ممکن ہے۔ اس لیے تجزیات کے رسیا اُنھیں شاخوں میں کھوئے رہتے ہیں۔ معنیات میں تجزیے اور ریاضی کی گنجائش نہیں۔

جدید لسانیات کے بانی ڈی ساسور نے لسانی مطالعے کی دو قسمیں کیں (1) ہم عصری (Synchronic) (2) عصریاتی (Diachronic) ہم عصری مطالعہ تجزیاتی یا بیانی ہوتا ہے۔ عصریاتی مطالعہ تاریخی ہوتا ہے۔ معنیات کی بھی یہ دو شاخیں کی گئی ہیں (1) بیانی معنیات (2) تاریخی معنیات۔ موجودہ باب بیانی معنیات سے متعلق ہے۔ تاریخی معنیات معنوی تغیر کے مطالعے کو کہتے ہیں۔ اس موضوع کو لسانی تبدیلی کے سلسلے

میں دیکھا جائے گا۔ فی الوقت معنیات کے یک عصری یعنی ہم عصری رخ تک محدود رہے۔
معنیات کے نقطۂ نظر سے مسلسل کلام کو جن اکائیوں میں بانٹا جاتا ہے وہ مارفیم نہیں الفاظ ہیں۔ لفظ کی متعدد تعریفیں کی گئی ہیں۔ اس اصطلاح میں اس قدر ابہام ہے کہ بہتوں نے لفظ کو اصطلاح کے طور پر قبول کرنے سے انکار کیا ہے لیکن معنیات میں لفظ کو اکائی ماننا ہی سب سے زیادہ عملی اقدام ہے۔ لفظ کے مطالعے کو علم اللغات یا لغاتیات (Lexicology) کہتے ہیں۔ لغاتیات کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ا لفظ کی ساخت کا تجزیہ کرنا یعنی لغاتی مارفیمیات ب لفظ کے معنی بیان کرنا یعنی لغاتی معنیات۔ اس طرح معنیات کا لغاتیات سے گہرا تعلق ہے۔ معنیات کہنے سے زیادہ تر لغاتی معنیات (Lexical semantics) مراد لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ نحوی معنیات (Syntactic semantics) بھی ہوتی ہے جس میں جملے کے اجزا، لفظوں کی ترتیب، روپ گروہ صورت، حالت، مطابقت (Concord)، متابعت وغیرہ کے معنوی عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ ان ترکیبوں سے جو مفہوم ادا ہوتا ہے اُسے ارتباطی معنی (Relational meaning) کہتے ہیں۔

جملے میں بعض الفاظ بھی اسی نوع کا کام انجام دیتے ہیں جیسا مندرجہ بالا نحوی طریقے یعنی بعض الفاظ محض امدادی ہوتے ہیں مثلاً انگریزی کے Practical حروفِ جار کے، سے، حروف شرط و جزا مثلاً اگر، تب، تو وغیرہ۔ بآسانی لفظوں کو دو حصوں میں بانٹا جاسکتا ہے۔

1۔ خاص لفظ (Antosemantic یا Principal)۔ یہ خاص معنی کے حامل ہوتے ہیں۔ ان میں اسم اور فعل وغیرہ ہوتے ہیں۔

2۔ معاون یا امدادی لفظ (Synxmantic یا Accessory)
ان میں حروفِ جار، شرط وغیرہ امدادی افعال اور بعض ضمیر ہوتے ہیں۔ صفت کو حسبِ موقع کسی گروہ میں رکھا جاسکتا ہے۔ یہی حال تمیز کا ہے۔

خاص الفاظ لغاتی معنیات کا کام دیتے ہیں دوسرے الفاظ نحوی معنیات کا۔ اردو میں یہ فرق اس لیے قابلِ ذکر ہے کہ یہاں پہلی قسم کے الفاظ اکثر عربی فارسی کے ہوتے ہیں اور دوسرے الفاظ ہندی کے۔

معنیات میں زیادہ تر لغاتی معنی سے سروکار ہوتا ہے جس کے لیے لفظ اکائی کا کام دیتا ہے۔ لفظ کی اہمیت کا کوئی ٹھکانہ ہے۔ بائبل کی ابتدا میں سینٹ جون نے کہا ہے۔
In the beginning was the word, and the word was with good, and the word was good.

گفتگو کے علاوہ تحریر سے ہم سب کو لفظوں کی آزاد اور جدا حیثیت کا شعور نیز ہوتا ہے۔ لیکن کئی ایسے عوامل ہیں جو لفظ کی آزاد و خود مختار حیثیت پر حملہ کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

۱۔ سندھی:۔ اس کی وجہ سے دو لفظوں کی حدود گڈمڈ ہو جاتی ہیں مثلاً فرنچ میں اگر ایک لفظ مصمتے پر ختم ہو اور اس کے بعد کا لفظ مصوتے سے شروع ہو تو دونوں کو ملا کر بولتے ہیں مثلاً 'dans' کا تلفظ 'داں' ہے لیکن Dans un grand batiment میں ابتدائی الفاظ کا تلفظ 'داں زاں' ہو جاتا ہے۔ اس کی انتہائی مثال شمولی زبانوں میں ہے جہاں ہر لفظ کا ایک ایک جزو لے کر ملا دیا جاتا ہے۔

۲۔ لفظی بَل کا جملوی بَل سے تبدیل ہو جانا لفظ کی آزاد حیثیت کا دوسرا دشمن ہے۔ بعض زبانوں میں بل با معنی ہوتا ہے بعض میں غیر اہم لیکن سب میں جملے میں استعمال سے بعض لفظوں کا بَل بدل جاتا ہے۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سُر لہر لفظ کی وحدت کو ختم کر کے جملے کے گلدستے میں باندھ دیتی ہے۔

۳۔ لفظی آزادی کو ان سے زیادہ نحیف کرنے والا سیاقِ کلام ہے۔ فلسفے اور معنیات دونوں میں سیاق کا نظریہ (Contexd Theory) بہت اہم ہے۔ جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے بعض شخصوں نے معنی کی تعریف ہی سیاق کی بنا پر کی ہے۔ سیاق کی دو قسموں ہیں جو ڈی ساسور کی زبان کی دو قسموں یعنی زبان (Langue) اور بات چیت (Parole) سے متعلق ہیں۔

ل۔ زبان کا سیاق وہ ہے جس کے تحت بعض الفاظ فطرۃً ایسے ہیں کہ اُن کے معنی دوسرے الفاظ کے سیاق کے بغیر بیان ہی نہیں کیے جا سکتے۔ مثلاً فلاں۔ بہتر۔ افضل۔

کے، کہ، بالا، Last 'so-and-so

ب۔ بات چیت کا سیاق اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ انگریزی لفظ man بالمقابل جانور کہیں زیادہ اہم معنی رکھتا ہے بہ نسبت man بالمقابل woman کے۔ ذیل کے جملوں میں نظر کے مختلف معنی دیکھیے۔

1- رات کو پڑھنے سے نظر کمزور ہو جاتی ہے۔
2- ع - میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک۔
3- ع - خرد کے پاس نظر کے سوا کچھ اور نہیں۔
4- اہلِ نظر معاشی انصاف کے معنی سمجھ سکتے ہیں۔
5- افسوس نظریں!
6- عرشی صاحب غالبیات میں اچھی نظر رکھتے ہیں۔
7- ع - نظر لگے نہ کہیں اس کے دست بازو کو۔

ان جملوں اور مصرعوں میں سیاق تقریر کی وجہ سے نظر کے مختلف معنی متعین ہوتے ہیں۔ گویا سیاق معنی کا پورا سلسلہ قائم کر دیتا ہے۔ سیاق ہی لفظ کے معنی کا جذباتی لباس وضع کرتا ہے۔ جذباتی رُخ معنی میں خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ ہم ایک شخص کو پیار اور نرمی سے کہیں کہ 'یہاں سے جاؤ'، دوسرے کو تلخی سے چلا کر کہیں 'یہاں سے جاؤ'، تو دونوں میں معنی میں کمی بیشی ہوگی۔ سیاق کے بغیر مفرد لفظ کے معنی محض نظریاتی ہوتے ہیں۔ لسانیات میں اسی لیے لفظ پر جملے کو فوقیت ہے چنانچہ بعض نے آزاد روپ کی تعریف ہی یہ کی ہے کہ جو جملے کے طور پر استعمال ہو سکے۔

"معنی" کے کیا معنی ہیں۔ G.K. Ogden اور I.A. Richards نے 1923ء کے قریب Meaning of meaning نام کی کتاب لکھی جس میں معنی کی متعدد تعریفیں درج تھیں اور مختلف نقطہ ہائے نظر سے اس مسئلے پر غور کیا گیا تھا۔ ہم یہاں صرف دو تین مصنفوں کی تعریفوں کو درج کریں گے۔

اوپر معنی کے سلسلے میں سیاق کی اہمیت کا ذکر کیا گیا تھا۔ تاریخی لسانیات کے عالم لیہ مان نے معنی کی یہ تعریف دی ہے۔[1]

1 Lehmann :- Historical Linguistics, Calcutta 1966 P.196

The meaning of a word is the sum total of contexts in which it appears

لفظ کا سیاق لفظ کے معنی سے وسیع تر ہوتا ہے اس لیے معنی سیاقوں کے مجموعے کے مترادف نہیں۔ یہاں لیسہ مان نے دراصل یہ کہنا چاہا ہے۔

The meaning of a word is the sum total of senses in various contexts in which it appears

بلوم فیلڈ تجزیاتی ہے۔ وہ مفہوم کے لفظ سے بچ کر معنی کی تعریف کرنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا ہے[1]

Meaning of a linguistic form as the situation in which the speaker utters it and the response which it calls forth in the leave

اردو میں اسے یوں کہیں گے

"ایک لسانی روپ کا معنی وہ صورتِ حال ہے جس میں قائل اسے بولتا ہے اور وہ تاثر ہے جو سامع میں پیدا ہوتا ہے"

لیسہ مان نے 'سیاق' کا لفظ کہا تھا بلوم فیلڈ نے تقریباً اسی معنی میں صورتِ حال کہا لیکن اس نے متکلم ہی پر قناعت نہیں کی اس نے سامع کے تاثر بھی حصار میں لیا۔ چونکہ لفظ کلام سے الگ منتشر اور مفرد بھی بولا جاسکتا ہے اس لیے وہاں کوئی صورتِ حال کہاں ہوئی مثلاً ہم ایک لفظ کہیں 'سیب' تو اس سے کچھ نہ معلوم ہوا کہ سیب کے بارے میں کیا کہنا مقصود ہے۔ لیکن اس مفرد لفظ کے بھی معنی ہیں اس لیے رابرٹ ہال نے بلوم فیلڈ کی تعریف کو قدرے بدل کر کہا[2]

---

[1] بلوم فیلڈ: ص 139

[2] Hall :- Introductory linguistics P228

The meaning of any linguistic form is the situations in respect to which it is used.

"ایک لسانی روپ کے معنی وہ صورتِ حال ہیں جن سے متعلق وہ روپ استعمال کیا جاتا ہے۔"

'صورتِ حال ہیں' کی بجائے 'صورتِ حال سے متعلق' کہنے کا مقصد یہی ہے کہ گو لفظ کو مفرد طور پر بولتے وقت کوئی صورت حال نہ ہو لیکن وہ تمام صورتیں جن میں اس کا امکانی استعمال ہو سکتا ہے مل کر اس روپ کے معنی کی تشکیل کرتی ہیں۔

مندرجہ بالا تعریف تجزیاتی لسانیات والوں کی ہے میکانکی ہے۔ ماہر نفسیات نے ذہنی عمل کی طرف اشارہ کر کے کہا

Meaning of a linguistic form is the characteristic mental event which occurs in every speaker and hearer in connection with the utterance or hearing of the linguistic form.

اس تعریف میں خیال کے اس عمل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو قائل کے ذہن میں بولنے سے پہلے اور سامع کے ذہن میں سننے کے بعد ہوتا ہے۔ اس طرح یہاں صرف تصوری رُخ پر زور دیا گیا ہے حالانکہ معنی کی تعریف میں ہیئت و مواد، صوت و مفہوم دونوں پر برابر برابر زور دینا چاہیے۔ معنی کی تعریف خواہ اہل منطق کریں خواہ اہلِ فلسفہ یا اہلِ نفسیات، خواہ ماہر معنیات کریں یا طالب علم ادب دو پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھنا ہے طبعی اور نفسیاتی۔ طبعی پہلو کی نمائندگی صوت، علامت یا نام سے ہوتی ہے نفسیاتی پہلو کی معنی، مرموز یا مفہوم سے۔ کچھ بھی کہیے اور کوئی بھی اصطلاح استعمال

---

[1] بلوم فیلڈ، ص 142

کیجیے۔ یہی دو رُخ ہیں صوت و معنی یا علامت و مرموز یا نطق و تصور۔ لگے ہاتھوں ہم یہ دیکھتے چلیں کہ مفہوم کی ترسیل غیر لسانی طریقوں سے بھی ہو سکتی ہے لیکن اس قدر قطعیت سے نہیں ترسیلِ معنی کے غیر لسانی اعمال کو مدارج کے اعتبار سے یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

1۔ غیر لسانی غیر صوتی افعال یعنی اشارے مثلاً کسی کے ہاتھ میں کوئی چیز دینا کھانے کی تھالی زمین پر پٹک دینا، ہاتھ دبانا یا مصافحہ کرنا یا نوچ لینا۔ ان سب میں کوئی معنی ہوتے ہیں۔

2۔ غیر لسانی غیر نطقی آوازیں مثلاً تالیاں بجانا۔ سیٹی بجانا۔ ان کے معنی پہلی مشق کے مقابلے میں واضح تر ہوتے ہیں لیکن اتنے کہاں جتنے الفاظ ہوتے ہیں۔ کسی کی غزل یا تقریر سن کر سامعین کا بار بار تالی بجانا کبھی تحسین کا اظہار کرتا ہے کبھی تضحیک کا۔ اس میں مفہوم کی عدم وضاحت اس سے ظاہر ہے کہ بعض اوقات سامعین تضحیک کے طور پر تالیاں بجاتے ہیں اور شاعر یا مقرر اسے تحسین سمجھ بیٹھتا ہے۔

3۔ غیر لسانی نطقی آوازیں۔ یہ وہ آوازیں ہیں جو اعضائے نطق سے پیدا ہوتی ہیں لیکن لسانی نہیں مثلاً ہنسنا، رونا، کھانسنا۔ ان میں بھی کچھ معنی ہوتے ہیں۔ کھانسنا اکثر بے معنی ہوتا ہے لیکن بعض اوقات معنی خیز بھی ہو سکتا ہے مثلاً سڑک پر چلتی ہوئی کسی نورس لڑکی کو دیکھ کر تماش بین کا کھانسنا، کسی کو گپ ہانکتے دیکھ کر کھانسنا، اگلے وقتوں میں پردہ دار گھرانے کے اندر بزرگ مردوں کا کھانس کر داخل ہونا تاکہ بہوئیں گھونگھٹ نکال لیں۔

4۔ لسانی تکلم کا غیر لسانی وصف جو قائل کی جذباتی حالت کی نمائندگی کرے۔ ایک ہی لفظ یا بات کو پیار، غصہ، التجا، اصرار، تحکم کے لہجے میں کہا جاسکتا ہے اور اس کے معنی مختلف ہو جاتے ہیں۔ تان (Tone) والی زبانوں میں ایک لفظ کو مختلف لہجوں سے ادا کر کے اس کے مختلف معنی لیے جاتے ہیں لیکن ہماری بغیر تان دار زبان میں بھی کلام کا جذباتی لہجہ اس کے معنی میں ترمیم کر دیتا ہے مثلاً

1۔ یہاں سے چلے جاؤ	(التجا کے لہجے میں)
2۔ یہاں سے چلے جاؤ	(روتے ہوئے کہنا جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر سامع نہیں گیا تو قائل پر شدید جذباتی بار ہوگا)
3۔ یہاں سے چلے جاؤ	(تحکم کے لہجے میں)

4 یہاں سے چلے جاؤ

(غصے میں چیخ کر کہنا مثلاً 'یہاں سے چلے[5] جاؤ[4] !' کی سر لہر میں جس کے معنی ہیں یہ کہ اگر سامع نہیں گیا تو قائل اس کا سر توڑ دے گا یا اُسے دھکے دے کر نکال دے گا۔)

ان سب طریقوں میں معنی کی اتنی صریح قطعیت نہیں جو لسانی صوتی الفاظ میں ہے۔ ہم جذبے کو وارد کیے بغیر محض الفاظ کے سہارے صحیح صورتِ حال یوں بیان کر سکتے ہیں۔

1۔ سامعین نے شاعر صاحب کو اکھاڑنے کے لیے بار بار تالیاں بجائیں۔

2۔ اس نے رو رو کر التماس کیا کہ 'یہاں سے چلے جاؤ'۔

3۔ وہ غصے میں چیخ کر پکارا 'یہاں سے چلے جاؤ'۔

اس طرح صوتی علامتوں کی مدد سے جذبے کا بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔ صوت و معنی کے تعلق کو ہم ایک وسیع تر بحث کے جزو کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

ترسیلِ معنی کا تجزیہ کیا جائے تو ہمیں ایک طرف تو قائل اور سامع کی ثنویت دکھائی دیتی ہے، دوسری طرف علامت کے دو رخوں کی ثنویت۔ لسانی علامت کا ایک رُخ خارجی ہے یعنی صوتی دوسرا داخلی رُخ ہے جسے انگریزی میں Signified اور اردو میں مرموز کہہ سکتے ہیں۔ علامت و مرموز کا دو طرفہ تعلق معنیات کا مرکزی موضوع ہے۔ اب ایک اہم سوال کو لیجیے۔

کیا لسانی علامت خارجی دنیا کی محولہ شے (Referent) کو ظاہر کرتی ہے یا اُن اشیا کے ذہنی عکس یا محولہ تصور (Reference) کو؟

افلاطون کے اعیان مشہود کا سا معاملہ ہے۔ ہم جب لفظ 'سیب' کہتے ہیں تو ہمارا مطلب کسی خاص سائز، رنگ، بو اور ذائقہ والا سیب یعنی سیب کے خاص دانے کا نہیں ہوتا بلکہ ہمارے ذہن میں سیب کا جو تصور ہے وہ ہوتا ہے۔ اگر ہم کسی مخصوص شے کی طرف اشارہ کریں۔

'تمہارا قلم کہاں ہے؟'

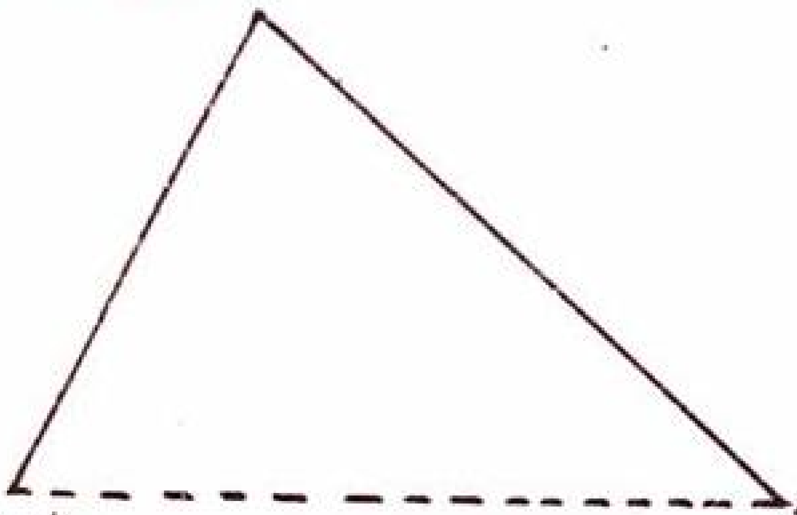
تو بھی بہت ممکن ہے کہ ہمارا 'قلم' کا تصور سو فی صدی اس قلم جیسا نہ ہو۔ تصور تو در کنار ایک ہی چیز کسی وقت میں ایک ہیئت کی دکھائی دیتی ہے کسی میں دوسری ہیئت کی۔ یعنی

معمولی سا فرق ہو جاتا ہے۔ اس لیے حقیقت یہ ہے کہ صوتی علامت سے مراد اس شے کا وہ تصور ہوتا ہے جو ہمارے ذہن میں ابھرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی صوتی علامت سے مختلف لوگ تھوڑا تھوڑا مختلف تصور پیدا کر سکتے ہیں۔ ساسور نے لسانی علامت کے دو ضلعے قرار دیے تھے۔

ا۔ علامت کار (Signifiant) یعنی صوتی علامت اور

ب۔ مرموز (Signifie)۔

آگڈن اور رچرڈ نے اپنی کتاب "معنی کے معنی" میں اسے مثلث کی شکل میں پیش کیا۔



لسانی علامت محولہ تصور کو ظاہر کرتی ہے۔ اُلمان نے محولہ تصور اور محولہ شے کے جھگڑے سے بچنے کے لیے دو سیدھے سادے لفظ تجویز کیے نام (Name) اور مفہوم (Sense)۔ نام سے مراد علامت ہے اور مفہوم سے مراد علامت کا مرموز تصور۔ اب وہ معنی کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے[1]

Meaning is a reciprocal relation between name and sense which enable them to call up one another

---

[1] Ulmam:- The principal of semantics P.70-

"معنی نام اور مفہوم کا آپسی تعلق ہے جس کے باعث وہ ایک دوسرے کو سامنے لا سکتے ہیں۔"
مجھے یہ تعریف گول معلوم ہوتی ہے۔ 'معنی' کی تعریف 'مفہوم' کی مدد سے کی جائے تو 'مفہوم' کیا ہے۔ میرے نزدیک معنی (Meaning)، علامت و رموز کا باہمی تعلق نہیں خود رموز ہی ہے۔ نفسیات اور ساسوری لسانیات معنی کو تصور یا رموز کے ذریعے ادا کرتی ہے۔ المان کی تعریف میں 'مفہوم' کو ایک مفروضہ مان کر معنی کی تعریف کی گئی ہے۔
دراصل meaning ہی sense ہے۔

علامت کہیے کہ نام۔ رموز کہیے کہ تصور کہ مفہوم بات ایک ہی ہے ع ہم سمجھے ہوئے ہیں اسے جس بھیس میں وہ آئے۔ ہمیں اب صوتی علامت اور ذہنی تصور یا نام و مفہوم کے تعلق کا جائزہ لینا ہے ان کی نوعیت دیکھنی ہے۔ اسے سوال و جواب کے انداز میں دیکھا جائے۔

سوال:۔ کیا کوئی لازمی وجہ ہے کہ اردو میں ایک صوتی علامت یا لفظ 'پیڑ' ہو؟

جواب:۔ وجہ ہے کہ خارج میں ایک شے ایسی ہوتی ہے جسے ہم بچپن سے دیکھتے آئے ہیں۔ اسے کوئی نام دینا تھا۔ یہ نام 'پیڑ' ہے۔

سوال:۔ کیا کوئی ضروری وجہ ہے کہ یہ نام 'پیڑ' کی صوتی ہیئت کا ہو کسی دوسری صوتی ہیئت کا نہیں؟

جواب:۔ کوئی وجہ نہیں۔ یہ نام کچھ بھی ہو سکتا ہے چنانچہ درخت، شجر بھی اسی شے کو ظاہر کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نام یا صوتی علامت من مانی (Arbitrary) ہوتی ہے۔ ایک نام رکھ دیا گیا وہ روایتاً جاری ہو گیا اور چپک گیا اس لیے اُلمان نے روایتی ہونا نام کی خصوصیت ظاہر کی ہے۔ اس سے اُس کی مراد نام کا من مانا ہونا ہے۔ اب ایک اور سوال دیکھیے۔

سوال:۔ کیا کوئی وجہ ہے کہ چھینک، رات کی رانی، کٹھ بھڑوا کو اُن صوتی ہیئتوں سے پکارا جائے۔

جواب:۔ وجہ ہے۔ چھینک میں جو صوتی تاثر ہوتا ہے اس کے نام میں وہی بھرا ہوا ہے۔ رات کی رانی کو اس لیے رات کی رانی کہا گیا کہ یہ رات کو خوشبو دیتی ہے۔ کٹھ بھڑوا یا رہبریا forget-me-not اپنے مارفیمی اجزا کی وجہ

سے موسوم کیے گئے ہیں۔

اس طرح معلوم ہوا کہ بیشتر نام یا صوتی علامات من مانے ہیں۔ اُن کے یہ نام روایتاً چلے آرہے ہیں لیکن کچھ نام یا صوتی علامات ایسی ہیں جن کے پیچھے کوئی مقصد یا غایت پوشیدہ ہے یہ دونوں رشتے ایک دوسرے کے حریف ہیں۔ مختلف ادوار میں صوت و معنی کے تعلق پر غور کیا گیا جس سے دو نظریے سامنے آئے۔

1۔ پہلے نظریے کے مطابق لفظ کی صورت اور اس کے معنی میں کوئی فطری مناسبت ہے۔ ضمیمے میں زبان کے آغاز کے نظریوں کے سلسلے میں فطری نظریے کو دیکھیے۔ فیثا غورث (چھٹی صدی ق م) ہیرا کلے ٹوس (Herakleitos 576 ق م تا 480 ق م) اور افلاطون اس نظریے کے حامی ہیں۔ افلاطون کے مطابق فطرت نے کسی جبلی ضرورت کے تحت زبان کو جنم دیا چنانچہ اشیا اور اُن کے ناموں میں کوئی فطری تعلق ہوتا ہے۔ یونانیوں کے علاوہ ہندوستانی، یونانی، لاطینی اور عرب ماہرین لسانیات بھی صوت علامی (Sound symbolism) میں عقیدہ رکھتے تھے۔ شاکتائین[1]

Farrar:- Pincott, Wancourt, Paget, Humboldt –

اور ہلڈر کا عقیدہ تھا کہ زبان جذبات کے اظہار کی خاطر وجود میں آئی۔ اس طرح اس کی بنیادی حیثیت ترسیلی نہیں فجائی تھی۔ اس وجہ سے یہ صوت علامیہ تھی یعنی صوت کا مفہوم سے قریبی اور واضح تعلق تھا۔ اصلاً الفاظ صوت کی نقل تھے لیکن بعد میں اُن کے ارتقا نے اس خصوصیت کو پوشیدہ اور مسخ کر دیا۔ عباد بن سلیمان ضیمری کا خیال ہے کہ الفاظ اپنی آواز کے وسیلے سے معنی ادا کرتے ہیں۔

صوت علامی کے نادان وکیل یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر دو ایک آوازوں کے مجموعوں (مثلاً کٹ، بر، ٹن) کے ایک زبان میں کچھ مخصوص معنی ہیں تو دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی تقریباً ویسے ہی معنی ہوں گے لیکن اُن کا یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ فجائی آوازیں ہوں کہ حیوانات کی آوازیں مختلف زبانوں میں اُن کی لسانی بندش مختلف ہوئی ہے مثلاً مرغ کی بانگ کو اردو میں ککڑوں کوں، انگریزی میں Cock-a-doodle-doo جرمن میں

---

[1] Herdev Bahri :- Hindi Semantics P 4

"کیکرے کی" اور فرنچ میں "کوکے لی کو" کہا گیا۔ مختلف زبانوں میں کوّے کا نام اس کی صوت کی نقل پر رکھا گیا ہے لیکن اس میں کتنا اختلاف ہے۔ ویدک سنسکرت میں کرّ کواک، سنسکرت میں کاک، ہندی میں کوّا، فارسی میں کلاغ اور زاغ، انگریزی میں کرو (crow)۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ بسا اوقات ایک مفہوم کو ایک زبان میں صوت نقل (onomotopoaeis) لفظ سے ادا کرتے ہیں تو دوسری زبان میں سادہ غیر صوت نقل لفظ سے مثلاً

اردو —— چٹ پٹا۔ انگریزی Pungent

اردو —— چُور چُور کرنا انگریزی smash

۲۔ دوسرے نظریے کو بہت زیادہ ماہرین لسانیات کی تائید حاصل ہے ان میں جدید ماہرین لسانیات کے وقیع نام شامل ہیں مثلاً وھٹنے، ٹکر، Sayee اگرے، وانڈریز، ڈی ساسور وغیرہ۔ ان کے مطابق صوت نقل الفاظ کے استثنا کے ساتھ صوت اور معنی میں کوئی تعلق نہیں۔ ان کا تعلق محض من مانا ہے۔ اگر صوت سے معنی ظاہر ہوتے تو ہمیں نئے لفظوں کے معنی کیوں یاد کرنے پڑتے؟ لغت کی کیا ضرورت تھی؟ ایک مفہوم کے لیے مختلف زبانوں میں مختلف معنی کیوں ہوتے ہیں؟ مشہور فلسفی لاک (Locke)[1] نے کہا ہے کہ صوت اور تصور میں کوئی مخصوص تعلق نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو تمام بنی نوع انسان کی ایک ہی زبان ہوتی۔

اس نظریے کے زیادہ کٹر وکیل تو صوت نقل الفاظ کو بھی مستثنیٰ کرنے کو تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان الفاظ میں صوت کی مفہوم سے مطابقت محض اتفاقی ہے اور بار بار دہرائے جانے سے یہ مستحکم ہو گئی ہے۔ یسپرسن جو زبان کے نغماتی نظریے کا موجد ہے کہتا ہے کہ یہ کہنا کہ 'زبان کے تمام الفاظ کی صوت اُن کے معنی کے مطابق ہے' لغو ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ صوت علامتی کو بالکل لغو کہہ دینا بھی قابل قبول نہیں۔

ڈی ساسور نے دونوں نظریوں میں مفاہمت کرتے ہوئے کہا کہ گو لفظ کے صوت و معنی میں کوئی جبلی تعلق نہیں لیکن صدیوں کے استعمال سے یہ فطری ہو گیا ہے۔ بولنے والا غیر شعوری طور پر اپنے ماحول سے کسی تصور کے لیے مخصوص مجموعۂ اصوات سیکھتا ہے ایسا مجموعۂ اصوات

---

[1] Locke :- Essay on Human understanding Book III
Dr. Hardes Bahri :- Hindi Semanties P-4

جو صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ اس لیے صوت و معنی کا تعلق ایک حد تک من مانا ہے تو ایک حد تک فطری۔

حقیقت وہی ہے جو ہم نے ان نظریوں سے پہلے درج کی کہ زبان میں بیشتر صوتی علامات یعنی الفاظ من مانے ہیں لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جن کی صوت معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ انگریزی اور اردو ہندی میں صوت نقل الفاظ کی قابل قدر تعداد ہے۔ ان کی نوعیت پر مزید غور کرنے کی ضرورت ہے۔

صوت علامی Sound Symbolisim

بعض ماہرین لسانیات نے صوت علامی کو اس انتہا تک پہنچا دیا ہے کہ مفرد آوازوں یا دو تین آوازوں کے مجموعوں میں بھی کچھ معنی بھر دیے ہیں۔ بلوم فیلڈ کے یہاں سے کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

[Fl] moving light: flash, flare, flame, flicker

[Fl] movement in air: Fly, Flap, Flitter

لیکن Flaunt, flose, flower, flaw, flist

وغیرہ کو کس زمرے میں رکھیں گے؟

[gl] unmoving light: glow, glare, gloom, gloat

لیکن glide, glee, gland, glass, gladiator, glad, glutton, glove میں تو کوئی ٹھہری روشنی نہیں۔

[b] dull impact: bang, bash, bounce, bump, bat

لیکن bear, back, bar, bake, boast, burn

Bloomfield: Language P 245

وغیرہ میں ایسا مفہوم نہیں۔)

[-ɛ̃tə] Particled movement: batter, clatter chatter, shatter, scatter

ان الفاظ کا آخری مصمتہ ساکن ہے اس لیے اُن کا تلفظ اَے ٹے پر ختم ہوتا ہے۔ان کے برعکس ہمیں dater, better, matter جیسے الفاظ ملتے ہیں جن میں یہ معنی نہیں۔

ڈاکٹر ہر دیو باہری نے اپنی کتاب ہندی معنیات میں ہندوستانی مصمتوں اور مصوتوں کے معنی مقرر کیے ہیں اور اُن کی بہت سی مثالیں دی ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی مثالیں اس مفہوم کو ادا نہیں کرتیں جو اس آواز سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ اور اُن سے کہیں زیادہ مثالیں ایسی مل جائیں گی جن میں اُس آواز کے ہوتے ہوئے بھی کچھ مختلف معنی ہیں۔ملاحظہ ہو۔

کھ = کھوکھلاپن : کھوکھلا، کھونا، کھرونچ، کھال، کھیل، کھجور، کھوٹا، کھودنا، کھنڈر، کھپنا۔

ان مثالوں میں کم از کم کھونا، کھوٹا، کھجور، کھرونچ میں کوئی کھوکھلاپن نہیں دکھائی دیتا۔

ڈاکٹر باہری کے مطابق کچھ اور آوازوں کے مبینہ مفہوم بغیر مثالوں کے درج کیے جاتے ہیں۔

گھ = رگڑ یا بھیڑ بھاڑ اور گڑبڑ۔ چھ = کاٹنا یا ڈھکنا۔ جھ = یکایک۔ ٹھ = بدبختی اور تشدد۔ تھ = پناہ ۔ دھ = ملکیت۔ ٹ = جھگڑا ۔ ر اور ل = نازک جذبہ۔ س = ساتھ میں جنبش کرنا۔ و اور ب = گولائی ۔ چ = چھوٹا پن ۔ ج = پیدا ہونا ، ظاہر ہونا۔

مجھے کہنے کی اجازت دیجیے کہ یہ محض لغو ہے۔ اگر ڈاکٹر باہری ایک آواز کے مخصوص مفہوم کی دس مثالیں دے سکتے ہیں تو اس سے مختلف مفہوم کی پچاس مثالیں مل جائیں گی۔ ذیل میں اس قسم کی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں جن میں ڈاکٹر موصوف کے مبینہ مفہوم کا پتہ نہیں۔

گھر، گھنسا، گھاس۔ چھونا، چھاننا، چھ، چھم چھم۔ جھاڑی، جھوٹ، جھاڑو۔ ٹھری، ٹھمک ٹھمک، ٹھنڈا، ٹھاکر۔ تھرانا، تھوک، تھان۔ دھار، دھان، دھاوا۔ ٹکڑا، ٹیڑھا، ٹالم ٹول۔ رستا، رگڑ، رٹنا۔ لکڑ، لٹکنا، لوٹنا۔ سونا، سوٹا، سچا۔ واری، ودھوا، وید، ویدا، وشنو۔ برچھی، بچھو، بڈھا۔ چیتو، چکر، چاچا، چیتھا۔ جان پہچان، جالی، جنتھا، جگالی، جلنا۔

مفرد آوازوں میں معنی بسا کر سنسکرت علما نے بال کی کھال نکالی ہے۔ اپنشد، براہمن او ر پتنجلی کے یوگ شاستر وغیرہ میں لفظوں کے حروف کے پُراسرار معنی لکھے گئے ہیں یہ سب غیر سائنسی انداز فکر ہے۔ بنیادی اور خالص مصوتے بیس پچیس ہوتے ہیں۔ کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان کے بنیادی جذبات و تصورات محض بیس پچیس ہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہت سے ابتدائی مادّے شاید صوت نقل رہے ہوں گے جن سے مشتق الفاظ میں وہ کیفیت باقی نہیں رہی۔ لیکن ایسا دعویٰ کرنے سے قبل زبان کے آغاز کا یہ نظریہ ماننا ہوگا کہ ابتدا میں کچھ فعلی مادّے بنے اور ان سے اسم پیدا ہوئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو ہندی میں متعدد صوت علامی الفاظ ہیں لیکن یہ ہزاروں سال قدیم نہیں بلکہ کھڑی بولی میں اُبھرے ہیں۔ سنسکرت میں اُن کی اصل بسا اوقات صوت علامی نہ تھی۔

صوت علامی محض جانداروں یا بے جان اشیا کی آواز تک محدود نہیں ہوتی بلکہ کبھی کبھی بصری بھی ہوتی ہے مثلاً جگ مگ، جھلملانا۔ چکا چوندھ۔ انگریزی میں

Zig Zag، dazzle

کمال یہ ہے کہ اردو میں ایسے صوت علامی لفظ بھی ہیں جن کے معنی میں صوت کا کوئی عنصر نہیں ہوتا لیکن وہ کسی تصوّر، وصف یا ذائقے کو ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری حِس فوراً پہچان لیتی ہے کہ یہ الفاظ صوت علامی ہیں۔ چند مثالیں۔

بھینی (خوشبو)۔ پھُس پھُسا۔ کچا کچ۔ چپچپا۔ کرکرا۔ اوبڑ کھابڑ۔ بکبکا (کڑوا)۔ جھینا (باریک کمزور کپڑا)۔

ذہنی حالت کی مزید مثالیں ملاحظہ ہوں۔

چوچلا۔ ہیک (بدبو)۔ کسک۔ ٹیس۔ مہک۔ بھڑکنا۔ پھسلانا۔ جھینپنا۔ جھانکنا۔ جھلک۔ جھلاہٹ۔ دھکا۔

پنگوڑے کے الفاظ (Nursery Words) اکثر زبانوں میں صوت علامی ہوتے ہیں۔ ان میں تکرار سے کام لیا جاتا ہے۔

ماں۔ امّاں۔ ام۔ اب۔ ماما۔ پاپا۔ ممّی۔ جی جی۔ للو۔ للاّ۔ کاکا۔ دادا۔ دیدی۔ نانی۔ نانا۔ بابا۔ چاچا۔ چوچی (پستان)۔ ججو جھو۔ جھو جھو۔ کوکا۔ مم (پانی)۔

صوت و معنی کے تعلق کے تفصیلی مشاہدے کے بعد سوال ہو سکتا ہے کہ آوازوں کا ایک سلسلہ یعنی ایک صوتی روپ ایک ہی تصور کیوں پیدا کرتا ہے؟ اس کی سہل سی وجہ یہ ہے کہ قائل اور سامع میں ہر لسانی روپ کے معنی کے بارے میں غیر شعوری سمجھوتہ ہے۔ ہم "درخت" کہیں گے تو فلاں تصور مراد ہوگا اور "رگڑ" کہیں گے تو فلاں۔ اس طرح لسانیات کا یہ مشہور[1] مفروضہ سامنے آتا ہے

"ایک لسانی برادری میں کچھ بول (لفظ) ہیئت اور مفہوم کے لحاظ سے ہمیشہ یکساں رہتے ہیں یعنی اُن صوتی روپوں سے ہمیشہ وہی معنی مراد لیے جاتے ہیں۔"

اس طرح استعمال سے لسانی روپ کی ہیئت اور مواد میں مستقل رشتہ ہو جاتا ہے۔ اوپر لسانی روپ کے دو حصے نام اور مفہوم کیے گئے تھے۔ نام کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ بیشتر صورتوں میں یہ من مانا ہوتا ہے اور کمتر میں صوت نقل۔ مفہوم کی بھی کچھ خصوصیات ہیں۔

لسانی مفہوم کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا مبہم ہونا (Vagueness) ہے یعنی اس کی حدود قطعی نہیں ہوتیں۔ زبان میں بہت سے الفاظ ابہام کے نمائندہ ہوتے ہیں مثلاً۔

تقریباً، مقابلتہً، کسی قدر، بہتر، کچھ کچھ۔

اور دوسرے کتنے الفاظ ہیں جن کے مفہوم میں پھیلاؤ یا لچک یا عدم قطعیت ہوتی ہے مثلاً گورا، کالا، خوبصورت، جوان، بوڑھا، بڑا، چھوٹا، آزادی، سوشلزم، نیکی، خیر، شر، اچھا، عقلمند، سیاست داں۔

اگر کسی ملک میں پچاس سال کا آدمی وزیر اعظم ہو جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ بہت کم عمر (Young age) میں وزیر اعظم ہو گیا۔ دوسری طرف پندرہ بیس سال کے بچوں کو young کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں بوڑھوں کے بالوں کو سفید کہتے ہیں انگریزی میں جس گرے یعنی خاکستری رنگ کے۔ انگریز گورے ہندوستانیوں کا بھی کالی نسل میں شمار کرتے ہیں لیکن ہمارے یہاں "گورے" کے کتنے درجے ہیں۔ ٹھوس اشیا میں بھی نام سے جو مفہوم

---

[1] بلوم فیلڈ : ص 144

ظاہر ہوتا ہے وہ معین نہیں ہوتا مثلاً 'میز' کہنے سے کتنی مختلف قسم کی چیزوں کا تصور ہوتا ہے۔ کھانے کی میز، سنگھار میز (ڈریسنگ ٹیبل)، صوفے کے ساتھ کے چھوٹے اسٹول (سائڈ ٹیبل)، دفتر کی درازوں والی میز، بید، بانس کی کھپچیوں یا نائلن سے بنی میز وغیرہ۔

اگر شئے حوالہ (Referent) سے پوری طرح واقفیت نہ ہو تب تو معنی اور غیر واضح رہیں گے مثلاً کوئی Prism charisma, maroon colour, solid stat Physics, Chauvinism جیسے الفاظ استعمال کرے اور ان سے صحیح طرح واقف نہ ہو تو مفہوم اور بھی غیر واضح رہے گا۔ اڈمان (Edmann) نے کہا تھا کہ معنوی حدود اس چوڑی پٹی کی طرح ہوتی ہیں جو ایک رنگ سے بھرے ہوئے برش کو چپٹی سطح پر پھیرنے سے بنتی ہے۔ لفظ کو سیاقِ کلام میں لایا جاتا ہے تو اس کے معنی متعین ہوتے ہیں۔ لفظ کا مفہوم پگھلے ہوئے چاندی سونے کی طرح ہے جب اسے تکلم میں ڈالا جاتا ہے تو سکہ بن جاتا ہے۔ اس طرح لانگ کے مقابلے میں پارول کا مفہوم زیادہ قطعی ہوتا ہے۔

یہ جان کر حیرت ہوگی کہ علَم (Proper name) کا مفہوم بھی اتنا قطعی نہیں ہوتا جتنا سمجھا جاتا ہے۔ اورنگ زیب یا مہاتما گاندھی کہنے سے مختلف شخصوں (ہندو، مسلمان، سیکولر، فرقہ پرست، ہندوستانی، پاکستانی) کے ذہن میں مختلف تصور ابھرتے ہیں۔

مفہوم کا یہ ابہام عقلی طور پر بُرا سہی لیکن عملاً بُرا نہیں کیونکہ اس سے زبان کے استعمال میں بہت کفایت ہوتی ہے۔ ہم لال، پیلا، نیلا، ہرا، کالا، سفید اتنے الفاظ سے ہر طرح کے رنگ ادا کر دیتے ہیں حالانکہ ان کی اقسام بہت ہوتی ہیں۔ بچّہ، جوان، بوڑھا کہہ کر ہر عمر کے آدمی کا محاصرہ کر لیتے ہیں۔ اچھا اور برا سے نہ معلوم کیا کیا مراد لیتے ہیں۔ اس طرح ایک چوڑے پھیلے ہوئے مفہوم کو بات چیت کے سیاق میں اپنے حسبِ منشا متعینہ مفہوم تک محدود کر لیتے ہیں۔ پچھڑی ہوئی زبانوں میں مجموعی تصورات نہیں مثلاً لال گائے، کالی گائے، سفید گائے کے لیے الگ الگ لفظ ہوں گے لیکن گائے کے لیے نہیں۔ مختلف قسم کے پیڑوں کے الگ الگ نام ہوں گے لیکن ان کی قدرِ مشترک کے لیے 'پیڑ' جیسا کوئی نام نہ ہوگا۔ اس طرح مفہوم کا ابہام یا پھیلاؤ ترقی یافتہ زبان کی نشانی ہے۔

مفہوم کی دوسری اہم خصوصیت اس کا جذباتی (Emotive) پہلو ہے۔ زبان کا تاثری پہلو اس کے عقلی پہلو سے کم اہم نہیں ہوتا۔ اڈمان نے معنی کے تین عوامل

کر دیے ہیں۔

1- مرکزی مفہوم 2- اطلاقی یا سیاقی مفہوم 3- جذباتی لہجہ۔
مثلاً ایک لفظ "ہندوستان" کے یہ تین مفہوم دیکھیے۔

1- ہندوستان دنیا میں آبادی کے لحاظ سے دوسرے نمبر کا ملک ہے۔
2- ہندوستانی برصغیر میں تین ملک ہیں ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش۔
3- ہم ہندوستان کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ دشمنوں سے اپنی ایک ایک انچ دھرتی واپس لیں گے۔

مندرجہ بالا تینوں جملوں میں کم و بیش تینوں قسم کے مفہوم ظاہر ہوتے ہیں۔ زبان میں بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن میں بالطبع جذباتی آمیزش ہوتی ہے مثلاً
چھوکری، بیٹا، بٹیا، ماں، داشتہ، سوراج، وطن، آمریت، سوشلزم، حقوق، استحصال، نیتا۔

ان کا جذباتی پہلو لانگ (زبان) کا ہے پارول (بات چیت کا نہیں۔ پارول میں آکر بہت سے الفاظ میں سیاق کے سبب جذباتی عنصر شامل ہو جاتا ہے۔ یہ سُر لہر، لفظوں کی ترتیب، چیزوں کے انتخاب وغیرہ سے ادا کیا جاتا ہے۔

مفہوم کے ساتھ اس کے نام یعنی صوتی رخ میں بھی جذبے کا شمول ہو جاتا ہے۔ جذباتی پہلو عقلی پہلو سے زیادہ قابلِ تغیر اور متلون ہوتا ہے اسی لیے الفاظ کا استعمال فیشن کی طرح گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ بہت سے الفاظ جو پرانی نسل کے لوگ استعمال کرتے ہیں نئی نسل کے نہیں کرتے مثلاً پنجاب اور جموں میں پرانے لوگ تعلیمی درجے کو جماعت کہتے ہیں۔ نئی نسل "کلاس" کا لفظ استعمال کرتی ہے۔ پہلے آدمی ماں، ماتا، باپ، والد، ابا کہتے تھے تو نئے لوگ فادر، مدر، پاپا، ڈیڈی، ماما، ممی کہتے ہیں کیونکہ ان کا جذباتی پہلو اُن کے جذباتی پہلو سے مختلف ہے۔ بیرونی الفاظ کے استعمال میں توقیر کا عنصر شامل ہوتا ہے حد یہ ہے کہ اسم معرفہ (عَلَم یا Proper name) میں بھی جذبہ کی آمیزش ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اب ان ناموں کا فیشن جاتا رہا ہے پچاس سال پہلے رکھے جاتے تھے اب کسی بچے کا نام مصدی لال (متصدی لال)، توتارام، خیراتی لال، مسیت اللہ (مشیت اللہ) کالے خاں نہیں رکھا جائے گا۔ جن اہلِ قلم کے ایسے نام ہیں اُنھوں نے بڑے بڑے رومانی اور داستانی، قلمی نام

رکھ لیے ہیں بہت ممکن ہے کہ کسی احمد پرویز کا نام چاک کرکے دیکھا جائے تو اندر سے والدین کا رکھا ہوا نام عبداللہ برآمد ہو۔

مفہوم کا جذباتی پہلو نثر سے کہیں زیادہ شاعری میں ظاہر ہوتا ہے۔ معنی کی خصوصیت اُن کا پھیلاؤ ہے۔ سیاق میں آکر ہی وہ گرفت میں آتا ہے لیکن کسی بچے یا غیر زبان والے کو لفظ و معنی سکھائے جائیں تو معنی کیونکر بیان کیے جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سائنسی صحت کے ساتھ کچھ کہنا ممکن نہیں صرف کام چلاؤ عملی معنی بیان کیے جاسکتے ہیں اس کے تین طریقے ہیں۔

الف:۔ براہِ راست طریقہ۔ واضح ترین صورت یہ ہے کہ کسی شے کی طرف اشارہ کرکے دکھا دیا جائے مثلاً اگر کرسی کی طرف انگلی سے اشارہ کرکے کہیں 'کرسی'، تو اس کے معنی بالکل واضح ہو جاتے ہیں۔ یہ طریقہ صرف مادی اشیا کے لیے کارگر ہے اور وہ بھی اس محدود صورت میں کہ وہ شے سامنے سے موجود ہے۔ بچوں کو اسی طرح معنی بتاتے جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی اجنبی زبان بولنے والوں کے علاقے میں چلا جائے اور مدد کرنے کو کوئی ترجمان نہ ہو تو وہ بھی اجنبی لفظوں کے معنی اسی طرح سیکھے گا۔

معنی بیان کرنے کا دوسرا مشہور طریقہ ترجمے کا ہے دو زبانی لغات میں یہی کام میں لایا جاتا ہے مثلاً معنی گھوڑا یا میر دص معنی کوڑھی۔

تیسرا طریقہ تشریح و توضیح کا ہے یعنی اسی زبان میں گھما پھرا کر شرح کی جائے مثلاً

پارلیمنٹ:۔ عوام کے منتخب نمائندوں کا ایوان جو خاص طور سے قانون بناتا ہے۔

پیٹھا:۔ گول کدو سے مماثل ایک بڑا گول پھل جس کا چھلکا موٹا اور سفیدی مائل سبز رنگ کا ہوتا ہے۔ گودا موٹا سفید رنگ کا ہوتا ہے۔ اس کی مٹھائی بنائی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ معنی بیان کرنے میں محض امتیازی خصوصیات بیان کی جاتی ہیں غیر امتیازی نہیں تاکہ سامع کو غیر ضروری تفصیلات میں اُلجھنا نہ پڑے۔

ہم نے پیچھے معنی سے متعلق ایک مفروضہ درج کیا تھا کہ ایک لسانی برادری میں لسانی روپ کی ہیئت اور مفہوم یکساں اور مستحکم ہوتے ہیں یعنی اُن پر قائل اور سامع دونوں کا اتفاق ہوتا ہے لیکن اس میں استثنیٰ یہ ہے کہ علامت اور رموز میں عدم مطابقت زبان (لانگ) اور اس سے زیادہ تقریر (پارول)، کا خاصہ ہے جس کی وجہ سے ایک نام کے کئی مفہوم اور

ایک مفہوم کے کئی نام پائے جاتے ہیں۔ چونکہ بالعموم نام روایتی اور من مانا ہوتا ہے اس لیے وہ کثیر معنویت (Multiple meaning یا Polysemy) کا ضامن ہوتا ہے۔ نام اور مفہوم کے رشتے کے عدم استحکام سے ذیل کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں

1. ایک مفہوم کے کئی نام :- ترادف (Synonymy)
2. ایک نام کے کئی مفہوم :- اس کے تین درجے یا قسمیں ہوتی ہیں۔
   ا۔ نقل اطلاق (Shift in application)
   ب۔ کثیر معنویت (Polysemy)
   ج۔ ہم اسمی (Homonymy)

پہلے لیجیے ایک مفہوم کے کئی نام

ترادف (Synonymy)

ظاہرا مترادف وہ الفاظ ہیں جن کے معنی یکساں ہوں لیکن سچی ہم معنویت نہیں ہو سکتی کیونکہ زبان اس تعیش کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اس کے خلاف دو عوامل ہیں۔

ا۔ مفہوم کا پھیلا اور دھندلا (Vague) ہونا یعنی لفظ کا مفہوم بالکل متعین اور قطعی نہیں ہوتا۔ اگر اس میں ابہام کا دخل ہے تو دو لفظوں کے معنی کیونکر ایک دوسرے پر سو فی صدی منطبق ہو سکتے ہیں۔

ب۔ مفہوم کا جذباتی لہجہ (Emotive over tone) لغوی معنی کے علاوہ استعمال میں آکر اکثر الفاظ میں کسی نہ کسی قسم کا جذباتی لہجہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ انھیں لفظوں کو پوری طرح ہم معنی کہہ سکتے ہیں جو عقلی اور جذباتی دونوں اعتبار سے بالکل یکساں ہوں۔

ترادف کے دو یا تین درجے قرار دیے جا سکتے ہیں۔

1. مکمل یا خالص ہم معنی :- یہ وہ شکل ہے جہاں دو لفظوں میں سے ایک کی جگہ دوسرا بے تکلف استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ اکثر دو قسم کے ہوتے ہیں۔

ا۔ دو مختلف زبانوں سے آئے ہوئے مثلاً ارض اور زمین۔ اسپ اور گھوڑا، اوس اور شبنم۔

ب۔ ایک لفظ کی دو مختلف ارتقائی شکلیں مثلاً برکھا اور ورشا زیادہ شدت سے دیکھا جائے تو کوئی نہ کوئی ماحول مل جائے گا جس میں ایک لفظ زیادہ موزوں ہوگا اور دوسرا کم مثلاً ذیل کے جملے دیکھیے۔

ا۔ زمین کھودو سونا مل جائے گا
ارض کھودو سونا مل جائے گا

ب۔ گاؤں والے ایک زمانے سے برکھا کا انتظار کر رہے ہیں۔
گاؤں والے ایک زمانے سے ورشا کا انتظار کر رہے ہیں۔

ان دونوں مثالوں میں مترادف جوڑوں کا پہلا لفظ زیادہ برجستہ ہے دوسرا کم۔ اس لیے شدت پرستوں نے کہا ہے کہ صرف حریف اصطلاحیں ہی سچی ہم معنی ہوتی ہیں مثلاً ڈاکٹری میں Typhlitis اور Caecitis۔ سچ یہ ہے کہ یہ شدت انتہائی ادبی اور علمی نقطۂ نظر کی ہے ورنہ عام طور سے کچھ نہ کچھ الفاظ پوری طرح ہم معنی ہوتے ہی ہیں۔

۲۔ جزوی یا مصنوعی ہم معنی (Homoionyms)

ہم معنی الفاظ کی کثیر تعداد ایسی ہی ہوتی ہے یہ دو قسم کے ہیں۔

ا۔ یہ کچھ سیاقوں میں قابلِ تبادلہ ہوتے ہیں دوسروں میں نہیں مثلاً محبت، پیار، عشق۔ گھر، مکان۔ Jump, leap, assistance, aid, help

محبت اور پیار کا فرق دیکھیے۔

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور
(میر)

یہاں ہم شعر کی نثر کر کے محبت کی جگہ پیار کہیں تو مناسب نہیں معلوم ہوتا کیونکہ محبت میں جو فلسفیانہ تصور پوشیدہ ہے وہ پیار کے ہلکے پھلکے لفظ میں نہیں۔ اور مثنوی زہرِ عشق کا یہ مصرع دیکھیے۔

ع اب وصیت کریں کے کہ پیار کریں

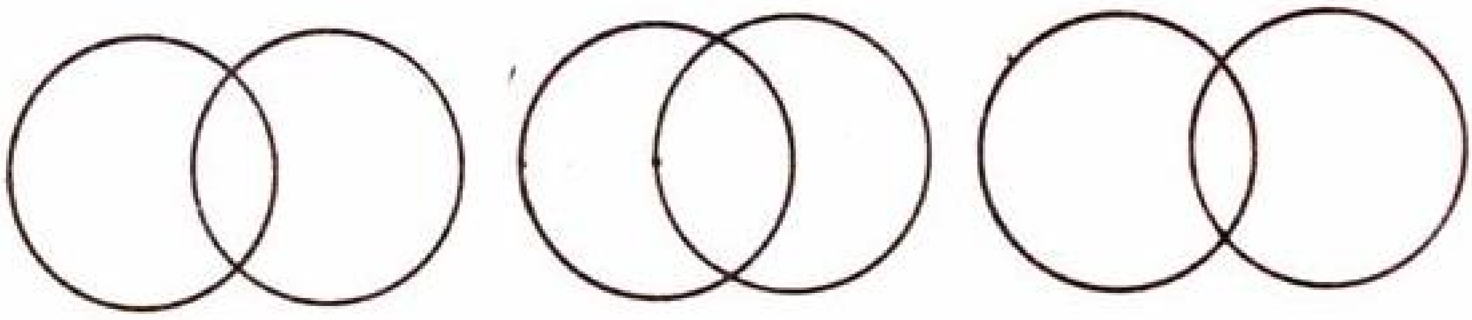
یہاں پیار کی جگہ محبت نہیں لا سکتے۔

ب۔ عقلی لحاظ سے قابلِ تبادلہ ہوتے ہیں لیکن جذباتی لحاظ سے نہیں مثلاً liberty

home, House, conceal, hide - Freedom

بھنگی، جمعدار۔

ایک تیسرا درجہ بعید ترادف کا کیا جاسکتا ہے۔ یہ وہ الفاظ ہیں جن کے مفہوم کا فرق نمایاں ہے لیکن جو بعض اشخاص کی بے احتیاط گفتگو میں مترادف کے طور پر استعمال کر لیے جاتے ہیں مثلاً عنایت، محبت۔ جنگ، آویزش۔ کوارٹر، کوٹھی۔ محل، قلعہ۔ کتب، یونیورسٹی، گھروالی، محبوبہ۔ دراصل ان الفاظ کو مترادف کہنا ٹھیک نہیں۔ انھیں مماثل معنی کہا جاسکتا ہے چارٹ کے ذریعے سے تینوں کو یوں پیش کیا جاسکتا ہے۔



خالص مترادف
تقریباً 90% اشتراک

جزوی مترادف
تقریباً 60 یا 70 فی صدی اشتراک

بعید مترادف یا مماثل معنی
تقریباً ۳۰ - ۴۰ فیصد اشتراک

مترادفات کو جانچنے کا کانٹا یہ ہے کہ انھیں مختلف سیاقوں میں مختلف الفاظ سے وابستہ کر کے دیکھیے مثلاً گہری اور عمیق کو کنواں، کھائی، فکر، سوچ، بات، لگاؤ کے ساتھ چسپاں کیجیے۔ گھر اور مکان کو اپنا، موروثی، قدیمی، تار، بچوں کا، پیشاب، زماں، والی سے پہلے اور مالک کے بعد ملا کر دیکھیے گھروالی اور مالک مکان کی جگہ مکان والی اور مالک گھر نہیں کہہ سکتے۔

چونکہ مترادف الفاظ عموماً پوری طرح یکساں نہیں ہوتے اس لیے ایک دلچسپ صورت یہ ہوتی ہے کہ ا کا مترادف ب ہے، ب کا مترادف ج، ج کا مترادف د۔ لیکن ا اور د میں کوئی قدر مشترک نہ ہوگی مثلاً۔

وہ سڑکوں پر چل رہا ہے

وہ سڑکوں پر پھر رہا ہے

وہ آگے چلتے چلتے پھر کر واپس آگیا

وہ آگے چلتے چلتے مڑ کر واپس آگیا

وہ مڑ کر وہیں واپس آگیا

وہ چکر کاٹ کر واپس آگیا

وہ بھول بھلیاں میں چکر کاٹ رہا ہے

وہ بھول بھلیاں میں چکر کھا رہا ہے۔

اس سوال کا حل کرنے میں میرا تو دماغ چکر کھا گیا

اس سوال کو حل کرنے میں میرا تو دماغ چکرا گیا

بچے کی غشی دیکھ کر وہ ایک دم چکرا گیا

بچے کی غشی دیکھ کر وہ ایک دم گھبرا گیا

چلنا = پھرنا ۔ پھرنا = مڑنا ۔ مڑنا = چکر کاٹنا۔ چکر کاٹنا = چکر کھانا ۔ چکر کھانا = چکرانا۔ چکرانا = گھبرانا ۔ لیکن چلنا = گھبرانا نہیں کہہ سکتے۔ یہ صورتِ حال کچھ اس قسم کی ہے۔

دو لفظوں میں ترادف ہے کہ نہیں یہ اس پر بہت کچھ منحصر کرتا ہے کہ دیکھنے والا کون ہے۔ ماہرِ لسانیات یا ماہرِ لغات دو مماثل لفظوں کی اصل دیکھ کر طے کرتا ہے کہ وہ مترادف کہلانے کے مستحق ہیں کہ نہیں۔ اگر وہ ایک ہی اصل سے نکلے ہیں اور تاریخی ارتقا کی دو منزلیں پیش کرتے ہیں تو وہ ہم معنی ہیں مثلاً چھایا اور چھاؤں ۔ ورشا اور برکھا۔ اگر وہ مختلف زبانوں کے ہیں اور ایک دوسرے کا ترجمہ ہیں مثلاً ارض اور زمین تو انھیں بھی بآسانی مترادف قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایک ہی زبان کے مختلف الاصل الفاظ کے بارے میں سوچنا پڑے گا۔

دوسرا نقطۂ نظر کسی بہت پڑھے لکھے یا ادیب کا ہے۔ اس کی نظر میں مترادف الفاظ کا انبوہ ہوتا ہے لیکن وہ بیشتر میں مفہوم کا نازک فرق دیکھتا ہے۔ شاعر کے لیے خوشی، شادی، نشاط، سرور، بہجت، حظ، مسرت، انبساط وغیرہ میں کچھ نہ کچھ فرق ہے ایک اسکول کے طالب علم کے لیے نہیں۔ عام آدمی جس فرق کو نہیں دیکھ سکتا ادیب اس کی گرفت کر سکتا ہے۔

اور اس طرح تیسرا نقطۂ نظر سامنے آتا ہے جو عام بولنے والے کا ہے۔ اس کے لیے ترادف کی زیادہ اہمیت نہیں۔ وہ عموماً مترادفات میں سے ایک یا دو لفظ ہی استعمال کرتا ہے کسی مخصوص

علاقے یا طبقے میں دو ایک مترادف ہی رائج ہوتے ہیں۔ جہاں تک عام افراد کا تعلق ہے وہ اپنے نزدیک سہل ترین لفظ ہی استعمال کرتے ہیں مثلاً خوشی کے معنی میں مندرجہ بالا آٹھ الفاظ میں سے بالعموم صرف 'خوشی' کا استعمال کیا جائے گا اور ذرا تکلف کی گفتگو میں مسرت کا بھی۔ بقیہ الفاظ لکھنے کی حد تک ہیں۔ گویا ترادف کا مسئلہ تقریری زبان کا نہیں بلکہ تحریری ادبی زبان کا ہے۔ ادیبوں کو ان کا شعور ہوتا ہے اس لیے وہ اپنی نظم و نثر میں ایک ساتھ کئی مترادف الفاظ بٹھا دیتے ہیں تاکہ ان کے مفہوم کی مماثلت اور نازک فرق دونوں بہ یک وقت ظاہر ہو جائیں۔

ترادف کے ماخذ:۔ جن اسباب سے ترادف ظہور میں آتا ہے ان میں سے قابل ذکر یہ ہیں۔

1۔ عاریت:۔ ایک زبان میں دوسری زبان سے جو الفاظ مستعار لیے جاتے ہیں ان میں سے بعض کے مترادف اپنی زبان میں پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔ اس طرح حصولی زبان میں مترادف الفاظ کے جوڑے بن جاتے ہیں مثلاً

شبنم، اوس۔ یونیورسٹی، دانش گاہ، جامعہ، کلیہ۔ دھنی، امیر، رئیس، دولت مند۔

انھیں کی ذیل میں ہم تت سم اور ان کے مترادف تدبھو الفاظ کو لیں گے۔ بول چال میں تدبھو کا اور کتابی ہندی میں تت سم کا استعمال ہوتا ہے مثلاً چاند، چندرماں۔ ناچ، نرتیہ۔ گاؤں، گرام۔ دیا، دیپک۔ سچ، ستیہ۔

2۔ تہذیبی طبقوں کا فرق:۔ ایک لفظ ایک طبقہ میں مروج ہوتا ہے دوسرا دوسرے طبقہ میں لیکن دونوں ایک ہی زبان کے ذخیرے کا جزو ہوتے ہیں مثلاً ذیل کے مترادف جوڑوں میں سے پہلا لفظ کھڑی بولی علاقے کے ہندوؤں میں رائج ہے دوسرا مسلمانوں میں۔

رسوئی، باورچی خانہ۔ ارتھی، جنازہ۔ ماما، ماموں۔ چاچا، چچا۔ بابا، دادا۔ جی جی، باجی۔ موسی، خالہ۔ سبزی، سالن۔ سوموار، پیر۔

کچھ الفاظ طبقۂ زیریں میں رائج ہوتے ہیں، طبقۂ بالا میں اُنھیں کے مترادف زیادہ 'مہذب' لفظ بولے جاتے ہیں مثلاً ذیل کی فہرست میں پہلے عوامی الفاظ اور قوسین میں اُن کے مترادف طبقۂ بالا کے الفاظ دیئے جاتے ہیں۔

لگائی، جورو، گھروالی (بیوی، پتنی، وائف)۔ باپ، بڈھا (والد، پاپا، ڈیڈی)۔ موتنا (پیشاب کرنا)۔ گوہ (فضلا، میلا)۔ پادنا (ریح یا ہوا خارج کرنا)۔

3۔ پست معنی کو موقر بنا کر پیش کرنے کی کوشش (Euphemism) کسی گھٹیا

کام کرنے والے کے جذبات کی خاطر زیادہ موقر لفظ استعمال کرتے ہیں مثلاً بھنگی کو جمعدار۔ نائی کو خلیفہ، کلرک کو بابو اور درزی کو ماسٹر۔ وغیرہ۔

اسی ذیل میں جنسی الفاظ کی ثقہ شکلیں آئیں گی مثلاً مباشرت کو صحبت کرنا یا ہم بستر ہونا۔ حیض کو ماہواری وغیرہ۔ تکلف کے الفاظ بھی اسی قبیل میں رکھے جائیں گے۔ مثلاً بیٹھنے کی جگہ تشریف رکھیے۔ بولیے کے لیے فرمائیے۔

بعض درشت اور بھیانک چیزوں کو توہم کی وجہ سے قابل قبول لفظوں سے یاد کرتے ہیں مثلاً چیچک کو ماتا۔ سانپ کو کیڑا۔ موت کو سورگ باش ہونا یا اللہ کو پیارا ہونا۔

ان تمام کوششوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زبان میں مترادفات پیدا ہو جاتے ہیں۔

4۔ استعارہ اور مجازی معنی مثلاً مشکل کام کے لیے ٹیڑھی کھیر۔ مرے ہوئے کے لیے مرحوم۔ بیوقوف کے لیے گدھا۔

5۔ ادب آفرینی:۔ ادیبوں کو مشکل اور اجنبی الفاظ استعمال کرنے کا شوق ہوتا ہے وہ ایک معنی کے لیے کئی الفاظ کا انبار لگا دیتے ہیں جو بعض اوقات صحیح معنی میں مترادف نہیں ہوتے۔ ادبی چاشنی ترادف کی سب سے بڑا ماخذ اور تحریک ہے۔

مترادف الفاظ کے استعمال کے کچھ اور بھی اسباب ہیں لیکن وہ چنداں اہم نہیں۔

6۔ اعلام (اسمائے معروفہ) میں ترادف:۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ مقاموں اور انسانوں کے بھی بعض اوقات دو نام ہوتے ہیں۔ ان میں بعض اوقات ایک نام ایک زبان کا ہوتا ہے دوسرا دوسری زبان کا۔ مقامات کے دو ناموں میں ایک قدیم تر ہوتا ہے دوسرا بعد کا لیکن دونوں ساتھ رائج رہ جاتے ہیں۔ انسانوں کے ناموں میں ایک اصلی اور پورا نام ہوتا ہے دوسرا بے تکلف بول چال کا۔ غریبوں اور بے پڑھوں کے اصلی نام کو مخفف کر دیا جاتا ہے۔ امیروں میں بچوں کا ایک اصلی نام اور ایک گھریلو نام رکھ لیا جاتا ہے۔ مثالیں

بھارت، ہند، ہندوستان، انڈیا

مصر، Egypt۔ شام، سریا۔ الجزائر، الجیریا۔ آگرہ، اکبر آباد۔ پٹنہ، عظیم آباد۔ پریاگ، الہ آباد۔ کاشی، بنارس، وارانسی۔ حلب، Allepo۔ جاپان، نپن۔ فارس، ایران، پرشیا۔ رچرڈ، ڈک۔ ولیم، بل۔ اسورج، گنوار۔

مترادف الفاظ کا مقسوم:۔ اگر ایک زبان میں مترادفات پیدا ہو جائیں تو ذیل کی دو

صورتوں میں سے ایک ظاہر ہو جائے گی۔

۱۔ ایک یا دو مترادفات کا باقی رہنا اور اُن کے ہم معنی بقیہ لفظوں کا چلن سے نکل جانا۔ بول چال میں تو اکثر ایک ہی کا استعمال ہوتا ہے تمام تحریر ایک دو باقی رہتے ہیں بقیہ متروک ہو جاتے ہیں۔ زیادہ مصنوعی ادبی تحریر میں سب کا استعمال ہو سکتا ہے۔

۲۔ مترادفات کے بیچ مفہوم کا نازک فرق پیدا ہو جانا۔ مثالی صورت یہ تھی کہ ایک مفہوم کے لیے ایک لفظ اور ایک لفظ کا ایک مفہوم لیکن ایسا ہوتا نہیں۔ عام قاری اس کا یہ علاج کرتا ہے کہ مترادف الفاظ میں کچھ فرق کرنے لگتا ہے۔ مثلاً

خوبصورت، بانکا، کٹیلا۔

لیمپ، لالٹین، دیا، شمع۔

دیکھنا، تکنا، گھورنا، آنکھیں چار کرنا۔

ان سب میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ بعض مترادف الفاظ میں یہ فرق بہت مستحکم ہو گیا ہے مثلاً

بازار، پینٹھ (گاؤں میں ہفتے کے کسی مخصوص دن لگنے والا بازار۔

منڈی (جہاں تھوک مال بکتا ہو یا کوئی ایک جنس بکتی ہو۔)

سُپر بازار (سرکاری دُکان)

کھانڈ (سفید دیسی جو سفوف کی شکل میں ہوتی ہے) ۔ چینی (کارخانے کی دانہ دار)۔ شکر (پیلی جو گڑ کا چورا معلوم ہوتی ہے) بورا (نکھاری ہوئی کھانڈ کا سفید صاف سفوف)۔

مصری (حلوائی کی بنائی ہوئی دانہ دار کھانڈ جو ٹکڑوں یا کوزے کی شکل میں جمی ہوتی ہے)۔

بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ قدیم تر شکل مذہبی اور مقدس معنوں کے لیے برقرار رہ جاتی ہے اور بعد کی ترمیم شدہ شکل دُنیوی کام کاج کے لیے مثلاً ذیل کی مثالوں میں پہلا روپ مذہبی ہے اور دوسرا غیر مذہبی۔

جل، پانی۔ اگنی، آگ۔ بھوگ، کھانا۔ پُشپ، پھول۔ کلش، گھڑا۔ گرنتھ، کتاب۔

مترادفات میں فرق کرنے کا عمل تاریخی ارتقا میں بھی ہوا۔ ایک ہی مادّے سے دو ایسے جوڑے پیدا ہو جاتے ہیں جن کے معنی اصلاً ایک تھے بعد میں اُن کے معنی میں فرق ہو گیا۔ اردو ہندی میں ایسے مترادفات تت سم بھی ہیں، تت سم اور تدبھو کے بھی اور خالص ہندی

کے بھی۔ ملاحظہ ہو۔

ا۔ خالص تت سم

بھوگ : دیوتاؤں کو بھوگ لگانا۔ بھوج : بڑی ضیافت۔ بھوجن : کھانا۔ بھرم : مغالطہ

بھرمن : سیاحت۔

ب۔ تت سم اور تدبھو۔

جیو : جاندار ۔ جی : دِل ۔

ستھان : جگہ ۔ تھان : گھوڑے کے باندھنے کی جگہ۔

سمبندھی : رشتہ دار، سمدھی : اولاد کا سُسرا

ونش : خاندان ، بانس : ایک پیڑ کا تنا ۔

چورن : دوا کا سفوف ، چون : آٹا ، چونا : پسی ہوئی قلعی ۔

پتر : صفحہ یا چٹھی ، پتّا : برگ ۔

ج۔ ہندی الاصل یعنی تدبھو۔

بچھڑا : گائے کا بچہ		بچھیرا : گھوڑے کا بچہ ۔	
پچانا : ہضم کرنا		پکانا	
دکھن : جنوب		داہنا	
لاگ : چڑھ		لگاؤ : الفت	

د۔ عربی فارسی الاصل

شراب ، شربت

بیکار ، بیگار

بربر (وحشی) ، ببر (شیر ببر)

اب علامت و رموز کے دوسرے پہلو ایک نام کے کئی مفاہیم کو لیا جاتا ہے۔

کثیر معنویت (Multiple meaning)

عصری لسانیات کے نقطۂ نظر سے کثیر معنویت ایک لفظ کے کئی معانی کو کہتے ہیں لیکن

عصریاتی لسانیات کی رو سے ایک صوتی علامت کا ایک مرموز باقی رہا اور اس کے ساتھ دوسرا مرموز پیدا ہوگیا یعنی پرانے معنی بھی زندہ رہے اور نئے معنی کا اضافہ ہوگیا۔ کثیر معنویت کی تین قسمیں ہیں جو ایک طرح سے تین منزلیں ہیں۔ ان کے ڈانڈے ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں۔ قسمیں یہ ہیں۔

الف۔ اطلاق (مخصوص سیاق میں استعمال) میں انتقال مفہوم یعنی مفہوم کے ایک جزو کی بجائے دوسرے جزو پر زور انگریزی میں اسے shift in application یا shift in emphasis کہتے ہیں مثلاً گنوار کے معنی گاؤں میں رہنے والا اور سادہ لوح۔

ب۔ کثیر معنویت (Polysemy) یہ مرکزی قسم ہے۔

ج۔ ہم اسمیت (homonymy)۔ اس میں دو مختلف الفاظ کسی وجہ سے ایک ہیئت کے ہوتے ہیں مثلاً Pulse معنی دال اور نبض۔

ان پر فرداً فرداً غور کیا جاتا ہے۔

1۔ اطلاق میں نقلِ مفہوم۔ یہ موضوع دراصل معنوی تبدیلی کا حصہ ہے۔ اس پر معنوی تبدیلی کے باب میں تفصیل سے غور کیا جائے گا۔ موجودہ باب میں محاورے پر مختصر بحث بھی کسی حد تک اس سے مل جاتی ہے۔

ارڈمان (Erdmann) نے کہا تھا کہ کسی لفظ کے معنی کی تین قسمیں کی جا سکتی ہیں۔ 1۔ مرکزی معنی 2۔ اطلاق معنی 3۔ جذباتی (Emotive) مفہوم۔ ہرمان پال نے دو قسم کے مفاہیم میں تمیز کی 1۔ ایک لفظ کے معمول کے معنی ہوتے ہیں 2۔ دوسرے اتفاقی (Occasional) معنی ہوتے ہیں۔ ارڈمان کے جذباتی پہلو سے صرف نظر کر لیا جائے تو دو قسم کے معنی ہی بچتے ہیں ایک مرکزی لغوی معنی دوسرے اطلاقی سیاقی معنی۔ گویا پہلے معنی کا تعلق زبان (لانگ) سے ہے تو دوسرے کا تکلم (پارول) سے اطلاق میں نقل مفہوم اکثر مجازی معنی یا اہم معنی پر زور دینے سے ہوتا ہے۔ چند مثالیں دیکھیے۔ گنوار کے معنی گاؤں کا رہنے والا۔ چونکہ دیہاتی سادہ لوح ہوتے ہیں۔ اس لیے گنوار کے ایک معنی سادہ لوح اور غیر مہذب کے ہو گئے۔ چال کے معنی چلنے کا انداز ہیں۔ اس سے ایک معنی مکاری کے ہو گئے۔ Boy کے معنی لڑکا ہیں۔ چونکہ ہوٹلوں میں لڑکوں کو ملازم رکھا جاتا ہے۔

اس لیے Boy کے ایک معنی ہوٹل کا بیرا بھی ہو گئے گو وہ ملازم چالیس پچاس سال کا کیوں نہ ہو۔ آب و ہوا صالح (healthy) ہوتی ہے۔ اس سے صالح نقطۂ نظر اخوذ کیا گیا۔

غرض یہ ہے کہ اطلاق میں مفہوم کا انتقال بیشتر مجازی استعمال ہوتا ہے۔ جب یہ زیادہ مستحکم ہو جاتا ہے تو کثیر معنویت میں بدل جاتا ہے۔

کثیر معنویت (Polysemy)

وانڈریز جیسے بعض ماہرین کا کہنا ہے کہ کثیر معنویت کا وجود نہیں۔ مفرد لفظ کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ وہ جب کلام میں استعمال ہوتا ہے تبھی معنی دیتا ہے اور سیاق میں آکر کثیر معنوی لفظ کا ایک مفہوم ہی بروئے کار آتا ہے بقیہ غیر متعلق ہو جاتے ہیں۔

کثیر معنوی الفاظ کے بارے میں یہ طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ انھیں ایک لفظ مانا جائے کہ کئی الفاظ۔ تاریخی ارتقا میں ان لفظوں میں ایک مرکزی مفہوم سے کئی مفہوم پھوٹتے جاتے ہیں جیسے ایک روشن مرکز سے کئی شعاعیں نکل رہی ہوں مثلاً

بار : مرتبہ، بوجھ، پھل، باریابی۔

پٹی : کپڑے کی کتر، بالوں میں پٹی جمانا، لکڑی کی پٹی، ایک قسم کی جمی ہوئی مٹھائی۔

اطلاق کا انتقال کثیر معنویت کا بڑا سرچشمہ ہے۔ پہلے کسی لفظ کے دو معنی پیدا ہوتے ہیں۔ اس شکل کو (ambiguity) کہتے ہیں اور ایسے لفظ کو ذو معنین۔ بعد میں اور زیادہ معانی پیدا ہو سکتے ہیں۔

کثیر معنویت کے اسباب و مآخذ

1۔ مفہوم کا انتقال یا تنگ یا وسیع ہونا۔ ان تینوں صورتوں میں قدیم تر معنی بھی موجود رہ جاتے ہیں اور دوسرے معنی بھی رائج ہو جاتے ہیں مثلاً ٹٹی کے بنیادی معنی پردہ ہیں۔ جیسے خس کی ٹٹی۔ کیونکہ حاجت پردے میں رفع کی جاتی ہے اس لیے بیت الخلا کو بھی ٹٹی کہا گیا اور اس سے متعلق فضلے کو بھی۔ سیاہی کے معنی کالی روشنائی ہیں لیکن اس کا اطلاق دوسرے رنگوں کی روشنائی پر بھی کیا گیا جس سے سیاہی کے دو معنی ہو گئے کالاپن، روشنائی۔ اسی کے ذیل میں مجازی معنی بھی آجائیں گے۔ پیسہ : تانبے کا ایک سکہ، مال و زر (مثلاً

سب پیسے کا کھیل ہے)۔ روٹی : آٹے کی روٹی، روزی۔ جڑ : درخت کی جڑ، جھگڑے کی جڑ، لفظ کی جڑ۔

2۔ **ذہنی سہولت :۔** تہذیب کے ساتھ ساتھ تصورات کا ذخیرہ تیزی سے بڑھتا جاتا ہے۔ زبان کو تہذیب کے دوش بدوش رہنا ہوتا ہے۔ اب یا تو نت نئے تصورات کے لیے نئے الفاظ وضع کیے جائیں یا موجودہ الفاظ میں معنی کی توسیع کی جائے۔ اس طرح ذہن کا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔ لفظ کانٹا سے کتنے مفاہیم کا کام چلایا گیا ملاحظہ ہو۔

پیڑ کا کانٹا مچھلی کا کانٹا یعنی باریک ہڈی مچھلی پکڑنے کا کانٹا سونا تولنے کی چھوٹی ترازو اور لکڑیاں اور بوریاں تولنے کی بڑی ترازو کے دستے کے بیچ کی اوپر کو اٹھی ہوئی سوئی۔ ریاضی میں سوال کے جواب کی تصدیق کرنے کی ترکیب۔ چھری کانٹے والا کانٹا۔ کنوئیں میں سے ڈول نکالنے کا کانٹا۔ وہ کل جس کے کھینچے سے ریل کی پٹری بدل جاتی ہے۔ عورتوں کے بالوں میں لگانے کے باریک کلپ۔

اور ان پر مستزاد کیجیے اس لفظ کے مجازی معنی مثلاً دل کا کانٹا۔ ان سب مفاہیم کے لیے مختلف الفاظ ہوتے تو ذہن پر کتنا بار ہو جاتا۔

3۔ **بعض الفاظ کے معنی کا مبہم اور غیر واضح ہونا۔** ایسے الفاظ کو ایک شخص ایک معنی میں استعمال کرتا ہے دوسرا شخص دوسرے معنی میں مثلاً خودی، فلسفہ، فقیر، جمہوریت، سوشلزم۔

4۔ **بولنے کی کفایت یا اختصار :۔** کسی بڑے لفظ کو مختصر کر کے اس کے ایک جزو ہی کو بول دیتے ہیں جو در اصل اس کے پورے معنی کو ادا نہیں کرتا لیکن سیاق سے اندازہ ہو جاتا ہے مثلاً موٹر کسی مشین کے مرکزی انجن کو کہتے ہیں جو مشین کو چلاتا ہے۔ موٹر کار کے معنی ہیں وہ گاڑی جو موٹر یعنی انجن سے چلے۔ محض موٹر کو گاڑی کے معنی میں لانے سے اس لفظ کے دو معنی ہو گئے انجن، مشین سے چلنے والی گاڑی۔ اسی طرح پرنسپل ٹیچر اور Princi- pal money کو محض پرنسپل کہنے سے دو معنی کالج کا انتظامی صدر، زرِ اصل ہو گئے۔ پوسٹل اسٹامپ اور اسٹامپ پیپر کو محض اسٹامپ کہنے سے دو معنی ڈاک کا ٹکٹ اور دستاویز کا کاغذ ہو گئے۔ کال کے معنی وقت کے علاوہ موت اس لیے ہوئے کہ انت کال (آخری وقت) کو مختصر کر کے کال کہہ دیا گیا۔

5۔ ایک لفظ مختلف قواعدی زمروں میں شامل ہو کر ذو معنی ہو جاتا ہے۔ مثلاً کھانا فعل

اور اسم ۔ آپ متکلم حاضر غائب تینوں کے معنی میں بہ استعمالِ ذیل

مجھے آپ ہی اُن سے کہنا پڑا

آپ آئے بہار آئی

حالی بہت نیک نفس تھے، آپ نے کبھی کسی کی برائی نہ کی۔

دیا کے یہ دو استعمال دیکھیے۔

میں نے اسے ایک روپیہ دیا

میں نے سودا ختم کر دیا

مندرجہ بالا اور دوسرے اسباب کا خلاصہ ہم یوں کر سکتے ہیں کہ زبان کو نئے مفہوم کے ساتھ پرانے یا مرکزی مفہوم کو بھی برقرار رکھنے کی عادت ہوتی ہے۔

کثیر معنویت کے دو رخ ہیں ایک خوشگوار دوسرا ناگوار یا غیر مستحسن خوشگوار پہلو یہ ہے کہ اس سے زبان میں وسعت آتی ہے۔ ذخیرۂ الفاظ میں لفظوں کی کثرت ہو یا کہ انھیں الفاظ میں معانی کی کثرت ہو جائے دونوں کا فائدہ یکساں ہے دوسری صورت یعنی کثیر معنویت کا یہ فائدہ ہے کہ کم الفاظ سے زیادہ کام چلایا جاتا ہے۔ یہ مہذب زبانوں کی نشانی ہے۔ لفظ کا سیاق ہماری رہبری کرتا ہے جس سے تقریر تو کیا تحریر میں بھی التباس شاذ ہوتا ہے۔

کثیر معنویت کا ناگوار پہلو التباس و ابہام ہے۔ یہ یا تو قصداً پیدا کیا جاتا ہے یا بولنے اور لکھنے والے کا عیب ہے۔ اس کی چند قسمیں یہ ہیں۔

ا۔ مزاح میں مثلاً

ملازم ۔ "بابو صاحب! میم صاحب آپ کو کھانے کے لیے بلا رہی ہیں"

طالب علم ۔ "ماسٹر صاحب مر گیا"

اسکولی لڑکوں کے عریاں مذاق اکثر لینا، دینا، کرنا، مارنا کے ذو معنین استعمال پر مبنی ہوتے ہیں۔

ب ۔ دوسرے کا قول نقل کرتے وقت التباس ہو سکتا ہے۔

اس نے کہا ہے کہ میرا لڑکا پاس ہو گیا (کس کا لڑکا؟ اس کا یا میرا؟)

ج۔ بیان کی خامی مثلاً "ہندوستان کی فتح" کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ہندوستان کو فتح کرنا یا ہندوستان سے مفتوح ہونا۔

کثیر معنویت سے زیادہ التباس ہونے لگے تو اسے غیر صالح یا مرلیفانہ کہتے ہیں۔
اس قسم کی کثیر معنویت کی علامات اور نتائج پر تحقیق ہو رہی ہے۔
اگر ایک طرح کے کام کاج کے دائرے کے دو مفہوم ہوں تو برداشت نہیں کیے جاتے۔ اگر مختلف دائروں کے ہوں تو ان پر کسی کو اعتراض نہیں ہوتا۔ ہاں اگر ایک ہی دائرے کے دو مفاہیم ہیں اصلی اور مجازی، مرئی غیر مرئی یا مجاز مرسل کا رشتہ ہو تو دونوں کو بہ خوشی باقی رکھا جاتا ہے مثلاً

ایک روپے میں سو پیسے ہوتے ہیں
آج کل میرے پاس پیسے کی کمی ہے۔
اس کمرے میں ایک کھڑکی ہے۔
کھڑکی کھول دو (کھڑی بمعنی کھڑکی کے کواڑ)

اگر ایک لفظ کے دو یا زیادہ متضاد معنی پیدا ہو جائیں تو جھنجھلاہٹ ہوتی ہے۔ اکثر یہ کرتے ہیں کہ ان میں سے کسی کی ہیت بدل لیتے ہیں مثلاً Last, Latest
رنڈی، رانڈ brethren, brothers ہیت بدلنے کے لیے کثیر معنویت کے دو اور علاج ہیں۔

1- ذو معنی لفظ کے ایک مفہوم یا پورے لفظ کا معدوم ہو جانا۔ تاریخی ارتقا میں پہلی صورت زیادہ عام رہی ہے کہ کثیر معنوی لفظ کے ایک دو معنی برقرار رہے اور بقیہ ختم ہو گئے سنسکرت میں وشنو، ہری، سارنگ جیسے الفاظ کے بیسیوں معنی تھے۔ ہندی میں محض ایک دو رہ گئے۔ ایسے الفاظ جن کا ایک جز و ذم کا پہلو رکھتا ہے وہ بھی استعمال میں کم ہونے لگتے ہیں مثلاً لنڈورا (دُم کٹا)۔ چوتیا۔

2- اگر کثیر المعنی لفظ کئی مفاہیم کو ادا کرنے پر قادر نہیں رہتا تو اس کے کسی مفہوم کے لیے نیا لفظ بنا لیا جاتا ہے مثلاً سنسکرت لفظ چکر (ک ساکن) سے چکر، چاک (کمہار کا)؛ چکلا (روٹی بیلنے کا) وغیرہ۔

ہم اسمی (homonymy)۔ جب دو یا زیادہ الفاظ کی صوتی ہیئت بالکل یکساں ہو لیکن ان کے معنی میں بہت زیادہ فرق ہو تو انھیں ہم اسم (homonym) کہتے ہیں۔ ہم اسموں کا وجود ساسور کے اس اصول کا بہترین ثبوت ہے کہ مفہوم کا نام روایتی اور

من مانا ہوتا ہے۔ بیسویں صدی میں ہم اسموں کا اتنی دلچسپی سے مطالعہ کیا جارہا ہے کہ لسانیات کی ایک شاخ ہم اسمیات (homonymie) بن گئی ہے۔ یہ الفاظ اکثر دو کے جوڑوں میں ہوتے ہیں لیکن شاذو نادر دو سے زیادہ بھی مل جاتے ہیں مثلاً

میں کل آؤں گا

کل کا گھوڑا

کسی کروٹ کل نہیں پڑتی۔

یعنی کل کے معنی گزرا ہوا (یا آنے والا) دن، مشین اور چین ہیں۔ ڈاکٹر ہردیو باہری کا خیال ہے کہ ہندی میں ہم اسموں کے چھ سو جوڑے یا گروہ ہیں۔ اگر ہندی میں اتنے ہیں تو اردو میں اور زیادہ ہوں گے کیونکہ یہاں عربی فارسی لفظوں کی عاریت سے بھی ہم اسم بن گئے ہیں مثلاً مار: مارنا کا امر۔ مار: سانپ۔

جس طرح انتقالِ مفہوم اور کثیر معنویت کی حدیں گڈمڈ تھیں اسی طرح کثیر معنویت اور ہم اسمی کی حدیں بھی ملی ہوئی ہیں۔ بعض جگہ سمجھ میں نہیں آتا کہ معنی کا اختلاف کثیر معنویت ہی کی حد تک ہے یا ہم اسمی میں داخل ہو جاتا ہے مثلاً انگریزی میں

bear: لے جانا، ڈھونا۔ bear: برداشت کرنا۔ bear: اولاد پیدا کرنا۔

charge: حملہ کرنا۔ charge: الزام عائد کرنا۔ charge: قیمت وصول کرنا۔

اسی وجہ سے بعض نے یہ شناخت وضع کی ہے کہ اگر دو الفاظ ایک ہی اصل سے ہوں تو وہ کثیر معنویت کے ذیل میں آئیں گے اور اگر مختلف الاصل ہیں تو ہم اسم قرار دیے جائیں گے۔ لیکن اس تقیید کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ موٹے طور پر ان کے وجود کی دو تاریخی وجوہ قرار دی جاتی ہیں۔

1۔ کثیر معنویت سے کسی لفظ کے دو مفاہیم کا بالکل مختلف ارتقا۔ مثلاً

1. I was not happy once his accusative attitude

2. Accusative case relates to the direct object

Accusative بہ معنی الزامی اور Accusative بہ معنی حالتِ مفعولی یقیناً ہم اسم ہیں لیکن یہ دونوں ایک یونانی اصل aytiav سے نکلے ہیں اس لفظ کے مرکزی معنی "سبب" تھے اور مجازی معنی الزام دینا۔ دونوں مختلف مفاہیم کا اس طرح ارتقا ہوا

کہ اب ان میں معنوی حیثیت سے کوئی بھی قرب نہیں۔ مزید مثالیں
ا۔ پھول = گل۔ پھول = شراب۔ پھول = کچے کوڑھ (لیوکوڈرما) کا سفید داغ۔
ب۔ گلابی = ہلکا سرخ رنگ۔ گلابی = شراب کی بوتل خواہ وہ کسی رنگ کی ہو۔
ج۔ گل = پھول۔ گل = سگریٹ کی راکھ۔
د۔ مولا = آقا۔ مولا = غلام

2۔ دو مختلف مادّوں کے مشتقات کا اس طرح صوتی ارتقا کہ اتفاقیہ وہ ایک زاویے میں مل جائیں یعنی دونوں کی آواز یکساں ہو جائے۔ ہر زبان میں ایسی کافی مثالیں ملتی ہیں کہ دو ہم اسم مختلف ماخذوں سے ارتقا پاتے ہیں۔ صحیح معنی میں یہی سچّے ہم اسم ہیں بیلی کہتا ہے کہ انھیں homophone کہنا چاہیے۔ انگریزی لفظ ear کے ایک معنی (کان)، ہیں دوسرے اناج کا خوشہ۔ دونوں دو مختلف اصلوں سے ماخوذ ہیں۔ اسی طرح صوتی لحاظ سے I بمعنی میں اور eye معنی آنکھ بھی ہم اسم ہیں اور دونوں کی مختلف اصل ہیں۔ اپنی قدیم شکلوں میں ان کا تلفظ مختلف تھا۔

ہندی میں سونا بہ معنی طِلا سورن سے اور سونا بہ معنی خواب کرنا سوپن سے نکلا ہے۔

کام = کام کاج (کرم سے)	کام = شہوت (کام دیو کے نام سے)
تنا = پیڑ کا تنا (سنسکرت تنو سے)	تنا = تننا کا ماضی مطلق (سنسکرت تینتا سے)

ذیل کے ہم اسم بھی مختلف مادّوں سے ماخوذ ہیں۔

جیتا = زندہ (جیتا جاگتا)	جیتا = فتح کیا (جیتنا کا ماضی)
بڑا = عظیم (چھوٹا کی ضد)	بڑا = دہی بڑا
دیا = چراغ	دیا = دینا کا ماضی
بنا = شوہر	بنا = بننا کا ماضی
بٹی = دوا کی گولی	بٹی = بٹنا کا ماضی مونث

کام کے علاوہ مندرجہ بالا تمام مثالوں میں قواعدی گروہ کا بھی فرق ہے۔

ان دو زیادہ اہم تاریخی اسباب کے بعد کچھ اور اسباب درج کیے جاتے ہیں۔

3۔ عاریت سے۔ ایک لفظ اپنی زبان کا ہے۔ اس کا ہم آواز لفظ دوسری زبان سے مستعار لیا جائے یا شاید دونوں لفظ ہی دو مختلف زبانوں سے مستعار ہوں۔ ہندی کی نسبت

اردو میں ہم اسموں کی تعداد زیادہ ہے۔

من = دل　　　　من = ایک وزن

کوٹ = قلعہ　　　　کوٹ = ایک ملبوس

آم
　　عام

میل (یائے مجہول سے) = میل جول　　میل = Mail

دونوں لفظوں کے دوسری زبانوں سے مستعار ہونے کی مثال حال، ہال (hall)

بال　پنکھ (بالِ جبریل)۔ بال بہ معنی بال ڈانس یا گیند۔ بال　سر کا بال (ہندی)

4۔ عوامی لفظ اصلیات (folk etymology)۔ بعض اوقات ناواقف عوام کسی مستعار لفظ کو اپنی زبان کے سہل تر لفظ سے ملتبس کر دیتے ہیں اور اس طرح اس کا تلفظ بدل لیتے ہیں۔ بدلے ہوئے لفظ کا ایک جزو یا پورا لفظ کسی دوسرے مفہوم کے ساتھ ہم اسم ہو جاتا ہے۔

رس بھری = Raspberry　رس بھری = رس سے بھری ہوئی کوئی چیز

سالم مصری = ثعلب مصری کا مسخ۔ اس طرح سالم کے معنی 'پورا' کے علاوہ ثعلب کے بھی ہوئے۔

لاٹ = لارڈ　Lord　　لاٹ　پتھر یا دھات کا مینار

لارڈ کو پتھر کی لاٹ سے ملتبس کیا۔ اس طرح لاٹ کے معنی گورنر یا وائسرے کے ہو گئے۔

سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا　　حضرت ڈیوک کناٹ کو دیکھا

(اکبر)

سالم کی جگہ غلط فہمی سے 'ثابت' کا استعمال

بازار سے ثابت ارد لے آؤ۔ مجھے ثابت مونگ پسند نہیں۔ یہاں ثابت کو 'پورا' کے معنی میں لیا ہے اور اس لفظ کے دوسرے معنی ثبوت یافتہ یا ٹھہرا ہوا۔

5۔ مسخ ہم اسمی (Paronym)۔ بعض افراد یا گروہ بعض آوازوں کے تلفظ پر قدرت نہیں رکھتے اور انھیں اپنی سہل تر آوازوں کے مماثل کر لیتے ہیں مثلاً ہندی والے اردو خ کو کھ، غ کو گ، ز کو ج، ق کو ک بولتے ہیں۔ اردو والے ہندی کے ساکن حروف کو متحرک کر لیتے ہیں۔ افغان اور ایرانی ھ کاری آوازوں کو غیر ھ کاری کر دیتے ہیں۔ پنجابی اور اہلِ ہندی ق کو ک اور حیدر آبادی لوگ ق کو خ بولتے ہیں۔ اس طرح مخصوص بولیوں میں ہم اسم پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان میں ایک مسخ تلفظ پر مبنی ہوتا ہے۔ مثلاً

جلیل (جلیل اور ذلیل دونوں کے لیے)

بائی (بھائی اور بائی (عورت) کے لیے)

گل (غل اور گل کے لیے)

خسم (دکنی لہجے میں قسم اور خصم دونوں کے لیے)

حیرت ہوتی ہے کہ ہندی کے پڑھے لکھے لوگ بھی ایسی غلطی کرتے ہیں۔

ڈاکٹر ہردیو باہری جو مغربی پنجاب کے شرنارتھی ہیں اور لسانیات کے ماہر ہیں وہ اپنی کتاب Hindi semantics میں اسم قسم کے مسخ تلفظ کو صحیح جان کر ہم اسم کے طور پہ پیش کرتے ہیں۔

پھن = آرٹ (فن کی تخریب)، سانپ کا پھن — ص 107

جلا = ضلع ، جلانا کا امر — ص 112

ہم اسمی کثیر معنویت سے بھی زیادہ التباس کا موجب ہے۔ دو ہم اسموں میں معنی کا جتنا زیادہ فرق ہوگا ان کی ہم اسمی سے اتنا ہی زیادہ انتشار ہوگا مثلاً ذیل کا شعر ملاحظہ ہو۔

دخترِ درزی کا سینا دیکھ کر — جی میں آتا ہے کہ ململ دیجیے

دخترِ درزی کا سینہ دیکھ کر — جی میں آتا ہے کہ مل مل دیجیے

اردو میں صنعتِ ابہام اسی ہم اسمی سے فائدہ اُٹھاتی ہے۔ ع پروانے کو لَوِ چراغ کی ہے۔ اور ع کو دے نہ کنوئیں میں باولی ہو۔ میں لَو اور باولی کے دونوں معنوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ چونکہ ان کے دونوں معانی بہت دور کے ہیں اس لیے اُن سے ذہن کو پہلی باریک گونہ الجھن ہوتی ہے۔ اس قسم کی ہم اسمی کو مریضانہ (Pathological) کہیں گے۔ ہم اسموں کے دو معنوں میں امتیاز کرنے کے کئی طریقے ہیں۔

1۔ سب سے زیادہ مدد سیاق سے ملتی ہے۔ ایسا کم ہوتا ہے کہ ایک سیاق میں دونوں معانی کی گنجائش ہو مثلاً اوپر دخترِ درزی والے شعر میں یا ذیل کے جملے میں

اسے شعر سے عشق ہے

اسے شیر سے عشق ہے

2۔ اگر دونوں مفاہیم مختلف قواعدی گروہوں سے تعلق رکھتے ہوں تو زیادہ تر امکان یہ ہے کہ جملے میں اُن کے مقام، قواعدی چسپیے، جنس، عدد وغیرہ کے فرق سے ضروری مفہوم ظاہر ہو جائے

گا۔ ایسا قصداً بھی ہوتا ہے کہ مختلف قواعدی گروہ ایک سیاق اور ایک نحو میں سما دیے جائیں مثلاً گلزارِ نسیم کا مصرع

بارہ دری واں جو سونے کی تھی

یا خسرو سے منسوب انمل

مسافر پیاسا کیوں ؟ گدھا اُداسا کیوں ؟ جواب لوٹا نہ تھا۔

گویا کیوں نہ گایا ؟ گوشت کیوں نہ کھایا ؟ جواب گلا نہ تھا۔

عام جملے میں bear فعل اور bear اسم بہ معنی ریچھ میں کہاں التباس ہو سکتا ہے۔

3۔ تحریر میں بعض اوقات مختلف ہجوں سے بھی ہم اسموں میں امتیاز ہو سکتا ہے مثلاً نذیر، نظیر۔ عَلَم، اَلَم۔

یہ بہت عام ہے کہ مختلف مادّوں سے برآمد ہونے والے ہم اسم جوڑے مختلف ہجے رکھتے ہیں۔ انگریزی اور فرنچ میں یہ کتنا عام ہے۔ Maize, maze, right, write یورپ کی زبانوں میں اسی لیے فرسودہ املا کو برقرار رکھا گیا ہے کہ اس سے لفظوں کے مختلف معنی اور مختلف اصلیں آئینہ ہو سکیں۔ چینی زبان میں ایک لفظ کو مختلف سروں میں بولنے سے مختلف معنی ہوتے ہیں۔ تحریر میں ان کا فرق واضح کرنے کے لیے مخصوص معنی سے مماثل کوئی دوسرا لفظ ساتھ رکھ دیا جاتا ہے جو محض امدادی یا توضیحی ہوتا ہے۔

4۔ تاریخی ارتقا میں یہ ترکیب بھی برتی گئی ہے کہ دو معنوں میں سے ایک کو ترک کر دیا جاتا ہے مثلاً اٹھارویں صدی میں رنڈی کے معنی 'عورت' تھے۔ بعد میں اس کے معنی 'طوائف' ہو گئے۔ التباس سے بچنے کے لیے رنڈی بہ معنی عورت کو ترک کر دیا گیا۔ عرصہ کے معنی میدان تھے بعد میں اردو میں اس کے معنی مدّت ہو گئے۔ عرصہ = میدان کو ترک کر دیا گیا لیکن اب بھی عرصۂ کارزار میں یہ معنی موجود ہیں۔ غصّہ کے اصل معنی رنج تھے بعد میں طیش ہو گئے اور پہلے معنی اردو میں متروک ہو گئے گو 'غم و غصّہ' میں یہ معنی موجود ہیں۔

5۔ تاریخ میں شاذ یہ بھی ہوا ہے کہ دو ہم اسموں میں سے ایک کا تلفّظ بدل دیا گیا جس کی وجہ سے بعض فرنچ تحریروں کی Pun اب سمجھ میں نہیں آتیں۔ غور کرنے سے فرسودہ تلفّظ کا اندازہ ہوتا ہے جو کسی دوسرے مفہوم والے لفظ کے مطابق تھا۔

معنیات لفظوں کی معنوی تبدیلی یا معنوی ارتقا پر فرداً فرداً غور کرتی ہے لیکن اس

طریقے کو غیر تشفی بخش دیکھ کر بیسویں صدی میں معنوی میدان (Field theory) کا نظریہ پیش کیا گیا۔ اس نظریے کو جرمنی میں بہت مقبولیت ہوئی۔

سب سے پہلے ۱۹۱۰ء میں R. M. Meyer نے معنوی نظاموں (Semantic Systems) کا نظریہ پیش کیا۔ اس کے بعد Weisgerber نے ذخیرۂ الفاظ کے منطقوں (Spheres of vocabulary) کا ذکر کیا اور دکھایا کہ یہ ہمارے تصورات کو متاثر کرتے ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں پروفیسر Trill نے مفاہیم کی بنا پر لسانی، تصوراتی (Conceptual) اور لغوی میدانوں (Lexical field) کی تقسیم کی۔ کچھ اور لوگوں نے لغاتی اعتبار سے لفظوں کی گروہ بندی کی مثلاً فعل + فاعل (Actor, act) یادایاں، بایاں جیسے جوڑوں کی۔ ٹرائر نے لغاتی میدان پر اکتفا کیا معنوی میدان (Semantic fields) نہیں کہا لیکن فیلڈ تھیوری کہنے سے مراد معنوی میدان ہی ہوتا ہے۔

اس نظریے کے مطابق لفظ و معنی کا فرداً فرداً مطالعہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ گروہوں میں۔ ایک لفظ مختلف سیاقوں میں مختلف مفاہیم ادا کرتا ہے۔ ایک سیاق میں وہ ایک لفظ کے مترادف ہوتا ہے۔ دوسرے سیاق میں دوسرے لفظ کے۔ یہ تمام مفاہیم اور اُن کے مترادف دوسرے الفاظ مل کر ایک معنوی زمرہ بنتے ہیں۔ زبان کو اس طرح لفظوں کے Sets میں تقسیم کیا جاسکتا ہے مثلاً انگریزی لفظ house مختلف سیاقوں میں (home, cabin, cottage, hut, apartment, building وغیرہ کے مترادف ہوتا ہے۔ یہ تمام الفاظ مل کر ایک معنوی میدان یا خطہ تشکیل کرتے ہیں جن میں معانی گڈمڈ رہتے ہیں۔ دوسرے سیاقوں میں house کے معنی پارلیمنٹ، اسمبلی، dormitory, audience وغیرہ ہوسکتے ہیں house کے لفظ و مفہوم کے لیے یہ تمام الفاظ و مفاہیم ایک ربطی علاقہ (Associative field) متعین کرتے ہیں۔ ہم مفرد لفظ کی جگہ اس کے پورے معنوی میدان کا مطالعہ کریں تو معنوی تبدیلی کثیر معنویت، ہم اسمی وغیرہ کا بہتر مطالعہ ہوگا نیز مختلف ادوار میں اس لفظ نے کیا کیا تصورات پیدا کیے وہ بھی بھرپور طریقے سے معلوم ہوگا۔

ہم پیچھے چلنے کے مترادفات سے کر گھبرانا تک پہنچ گئے تھے۔ معلوم ہوا کہ چلنا کا مطالعہ ذیل

کے گروہ میں کیا جا سکتا ہے۔

چلنا۔ جانا۔ پھرنا۔ مڑنا۔ گھومنا۔ چکر کھانا۔ چکر کاٹنا۔ چال۔ چلن، چلنے والا۔ چالو۔ چلتا پھرتا۔ وغیرہ۔

فیلڈ تھیوری ابھی پوری طرح واضح نہیں۔ اس کے امکانات کی پوری طرح شرح نہیں ہوئی لیکن اس کی افادیت میں شبہ نہیں۔ اسے تسلیم کر لیا گیا ہے۔

محاورہ (idiom)۔ ہاکٹ[1] نے محاورے کی ایک عجیب تعریف دی ہے جس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔

"محاورہ وہ قواعدی روپ ہے جس کے معنی اس کی ساخت سے دریافت نہیں کیے جا سکتے اور جو اسی قسم کے بڑے قواعدی روپ کا جزو نہیں۔"

چونکہ تنہا مارفیم کے[2] معنی بھی اس کی ساخت سے دریافت نہیں ہوتے اس لیے وہ بھی محاورہ ہے مثلاً اُن کے نزدیک She wants a new hat میں New محاورہ ہے اسی طرح Promote, Produce, Remote وغیرہ محاورے ہیں۔

تنہا مارفیم کے علاوہ وہ مخففات[3] کو بھی محاورہ قرار دیتا ہے مثلاً ایروپلین کی جگہ پلین یا "مجلسِ اقوام کی تہذیبی سائنسی اور ثقافتی تنظیم" کی جگہ "یونسکو"۔ اسی طرح وہ استعارے[4] کو بھی محاورے کے ضمن میں لے آتا ہے مثلاً He married a lemon میں لیمو سے مراد ترش مزاج عورت ہے۔

ہمارے لیے ہاکیٹ کی تمام تعریفیں بے کار ہیں۔ آخری مثال محاورے کے لگ بھگ آجاتی ہے لیکن ہمارے نزدیک محاورے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے مجازی معنی زبان میں متفقہ طور پر رائج ہو کر مستحکم ہو گئے ہوں۔

ڈاکٹر ہردیو باہری نے محاورے کی یونانی تعریف پسند کی ہے "محاورے میں کسی زبان کے وہ مخصوص اظہاریے (Expressions) شامل ہیں جن کی بنا پر وہ زبان دوسری زبانوں سے ممیز ہو۔"

یہ کسی طرح جامع و مانع تعریف نہیں مثلاً اردو ہندی میں بعض صورتوں میں فعل کی

---

[1] ہاکٹ ص 172۔ [2] ایضاً ص 172۔ [3] ایضاً ص 315۔ [4] ایضاً ص 317

جنس و تعداد مفعول کے مطابق ہوتی ہے۔ اب اس مخصوص طریقۂ اظہار کو محاورہ نہیں کہہ سکتے۔ ہم اس سے بہتر تعریف تلاش کر سکتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ہر زبان کے محاورے اس زبان کے مذاق کے مطابق ہوتے ہیں۔ اردو میں ضروری ہے کہ محاورے میں کم از کم دو لفظ ہوں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ان میں سے کم از کم ایک لفظ مجازی یعنی غیر لغوی معنی میں استعمال کیا گیا ہو۔ اب ہم اردو محاورے کی تعریف یوں کریں گے۔

"محاورے اہلِ زبان میں مستعمل وہ مخصوص فقرے ہیں جن کا کم از کم ایک لفظ مجازی یعنی غیر لغوی (Transferred) معنی میں لیا گیا ہو اور اس مجازی معنی پر اہلِ زبان میں عام طور پر اتفاق ہو۔"

اہلِ زبان میں مستعمل اور متفقہ سے یہ طے ہو جاتا ہے کہ محاورہ ہر استعارے یا مجاز کو نہیں کہہ سکتے بلکہ صرف اُنھیں کو جنھیں اہلِ زبان متفقہ طور پر استعمال کرتے ہوں، جن کی ہیئت مقرر ہو گئی ہو اس طرح 'نظر پر چڑھنا' محاورہ ہے لیکن 'نگاہ پر چڑھنا' محاورہ نہیں گو اس کا ایک جزو مجازی معنی میں ہے۔ تنہا لفظ کو بھی محاورہ نہیں کہہ سکتے۔

'اس نے ایک گدھے سے شادی کی ہے'

'گدھے' کا لفظ متفقہ طور پر 'بے وقوف' کے مجازی معنی دیتا ہے لیکن چونکہ یہ فقرہ نہیں اس لیے ہم اسے محاورہ نہ کہہ کر محض استعارہ یا رمزیہ کہیں گے۔

مجازی استعال اور محاورے کا روزمرّہ کی طرح استعمال سے مستحکم ہونا دو ضروری خصوصیات ہیں۔ یہ دوسری زبانوں میں ترجمہ نہیں ہو سکتا۔ کلاسکی زبانوں بالخصوص سنسکرت میں محاوروں کی بڑی کمی ہے۔ اردو میں ان کی بڑی ریل پیل ہے۔ اردو میں محاوروں کی دو ساخت مرغوب ہیں۔

ا۔ وصفی یعنی صفت موصوف۔ ان میں صفت مجازی معنی میں آتی ہے مثلاً کڑوی بات، میٹھے بول، چکنا گھڑا، ٹیڑھی کھیر۔

آخری دو مثالوں میں دونوں اجزا مجازی معنی میں آئے ہیں۔

ب۔ فعلی۔ ان کا دوسرا جزو فعل ہوتا ہے اور مجازی معنی کا اسی پر زور ہوتا ہے مثلاً نظر پر چڑھنا، ہاتھ اُٹھانا، کمر کسنا۔

تاریخی معنیات

ساسور نے لسانی مطالعے کی دو شاخیں کی تھیں۔ 1۔ عصری (Synchronic)،

2. عصریاتی (Diachronic)۔ ساسور نے اول الذکر کو سبقت دی تھی۔ یہ بھی رواج ہوگیا ہے کہ دونوں مطالعوں کو ایک دوسرے سے جدا رکھا جائے۔ ویس جربرد (Weisgerber) نے کہا تھا کہ لفظ کے دو اجزا نام اور تصور یعنی مفہوم ہیں۔ دونوں لانیفک ہیں۔ اگر صوتی نام اور علم کا عصری مطالعہ کیا جائے تو اُسے لغاتیات کہتے ہیں عصریاتی مطالعہ کیا جائے تو اسے لفظ اصلیات (Etymology) کہتے ہیں۔ معنی کے علم کا عصری مطالعہ بیانی معنیات کہلائے گا اور عصریاتی مطالعہ تاریخی معنیات۔

بیانی معنیات میں معنی کی تعریف، علامت و رموز کا تعلق، صوتی نام اور مفہوم کی خصوصیات، نام اور مفہوم کے تعلق کی مختلف صورتوں (ایک نام کے کئی مفہوم اور ایک مفہوم کے کئی نام) پر غور کیا جاتا ہے۔ تاریخی معنیات معنی کے ارتقا یعنی معنوی تبدیلی کے مطالعہ کا نام ہے اس کا موضوع تبدیلی کی نوعیت معنوی تبدیلی کے اسباب ان اسباب کی گروہ بندی، معنوی تبدیلی کے مظاہر اور معنوی تبدیلی کے قوانین پر بحث کرنا ہے۔ ہم معنوی تبدیلی پر لسانی تبدیلی کی دوسری شکلوں کے سلسلے میں چودھویں باب میں غور کریں گے۔ یہاں تاریخی معنیات کے بارے میں چند الفاظ پر اکتفا کی جاتی ہے۔

لسانیات کی دوسری شاخوں کے برعکس معنیات میں بیانی اور تاریخی مطالعے کو بالکل الگ نہیں کیا جاسکتا۔ نام اور مفہوم کے تعلق کی مختلف شکلیں دراصل تاریخی ارتقا ہی میں رونما ہوتی ہیں۔ عصریاتی پس منظر کے بغیر معنی کا مطالعہ نامکمل رہتا ہے۔

معنوی تبدیلی بیشتر منفرد اور تنہا (Isolated) ہوتی ہے۔ صوتی تبدیلی کی طرح وہ باقاعدہ نظام کے تابع نہیں اس لیے تاریخی معنیات پر یہ الزام ہے کہ وہ بکھرا ہوا، تنہا، پارہ پارہ (atomistic) ہے۔ بیانی معنیات ایک نظام (System) ہے لیکن تاریخی معنیات میں ایسا کوئی باقاعدہ نظام نہیں۔

تاریخی معنیات کے ماہرین نے معنوی تبدیلی کو صوتی تبدیلی کی مماثلت پر کسنا چاہا اور صوتی قوانین کی طرح معنوی قوانین وضع کیے تاکہ تاریخی لسانیات کو بھی ایک نظام یا آئین میں بدلا جا سکے۔ معنوی قوانین کی سب سے بڑی تعداد بریل (Breale) کی وضع کردہ ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ معنی کے ارتقا میں کچھ عقلی قوانین (Intellectual laws of language) کام کرتے ہیں۔ ان قوانین کو بعض علماء کی تائید حاصل ہوئی لیکن بعض

مثلاً مکر اور اُلمان نے ان کی مخالفت کی۔ چونکہ معنوی تبدیلی یکساں نہیں ہوتی اس لیے اس کے قانون نہیں بنائے جا سکتے۔

قانون کا لفظ صرف اُنھیں اصولوں کے لیے استعمال کرنا چاہیے جن میں مکمل صحت ہو، جہاں استثنا کی گنجائش نہ ہو، جو اٹل ہوں ورنہ رجحانات یا قاعدے کہنا کافی ہے۔ ان کو قانون کہنا چھوٹا منہ بڑی بات جیسی بات ہے۔ پھر ان میں سے بعض خود بخود فطری طور پر رونما ہوتے ہیں عقلی قانون وہی ہو سکتا ہے جہاں انسان کی عقل غور و خوص کے بعد فیصلہ کرے جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے اُن میں سے بعض قوانین معنیات کی بجائے مارفیمیات سے متعلق ہیں۔ ذیل میں اُنھیں درج کیا جاتا ہے۔ پہلے بریل کے قوانین لیے جائیں گے بعد میں مختصراً دوسروں کے۔

1۔ **تخصیص کا قانون** (law of specialisation)۔ کسی ایک تصور یا روپ کو ظاہر کرنے کے لیے زبان میں کئی لفظ یا چپیے (affixes) ہوتے ہیں چونکہ یہ مفہوم کی قطعیت کی راہ میں حائل ہوتے ہیں اس لیے ان میں سے زیادہ تر ختم ہو جاتے ہیں اور ایک یا دو باقی رہ جاتے ہیں جو اس مفہوم کے لیے مخصوص ہو جاتے ہیں۔

پیچھے کثیر معنویت کے سلسلے میں ہم اس کی مثالیں درج کر چکے ہیں۔ عقلی دلیل کا مطالبہ تو یہی ہے کہ افراتفری ختم ہو کر ایک تصور کے لیے ایک لفظ اور ایک روپ کے لیے ایک چپیہ ہو لیکن زبان عقل کی مطابقت کہاں کرتی ہے۔ اردو میں تذکیر و تانیث کو لیجیے مونث بنانے کے کتنے متنوع قاعدے ہیں۔ کئی سو سال کے اندر ان کی تعداد میں کمی نہیں آئی۔ انگریزی میں اسم کی جمع بنانے کے کتنے زیادہ قاعدے ہیں مثالوں سے ملاحظہ ہو۔

boys, glasses, knives, mice, curricula,
radii, sheep, oxen, men, indices, crises, feet.

وغیرہ۔ خوشی کے مفہوم کے لیے شادی، شادمانی، مسرت، بہجت، سرور، حظ، خوشی، شگفتگی وغیرہ ہیں لیکن یہ کون کہہ سکتا ہے کہ اُن میں مفہوم کا نازک فرق نہیں۔ جو تخصیص کا قانون قواعدی چپیوں میں باقاعدگی نہ لا سکا وہ لفظوں میں کیا کانٹ چھانٹ کرے گا۔ مترادف لفظوں میں کبھی کبھی کمی ہو جاتی ہے لیکن کسی قانون اور ضابطے کے طور پر نہیں بلکہ اتفاقیہ۔

2۔ **پھیلاؤ کا قانون** (Law of Irradiation)۔ جب لفظ میں کوئی نیا

مفہوم چمک اٹھے یعنی ظاہر ہو جائے تو گویا اس قانون کا اطلاق ہوا۔ یہ حقیقت ہے کہ رفتہ رفتہ لفظ میں بہت سے مفہوم شامل ہو جاتے ہیں۔ اس قانون کے واضع ہونے سے خاص طور پر لاحقوں کی سطح پر سمجھا یا ہے جو صحیح نہیں۔ انگریزی لاحقے ard , ish مفہوم کو پست کرنے کا رجحان رکھتے ہیں مثلاً dullard, drunkard,
boyish, childish, foppish
اصلاً ان لاحقوں میں پستی کا مفہوم نہ تھا۔

صرفی ساخت کی بحث اٹھانا معنیات کے دائرے سے نکلنے کے مترادف ہے۔ پھر اس قانون میں قانون والی بات کون سی ہے۔ اگر کچھ مخصوص شرائط کے نتیجے پر نئے مفہوم کی آمیزش ہوتی تو قانون ہوتا۔

3- تصریفی چیپیوں کی بقا کا قانون (law of survival of inflection)
کلاسکی زبانوں میں لاحقے مکمل معنی دیتے تھے کیونکہ یہ زبانیں مرکبی تھیں۔ جدید زبانیں تحلیلی ہو گئیں کیونکہ لاحقوں کے معنی جاتے رہے اور اُن کی جگہ نئے امدادی لفظ جوڑنے کی ضرورت آئی مثلاً قدیم انگریزی میں goeth کے معنی تھے go+he = وہ جاتا ہے۔ اب goes میں he کا مفہوم واضح طور پر شامل نہیں اس لیے ہم he goes کہہ کر فاعل کا اضافہ کرتے ہیں۔ یہ تصریفی چیپیوں کی بقا ہے یعنی چیپیے اپنے بنیادی مفہوم کو پوری طرح ادا نہیں کرتے لیکن انھیں باقی رکھا گیا۔
سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا معنیات سے کون سا گہرا تعلق ہے۔ پھر اس کا وقوع اتنا آفاقی اور دوامی نہیں کہ اسے قانون کہہ سکیں۔ بہت سے چیپیے ختم بھی ہوتے ہیں مثلاً اردو میں آوے، جاوے کا 'وے'۔ آئے ہے، جائے ہے، کرے ہے کا "اے ہے" جس کی جگہ "تا ہے" نے لی ہے۔

4- غلط مشاہدے کا قانون (law of false perception)۔ بعض بعض اوقات لفظ کی اصل کو غلط سمجھ کر اس کے معنی قدرے ہٹا دیے جاتے ہیں مثلاً قدیم آریوں میں اہورا اور اسُر کے معنی دیوتا تھے چنانچہ پارسیوں میں 'اہورمزدا' خدا کا نام ہے جب ہندوستانی اور ایرانی آریوں میں عناد پیدا ہوا تو ایرانیوں نے اسُر کے معنی شیطان کر دیے۔ ہندوستان کے آریوں نے اسُر کے ابتدائی اَ کو نفی کا سابقہ سمجھا اور سُر بمعنی دیوتا اور اسُر بمعنی راکشس طے کر لیے۔

اردو سے کچھ مثالیں دیکھیے۔ گلاب کے معنی آبِ گل کے ہیں۔ اس کے لاحقہ آب کو نظر انداز

کر کے اردو میں آپ گل کے لیے گلاب کا عرق کہا جاتا ہے۔ ترکی لفظ تلاشی کے معنی تلاش کرنے والا، ہیں۔ اہلِ اردو نے سمجھا کہ اس میں اسی طرح یائے زائد ہے جیسے خماری، انتظاری میں۔ انھوں نے عربی قاعدے سے اسم فاعل متلاشی بنا دیا جس کے معنی تلاش کرنے والا مقرر کیے گئے۔ یہی معنی تلاشی کے تھے۔ یگانگی کے معنی یگانہ پن ہیں۔ لوگوں نے اس پر بس نہ کر کے اس سے یگانگیت حاصل مصدر یا اسمِ کیفیت بنا دیا حالانکہ یگانگی اس مفہوم کے لیے کافی تھا۔

اسے عقلی قانون کہیں کہ بے عقلی کا قانون؟ نیز یہ اتنی اہم بات نہیں جس کے لیے ایک قانون وضع کر دیا جائے۔

5۔ **امتیاز کا قانون** (Law of differentiation)۔ جب ایک مفہوم کے لیے کئی الفاظ ہوتے ہیں تو آہستہ آہستہ ان کے مفہوم میں نازک امتیازی فرق پس جاتا ہے اور وہ اس حد تک مترادف نہیں رہتے۔

یہ قانون بالکل چوکھا ہے۔ پیچھے اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

6۔ **مماثلت کا قانون** (Law of analogy)۔ اگر انسان کو کوئی نیا لفظ بنانا ہوتا ہے تو وہ پہلے سے موجود الفاظ کی مماثلت پر نیا لفظ گڑھ لیتا ہے۔

مزید تفصیل میں جائے بغیر ہم یہ کہیں گے کہ یہ معنیات کا قانون نہیں ذخیرۂ الفاظ کا قانون ہے۔

7۔ **نئی تحصیل کا قانون** (Law of new acquisition)۔

جس طرح زبان میں پرانے روپ، لفظ اور مفہوم ختم ہو جاتے ہیں اسی طرح نئے روپ، لفظ اور مفہوم پیدا ہوتے جاتے ہیں یا باہر سے مستعار لیے جاتے ہیں۔

صحیح لیکن اسے معنیات تک کیوں محدود رکھا جائے اسے زبان کی تبدیلی یا ارتقا کا قانون کہنا چاہیے۔ پھر یہ قانون نہیں رجحان ہے۔

8۔ **بے کار روپوں کے معدوم ہونے کا قانون** (Law of extinction of useless forms)۔ دراصل اس قانون کا ساتویں قانون سے پہلے ہی درج کرنا چاہیے۔ زبان میں بعض روپ ختم ہوتے جاتے ہیں اور یہ اکثر ان صورتوں میں ہوتا ہے جہاں ایک مقصد کے لیے ایک سے زیادہ روپ ہیں۔

یہ قانون بھی محض معنیات کا نہیں۔ ان قوانین میں پہلا، دوسرا اور پانچواں معنیات

کے لیے مفید ہیں۔ چوتھا محض ضمنی حیثیت رکھتا ہے۔ تیسرا قانون مارفیمیات سے متعلق ہے اور چھٹا، ساتواں اور آٹھواں عام طور سے زبان کے ارتقا کے بارے میں ہیں۔ ان کی معنیات سے کوئی تخصیص نہیں۔ حق یہ ہے کہ بریل نے انھیں معنیات کے قوانین نہ کہہ کر زبان کے قوانین کہا ہے۔

ونٹ (Wandt) نے ارتباط کے عمومی قوانین (General laws of association) پیش کیے جن کے نام

مشابہت کا قانون	Law of similarity.
زمان و مکاں کے قرب کا قانون	Law of spatio-temporal contiginty
نامطابق عناصر کو دبانے کا قانون	Law of suppression of incompatible elements

ہیں۔ انھیں بھی رجحان کہا جائے گا قانون نہیں۔ گسٹاف اسٹرن کا ذیل کا قانون پوری طرح قانون کی قطعیت رکھتا ہے۔

English adverbs which have acquired the sense "rapidly," before 1300 A.D. always develop the sense "immediately,"

قانون ہے لیکن محض ایک مفہوم سے متعلق۔ عمومیت نہیں۔ اسپربر نے ذیل کا قانون وضع کیا۔

If at a certain time a complex of ideas is so strongly charged with feeling that it causes one word to extends its sphere and change its meaning, we may confidently expect that other words belonging to the same emotional complex will also shift their meaning.

چونکہ اس قانون کی ہیئت اور ساخت لسانی قوانین کی طرح قطعی نہ تھی اس لیے اسے

قانون کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ معنیات میں ایسے باقاعدہ فارمولے نہیں ہو سکتے کہ انھیں قانون کا نام دیا جائے۔ قانون تو یہ ہوتا ہے کہ مخصوص مقدار میں ہائڈروجن اور آکسیجن کو ملایا جائے تو پانی بن جائے گا۔

معنیات کے علماء اسے عظمت عطا کرنے کے لیے اس کی نئی نئی شاخیں وضع کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں مثلاً ایک عام معنیات (General semantics) کی کوشش ہے۔ ساسور کے الفاظ میں اسے Pancheonistic کہہ سکتے ہیں۔ اس میں ایسے قواعد ہوں گے جو ہر زمانے اور ہر زبان کے لیے ٹھیک ہوں گے۔ گرے نے کہا کہ اگر کوئی دوامی یا کُل عصریاتی لسانیات ہو سکتی ہے تو وہ کسی مخصوص زبان (Langue) سے متعلق نہیں بلکہ نطق انسانی (Language یعنی لاں گاژ) سے متعلق ہی ہو سکتی ہے۔

معنوی اعداد و شمار (Semantic statistics)

آج کل چونکہ سائنس کی بہت توقیر ہے اس لیے ہر سماجی علم معاشیات، لسانیات کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اسے ریاضی نما بنا دیا جائے۔ معنیات نے بھی کوشش کی کہ اس پر اعداد و شمار کا اطلاق کیا جا سکے۔ معنوی تبدیلی کی ایک شکل ہوتی ہے اس میں ایک حس سے متعلق خواص دوسری حس سے متعلق الفاظ پر چسپاں کر دیے جاتے ہیں مثلاً مہکتے رنگ، سبز خوشبو، رقص کرتے بول۔ انگریزی کے بعض ادیبوں کے یہاں اس قسم کے استعمالوں کا شمار کیا گیا اور یہ حساب لگایا گیا کہ کتنی صورتوں میں کس حس کو کس دوسری حس پر چسپاں کیا گیا۔ اعداد و شمار کا چارٹ تو بن گیا لیکن اس سے کوئی بہت مفید نتیجہ نہ نکلا۔

پروفیسر Synaesthesia نے ایک سوفی صدی ریاضیاتی فارمولا بنایا۔

Different meanings of a word will tend to be equal to the square-root of it relative frequency

خدا معلوم یہ کہاں تک ٹھیک ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ معنیات میں کوئی بات اس میکانکی

صحت کی متابعت نہیں کرتی۔ معنوی اعداد و شمار کی یہ کمزوری ہے یہ محض مقدار کو سامنے رکھتی ہے جب کہ بیشتر معنوی مسائل کیفیت کے ہوتے ہیں کمیت کے نہیں۔ اس لیے یہ یقینی ہے کہ معنیات میں نہ قوانین پوری طرح کامیاب ہو سکتے ہیں نہ اعداد و شمار کا اطلاق مفید ہو سکتا ہے۔

آٹھواں باب

لسانی تبدیلی

دوسرے باب میں زبان کی فطرت بیان کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ یہ بدلتی رہتی ہے۔ تبدیلی کے لمبے سلسلے کو ارتقا کہتے ہیں۔ زبان کی تبدیلی اس کی ہر سطح میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ سطحیں حسبِ ذیل ہیں۔

1۔ صوتی اور فونیمی تبدیلی۔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ یہ تبدیلی زبان میں بھی رونما ہوتی ہے بولی میں بھی اور فرد لولی میں بھی۔ معلوم نہیں کیوں ایک زبان کے بولنے والے کسی آواز کے ایک غیر امتیازی پہلو پر دوسرے غیر امتیازی پہلو کو ترجیح دینے لگتے ہیں۔ کچھ عرصے تک دونوں میں آویزش رہتی ہے۔ بعد میں ایک ختم ہو جاتا ہے اور دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔

2۔ مارفیمی تبدیلی۔ یہ لسانی تبدیلی کی اہم شکل ہے۔

3۔ نحوی تبدیلی۔ نحوی تبدیلی کی رفتار اور مقدار صرفی تبدیلی کے مقابلے میں کم ہوتی ہے۔

4۔ ذخیرۂ الفاظ (vocabulary) کی تبدیلی۔ لسانی تبدیلی کی یہ اہم ترین وجہ ہے۔ اس میں عاریت کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

5۔ معنوی تبدیلی۔ یہ بھی لسانی تبدیلی کا سب سے دلچسپ مظہر ہے۔ یہ بھی زبانوں کے بدلنے میں اہم رول ادا کرتی ہے۔

آئندہ ابواب میں ان تمام سطحوں پر تفصیل سے غور کیا جائے گا۔

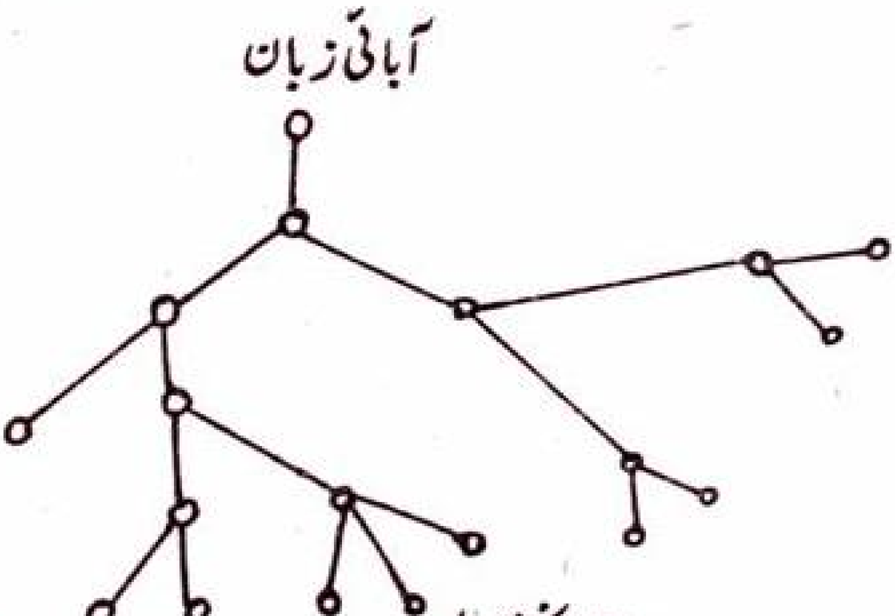
زبان کی تبدیلی کی دو قسمیں ہیں:

1۔ زمانی یا تاریخی　　　2۔ مکانی یا جغرافیائی یا علاقائی۔

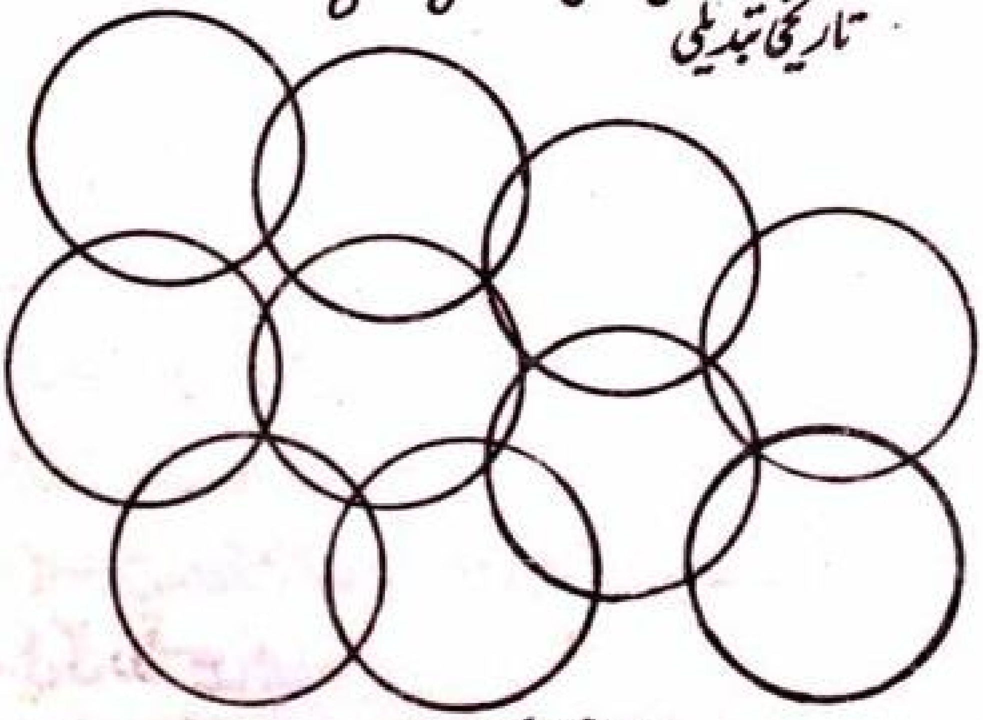
زمانی تبدیلی میں ہم ایک زبان کو وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ ہزار پانسو سال میں تبدیلیوں کی میزان اتنی ہو جاتی ہے کہ زبان کا پہلا رنگ روپ ختم ہو کر دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ ایک زبان کی جگہ اکثر کئی زبانیں لے لیتی ہیں مثلاً سنسکرت میں جب زیادہ تبدیلیاں ہوئیں تو اس کی جگہ پراکرتوں نے لے لی۔ شورسینی پراکرت بدلی تو اس کی جگہ جدید کئی ہند آریائی زبانیں پیدا ہو گئیں۔ ان تبدیلیوں کا مطالعہ تاریخی لسانیات کا خاص موضوع ہے۔

تبدیلی اور اختلاف کی دوسری قسم جغرافیائی ہے۔ ہم ایک علاقے سے کسی طرف کو سفر کریں تو بولیاں اور زبانیں بدلتی دکھائی دیں گی۔ ہندوستان میں ہندی کا کتنا بڑا علاقہ ہے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک جائیے تو بولیوں کا اتنا اختلاف ملے گا کہ بعض کو علیحدہ زبان قرار دینے کو جی چاہے گا۔ علاقائی تبدیلیوں کا مطالعہ تقابلی لسانیات اور بولی جغرافیہ کا موضوع ہے۔

تاریخی اور جغرافیائی تبدیلی کو نقشے کے ذریعے یوں ظاہر کیا جاسکتا ہے ان تاریخی اور جغرافیائی



تاریخی تبدیلی



جغرافیائی تبدیلی

تبدیلیوں کی کیا وجوہ ہیں اور کیا شکلیں ہیں ان کا تفصیلی مطالعہ آئندہ باب میں ہر قسم کے شعبے میں تبدیلی کے تحت کیا جائے گا۔ عموماً ان دونوں اقسام کی تبدیلیوں کے اسباب ملتے جلتے ہوتے ہیں۔ ذیل میں مجموعی اعتبار سے کچھ مشاہدات درج کیے جاتے ہیں۔

زبان اس لیے بدلتی ہے کہ دنیا میں اور سب کچھ بھی بدلتا رہتا ہے۔ انفرادی بولی کے عمل میں دو حصے ہوتے ہیں نفسیاتی اور میکانکی۔ عمر کے ساتھ ساتھ اعضائے نطق میں تبدیل ہوتی رہتی ہے اور جہاں تک نفسیات کا سوال ہے انسان کا ذہن اور خیال تو مسلسل حرکت میں رہتا ہے۔ بچپن، شباب اور پیری کے افکار و جذبات یکساں نہیں ہوتے۔ پھر ہمارے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے اس لیے یقینی ہے کہ فرد بولی میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی ہوتی جائے گی۔

زبان ایک فرد کی بولی نہیں ہزاروں، لاکھوں بلکہ بعض صورتوں میں کروڑوں فرد بولیوں (Paroles یا Idiolects) کا مجموعہ ہوتی ہے۔ ان میں ترسیل کی جو مقدار (Density of communication) ہوتی ہے اس کے لحاظ سے وہ ایک دوسرے پر عمل اور رد عمل کرتے ہیں جہاں تبدیلی کی کارفرمائی اتنی وسیع و عریض ہو (جیسے سب کچھ ایک کٹھالی یا کڑھائی میں ڈال کر پکایا جا رہا ہو) وہاں استحکام کا کیا سوال ہے۔ کروڑوں افراد اپنے اپنے اعضائے نطق، اپنے اپنے خیالات اور اپنے اپنے علم کے ساتھ ایک زبان مثلاً ہندوستانی یا انگریزی کو استعمال کر رہے ہیں تو اس میں ایک وقت میں جو ظاہر ایکسانی ملتی ہے وہ بھی تعجب خیز ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ تبدیلی کی رفتار اور تیز کیوں نہیں۔

خارجی عوامل سے قطع نظر زبان کی فطرت کو دیکھیے۔ خود اس کے اندر عدم استحکام اور نیرنگی کے تخم موجود ہیں۔ صوت ہو یا قواعدی روپ، لفظ ہو کے معنی، یہاں کتنے متبادل سانچے موجود ہیں۔ مختلف زبانوں کے نمونوں کو چھوڑیے ایک زبان ہی میں کتنے مختلف روپوں اور سانچوں میں سے انتخاب کی گنجائش ہے۔ آوازوں کو لیجیے۔ ہر فونیم کی ذیلی اصوات ہوتی ہیں۔ ایک شخص ایک طرح سے بولتا ہے دوسرا دوسری طرح۔ تیسرا اس فونیم کی جگہ اس سے ملتا جلتا دوسرا فونیم بولتا ہے مثلاً ق کی جگہ ایک شخص ک بولتا ہے دوسرا خ۔ پھر مصوتے ہیں جن میں تبدیلی کرنے کی اور بھی چھوٹ ہے۔

مارفیمی روپوں کا بھی یہی حال ہے 'چورنی' کہیے کہ 'چوٹٹی'، 'کیجے'، 'کہیں یا کیجیے'، 'یا کیجیے گا'۔ 'چڑیا' کی جمع 'چڑیائیں'، بولیں یا چڑیاں یا چڑیں۔ لفظ اور معنی کے انتخاب میں اور بھی زیادہ

آزادی ہے۔ جب اس قدر لچک ہو تو ایک زمانے، ایک علاقے میں ایک روپ کا رواج ہوگا دوسرے زمانے اور علاقے میں دوسرے متبادل روپ کا۔ ترسیل اور ابلاغ کی زیادتی کسی ایک کو سکۂ رائج الوقت قرار دے گی۔

زبان سماج میں استعمال ہوتی ہے۔ سماج کے بھی زمان اور مکان کے لحاظ سے حصے اور ذیلی حصے ہوتے ہیں۔ ہر لسانی گروہ کے سماج کی تہذیبی سطح اس کی زبان کی تشکیل و ترمیم کرتی ہے۔ تہذیب کے تعین میں معاشی اسباب بہت باعمل ہوتے ہیں اور معاشی حالات کے تعین میں طبعی حالات آب و ہوا اور سطح زمین وغیرہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ زبان کے میکانکی حصے کے لیے نسلی اور جسمانی اختلافات بھی کچھ کارکردگی کرتے ہیں اور ہر فرد کی تہذیبی سطح بھی اس کی زبان کو متاثر کرتی ہے۔ اس لیے قدیم مفکروں نے زبان کی تبدیلی میں طبعی، نسلی اور تہذیبی اثرات و اختلافات پر زور دیا تھا۔ ان پر ایک نظر کی جائے۔

طبعی یا جغرافیائی حالات

ان میں سب سے پہلے آب و ہوا آتی ہے۔ بعض حضرات نے اس کے اثر میں یہاں تک مبالغہ کیا کہ اصوات اور آب و ہوا کا براہ راست تعلق دکھا دیا مثلاً سوئٹزر لینڈ کی جرمن زبان کی خ پہاڑ کی درشت ہوا کا نتیجہ ہے۔ انگریز انگلستان کی ہوا کے کہرے کی وجہ سے منھ زیادہ نہیں کھولنا چاہتے، اس لیے انگریزی تلفظ میں منھ کم کھولا جاتا ہے۔ لیکن اس قسم کے نتیجے نکالنے کی کوئی شافی دلیل نہیں۔ ڈچ زبان میں بھی خ ہے اور عربی اور اردو میں بھی لیکن ان کے مقامات پر پہاڑوں کا نشان بھی نہیں۔ انگریز اگر کہرے سے گھبرا کے منھ کو کم کھولنا چاہتے تو ان کی زبانوں میں افریقی چٹکار آوازیں پیدا ہو جانی چاہیے تھیں کیونکہ ان میں منھ کو بہت کم کھولا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم بعد میں دیکھیں گے آب و ہوا کا اثر بالواسطہ پڑتا ہے۔

اگر کسی لسانی علاقے کی سطح ہموار یعنی میدانی ہے تو وہاں رسل و رسائل کی سہولت ہوگی جس کی وجہ سے دور تک ایک ہی زبان کے پھیلنے کا امکان ہے مثلاً ہندوستان میں ہندی علاقے کی پہنائی دیکھیے۔ اگر پہاڑ، جنگل یا کسی اور قسم کا دشوار گزار علاقہ ہوگا تو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر زبانیں

Graff: Language and Languages P259

بدلتی جائیں گی مثلاً ارناچل (نیفا) کے علاقے میں کتنی زیادہ زبانیں ہیں۔ اس کے علاوہ جن لوگوں کا باہر کی دنیا سے زیادہ ربط ہوتا ہے ان کی زبان میں دخیل الفاظ بکثرت شامل ہوتے رہتے ہیں۔ یعنی اُن کی زبان میں تبدیلی کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ جو زبانیں ایک علاقے میں محصور ہیں وہاں کی زبانیں عرصے تک ایک ہی حالت میں رہتی ہیں۔

زمین کی نوعیت کا ذرائع پیداوار سے گہرا تعلق ہے، اگر زمین زرخیز ہے یعنی خوراک آسانی سے میسر آجاتی ہے تو اہلِ زبان کو کافی وقت مل جائے گا کہ وہ تخلیقِ ادب اور دوسری تہذیبی کارروائیوں کی طرف توجہ دیں۔ جہاں معیشت مشکل سے میسر آتی ہے وہاں تہذیب، ادب اور زبان سب کچھ پچھڑے رہتے ہیں۔ اسکیمو زبانیں اسی وجہ سے ترقی نہیں کر سکیں۔

آب وہوا اور دوسرے طبعی حالات تہذیب پر براہِ راست اثر انداز ہوتے ہیں اور تہذیب زبان کو متاثر کرتی ہے۔ قطب شمالی کے نزدیک برف کی فراوانی ہے۔ اسکیموں زبانوں میں طرح طرح کے برف کے لیے مختلف الفاظ ہیں۔ گرنے والا برف، بہنے والا برف، میٹھے پانی کا برف، کھارے پانی کا برف وغیرہ۔ انگریزی میں ہی دیکھیے snow اور ice کے علاوہ آئس برگ اور گلیشیر بھی ہیں۔ اردو میں کارخانے کے جمائے ہوئے برف اور آسمان سے گرنے والے برف دونوں کے لیے ایک ہی لفظ ہے جو ہمیں ایرانی سے ملا ہے۔ آب وہوا اور سطحِ ارض کا تعلق پھولوں اور جانوروں سے بھی ہے۔ جس علاقے میں جو پھول اور حیوانات ہوں گے زبان میں ان کے لیے الفاظ ہوں گے اور دوسرے پھولوں اور حیوانات کے لیے نام مستعار لینے ہوں گے۔

نسلی اور جسمانی اختلافات

یہ متنازع فیہ ہے کہ جسم کی ساخت کا زبان سے کوئی تعلق ہے کہ نہیں لیکن ہم یہ ضرور دیکھتے ہیں کہ جرمن جو ایک جنگ جو قوم ہے ان کی زبان دور سے سنی جائے تو ایسی کرخت ہوتی ہے جیسے بقول شخصے کوئی بھونک رہا ہو۔ فرانس والے جمالیاتی ذوق رکھتے ہیں فرانس فیشن کا گھر ہے۔ فرنچ زبان میں بھی بڑی شیرینی ہے۔ ہمارے ملک میں پنجابی تگڑے اور اکھڑ قسم کے ہوتے ہیں۔ ان کی زبان میں کتنا جھٹکا (تشدید) ہے۔ بنگالی آرٹسٹ ہوتے ہیں ان کی زبان میں بھی نرمی ہے۔ بنگالی مردوں کی آواز میں بھی ایک قسم کی نسائیت ہوتی ہے۔ اس طرح نسلی خصوصیات اور زبان کا کچھ نہ کچھ تعلق ضرور معلوم ہوتا ہے۔

لیکن اس کے خلاف یہ بھی حقیقت ہے کہ زبان موروثی نہیں ہوتی، یہ نطفے کے ساتھ والدین سے اولاد کو منتقل نہیں ہوتی۔ امریکہ کے حبشی اسی سہولت سے، اسی لہجے میں انگریزی بولتے ہیں جیسے یورپی اصل کے امریکی۔ لیکن جیکب گنے کن (J.A. Gineken) نے 1927ء میں زبان کو موروثی قرار دیتے ہوئے ایک نظریہ پیش کیا کہ جس طرح حیاتیات (Biology) میں والد اور والدہ کی خصوصیات اولاد میں ظاہر ہوتی ہیں اسی طرح زبان کے معاملے میں ہوتا ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔

1 والدین سے اولاد کو کچھ خصوصیات ملتی ہیں۔ اگر خارجی اثرات زوردار ہیں تو وہ خصوصیات دب جاتی ہیں یا بدل جاتی ہیں۔ جب یہ خارجی اثر کم زور ہوگا تو وہ خصوصیت پھر ظاہر ہو جائے گی۔ مثلاً دِق زدہ والدین کی اولاد، ممکن ہے، اچھی آب و ہوا میں رہنے اور اچھی خوراک ملنے کے باعث مدقوق نہ ہو لیکن امکان ہے کہ دوسری نسل میں حالات موافق نہ ہوں تو پھر دق ظاہر ہو جائے گا زبان میں بھی ایسا ہوتا ہے کہ اگر خارجی حالات کے تحت تلفظ میں ترمیم ہو جاتی ہے تو کچھ عرصے کے بعد پھر اصل تلفظ واپس آجاتا ہے۔

۲۔ **عجیب و غریب خصوصیات:۔** بعض اوقات بچوں اور پودوں میں ایسی عجیب و غریب حیاتیاتی (Biological) خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں جن کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی زبانوں میں بھی بعض اوقات ایسی خود رو صوتی تبدیلیاں ہوتی ہیں جن کی کوئی وجہ نہیں مثلاً جدید انگریزی میں Nature کے t کو چ ملفوظ کیا جانے لگا۔

۳۔ **والدین کی خصوصیات کا مل جانا۔** اگر والد کی زبان میں ایک خصوصیت اور اُس کے مقابلے میں والدہ کی زبان میں دوسری خصوصیت ہوتی ہے تو اُن کے ادغام سے اولاد میں ایک تیسری خصوصیت آجاتی ہے لیکن انفرادی خصوصیات بھی کسی حد تک برقرار رہتی ہیں مثلاً اگر والد کی خصوصیت x ہو والدہ کی y تو اولاد کے یہاں 25% x، 25% y اور 50% xy ہوگی۔ حیاتیات میں اس سے ملتا جلتا مینڈل کا مشہور قانون (Mendilian law) ہے جس میں ہر نسل میں والدین کی خصوصیات کا تناسب ریاضی کے حساب کے طور پر دریافت کیا گیا ہے۔ اس نے سفید اور کالے چوہوں کو جفت کرایا اور اس کے بعد ان کی اولادوں کو۔ وہ صحیح صحیح بتا سکا کہ کتنے بچے کالے ہوں گے اور کتنے سفید۔ لیکن بعض اوقات رنگ کی ایک خصوصیت جو ایک نسل میں چھپ جاتی ہے دوسری نسل میں غالب ہو کر ظاہر ہو جاتی ہے۔

گیئے گن کے بقول زبانوں میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ والدین کی مخلوط خصوصیات کے اظہار کی اس نے دو مثالیں دیں پہلی یہ کہ ہندیورپی W جو ہونٹوں اور تالو دونوں سے دور ہوتا ہے۔ والدین کی خصوصیات کے ایسے ہی میل کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ دوسری مثال اس کے دور کی ہے کہ Alsace میں جرمن لوگ اپنے مصوتوں کو فرنچ کی طرح انفیا کے بولتے ہیں۔

ان دعووں کی قطعیت کے ساتھ توثیق نہیں ہو سکتی کیونکہ چوہوں کی طرح انسانوں کو لیبوریٹری میں رکھ کر حسبِ خواہش جفت کر کے پرورش نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ مشاہدہ کرنے والے کی زندگی ہی کتنی ہوتی ہے۔ اس لیے یہ دعوے غیر مصدقہ ہیں۔ اگر وراثت اور زبان کا اس قسم کا تعلق ثابت ہو جائے تو یہ بہت اہم ہوگا۔

اس سے کسی قدر زیادہ قرین قیاس ہرٹ زاگ کا نظریہ ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ اعضائے نطق بڑھتے اور سخت ہو جاتے ہیں لیکن تمام اعضا کی نشوونما یکساں نہیں ہوتی جس کی وجہ سے مسن ہونے پر انسان جو آوازیں ادا کرتا ہے اُنھیں گو وہ بہ گمانِ خویش سابق ہی کی طرح کرتا ہے لیکن دراصل ان کا سماعی اثر بچپن میں پیدا ہونے والے سماعی اثر سے قدرے مختلف ہوتا ہے۔ اولاد آخرالذکر سماعی اثر کی نقل کرتی ہے۔ اس طرح ایک پشت سے دوسری پشت میں تلفظ قدرے سرک جاتا ہے۔ ذیل کے نقشے[1] سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔

		تلفظ	سماعی اثر
پہلی پشت	چھوٹے	ک$_1$	ک$_1$
	بڑے	ک$_1$	ک$_2$
دوسری پشت	چھوٹے	ک$_2$	ک$_2$
	بڑے	ک$_2$	ک$_3$
تیسری پشت	چھوٹے	ک$_3$	ک$_3$
	بڑے	ک$_3$	ک$_4$

1. گراف : ایضاً ص 274, 275
2. گراف ، ایضاً ص 263

یعنی چھوٹا بچہ جیسا تلفظ کرتا ہے اس کا ویسا ہی سماعی اثر ہوتا ہے۔ بڑا ہونے پر وہ اعضائے نطق کو اسی طرح جنبش دیتا ہے۔ لیکن اس کا سماعی اثر قدرے مختلف یعنی ک کی بجائے کؔ ہوتا ہے۔ اس طرح کئی نسلوں کے بعد یہ فرق جمع ہو کر ایسا ہو جاتا ہے کہ اصل کے مقابلے میں نمایاں ہو جاتا ہے۔

مندرجہ بالا دعوے کا بھی کوئی شافی ثبوت نہیں کہ بڑوں کا طریق تلفظ وہی رہتا ہے لیکن سماعی اثر مختلف ہو جاتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ بچہ جو زبان سیکھتا ہے وہ صرف اپنے محسن والدین سے ہی نہیں بلکہ پورے سماجی ماحول سے سیکھتا ہے۔ اور اس سماج میں چھوٹے بڑے سب گھلے ملے ہوتے ہیں کہ وہ سب کی مجموعی نقل کرتا ہے۔ سماج میں ہر عمر کے آدمی ایک دوسرے سے اس قدر ملتے ہیں کہ تلفظ میں اوسط معیار برقرار رہتا ہے۔ یہ نہیں کہ ایک آواز کو بوڑھے کسی طرح بولتے ہوں جوان اور بچے دوسری طرح۔

اس نظریے میں صوتی تبدیلی کی ذمہ داری بولنے والے پر ڈالی گئی ہے۔ اس سے زیادہ صحیح یہ ہوگا کہ تبدیلی کی ذمہ داری سامع پر رکھی جائے۔ بچہ دوسروں سے سن کر تلفظ کی نقل کرتا ہے لیکن نقل مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس طرح غیر محسوس طور پر ہر فرد زبان کو کسی قدر بدلتا رہتا ہے۔ یہ تبدیلی اتنی نازک ہوتی ہے کہ عام طور سے انسان اس کا درک نہیں کر سکتے لیکن کئی پشتوں کے مختلف افراد میں اس قسم کی تبدیلیاں جمع ہو کر زبان کو آہستہ آہستہ بدل دیتی ہیں۔

نقل کا مکمل نہ ہونا ان موقعوں پر زیادہ کارگر ہوتا ہے جب فقدان علم کے باعث غلط تلفظ یا غلط معنی کو ذہن میں رکھ لیا جاتا ہے۔ ایک بے پڑھا معمار اوورسیر سے lintel سن کر ذہن میں لینٹر رکھ لیتا ہے اور وہی بولتا ہے۔ ایک اردو جاننے والا انگریزی لفظ کلب (ل ساکن) کو کلب یا ہندی لفظ مدھیہ کو 'مدھیا' بولنے لگتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہ صحیح تلفظ کی گرفت نہیں کر پاتا۔

تہذیبی اثرات

زبان کے ارتقا میں سب سے اہم تہذیبی اثرات ہیں۔ زبان اور تہذیب کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تہذیب کا ارتقا متعدد اسباب سے ہوتا ہے اور وہی زبان میں بھی جھلک آتا ہے۔ پچھڑی ہوئی تہذیب کی زبان مفلس، اور ترقی یافتہ تہذیب کی زبان متموّل ہوتی ہے جو قومیں معاشی اور مادی اعتبار سے ترقی کر جاتی ہیں ان کی زبان بھی اتنی ہی ترقی کر لیتی ہے۔ اپنے اپنے زمانے میں سنسکرت، یونانی، عربی وغیرہ بہت اہم زبانیں سمجھی جاتی تھیں۔ اب انگریزی جرمن، روسی اور فرنچ وغیرہ زمانۂ حال کے تقاضوں کا ساتھ دینے کی زیادہ اہل ہیں۔

قوم پرستی کا جذبہ اور تہذیبی احیائیت زبان کو ماضی کے ذخیرے کی طرف متوجہ کر دیتی ہے۔فارسی اور ترکی نے اسی جذبے کے تحت عربی الفاظ نکال کر اپنے قدیم الفاظ کا استعمال شروع کیا۔سنسکرت کے تت سم الفاظ جو کوئی دو ہزار سال تک استعمال سے خارج رہے ہندی میں ازسرِنو اصل روپ میں ظاہر ہو رہے ہیں۔یہ قدیم تہذیب کو زندہ کرنے کی کوشش ہے۔

مذہبی احیا بھی زبان میں احیائیت پیدا کرتا ہے۔آریہ سماج تحریک نے ہندی کے سامنے قدیم آریا تہذیب کا آدرش رکھا جس سے ہندی زبان سنسکرت کے زیرِ اثر آ گئی۔یہودیوں نے اپنی ریاست اسرائیل میں ایک مُردہ زبان عبرانی کو قومی زبان قرار دیا ہے اور اسے زندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

قوموں اور تہذیبوں کے میل کے ساتھ زبانوں کا میل بھی ہوتا ہے اور اس کے نتائج بہت متنوع اور دوررس ہوتے ہیں۔ہم انھیں عاریت کے باب میں دیکھیں گے۔چونکہ زبان کے ہر شعبے کی تبدیلی میں عاریت کا بہت بڑا ہاتھ ہے اس لیے اس پر ایک علیحدہ باب میں غور کیا جائے گا۔

کسی زبان میں اہلِ زبان اتنی جلد تبدیلی نہیں کرتے جتنا کہ دوسری زبان والے۔باہر کی زبان کو کسی اہلِ زبان معلم سے بھی سیکھا جائے تو بھی اس کا اصل تلفظ بہت مشکل ہے کیونکہ مادری زبان کو بولتے بولتے اعضائے نطق کو محض مادری زبان کی آوازوں کی عادت ہو جاتی ہے۔دوسری زبان کی مخصوص آوازوں کو ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔حد تو یہ ہے کہ سامعہ بھی اپنی آوازوں کا عادی ہو جاتا ہے وہ غیر زبان کی اجنبی آوازوں کو گرفت ہی نہیں کر پاتا۔اگر ہم کسی آواز کو سن نہیں سکتے تو بول بھی نہیں سکتے۔اس سے بھی مختلف صورت تب ہوتی ہے جب بیرونی زبان کو کتاب کی مدد سے سیکھا جائے۔تحریری تلفظ کی ہو بہو نمائندگی نہیں کرتی۔ہم کتنے فرنچ، جرمن، روسی لفظوں کا غلط تلفظ کرتے ہیں کیونکہ ہم اس کے املا کی لکیر کے فقیر ہیں۔تلفظ میں لہجے اور بل کا معاملہ تو اور بھی مشکل ہے کیونکہ یہ تحریر میں ظاہر نہیں کیا جاتا۔نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستانی انگریزی انگلستان کی انگریزی سے بالکل مختلف ہے۔ہندوستانی انگریزی میں بھی پنجابی انگریزی ہندی انگریزی، تامل انگریزی اور مراٹھی انگریزی علیحدہ علیحدہ پہچانی جا سکتی ہے۔

اپنی زبان میں تبدیلی کی کچھ نفسیاتی وجوہ بھی ہیں۔انسان کا مزاج تن آسان اور سہل پسند ہے۔زبان میں بھی وہ طرح طرح سے اپنی محنت بچانا چاہتا ہے۔کفایتِ عمل کی مختلف صورتیں صوتی تبدیلی کے باب میں زیرِ بحث آئیں گی۔تن آسانی اور عجلت میں کبھی کبھی کچھ لغزشیں

بھی ہو جاتی ہیں اور ان کی تکرار ان لغزشوں (یا لفاظِ دیگر صوتی تبدیلیوں) کے استحکام میں ممد ہوتی ہے۔

انفرادی لغزش بھی زبان کو بدلتی ہے۔ ہم سبھی تیزی میں یا ذہنی غیر حاضری کے عالم میں لفظ کو کچھ کا کچھ کہہ جاتے ہیں۔ زبانوں میں امتداد زمانہ کے ساتھ یا علاقائی اختلاف سے جو بعض لفظوں کا تلفظ بدلتا ہے، وہ اوّلاً کسی ایک شخص نے غلط بولا ہوگا۔ اسے سن کر دوسرے نے غلطی کی ہوگی اور یہ زنجیر بڑھتی گئی ہوگی۔ اردو میں سوال کا تلفظ فتح اوّل سے اور موسم کا س مفتوح سے رائج ہے جو لغت کے خلاف ہے۔ کبھی کسی شخص نے یہ غلطی کی ہوگی جسے بعد میں دوسرے دہراتے رہے یہاں تک کہ یہی عام تلفظ ہو گیا۔ پنجاب میں دو انگریزی لفظوں Measure اور Pleasure کا تلفظ میئیر، پلیئر کیا جاتا ہے۔ کسی زمانے میں کسی ایک شخص نے یوں بولا ہوگا اور وہ رائج ہو گیا۔ جب ایک شخص تلفظ کو بدل کر بولتا ہے اسے غلطی کہتے ہیں۔ جب بہت سے لوگ اس غلطی کو دہراتے رہتے ہیں تو وہ زبان کی تبدیلی کہلانے لگتی ہے۔ لسانیات کی نظر میں ایک انسان کا اتفاقی اختلافِ تلفظ نہیں غلطی نہیں صوتی تبدیلی ہے۔

بعض اہم یا ذی اثر لوگ جس قسم کا تلفظ، لہجہ اور الفاظ استعمال کرتے ہیں ان کے مقلد اسی کی نقل کرنے لگتے ہیں بعض لوگ ایکٹروں کی نقل کرنے لگتے ہیں، لیڈروں کی، بعض دینی بزرگوں کی اور بعض شعرا کی بعض اوقات کسی فلم کا کوئی محاورہ کچھ عرصے کے لیے رائج ہو جاتا ہے۔ بعض مقرر پنڈت نہرو کی زندگی میں اُن کے مرغوب فقرے اور محاورے استعمال کرتے تھے۔ اہلِ قلم اور اہلِ سیاست سے زیادہ دیرپا اثر ادیبوں کا ہوتا ہے۔ بعض شاعر یا بڑے انشا پرداز بہت سے الفاظ اور اسالیب تخلیق کر کے زبان کو دے دیتے ہیں یا بعض پہلے سے موجود الفاظ کو مقبول بنا دیتے ہیں۔ دوسرے لوگ ان کی نقل کرتے ہیں مثلاً میر امن یا رتن ناتھ سرشار نے اردو میں کئی لفظوں کا چلن کر دیا۔ میر امن کے صبح خیزیے، ہزاری بزاری، ہرج مرج اور سرشار کے لقے، لقندرے، لیموں نچوڑ وغیرہ کبھی کبھی بعد والوں کی تحریروں میں بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ لفظ بول چال میں بھی آ جاتے ہیں۔

نقل کے علاوہ مماثلت (Analogy) بھی زبان میں نئے نئے روپ گڑھنے میں اہم رول ادا کرتی ہے۔ اس کی مختلف قسموں پر ایک باب میں غور کیا جائے گا۔

زبان کے ارتقا اور تبدیلی میں جو عوامل کام کرتے ہیں ان کا فقدان زبان کے ارتقا میں

رکاوٹ ڈالتا ہے۔ جس طرح پانی کی صحت کے لیے بہتے رہنا ضروری ہے اسی طرح زبان کی زندگی کے لیے جمود و استحکام مُضر ہے۔ تبدیلی اور ارتقا حیات بخش خون ہے۔

کسی زبان کے بولنے والے اگر جغرافیائی طور سے ایسے مقام میں پھنسے ہوتے ہیں کہ باہر والوں سے ان کا ملنا جلنا کم ہوتا ہے تو ان کی زبان کا ارتقا چیونٹی کی چال سے ہو گا۔ آسٹریلیا کے وسطی ریگستان میں رہنے والے قبائلیوں کی زبان اسی وجہ سے پس ماندہ ہے۔

جن علاقوں میں معیشت مشکل سے میسر آتی ہے وہاں زبان کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے زبان کا ارتقا رکا رہتا ہے۔

تہذیبی اور مذہبی احیا بھی زبان میں نہ صرف احیائیت پیدا کر دیتا ہے بلکہ چھوت چھات بھی کیوں کہ جذبۂ احیائیت بیرونی اثرات کو بدر کر دینا چاہتا ہے۔ زبان کبھی خود کفیل نہیں ہو سکتی۔ کلچر کی طرح زبان کو بھی مسلسل باہر سے کچھ نہ کچھ لیتے رہنا چاہیے ورنہ وہ ٹھٹھر کر بے جان ہو جائے گی۔

عجیب بات یہ ہے کہ تعلیم اور ادب بھی ایک حد تک زبان کے ارتقا کو روکتے ہیں۔ وہ زبان کے اوسط معیار یا فصیح معیار کو تحریر میں ضبط کر کے محفوظ کر دیتے ہیں۔ تحریر جامد ہے۔ تقریر آگے بڑھتی رہتی ہے لیکن تحریر کی سند تقریر کا دامن پیچھے سے پکڑ کر کھینچتی ہے۔ اردو میں اٹھارویں اور انیسویں صدی میں سند کی جو ہنگامہ آرائی تھی وہ حال کو ماضی کے تابع بنا دینے کے سوا کیا تھی۔

جن علاقوں میں معیاری زبان مقامی بولی بھی ہے اس کے باہر کے، دور کے خطوں میں لوگوں کو معیاری زبان کا بول چال کا روپ تو سننے کو ملتا نہیں وہ کتابی روپ ہی کو تقریری معیار سمجھ لیتے ہیں اور اپنی گفتگو میں اسی کی تقلید کرتے ہیں۔ اس طرح تحریر و ادب زمان و مکان دونوں میں تبدیلی و اختلاف کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔ وہ ایک اوسط معیار کو برقرار رکھنے کی جد و جہد کرتے ہیں لیکن کب تک؟ بالآخر فتح تقریری روپ کی ہوتی ہے، اور آخر میں تحریر نئی تبدیلیوں کو قبول کر لیتی ہے۔

تحریری ادب میں لغت اور قواعد قدامت پرستی کے سب سے بڑے مخزن ہیں۔ لغت لفظوں کے مقررہ تلفظ اور مفہوم کی ضامن ہے تو قواعد اس کے صرف و نحو اور اس کے اسالیب کے جمود کی پاسبان ہے۔ زبان اگر لغت اور قواعد کی تابع رہے تو ایک نقطے پر رک

رہ جائے تو ہیں جو اہلِ نظر میں وہ زبان کو متبوع اور لغت و قواعد کو تابع مانتے ہیں۔

زبان کی غرض ابلاغ ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ناطق اور سامع کے ذہن میں زبان کا استعمال یکساں ہو۔ اس لیے ہر بولنے والا کوشش کرتا ہے کہ وہ زبان کے اوسط معیار کے قریب سے قریب رہے۔ اگر وہ کسی لفظ کا تلفظ مختلف کرے گا یا عام معنی سے ہٹ کر کسی غیر معمولی معنی میں استعمال کرے گا تو سننے والا اس کی بات کو نہیں سمجھ سکتا۔ قابلِ فہم بات کہنے کی کوشش لسانی تغیر کو روکتی ہے۔

یہ بھی تو اندیشہ ہے کہ اوسط معیار سے ہٹ کر بولیں تو ہم نشیں مذاق اڑائیں۔ مضحکے کا ڈر ہمیں اپنی زبان کی اصلاح یعنی مقررہ خط کی پابندی پر مجبور کرتا ہے۔ جس طرح لباس کے معاملے میں رواجِ عام سے ہٹ کر کچھ پہننا بڑے دل گردے کا کام ہے اسی طرح زبان کے معاملے میں عام استعمال سے ہٹنا بڑی جرأت کا مطالبہ کرتا ہے۔ دوسروں کا انگشت نما نہ بننے کی خواہش زبان میں انفرادی تبدیلی پر لگام دے کر رکھتی ہے۔

زبان کے اختلاف اور تبدیلی میں زبان کا ارتقا مضمر ہے۔ جس طرح جسم کو روزانہ غذا کے ذریعے تازہ خون ملتا ہے اور پانی کی ٹنکی کو ہر دم آتے رہنے والے صاف پانی کے ذریعے تازگی ملتی ہے اسی طرح زبان کو خارجی ذرائع سے برآمد ہونے والے الفاظ زندگی اور تازگی عطا کرتے ہیں۔ لغت، قواعد اور اساتذہ کی نظم و نثر کی تقلید زبان کی گردن میں وہ چکی کا پتھر ہیں جن سے زبان کو گاہے گاہے آزاد ہوتے رہنا چاہیے۔

نواں باب

مماثلت

کسی زبان میں جو مارفیم، ترکیبیں اور لسانی سانچے موجود ہوتے ہیں ان کی مطابقت پر دوسرے مارفیموں، ترکیبوں یا لسانی سانچوں میں ترمیم یا بالکل نئی تخلیق کرلی جائے تو اس عمل کو مماثلت (Analogy) کہتے ہیں۔

لسانی تبدیلی کے طریقوں میں دو خاصے اہم ہیں (1) مماثلت اور (2) عاریت۔ مماثلت کو داخلی عاریت اور عاریت کو خارجی عاریت کہا گیا ہے کیونکہ مماثلت میں اپنی ہی زبان کی بعض خصوصیات کو دوسرے روپوں میں مستعار لے کر ٹانک دیا جاتا ہے۔ عاریت میں دوسری زبان سے خصوصیات مستعار لی جاتی ہیں۔

جب ہم کوئی بیرونی زبان سیکھتے ہیں تو اس کے ہر اسم اور فعل کی تصریفی شکلیں فرداً فرداً یاد نہیں کرتے۔ ہم ایک سانچے کو سیکھ لیتے ہیں اور اس کی مماثلت پر دوسرے اسماو افعال کی تصریف کرلیتے ہیں۔ بچہ اپنی زبان سیکھتا ہے تو وہ بھی مماثلت سے کام لیتا ہے۔ یہ قول صحیح ہے کہ جب بھی ہم بولتے ہیں تو کسی کی نقل کررہے ہوتے ہیں یا مماثلت کے اصول پر عمل درآمد کررہے ہوتے ہیں۔ ہم جو گوناگوں جملے بولتے ہیں یہ دوسرے موجود جملوں کی مماثلت ہی پر تخلیق کیے جاتے ہیں۔ زبان کے اس طویل استعمال کے بعد ہمارے ذہن میں کچھ سانچے اور پیمانے محفوظ ہوگئے ہیں جن کی مماثلت پر لاتعداد ساختیں ممکن ہیں۔ یہی کیفیت الفاظ کی نو تشکیل کی ہے۔ لفظ سازی میں مماثلت کا عمل غیر شعوری طور پر ایک تناسب کے تحت ہوتا ہے مثلاً

فرمانا : فرمائش :: رہنا : رہائش

اسے تناسبی مماثلت کہہ سکتے ہیں لیکن ہم بیشتر علما کی تقلید میں رہائش، جیسے روپوں کو مماثلتی تخلیق، کہیں گے۔ اس اصطلاح کو سب سے پہلے اورٹل (Oertel)[1] نے استعمال کیا تھا۔ زبان کی تبدیلی میں مماثلت کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے چنانچہ لسانی تبدیلی کے کئی ابواب میں ہم بار بار مماثلت کی طرف اشارہ کریں گے۔ صوتی تبدیلی کے سلسلے میں ہم دیکھیں گے کہ مخصوص زبانوں سے متعلق مخصوص صوتی قانون دریافت کیے گئے ہیں جن کے تحت صوتی تبدیلی وقوع میں آتی ہے۔ اس باضابطگی کی کیا وجہ ہے؟ یہی کہ اہل زبان نے روایتی سانچوں سے ہٹنا نہیں چاہا۔ اس کی واضح مثال تصریف میں ملتی ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے جو انگریزی یا سنسکرت الاصل اسما اردو میں داخل ہو گئے ہیں اُن کی جمع بھی ہم قدیم الفاظ کی مماثلت پر بناتے ہیں مثلاً

پتھر : پتھروں :: راکٹ : راکٹوں :: اسپوٹنک : اسپوٹنکوں :: بیٹل : بیٹلوں :: شرنارتھی : شرنارتھیوں :: راشٹرپتی : راشٹرپتیوں۔

ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ہم اسموں کی اس مخصوص حالت میں جمع کا صیغہ راکٹیں یا شرنارتھیاں یا اسپوٹنک ہا یا کچھ اور بنا سکیں۔ ہم پہلے سے موجودہ الفاظ کی مماثلت پر مجبور ہیں۔ ماہرین نفسیات اعتراض کرتے ہیں کہ عام بولنے والا کہاں اس قسم کی منطقی نسبت قائم کرکے نئے روپ تخلیق کرتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ بولنے والا شعوری طور پر نسبت کے اس اصول سے واقف ہے۔ وہ غیر شعوری طور پر اس پر عمل کرتا ہے۔ اگر ہم غیر شعوری عمل سے اصول اخذ نہ کریں تو قواعد کا کوئی بھی بیان بامعنی نہ رہے کیونکہ عام بولنے والا کہاں اسم کی حالت اور فعل کے طور وغیرہ کا عرفان رکھتا ہے۔

دوسری زبان کا سیکھنے والا یا اپنی زبان کا نیا اکتساب کرنے والا بچہ جب بے دھڑک مماثلت کا استعمال کرتا چلا جاتا ہے تو بعض بے ضابطہ روپوں کے معاملے میں غلطی کر جاتا ہے اور اس وقت مماثلتی تناسب بندی کھل کر سامنے آتی ہے مثلاً مشہور ماہر لسانیات

---

[1] Hanns Oertel: Lectures on the study of Language, 1901 P 163

اوٹو یسپرسن (1860ء تا 1943ء) نے ایک بچے کی مثال دی ہے۔ اس نے ڈینش زبان کے فعل nikker (سر جھکانا) کا ماضی nak بول دیا حالانکہ ڈینش روز مرہ کے مطابق nikkede ہونا چاہیے۔ جب لڑکے کو nak کہنے پر ٹوکا گیا تو اس نے جواب دیا۔

stikker, stak :: nikker : nak

یہ حقیقت ہے کہ ایک فعل stikker کا ماضی stak ہے لڑکے کو اپنی مماثلتی تخلیق کی بنیاد کا احساس تھا۔

ہم نے دیکھا کہ یہاں مماثلت ایک غلطی کی طرف لے گئی۔ وجہ یہ ہے کہ زبان کا ہر ایک علاقہ اور ہر ایک خط بالکل باضابطہ نہیں۔ زبان میں جگہ جگہ بے ضابطگی اور بے اصولی پائی جاتی ہے۔ مماثلت اس استثنا کی گرفت نہیں کر سکتی مثلاً انگریزی میں f پر ختم ہونے والے الفاظ کی جمع دیکھیے۔

Thief : Thieves :: hoof : hooves

مماثلت hoof کی جمع hooves قرار دے گی لیکن دراصل hoofs ہے۔ اس لیے مماثلت کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں۔

ا۔ سچی مماثلت

آنا : آیا :: کھانا : کھایا

ب۔ غلط مماثلت (False analogy)

آنا : آیا :: جانا : جایا

یعنی جہاں روز مرہ میں کوئی بے قاعدہ روپ رائج رہا ہے وہاں مماثلت دھوکا دے جاتی ہے۔ جانا کا ماضی مطلق 'جایا' نہیں 'گیا ہے'۔ مماثلتی تخلیق کے لیے ضروری ہے کہ پہلے سے ایک سیٹ موجود ہو جس کی مماثلت پر نئے الفاظ یا ترکیبیں وضع کر لی جائیں۔ یہ معلوم کرنا

---

[1] واضح ہو کہ بعض مشتقات میں جو ماضی مطلق میں اضافے سے بنتے ہیں 'گیا' کی بجائے 'جایا' کا استعمال ہوتا ہے مثلاً جایا کرتا تھا، جایا نہ جائے گا، جایا نہیں جاتا۔

مشکل ہے کہ کن کن حالات کے تحت مماثلتی تخلیق کرنا صحیح ہے اور کن کے تحت غلط۔ یہ جاننا بھی مشکل ہے کہ مماثلت سے کس قسم کے روپ تخلیق ہوں گے۔ دو محققوں[1] نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ مماثلت کی کارفرمائی کب کب ہوتی ہے۔ وہ جن نتیجوں پر پہنچے اُن کا ذیل میں خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا محقق کریلووزر (Kurylowiez) ہے۔ اس نے عام لسانی اصولوں کی بنا پر پہلے چند قواعد بنائے اور اس کے بعد مماثلتوں کا مشاہدہ کیا۔ اس نے ذیل کے قواعد وضع کیے۔

1۔ تصریف کی بعض صورتوں میں اگر اکہری تبدیلی ہوتی ہے لیکن بعض مماثل صورتوں میں دوہری تبدیلی ہے تو امکان یہ ہے کہ اکہری تبدیلی والے روپ بھی دوہری تبدیلی والے روپوں کی مماثلت پسند کر کے دو مقامات پر تبدیلی کرنے لگیں گے مثلاً جرمن میں جمع کا لاحقہ e ہے۔ بعض اسماء میں جمع بناتے وقت مادے کا مصوتہ بھی بدل جاتا تھا مثلاً بمن جہان کی جمع Baum (پیڑ) کی جمع Baume ہوا کرتی تھی لیکن اب Bäume ہونے لگی۔

اتفاق سے اس قاعدے کے برعکس مثالیں بھی ملتی ہیں۔

2۔ مماثلت بنیادی روپ مشتق روپ کی طرف بڑھتی ہے یعنی بنیادی روپ یکساں ہوں تو ایک کے مشتق روپ کی مماثلت پر دوسرے کے مشتق روپ میں ترمیم کی جاتی ہے۔ یہ قاعدہ زیادہ تر ٹھیک ہے لیکن معکوس اشتقاق کی صورت میں اس کا الٹا بھی ہوتا ہے۔ جہاں sputnik کی جمع sputniks بنائی گئی وہاں قاعدے کے خلاف واحد لفظ Pease کو جمع سمجھ لیا گیا اور اُس سے واحد صیغہ Pea مشتق کیا گیا۔

3۔ اگر کچھ ترکیبوں میں اصل + چسپیہ کوئی معنی دیتا ہے لیکن بعض بھولے بھٹکے الفاظ میں چسپیے کے بغیر ہی اس گروہ کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں تو اکثریت کی مماثلت میں مستثنیٰ الفاظ میں بھی نخواہ مخواہ چسپیہ شامل کر دیا جاتا ہے مثلاً wrong سے wrongly بنا تو slow جو خود تمیز یا متعلق فعل (Adverb) ہے اس سے

---

1. Lehmam: Historical Linguistics P188-190

slowly بنالیا گیا گو معنی میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ ملاحظہ ہو۔

He is walking slowly

He is walking slow

اردو میں صفت سے اسم کیفیت بنانے کے لیے لاحقہ لگاتے ہیں مثلاً درست سے دوستی، شاد سے شادی، صحیح سے صحت، غلط، عربی میں خود اسم کیفیت کے معنی دیتا ہے اردو میں اس میں بھی لاحقہ لگا کر 'غلطی' بنالیا گیا حالانکہ جمع کے صیغے 'اغلاط' میں ہم محض 'غلط' سے وہ مفہوم لے لیتے ہیں۔

4۔ اگر ایک مشتق روپ عام قاعدے کے برخلاف ہے اور دوسروں کی مماثلت پر اس کو باضابطہ کر لیا گیا تو نیا باضابطہ روپ عام معنی کے لیے استعمال کیا جائے گا اور پرانا بے ضابطہ روپ کی خاص معنی کے لیے مختص کر دیا جائیگا مثلاً brother کی پرانی جمع brethren تھی۔ بعد میں دوسرے الفاظ کی مماثلت پر جمع کا صیغہ Brothers وضع کیا گیا۔ اسے عام معنی میں لینے لگے لیکن brethren کے معنی 'بھائیوں' کے نہ رہ کر 'اہل برادری' کے ہو گئے ۔۔۔ یا old کے قدیم تقابلی صیغے Elder کی جگہ older وضع کیا گیا تو elder، کو بھائی بہن میں بڑے کے معنی میں مخصوص کر دیا گیا۔

دو اور قواعد ہیں جنھیں غیر اہم ہونے کی وجہ سے حذف کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے قواعد کا اطلاق قبلِ تاریخ کی زبانوں پر کیا جائے تو مفید نتیجے برآمد ہوں گے لیکن اگر موجودہ زبانوں میں ان کے اطلاق سے یہ معلوم ہو کہ یہ آفاقی اور ہمہ گیر نہیں تو قدیم زبان پر ان کا قدیم اطلاق غلطی کی طرف لے جا سکتا ہے۔

دوسرا محقق مان زاک (Manezak) ہے۔ اس کا لائحہ عمل بالکل مختلف ہے۔ اس نے مماثلت کی بنا پر بننے والے متعدد روپوں کا مطالعہ کیا اور ان سے قاعدے برآمد کیے۔ وہ انھیں مفروضے کہتا ہے جو مختصراً یہ ہیں۔

1۔ طویل الفاظ (گردان میں ہونے کی صورت کو چھوڑ کر) ان کے کسی جزو سے مماثل مختصر لفظ کی مماثلت پر بدل جاتے ہیں۔ ایسا کم ہوتا ہے کہ مختصر لفظ طویل لفظ کی مماثلت پر ترمیم قبول کرے مثلاً انگریزی میں دولھا کے معنی میں قدیم لفظ Bride - groom تھا۔ وہ groom کی مماثلت پر بدل کر Bridegame ہو گیا۔

2۔ اگر تعریف میں مادے میں ترمیم کی جاتی ہو تو امکان یہ ہے کہ مادے کی ترمیم کو ترک کر کے دوسرے روپوں کی مماثلت میں باضابطہ بنالیا جائے مثلاً انگریزی کے قوی افعال بہ تدریج باضابطہ ہوتے جاتے ہیں اب swell کا ماضی swole کی بجائے swelled ہو گیا ہے۔

3۔ طویل تصریفی روپ مختصر روپ کی مماثلت میں ترمیم قبول کر لیتا ہے مثلاً فرنچ لفظ شوفر calefare سے بنا ہے۔ قاعدے کے لحاظ سے یہ لفظ calefacere ہونا چاہیے تھا لیکن calefare کر دیا گیا۔

4۔ صِفر چسپیوں کی جگہ پورے چسپیوں کے آ جانے کا امکان ہے مثلاً انگریزی میں اصلاً word کی جمع بھی word تھی۔ صِفر چسپیہ باضابطہ چسپیے میں بدل گیا اور جمع words ہو گئی۔

5۔ اکثر اوقات بنیادی روپ مماثلت کے ماخذ ہوتے ہیں۔ ان عمومی اصولوں کے علاوہ مان زاک نے یہ بھی مشورہ دیا ہے کہ $a : b :: a' : X$

قسم کی تناسبی مماثلتوں کی تشکیل میں احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ زبانیں بہت پیچیدہ ہوتی ہیں اور ان پر ریاضی کے سے آفاقی اصول لاگو نہیں ہوتے 'آنا' کا ماضی 'آیا' ہے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال لینا چاہیے کہ 'جانا' کا ماضی 'جایا' ہوگا۔

مماثلتی تخلیق یا مماثلتی ترمیم کا عمل صوتی، مارفیمی، نحوی، معنوی، لغوی سبھی قسم کا ہوتا ہے لیکن سب سے زیادہ مارفیمی ترمیمات میں دیکھنے میں آتا ہے لسانی تبدیلی کے اسباب میں ان سب پر فرداً فرداً بحث کی جائے گی لیکن مماثلت کا اصول اتنا اہم ہے کہ یہاں اس پر عمومی حیثیت سے غور کیا جاتا ہے تاکہ مختلف شعبوں میں اس کی کارفرمائی سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے۔

صوتی مماثلت

صوتی تبدیلی میں مماثلت کی کارفرمائی بہت عام ہے۔ یہ کبھی خالص صوتی ہے کبھی مارفیمی معنوی صوتی۔ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

پینتیس، پینتالیس میں 'پانچ' کی وجہ سے انفی مصوتہ ہے لیکن سینتیس، سینتالیس میں

کہاں سے آگیا۔ سات میں کوئی انفی آواز نہیں۔ ظاہر ہے کہ سینتیس میں پینتیس کی مماثلت سے اور سینتالیس میں سینتیس کی مماثلت سے آیا۔

صوتی مماثلت کی بہت اچھی مثالیں وہ ہیں جہاں قافیہ پیدا کرنے کی خواہش مماثلتی تبدیلی کی محرک ہوتی ہے۔ اس کی مثالیں اردو اور انگریزی دونوں میں ملتی ہیں۔ اُفق جو خائے مضموم سے ہے شفق سے مقفیٰ کرنے کے لیے فتحۂ ثانی سے بولا جاتا ہے۔ کھانا پینا سے ہندی اسم 'کھان پان' بنالیا گیا۔ چھان بین کی طرح 'کھان پین' ہوسکتا تھا لیکن قافیے کی خاطر کھان پان کر لیا گیا۔ سانچ کو آنچ میں سچ کو آنچ سے قافیہ کرنے کے لیے سانچ کر دیا اور دیکھیے

حیوان : حیوانی :: شیطان : شیطانی :: انسان : انسانی :: روح : روحانی

ظاہر ہے کہ روح کی صفت نسبتی 'روحی' ہونی چاہیے تھی۔ لیکن مندرجہ بالا الفاظ سے مقفیٰ کرنے کے لیے روحانی بنالیا گیا۔ دنیا اور آخرت جیسے مختلف الاوزان الفاظ سے صفتِ نسبتی دنیوی، اخروی محض قافیے کی خاطر بنائی گئی ہے۔ ہونا چاہیے تھا دنیادی، آخرتی۔

انگریزی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ وسطی انگریزی کے لفظ Female کو male کی صوتی مماثلت سے Female کر دیا گیا۔ Either کے قافیے کے لیے اینگلو سیکس لفظ Nawther کو neither کر دیا گیا۔ انگریزی میں Constable, Parable جیسے الفاظ ہیں۔ فرنچ لفظ Syllabe کو انگریزی میں اُن کے قافیے کے لیے Syllable کر دیا گیا۔ ان تمام مثالوں میں صوتی مماثلت قافیے کی وجہ سے کی گئی ہے۔

ناواجب تصحیح (one correction) صوتی سطح پر بول چال میں غلط مماثلت کی مثالیں بھی ملتی ہیں مثلاً سرور، حضور، جنون، شعور میں پہلے دونوں حروف مضموم ہیں، عام طور سے پہلے حرف کو مفتوح بول دیا جاتا ہے لیکن خواص محتاط تلفظ میں دونوں جگہ ضمّہ ہی بولتے ہیں۔ بعض اوقات عروض، غیور کو بھی اسی قبیل سے سمجھ لیا جاتا ہے اور ناواجب تصحیح کے طور پر ان کے پہلے حروف کو بھی مضموم بول دیا جاتا ہے حالانکہ لغت کے اعتبار سے یہ الفاظ فتحِ اوّل ہی سے ہیں۔

اردو میں عربی فارسی کے بہت سے سہ حرفی الفاظ سکونِ اوسط سے ہیں مثلاً گرم، صدر، فکر، شرم وغیرہ۔ عام بول چال میں وسطی سکون کو حرکت میں بدل کر بولا جاتا ہے یعنی لسانی اصطلاح میں مصمتی خوشے کے بیچ ایک خفیف مصوتہ داخل کر دیا جاتا ہے۔ کسی نیم عالم کو جب اس غلطی کا احساس ہوا تو اس نے ان کی مماثلت مرض، عرق کو بھی

سکونِ اوسط سے بول دیا حالانکہ یہ الفاظ متحرک الاوسط ہیں۔ صوتی مماثلت کی مزید مثالیں اور مارفیمی مماثلت کے تحت آئیں گی۔

مارفیمی مماثلت

مماثلت کا سب سے زیادہ اثر تصریف و اشتقاق میں دکھائی دیتا ہے۔ ان میں بیشتر صورتوں میں صوتی تبدیلی بھی ہوتی ہے اس لیے مارفیمی مماثلت کی مثالیں مارفونیمی تبدیلی کی مثالیں ہوتی ہیں۔ مماثلت کا خاص رجحان اونچ نیچ کو ختم کرکے یکسانی لانے کا ہے۔ اس لیے یہ بدرنگ قسم کے روپوں پر خاص طور سے حملہ کرتی ہے۔ قدیم انگریزی میں cu (یعنی cow) کی جمع kef تھی۔ 1300ء کے قریب یہ بدل کر kyn (موجودہ kine) ہوگئی اور 1600ء میں coves کے باقاعدہ روپ میں ظاہر ہوئی۔ انگریزی کے کتنے فعل قوی سے ضعیف ہوگئے یعنی قدیم انگریزی میں ان کا صیغۂ ماضی داخل مصوتے کے مبادلے (Replacement) سے بنتا تھا۔ اب عام دھارے کے ساتھ ed یا t کے لاحقے سے بننے لگا۔ ذیل کی مثالوں میں قوسین میں فرسودہ روپ اور قوسین سے بیشتر مماثلتی تبدیلی کے ساتھ جدید روپ درج کیا جارہا ہے۔

glided (glad), crept (creap), halped (healp), kneaded (cnld), sowed (seow)

مماثلت کے ذریعے باقاعدگی کا رجحان تصریفی پہاڑے (Paradigm) میں خاص طور سے دکھائی دیتا ہے مثلاً قدیم انگریزی اسمامیں جمع کا لاحقہ /s-/ اس تجدید کے ساتھ آتا تھا۔

(1) یہ صرف مذکر اسمامیں آتا تھا اور ان میں بھی بیشتر میں تھا تمام میں نہیں (2) ان اسما کی بھی دو حالتوں میں آتا تھا بقیہ میں نہیں (3) بے جان اور مونث اسمامیں یہ آتا ہی نہ تھا۔ بعد میں مماثلت کے زیر اثر یہ تمام اسمامیں آنے لگا۔ جب اسم میں سے حالت کے لاحقے جاتے رہے تو یہ تمام حالتوں میں یکساں طور پر لگایا جانے لگا۔ قدیم انگریزی میں اضافی پیچیہ /s'-/ بھی صرف مذکر اسماء کے آخر میں آتا تھا مونث کے نہیں مثلاً Badygrace

کہتے تھے۔اب مماثلت کی وجہ سے Lady's grace کہتے ہیں۔انگریزی میں بے ضابطہ جمع کی جگہ باضابطہ جمع کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

سنسکرت میں تثنیہ کے صیغے کی ابتدا یوں ہوئی کہ اصلاً یہ ایسے الفاظ کے لیے لایا گیا جو جوڑوں میں ہوتے ہیں مثلاً آنکھیں کان، ہاتھ، پیر وغیرہ۔ بعد میں ان کی مماثلت پر ہر اسم کے ساتھ تثنیہ جائز ہو گیا۔

مارفیمی مماثلت کی کارفرمائی انگریزی رجوعی لفظ سازی backformation میں ملاحظہ ہو۔ فرنچ کے تین فعل اور ان کا تلفظ یہ ہیں۔

agir [azi:r], affliger [aflize], separer [separe]

ان سے ذیل کے تین فرنچ اسم بنے

action [aksyõ] affliction [afliksyõ] separation [separasyõ]

انگریزی میں یہ اسم لیے اور ان سے رجوعی لفظ سازی کر کے فعل ماخوذ کیے گئے۔

communion : to commune :: action : to act,

کا تناسبی مربع قائم کیا گیا حالانکہ فرنچ فعل میں یہ شکل ہی نہیں۔ انگریزی زبان کی تاریخ میں ان تینوں الفاظ کے اسم پہلے سے ملتے ہیں فعل بعد میں ملنے شروع ہوئے ہیں۔

لیکن مماثلت ہر جگہ باقاعدگی کی ضامن نہیں ہوتی۔ یہ مارفیمی اصول کو نظرانداز کر کے محض صوتی مماثلت پر نظر رکھتی ہے مثلاً لاطینی میں قاعدہ ہے کہ دو مصوتوں کے بیچ میں s بدل کر r ہو جاتا ہے۔

arboris : پیڑ۔ یہ غیر فاعلی حالت میں ہے۔ اس کی نقل میں دوسری حالتوں میں بھی s کو r میں بدل دیا حالانکہ وہاں بعد میں مصوتہ نہیں مثلاً arbor و Labos, arbos قاعدے کے لحاظ سے انھیں vapor, Labour vapos ہونا چاہیے۔

انگریزی میں ذیل کے تانیث کے صیغے ملاحظہ ہوں

Paul : Pauline ::

actor : actorine :: chorus : chorine

آخری لفظ کو Chorusine ہونا چاہیے تھا۔ صوتی مماثلت کی خاطر us کو قربان کر دیا گیا۔ Ego سے egosim ٹھیک تھا لیکن Egotism کیوں کر بن گیا۔ اس میں ٹ کہاں سے آ گئی۔ یہ Patriotism جیسے لفظ کی صوتی مماثلت کا کرشمہ ہے۔

'کیا' Chorine اور Egotism جیسے روپ محض مماثلت کی تخلیق نہیں ان میں کوئی مزید ترمیم بھی شامل ہے۔ بلوم فیلڈ[1] نے انھیں adaptation (ترمیم کے ساتھ اخذ) کہا ہے۔

ہندی میں دوادش کی مماثلت پر ایکادش بنایا گیا حالانکہ سندھی کے قاعدے سے 'ایک' کے بعد 'آ' کے اضافے کی ضرورت نہیں۔

اردو میں صوتی مماثلت کی خاطر مارفیمی صحت کو قربان کرنے کی مثالیں دیکھیے۔ انچاس اُنسٹھ، انہتر، اناسی، وغیرہ گنتیاں یوں بنائی گئی ہیں کہ دہائی کے لفظ میں نفی کا سابقہ 'اَن' لگا کر ایک عدد کی کمی کا قاعدہ اُٹھایا گیا ہے۔ اس قاعدے کے مطابق کا نام اَنانوے ہونا چاہیے تھا جیسا کہ پنجابی میں ہے لیکن اردو میں اکیاسی، اٹھاسی کی صوتی مماثلت پر نواسی کہا گیا۔ مزید مثالیں یہ ہیں۔

زندہ : زندگی :: بندہ : بندگی :: ناراض : ناراضگی

افسانہ : افسانوی :: رومان : رومانوی

لینا : لیا :: پینا : پیا :: کرنا : کیا

مماثلت بنیادی نمونے میں بھی ہونی چاہیے اور ترمیمی روپ میں بھی۔ مندرجہ بالا سطور کے آخری جوڑوں میں بنیادی روپ غیر مماثل ہے۔ اس کے اعتبار سے صحیح مماثلتیں یہ ہوتیں۔

فیاض : فیاضی :: نباض : نباضی :: ناراض : ناراضی

انسان : انسانی :: حیوان : حیوانی :: رومان : رومانی

مرنا : مرا :: بھرنا : بھرا :: کرنا : کرا

ناراضگی اور رومانی مارفیمی اعتبار سے غلط ہیں۔ 'کرا' صحیح ہونا چاہیے تھا لیکن اس کی بجائے 'کیا' کو صحیح قرار دیا گیا ہے جو غلط جوڑوں کی صوتی مماثلت کا نتیجہ ہے۔

---

[1] بلوم فیلڈ ۔ ص 421۔

اردو میں صوتی مماثلت سے فریب کھاکر غیر ضروری چپیپے لگا دیے جاتے ہیں مثلاً صفتِ نسبتی میں ت کا لاحقہ لگا کر اسمِ کیفیت بنایا جاتا ہے۔ انسانی > انسانیت۔ حیوانی > حیوانیت دوسری دو صفات 'یکساں' اور 'یگانہ' سے اسم کیفیت یکسانی، یگانگی ہونا چاہیے لیکن ان میں مزید 'ت' کا غیر ضروری لاحقہ لگا کر یکسانیت، یگانگیت بنا لیا جاتا ہے۔ اسی طرح انسان : انسانی :: روح : روحانی بھی غلط مماثلت ہے۔ روح سے روحی ہونا چاہیے تھا۔

اگر کسی زبان میں کئی زبانوں سے لیے ہوئے الفاظ ہوتے ہیں تو یہ عام ہے کہ ایک زبان کے اشتقاقی چپیپے دوسری زبان کے دخیل مادّوں پر لگا دیے جاتے ہیں مثلاً

فرمودن : فرمائش :: رہنا : رہائش

رس : رسیلا :: رنگ : رنگیلا

دختر : دختران :: ممبر : ممبران

رعب : رعب دار :: سمجھ : سمجھ دار

رہائش اور ممبران جیسے روپوں میں عاریت اور مماثلت دونوں کا میل ملتا ہے۔

یہ غلط مماثلتیں ایسی ہیں جنھیں خواص و عوام دونوں نے قبول کر لیا ہے لیکن ایسی مماثلتی تخلیقات بھی ہوتی ہیں جن کو ثقات پسند نہیں کرتے مثلاً

مسجد : مساجد :: مندر : منادر

قید : قیود :: ہندو : ہنود

ظاہر ہے کہ منادر اور ہنود دونوں غلط ہیں۔ folk etymology کی طرح انھیں folk analogy یعنی عوامی مماثلت کہہ سکتے ہیں۔

نحوی مماثلت

اس مماثلت کی سب سے بڑی کارفرمائی یہ ہے کہ ہم ترکیبوں اور جملوں کے ایک سانچے کو ذہن میں رکھ کر اس جیسے متعدد جملے تخلیق کرتے رہتے ہیں مثلاً

میں نے عام کھایا

اُس نے دوا پی لی

مزدور نے بوجھ اُٹھا

لڑکے اور لڑکی نے سیر کی
یہی کیفیت فقروں کی ہے

King: King's Crown:
The King of England: The King of England's Crown
Smith and Brown: Smith and Brown's Store

عربی فارسی قاعدے سے عطف و اضافت کی ترکیبیں بنانا مثلاً شعلہ و شبنم، رستمِ ہند، دار العوام وغیرہ بھی مماثلتی تخلیقات ہیں۔ اور اس قسم کی مماثلتی تخلیقات بھی ہیں جنھیں عوامی کہا جا سکتا ہے مثلاً ذیل کے دوسرے جوڑے:

فطرت : فوق الفطرت :: بھڑک : فوق البھڑک
بام : لبِ بام :: سڑک : لبِ سڑک

غلط نحوی مماثلت 'پانی و روٹی' جیسی ترکیب کو جنم دیتی ہے جو یاہر سے منسوب شعر میں ملتی ہے۔

عربی، فارسی اور انگریزی انداز پر اردو میں فقرے اور جملے لکھنا بھی نحوی مماثلت کی دین ہے۔ مثلا

تعریف ہے اس خدا کی کہ بنایا جس نے زمین و آسمان کو
حقیقتِ ذات اور صفات اس کی سے (کربل کتھا)
او پر دانش و ران شیریں سخن بزم روایت و رزانت کے (نو طرزِ مرصع)
ع بزمِ قدح سے عیش تمنا نہ رکھ کہ رنگ

آخری مصرع میں 'تمنا نہ رکھ'، 'تمنا مدار' کی مماثلت میں ہے۔ انگریزی نحو کی مماثلت دیکھیے 'میں اس سے کہنے جا رہا ہوں'

'آج میں سپرنٹنڈنٹ صاحب کو، اگر وہ مجھ سے اکڑے، سارے قاعدے قانوں سکھا دوں گا'
جملے کے بیچ میں فقرۂ معترضہ لانا یا قوسین میں کچھ لکھنا انگریزی نحو کی نقل ہے۔ انگریزی اور اردو میں فرنچ کے انداز پر موصوف کے بعد صفت لکھی جاتی ہے۔ مثلاً
'ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم انصاف کریں گے سیاسی، معاشی، سماجی'

سکریٹری جنرل، ڈائرکٹر جنرل بھی اسی قسم کی ترکیبیں ہیں۔ رجسٹرار، مسلم یونیورسٹی، ممبر میونسپل بورڈ، ریڈیو پاکستان بھی فکِ اضافت کی وجہ سے نہیں بلکہ فرنچ موصوف صفت کی مماثلت معلوم ہوتی ہیں۔

انگریزی میں نحوی مماثلت سے اسم کو فعل اور فعل کو اسم کے طور پر استعمال کرنے کا عام رواج ہے چنانچہ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ eat کو اسم مان کر اس کی جمع eats استعمال کی جاتی ہے یا مذاق میں کسی کے چائے کے پیالے میں شکر ڈالنے کی پیش کش ان الفاظ میں کردی جاتی ہے۔

May I anger you

مماثلت کی بنا پر نحو میں غلط ترکیبیں بھی نہیں ہیں۔ 'میں نے دیکھا ہے' کی مماثلت پر اہلِ پنجاب 'میں نے جانا ہے' بولتے ہیں۔ اور 'میں نے جانا ہے' کی مماثلت پر 'میں نے کھانا ہے'، 'میں نے روٹی کھانا ہے' کہتے ہیں۔ مماثلت کے فریب سے بعض غیر ضروری الفاظ بھی استعمال ہو جاتے ہیں مثلاً

ع بہہ رہی تھیں مستیوں کی ندیاں کل رات کو

یہاں 'کل دن کو' کی مماثلت پر 'کل رات کو' لایا گیا ہے حالانکہ رات کے بعد 'کو' لانے کی ضرورت نہیں۔ انگریزی میں dative حالت میں اسم کے لیے 'to' لانا ضروری ہے تاکہ حرکت کی ضرورت ہو جائے۔

Father sends to the son

لیکن مفعولی حالت میں ' ' کی ضرورت نہیں پھر بھی وہ لایا جانے لگا۔

Father gives to the son

معنوی مماثلت

اس کی حسب ذیل قسمیں ملتی ہیں۔

1۔ دوسری زبان سے آئے ہوئے الفاظ کی جنس کا تعین پہلے سے موجود الفاظ کی مماثلت پر کیا جاتا ہے مثلاً لیٹن میں "aestate" (موسم گرما) مونث ہے۔ فرنچ میں اس کا مشتق 'été' مذکر ہے کیونکہ فرنچ میں دوسرے موسموں یعنی جاڑا، خزاں، بہار کے

نام مذکر ہیں۔ سنسکرت میں "آتما" مذکر ہے ہندی میں مونث، غالباً روح، جان کی مماثلت پر۔ انگریزی میں بے جان اشیا میں جنس نہیں ہوتی۔ اردو میں ہم ان الفاظ کو لاتے ہیں تو اُن کے ساتھ فعل، حرف وغیرہ میں جنس لانی ہوتی ہے اور یہ اُن کے ہم معنی اردو الفاظ کی مماثلت سے طے کی جاتی ہے مثلاً ذیل کی مثالوں میں انگریزی لفظ کے ساتھ قوسین میں مماثلتی بنا درج کر دی گئی ہے۔

پہلا Question (سوال) بہت مشکل ہے

مجھے کوئی Recommendation (سفارش) نہیں ملتی

Table (میز) رکھی ہے۔ chair (کرسی) رکھی ہے۔

شاذونادر اس اصول کی مخالفت بھی ملتی ہے مثلاً

میری Family بہت چھوٹی ہے۔

اردو میں Family کے ہم معنی لفظ خاندان، کنبہ وغیرہ مذکر ہیں۔ فیملی کی مونث جنس ی پر ختم ہونے والے مونث الفاظ کی مماثلت پر متعین کی گئی ہے۔

2۔ ہیئت کی مماثلت پر بعض چیزوں کے نام رکھنا مثلاً صراحی کی گردن، بندوق کا گھوڑا، آتش بازی کی چھچھوندر، ناک کا چوہا۔

3۔ ایک زبان کے محاوروں اور کہاوتوں کا اپنی زبان میں لفظی ترجمہ کر لینا حالانکہ ہماری زبان میں اُن کے الفاظ کے وہ لغوی یا مجازی معنی نہیں۔ یہ معنوی مماثلت پیدا کرنا ہے۔

احمقوں کی جنت

ع کہتے ہیں برف تو پگھلی ہے، کہاں پگھلی ہے

میں اپنی آستین میں منہ ڈال کر ہنستا ہوں

یہ دوا پانی کے ساتھ لے لو

ع آگے ترے رخسار کے گل برگ تر آوے

ان محاوروں یا ترکیبوں کے اردو میں وہ معنی نہ تھے جو انگریزی یا فارسی کی معنوی مماثلت پر ان میں بسا دیے گئے ہیں۔

4۔ ہیئت کی مماثلت سے بہک کر مفہوم میں بھی مماثلت پیدا کر لینا۔ یہ غلط لفظ

اصلیات (Etymology) کو جنم دیتا ہے مثلاً اینگلو سیکسن Bryd guma کے معنی 'دلہن کا آدمی' تھے۔ انگریزی میں اسے bride groom سمجھ لیا گیا اور اس کے معنی دلہن کا سائیں یا ملازم کے لیے گئے انگریزی لفظ Verandah کو اردو میں 'برآمدہ' کہا گیا اور ہیئت کی مماثلت پر اس کے معنی 'باہر نکلنے کی جگہ' سمجھے جانے لگے۔ نان خطائی کو ہندی انداز میں 'نان کھتائی' کہا گیا اور اسے نان کھٹائی جان کر یہ سمجھ لیا گیا کہ اس میں کھٹائی پڑی ہوتی ہے گویا خطائی اور کھٹائی کی صوتی مماثلت نے خطائی میں کھٹائی کی معنوی مماثلت بھی پیدا کر دی۔

اس کی قدرے مختلف مثال یہ ہے کہ قدیم انگریزی میں bede کے معنی Prayer کے ہیں۔ چونکہ عبادت تسبیح کی مدد سے کی جاتی ہے اس لیے وسطی انگریزی میں bead کے معنی تسبیح کے ہوگئے اور بعد میں یہ لفظ محض گولی کے معنی میں بھی آنے لگا مثلاً beads of perspiration (پسینے کی بوندیں)۔ یہ ہیئت کی مماثلت کو مفہوم کی مماثلت بنا دیتا ہے۔

6۔ معنوی مماثلت کی ایک صورت یہ ہے کہ بعض الفاظ دوسرے الفاظ سے مقفّیٰ ہونے کے سبب اپنے معنی بدل لیتے ہیں مثلاً انگریزی کے الفاظ crash، clash و smash وغیرہ میں شدت کا مفہوم شامل ہے۔ mash کے معنی اصلاً محض ملانے (mix) کے تھے۔ اپنے قافیائی گروہ کے الفاظ کی مماثلت پر اس کے مفہوم میں بھی شدت شامل ہوگئی مثلاً mashed Potato : وہ ابلے ہوئے آلو جنھیں گھونسوں سے پھوڑ کر چکنا چور کر دیا ہو۔

اردو میں بھی ایک لفظ کے معنی اس سے مقفّیٰ لفظ کے معنی سے مماثل یا مخالف کر لیے جاتے ہیں حالانکہ لغت کے اعتبار سے اُن کے یہ معنی نہیں ہوتے مثلاً معروضی، موضوعی۔ موضوعی کے معنی Subjective یعنی اپنی ذات کو شامل کیے ہوئے یا ذاتی کیے ہیں حالانکہ اردو میں 'موضوع' کے یہ معنی نہیں۔ چونکہ معروضی غیر جانبدار کو کہتے ہیں اس لیے اس کی ہم قافیگی کی بنا پر موضوعی کے معنی اس سے اُلٹے لیے گئے۔ 'زمان و مکان'، وقت اور مقام کے معنی میں آتا ہے۔ کم از کم اردو اور فارسی میں مکان کے معنی گھر کے ہیں لیکن زمان کے قافیے کی وجہ سے اسے مقام (Space) کے معنی میں لیا جاتا ہے۔ اس سے بہتر مثال عرش و فرش کی ہے جہاں فرش کو زمین کے معنی میں لیا جاتا ہے حالانکہ فرش تو جنت میں بھی ہو سکتا

ہے۔ یہ تمام مثالیں تضاد کی ہیں لیکن اس تضاد میں بھی ایک قسم کی معنوی مماثلت ہے۔

7۔ اردو میں تابع مہمل الفاظ جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے اصلاً مہمل ہوتے ہیں لیکن ساتھ کے لفظ کی مماثلت سے ان میں بھی وہی معنی بٹھا دیے جاتے ہیں مثلاً کپڑا وپڑا موٹا چھوٹا ان مرکبتوں میں دوسرے جزو کی پہلے جزو سے معنوی مماثلت ہے۔

لغوی مماثلت یعنی مماثلت کی بنا پر نئے الفاظ بنانا۔

یہ لغوی مارفیمی (Lexicomoephological) مماثلت ہے جو زیادہ تر لفظ سازی میں ملتی ہے مثلاً

1- actor : act :: chauffer : chauff

2- Cower : cow :: peas : pea :: riddles : riddle

cherris : cherry

3- keep : keeper :: house-keep : <u>house keeper</u>

white-wash : <u>white washer</u>

تمام خط کشیدہ الفاظ مماثلت کی بنا پر بنائے گئے ہیں۔

ترسیمی (Graphic) مماثلت

بعض لفظوں کی صوتی مماثلت پر کسی لفظ کے املا میں تبدیلی کر لی جاتی ہے۔ ترسیمی یا املائی مماثلت صرف اسے کہیں گے جہاں ہجا بدلے ہوں آواز نہ بدلی ہو مثالیں

وسطی انگریزی کے لفظ rim کو rhythm سے متعلق سمجھ کر rhyme لکھا جانے لگا۔ وسطی لفظ delite کو light کے تعلق سے delight لکھا گیا۔ وسطی انگریزی الفاظ sovrain، forein کو لاطینی لفظ reign کی مماثلت پر sovereign، foreign لکھا جانے لگا۔ اور یہ دلچسپ مثال دیکھیے۔

Will : would :: shall : should :: can : could

پہلے دو جوڑوں کے بنیادی لفظ میں [l] تھا اس لیے ماخوذ لفظ میں بھی l آیا لیکن could میں [l] کہاں سے آگیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ترسیمی مماثلت سے ہوا۔

اردو میں ہندی الاصل الفاظ کو عربی فارسی الفاظ کی مماثلت پر عربی فارسی کے

مخصوص حروف سے لکھ دیا جاتا ہے مثلاً طوطا۔ راجہ۔ پتہ۔ کٹرہ ان میں پہلا لفظ توتا لکھا جانا چاہیے اور بعد کے الفاظ ہائے مختفی کی بجائے الف پر ختم ہونے چاہئیں۔ ترسیمی مماثلت کی بنا پر مبتدی یا کم سواد حضرات عربی فارسی حروف کی جگہ ہم آواز ہندی حروف لکھ دیتے ہیں مثلاً حامی کو ہامی۔ مرض کو مرز۔

مماثلت کا کام باقاعدگی لانا ہے لیکن جب کسی بے ضابطہ روپ مثلاً kyn کے مقابلے میں باضابطہ روپ cows آتا ہے تو عرصے تک دونوں میں رقابت چلتی ہے اور آخر ش بے ضابطہ روپ مار کھا جاتا ہے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ متعدد دوسری صورتوں میں بے ضابطہ روپ کیوں جاری رہتے ہیں مثلاً کوئی بچہ اگر foot کی جمع [illegible] کہے گا تو اُسے فوراً ٹوک دیا جائے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زبان کے کچھ اجزا مستحکم ہوتے ہیں کچھ غیر مستحکم۔ مستحکم اجزا میں تبدیلی دشوار ہے۔ صرف وہی بے ضابطہ روپ برقرار رہتے ہیں جو بہت زیادہ استعمال میں آتے ہیں اور بہت عام ہیں۔

مماثلت کے لیے وہ نمونے زیادہ مقبول ہوتے ہیں جو زبان میں بہت زیادہ مستعمل ہوتے ہیں مثلاً فرنچ اور لیٹن کے بہت سے الفاظ کی ابتدا میں نفی کا سابقہ in ہوتا ہے وہ انگریزی میں آکر un ہو جاتا ہے یہ صفت اور Post participle کی ابتدا میں آتا ہے لیکن اُن سے بننے والے اسم کیفیت کی ابتدا میں — استعمال ہوتا ہے کیونکہ یہی دستور ہو گیا ہے جو مماثلت کے باعث فروغ پاتا ہے۔

unable, unequal, undigested

سے

inability, inequality, indigestion

اردو میں بھی اسم کیفیت بنانے کے مقررہ قاعدے ہیں مثلاً زندہ > زندگی، ناراض > ناراضی، دانا > دانائی۔ ان نہایت مقبول نمونوں کی مماثلت پر دوسرے متعدد الفاظ بنائے جاتے ہیں۔

اشتقاق کے لیے نمونے کی مقبولیت کا دوسرا پیمانہ یہ ہے کہ اس کے معنی واضح اور مقررہ ہوں مثلاً انگریزی لاحقہ er ـ کے معنی ہیں "کرنے والا"، لیکن اسی کے ساتھ ایسے اشتقاقی

لاحقے یا امدادی اجزا بھی زندہ و پائندہ ہیں جن کے معنی واضح تو درکنار بالکل مسخ ہو گئے ہیں مثلاً spinster کا ster تانیثِ فاعل کا لاحقہ تھا۔ بعد میں اس میں سے تانیث کا مفہوم جاتا رہا اور عام طور پر کرنے والے کے معنی دینے لگا مثلاً gamster, huckster, lobster وغیرہ۔ پھر "کرنے والے" کے معنی بھی ختم ہو گئے اور youngster, roadster جیسے الفاظ ملنے لگے۔ مماثلت نے ان بے ضابطہ الفاظ کو کیوں ختم یا تبدیل نہیں کیا؟ اس سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مماثلت بھی پورے طور پر باضابطہ اور باقاعدہ نہیں ہوتی۔

:-:-:-:-:-:-:-:-:-:-:-:-:

دسواں باب

عاریت

ہر زبان میں دو قسم کے عناصر ہوتے ہیں، ایک وہ جو اسے اپنی ماخذ زبان سے ملے ہیں دوسرے وہ جو موروثی ورثہ نہیں بلکہ باہر کی کسی زبان سے لیے گئے ہیں۔ دوسری زبان سے لینے کے اس عمل کو عاریت (borrowing) کہتے ہیں۔ دینے والی زبان کو دائن (lender) کہہ سکتے ہیں اور لینے والی کو حصولی (borrower)۔ جو وصف (feature) لیا جاتا ہے اسے نمونہ (model) کہہ سکتے ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے ہم عاریت کے لفظ کے بارے میں ایک غلط فہمی کی پیش بندی کرتے چلیں لسانی عاریت روپیے کی طرح نہیں۔ ایک زبان دوسری زبان سے جو نمونے لیتی ہے انھیں واپس نہیں دیا جاتا۔ دراصل دینے والی زبان کوئی وصف یا روپ اپنے سے جدا کر کے نہیں دیتی بلکہ یہ اس کے پاس داد و ستد کے عمل سے پہلے کی طرح موجود و محفوظ رہتا ہے۔ یہ دین اسی معنی میں ہے جس معنی میں علم کا دنیا کہ جو دینے سے گھٹتا نہیں۔

گزشتہ باب میں مماثلت اور عاریت کا تعلق یوں واضح کیا گیا تھا کہ مماثلت اپنی ہی زبان کی بعض خصوصیات یا اصولوں کو لے کر دوسرے روپوں پر چسپاں کر دینا ہے۔ عاریت میں دوسری زبان سے کچھ روپ یا اصول لیے جاتے ہیں۔ بڑی حد تک دونوں نقل کی اقسام ہیں۔ مماثلت میں ہم بعض روپوں میں نقل کر کے دوسرے روپ بناتے یا بدلتے ہیں۔ عاریت میں دوسری زبانوں کے روپوں یا نمونوں کی نقل کر کے اپنی زبان میں دہرا دیا جاتا ہے۔ بچہ پہلی زبان سیکھتا ہے تو نقل اور عاریت دونوں کا عمل ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ وہ اپنی ماں اور گھر کے دوسرے افراد سے روز روز الفاظ مستعار لیتا جاتا ہے۔ اور اُن کی نقل کر کے

اپنا ذخیرۂ زبان بڑھاتا جاتا ہے۔

جب بھی دو فرد بولیاں ایک دوسرے کے میل میں آتی ہیں تو دونوں کی بولی ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ لیتی دیتی ہے وہ صوتی خصوصیت ہو یا ذخیرۂ الفاظ یا معنی کا کوئی زاویہ۔ ایک فرد کوئی خصوصیت یا روپ مستعار لیتا ہے تو یہ عاریت محض فرد بولی کو متاثر کرتی ہے۔ اگر بہت سے افراد یعنی ایک لسانی گروہ دوسرے لسانی گروہ سے کچھ لیتا ہے تو یہ لسانی تبدیلی کا اہم سبب ہوتا ہے۔

عاریت کے چار ماخذ ہوتے ہیں

(1) غیر زبان سے (2) اپنی زبان کے قدیم روپ سے (3) اپنی زبان کی کسی دوسری بولی سے (4) شاذ و نادر اپنی زبان کے ترسیمی روپ سے۔

عاریت کا سب سے بڑا ماخذ غیر زبان سے کچھ لینا ہے اس باب میں اسی پر غور کیا جائے گا۔ عاریت کے بقیہ ماخذوں پر یہیں چند سطور لکھ کر بات ختم کی جاتی ہے۔

اپنی زبان کے قدیم روپ سے مستعار لینا بہت شاذ ہے۔ یہ تحریری ریکارڈ ہی کے ذریعے ممکن ہے اس لیے ایسی عاریت اہل قلم ہی کر سکتے ہیں۔ متروک الفاظ کو ادب میں تو دوبارہ زندگی دی جاسکتی ہے لیکن وہ بول چال کی زبان کا جزو نہیں ہو سکتے۔ مثلاً حال میں فراق یا دوسرے شعرا نے کبھو، کسو، آئے ہے، جائے ہے وغیرہ کا استعمال کیا لیکن یہ زبان کا جزو نہ بن سکا۔ زبان کے قدیم روپ سے مراد اگر ماخذ زبان یا اس سے بھی قبل کی کوئی آبائی زبان مراد لی جائے تو یہ دراصل وہی صورت ہے جو غیر زبان سے عاریت کی۔ چونکہ بعض موجودہ زبانیں تحلیلی ہونے کا رجحان رکھتی ہیں اور ان کی ماخذ زبان مرکبی تھی اس لیے ماخذ زبان کے خزینے کھنگالے جاتے ہیں۔ ہندی میں سنسکرت سے اصطلاحیں لی جاتی ہیں لیکن اردو میں عربی سے اور انگریزی میں لیٹن سے استفادہ زبان کے قدیم روپ کے تحت بھی نہیں آتا۔ عربی اردو کا ماخذ نہیں اور لیٹن سے انگریزی نہیں نکلی۔ اس لیے ان زبانوں سے استفادہ غیر زبانوں سے استفادے کی ذیل میں آئے گا۔

اپنی زبان کی دوسری بولیوں سے مستعار لینا دراصل معیاری زبان اور اس کی بولیوں کے ربط کے تحت آجاتا ہے متعلقہ باب میں اس پر غور کیا جا چکا ہے۔ معیاری کھڑی بولی یا معیاری اردو میں بمبئی کی ہندوستانی سے کتنے الفاظ داخل ہو گئے ہیں۔ علاقائی بولی کے علاوہ طبقاتی

بولی یا تکنکی بولی سے بھی الفاظ مستعار لیے جاسکتے ہیں مثلاً انگریزی میں ڈاکٹری بولی سے humour کا لفظ لیا گیا۔ قدیم طب کے مطابق جسم میں چار رقیق ہوتے تھے، خون، بلغم، پت اور کالا پت۔ اگر کسی کے خون کی مقدار زیادہ ہوتی تھی تو اُسے sanguine کہتے تھے، بلغم زیادہ ہوتا تھا تو Phlegmatic کالا پتہ زیادہ ہونے پر melancholy۔ اگر ان چاروں عناصر میں توازن ہوتا تھا تو اسے good-humoured کہتے تھے۔ قانون کی بہت سی اصطلاحیں معیاری زبان میں چلی آئی ہیں مثلاً alibi، Pledge، مدعی۔ مذہبی تکنکی بولی سے بھی معیاری زبان مستعار لے لیتی ہے۔

اپنی زبان کے ترسیمی روپ سے مستعار لینا شاید جدید رواج ہی ہے۔ تحریر میں جو مخففات استعمال کیے جاتے ہیں وہ بول چال میں بھی اختیار کر لیے جاتے ہیں مثلاً Phd، D.Litt، MA، BA یا ڈاکٹر کے لیے doc ان سے زیادہ دلچسپ مثالیں یونسکو، انکٹاڈ جیسے الفاظ ہیں جو U.N.E.S.C.O یا U.N.C.T.A.D. کے تحریری مخففات کو مل کر لفظ کی شکل دینے سے بر آمد ہوئے U.S.A اور U.S.S.R جیسے مخففات کو یک جا ترکیب نہیں دیا جا سکا لیکن درتی راج گوپال چاریہ کو CR جے پرکاش نراین کو جے۔ پی یا گیان چند کو جی۔ سی کہہ کر پکارا جائے تو یہ مخفف نام پورے نام کی صوت کی نمائندگی نہیں کرتا بلکہ تحریری روپ کی صوت کو ظاہر کرتا ہے۔ ہندی میں دراوڑ منیتر کڑاگم کو درمک اور پرجا سوشلسٹ پارٹی کو پرسپا اور سنیکت سوشلسٹ پارٹی کو سن شو پا بولنے لگے ہیں۔ یہ عاریت بھی ترسیمی روپ سے ہے اور T.B یا B.C.G. کا اصل لفظ کسی سے پوچھیے تو بتا ہی نہیں سکے گا۔ تحریر میں تقریری تلفظ کی سو فی صدی نمائندگی نہیں ہوتی۔ اب کوئی ترسیمی روپ کو دیکھ کر اسی کے مطابق لگے تو بعض موقعوں پر یہ صوتی عاریت کے مترادف ہو گا مثلاً بہت، یہ، وہ کا تقریری تلفظ قارئین کو معلوم ہے۔ دیوناگری رسم خط سے بہک کر بعض حضرات ان کا تلفظ [BƏhut] [YEh] [VEh] کرتے ہیں حالانکہ 'بہت' میں دوسرا مصوتہ خفیف واؤ مجہول ہے اور یہ، وہ کا تلفظ یے، وُو ہے۔

جرمن اور روسی زبان میں V بعض اوقات f کی آواز دیتا ہے اور بعض یورپی زبانوں میں J سے مراد Y ہوتی ہے۔ ہم نے ترسیمی روپ سے تلفظ مستعار لیا داستوسکی (صحیح داستوفسکی)۔ وان ہمیر (صحیح فان ہمیر)، جسپرسن (صحیح یسپرسن)۔ اردو میں عبد السلام کا صحیح

تلفظ عبدس سلام ہے لیکن بعض حضرات تحریر سے 'عبدل سلام' بھی مستعار لے لیتے ہیں۔

عاریت کا سب سے بڑا ماخذ دوسری زبانیں ہیں۔ اگر دو لسانی گروہوں یا قوموں میں تہذیبی تعلقات ہوتے ہیں تو عاریت کا عمل دو طرفہ ہوتا ہے۔ اسے بلوم فیلڈ نے ثقافتی عاریت (cultural borrowing) کہا ہے۔ اگر ایک گروہ دوسرے گروہ سے جنگ یا ہجرت (ترک وطن) کی وجہ سے ملتا ہے تو ایک گروہ دوسرے سے بہت کچھ مستعار لیتا ہے دوسرا اگر وہ بہت کم لیتا ہے۔ اسے یک طرفہ اثر پذیری کہیں گے۔ دونوں پر الگ الگ غور کیا جائے گا۔

عاریت زبان کے ہر شعبے میں ممکن ہے صوتیات، فونیمیات، مارفیمیات، نحو، معنیات، ذخیرۂ الفاظ سبھی میں دوسری زبانوں سے لیا جاسکتا ہے کسی میں کم کسی میں زیادہ۔ زبان کی اوپری سطحوں میں عاریت زیادہ ہوتی ہے یعنی ذخیرۂ الفاظ اور معنیات میں سب سے زیادہ نحوی اور مارفیمی سانچوں میں اس سے کم اور صوتیات میں سب سے کم۔ عاریت کے مطالعے کا مرکزی موضوع ذخیرۂ الفاظ کی عاریت ہے۔

لفظوں کی عاریت کی دو شرائط ہیں۔

۱۔ حصولی شخص کو دائن زبان کے اس لفظ کے معنی معلوم ہونے چاہئیں جسے وہ لینا چاہتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ عاریت کا عمل دولسانی (bi-lingual) شخص کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ لفظ کے صحیح صحیح معنی معلوم ہوں ان کا تقریبی اندازہ ہو تو کافی ہے۔ اس کی بہت مثالیں کہ ایک زبان میں دوسری زبان کا لفظ اصل سے مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب پہلی بار مستعار لینے والے نے اس کا مفہوم کسی قدر غلط سمجھا ہو مثلاً انگریزی لفظ 'ریل' انگریزی میں پٹری کے معنی میں ہے لیکن اردو میں ریل گاڑی کے معنی میں ہے۔ عرصہ، غصہ عربی میں میدان اور غم کے معنی دیتے ہیں لیکن اردو میں مدت، طیش کے۔ معنی کی یہ تبدیلی کسی فردِ واحد کی غلط فہمی کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔

۲۔ عاریت کی دوسری شرط یہ ہے کہ حصولی کو عاریت کی کوئی غرض ہونی چاہیے۔ یہ غرض ذیل کی دو میں سے کوئی ایک ہو سکتی ہے۔

ا۔ کسی ضرورت کو پورا کرنا۔ یہی زیادہ اہم غرض ہوتی ہے۔ ایک زبان میں کسی مفہوم

کے لیے لفظ نہیں ہوتا تو دوسری زبان سے لے لیا جاتا ہے۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ جو چیز جس دیس سے آتی ہے اس کا وہیں کی زبان کا نام برقرار رکھ لیا جاتا ہے۔ مثلاً چائے۔ کافی۔ تمباکو۔ شکر۔ ٹماٹر۔ چاکلیٹ ایسے نام ہیں جو دنیا کی بہت زبانوں میں لے لیے گئے ہیں۔ اگر کشمیر میں سیب کی ایک قسم کا نام امری اور دوسری کا تریل ہے تو امکان یہ ہے کہ دلّی میں بھی اُن کے یہی نام برقرار رکھے جائیں گے۔

ب۔ عاریت کی دوسری غرض اپنی توقیر میں اضافہ کرنا ہے۔ یہ دو صورتوں میں عام ہے۔
الف:۔ بولی کا معیاری زبان سے عاریت لینا۔ بولی کے بولنے والے معیاری زبان کے الفاظ کا استعمال بڑھاتے چلے جاتے ہیں تاکہ اُنھیں زیادہ مہذب گروہ یا طبقے کا رکن سمجھا جائے۔

بے:۔ زبان کی یک طرفہ اثر پذیری میں۔ مہاجرین کی زبان مقامی زبان کے مقابلے میں اور مفتوحین کی زبان فاتحوں کی زبان کے مقابلے میں مغلوب ہوتی ہے۔ مہاجر اور مفتوح جا و بے جا غالب زبان کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ہندوستانی زبانوں میں اسلامی دورِ حکومت میں عربی فارسی الفاظ کی اور انگریزی دور میں انگریزی الفاظ کی بھرمار کی اہم وجہ یہی ہے کیونکہ ان دخیل الفاظ میں سے بیشتر ایسے ہیں جن کے مترادفات اپنی زبان میں موجود ہوتے ہیں۔ سرسید اور حالی کا اردو میں انگریزی الفاظ کو ٹھونسنا اسی احساس کمتری کی تلافی کے لیے تھا۔

صوتی اور فونیمی عاریت

بہت سے دخیل الفاظ حصولی زبان کے صوتی اور فونیمی نظام کے خلاف ہوتے ہیں۔ اُن میں یا تو ایسی آوازیں ہوتی ہیں جو حصولی زبان میں نہیں ہوتیں یا آوازوں کے ایسے خوشے ہوتے ہیں جو حصولی زبان میں نہیں بولے جاتے۔ حصولی زبان میں یہ جیون کی تینوں مستعار لی جا سکتی ہیں یا صوتی تبدیلی کے زیر اثر آجاتی ہیں۔ اگر دخیل لفظ کی اجنبی آوازیں حصولی زبان کی بعض اصوات سے نزدیک ہیں یا ان اجنبی آوازوں والے بہت سے الفاظ مستعار لیے جاتے ہیں تو امکان ہے کہ الفاظ کے ساتھ ساتھ آوازیں بھی مستعار لے لی جائیں مثلاً انگریزی میں فرنچ الفاظ کے ساتھ مصوتی انفیت یعنی نون غنّہ لے لی گئی۔ مثال ریستوراں۔ سنسکرت میں دراوڑی زبانوں سے تین معکوسی آوازیں ٹ، ڈ، ڑ، لے لی گئیں اور

ہندوستانی زبانوں بالخصوص اردو میں عربی فارسی کی بعض آوازیں مثلاً ز، خ، غ، ف، ق، وغیرہ۔ ان میں سے ز، ف، انگریزی کی وجہ سے عام ہوگئے لیکن خ، غ، ق کو ایک محدود پڑھا لکھا طبقہ ہی ادا کرتا ہے۔ انگریزی سے اردو میں وہ مصوتہ بھی آگیا جو آ اور اُو کے بیچ ہے اور جو لارڈ، ڈاکٹر، چاک جیسے الفاظ میں بولا جاتا ہے۔ اردو میں ہندی اور انگریزی کے اثر سے ابتدائی مصمتی خوشے بھی داخل ہوگئے ہیں مثلاً پریم، کرشن، کلب، ڈرامہ وغیرہ۔

یہ آوازیں اور یہ مصمتی خوشے زبان کے صوتی نظام کے خلاف ہیں۔ ابھی تک ان کو سو فیصدی قبول نہیں کیا گیا۔ پڑھے لکھے لوگ انھیں دائی زبان کے تلفظ کے مطابق بولنے پر اصرار کرتے ہیں۔ عوام ان میں صوتی تبدیلی کر لیتے ہیں مثلاً ژ کو 'ز' میں، ز کو 'ج' میں۔ غ کو 'گ' میں، خ کو 'کھ' میں، ش کو س میں، ق کو 'ک' میں بدل لیا جاتا ہے۔ مصمتی خوشوں کو توڑ دیا جاتا ہے۔ لیکن جب بیرونی آوازوں سے واقفیت بڑھ جاتی ہے تو عوام بھی مبدل تلفظ کی بجائے صحیح تلفظ بولنے لگتے ہیں مثلاً اردو میں ابتدا میں پریم میں پ اور 'ر' کے بیچ فتحہ کا مصوتہ ڈال کر بولا جاتا تھا۔ ہندی سے زیادہ مانوس ہونے کے بعد اب اردو بولنے والوں کی بڑی تعداد 'پریم' کو ادا کرتے وقت 'پ' اور 'ر' کے بیچ مصوتہ داخل کر کے نہیں بولتی۔

لیکن پڑھے لکھے لوگ ہمیشہ صحت تلفظ کے ضامن نہیں ہوتے۔ جن لوگوں نے غیر زبان کے الفاظ کتابوں میں لکھے دیکھ کر سیکھے ہیں وہ بعض اوقات تحریر سے فریب کھا کر ان کا غلط تلفظ کرتے ہیں مثلاً فرنچ میں حرف 'U' کی آواز [ز] کی ہوتی ہے چنانچہ Victor Hugo اور menn کا فرنچ تلفظ وکٹر یگو اور منی ہے لیکن انگریزی اور اردو میں انھیں وکٹر ہیوگو اور مینو بولا جاتا ہے۔

یہ تو محض حرف شناس کا تسامح تھا۔ اس سے زیادہ پڑھے لکھے بھی غلطی کر سکتے ہیں خصوصاً وہ جو دائی زبان کے تلفظ کے بارے میں کسی قدر جانتے ہیں لیکن مکمل واقفیت نہیں رکھتے۔ یہ نیم حکیم اور نیم ملا کی طرح خطر تلفظ ہوتے ہیں مثلاً کوئی تھوڑی سی فرنچ پڑھا ہو۔ 'Francais' کے بارے میں جانتا ہے کہ اس کا تلفظ 'فراں سے' ہے لیکن اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ Alliance Francaise میں اس کا تلفظ 'فراں سیز' ہو جاتا ہے۔ وہ فی نفسہ، مشبہ بہ، کما حقہ، مالہ و ماعلیہ، جیسے الفاظ کے آخر میں ھ اور ھی میں خلفشار کر سکتا ہے۔ اس طرح حصولی زبان میں مستعار الفاظ کے تلفظ کی دو سطحیں ہو جاتی ہیں۔

1. بیرونی یا اصلی (ء) اندرونی یا ترمیم شدہ۔ انگریزی میں اس کی بہترین مثال 'ریستوراں' بیرونی تلفظ اور 'ریسٹورنٹ' اندرونی تلفظ ہے۔ اردو میں 'سوال، نَقص، علاوہ، مشارٌ الیہ (مشارن الیہ) بسکِٹ وغیرہ بیرونی تلفظ ہیں جب کہ سَوال، نَقص، علاوہ، مشار الیہ (تنوین کے بغیر) بسکُٹ اندرونی تلفظ ہیں۔

بعض آوازیں اور بعض مصوتوں یا مصمتوں کا سلسلہ ایک لسانی گروہ کے لیے سہل الادا ہوتا ہے لیکن دوسرے لسانی گروہ کو وہ زبان توڑ معلوم ہوتا ہے اس لیے بہت سے دخیل الفاظ میں حالانکہ کوئی اجنبی آواز بھی نہیں ہوتی اور مصمتوں کے خوشے بھی حصولی زبان کے تلفظ میں ممکن ہیں پھر بھی نہ اُن کا باہری رنگ روپ دور یا کم کرنے کے لیے ان میں صوتی تبدیلی کر لی جاتی ہے۔ تعریب، تفریس اور تہنید اسی عمل کا نام ہے۔ اردو میں لینٹرن کو لالٹین، اپریل کو اپریَل Sepltember کو ستمبر کر لینا وہی عمل ہے جو اپ بھرنش اور جدید ہند آریائی زبانوں نے تتسم الفاظ کو تدبھو میں بدلتے وقت روا رکھا اور جس کی بدولت چورن (ʧ : r n) کو چورَن (ʧ u : r ə n) سوریہ کو سورج اور سمُدر کو سمندر بنا لیا گیا۔
جاپانی زبان میں لثوی بندشیہ t اگر [u] سے قبل ہو تو [ts] اور [ɸ] سے قبل ts ہو جاتا ہے چنانچہ انگریزی سے مستعار الفاظ میں بھی جاپانی زبان کی صوتی روایات کے مطابق ترمیم کر لی گئی۔

مستعار لفظوں میں بعض صوتی ترمیم ایسی ہوتی ہیں جن کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی مثلاً اردو کے لیے موسِم، نقص، سوال، بسکِٹ کا بیرونی تلفظ اسی طرح سہل الادا تھا جیسے موجودہ ترمیم شدہ تلفظ موسَم، نَقص، سوال، بسکُٹ وغیرہ۔ اس ترمیم کی وجہ یہی ہو سکتا ہے کہ کسی زمانے میں کسی فردِ واحد نے غلط فہمی سے تلفظ میں یہ تبدیلی کی اور دوسرے اس کی تقلید کرتے گئے۔

شاذ و نادر زبان کے صوتی نظام میں باہر کی آوازوں کو بھی مستعار لے کر داخل کر لیا جاتا ہے مثلاً اردو میں ف، ق، خ، غ وغیرہ کی آوازوں کا در آنا۔ جب بیرونی آواز والے الفاظ حصولی زبان میں کافی تعداد میں آ جاتے ہیں تو وہ آوازیں بعض دیسی الفاظ میں بھی داخل ہو جاتی ہیں مثلاً خچر، غنڈہ، اخروٹ، غٹاغٹ، غٹرغوں، غڑاپ جیسے الفاظ عربی فارسی کے نہیں لیکن ان میں خ یا غ بولی جاتی ہے۔ گنڈہ اور گپ دو لفظوں کے اصل تلفظ کو بدل کر غنڈہ، غپ کر دیا گیا۔ ہندی الفاظ میں ایسے ابتدائی خوشے عام ہیں جن میں دوسرا رکن 'ی' ہوتا ہے۔

مثلاً پیار، پیاس، کیا، کیوں وغیرہ۔ انھیں دیکھ کر بعض حضرات اردو لفظ پیالہ [piyala] کو بھی ہندی کے معمتی خوشے سے pyala بول دیتے ہیں۔

اگر مستعار الفاظ میں کوئی ایسی آواز ہوتی ہے جو دائن زبان کی آوازوں سے بہت مختلف ہے یا وہ معدودے چند مستعار الفاظ ہی میں آتی ہے تو اسے بدل لیا جاتا ہے۔ تبدیلی کے دو درجے ہیں۔

ا۔ معمولی مثلاً فرنچ لہاتی ر کو انگریزی کی لثوی ر میں بدل لیا جاتا ہے یا انگریزی کے دولبی نیم مصوتہ [w] والے الفاظ کو ہندوستانی زبانوں میں لب دنتی [v] سے بولا جاتا ہے یا عربی کے ض، ظ والے الفاظ کو اردو میں ز سے ادا کیا جاتا ہے۔

ب۔ دوسری تبدیلی غیر معمولی ہے جس میں بیرونی آواز میں بہت زیادہ تبدیلی کر لی جاتی ہے مثلاً ریڈ انڈین زبان menomine میں مصمتی بندشیے اور ر، ل [r, l] نہیں ہوتے اس لیے انھوں نے انگریزی لفظ automobile کو automopen کر لیا۔ مصری عربی میں ج سے گ کی آواز ادا کرنا بھی اسی قسم کی تبدیلی ہے مثلاً جمال عبدالناصر کو گمال عبدالناصر بولا جاتا تھا۔

معمولی یا غیر معمولی تبدیلی کے یہ درجے بنیادی اعتبار سے مختلف ہیں ان کا فرق محض اضافی ہے۔ غ کو گ، خ کو کھ، ف کو پھ میں بدلنا بعض کی رائے میں غیر معمولی تبدیلی قرار پائے گا تو بعض دوسرے اسے معمولی تبدیلی کہیں گے۔

دخیل لفظ اور اس کی صوتی تبدیلی عاریت کے وقت کے تلفظ اور اس کے صوتی ارتقا کی نشان دہی کرتے ہیں مثلاً لفظ سیزر کا یورپ کی مختلف زبانوں میں تلفظ ملاحظہ ہو لیٹن اور انگریزی سیزر، جرمن کیسر، روسی زار اور عربی جا کر یہ لفظ قیصر ہو گیا۔ بعض اوقات دائن زبان میں لفظ کا تلفظ بدل کر کچھ اور ہو جاتا ہے لیکن حصولی زبان میں قدیم تلفظ برقرار رہتا ہے۔ اس طرح حصولی زبان کی بدولت دائن زبان کے قدیم تلفظ کا بھی علم ہو جاتا ہے اور بعض اوقات عاریت کی تاریخ بھی متعین کی جا سکتی ہے۔ بعض اوقات ایک زبان دائن زبان سے ایک لفظ مستعار لیتی ہے۔ بعد وہ لفظ دائن زبان میں صوتی تبدیلی کے زیر اثر آ جاتا ہے اور حصولی زبان دوبارہ ترمیم شدہ تلفظ کو بھی مستعار لے لیتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں مستعار شکلیں کسی قدر مختلف معنی میں استعمال کی جائیں مثلاً انگریزی میں لیٹن سے fragil لیا گیا اور اس کی فرنچ شکل سے

انگریزی میں nail لیا گیا۔ دونوں کے مفہوم میں کسی قدر فرق ہے۔ ایک مادّے سے ماخوذ دو الفاظ کو توبے (doublet) کہتے ہیں۔ اردو میں ذِلّت اور ذلالت اس قسم کے جوڑے ہیں۔

صوتی عاریت مفرد لفظ سے متعلق ہوتی ہے۔ بعض اوقات سُر لہر (Intonation) بھی مستعار لے لی جاتی ہے۔ انگریزی زبان کا ایک مخصوص لہجہ ہے لیکن مختلف مقامات میں یہ زبان مقامی زبان کی سُر لہر مستعار لے لیتی ہے مثلاً یوپی والے انگریزی کو ہندی لہجے میں، پنجابی پنجابی لہجے میں اور تامل لوگ جنوبی لہجے میں بولتے ہیں۔ ایران کی فارسی کی سُر لہر دیکھیے اور اہلِ ہند کی فارسی کی۔ ہم فارسی کو بالکل اردو انداز میں بولتے ہیں جب مہاراشٹر یا میسور یا مدراس کے اردو بولنے والے آپس میں اردو بولتے ہیں تو دور سے[1] سننے پر یہی معلوم ہوتا ہے جیسے وہ مراٹھی یا کنڑ یا تامل بول رہے ہوں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اُنھوں نے اردو کے لیے متعلقہ زبان کی سر لہر مستعار لے لی ہے۔

اگر دو زبانیں عرصے تک ایک ہی علاقے میں ساتھ ساتھ بولی جاتی ہیں تو امکان ہے کہ دونوں میں ایک دوسرے کے اثر سے تبدیلی ہو جائے گی۔

زبان کے سانچے میں قبول کیے جانے کے بعد دخیل الفاظ بھی حصول زبان کے مارفونیمی اصولوں کے تحت آ جاتے ہیں مثلاً مصرع، موقع کو واحد میں 'مصرا'، 'موقا' بولا جاتا ہے تو جمع کی شکل میں 'مصرے'، 'موقعے' بولتے ہیں۔ آ کی آواز پر ختم ہونے والے عربی فارسی الفاظ حرفِ جار سے منصرف ہو کر اے میں بدل جاتے ہیں مثلاً مصرع (مصرے) میں۔ موقع (موقے پر)۔ غصے میں۔ نقشے میں۔

جس طرح صوتی سطح پر دخیل الفاظ کے ذریعے دائن زبان کی مخصوص آوازیں بھی حصولی زبان میں آ جاتی ہیں یا ان اصوات کو حصولی زبان کی اصوات کے مطابق ڈھال لیا جاتا ہے۔

---

[1] اسے مبالغہ نہ سمجھیے۔ راقم الحروف بنگلور میں ایک مسلم گھرانے میں مہمان رہا۔ جب اہلِ خانہ آپس میں بات کرتے تھے تو میں نہ سمجھ پاتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ کنڑ میں بولتے ہیں۔ جب توجہ سے سنا تو معلوم ہوا کہ وہ اردو ہی بولتے ہیں لیکن کنڑ لہجے میں۔ جب وہ مجھ سے بات کرتے تھے تو شمالی ہند کی اردو کی سر لہر میں۔ مہاراشٹر کے دیہات کے مسلمان بھی اردو کو بالکل مراٹھی سُر لہر کے بہاؤ کے ساتھ بولتے ہیں۔

اسی طرح قواعدی سطح پر بھی یہ دونوں عمل ہوتے ہیں یعنی حصولی زبان میں دائن زبان کے قواعدی اصول داخل ہو جاتے ہیں نیز مستعار الفاظ حصولی زبان کے اصولوں کے تحت آجاتے ہیں۔ مثالوں سے بات واضح ہوگی۔

انگریزی میں Criteria جیسی یونانی جمع اور Crises ، Cacti جیسی لاطینی جمع موجود ہیں۔ فرنچ کا تانیث کا صیغہ France سے France انگریزی میں عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں عربی فارسی تصریفی اور اشتقاقی چسپیوں کی بھرمار ہے جیسے مکاتیب، مردماں، دلہا، دیہات، انسانیت، مایوسی، قاتل، مقتول وغیرہ۔ بعض اوقات یہ چسپیے دیسی الفاظ پر بھی لگا دیے جاتے ہیں مثلاً مناذر، سمجھ دار، رہائش، رنگ وروپ، ممبران اسمبلی، بھرکدار، رنڈی باز۔ حد یہ ہے کہ اردو میں انگریزی سے مستعار الفاظ کے ساتھ انگریزی کے لاتصریفی لاحقے بھی آگئے ہیں مثلاً

اردو اسپیز، گرلس کالج۔ انجینیئرنگ، نکسلائٹ، سوشلزم، نیشنل کالج، کیمونل ایوارڈ، الکشن، کرپشن، اسکالرشپ، کورٹ شپ۔

واضح ہو کہ ہمیشہ آزاد روپوں کو مستعار لیا جاتا ہے پابند روپوں کو نہیں لیکن لفظ کے جزو کے طور پر پابند روپ بھی لے لیے جاتے ہیں۔ جب دائن زبان سے یکساں قواعدی چسپیوں والے الفاظ کے گروہ مستعار لیے جاتے ہیں تو یہ چسپیے بھی حصولی زبان کے قواعدی ڈھانچے کے جزو ہو جاتے ہیں مثلاً

کمیون	کمیونل	کیمونسٹ	کمیونزم
نیشن	نیشنل	نیشلسٹ	نیشنلزم
سوسائٹی	سوشل	سوشلسٹ	سوشلزم
انارکی		انارکسٹ	

سائنٹفک ، کیلنک ، بلیاٹک ، لیوٹاٹک

انجینیئرنگ ، ویلڈنگ ، ہوٹنگ ، ڈرائی کلیننگ

ٹیلر ، ٹیچر ، پینٹر ، لکچرر ، ریڈر ، ڈرائی کلینر

جس طرح دخیل الفاظ حصولی زبان کے صوتی اور مارفونیمی نظام کے تحت آجاتے ہیں اسی طرح وہ حصولی زبان کے مارفیمی نظام کو بھی قبول کر لیتے ہیں۔ انگریزی میں Curriculam کی یونانی جمع Curricula کے علاوہ انگریزی جمع Curriculums بھی آتی ہے۔

فرنچ لفظ شوفرسے chauffe جیسی لفظ سازی کی گئی ہے۔ اردو میں اس کی مثالیں اور بہتر ہیں۔ مستعار الفاظ پر جمع اور تانیث کا دیسی عمل ملاحظہ ہو۔

اسکولوں، دیہاتوں، مکتبوں، یونیورسٹیوں،

شیرنی، صوبہ دارنی، ماسٹرنی، ڈاکٹرنی، حاجن، مولون، قصائن، وکیلنی۔

دوسری کچھ مثالیں یہ ہیں۔ رنگیلا، نرماہٹ، غصیلا، مولوی پن، شہدا پن۔

اردو میں بیرونی چسپیوں کے ساتھ مرکبات بھی مستعار لیے گئے ہیں مثلاً فصیح الملک، شیر پنجاب، مردِ شجاع، شعلہ و شبنم جیسے عطفی، اضافی اور توصیفی مرکب۔ ایسے مرکب بھی ہیں جن کو مستعار یا بند روپ سے بنایا ہے لیکن اس کا ایک رکن مستعار ہے دوسرا دیسی مثلاً فوق البھڑک، لب سڑک، نشہ، جٹادھاری، راگ اور رنگ، رنگ و روپ، گہرائی و گیرائی، نازک اندمانِ کالج۔

شاذ و نادر نحوی ساختوں میں بھی عاریت کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ انگریزی میں سکرٹری جنرل، man operation leghorn جیسے اور اردو میں ریڈیو کشمیر جیسے فقرے فرنچ انداز پر ہیں۔ بعض اوقات جملوں کی ساخت میں بھی بیرونی سانچے مستعار لیے جاتے ہیں اردو کے ذیل کے جملے دیکھیے۔

۱۔ تعریف ہے اس خدا کی بنایا جس نے زمین و آسماں کو۔

۲۔ جانا حاتم طائی کا کوہِ ندا پر اور لانا خبر وہاں کے راز کی۔

۳۔ بچہ نہ تو اسکول گیا نہ ہی بستر پر آرام کیا۔

صاف ظاہر ہے کہ پہلے جملے میں عربی ساخت اور دوسرے میں فارسی ساخت مستعار لی گئی ہے۔ تیسرے جملے میں 'نہ ہی' انگریزی ساخت ہے۔ اردو میں حرف تاکید 'ہی' موکد 'بستر' کے بعد آنا چاہیے 'نہ ہی' انگریزی لفظ nor کا ترجمہ ہے۔ اردو ساخت 'نہ بستر پر آرام ہی کیا' کا تقاضا کرتی ہے۔ لاطینی نحو کے اثر سے جرمن زبان میں نہایت پیچیدہ جملوی ساختیں عام ہو گئی ہیں۔

صوتی، مارفیمی اور نحوی عاریت سے زیادہ عام لغوی اور معنوی عاریت ہے عاریت کی سب سے مشہور اور مقبول صورت مستعار لفظ loan word ہے۔ مولوی عبدالحق نے اسے دخیل لفظ کہا تھا۔ یہ وہ صورت ہے جب ایک زبان کے لفظ کو جیوں کا تیوں یا کسی

قدر صوتی تبدیلی کے ساتھ دوسری زبان میں لے لیا جائے۔ اس باب میں انگریزی اور اردو بہت فراخ دل واقع ہوئی ہیں۔ اردو میں دیسی الفاظ کے علاوہ عربی فارسی ترکی اور انگریزی کے الفاظ وافر تعداد میں ہیں۔ کچھ الفاظ دوسری متفرق زبانوں مثلاً پرتگالی، اطالوی وغیرہ کے بھی ہیں۔ ان میں سے کچھ الفاظ اصل ہیئت میں یعنی تت سم ملتے ہیں مثلاً ریڈیو اور کچھ دوسرے کسی قدر بدل کر یعنی تدبھو مثلاً لالٹین، بوتل۔

یہ تھی لغوی یعنی ذخیرۂ الفاظ کی عاریت۔ اس عاریت کا مطالعہ دو لسانی گروہ کے تہذیبی تعلقات پر دلچسپ روشنی ڈالتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک قوم نے دوسری قوم کو کس قسم کی اشیا اور ادارے دیے۔ انگریزی میں فرنچ سے ایک طرف حکومت اور نظم و نسق کی اصطلاحیں آئیں تو دوسری طرف سنگھار کی چیزیں، خواتین کے ملبوسات اور تعیش کے سامان آئے۔ جرمن زبان سے فلسفے اور سائنس کی اصطلاحیں آئیں۔ بعض اشیاء اپنے اصلی یا قدرے ترمیم شدہ نام کے ساتھ دنیا بھر میں مشہور ہو جاتی ہیں مثلاً چائے، کافی، تمباکو شکر، کافور وغیرہ۔

لغوی عاریت سے ملتی جلتی معنوی عاریت ہے۔ اس میں ایک زبان سے لفظ کی ہیئت مستعار نہیں لی جاتی، اس کا مفہوم مستعار لیا جاتا ہے۔ اس کی تین شکلیں ہیں۔

1۔ مستعار ترجمہ (loan translation)۔ اس میں دائن زبان کے لفظ یا ترکیب کے مفہوم کو مستعار لے لیا جاتا ہے اور حصولی زبان کے کسی موجود یا نوساختہ لفظ کے ذریعے ظاہر کیا جاتا ہے معنوی عاریت کی یہ بہت عام صورت ہے ہم نے انگریزی الفاظ democracy, federation, Expressionism کو جمہوریت، وفاق، اظہاریت جیسے ترجموں کے ذریعے ظاہر کیا۔ ترکیبوں کے بھی ترجمے کیے گئے۔ ان میں محاورے اور کہاوتیں بھی شامل ہیں۔ جن ترکیبوں کے لغوی معنی سے دائن زبان والا مفہوم ادا ہو جاتا ہے انھیں کو مستعار ترجمے میں شامل کیا جائے گا مثلاً Red army سے لال فوج یا سرخ فوج۔

Necessity is the mother of invention: ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ جن ترکیبوں کے ترجمے مجازی معنی سے دائن معنی کو ادا کرتے ہیں وہ اگلی شق loan shift کے تحت آئیں گے۔

مستعار نقلِ معنی (Loan-shift)۔ بعض اوقات دائن زبان کے لفظ یا ترکیب کے مفہوم کو حصولی زبان کے کسی ملتے جلتے لفظ سے ظاہر کرتے ہیں۔ حصولی روپ دائن نمونے کے بالکل ہم معنی نہیں ہوتا بلکہ اس کے مفہوم کو قدرے بدل کر ہم معنی فرض کر لیا جاتا ہے مثلاً

عربوں کی 'صوم' کو ایرانیوں کی دنیا اصطلاح 'نماز' سے ظاہر کیا گیا۔
ملحدوں کی تقریب کے نام 'ایسٹر' کو مسیحی تیوہار کے لیے استعمال کیا گیا۔ اردو میں X-mas کو بڑا دن کہا گیا۔ کسی ریڈ انڈین زبان میں وسکی کو Fire water اور ریل گاڑی کو Fire wagon کے ہم معنی لفظ سے ظاہر کیا۔ بجلی کے لیے امریکی زبان [illegible] میں جو لفظ ہے اس کے لغوی معنی 'His science' ہیں۔ رواقی فلسفی شدید جذبے کو بیماری مانتے تھے اس لیے یونانی میں اسے Pathos کہا گیا۔ لاطینی نے اس کا ترجمہ Passis (دکھ اٹھانا) کیا جس سے انگریزی لفظ Passion بنا۔ یونانی اصل کے لحاظ سے اس لفظ کے معنی بیماری کے ہوئے چنانچہ یونانی Pathos سے انگریزی میں Pathology بیماری کا مفہوم لیے ہوتا ہے۔

اگر ایک لفظ دائن زبان میں مرکب اور توضیحی ہے تو امکان ہے کہ دوسری زبان میں اس کا ترجمہ نقلِ معنی کے ذریعے کیا جائے گا مثلاً یونانی میں science کے لیے جو اصل لفظ ہے اس کے لفظی معنی ہیں with knowledge۔ لیٹن میں بھی اسے اس کے ہم معنی لفظوں co-science سے ترجمہ کیا گیا اور لطف یہ ہے کہ روسی زبان میں بھی اسے so-veat کہا گیا جس کے دونوں اجزا کے اسی قسم کے معنی ہیں gospel کے معنی ہیں good spell۔ اس کا اصل یونانی لفظ جو ہے اس کے دونوں اجزا کے بھی یہی معنی ہیں۔ اس قسم کے ترجمے کا جرمن زبان میں عام رواج ہے۔
اردو میں انگریزی کی Documentary Film کو دستاویزی فلم اور Lunch کو عصرانہ کہنا مستعار نقلِ معنی ہے کیونکہ اردو لفظ یا ترکیب کے لغوی معنی وہ نہیں جو اُن میں بسا دیے گئے ہیں۔

کسی زبان میں جو ترکیبیں مجازی معنی میں لی جاتی ہیں (یعنی محاورے اور کہاوتیں) اگر دوسری زبان میں اُن کا لفظی ترجمہ کر لیا جائے تو اس سے دائن زبان کے مجازی مفہوم کو مراد لیا جائے

تو یہ بھی مستعار نقلِ معنی ہے مثلاً انگریزی میں فرانسیسی فقروں کے یہ ترجمے ملاحظہ ہوں

marriage of convenience

It goes without saying

ہم اردو میں کہتے ہیں "تمھارے لیے جانے کا کوئی سوال نہیں"۔ اس جملے میں لفظ 'سوال' کے نہ کوئی معنی ہیں نہ موقع۔ یہ انگریزی میں ترجمہ ہے۔

There is no question of his being selected

His selection is out of question انگریزی میں بھی کہتے ہیں۔ غنیمت ہے کہ اردو میں 'سوال کے باہر' استعمال نہیں کرتے اور خارج از امکان ہی پر اکتفا کرتے ہیں لیکن اردو میں ایسے جملے تو دیکھنے میں آتے ہی ہیں

ع کہتے ہیں برف تو پگھلی ہے، کہاں پگھلی ہے؟

میں اپنی آستینوں میں منھ دے کر ہنستا ہوں

ان سب میں انگریزی کا مفہوم مستعار لیا گیا ہے Bechelor of arts کو بالغ العلوم اور Doctor of literature کو دکتورِ ادب، یونیورسٹی کو جامعہ یا کلیہ، Anti-story کو اکہانی کہنا بے معنی ہوتا اگر ان کے ساتھ انگریزی مفہوم بھی منتقل نہ ہوا ہوتا کیونکہ علوم کا بالغ سے اور ادب کا طبیب سے کوئی تعلق نہیں۔

بعض اوقات مستعار نقلِ معنی مضحکہ خیز ہوتا ہے مثلاً یونانی زبان میں فعل کے راست مفعول (Direct object) کے لیے جو فقرہ بنایا گیا اس میں اتفاق سے جزوِ اول کے ایک معنی 'الزام دینا' بھی تھے۔ لاطینی قواعد نویسوں نے اسے غلط سمجھ کر اس کا ترجمہ (accusative) کر لیا۔ انگریزی میں حالتِ مفعولی کے لیے یہی رائج ہو گیا — Memomini ریڈ انڈین زبان میں مصیتی بند شیے نہیں ہوتے۔ انھوں نے سویڈن کے رہنے والے باشندے Swede کو Sweet سمجھ لیا۔ اپنی زبان میں اس لفظ کا ترجمہ جس لفظ یا فقرے سے کیا گیا اس کے لغوی معنی ہیں "وہ جو میٹھا ہے"۔ یعنی سویڈن کے ہر باشندے کو میٹھا سمجھ لیا گیا۔ کوریا کی زبان میں لال بہادر شاستری کے نام کو 'سرخ دلیر' کے ہم معنی لفظ سے ترجمہ کیا گیا۔ دلی کے محلہ بلی ماراں کو 'گربہ کشاں' کہنا بھی ایسا ہی لطیفہ ہے۔ مستعار نقلِ معنی کی ایک قسم رعایت کے ذریعے معنوی توسیع ہے۔ اس میں دائن زبان کے مخصوص

مفہوم کو حصولی زبان کے کسی ایسے لفظ میں بسادیا جاتا ہے جس کے دیسی معنی مستعار معنی سے ملتے جلتے ہوں مثلاً قدیم انگریزی لفظ Eorl کے معنی شجاع جنگ جو تھے old norse زبان میں یہ امیروں کے ایک درجے کا نام تھا۔ اسے انگریزی میں مستعار لے کر Earl کو موجودہ مفہوم دے دیا گیا۔

3۔ مستعار آمیختہ (loan-blend)۔ اس صورت میں دائن زبان کا مادہ یا اصل (stem) لے کر اپنی زبان کا چسپیہ لگا دیتے ہیں یا اپنی زبان کے مادے پر غیر زبان کا چسپیہ لگا دیا جاتا ہے مثلاً امریکہ میں باہر سے آکر بسنے والے مہاجر، انگریزی لفظوں کو اپنی زبان کی شکل دے کر اپنا لیتے ہیں جیسے boarder کو پرتگالی امریکی boardo کہتے ہیں۔ مستعار آمیختہ کی یہ اچھی مثال نہیں۔ بہتر مثالیں اردو میں ملتی ہیں۔

ع نہ ہلد نہ ٹلد نہ جنبد ز جا جعفر زٹلی

"اب ہماری عورتوں کے فیشن میں بس دریس top-less پن کی کسر رہ گئی ہے۔"

رہائش، ڈاڈائیٹ، فوق البھڑک، اہل ہنود، سمجھ دار، رنگیلا، ممبران۔

معنوی عاریت کا بیان ختم ہوا۔

عاریت کی ایک اور شکل کسی نظام یا آئین کو مستعار لینا ہے۔ اس میں ایک زبان دوسری زبان سے ایک عمومی تصور یا تحریک لے لیتی ہے اور پھر اپنی ضرورت کے مطابق تفصیلات خود مہیا کرتی ہے۔ اسے ہاکیٹ نے stimulus diffusion کہا ہے۔ ہم اسے مستعار آئین یا مستعار نظام یا نظام کی عاریت کہیں گے۔ ذیل کی شکلیں اس کی مثال ہو سکتی ہیں۔

الف:۔ ایک زبان کا دوسری زبان کا رسم الخط مستعار لینا مثلاً فارسی نے قدیم اوستائی خط چھوڑ کر عربی کا خط اختیار کیا یا ترکی اور بھاشا انڈونیشیا نے عربی خط کی جگہ رومن خط اختیار کیا۔ ایسی بھی متعدد زبانیں ہیں جن کا اپنا کوئی رسمِ خط نہ تھا اور انھوں نے رومن رسم خط قبول کر لیا۔

عاریت نظام کی خالص شکل وہ ہے کہ امریکہ کے چیروکی ریڈ انڈینوں نے لاطینی خط دیکھ کر فنِ تحریر کے بارے میں ایک عام تصور لیا اور پھر اپنی زبان کے لیے ایک خط ایجاد کیا۔

ب:۔ اردو کے فونیمی تجزیے میں اردو مصمتوں اور مصوتوں کو I.P.A کے انداز پر ترتیب دینا۔ ماہرین صوتیات میں یہ عام رواج ہے کہ اردو مصوتوں کو اعراب کی بجائے ہندی کی دس ماتراؤں کے نام سے ادا کرتے ہیں۔

ج:۔ تیسری صورت ایک زبان کے لیے دوسری زبان کی قواعد ادھار لینا ہے۔ مولوی عبدالحق نے اردو قواعد لکھتے وقت عربی قواعد کو بڑی حد تک چھوڑ کر انگریزی قواعد کے بیانات مستعار لیے۔

د:۔ اردو میں ہندی بحروں کا استعمال یا اردو عروض کو ہندی عروض کے انداز پر ڈھالنے کی کوشش بھی ایک آئین کو مستعار لینا ہے۔ واضح ہو کہ وزنِ شعر کا تعلق صوتیات سے ہے۔

ھ:۔ اگر اسلوبیات کو لسانیات کی شاخ مان لی جائے تو بعض اوقات ایک زبان کا کوئی یا کئی اہلِ قلم دوسری زبان سے اسلوبِ تحریر مستعار لے لیتے ہیں مثلاً ابتدائی دکنی اردو نے بھاشا سے ذخیرۂ الفاظ اور اسالیب وغیرہ مستعار لیے۔ اس دور کے آخر میں ولی نے یہ سب چیزیں فارسی سے مستعار لیں۔ فضلی، تحسین، رجب علی بیگ سرور اور اُن کے مقلدین نے متاخرین فارسی سے سبکِ ہندی مستعار لیا۔

مندرجہ بالا مفہوم میں اسلوب Linguistics کے ذیل میں نہیں آتا Philology کے قدیم تصور کے حصار میں ضرور آتا ہے۔ اسلوب کا لسانی اور صوتیاتی نقطۂ نظر سے تجزیہ جدید لسانیات کی شاخ اسلوبیات کا موضوع ہے۔

لسانی عاریت کی انتہائی شکل پوری زبان کو مستعار لینا ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ حصولی گروہ اپنی مادری زبان کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیتا ہے بلکہ وہ مخصوص ضرورتوں کے تحت مخصوص اوقات میں دوسری زبان کو مستعار لے لیتا ہے اگر کسی زبان کو زیادہ توقیر حاصل ہوتی ہے تو دیسی زبان کے بولنے والے مخصوص موقعوں پر موقر غیر زبان کا استعمال کرتے ہیں۔ وہ کوشش کرتے ہیں کہ حتی الامکان اہلِ زبان کی طرح صحیح بولیں مثلاً اٹھارویں صدی میں جرمن دربار میں فرنچ مہذب زبان سمجھی جاتی تھی۔ فریڈرک اعظم جرمن زبان کو محض کسانوں کے شایان سمجھتا تھا اس لیے وہ اکثر فرنچ ہی لکھتا تھا اور اُسے جرمن عناصر سے پاک رکھ کر لکھتا تھا۔ لوگ جس غیر زبان کو کماحقہ جانتے ہیں اس میں صوتی، قواعدی یا معنوی تبدیلی نہیں کرتے۔ جس زبان کو جزوی طور پر جانتے ہیں اس میں مختلف سطحوں پر ترمیم کر لیتے ہیں۔

عاریت کی مختلف قسموں کے نقشے کے طور پر یوں پیش کر سکتے ہیں۔

- عاریت
  - صوتی عاریت
    - بیرونی آوازیں مستعار لینا
    - مستعار لفظ کی صوتی تبدیلی
    - سُر لہر کی عاریت
  - مارفیمی عاریت
  - نحوی عاریت
    - فقروں کی ترتیب کی عاریت
    - جملوں کی ساخت کی عاریت
  - معنوی عاریت
    - مستعار ترجمہ (Loan translation)
    - مستعار نقلِ معنی (Loan shift)
    - مستعار آمیختہ (Loan-blend)
  - لغوی یا ذخیرۂ الفاظ کی عاریت
  - نظام یا آئین کی عاریت (Loan system)
  - پوری زبان کی عاریت

عاریت کا یہ عمل بہت سے موقعوں پر مماثلت بن کر رہ جاتا ہے بالفاظِ دیگر عاریت اور مماثلت دونوں کی بہ یک وقت کارفرمائی ہوتی ہے۔

لسانی عاریت کے دو خاص اسباب ہیں اور دونوں میں عاریت کی مقدار و مدارج میں فرق ہوتا ہے۔

ا۔ ثقافتی عاریت (Cultural-borrowing)۔ دو لسانی گروہوں میں تہذیبی یا تجارتی تعلقات ہوں تو دونوں زبانیں ایک دوسرے سے کچھ الفاظ مستعار لیتی ہیں۔ ممکن ہے ایک زبان کچھ زیادہ لے دوسری قدرے کم۔ یہ گروہ ایک دوسرے کے متصل رہتے ہوں یا فاصلے پر اس سے بڑا فرق نہیں پڑتا۔

ب:۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دو زبانوں کے بولنے والے علاقائی لحاظ سے ایک ہی مقام میں مِل جُل کر رہتے ہوں۔ یہ دو ہی صورتوں میں ہوتا ہے۔ (1) فتح کی شکل میں یعنی فاتح اگر مفتوحوں کے بیچ رہنے لگے ہوں۔ (2) ہجرت کی شکل میں جیسے پارسی لوگ ہندوستان میں،

پنجابی شرنارتھی یوپی اور دلی وغیرہ میں یا یورپ کے باشندے امریکہ میں جاکر بس گئے۔

ان دونوں صورتوں میں ایک زبان غالب ہوتی ہے دوسری مغلوب۔ زبان کے بولنے والوں کی تعداد کی اہمیت نہیں۔ فتح کی شکل میں فاتح گروہ تعداد میں کم ہوتا ہے پھر بھی غالب ہوتا ہے جیسے ہندوستان میں صدیوں تک بیرونیوں کی زبان فارسی غالب رہی اور بعد میں چند انگریزوں کی زبان انگریزی۔ ہجرت کی شکل میں پناہ گزینوں کی تعداد کم ہوتی ہے اس لیے اُن کی زبان ہر طرح سے مغلوب ہو جاتی ہے۔

غالب اور مغلوب کا تعین اہل زبان کے سماجی مرتبے اور نفسیاتی حالت سے ہوتا ہے۔ غالب زبان کے بولنے والے سیاسی طاقت نیز تہذیبی اور نفسیاتی برتری کے امین ہوتے ہیں جب کہ مغلوب زبان والے سیاسی، تہذیبی، نفسیاتی ہر حیثیت سے زیر دست ہوتے ہیں۔ متعدد وجوہ سے اُنھیں غالب زبان کے الفاظ استعمال کرنے ہوتے ہیں۔ کچھ وجوہ یہ ہیں۔

1۔ مغلوب زبان کے بولنے والوں میں زیادہ ذہین افراد غالب زبان سیکھ لیتے ہیں اور عادت کی وجہ سے اپنی زبان میں بھی غالب زبان کے الفاظ ملاکر بولتے ہیں۔

2۔ جو غالب زبان نہیں سیکھتے وہ بھی اپنی زبان میں غالب زبان کے کچھ الفاظ ملانے لگتے ہیں تاکہ غالب زبان والوں کو اپنی بات کچھ نہ کچھ سمجھا سکیں۔

3۔ غالب زبان کے الفاظ کے استعمال سے اپنی علمی اور طبقاتی برتری کا مظاہرہ کرنا بھی مقصود ہوتا ہے۔

4۔ چونکہ سماجی اعتبار سے مغلوب زبان فروتر اور غالب زبان بالاتر ہوتی ہے اس لیے احساس کمتری کی وجہ سے مغلوب زبان کے الفاظ پر غالب زبان کے الفاظ کو ترجیح دی جاتی ہے۔ حالی اور سرسید کا اردو میں غیر ضروری طور پر انگریزی الفاظ کو ٹھونسنا کچھ اسی وجہ سے تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں مندرجہ بالا سبب نمبر 3 کی کارفرمائی بھی رہی ہو۔

5۔ غالب طبقے کی دھاک یا استہزا سے بھی مغلوبین غالب زبان کے الفاظ کا استعمال کرنے لگتے ہیں۔ ان الفاظ کے استعمال سے ان کی خوشنودی بلکہ خوشامد بھی مقصود ہوتی ہے مثلاً تقسیم ملک کے بعد ہندوستان میں کسی اسکول یا کالج میں کوئی اردو بولنے والا طالب علم تقریر کرتا ہے تو وہ مشکل اردو الفاظ کی بجائے ایسے مروجہ ہندی الفاظ بولنے کی کوشش کرتا ہے جو ابھی اردو کا جزو نہیں ہو پائے مثلاً دستور کی جگہ ودھان، صدر کی جگہ ادھیکشک، وزیر اعظم

کی جگہ پردھان منتری، قوم کی جگہ راشٹر وغیرہ۔ ان ہندی الفاظ کے استعمال کی غرض ہندی پسند سامعین کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔

ترکِ وطن کی شکل میں مغلوب زبان غالب زبان سے ہر قسم کے الفاظ لیتی ہے۔ مہاجروں کے بچے دو لسانی ہو جاتے ہیں اور ایک دو پشتوں کے بعد اپنی زبان ترک کر کے غالب زبان بولنے لگتے ہیں۔ اس کی سب سے اچھی مثال امریکہ میں دکھائی دیتی ہے۔ یو پی میں کئی پشت پہلے جو کشمیری، مراٹھے، گجراتی آکر بسے ان سب کی مادری زبان ہندی یا ہندوستانی ہو گئی ہے۔ یو پی میں کمایوں گڑھوال کے سب پنت، جوشی وغیرہ مہاراشٹر سے اور یو پی کے تمام کھتری اصلاً پنجاب سے آئے تھے۔ اگر تارکین وطن کا اپنے اصل علاقے سے ربط برقرار رہے یا انھیں اپنی لسانی برتری یا علیحدگی پسندی کا شعور ہو تو وہ اپنی زبان برقرار رکھ سکتے ہیں مثلاً یو پی میں صدیوں سے رہنے والے تمام بنگالی گھروں میں بنگالی بولتے ہیں۔ دوسرے گروہوں کے برخلاف انھوں نے اپنی زبان کو ترک نہیں کیا۔ ایسا بہت شاذ ہوتا ہے عموماً پناہ گزیں طبقہ اپنی زبان چھوڑ دیتا ہے۔

یک طرفہ لین دین کی زیادہ دلچسپ مثال فتح کی شکل میں ملتی ہے۔ اس صورت میں عاریت کی دو منزلیں ہوتی ہیں۔ پہلی منزل میں مغلوب زبان غالب زبان سے بہت سے الفاظ لیتی ہے۔ دوسری منزل میں ذیل کی تین صورتوں سے ایک واقع ہوتی ہے۔

الف:۔ مغلوب زبان آخر کار مر جاتی ہے۔ فرانس میں کسی زمانے میں کیلٹک خاندان کی زبان بولی جاتی تھی۔ رومن فاتحوں نے اسے خارج کر کے وہاں لاطینی خاندان کی زبان فرنچ رائج کر دی۔ اسی طرح انگلستان میں کیلٹک کی جگہ جرمن خاندان کی زبان انگریزی رائج ہو گئی۔ اس کی ایک دلچسپ مثال امریکہ کے ملک چلی کی ہے وہاں اسپینی فاتحوں نے مقامی عورتوں سے شادی کر لی اس طرح چلی میں مغلوب دیسی زبان بالکل ختم ہو گئی۔ لیکن وہاں کی اسپینی میں مقامی زبان کے صوتیاتی اثرات نفوذ کر گئے جس کی وجہ سے چلی کی اسپینی زبان دوسرے مقامات کی اسپینی سے مختلف ہے۔

ب:۔ غالب زبان ایک دو پشتوں کے بعد مغلوب زبان کے علاقے میں ختم ہو جاتی ہے۔ ہندوستان میں ترکی اور فارسی بولنے والے فاتحوں نے اپنی زبان ترک کر دی۔ انگلستان میں فرنچ بولنے والے فاتحوں نے اپنی زبان کھو دی گو انھوں نے انگریزی کو فرنچ الفاظ سے لاد دیا۔

ج:۔ غالب زبان اور مغلوب زبان علاقائی بٹوارہ کر لیتی ہیں مثلاً ہندوستان میں آنے والے آریوں نے شمالی اور وسطی ہند میں ہند آریائی زبان رائج کر دی جب کہ دراوڑی بولنے والے مقامی باشندوں جنوبی ہند میں جا کر بس گئے۔ برطانیہ میں انگلستان میں ٹیوٹانک خاندان کی

زبان انگریزی کا رواج ہو گیا لیکن ویلس، اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ کے دیہاتوں میں کیلٹک باقی رہ گئی۔ افغانستان کے شہروں میں فارسی کا دور دورہ ہو گیا لیکن دیہات میں پشتو یا پختو باقی رہی۔ ایسی صورتوں میں سرحدوں پر لسانی جدّوجہد یا آویزش جاری رہتی ہے۔

تمام صورتوں میں مغلوب زبان غالب زبان سے بہت سے الفاظ مستعار لیتی ہے۔ غالب زبان چند تہذیبی الفاظ اور مقامات وغیرہ کے ناموں کے سوا کچھ نہیں لیتی۔ اگرچہ غالب زبان ختم ہو جاتی ہے تو بھی مغلوب زبان میں اپنے بے نہایت الفاظ چھوڑ جاتی ہے جیسے انگریزی میں لیٹن فرینچ کے الفاظ 60 فی صدی کے قریب ہیں۔ اگر کسی علاقے کو بار بار باہر والے فتح کرتے ہیں تو اس کی زبان میں مستعار الفاظ کی تعداد دیسی الفاظ سے کہیں زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس کی انتہائی مثال البانوی زبان ہے جس میں مقامی الفاظ کی بنیادی تہہ چند سو الفاظ سے زیادہ نہیں۔ باقی تمام الفاظ مستعار ہیں جن میں خاص طور سے رومن الفاظ کا غلبہ ہے۔

اگر فاتح لوگ تعداد میں کم ہوتے ہیں یا اپنی عورتوں کو ساتھ نہیں لاتے تو ان کی زبان کے ختم ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ دراصل غالب اور مغلوب زبان کے میل جول میں متعدد تناسب اور متعدد امکانات ہو سکتے ہیں چنانچہ بعض اوقات یہ میل جول اتنا ہوتا ہے کہ یہ معلوم ہی نہیں ہو پاتا کہ الفاظ کا کون سا گروہ اصلی اور دیسی ہے اور کون سا گروہ مستعار مثلاً ویت نامی کے لیے بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ بنیادی طور پر کھمیر (Khmer) ہے جس میں کثرت سے تھائی (سیامی) الفاظ داخل ہو گئے ہیں۔ دوسرے علماء اس کے برعکس اسے بنیادی طور پر تھائی مانتے ہیں جن میں کھمیر الفاظ دخیل ہیں۔

یک طرفہ عاریت میں جب ایک زبان ختم ہو جاتی ہے تو وہ اپنے غیر محسوس اثرات چھوڑ جاتی ہے۔ اگر مغلوب زبان ختم ہوتی ہے تو اس کے نقوش کو زیرِ سطحی (Sub - stratum) کہتے ہیں۔ اگر غالب زبان ختم ہوتی ہے تو اس کے نقوش کو فوقِ سطحی (Super - stratum) کہتے ہیں۔ ناموں کا یہ فرق غیر ضروری ہے۔ بہتر یہ ہوتا کہ دونوں صورتوں میں معدوم زبان کے لسانی اثرات کو زیرِ سطحی کہا جاتا۔ چلی کی اسپینی میں وہاں کی ریڈ انڈین زبان کے زیرِ سطحی اثرات کا پیچھے ذکر کیا گیا۔

انگریزی کے لفظ wine کی کوئی بھی ہند آریائی اصل نہیں ملتی جس سے یقین ہوتا ہے کہ یہ زیرِ سطح زبان کا لفظ ہے۔ یہ تو یقینی ہے کہ مغلوب زیرِ سطح زبان، فاتح کی غالب زبان

کے ذخیرہ میں بہت سے الفاظ چھوڑ دیتی ہے لیکن بعض ماہرین یہ مانتے ہیں کہ زیرِ سطح زبان آوازوں، مارفیموں اور ترتیب الفاظ یعنی نحو تک کو متاثر کرتی ہے۔ آرمینیائی فونیمات کے بہت سے ایلفرکیٹ غیر ہند یورپی کاکیشد caucasion زبانوں سے لیے معلوم ہوتے ہیں۔ قدیم آئرش کا نحو بہت سی باتوں میں ہند یورپی سے مختلف ہے۔ خیال ہے کہ یہ کسی غیر ہند یورپی زیرِ سطح کا بقیہ ہے۔ ہوسکتا ہے یہ افریقہ کے حامی خاندان کی کسی بربر زبان کا ہو۔

ہند آریائی زبانوں میں [ر] اور [ل] کی آواز کے بیچ خلط یا گڑبڑ کی متعدد مثالیں ہیں مثلاً بادل، بدریا۔ تلوار، تروار۔ بانسری، بانسلی۔ خیال یہ ہے کہ یہ خلفشار کسی زیرِ سطح زبان کا اثر ہے جس میں ان دونوں میں سے ایک ہی آواز تھی یا کوئی بھی نہ تھی۔

ہندوستانی اسماء کی واحد اور جمع کی بعض صورتوں میں یکساں تصریف بھی دراوڑی کے زیرِ سطح اثر کا نتیجہ ہے مثلاً

ا۔ دو لڑکے آئے

میں نے لڑکے سے کہا

ب۔ ایک پتھر پھینکا

دس پتھر پھینکے

ہند یورپی میں حالت کے لاحقے صاف اور واضح تھے۔ ہند آریائی میں یہ گڑبڑ ہوگئی۔

بعض اوقات زیرِ سطحی اثرات کو پُراسرار بنا کر پیش کیا جاتا ہے گویا زیرِ سطحی نقوش کئی پشتوں کے بعد بھی برقرار رہتے ہیں۔ ذخیرۂ الفاظ کے علاوہ زیرِ سطح نظریے کا اطلاق بہت احتیاط سے کرنا چاہیے کیونکہ ہم زیرِ سطح زبانوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ اجنبی دکھائی دینے والے عناصر زیرِ سطحی ہی ہیں یا کہیں اور سے مستعار لیے گئے ہیں۔

زبانوں میں عاریت کے وفور سے ایسی شکلیں بھی وجود میں آتی ہیں جنھیں Pidgin یا creole کہا جاتا ہے۔ ان کی تفصیل زبانوں کے مختلف روپوں کے باب میں آچکی ہے۔ کھچڑی زبانوں کی یہ انتہائی اور پست ترین شکلیں ہیں۔

کوئی مہذب زبان ایسی نہیں ہوتی جس میں دوسری زبانوں کے الفاظ مستعار نہ لیے گئے ہوں۔ تہذیبی عاریت زبان کی زندگی اور بقا کی ضامن ہے۔

گیارھواں باب

صوتی تبدیلی

زبان کی تاریخ اور قدیم تحریری نمونوں پر نظر ڈالی جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ زبانیں بدلتی رہتی ہیں۔ ہم لسانی تبدیلی کا مطالعہ ذیل کے شعبوں میں کر سکتے ہیں۔

(1) صوتی اور فونیمی تبدیلی (2) مارفیمی یا صرفی تبدیلی (3) نحوی تبدیلی (4) معنوی تبدیلی (5) ذخیرۂ الفاظ کی تبدیلی۔

صوتی اور فونیمی تبدیلی میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے اس لیے دونوں کو ایک ساتھ لیا جائے گا۔ تبدیلیوں کا مطالعہ کرتے وقت ہمارا طریق کار یہ ہوگا کہ پہلے ہم تبدیلی کے اسباب کا مطالعہ کریں گے بعد میں اس کی مختلف شکلوں کا۔

پہلے لیجیے صوتی تبدیلی کے اسباب۔

پچھلے باب میں موٹے طور پر لسانی تبدیلی کے جن اسباب کا ذکر کیا گیا ہے وہ صوتی تبدیلی سے بھی متعلق ہیں لیکن ان میں سے بعض کا اثر بالواسطہ ہوتا ہے۔ ذیل میں تفصیل سے مختلف عوامل و اسباب کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ایک صوتی تبدیلی میں ایک سبب ہی کارفرما ہو۔ بہ یک وقت کئی اسباب سرگرم عمل ہو سکتے ہیں۔

واضح ہو کہ بیشتر صورتوں میں صوتی تبدیلی ایک فرد کی تلفیظی غلطی سے شروع ہوتی ہے۔ جب ایک فردِ واحد کسی لفظ کی صورت بدل لیتا ہے اسے غلطی کہتے ہیں جب وہ غلطی پھیل کر مستحکم ہو جاتی ہے تو اسے صوتی تبدیلی کہنے لگتے ہیں۔ انفرادی صوتی لغزش سننے، سمجھنے اور بولنے میں سے کسی ایک کی چوک کا نتیجہ ہوتی ہے۔

1۔ سامعہ کا فرق

اس طرح صوتی تبدیلی کی پہلی وجہ سامعہ کا اختلاف ہے۔ ضروری نہیں کہ قائل جس طرح بولتا ہے سامع ویسے ہی سنے۔ ہم اہل زبان کے تلفظ میں بھی t, d, th کے تلفظ کو صحیح نہیں سن پاتے۔ وہ t d کو لثوی بولتے ہیں ہم معکوسی سنتے ہیں۔ وہ th کو صفیری بولتے ہیں ہم بندشی سنتے ہیں۔ ریڈیو پر لندن یا امریکہ سے خبریں سنئے ہمارے کان ان آوازوں کی گرفت نہیں کر پاتے۔ آوازوں کو چھوڑیے بعض اوقات فرد کی سماعت لفظ کو غلط تلفظ کے ساتھ سنتی ہے۔ دو مثالیں دیکھیے۔

اسٹرٹے وانٹ لکھتا ہے کہ وہ عمر کے 30 ویں سال تک "ٹرف" (through) کو ٹرتھ (trouth) ملفوظ کرتا تھا کیونکہ اس کو غلط فہمی تھی کہ دوسرے بھی ایسا ہی تلفظ کرتے ہیں یعنی اس کا سامعہ قصور کر گیا۔ دوسری مثال راقم الحروف کی ہے۔ میں بی اے کے پہلے سال یعنی عمر کے اٹھارویں برس تک انگریزی لفظ Compicuous کو "کونس پِشس" [KɔnsPɪʃɔs] بولتا تھا اور اس کے con spis-cous سمجھتا تھا۔ میرا سامعہ اور باصرہ دونوں دھوکا دیا کیے۔ میں اس لفظ کو لکھا دیکھتا تھا تو نظریں اس کے ہجے Conspiscous دیکھتی تھیں اور کوئی اس لفظ پر بولتا تھا تو میں اپنا پسندیدہ غلط تلفظ ہی سنتا تھا۔ بی اے کے ٹیوٹوریل کلاس میں ایک دفعہ ایسا بولنے پر میرے استاد نے میری زبان پکڑی۔

ہم ریڈیو پر بیرونی ممالک کے یا غیر زبان کے سیاستداں کا نام سنتے ہیں۔ اگر ذرا غلط سن بیٹھے تو ہمیشہ وہی بولتے رہیں گے جب تک کوئی دوسرا ہماری اصلاح نہ کرے۔

2۔ اعضائے نطق کا صحیح نقل نہ کر سکنا

عام طور سے زبان کی تحصیل اور اشاعت نقل کے ذریعے ہوتی ہے۔ ایک لسانی گروہ میں رہتے ہوئے اعضائے نطق اسی کی آوازوں کی تلفیظ کے عادی ہو جاتے ہیں اور اُن سے ہٹ کر

Stuctenant:- Linguistic change P. 34

کسی دوسری آواز کی تلفیظ کر ہی نہیں پاتے۔ کان غیر زبان کی مخصوص آواز سُن نہیں سکتے ذہن گرفت نہیں کر سکتا۔ اور زبان ادا نہیں کر پاتی۔ نقل نامکمل نہ ہو تو کیا ہو۔

پنجابیوں سے ق کہلانے کی لاکھ کوشش کیجیے کہہ ہی نہ پائیں گے۔ اُنھیں کیا کہیں ہم خود انگریزی کا r t d صحت کے ساتھ نہیں بول سکتے حالانکہ اس کا مقامِ تلفظ معلوم ہے۔

3۔ کفایتِ عمل اور تلفظ میں سہولت

کہا جاتا ہے کہ زبان کا ارتقا اِشکال سے سہولت کی طرف ہے۔ مشکل تلفظ کی جگہ آسان تلفظ کا رجحان ہے۔ لیکن اس رجحان کے خلاف بھی مثالیں مل جاتی ہیں مثلاً ہم جو بچپن میں ق، خ، غ نہیں بولتے بڑے ہو کر صحت کے ساتھ ادا کرنے لگتے ہیں۔ یہ بھی طے نہیں کہ تلفظ میں سہولت کس کو کہیں۔ در اصل اعضائے نطق جن آوازوں کی تلفیظ کے عادی ہو جاتے ہیں وہی اُن کو سہل معلوم ہونے لگتے ہیں۔

بہر حال ہر فرد یہ کوشش کرتا ہے کہ بولنے میں زبان کو کم ورزش کرنی پڑے اس لیے وہ لفظوں کے تلفظ کو طرح طرح سے بدلتا ہے۔ آئندہ جب صوتی تبدیلیوں کی شرح کی جائے گی ان میں سے کئی اسی سہولت کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ سلام وعلیکم کو سامالیکم۔ سکرٹری کو سیکٹری۔ بدتمیز کو بتمیز۔ بادشاہ کو بادشا۔ ہاتھ کو ہات کہنا سب اسی سہل انگاری کا کرشمہ ہے۔

طویل لفظوں کی تخفیف بھی اسی کے ذیل میں آتی ہے۔ یو این او، یونسکو، یو ایس اے اسی کفایت کا نتیجہ ہیں۔ 'ابھی آتے ہیں' کو سکوڑ کر 'ابھی آئیں' بول دیا جاتا ہے۔ فضل الحسن کو فضلو اور پرس رام کو پرسا کہنا بھی محنت بچانے کی خاطر ہے۔

سہولت ہی کی خاطر مصمتی خوشوں کو سہل کیا جاتا ہے یعنی سکول کو اسکول یا سکول (یوپی اور پنجاب کے تلفظ کا فرق)۔ اِنڈر کو اِنڈر۔

4 بولنے میں جلدی

اس سے تلفظ پر یقیناً اثر پڑتا ہے۔ انگریزی میں تیز بولنے پر بغیر بل کے مصوتے منھ کے مرکز کی طرف کو مائل ہو جاتے ہیں اور مصمتے آپس میں مدغم ہونے لگتے ہیں۔ عجلت سے کیا اثر پڑتا ہے تجربہ کر کے دیکھ لیجیے۔ تیزی سے بار بار کہیے

Peter, Piper, picked a peck of pickled, Peppers

کیا کیا گل کھلیں گے۔ Peter کو Piper ہو جائے گا یا Peter کا Piper

اعضائے نطق کو ایک ایک آواز (مصمتہ اور مصوتہ) ادا کرنے میں کتنا کھڑ اپنچ، جوڑ توڑ، اٹھک بیٹھک کرنی پڑتی ہے۔ تیز بولنے میں یا تو غیر شعوری طور پر ان میں سے بعض حرکات گڑ بڑا جاتی ہیں۔ یا پھر رفتار بڑھانے کی غرض سے ہم خود ہی بعض جنبشوں کو حذف کر دیتے ہیں۔ اس طرح تلفظ میں تبدیلی آجاتی ہے۔ How do you do? کو ڈوڈو۔ تھینک یو کو دکیو، I am کو Im ۔ میڈم کو میم یا مَم اسی جلدی کے سبب کہا جاتا ہے۔ ماسٹر صاحب کو ماسٹ صاحب، ڈاکٹر صاحب کو ڈاک صاحب، پنڈت جی کو پنڈجی کر دیا جاتا ہے۔

5- شدتِ جذبات

اگر الفاظ شدید جذباتی حالت (پیار، غصہ، گریاں) میں ادا کیے جاتے ہیں تو ان کے مصوتوں کا طول متاثر ہوتا ہے تیز سُر درجہ، سر لہر اور بل بھی غیر معمولی ہو جاتا ہے۔ ڈراموں میں جب کوئی کردار زیادہ ڈرامائی انداز میں گفتگو کرتا ہے تو بھی ایسا ہی فرق دکھائی دیتا ہے۔ غصے میں یا چیخ کر کچھ کہا جائے تو بھی بل اور سُر وغیرہ میں تلاطم آجاتا ہے۔

6- کسی ایک صوتی رکن پر بل کی شدت آس پاس کے مصوتوں کو مختصر کر دیتی ہے یا بعض اوقات پڑوسی مصوتے یا مصمتے کو حذف کرانے کا موجب بنتی ہے مثلاً انگریزی Land ، man کا مصوتہ طویل ہے لیکن England اور Gentle میں وہی مصوتہ مختصر ہو جاتا ہے کیونکہ اس پر بل نہیں بلکہ دوسرے رکن پر بل ہے باریک، بازار کو بریک اور بزار کہنے کی وجہ دوسرے رکن پر بل کی زیادتی ہے heaven کے پہلے مصوتے پر زیادہ بل دینے سے اتنا مدھم پڑ جاتا ہے کہ یہ لفظ ایک صوت رکن کا ہو جاتا ہے۔ Generally کے پہلے مصوتے پر بل کی شدت سے وسطی رکن ختم ہو جاتا ہے اور یہ لفظ دو ارکان کا رہ جاتا ہے۔

7- جملے میں لفظ کی امدادی حیثیت

ہم معنیات کے باب میں دیکھیں گے کہ الفاظ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو خاص معنی

کے حامل ہوتے ہیں۔ دوسری وہ جو جملے میں معاون یا امدادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان الفاظ کی ثانوی حیثیت ان کی کا ہیر ـگی کا باعث ہو سکتی ہے۔ انیسویں صدی کے نو قواعدئین د Neo grammarians) کا عقیدہ اور دعوی تھا کہ صوتی تبدیلی معنی سے قطعاً بے نیاز ہے لیکن اس دعوے کی قطعیت میں شبہ ہے۔ بعض الفاظ جو معنوی حیثیت سے کمزور ہوتے ہیں وہ تحتِ صوتی کے زیادہ شکار ہوتے ہیں۔ انگریزی میں Shall/will, is, am، 's, 'll, n't کا اختصار عام ہے۔ away, around, anew دراصل on round, on way, of new تھے۔ ان میں حرف جار کاہیدہ ہو گیا۔

اردو بول چال میں اور کو 'ار' کر لیتے ہیں۔ دیکھتے ہیں، کو 'دیکھتیں' بنا لیا جاتا ہے۔ کے، سے، نے کے آخری مصوتے کو طویل کی بجائے خفیف کر کے بولا جاتا ہے۔ تم ہی، وہ ہی، یہ ہی کو تمھیں، وہی، یہی کر لیا گیا ہے۔

ضرورتِ شعری

شعر میں وزن اور قافیے کی شدت بھی تلفظ کو بارہا مسخ کر دیتی ہے۔ بعض ہندی ناموں کو اور اردو شعر کے وزن میں سمانے کے لیے اس کے انگڑ پنگڑ توڑ دیے جاتے ہیں۔ فارسی شعر میں کسی نے کبوتر کو کوتر کر کے 'کواترانش' باندھا ہے۔ اردو میں ایسی انتہائی مثالیں تو نہیں لیکن صوتی تبدیلی کی سب سے اہم مثالیں وہ ہیں جہاں آخری طویل مصوتے کو مختصر کر کے خفیف مصوتے میں بدل دیا جاتا ہے۔ اسے لفظ کے آخری الف، 'ی' یے کا ساقط کرنا کہتے ہیں۔ تلفظ کی تبدیلی کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

عشق تاثیر سے نومید نہیں   جاں سپاری شجر بید نہیں

غالب کی اس غزل میں ایک طرف نومید، خرشید، امید جیسے یائے معروف والے لفظ ہیں دوسری طرف بید، سپید، جاوید جیسے یائے مجہول والے اور جمشید جیسا یائے لین والا۔ معلوم نہیں غالب نے کون سا مصوتہ باندھنا چاہا ہے لیکن جو بھی ہو بقیہ مصوتوں کو بدل کر پڑھنا ہو گا۔

جگن ناتھ آزاد کی غیر مطبوعہ مثنوی جمہور نامہ میں چند ہندی ناموں کا بدلا ہوا تلفظ ملاحظہ ہو۔

سجاتا نے یہاں دھرت راشٹر سے جو گفتگو کی ہے
سدھارتھ کہہ کے بچے کو پکارا باپ نے ماں نے
برہمن، کھشتری، ویش اور شودر میں بٹا بھارت
دلی کی غزل کی ردیف میں ’گوبندلال‘ کو ’د‘ کے اختصار کے ساتھ باندھا ہے۔

افراد کا اثر

بہت تھوڑی حد تک با اثر افراد بھی صوتی تبدیلی کے موجب ہوتے ہیں۔ سید احتشام حسین تجربہ کو تجزبہ [Tədurba] کہا کرتے تھے۔ ان کی زبانی یہ تلفظ سن کر بہت سے طالبِ علم اسی کو صحیح سمجھنے لگے اور بولنے لگے۔ جعفر علی خاں اثر نے اردو میں ’سَر‘ کو غلط اور ’سِر‘ کو صحیح قرار دیا۔ اسی طرح انھوں نے ’غنڈا‘، ’پروگنڈا‘ کو ترجیح دی۔ ان کے کچھ نہ کچھ مقلد ضرور تھے۔ میر انیس کی گفتگو میں ان کے گھرانے کے کچھ مخصوص تلفظ تھے مثلاً جگہ کی بجائے ’جاگہ‘، ظاہر ہے کہ اُن سے سن کر کچھ نہ کچھ لوگوں نے جیسے تلفظ اختیار کیے ہوں گے۔ اگر کوئی بڑا شاعر مشاعرے میں کنارہ، دَماغ بہ فتحِ اوّل بولتا ہے تو سامعین میں کچھ نہ کچھ اس کی تقلید کرنے لگیں گے۔

ناروے کے ایک شاعر Ivar Aasen نے انیسویں صدی میں مغربی ناروے کی بولی اور قدیم نارس سے ایک نئی زبان Land smarl نامی گڑھ دی۔ اسے اہلِ سیاست نے دوسری معیاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔ ظاہر ہے کہ اس عمل کا اثر صوتیات پر بھی پڑا۔

انگریزی زبان C سے شروع ہونے والے الفاظ بہت ہیں لیکن K سے شروع ہونے والے بہت کم ہیں۔ مختصر آکسفورڈ ڈکشنری میں C سے شروع ہونے والے الفاظ 136 صفحات پر ہیں جب کہ K سے شروع ہونے والے 12 صفحات پر۔ جارج ایسٹ مین نے انگریزی زبان میں K کے وقوع کی کمی کے پیش نظر اپنے کیمرے کا نام کوڈاک (Kodak) رکھا۔ اس کی تقلید میں کئی تاجروں نے اپنی مصنوعات کے نام K سے رکھ دیے مثلاً Kix (ناشتے کے اناج) Krax (پٹاخے) Klenso (صابون) وغیرہ۔ اردو ہندی میں لفظ کے درمیان میں تشدید یا مابعد ن کے علاوہ ڈ کا وقوع بہت شاذ ہے۔ ڈالڈا نے ایسے لفظ کا اضافہ کیا

تو شاذ افراد بھی زبان کے صوتی ڈھانچے کو متاثر کرتے ہیں۔

10۔ ناواقفیت

بے پڑھے لوگ عالمانہ لفظ یا غیر زبان کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس کے صحیح تلفظ سے ناواقفیت کے سبب غلط تلفظ کو صحیح سمجھ کر بولتے ہیں مثلاً اوورسیر کو اوسیر، سگنل کو سنگل، کمپاؤنڈر کو کمپوڈر، لنٹل (lintel) کو لنٹر کہنا۔ غالب نے سہرے میں ممبر کو ملبر باندھا ہے۔ ٹاؤن ڈیوٹی کو پون ٹوٹی لکھا ہے یعنی پڑھے لکھے لوگ بھی دوسری زبان کے الفاظ اور ناموں کو بعض اوقات غلط بولتے ہیں مثلاً D.M.K پارٹی کے نام میں K سے جو لفظ بنتا ہے شمالی ہند والوں کو اس کے صحیح تلفظ کا علم نہیں۔ کوئی دکزھاگم کہتا ہے کوئی دکڑاگم!

11۔ عوامی لفظ اصلیات Populer etymology

عوام بعض لفظوں کے مادّے کو غلط سمجھ کر اس کے ایک جزو کا غلط تلفظ کرتے لگتے ہیں مثلاً لائبریری کو رائے بریلی، چارج شیٹ کو چارشیٹ کہنا۔ اور یہ غلطیاں بے پڑھوں کی جاگیر نہیں۔ انھیں پڑھے لکھے بھی کرتے ہیں چنانچہ زبانوں کی تاریخ میں ایسی کئی غلطیاں مستحکم ہو گئی ہیں۔ انگریزی کے بعض روپ دیکھیے

OE shamfort (Modest) > sham - faced
OE sham blind (half blind) > sand blind
OE bryde guma (guma: man) > bride-groom
Middle E Crevise > Cray fish or Crall fish
asparagus > sparrow-grass
grozeberry > goose-berry
OE In ne mist > in-most
utemest > utmost

پرانے روپوں میں تفصیل کل کا لاحقہ est تھا اور اس سے پہلے تخالف (dissimilation) کے لیے m لگا دیا گیا تھا۔ اسے most سمجھ لیا گیا۔

12۔ تحریر کی خرابی سے تلفظ کا بدل جانا

رسم الخط تقریری تلفظ کو صحیح پیش نہیں کر سکتا اور انگریزی کا مروجہ رومن املا اور اردو رسم الخط دونوں بسا اوقات صحیح تلفظ کے معاملے میں دبدھا میں چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ تحریری املا سے تلفظ کی گمراہی عام ہے ہندی اور انگریزی سے ناواقف اردو والے ہندی اور انگریزی الفاظ کو اردو رسم الخط میں پڑھتے ہیں تو اُن کا تلفظ کچھ کا کچھ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ پنڈت کو پنڈَت راجیندر (د ساکن) کو راجیندر (د مفتوح) ہیٹنگز کو ہیٹنگز (گ مفتوح)، مدھیہ پردیش کو مدھیا پردیش کہنا اردو رسم الخط کا فیض ہے اور گپت، متر، بدھ، کرشن، اشوک کو گپتا، مترا، بدّھا، کرشنا، اشوکا کر دینا رومن رسم الخط کا کرشمہ ہے۔ میں نے ڈاکٹر رادھا کرشنن جیسے عارف کو انگریزی تقریر میں بدّھا اور ویداز (Vedas) بولتے سنا ہے۔

انگریزی لفظ fantasy میں s کی آواز ز ہے لیکن ہندوستان میں اسے عموماً س سے بولا جاتا ہے۔ اسی طرح Pretty کے e کی آواز [i] کی ہے لیکن اسے [e] بولا جاتا ہے۔ ہم لوگ فرنچ، جرمن اور روسی ناموں اور الفاظ کو رومن رسم الخط میں پڑھ کر اُن کے تلفظ کو اٹکل پچو کچھ کا کچھ بولتے ہیں۔ جس رسم الخط میں ساکت مصمتوں کی بھرمار ہو اس سے گمرہی نہ ہو گی تو کیا ہو گی۔

13۔ بے ضرورت تصحیح Over - Correction

بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ چند غلط لفظوں کے تلفظ کی اصلاح کے بعد ان کے غلط تلفظ سے مماثلت رکھنے والے صحیح الفاظ کو بھی غلط سمجھ لیا جاتا ہے اور اُن میں بھی ترمیم کر دی جاتی ہے۔

اسٹرٹے وانٹ کی مندرجہ ایک مثال ملاحظہ ہو۔ امریکہ کی ریاست مسوری میں لفظوں کے آخری آ کو اِی میں بدل کر بولنے کا رواج ہے مثلاً امریکہ، نیواڈا کو وہ لوگ امریکی، نیواڈی کہتے ہیں۔ بعض باشندوں کو جب معلوم ہوا کہ آخری اِی غلط ہے تو وہ سمجھ بیٹھے کہ وہ جو اپنی ریاست کا نام مسوری بولتے ہیں وہ بھی غلط بولتے ہوں گے۔ اس کے بعد انھوں نے مسورا کہنا شروع کیا حالانکہ مسوری ہی صحیح تھا۔

اردو میں مثالیں لیجیے۔ جنون، حضور، سرور وغیرہ میں دو پیش آتے ہیں لیکن عوامی بول چال میں پہلے پیش کو زبر میں بدل دیا جاتا ہے۔ اب معمولی پڑھے لکھوں کو معلوم ہوا تو وہ اُن الفاظ کے پہلے مصمتے کو مضموم بولنے لگے لیکن وہ غیور، عروض جیسے الفاظ کے ابتدائی فتحہ کو بھی غلط سمجھ بیٹھے اور انھیں بھی مضموم لکھنے اور بولنے لگے۔ میں نے ایک پی ایچ ڈی کے مقالے کے عنوان میں عروض پر دو پیش لگے دیکھے ہیں۔

شرم، فکر، صدر، نشر جیسے الفاظ کو عوامی بول چال میں دوسرے مصمتے کے بعد ایک زبر کا اضافہ کر کے بول دیتے ہیں بعض حضرات نے یہ دیکھ کر اپنا تلفظ درست کیا اور بیچ کے مصمتے کو ساکن بولنا شروع کیا لیکن وہ عرق، مرض، غرض کے ر کو بھی ساکن بولنے لگے کیونکہ انھوں نے ان الفاظ کے اصلی رائے مفتوح کو غلط سمجھ لیا۔

14۔ مماثلت

مماثلت کی کارفرمائی صرفی تبدیلی میں زیادہ ہوتی ہے صوتی میں قدرے کم۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

شفق میں دو زبر ہیں اور افق میں دو پیش ہیں۔ عوامی شفق کی مماثلت پر افق کے دوسرے پیش کو زبر کر کے بولتے ہیں تاکہ قافیہ ہو جائے۔ پینتیس، پینتالیس میں نون غنہ پانچ یا پنج کی یادگار ہے لیکن سینتیس اور سینتالیس میں کہاں سے آگیا جب کہ سات میں غنہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ پینتیس اور پینتالیس کی مماثلت پر ہے۔ ہندی میں دکھ کا کھ مشدد ہے اور سکھ کا اکہرا لیکن دکھ کی مماثلت پر سکھ کا دکھ، بھی مشدد کر دیا گیا ہے۔

قدیم انگریزی میں ذیل کے افعال کے تین صیغے یہ تھے۔

bear bare borne (e)
break brake broke (n)

اب ذیل کے افعال کی مماثلت سے تحریک ہوئی۔

slide slid slidden
spin spun spun
fight faught faught

دوسرے گروہ کے افعال میں دوسرے اور تیسرے صیغے یکساں ہیں کم از کم مصمتوں

کے معاملے میں۔ ان کی مماثلت پر پہلے گروہ کے افعال کے دوسرے صیغوں کے مصوتے
تیسرے صیغے کے مصوتے کے مماثل کر دیے گئے جس سے ماضی مطلق کا صیغہ
bore - broke ہوگیا یعنی a کو o میں بدل دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ تاریخی ارتقا میں زبانوں کا
صوتی رجحان باقاعدگی (symmetry) کی جانب ہے جس کی وجہ سے بہت سی
صوتی تبدیلیاں ظہور میں آتی ہیں لیکن کبھی کبھی اس کے برخلاف مثالیں بھی مل جاتی ہیں۔ زبان کو
صوتی یا کسی بھی حیثیت سے بہت باقاعدہ اور باضابطہ نہیں سمجھنا چاہیے۔

15- عاریت

اپنی زبان میں دوسری زبان کے الفاظ مستعار لینے سے کئی صوتی تبدیلیاں ہو سکتی ہیں۔

الف:- بیرونی آوازیں اپنے یہاں نہ ہونے سے ان آوازوں کو اپنی مماثل آوازوں میں بدل لیا جاتا ہے مثلاً عربی فارسی کے ث، ص، ض، ط وغیرہ کو س، ز، ت میں بدل لیا گیا۔ انگریزی کے لثوی d, t کو معکوسی ٹ، ڈ میں اور صفیری [θ, ð] کو بندشی تھ، دھ میں بدل لیا۔

ب:- بعض اوقات بیرونی لفظ کی ساری آوازیں اپنے یہاں موجود ہونے کے باوجود اس کا تلفظ بدل لیا جاتا ہے مثلاً لینٹرن کو لالٹین، آگسٹ کو اگست، فیبرویری کو فروری، بسکٹ کو بسکٹ، مِنِٹ کو منٹ۔ شَوال کو سوال، عِلاوہ کو علاوہ، سمُدر کو سمندر کر لیا گیا۔

ج:- بیرونی آوازیں بھی اپنی زبان میں داخل ہو جاتی ہیں مثلاً اردو میں ف، ق، غ، ژ کی بیرونی آوازیں آگئیں۔ انگریزی سے لارڈ ڈاکٹر جیسے الفاظ میں [ɔ] اور [a] کے بیچ کا مصوتہ آگیا۔ سنسکرت میں دراوڑی معکوسی ٹ، ڈ، ڑ آگئے۔ انگریزی میں فرنچ الفاظ کے ساتھ مصوتے کی انفیت آگئی مثلاً ریستوران۔

انگریزی اور ہندی کے اثر سے اردو نے بھی لفظ کے شروع میں مصمتی خوشے برداشت کرنے شروع کر دیے ہیں ورنہ یہ اردو کے مزاج کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ مثالیں کلب، ڈرامہ، پریم، اسٹیشن۔

16- زیر سطح زبان کا اثر Sub-stratum

بعض اوقات کسی وجہ سے ایک گروہ اپنی زبان چھوڑ کر دوسری زبان اختیار کر لیتا ہے۔

یہ فتح کے سبب ہو یا ہجرت سے۔ کہا جاتا ہے کہ کچھ عرصے تک وہ گروہ نئی زبان کو اپنی سابق زبان سے متاثر کر کے بولے گا جیسے ہم انگریزی ٹ، ڈ اور عربی ذ، ض وغیرہ کو اپنی زبان کے مطابق بولتے ہیں۔ ان لسانی گروہوں کی بعض صوتی تبدیلیاں ایسی ہوتی ہیں جو ایک دو نسل میں ختم نہیں ہوتیں بلکہ مستقلات رہ جاتی ہیں۔

اسی کا دوسرا رخ فوق سطحی (Super-stratum) نظریہ ہے۔ ایک گروہ دوسری جگہ آکر بسا اور اپنی زبان برقرار رکھی لیکن وہاں کی اصلی زبان کے کچھ اثرات مستقلاً لے لیے۔

ان نظریوں کے حامی اور مخالف دونوں شدید نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ حامیوں کے مطابق اس قسم کی چند صوتی تبدیلیاں یہ ہیں۔

الف:۔ بعضوں کے مطابق جب ہند یورپی آریوں کا ٹیوٹن گروہ یورپ پر پھیلا تو ان سے پہلے وہاں کوئی اور نسل تھی۔ انھوں نے ٹیوٹنوں کی زبان اختیار کر لی۔ ہند یورپی میں جو بڑی صوتی تبدیلیاں (گریم کے قانون کی پہلی صوتی تبدیلی) ہوئی ہیں وہ اسی زیر سطح زبان کے اثر کا نتیجہ تھا۔

ب:۔ ابتدائی لیٹن کے [u] کا فرانسیسی میں [y] میں بدل جانا سطح نشیں کیلٹک زبان کا اثر تھا۔

ج:۔ مرکزی اٹلی کی اطالوی بولی میں nd کا nn اور mb کا mm ہونا زیر سطح اسکن امبرین زبان کا اثر تھا۔

د:۔ پرانی کیس ٹیلین (Old Castilian) میں ابتدائی رومی کا [f] بدل کر [h] ہو گیا۔ اسے زیر سطح باسک یا آئبیرین کا اثر کہا جاتا ہے۔

۱۷۔ احیائیت کا جذبہ

یہ جذبہ لغوی اور معنوی تبدیلی میں زیادہ فعال ہوتا ہے لیکن صوتی تبدیلی میں بھی تنزیہہ (Purism) کی شکل میں کار فرما ہوتا ہے مثلاً آریہ سماج یا ہندی تحریک کے ساتھ کوشش کی گئی کہ اردو سے الگ حیثیت منوانے کے لیے تدبھو لفظوں کا قدیم تت سم تلفظ واپس لایا جائے چنانچہ سورج کو سوریہ، رات کو راتری، چاند کو چندرماں کہنا اسی جذبے کے تحت ہے۔

مولوی منش حضرات کا اردو بولتے وقت ع کا حلقی تلفظ بھی اسی جذبے کا غماز ہے۔ اسی طرح جن عربی الفاظ کا ترمیم شدہ تلفظ اردو میں رائج ہو گیا ہے ان کا اصل عربی تلفظ بولنا

اور لکھنا بھی ایک قسم کی احیائیت ہے مثلاً مَوسِم کو موسِم نُقص کو نقص، سُوال کو سوال کہنا۔ دوسرے نمبر کے تلفظ اصل عربی کے لحاظ سے صحیح ہیں لیکن اردو کے نقطۂ نظر سے غیر مستحسن صوتی تبدیلیاں ہیں۔

18۔ تبدیلی کی آخری وجہ کو ہم فطری کہیں گے یعنی کسی خارجی وجہ کا نہ ہونا۔ زبان بدلتی ہے آوازیں بدلتی ہیں۔ صدیوں تک لاکھوں آدمیوں کی زبان پر استعمال سے تبدیلی ہوگی ہی۔ چنانچہ بہت سی ایسی صوتی تبدیلیاں ہیں جن کی کوئی ظاہر وجہ نہیں ہوتی مثلاً سرپ سے سانپ اور کوپ سے کنواں ہونے میں انفیت کیوں آگئی۔ جواب یہی ہے کہ کثرتِ استعمال سے تلفظ کسی نہ کسی طرف کو سرک گیا ہی۔ اس انتقال کی جہت کون بتا سکتا ہے۔

صوتی تبدیلی کی شکلیں

ڈانٹے نے کہا تھا[1]

"چونکہ انسان کی ذات نہایت غیر مستحکم اور تغیر پذیر ہے اس لیے زبان بھی بہت مستحکم یا طویل العمر نہیں ہو سکتی۔ دوسرے انسانی لوازم مثلاً رسوم اور لباس کی طرح زبان کو بھی زمان و مکاں میں بدلتے رہنا ہے۔"

اس تبدیلی کی ایک اہم شاخ صوتی تبدیلی ہے۔ اس کی دو شکلیں ہوتی ہیں ہم صوت یا الوفون کی تبدیلی اور فونیم کی تبدیلی۔ پہلی تبدیلی کا تعلق صوتیات سے ہے دوسری کا فونیمیات سے لیکن تاریخی تبدیلی کے طور پر یہ اس طرح گڈمڈ ہیں کہ انھیں الگ نہیں کیا جا سکتا اس لیے اُن کا ایک ساتھ مطالعہ کیا جائے گا تاریخی اعتبار سے الوفونی تبدیلی اتنی اہم نہیں قدیم عہد کی زبانیں جن ترسیموں میں محفوظ ہیں وہ فونیم (صوتیہ) سے نیچے کی باریک قسمیں نہیں ظاہر کرتیں۔ تاریخی یا تقابلی بازتعمیر میں بھی صوتیوں کی سطح پر بحث کی جاتی ہے اس لیے ہم ماضی بعید کی ذیلی اصوات کی تبدیلیوں سے باخبر نہیں۔

تاریخی لسانیات کے ماہرین جب ایک ماخذ زبان سے اس کی مشتق زبانوں کا مقابلہ کرتے ہیں تو ان کی صوتی تبدیلیوں کو چند ابتدائی بنیادی صورتوں میں سمیٹ لیتے ہیں۔ یہ یاد رکھیے کہ ہر

1- Robert Hall : Introductory Linguistics P.278

صوتی تبدیلی کا پہلا مظہر یا توکسی فونیم کی ذیلی صوت میں یا خود فونیم میں تبدیلی کی شکل میں ہوتا ہے۔ اس لیے تاریخی اعتبار سے صوتی تبدیلیوں کی حسب ذیل چار قسمیں ہیں۔

(۱) شق (split) (۲) اِدغام (merger) (3) ضرر یا تعدیم (loss) اور (۴) فونیم کی تبدیلی۔

ان پر فرداً فرداً غور کیا جاتا ہے

(1) **شق**:۔ اس کی دو قسمیں اہم ہیں۔

ل:۔ ابتدائی شق (Primary split)۔ اس میں ایک فونیم کے کچھ ایلوفون اسی فونیم کے تحت جاری رہتے ہیں لیکن کچھ دوسرے ایلوفون نکل کر کسی دوسرے فونیم میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح گویا ہم صوتوں (ایلوفونوں) کی نئی گروہ بندی ہو جاتی ہے۔ ایک فونیم کے کچھ ایلوفون کم ہو جاتے ہیں اور دوسرے فونیم کے ایلوفون زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اس تبدیلی سے کوئی نیا فونیم نہیں پیدا ہوتا۔ مثلاً قبل جرمانی [f] کے دو ایلوفون تھے۔ تخیف بل والے مصوتوں سے قبل [v] اور دوسرے موقعوں پر [f]۔ اُدھر قبل ہندیورپی بھ [bh] قبل جرمانی میں [v] کی شکل پکڑ چکا تھا۔ [f] کا ایلوفون [v] اسی فونیم [v] میں مدغم ہو گیا جس کے نتیجے میں /f/ صرف ایک ایلوفون رہ گیا اس مثال میں شق کو پیش کرنا مقصود تھا۔ ازغام کو سر دست بھول جائیے۔

ب:۔ ثانوی شق (Secondary split) یہ زیادہ اہم ہے۔ اس کی پہلی منزل میں ایک فونیم کے دو یا زیادہ ایلوفون ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا ماحول مختلف ہوتا ہے تاکہ وہ تکمیلی بٹوارے میں رہ سکیں۔ دوسری منزل میں ان میں سے ایک یا زیادہ ایلوفون دوسرے ایلوفون کے ماحول میں آنے لگتے ہیں یعنی ان کا مخصوص ماحول ختم ہو جاتا ہے۔ [f] ایک ہی ماحول میں واقع ہونے سے وہ تضاد کی حالت میں ہو جاتے ہیں یعنی دو علیحدہ فونیم بن جاتے ہیں۔ چند مثالیں

۱۔ قبلِ لاطینی /ک/ دو ذیلی اصورت [چ] اور [ک]۔ [چ] اگلے مصوتوں سے قبل آتا تھا اور [ک] بقیہ سب موقعوں پر۔ ایک لفظ براچیوں (چ مشدّد) بمعنی بازو تھا۔ کچھ عرصے بعد چ کے بعد کا اگلا مصوتہ ی حذف ہو گیا۔ اس کے حذف کے ساتھ [چ] کی بجائے [ک] آجانا چاہیے تھا لیکن لوگ اب بھی براچو کہتے رہے۔ [ا] پچھلا مصوتہ ہے اس سے پہلے آنے کی وجہ سے یہ آواز سکو بمعنی خشک جیسے الفاظ کے ساتھ ٹکرا گئی۔ اس طرح چ اور ک

الگ الگ صوتیے ہو گئے۔

قدیم ہندیورپی میں بھی اصلاً صرف ک تھا۔ چ نہیں تھا۔ ک شق ہو کر ہند آریائی میں بعض ماحول میں ک اور بعض میں چ ہو گیا۔

2۔ لیٹن /K/ پھٹ کر فرنچ میں تین فونیموں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

۱۔ پچھلے مصوتوں [o, u] سے قبل یا مصمتے سے قبل آئے تو K کی آواز دیتا ہے مثلاً coeur
(دل) cuire (باورچی) , (clear) claire

ب۔ [e, i] سے پہلے S کی آواز دیتا ہے مثلاً cite, cent (city)

ج۔ لیٹن میں a سے پہلے تو فرنچ میں ش کی آواز دیتا ہے لیکن ان موقعوں پر فرنچ میں اسے ch لکھتے ہیں مثلاً
(dear) cher (field) champ

3۔ قدیم انگریزی میں ایک فونیم /θ/ تھا جس کی دو ذیلی اصوات [θ] اور [ð] تھیں۔ اول الذکر ہمیشہ بل دار صوتی رکن میں آتی تھی اور موخر صرف بغیر بل کے ارکان میں۔ بعد میں [ð] بل دار رکن میں بھی آنے لگا جس سے یہ دو علیحدہ فونیم ہو گئے جو thank اور the جیسے الفاظ میں موجود ہیں۔

(2) ادغام (merger)۔ شق کی نسبت یہ عمل زیادہ اہم ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ غیر مشروط :۔ اگر یہ ذیلی اصوات میں وقوع میں آئے تو اس سے زبان کے ڈھانچے پر کوئی اثر نہیں پڑتا مثلاً انگریزی میں اگر p, t, K لفظ کی ابتدا میں واقع ہوں اور اُن کے بعد مصوتہ ہو تو اُن کا تلفظ ھ کاری ہو جاتا ہے یعنی p^h, t^h, K^h۔ دوسرے موقعوں پر نہیں ہوتا۔ اس طرح ان میں سے ہر فونیم کے کم از کم دو ایلوفون ہو گئے۔ ہم ہندوستانیوں کے تلفظ میں ھ کاری ایلوفون غیر ھکاری ایلوفون میں مدغم ہو گیا ہے یعنی ہم ہر ماحول میں اُنھیں غیر کاری ہی بولتے ہیں۔

غیر مشروط ادغام اسے کہتے ہیں جب ایک فونیم غیر مشروط طور پر دوسرے فونیم میں مدغم ہو جائے۔ زبانوں کے ارتقا میں یہ شاذ ہے کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں

1۔ قبلِ ہندی کا موردھنی ش ष لثوی ش श میں غیر مشروط طور پر مدغم ہو گیا ہے۔ دیوناگری خط میں گو لکھتے ष ہیں لیکن بولتے श ہیں۔

2۔ عربی کے فونیم / ذ ۔ ظ ۔ ض / فارسی اور اردو میں / ز / میں مدغم ہو گئے۔ / ث، ص / / س / میں اور / ط / / ت / میں مدغم ہو گئے۔ اسی طرح ح اور ع کے ساتھ ہوا۔ یہ غیر مشروط فونیمی ادغام ہے۔ عربی میں اب بھی یہ سب علیحدہ علیحدہ فونیم ہیں۔

3۔ قدیم ہند یورپی / بھ ، دھ ، گھ / فارسی میں / ب ، د، گ / میں ضم ہوگئے۔ اس طرح کے ادغام کی تاریخ کا صرف ایک زبان سے پتا نہیں چلایا جا سکتا۔ دوسری زبانوں سے تقابلی طریقے سے معلوم کر سکتے ہیں۔

ب۔ مشروط ادغام۔ غیر مشروط کی نسبت یہ زیادہ اہم ہے۔ یہ اکثر ابتدائی شق کے ساتھ ظہور میں آتا ہے یعنی ایک فونیم کی ذیلی اصوات شق ہو جاتی ہیں اور ان میں سے کچھ دوسرے فونیم میں مدغم ہو جاتی ہیں مثلاً

1 ابتدائی لیٹن میں دو فونیم /s/ اور /r/ تھے جو دو مصوتوں کے بیچ بھی واقع ہوتے تھے دو مصمتوں کے بیچ بھی۔ بعد میں /s/ کا وہ ایلوفون جو دو مصوتوں کے بیچ واقع ہوتا تھا /r/ میں مدغم ہوگیا۔ یعنی اب مصوتوں کے بیچ محض /r/ آتا ہے /s/ نہیں آتا۔ دوسرے ماحولوں میں [s] موجود ہے۔

2۔ جیسا کہ پہلے لکھا گیا قبل جرمانی /f/ کے دو ایلوفون تھے [v] اور [f] آخر الذکر خفیف بل کے مصوتے کے بعد آتا تھا۔ بعد میں ذیلی صوت [v] ایک اور فونیم [v] میں مدغم ہوگئی۔

3۔ ضرر۔ کسی فونیم کا غائب ہو جانا۔ یہ اکثر شق یا ادغام کے نتیجے میں ہوتا ہے مثالیں

ا:۔ قدیم ہند یورپی میں ایک عجیب مصوتہ ə تھا جس کی نوعیت زیادہ واضح نہیں۔ سنسکرت میں اس کے ضرر کی داستان یہ ہے کہ یہ [y] سے پہلے سنسکرت म میں اور بقیہ سب ماحولوں میں سنسکرت इ میں مدغم ہو کر معدوم ہوگیا۔

ب۔ عربی کے ض، ذ، ظ اردو میں ز میں مدغم ہو کر ختم ہوگئے۔

بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک فونیم کسی مخصوص ماحول میں آنا بند ہو جاتا ہے بقیہ سب ماحولوں میں آتا ہے مثلاً

ا۔ قدیم انگریزی میں /l, n, r/ سے قبل آنے والا /h/ ختم ہوگیا۔ بقیہ موقعوں پر آتا ہے مثلاً قدیم انگریزی کے hlud , hnut , hring جدید انگریزی میں loud , nut , ring ہوگئے۔

ب۔ یو۔ ایس۔ اے کے جنوبی علاقوں کے باشندوں کی انگریزی میں لفظ کے آخر میں لیکن /ʰ/ کے بعد آنے والے /l, n, r/ نے اپنے پیش رو مصمتے کا رنگ اختیار کر لیا اور معدوم ہوگیا چنانچہ fine , hole, fell کا تلفظ bind , hold , field

جیسا ہو گیا۔

فونیم کی تبدیلی۔ فونیم کی تبدیلی کی شکلیں بھی مندرجہ بالا کے تحت آ جاتی ہیں۔ اس کی دو شکلیں یہ ہیں۔

الف۔ ابتدائی رومانس زبان کا /ka/ فرنچ میں /ʃa/ بن گیا۔

ب۔ بعض اوقات دو فونیموں میں تضاد ہوتا ہے ان میں سے ایک فونیم اپنی کچھ خصوصیات بدل لیتا ہے لیکن پھر بھی پہلے کے حریف فونیم سے اسی طرح تضاد کی حالت میں رہتا ہے مثلاً قبل سامی میں ب، پ دو متضاد فونیم تھے۔ عربی اور عبرانی میں پ بدل کر ف ہو گیا لیکن ب کے ساتھ اس کے تضاد پر کوئی اثر نہ پڑا۔

اکثر فونیم کی تبدیلی باقاعدہ نہیں ہوتی۔ کچھ الفاظ میں ایک فونیم دوسرے فونیم سے بدلتا ہے۔ دوسروں میں نہیں لیکن یہ تبدیلی تلفیظی صوتیات کی رعایت کو ملحوظ رکھتی ہے یعنی ایک آواز اسی آواز سے بدلتی ہے جو کسی نہ کسی حیثیت سے اس کے قریب ہو یعنی جن میں کچھ نہ کچھ خواص مشترک ہوں بالکل غیر متعلق بعید آواز سے تبدیلی نہیں ہوتی۔

صوتی تبدیلی کی قسمیں بہت ہیں۔ وہ سب آپس میں مانع بھی نہیں۔ ذیل میں انھیں سمیٹنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

1۔ محلِ تلفیظ کا بدلنا

یہ بہت عام بات ہے کہ آس پاس کی آوازوں کے اثر سے مصمتوں کا تلفظ بدل جاتا ہے۔ ایسی تبدیلی عصریاتی طور پر بھی دکھائی دیتی ہے اور عصری طور پر بھی۔ سنسکرت کا موردھنی ण ہندی میں معکوسی نہیں رہا بلکہ لثوی ہو کر رہ گیا ہے۔ اردو میں و [ʋ] لب دنتی ہے۔ اگر اس کے قبل مصوتہ [a] آ جاتا ہے تو یہ دو لبی [w] بن جاتا ہے مثلاً جواں میں۔ ک، گ اپنے بعد کے مصوتوں کے اثر سے آگے پیچھے سرکتے رہتے ہیں۔ ن اپنے بعد کے بندشی یا انفرکیٹ مصمتے کے اثر سے کبھی دنتی، کبھی لثوی، کبھی معکوسی اور کبھی تالوئی ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو سنت، tenth، انڈا، رنج۔ انگریزی کے لثوی t, d ہمارے تلفظ میں معکوسی ہو جاتے ہیں۔ ہندی والے ق کو ک بولتے ہیں یعنی حلقی آواز کو غشائی میں بدل دیتے ہیں۔

محلِ تلفیظ میں ترمیم کی بعض مخصوص قسمیں ہیں۔

الف۔ تالویانا (Palatalization)۔ تاریخی ارتقا میں بعض اوقات مصمتے ساتھ کی ی یا دوسرے اگلے مصمتوں کی وجہ سے متاثر ہوئے ہیں۔ اسے تالویانا کہتے ہیں۔ قبل لیٹن کا [k] مصوتوں سے متاثر ہو کر چ میں بدل گیا۔ سلاف زبانوں میں تالویانا زیادہ اہم رہا ہے۔

ب۔ حلقیانا (Pharyngealization)۔ آواز کو حلق سے ادا کرنا۔ یہ سامی زبانوں میں ہوتا ہے۔ مصری عربی میں آب (والد) کے الف کو حلقیا کر 'ع' جیسا بولا جاتا ہے۔

ج۔ لبیانا (Labialization)۔ یہ قدیم فارسی زبان میں پایا جاتا ہے اس میں [a] یا [w] سے پہلے کا [a] مدور ہو کر [ɔ] بن جاتا ہے یعنی اس کی تلفیظ میں ہونٹ بھی گول کیے جاتے ہیں۔ اس کا رواج تالویانے سے کم ہے۔

2۔ طریقۂ تلفیظ کا بدلنا

یہ تبدیلی زیادہ اہم ہے۔ تاریخ اور جغرافیہ میں اس کے ذیل میں طرح طرح کی تبدیلیاں دیکھنے میں آتی ہیں چند حسب ذیل ہیں۔

ا۔ بندشی بن جانا۔ چمٹنا سے چپٹنا۔ یہاں انفی مصمتہ بندشی بن گیا۔ انگریزی کے صفیری [θ] [ð] ہمارے یہاں بندشی تھ، دھ بن گئے۔ سنسکرت کا و جدید بول چال میں ب میں بدل جاتا ہے مثلاً وینا سے بینا۔ وندے ماترم سے بندے ماترم۔ وام سے بایاں۔

فارسی لفظ ویران کو بھی عوامی بول چال میں بیرن کر دیا گیا۔ سنسکرت جیان سے گیان بن گیا یعنی الفرکیٹ سے بندشیہ۔ یہ تبدیلی طریق تلفیظ سے زیادہ نقطۂ تلفیظ کی ہے یعنی تالوئی مصمتے کو غشائی کر دیا گیا۔

اہل ہندی صفیری آواز غ کو بندشی گ میں بدل دیتے ہیں مثلاً غالب کو گالب۔

ب۔ الفرکیٹ میں بدلنا۔ سنسکرت ی ہندی میں بعض اوقات ج ہو جاتا ہے۔ بنگالی میں یہ بہت عام ہے مثلاً یگ سے جگ۔ یمنا سے جمنا۔ قدیم ت س ہندی میں چ یا چھ میں بدل گئے۔ مثلاً متسیہ سے مچھ، اُتسو سے اُچھاؤ۔ اہل ہندی ز کو ج میں بدل کر ذلیل کو جلیل کہتے ہیں سنسکرت چترنگ عربی میں شطرنج ہو گیا یعنی بندشی گ الفرکیٹ ج میں بدل گیا۔

ج۔ ل میں بدلنا (Lambdacism)۔ بعض اوقات ر بدل کر ل بولا جانے لگتا ہے مثلاً دیوار کا عوامی تلفظ دیوال۔ بانسری سے بانسلی سنسکرت وراج، سے ماگدھی پراکرت

میں 'لاجیہ'۔ فرنچ Corridor روسی میں Kolidor ہوگیا۔ شاذ دوسرے مصمتے بھی ل میں بدل جاتے ہیں مثلاً نمبر کا لمبر بن جانا جس سے لمبردار کا عہدہ بنا۔ لیٹن کی بعض بولیوں میں مصوتوں کے بیچ کا d بدل کر l ہوگیا مثلاً Konsidium کی جگہ Konsilium د۔

ر میں بدلنا (rhotacism)۔ ل کا ر میں بدلنا بہت عام ہے۔ بادل سے بدرج میں بادر، بدریا۔ جلنا سے جرنا۔ تلوار سے تروار۔ قدیم لیٹن میں مصوتوں کے بیچ کا س بدل کر ر ہو جاتا ہے مثلاً auso:sa کی بجائے auro:ra (تڑکا)۔

اسی ذیل میں ڈ کا ملفوظی ڑ میں بدلنا دیکھیے بڈھا سے بوڑھا۔ سانڈ سے سانڑ۔

ھ۔ صفیری آوازمیں بدلنا۔ اسپینی زبان میں بین المصوتین b, d, g متعلقہ صفیری آواز β و ð, ɣ میں بدل جاتے ہیں مثلاً haba > aβa۔ اطالوی کی بولی Tuskon میں ک جب بھی دو مصوتوں کے بیچ آتا ہے تو h میں بدل جاتا ہے مثلاً Cocacola (کوکا کولا) کو hohahola اور di-cocacola کا تلفظ diholahola ہے۔

یونانی میں مصوتوں کے بیچ کا t بدل کر s ہوگیا مثلاً eiti بدل کر eisi ہوا۔ عربی میں گ کے ج یا غ میں بدلنے کی کافی مثالیں ملیں گی۔ ہماری بولی میں بھی گپ، گنڈہ سے غپ، غنڈہ بنے۔

و۔ نیم مصوتے میں بدلنا۔ بعض اوقات مصوتہ [ei] بدل کر [y] اور [ou] بدل کر v یا w ہو جاتے ہیں مثلاً لینا۔ سینا کا ماضی لیا، سیا ہے اور ہونا، چھونا (چھکنا) کا ماضی ہُوا، چھُوے۔ دونوں جگہ نیم مصوتہ در آتا ہے۔

ز۔ h کا مصوتے میں بدل جانا۔ دکنی، مغربی یوپی اور بھوپال کی اردو میں بعض موقعوں پر h ی میں بدل جاتا ہے مثلاً کہاں کو کیاں۔ رہا کو ریا۔ کہہ رہے تھے کو کے رہے تھے۔ رہن سہن کو رین سین۔

3۔ ھکاریت بدلنا

اس کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ غیر ھکاری مصمتوں کو ھکاری کرنا مثلاً گرہ سے گھر، بہت سے باتھ۔ دکنی میں سندر

سے سندھر۔

اس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ اس کے برعکس زیادہ ہوتا ہے۔

ب۔ ھ کاری مصمتوں کو غیر ھ کاری کر دینا گم اس ین کے قانون کے مطابق سنسکرت اور یونانی میں اس عمل سے اہم صوتی تبدیلیاں ہوئیں۔ جن زبانوں میں ھ کاریت کا رواج نہیں ان میں اردو ہندی کے ھ کاری حروف کو غیر ھ کاری کر کے بولتے ہیں مثلاً کشمیری میں ڈھر کو ڈر، کہتے ہیں۔ پٹھان بھائی کو بائی کہتے ہیں۔

اہلِ اردو بھی لفظ کے آخری ھکاری مصمتوں کو غیر ھ کاری بولنے لگے ہیں مثلاً ہاتھ کو ہات، ڈھونڈھ کو ڈھونڈ، گاڑھ کو گاڑ اور مسوڑھا کو مسوڑا بولتے ہیں۔

4۔ مصمیت کی تبدیلی

اس کی دو قسمیں ہیں۔

غیر مصمتی آواز کو متعلقہ مصمتی آواز میں بدل دینا مثلاً شاک سے شاگ۔ کاک (کوا) سے کاگ یا کاگا۔ کارک (ڈانٹ) سے کاگ۔ سنسکرت مکرسے مگر (گھڑیاں)

امریکی انگریزی میں مصوتوں کے بیچ آنے والی t بدل کر d یا h ملفوظ کی جاتی ہے مثلاً Letter کا تلفظ Ledder اور meeting کا meading یا meeking ہے۔

h جو بنیادی طور پر غیر مصمتی ہے مصوتوں کے بیچ آ کر مصمتی ہو جاتی ہے۔ مثلاً behind میں۔

ب۔ مصمتی آواز کو متعلقہ غیر مصمتی میں بدلنا مثلاً قبل ہند یورپی کے /b, d, g/ قبلِ جرمانی میں /p, t, k/ ہوگئے۔ تہمد سے تہمت، مسجد سے مسیت، بدتمیز سے بت تمیز (بول چال میں)، تاشقند سے Tashkent اور انگریزی کی اس کہاوت میں۔
Mountain Comes to Mohamat

میں محمد صاحب کے نام کے دکوت میں بدلنا اسی طرح کی تبدیلیاں ہیں۔ جرمن زبان میں لفظ کے آخر میں مصمتی بند شیے غیر مصمتی ہو جاتے ہیں مثلاً hund [hunt] لیکن hunde - hunda

5- تماثل (Assimilation)

جب ایک آواز دوسری سے متاثر ہو کر بدل جاتی ہے تو اُسے تماثل کہتے ہیں۔ مختلف نقطہائے نظر سے اس کی مختلف قسمیں کی جا سکتی ہیں۔

1- ترقیاتی (Progressive)، رجعتی (Regressive) اور باہمی۔

ترقیاتی تماثل میں کوئی آواز اپنی ماقبل آواز سے متاثر ہو کر بدلتی ہے مثلاً انگریزی کے جمع کے لاحقے کا قاعدہ ہے کہ واحد کا آخری مصمتہ غیر مصیتی ہو تو یہ لاحقہ [s] کی آواز دے گا اور واحد کا آخری مصمتہ مصیتی ہو تو یہ لاحقہ [z] کی آواز دے گا مثلاً Lips کے آخر میں 'س' ہے اور ears, girls کے آخر میں ز۔

رجعتی تماثل میں آواز اپنی مابعد آواز کے اثر سے بدلتی ہے۔ اعضائے نطق بعد کی آواز کے تلفظ کی تیاری کر کے پہلی آواز کو بھی دوسری کے ڈھنگ پر بول دیتے ہیں مثلاً عبدالسلام کو عبدس سلام بولنا۔ انگریزی میں سابقہ in دولبی آوازوں سے قبل im ہو جاتا ہے مثلاً Imperfect

باہمی (Reciprocal)۔ شاذونادر دونوں آوازیں ایک دوسرے کو متاثر کر کے بدل دیتی ہیں۔ اس کی مثالوں میں دو مصیتے کسی دوسرے مصمتوں میں بدل جاتے ہیں مثلاً یدھ سے جوجھنا۔ یہاں ی بدل کر ج اور دھ بدل کر جھ ہوا۔ وِدیُت سے بجلی بننے میں د بدل کر ب اور ی بدل کر ج ہوا۔ د غالباً حذف ہو گیا اور ل کا اضافہ ہوا۔

2- مصمتے کا تماثل اور مصوتے کا تماثل

ظاہر ہے کہ پہلی زیادہ عام ہے۔

3- متصل (contiguous) اور منفصل (distant)۔

اگر متاثر کرنے والی اور متاثر ہونے والی آوازیں متصل واقع ہیں یہ متصل تماثل ہو گا مثلاً عبدالسلام اور اگر ان میں کچھ فاصلہ ہے تو اسے منفصل کہیں گے مثلاً عروض کا صحیح تلفظ [ǝru:z] ہے۔ بعض حضرات بعد کے مصوتے کے اثر سے پہلے کو بھی بدل لیتے ہیں اور [urv:z] بولتے ہیں۔ لڑکی کے نام Veronica کو Verinica بول دینا بھی منفصل تماثل ہے۔

منفصل کے مقابلے میں متصل تماثل عام ہے۔

4۔ جزوی اور مکمّل۔

اگر مصمتوں کے بیچ کچھ خصوصیات یا اوصاف یکساں کر لیے جائیں اور کچھ مختلف رہ جائیں تو تماثل جزوی ہے مثلاً

ہند یورپی swepnos سے لیٹن sumnus/n اور p دو خواص میں مختلف ہیں۔ اوّل نقطۂ تلفیظ کہ p دولبی ہے اور n دنتی۔ دوسرا طریقۂ تلفیظ p بندشی ہے n انفی۔ اب somnus کرتے ہیں p کا طریقۂ تلفیظ بدل کر n کے موافق کر لیا گیا یعنی اسے بھی انفی بنا دیا گیا لیکن مقامِ تلفیظ مختلف رہا۔ n دنتی ہے اور m اپنے پیش رو p کی طرح دولبی۔

اگر سب کچھ یکساں ہوکر دو آوازیں ایک سی ہو جائیں تو تماثل مکمل ہے مثلاً لیٹن somnus سے اطالوی sonno اس صورت میں دو مصمتوں کی جگہ ایک لمبا مصمتہ بن جاتا ہے۔

ان قسموں میں بنیادی اہمیت ترقیاتی اور رجعیاتی تماثل کی ہے۔ پہلی تین قسموں کو ملحوظ رکھ کر ذیل کے نو قسم کے تماثل سامنے آتے ہیں۔

1۔ ترقیاتی متصل مصمتی تماثل :۔ اس میں ایک مصمتہ اپنے فوراً بعد آنے والے مصمتے کو بدلتا ہے مثلاً لیٹن میں pelno سے pello ۔ انگریزی میں ears جہاں r کی وجہ سے s کی آواز z ہو گئی۔ اردو بول چال میں اِتنا سے اتّا، جتنا سے جتّا، کتنا سے کِتّا۔

2۔ ترقیاتی منفصِل مصمتی تماثل :۔ اس میں پہلے آنے والا مصمتہ کچھ فاصلے پر واقع ہونے والے مصمتے کو بدل دیتا ہے۔ اس کی مثالیں کم ہیں ملائے زبان میں orang : آدمی utam : جنگل۔ انگریزی orangoutang بن مانس اس مرکب لفظ میں ng نے دوسرے انفی مصمتے n کو بھی ng میں بدل دیا۔

3۔ ترقیاتی متصل مصوتی تماثل :۔ اس میں پہلے آنے والی آواز اپنے فوراً بعد آنے والے مصوتے کو بدلتی ہے۔ مثالیں شاذ ہیں۔ در اصل دو مصوتے پاس پاس آئیں تو وہ جڑواں مصوتے بن جاتے ہیں یا دونوں مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔

4۔ ترقیاتی منفصل مصوتی تماثل ۔ اس میں پہلی آواز اپنے سے کچھ بعد میں آنے والے مصوتے کو بدلتی ہے۔ اس کی مثالیں بھی شاذ ہیں۔ اگر لڑکی کے نام کو مینشا کو مینشی کہہ کر بلائیں تو پہلی ای کے اثر سے بعد کا آ بھی ای میں بدل گیا۔ ہنگری کی زبان مگیار میں بہتر مثال ملتی ہے

hez جانب کے تین ایلومارف ہیں۔

ا۔ اصل (stem) میں پچھلا مصوتہ ہو تو اس کے بعد hez لگایا جاتا ہے
apoethez : ساحل کی جانب۔

ب۔ اصل میں کشیدہ اگلا مصوتہ ہو تو hez لگایا جاتا ہے۔ akezlhez
باغ کی جانب۔

ج۔ اصل میں مدور اگلا مصوتہ ہو تو اس کے آگے hez لگایا جاتا ہے: agolthez
زمین کی جانب

5۔ رجعتی متصل مصمتی تماثل :۔ اس میں بعد والا مصمتہ پہلے مصمتے کو بدل دیتا ہے۔ اس کی مثالیں سب سے زیادہ ہیں مثلاً عبدالسلام، والنور imperfect۔ آخری مثال میں دولبی p کے اثر سے اصل سابقے کی n بدل کر دولبی m ہو گئی۔ اس نے کو اتے اور بدتمیز کو بتمیز کہنے میں یہی تماثل ہوتا ہے۔

6۔ رجعتی منفصل مصمتی تماثل: اس میں کوئی مصمتہ اپنے سے دور آنے والے مصمتے کے اثر سے بدل جاتا ہے۔ اس کی مثالیں بھی کم ہیں لیٹن میں پانچ کو quinque کہتے ہیں۔ یہ اسی قسم کے تماثل کا اثر ہے ایسا نہ ہوتا تو یہ لفظ pinque ہونا چاہیے تھا۔ اس کی انتہائی مثالیں بولنے کی لغزشوں میں ملتی ہیں۔ اسٹرٹے وانٹ نے ایسی کئی لغزشوں کے نمونے دیے ہیں۔

Has the belly (Jelly) been passed?
Spring tickens (chickens) ten cents a pound

ان دونوں مثالوں میں ایک لفظ کا پہلا مصمتہ متعاقب لفظ کے پہلے مصمتے کی پیش گوئی میں بدل گیا ہے۔

7۔ رجعتی متصل مصوتی تماثل :۔ اس میں ایک مصوتہ اپنے فوراً بعد آنے والی آواز کے اثر سے بدل جاتا ہے مثلاً خفیف اُ اگر [ح ، ع ، ہ] سے پہلے آتا ہے تو وہ خفیف او [ɔ] بن جاتا ہے مثلاً معلّی، محرّم، جہلا۔

8۔ رجعتی منفصل مصوتی تماثل :۔ اس میں کوئی مصوتہ اپنے کچھ بعد آنے والی آواز کے اثر سے بدل جاتا ہے مثلاً veronica کو verinica بولنا۔
ہندی لفظ اُنگلی کا کتابی ہندی کا تلفظ ہے ا مفتوح اور گ مفہوم۔ بعد کے اُ کے اثر سے

پہلا ا بدل کر اَ ہوگیا۔

5۔ باہمی تماثل:۔ جہاں دونوں آوازیں ایک دوسرے کے اثر سے بدل جائیں مثلاً seven کا انگریزی تلفظ [sevem] ہے۔ اگر کوئی شخص اسے se bm ملفوظ کردے تو آخر کے دو لبی انفی مصمتے کی پیش بندی میں e دو لبی ہوکر v ہوگیا نیز m کے اثر سے n بدل کر m ہوگیا۔

تماثل سے ملتی جلتی ایک صوتی تبدیلی ہے جو بات چیت کی لغزش میں ملتی ہے۔ ایک لفظ میں متقابل لفظ کی کسی آواز کا اضافہ کردیا جائے۔ تبادلہ یا ترمیم نہیں ہوتی۔ اسٹرٹے وانٹ نے اسے anticipation alone (محض پیش بینی) کہا ہے۔ ہم اسے پیش گوئی ہی کہیں گے۔ Planes of glass کی جگہ pones of glass کہنا یا فوٹوگراف کی جگہ فوٹوگراف بول جانا اس کی مثالیں ہیں)۔ یہ دونوں مثالیں قیاسی نہیں واقعی ہوئی ہیں اور قائلوں سے سن کر مرتب کی گئی ہیں۔

تماثل کی مندرجہ بالا مثالوں میں سے بیشتر فونیم کے بدل جانے کی ہیں۔ ہمارے تلفظ میں ایسی مثالیں بہ کثرت ہیں جہاں تماثل محض ایلوفونی یعنی تحت فونیمی ہوتا ہے مثلاً ن کی آواز کا فطری نقطۂ تلفیظ اوپری دانت ہے لیکن یہ بعد میں آنے والے مصمتے کے زیر اثر اپنا نقطۂ تلفیظ تالو تک پیچھے لے جاتی ہے مثلاً گھنٹہ انڈا میں ن معکوسی ہے اور پنج اور گنج میں تالوئی۔

6۔ تخالف

اگر ایک آواز مکرر آئے یا دو یکساں آوازیں آئیں تو ان میں سے ایک کو بدلنے کو تخالف (dissimilation) کہتے ہیں۔ اس کا وقوع تماثل کے مقابلے میں کم ہے۔ اس کی بھی تقریباً وہ سب قسمیں ملتی ہیں جو تماثل کی ہیں چنانچہ اسی طرح کی نو قسمیں ملاحظہ ہوں۔

1۔ ترقیاتی متصل مصمتی تخالف:۔ اگر کسی لفظ میں ایک مصمتہ مسلسل دوبارہ آتا ہے اور اس کی ترمیم شدہ شکل میں دوسرے مصمتے کو بدل کر مختلف کر دیتے ہیں تو یہ ترقیاتی متصل مصمتی تخالف کہلائے گا۔ مثالیں شاذ ہیں

2۔ ترقیاتی منفصل مصمتی تخالف:۔ اگر ایک مصمتہ کچھ فاصلے کے ساتھ دوبارہ آرہا ہو تو دوسرے

مصمتے کا بدل جانا اس کی مثال ہوگا مثلاً انگریزی کا رک کو اردو میں کاگ کہنا۔ ڈھونڈھ کے دوسرے ڈھ کو ڈ میں بدل کر ڈھونڈ بولنا۔

3۔ **توقیاتی متصل مصوتی تخالف:**۔ اگر دو یکساں مصوتے پے بہ پے آتے ہیں تو ان میں دوسرے مصوتے کا بدل جانا اس کی مثال ہوگا۔ چونکہ دو یکساں مصوتوں کا ایک ساتھ آنا ہی شاذ ہے اس لیے ایسے تخالف کی مثالیں بھی نہ ہونے کے برابر ہیں۔ معاً میں دو بار اَ کی آواز ہوتی ہے۔ تیز بولنے میں خاصا امکان ہے کہ دوسرے اَ کو (جو تحریر میں ع سے لکھا گیا ہے) ی میں بدل کر میاً بولا جائے یعنی [mədyən] < [mət̪ən] یہ تخالف نہ ہوا۔ ہوتا یہ ہے کہ دو مصوتوں کو توڑنے کے لیے کوئی دوسری آواز بیچ میں ڈال دیتے ہیں یا کوئی اور ترکیب کرتے ہیں مثلاً کھانا کھا آیا کو جلدی میں 'کھانا کھایا' کہا جائے گا۔

4۔ **ترقیاتی منفصل مصوتی تخالف:**۔ دو یکساں مصوتے کچھ فاصلے سے آتے ہیں اور دوسرے کو بدل دیا جائے تو اس کی مثال ہوگی مثلاً فرنچ بچے pape کو papa کہتے ہیں۔ کسی لڑکی شاما کو پیار سے شامی کہنا۔ اُفق میں دو پیش [u] ہیں۔ دوسرے کو اَ میں بدل کر اُفق بول دیا جاتا ہے۔

5۔ **رجعتی متصل مصمتی تخالف:**۔ اگر ایک مصمتہ ایک ساتھ دو بار آئے تو اُن میں سے پہلے کو بدل دینے کو رجعتی متصل تخالف کہیں گے۔ اردو میں ایک ھ کاری مصمتہ مشدد ہوتا ہے تو پہلے کو غیر ھکاری کر دیتے ہیں مثلاً بڈّھا (بڈ ڈھا)۔ بدّھو (بد دھو)۔

6۔ **رجعتی منفصل مصمتی تخالف:**۔ اگر ایک مصمتہ کسی قدر فاصلے سے دو بار آرہا ہو اور ان میں پہلے کو بدل دیا جائے تو اس کی مثال ہوگی مثلاً درد سے دلد۔ حیدرآباد میں ڈھونڈھ کو دھونڈھ، ٹوٹ کو توٹ بولنا۔ لیٹن quinque (پانچ) سے فرنچ میں cinq ہوگیا۔

7۔ **رجعتی متصل مصوتی تخالف:**۔ یہ بھی بہت شاذ ہے کیونکہ دو مصوتے ایک ساتھ کہاں آتے ہیں۔ اور اگر آئیں بھی تو ان کا تدارک ایک مصوتے کو بدلنے سے نہیں بلکہ کسی اور تدبیر سے کیا جاتا ہے۔ ایک مثال قاآنی (qa:ani:) کو جلدی میں قانی [qəani:] کہا جائے گا۔ یعنی دو یکساں مصوتوں میں پہلے کو بدل دیا گیا۔

8۔ **رجعتی منفصل مصوتی تخالف:**۔ اس میں ایک مصوتہ کسی قدر فاصلے سے دو بار آتا ہے تو پہلے کو بدل دیا جاتا ہے مثلاً سرور، حضور، غیور میں دو بار [u] ہے۔ بول چال میں ان میں سے

پہلے ں کو آ میں بدل کر فتح اول سے بولتے ہیں۔
9۔ آپسی تخالف :۔ جب دو مماثل آوازوں میں سے دونوں ہی بدل جائیں تو اسے آپسی تخالف
کہیں گے مثلاً وِ واہ سے بیاہ۔ اس کی مثالیں شاذ ہیں۔
مسلسل دو آوازوں میں سے ایک کو حذف کر کے بھی یکسانی کو توڑا جاتا ہے۔ اسے haplology
کے ذیل میں لیا جائے گا۔

7۔ تقلیب Metathesis

اگر ایک لفظ میں دو آوازیں یا آوازوں کے گروہ ایک دوسرے سے مقام بدل لیں تو اسے تقلیب
کہتے ہیں۔ بعض اوقات محض ایک آواز اپنے مقام سے اٹھ کر دوسری جگہ چلی جاتی ہے۔ اس آواز اور
دوسری بند آوازوں کے بیچ تقلیب ہو جاتی ہے۔
تقلیب متصل بھی ہو سکتی ہے منفصل بھی۔ یہ مصوتوں کے بیچ بھی ہو سکتی ہے مصمتوں کے بیچ بھی اور
مصمتے اور مصوتے کے بیچ بھی۔ ان کی مثالیں یہ ہیں۔
1۔ متصل مصمتوں کی تقلیب ۔ مثالیں تمغہ سے تغمہ ۔ فصیل سے صفیل ۔ جنرل سے جرنل ۔ مطلب
سے مطلبں۔ قفلی سے قلفی۔ سگنل سے سنگل۔ دہلی سے Delhi ۔ اوستادفر سے فارسی برف۔
2۔ منفصل مصمتوں کی تقلیب :۔ مثالیں لکھنؤ سے نکھلئو۔ بنارس سے وارانسی۔
3۔ متصل مصوتوں کی تقلیب :۔ یہ شاذ ہے کیونکہ دو مصوتے جڑواں مصوتے کی صورت کے علاوہ
بہت کم آس پاس واقع ہوتے ہیں۔ مثال افریقہ کی Ido زبان میں lie سے lei
4۔ منفصل مصوتوں کی تقلیب :۔ پاگل [Pagal] سے پگلا pogla
یہاں دآ، بدل کر اُ کی جگہ پر نہیں بلکہ اس سے بھی کچھ آگے چلا گیا۔
اس کی ایک صورت یہ ہے کہ تقلیب کے ساتھ سقوط کا عمل بھی ہوتا ہے یعنی ایک مصوتہ
بدل کر دوسرے کی جگہ جاتا ہے اور دوسرا بالکل ہی ساقط ہو جاتا ہے۔ ہندی انگلی
سے اردو اُنگلی unglı ۔ ہندی سُسُر sosura سے اردو سُسرا
susra ۔ واضح ہو کہ اردو شکل بول چال کے مطابق ہے
5۔ مصوتے اور مصمتے میں تقلیب :۔ جانور سے جناور۔ تجربہ tajroba
سے تجربہ [tajarba

8۔ اسپونرازم (Spoonerism)

اگر دو لفظوں کے ابتدائی مصمتے اول بدل دیے جائیں تو اس تقلیب کو اسپونرازم کہتے ہیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے ڈاکٹر اسپونر (1844 تا 1903 یا 1930) کو یہ عادت تھی کہ وہ ذہنی غیر حاضری میں جملے کے دو لفظوں کے ابتدائی مصمتے بدل لیتے تھے جس کی وجہ سے بڑے لطیفے پیدا ہو گئے مثلاً کہتے ہیں۔
What is more cold than to hug a half-wormed
-fish to one's boson
کہنا چاہتے تھے
half-formed wish
یا ایک طالب علم سے کہا you have tasted whole worm
مقصود تھا
wasted a whole term
انگریزی رسالے فلم فیر کے ایک مستقل مزاحیہ مضمون کے کردار کا نام Chede Hopper
عرف Hed a Chopper دیا رہتا ہے۔ یہ بھی اسپونرزم ہوا۔

9۔ ہیپ لالوجی Haplology

گر ایک لفظ کے اندر دو یکساں مصمتے پاس پاس آتے ہیں تو بولنے کی سہولت کیلئے ان یکساں مصمتے میں سے ایک کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ اگر ان مصمتوں کے بیچ کوئی مصوتہ ہو تو پہلا مصمتہ اور مصوتہ دونوں ساقط ہو جاتے ہیں۔ مثالیں۔

خریدار سے خریدار۔ Snow-white سے Snowhite
انگریزی میں humbly کو humblely کر لیا گیا۔ Part-time
کو Partime بولتے ہیں۔

ہیپ لالوجی کی بہتر مثالیں وہ ہیں جہاں ایک صوتی رکن حذف کیا جاتا ہے مثلاً لائبریری کو لائبری۔ Wednesday کو secretary کو Probably Secty کو Probly
بولتے ہیں۔

10۔ سقوط (Wensday) یا حذف

یہ مصمتے کا بھی ہو سکتا ہے مصوتے کا بھی اور ایک سے زیادہ آوازوں یعنی صوت رکن کا بھی۔

یہ لفظ کی ابتدا میں بھی ہو سکتا ہے وسط میں بھی آخر میں بھی۔ یہی کیفیت اضافے کی ہوگی جسے ہم بعد میں لیں گے۔ اب سقوط یا حذف کی مختلف قسمیں دیکھیے۔

1۔ ابتدائی مصوتے کا حذف (aphesis)۔ اگر، افسانہ، افسوں، اناج، امیر، احاطہ سے بالترتیب گر، فسانہ، فسوں، ناج، میر، حاطہ۔

2۔ درمیانی مصوتے کا حذف (syncope)۔ یہ لیٹن میں بہت عام تھا۔ اردو بول چال میں بھی ہم بہت سے وسطی گرا دیتے ہیں یعنی پرانی اصطلاح میں متحرک مصمتے کو ساکن کر دیتے ہیں مثلاً آدمی، ہاشمی، عارضی وغیرہ میں د، ش، ر، کے بعد ایک مختصر مصوتہ ہے لیکن بول چال میں ہم اُسے گرا دیتے ہیں۔ اردو مروض میں تین مسلسل حرفات میں تشکیل اوسط کر لینا بھی یہی ہے چنانچہ ہم بول چال میں عربی دل شکنی جنتا وغیرہ میں ر، ک، ن کو ساکن کر کے بولتے ہیں۔ معاف کو ماف اور معاملہ کو مامِلہ بولنا بھی درمیانی مصوتے کا حذف ہے۔

ہندی کے صحیح تلفظ کے لحاظ سے چڑیا جیسے لفظ میں ڑ کے بعد مصوتہ ہے لیکن اردو میں اسے حذف کر دیا گیا ہے۔

انگریزی میں can't سے cannot اور don't سے do not میں بھی یہی ہوتا ہے۔

3۔ آخری مصوتے کا حذف (apocope)۔ سنسکرت کے متعدد لفظ مختصر مصوتے پر ختم ہوتے ہیں اردو میں اور کھڑی بولی بول چال میں اُن کا آخری مصوتہ حذف کر کے رام، کرشن، وید، شاستر، متر، گپت، جن، گن، من وغیرہ بولتے ہیں۔ سنسکرت شِلا ہندی میں سل ہو گئی ہے۔ اردو میں رگھوپتی سے رگھپت، اروِندو سے اروند، راجیہ سے راج اور مدھیہ سے مدھ ہو گیا ہے۔

لیٹن اور فرنچ الفاظ کے آخر میں مصوتے کا آنا بہت عام ہے۔ انگریزی میں اسے اکثر حذف کر دیا جاتا ہے مثلاً لیٹن differre سے انگریزی differ۔ پاپا اور ماما کو اب صرف mom، pop بول دیا جاتا ہے۔ قدیم انگریزی helpe سے help۔

4۔ ابتدائی مصمتے کا حذف:۔ انگریزی کے جتنے لفظوں کے شروع میں kn ہے ایک زمانے میں اُن سب کا k بولا جاتا تھا۔ اب تلفظ سے جاتا رہا ہے۔ ہندی مثال ستھان سے تھان دتھان کا ٹھرا ہے۔

5۔ وسطی مصمتے کا حذف:۔ کایستھ سے کایتھ۔ کارتک سے کاتک۔ کوکِل سے کوئل۔ پردھان

سے پدھان۔ کرشن سے کشن۔ پریت سے پیت۔ شادباش سے شاباش۔ رپورٹ سے ریٹ۔
انگریزی میں cart، bird جیسے لفظوں کا وسطی r اب تلفظ میں کہاں بولا جاتا ہے۔

6۔ **آخری مصمتے کا حذف یا ترخیم:۔** اردو میں دختر سے دخت، فہرست سے فہرس، جوشیش سے جوشش، جزو سے جز، بادشاہ سے بادشا اس کی مثالیں ہیں۔ ہندی میں راجیندر سے راجین، رویندر روین، سریندر سے سرین بولتے ہیں۔ انگریزی میں لفظوں کا آخری r حذف کر دیا جاتا ہے ملاحظہ ہو برادر، فادر، سمر، ونٹر، فنگر وغیرہ کا تلفظ

7۔ **ابتدائی صوت رکن (syllable) کا حذف (apheresis)۔**
گو بعض موقعوں پر ایک فونیم بھی رکن کا کام دیتا ہے لیکن ہم رکن کے حذف کی مثالوں میں صرف اُنھیں کو لیں گے جہاں رکن کم از کم دو آوازوں پر مشتمل ہو۔ ابتدائی رکن کے حذف کی مثال ابریشم سے ریشم۔ یونیورسٹی سے varsity، tomorrow سے morrow

8۔ **وسطی صوت رکن کا حذف:۔** پھلاہار سے پھلار، سنسکرت بھنڈاگار سے ہندی بھنڈار، امید سے نومید، سلام وعلیکم سے بول چال کا سلاملیکم۔ mistress سے missis۔

ہیپ لالوجی کی جملہ مثالیں بھی اسی کے ذیل میں آجاتی ہیں کیونکہ ہیپ لالوجی اس کا جزو ہے۔ ہیپ لالوجی میں یہ شرط ہے کہ ایک مصمتہ دو بار آیا ہو۔ ان میں کے پہلے مصمتے اور اس کے ساتھ کے مصوتے کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ رکنی حذف میں یہ ضروری نہیں کہ اسی رکن کی تکرار ہوئی ہو۔

9۔ **آخری رکن کا حذف:۔** جمشید سے جم۔ ماتا سے ماں۔ ڈاکٹر سے doc، popular سے pop، modern سے mod صحافیوں کی اصطلاح میں introduction سے intro یونانی فلسفی Aristotle سے عربی ارسطو۔

11۔ اضافہ

سقوط ہی کے مقابلے پر اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی بھی وہی نو قسمیں ہیں تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

1۔ **لفظ کی ابتدا میں مصوتے کا اضافہ: prothesis** لیٹن، اطالوی، سنسکرت، ہندی، انگریزی میں لفظ کی ابتدا میں س اور اس کے بعد کوئی مصمتہ آسکتا ہے۔ اردو کو لفظ کی ابتدا میں مصمتی خوشہ بولنا مشکل معلوم ہوتا ہے اس لیے اس کی تسہیل کے لیے س سے شروع ہونے والے خوشوں کے قبل ایک مصوتے 'ا' کا اضافہ کرلیا جاتا ہے مثلاً اسکول، استری، اسٹیشن، سکندر سے

اسکندر اور Plato سے افلاطون بھی ابتدا میں مصوتے کا اضافہ ہے۔

قدیم فرانسیسی کو بھی لفظ کی ابتدا میں سے شروع ہونے والے مصمتی خوشے ناگوار تھے۔ لیٹن spatha سے قدیم فرنچ میں espee (تلوار) اور جدید فرنچ میں epee بنا۔ لیٹن schola سے فرنچ میں ecole (اسکول) بنایا گیا۔

2۔ وسط میں مصوتے کا اضافہ (amaptyxis)۔ مصمتی خوشے کو توڑنے کے لیے کبھی کبھی اس کے بیچ مصوتہ ڈال دیا جاتا ہے اس سے بولنے میں سہولت ہوتی ہے۔ شرم، گرم، صدر جنم، کرشن چندر، اندر ان سبھوں لفظوں کے آخر میں مصمتی خوشہ ہے۔ اردو میں اور بول چال میں یہ بھی بہت عام ہے کہ آخری دو مصمتوں کے بیچ ایک مصوتہ اَ (یعنی فتحہ) شامل کر دیا جاتا ہے۔ یعنی آخری سے پہلا حرف متحرک اور مفتوح کر کے بولا جاتا ہے۔ کرشن لال کو بڑے بڑے ہندی داں کشن لال (ش مفتوح) بولتے ہیں۔ اسی طرح پرشاد، پریم، پریت، کلب وغیرہ کے شروع میں مصمتی خوشہ ہے۔ یہاں بھی اہلِ اردو پہلے مصمتے کے بعد ایک مصوتہ ڈال کر بولتے ہیں گو یہ ثقافت کا انداز نہیں۔

سنسکرت بھُوتی اوستا میں بھویتی ہے۔ قبلِ لاطینی کا agr لاطینی میں ager ہو گیا

3۔ وسط میں مصوتے کا اضافہ:۔ بہار سے بہاراں، دوا سے دوائی۔ خمار سے خماری، انتظار سے انتظاری۔ سوپن سے سپنا۔ اعلام (معرفہ) میں آخر میں بے ضرورت مصوتہ جوڑ دینے کا بہت رواج ہوتا ہے مثلاً رام سے رامو، فضل سے فضلو۔ کشمیر میں نام کے ساتھ آ جوڑنے کا فیشن ہے مثلاً فضل سے فضلا، غلام سے غلاما۔

4۔ ابتدا میں مصمتے کا اضافہ:۔ اس کی مثالیں بہت کم ہیں کیونکہ مصمتے کے اضافے سے تلفظ میں دقت ہی بڑھتی ہے۔ سنسکرت اوشٹھ سے ہندی ہونٹ اور سنسکرت اُلّاس سے ہندی ہُلاس اس کی مثالیں کہی جا سکتی ہیں۔ ہائے ہوز کے علاوہ کسی اور مصمتے کے اضافے کی مثال نہیں ملتی۔

5۔ وسط میں مصمتے کا اضافہ:۔ شاذ و نادر مصمتی خوشے کے بیچ دوسرے مصمتے کے اضافے سے بھی تسہیل کی کوشش کی جاتی ہے مثلاً سنسکرت شاپ سے ہندی شراپ۔ ہندی سمدر سے اردو سمندر، د آکر/ سے د آن کر/۔ عوامی بول چال میں ہندی آلس سے آلکس، لوٹا نا سے لوٹانا۔ یونانی میں sumtus کی بجائے andhos اور لیٹن میں amros کی بجائے

Sump tus ۔تاریخی ارتقا میں تلفظ کی سہولت کے لیے اس کی کافی مثالیں ملتی ہیں مثلاً

نئی انگریزی		پرانی انگریزی میں
thunder	<	thunrian
alder	<	alre
thimble	<	thimle

6۔ آخر میں مصمتے کا اضافہ: Exces -cent ہے۔ پرواسے پرواہ۔ دریا سے دریاؤ مثلاً یہ کہاوت ’سائنسی علم دریاؤ ہے‘ یا اس نام میں ’دریاؤ سنگھ‘، فرنچ cautis سے انگریزی caution۔ انگریزی Vermin, since کو vermint, sincet بھی ملفوظ کر دیا جاتا ہے۔ انگریزی sack سے جرمن sekt بنا۔ اردو میں اس کی کافی مثالیں ہیں لیکن ان سب میں مصمتے کو جوڑنے کے لیے اس سے پہلے ایک مصوتہ بھی جوڑا گیا ہے جس سے دراصل ایک رکن کا اضافہ ہو گیا ہے مثلاً رنگت، جلالت، مدت، نرنگ، عربی لفظ طلسم سے انگریزی Talisman۔ اردو لفظ کناری (کنڑ زبان) سے انگریزی Kanarese۔ موسیٰ سے moses۔ Aristotle سے اردو ارسطوطالیس۔ Plato سے افلاطون۔

7۔ ابتدا میں رکن کا اضافہ:۔ یہاں بھی ہم ایسے صوت رکن ہی کو لیں گے جس میں کم از کم دو آوازیں ہوں۔ اس کی مثالیں شاذ ہیں۔ ایک مثال ودھان سے سم ودھان ہو سکتی ہے۔

8۔ وسط میں رکن کا اضافہ:۔ اصل میں رکن کا اضافہ ہی شاذ ہے کوئی ایسا کیوں کرے گا۔ اس سے خواہ مخواہ کی محنت بڑھے گی۔ ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری نے کھل سے کھرل، ایک مثال دی ہے۔ کھرل میں ’ر‘ کے اضافے سے رکن تو بڑھا لیکن دراصل یہ ایک مصمتے ہی کا اضافہ ہے مصوتہ تو اس کی مدد کے لیے لایا گیا ہے۔

9۔ آخر میں رکن کا اضافہ:۔ اس کی مثال میں آخر سے آخرش، آنکھ سے انکھڑی ملتے ہیں۔ انکھڑی میں ’ڑی‘ محض صوتی اضافہ نہیں صرفی اضافہ ہے۔ کیونکہ یہاں ’ڑی‘ ایک بامعنی چسپیہ ہے۔

رکن کے اضافے کی اچھی مثالیں وہی ہو سکتی ہیں جہاں دو مصمتوں والا رکن شامل کیا گیا ہو۔ یہ بھی خیال رہے کہ خالص صوتی تبدیلی صرف وہی ہے جس سے معنی میں فرق نہ ہو۔ اگر معنی

بدل گئے تو وہ دوسرا لفظ یا ایک لفظ کا دوسرا تصریفی یا استخراجی روپ ہو گیا۔ صوتی تبدیلی میں ہم رکن کے اضافے کو نظر انداز بھی کر دیں تو کوئی فرق نہ پڑے گا۔

12۔ عوامی لفظ اصلیات

زبانوں کے تاریخی ارتقا میں بعض الفاظ کسی غلط فہمی کی بنا پر نو تشکیل کر دیے گئے۔ غلط فہمی اُن کی اصل کے بارے میں تھی۔ ترمیم کے بعد جو روپ سامنے آیا اس میں معنوی تبدیلی کی بھی۔ کارفرمائی ہے اور صوتی تبدیلی کی بھی۔ یہ صوتی تبدیلی خاصی وسیع ہوتی ہے اس میں صوتی تبدیلی کے عام تقاضوں کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ لفظ کچھ کا کچھ بنایا جا سکتا ہے۔ انگریزی کی چند مثالیں

Welsh rerebit > Welsh rabbit
femell > femal (male کے قافیے پر)
crevise > crewfish or crayfish

13۔ مصوتوں کی تبدیلی

زبانوں کی تاریخ میں اور علاقائی اعتبار سے مختلف زبانوں اور بولیوں میں ایک مصوتہ دوسرے مصوتہ کی جگہ لے لیتا ہے۔ یہ تبدیلی کئی قسم کی ہو سکتی ہے۔

د۔ مصوتے کو ادا کرنے میں منہ کی کشادگی میں فرق آسکتا ہے یعنی اوپر کے مصوتے کچھ نیچے آجائیں یا نیچے کے مصوتے اوپر چلے جائیں مثلاً وسطی انگریزی میں sea کا مصوتہ /e:/ تھا۔ وہ اور اوپر کو جاکر /i:/ ہو گیا۔ ہندی کا /ə/ بنگالی میں /o/ ہو جاتا ہے ملاحظہ ہو نمسکار کا بنگلہ تلفظ۔ مغربی یوپی اور دلی کے کرخنداروں میں کرے کو کرے۔ کو کو کُو /ku/ بولتے ہیں۔ پنڈت سے پنڈت اور کافر سے کافر میں بھی مصوتہ نیچے سے اوپر چلا جاتا ہے۔

ب۔ مصوتے آگے سے پیچھے کو اور پیچھے سے آگے کو سرک سکتے ہیں مثلاً قبل انگریزی میں اُملاوٹ (اس تبدیلی کا ذکر آئندہ باب میں آئے گا) کے تحت /u:/ بدل کر /y:/ کر دیا گیا۔ کرشن، سنسکرت جیسے الفاظ میں ہندی میں 'ر' کے بعد اگلا مصوتہ [i] بولا جاتا ہے لیکن مراٹھی اور اڑیہ میں پچھلا مصوتہ [u]۔ بالفاظ دیگر ہم اُن دونوں لفظوں میں ر کو مکسور بولتے ہیں وہ مضموم۔ اکھاڑنا سے اکھیڑنا، ڈبانا سے ڈبونا، امرت سے امرت ان سب تبدیلیوں میں منہ کی

کشادگی کے علاوہ آگے پیچھے ہٹنا کا بھی فرق پڑتا ہے یعنی مرکز سے طرفین کی طرف یا طرفین سے مرکز کی طرف کو کھسکاؤ ہوا۔

ج :۔ ہونٹوں کی گولائی میں بھی فرق پڑ سکتا ہے۔

د :۔ **انفیت کا اضافہ یا حذف** :۔ ان میں مصوتے میں انفیت کا اضافہ بہت عام ہے۔ تاریخی ارتقا میں ایسا بہ کثرت ہوا۔

سنسکرت، اوشٹ سے اونٹ، شواس سے سانس، کوپ سے کنواں، سرپ سے سانپ

اگر کسی لفظ کے آخر سے انفی مصمتہ حذف کیا جاتا ہے تو اس سے پہلے کے مصوتے کو انفیا دیا جاتا ہے۔ بول چال کی لیٹن میں طبقۂ بالا کے لوگ یہی کرنے لگے مثلاً dominum (آقا) سے [dominũ] کہا جانے لگا۔ جب ہم لفظ کی آخری ن کو غنہ بولتے ہیں تو یہی تو کرتے ہیں کہ انفی مصمتہ گرا کر اس سے قبل کے مصوتے کو انفیا دیتے ہیں ملاحظہ ہو۔ انسان اور انساں صوتی تحریر میں

[insan] > [insã]

سانچ کو آنچ نہیں میں سچ میں انفیت کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ بعض کم علم لوگ گھانس، پھونس، چانول وغیرہ بولتے ہیں۔ قدیم اردو میں کوچہ کو کونچہ کہتے تھے۔ اس کے علاوہ کون سوں وغیرہ میں انفیت کی کتنی بھرمار تھی۔

انفیت کا حذف بہت شاذ ہے۔ جدید فرنچ میں انفی مصمتوں سے قبل کی انفی مصوبیت ختم ہو گئی مثلاً قدیم تلفظ گراں میر (گرامر) بعد میں گراں میر ہو گیا۔ اردو میں استمراج میں بعض مادے اپنی انفی عنائیت کھو دیتے ہیں مثلاً

سانپ سے سپولیا، جھانک سے جھکانا، چھانٹ سے چھٹانا، سینکنا سے سکائی، بانٹنا سے بٹنا یا بٹ جانا۔ شبلی نے مثنوی صبح امید میں لکھا ع روما کو کنوئیں جھکا دیے تھے۔

ہ :۔ طویل کا خفیف اور خفیف کا طویل ہو جانا۔

ا :۔ طویل مصوتے کا خفیف میں بدل جانا مثلاً شاہ سے شہ، پاتال سے پتال، آکاش سے اکاش، جاگنا سے جگنا، خاموش سے خموش، راستہ سے رستہ، ایک سے اک، بے چارہ سے بچارہ، نگاہ سے نگہ، باریک سے بریک، August سے اگست۔ بادام سے بدام مرکبات بناتے وقت ہر قسم کے طویل مصوتے کو مختصر کیا جا سکتا ہے مثلاً کان، کَن۔ کنکٹا

ناک توڑہ نکتوڑا۔

اردو شعر میں جسے ‍ ا، ‍و، ی کا سقوط یا دبانا کہتے ہیں وہ دراصل طویل مصوتے کا خفیف کرنا ہے اور بس۔ ہم شعر کے علاوہ نثری بول چال میں بھی بہت سے طویل مصوتوں کو خفیف کرتے ہیں گو اس کا احساس نہیں ہوتا مثلاً لوٹ کے بدھو گھر کو آئے، آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا، آم کے آم گٹھلیوں کے دام۔
ان تینوں کہاوتوں میں خط کشیدہ الفاظ کے 'یں'، کے طویل مصوتے کو خفیف کر دیا گیا ہے۔

ب:۔ خفیف مصوتے کا طویل کرنا یعنی اشباع۔ ہندی کے جتنے لفظوں کے آخر میں خفیف مصوتہ ہے اردو میں ان سب کو بالعموم طویل کر کے بولتے ہیں مثلاً رشی، مُنی، اور تندو۔ پتر سے پوت میں بھی اشباع کا عمل ہوا۔ مزید مثالیں آخر سے اخیر، برات سے بارات، مہان سے میہمان، لہو سے لوہو ہیں۔

14۔ صوت رکنوں (Syllables) میں توازن پیدا کرنا

یہ تبدیلی قدیم انگریزی سے وسطی انگریزی کی منزل میں آئی۔ جو صوت رکن مصوتے پر ختم ہوتے ہیں اُنھیں کھلے صوت رکن کہتے ہیں۔ جو صوت رکن مصمتے پر ختم ہوتے ہیں انھیں بند صوت رکن کہا جاتا ہے۔ وسطی انگریزی میں کھلے صوت رکنوں کے خفیف مصوتوں کو طویل کر دیا گیا اور بند صوت رکنوں کے طویل مصوتوں (مشدّد مصمتے یا مصمتی خوشے سے قبل) کو خفیف کر دیا گیا۔ اس طرح مختلف صوت رکنوں کا طول تقریباً برابر ہو گیا۔ اس کی وجہ سے تلفظ سہل ہو گیا۔

مثال

O.E stelan : steal > M.E stelan

O.E macian : make > M.E maken

O.E laeddre > M.E ledde

15۔ جڑواں مصوتے diphthong اور اکہرے مصوتے monophthong کا تبادلہ

ا:۔ جڑواں مصوتے کا اکہرا مصوتہ بن جانا۔ سنسکرت کی اَئی [əi] اور اَؤ

[ai au] کی آوازیں ہندی میں بہت سے مقامات پر مفرد ہوگئی ہیں مثلاً وید، جین، شور سینی کا جڑواں تلفظ جڑواں مصوتے سے بدل کر مفرد ہو گیا ہے۔ ائی بدل کر اَے اور اَؤ بدل کر اَو ہو گیا۔ اب بھی ہندی زدہ علما اَے، اَو کو جڑواں مصوتہ قرار دیتے ہیں حالانکہ ہندی علاقے میں انھیں کوئی جڑواں مصوتے کے طور پر ادا نہیں کرتا بعض پنڈت لوگ عورت کو اَورت اور وید کو وئد کہتے ہیں۔

اَبلاؤٹ (جس کا ذکر اگلے باب میں کیا جائے گا) میں طویل جڑواں مصوتے ēi اور ēu جب خفیف ہونے کی منزل میں پہنچے تو اکہرے ہو کر اِی اور اُو بن گئے۔

جڑواں مصوتے سے اکہرے ہونے کی مثالیں کم ملتی ہیں لیکن اطالوی کی جدید فلورنسی اور ٹسکی (Tuscan) بولیوں میں ایسا ہوا۔

buono > bono
Viene > Vene

ب:۔ اکہرے مصوتے کا جڑواں میں بدلنا۔ قدیم فرنچ میں لیٹن کے بعض مفرد مصوتے جڑواں ہو گئے۔ مثلاً

Latin Kredo > O.F. Kreiθ
Latin flore > O.F. Flour

انگریزی میں طویل مصوتوں کی جگہ ایسے جڑواں مصوتے نے لے لی ہے جن کا پہلا عنصر ایک خفیف مصوتہ ہے اور دوسرا ایک نیم مصوتہ۔ ذیل کے الفاظ کا تلفظ بلوم فیلڈ[1] کے مطابق ملاحظہ ہو name [neym], dead [dijel], stone [stown], goose [guws]

اکہرے مصوتوں کے جڑواں بننے کی مثالیں اردو میں بھی دکھائی دے جاتی ہیں ہر دوئی کے علاقے میں بلکہ اودھی میں عام طور سے ایسا کو ائی سا اور پیسا کو پئی سا بولتے ہیں۔

---

[1] Bloomfield: Language P387

17۔ مصمتے کا طول بدلنا

ا۔ مصمتے کی تخفیف سے تشدید (Gemination) :۔ صرفی قاعدے سے اٹھنا، رکھنا، چکھنا کا ماضی مطلق اٹھا، رکھا، چکھا ہونا چاہیے لیکن انھیں تشدید کے ساتھ ہی بولتے ہیں بالخصوص رکّھا اور رکھّو کو۔ دکنی میں اس سلسلے میں بہت آزادی تھی۔

ضلع بجنور میں طویل مصوتے کے بعد کے بعض مصمتوں کو نصف مشدّد یعنی ڈیڑھ ماترا کے ساتھ بولتے ہیں مثلاً لوٹّا، آگّے، دیکّھا، بوتّی وغیرہ میں پہلے طویل مصوتے کے بعد کا مصمتہ کسی قدر مشدّد ہے۔ توازن کی خاطر اس مشدد مصوتے سے قبل کا طویل مصوتہ بھی قدرے خفیف ہو جاتا ہے۔ گویا مصوتہ بھی ڈیڑھ ماترا کا اور مصمتہ بھی ڈیڑھ ماترا کا۔

ب۔ مصمتے کی تشدید سے تسہیل :۔ مشدّد الآخر مصمتوں کو اردو میں سہل کر لیا گیا ہے۔ مثلاً ابجد، کھڈ، رد، ضد وغیرہ کا آخری مصمتہ اردو میں محض ایک ماترا ہی کا بولتے ہیں۔ رکّھا جو مستند تلفظ ہے بعض اوقات اشعار میں رکھا بھی باندھا جاتا ہے۔ دکنی میں مشدّد کو آزادی سے سہل کر لیتے تھے مثلاً

ع ۔ عشق کا لذت دو جو معشوق منگتیا

ع ۔ اول نام اللہ کا سرتاج ہے

18۔ بَل بھی بعض لفظوں میں صوتی تبدیلی کر دیتا ہے۔ لفظ کے ایک رکن پر بَل کو شدید کر دینے سے دوسرے رکن کا بل اتنا کم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی رکنی حیثیت ہی کھو بیٹھتا ہے مثلاً heaven میں دو صوت رکن ہیں۔ پہلا صوت رکن hea بعد ہے دوسرا رکن صوت رکنی مصوتہ [n] پر ہے۔ واضح ہو کہ تلفظ میں اس لفظ میں e کے مصوتہ نہیں بولا جاتا۔ اب اگر پہلے رکن کا بل زیادہ بڑھا دیا جائے تو آخری n کی گونج e سے بھی کم ہو جائے گی اور لفظ میں ایک رکن ہی رہ جائے گا۔ generally کو gen-r-ly بولا جاتا ہے اور اس میں تین رکن ہیں۔ اک تیزی سے بولتے ہوئے پہلے رکن پر زیادہ بَل دیں تو r دھیما ہو کر ہوا سے مدھم پڑ جائے گا۔ اور لفظ میں دو رکن ہو جائیں گے۔ قبلِ تاریخ کی لیٹن میں ہر لفظ کے پہلے رکن پر بل ہوتا تھا۔ جس سے خفیف a بدل کر خفیف e اور پھر خفیف i ہو جاتا تھا۔

19- کھلے سنگم کو بند سنگم میں بدل دینا

معاف، معاملہ جیسے الفاظ کا ایک مصوتہ گرا کر سنگم کو بند کر دیا جاتا ہے اور بول چال میں ان کا تلفظ ماف، مالہ رہ جاتا ہے۔ قرآن جیسے لفظ میں صرف سنگم کی تبدیلی سے تلفظ قران ہو جاتا ہے

20- سُر کا بدلنا

یہ تبدیلی تان زبانوں میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ وہاں ایک لفظ مختلف سروں میں ادا ہو کر مختلف معنی دیتا ہے۔

21- سُر لہر کی تبدیلی

یہ ہماری زبان میں بھی اہم ہے۔ ایک ہی جملے سے مختلف مفاہیم ادا کرنے کے لیے سُر لہر میں تبدیلی کی جاتی ہے یعنی کبھی اس لفظ کو تو کبھی اُس لفظ کو اونچے سُر درجے میں ادا کیا جاتا ہے۔

یورپ میں زبانوں کی تاریخ کی دو مشہور تبدیلیاں اُملاوٹ اور اَبلاوٹ کہلاتی ہیں۔ اُن کا ذکر اسی باب میں کرنا چاہیے تھا لیکن اُنھیں اگلے باب میں تاریخی و تقابلی طریقہ نیز صوتی قوانین کے ساتھ لیا جائے گا۔

صوتی تبدیلی بہ تدریج ہوتی ہے لیکن ہم درمیانی منزلوں سے واقف نہیں ہوتے۔ بعض اوقات ایک لفظ کے دو تلفظوں کے بیچ رقابت یا مسابقت ہو جاتی ہے۔ ایک گروہ یا ایک مقام پر اس کا تلفظ کچھ ہوتا ہے اور دوسری جگہ دوسرا۔ اس دُبدھا کے دور کے بعد آخرکار ایک تلفظ کی فتح ہو جاتی ہے۔

بعض اوقات صوتی تبدیلیاں لہر کی شکل میں ہوتی ہیں۔ ایک مقام پر ایک شخص تبدیلی کرتا ہے اور اس کی دیکھا دیکھی دوسرے شخص بھی وہی تبدیلی کرنے لگتے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ یہ تبدیلی دائرے کی شکل میں پھیلے بلکہ بہت ممکن ہے کہ ایک طرف کو زیادہ بڑھ جائے اور دوسری طرف بہت کم۔

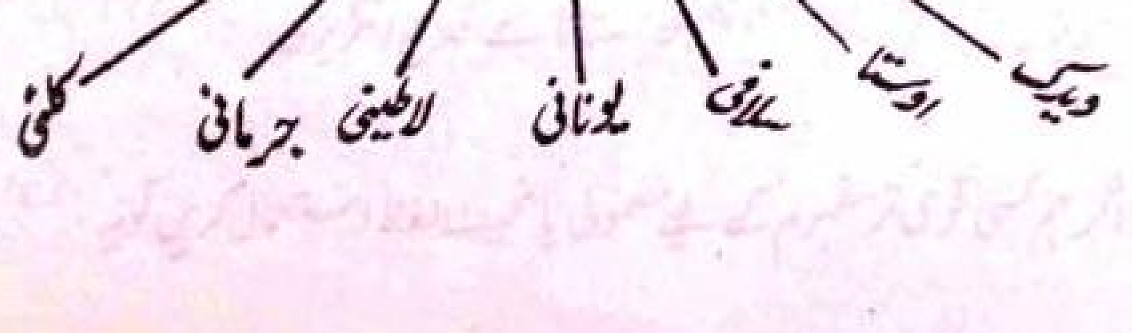
بعض تبدیلیاں چند الفاظ میں ہوتی ہیں اور اُن سے آگے نہیں پھیلتیں کیونکہ غلطی سے اس صوتی تبدیلی کو مخصوص معنی سے متعلق سمجھ لیا جاتا ہے۔

بارھواں باب

تقابلی اور تاریخی طریقے، صوتی قوانین

زندگی کی طرح زبانیں بھی ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں۔ ایک زبان امتدادِ زمانہ کے ساتھ جب بہت زیادہ بدل جاتی ہے تو عرفِ عام میں کہتے ہیں کہ ایک جادر زبان سے دختر زبان وجود میں آگئی۔ بسا اوقات یہ اولاد تنہا نہیں ہوتی بلکہ کئی دختر زبان پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اُن سے مزید اولادیں ہوتی ہیں۔ اس طرح ایک خاندانی شجرہ وجود میں آجاتا ہے۔

جس نقطے یا منزل پر ایک زبان سے دوسری دختر زبانیں پھیلتی ہیں اس منزل کو ابتدائی (Proto) کا لاحقہ لگا کر بولا جاتا ہے مثلاً ابتدائی ہند یورپی (Proto, Indo, Euro- Pean یا PIE) وہ مادر زبان ہے جس سے آریائی، یونانی، لاطینی، جرمن، سلاف وغیرہ نکلیں۔ کسی دختر زبان اور مادر زبان (ابتدائی زبان) کے بیچ کی عبوری منزل کو دختر زبان کے پہلے قبل کا لفظ لگا کر ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً قبل جرمانی (Pregermanic) سے مراد وہ منزل جو ابتدائی ہند یورپی اور جرمانی کے بیچ کی تھی۔ ذیل کے چارٹ سے یہ واضح ہو جائے گا۔



بعض اوقات بلکہ بسا اوقات ابتدائی زبان تحریری منزل سے پہلے کی ہوتی ہے۔ کسی طرح اس کے فونیم اور مارفیم باز تعمیر کرتے ہیں۔ اس کے دو طریقے ہیں۔

ا۔ خارجی باز تعمیر (External reconstruction)

اگر دو یا زیادہ دختر زبانوں کے مماثل روپوں کا مقابلہ کر کے ابتدائی فونیم یا مارفیم دریافت کیے جائیں تو یہ خارجی باز تعمیر ہے اسے اصطلاح میں تقابلی طریقہ کہتے ہیں۔

ب۔ داخلی باز تعمیر (Internal reconstruction)

اگر ایک دختر زبان کے روپوں کا مطالعہ کر کے ابتدائی مادر زبان کے روپوں کی تشکیل کی جائے تو یہ داخلی باز تعمیر ہے۔ اسے عام طور سے تاریخی طریقہ کہتے ہیں

ان میں تقابلی طریقہ زیادہ مفید ہوتا ہے۔

تقابلی طریقہ

جب ایک لسانی قوم میں لسانی اور صوتی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں تو ایک مادر زبان سے پھوٹ کر کئی دختر زبانیں وجود میں آجاتی ہیں۔ ان دختر زبانوں کے مارفیموں کا تقابلی مطالعہ کر کے مادر زبان کی باز تعمیر کی جاتی ہے۔ اس باز تعمیر کے طریقے کو تقابلی طریقہ (Comparative method) کہتے ہیں[1]

اس طریقے کے دو فریضے ہیں۔

1۔ اوّل یہ طے کرنا کہ کون کون سی زبانیں آپس میں خاندانی رشتے سے وابستہ ہیں۔ ایک مادر زبان سے کون کون سی دختر زبانیں اور ان اولادوں کی کون کون اولادیں ہوتیں۔

2۔ دختر زبانوں کے تقابلی مطالعے سے مادر زبان کے مارفیموں اور فونیموں کی بعض تعمیر۔

تاریخی لسانیات کا عمل دخل ایک عرصے سے جاری ہے اس لیے تحریر شدہ مہذب زبانوں کے رشتے طے ہو چکے ہیں۔ قبائلی زبانوں کے بارے میں ایسے مطالعے کی گنجائش ہے۔ جہاں تک دوسرے

1- H. Hoenigswald: Language change and Linguistic - reconstruction.

مطالبے کا سوال ہے قبل تاریخ کی آبائی زبان کے روپوں کی تشکیل کا کام کچھ ہوا ہے اور بہت کچھ باقی ہے۔ ہمیں خاص طور سے اُن اصولوں پر نظر کرنی ہے جن کے اطلاق سے زبانوں کے رشتے طے کیے جا سکتے ہیں۔

زبانوں میں یکسانی اور مشابہت ہی کی بنا پر ان کا رشتہ قائم کیا جاتا ہے۔ یہ یکسانی دو قسم کی ہو سکتی ہے (۱ لغات کی یعنی ذخیرۂ الفاظ کی اور ب قواعد کی۔

دو یا زیادہ زبانوں کے الفاظ میں اگر صوتی و معنوی مماثلت ہو تو ذیل کے گمراہ کن عوامل سے احتیاط کی ضرورت ہے۔

1- صوت نقل الفاظ :- بعض الفاظ صوت کی بنا پر ڈھال دیے جاتے ہیں۔ دو زبانوں میں ایسے الفاظ اگر صوتی و معنوی حیثیت سے مماثل پائے جاتے ہیں اس کی کوئی اہمیت نہیں مثلاً

انگریزی میں	اردو
bow - vow	بھوں بھوں
mew	میاؤں
کوئل cuckoo	کوکو (کوئل کی آواز

انگریزی cock اور پنجابی ککڑ بھی مماثل ہیں۔ یہ الفاظ مالا یدرک یولا قسم کے ہیں۔ ان سے ایک دو لفظ کے سوا کوئی اور پیدا نہیں ہو سکتا۔

2- پنگوڑے کے الفاظ (nursery words) :- مثلاً پاپا، ماما، اماں، اما، ما، ابا، بابا۔ ننھا بچہ ہونٹوں سے دودھ چوستا ہے اس لیے اس کو دو لبی آوازوں کی تلفیظ سب سے آسان ہوتی ہے۔ ان میں کوئی مصوتہ آیا کچھ اور اضافہ کرکے وہ اس قسم کے الفاظ بنا لیتا ہے۔ ان الفاظ کی مماثلت بھی زبان کے رشتے کی دلیل نہیں۔ عربی اُم اور ہندی اماں نیز عربی اب اور ہندی بابا میں کوئی رشتہ نہیں۔

3- اتفاقی مماثلت :- ہو سکتا ہے کہ دو غیر متعلق زبانوں میں بعض ہم معنی الفاظ محض اتفاقیہ طور پر یکساں یا مماثل ہوں مثلاً

1- جنوبی امریکہ کی ایک ریڈ انڈین زبان میں huara بمعنی ستارہ اور اوستا میں ہور (خور) بمعنی سورج۔

2- ایک جنوبی امریکی زبان اور سنسکرت میں متی (mati) بمعنی جاننا۔

3- جدید یونانی mati اور ملائے mata بہ معنی آنکھ

4- سنسکرت dasa اور افریقہ کی ہاٹن ٹاٹ میں disi

5- انگریزی bad فارسی بد اور ان کے مقابلے میں سوڈان کی ایک زبان میں badh بمعنی برا۔

6- انگریزی mat مراٹھی نیت۔

7- انگریزی اور باکھیل کھنڈی دونوں میں near بہ معنی پاس۔

8- انگریزی، تامل، اور کنڑ میں وَن (one) بہ معنی ایک۔

اگر ان اتفاقی مماثل الفاظ کی قدیم تر صورتیں مل جائیں تو اس مماثلت کی قلعی کھل جائے مثلاً یونانی میں mati ایک قدیم یونانی لفظ on-mation بہ معنی چھوٹی آنکھ سے مشتق ہے۔ اس لفظ کا تہہ نشین روپ ommar بہ معنی آنکھ تھا۔ ملائے میں شروع سے یہ لفظ ماتا تھا۔ omma اور mata کو کون ہم ماخذ کہے گا۔ دو زبانوں میں اتفاقیہ مماثل الفاظ کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔

4- **عاریت:-** مماثلت کی دوسری گمراہ کن وجہ عاریت ہو سکتی ہے۔ ایک زبان سے دوسری زبان میں لفظوں کا لین دین ہوتا ہے۔ فن لینڈ کی زبان ہند یورپی خاندان کی نہیں لیکن اس میں یورپی زبانوں کے ثقافتی الفاظ در آگئے ہیں۔ ان کی بنا پر Finnish اور ہند یورپی زبانوں میں خون کا رشتہ نہیں کھوجنا چاہیے۔

یہ تو مماثل الفاظ کی غیر اہم اقسام تھیں۔ اب اہم تر مماثلتوں کو دیکھیے۔ الفاظ اور مارفیموں کو ذیل کی قسموں میں بانٹ سکتے ہیں۔

مارفیم

- ثقافتی یا تہذیبی — مثلاً ریڈیو، ریل، سوشلزم
- بنیادی
  - مادے (Roots)
  - تصریفی و استخراجی چسپیے

اگر ذخیرۂ الفاظ میں بیس فی صدی سے کم مماثلت ہے تو وہ نظر انداز کی جاسکتی ہے اس

سے زیادہ ہو تو دونوں زبانوں کے خاندانی طور پر متعلق ہونے کا امکان ہے۔ تہذیبی لفظوں کی مماثلت بالکل غیر اہم ہے۔ بنیادی الفاظ میں مماثلت ہونی چاہیے۔ ایسے الفاظ یہ ہیں۔

جسم کے خاص حصے۔ ناک، کان، آنکھ، منہ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ۔

اعداد:۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار ... دس۔ سو۔ ہزار۔ دوسرا۔ تیسرا۔ چوتھا۔

نزدیکی رشتے:۔ ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹا، بیٹی، چاچا، ماموں۔

بنیادی فعل:۔ آنا، جانا، چلنا، کھانا، پینا، سونا۔ وغیرہ۔

بعض گھریلو یا پالتو جانور:۔ کتا، بلی، گائے، بیل، گدھا، گھوڑا۔

اور ان سے بھی کہیں زیادہ اہم تصریف کار اور لفظ ساز لاحقوں کی اہمیت ہے۔ یہ اگر یکساں ہو تو دو زبانوں کا خاندانی اشتراک طے ہے اور اگر ذیل کی تائید بھی حاصل ہو تو کیا کہنا۔

الف:۔ مماثل روپوں کا طول۔ جتنے طویل روپ مماثل ہوں گے اتنا ہی زبانوں کے قرب کا امکان ہے۔

ب:۔ اگر مارفیم کے ساتھ ایلومارف بھی مشترک ہوں تو اس کی اور زیادہ اہمیت ہے مثلاً

انگریزی	جرمن
گُڈ	گُٹ
بیٹر	بسر
بیٹ	بیسٹ

یا سنسکرت اور اوستا میں تا کے ایلومارفوں کی مماثلت

سنسکرت	اوستا
da - to	ta
da - tae - am	tae
do - tae - 2	tae
da - le - e	pe

یہ سب زبانوں کے خاندانی رشتوں کی قوی دلیل ہیں۔ اگر یہ مماثلتیں کئی زبانوں میں پائی جائیں تو اتفاقی مماثلت کی گنجائش نہیں رہتی اور خاندانی رشتہ طے ہو جاتا ہے۔ مثلاً چند بنیادی مادوں کی مماثلت دیکھیے

ہندی	مراٹھی	گجراتی	تامل	کنٹر	ملیالم
ناک	ناہ	ناہ	مُوکُ	مُوکُ	مُوکُ
کان	کان	کان	چیوی	کیوی	چیوی
کھا	کھا	کھا	تن	تنو	تنو
پی	پی	پی	کُڑی	کُڑی	کُڑی

ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندی مراٹھی اور گجراتی ایک خاندان کی زبانیں ہیں اور تامل، کنٹر اور ملیالم ایک کی۔ ایسی مماثلتوں کے ہوتے اتفاق یا عاریت کا امکان نہیں رہتا۔

بعض اوقات یکسانیت کی بجائے مشابہت ہوتی ہے۔ اس مشابہت میں مشترک فونیم زیادہ ہوتے ہیں مختلف کم۔ یہ اختلاف اگر باقاعدہ ہو تو اس کے معنی ہیں کہ ایک زبان کی فلاں صوت دوسری زبان کی فلاں صوت سے بدلتی ہے۔ یہ فرق مطابقت ہی کی طرح دونوں زبانوں کے خاندانی رشتے پر دلالت کرتا ہے۔ دو مثالیں

1۔ سنسکرت کا 'س' اوستا میں ہ ہو جاتا ہے۔

سنسکرت	اوستا
سپت	ہپت
واسو	ووہو
اُسر	اہور

2۔ بلوم فیلڈ کی کتاب سے جرمانی خاندان کی چند زبانوں کے ایک سلسلے کے کچھ الفاظ نقل کیے جاتے ہیں۔ تلفظ صوتی تحریر میں درج ہے۔

	English	Dutch	German	Danish	Swedish
house	haws	høys	haws	hu:ʔs	hu:s
out	awt	øut	aws	u:ʔð	u:t
brown	brawn	brøyn	brawn	bru:ʔn	bru:n

اختلافات کی یہ باضابطگی مطابقت کے مترادف ہے۔ یہ اختلافات ماخذ زبان کے ایک فونیم میں ترمیم سے پیدا ہوتے ہیں یا اس فونیم کی مختلف ذیلی اصوات کو پیش کرتے ہیں ان کی مدد سے ماخذ زبان کے تلفظ کی باز تعمیر کی جاتی ہے۔

تقابلی طریقے سے کئی زبانوں کا رشتہ ہی دریافت نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں کون سی زیادہ نزدیک ہیں اور کون سی نسبتاً دور۔ اوپر کے چارٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی اور جرمن دونوں ایک دوسرے سے جتنی قریب ہیں دوسری زبانوں سے نہیں۔ اسی طرح ڈینش اور سویڈش میں زیادہ قریب دکھائی دیتا ہے کیونکہ ان دونوں کا مرکزی مصوتہ [ʌ:] ہے۔ جو بقیہ زبانوں کے الفاظ میں نہیں۔

تقابلی طریقہ کا دوسرا نام خارجی باز تعمیر (external reconstruction) ہے جو اس طریقے کے زیادہ اہم پہلو کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ جاننا تو پہلی منزل ہے کہ کون کون سی زبانیں ہم جدی (cognate) ہیں۔ دوسری اور آخری منزل یہ ہے کہ ابوالآبا زبان کے ماخذ لفظ اور فونیم کی باز تعمیر کی جائے اس کا مفصل طریقہ امریکی ماہر لسانیات Heney M. Hoenigswald نے اپنی کتاب[1] اور ایک مضمون میں دیا ہے۔

یہ طریقہ اسی قسم کا ہے جو اصوات کو گروہ بند کر کے فونیم تلاش کرنے کا ہے۔ اس طریقے کی جستجو کا زور دختر زبان کے فونیموں کے متقابل مادر زبان کے فونیموں کی گرفت کرنا ہے۔ تقابلی طریقہ کا مفروضہ ہے کہ دختر زبانوں کے یکساں الفاظ کے مختلف فونیم مادر زبان کے ایک فونیم کے ہم صوتوں کو پیش کرتے ہیں اس کے لیے مختلف خواہر زبانوں میں سے ہم معنی الفاظ کے سیٹ لیے جاتے ہیں۔ ان کا پہلا فونیم بالخصوص دیکھا جاتا ہے اور اس کے بعد دوسرے اہم فونیم بھی مثلاً بین المصوتین واقع ہونے والے۔ ان فونیموں کی فہرست بنائی جاتی ہے کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں کون کون سے فونیم بدلے ہوئے ہیں۔ بدلے ہوئے فونیموں میں ماحول کا اختلاف تلاش کیا جاتا ہے اگر مل گیا تو ان متبادل فونیموں کو تکملی بٹوارے میں رکھ دیا جاتا ہے اور یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ یہ ماخذ زبان کے ایک فونیم کے ہم صوت تھے یہ بھی نہیں تو

---

1. Hoenigswald: Language change and linguistic reconstruction, 1st pheonix edition 1965, University of Chicago Press. Article "Sound change and linguistic structure by H.M.H. included in "Readings in linguistics" by Martin Joos

کم از کم یہ تو معلوم ہی ہو جاتا ہے کہ ایک زبان کا فونیم دوسری زبان میں جا کر کیا ہو جاتا ہے اور کن عوامل کے زیرِ اثر۔

فرض کیجیے ہم نے صرف دو خواہر زبانوں کی آوازوں کا مقابلہ کیا۔ ان کا اور مادر زبان کا رشتہ حسب ذیل ہو سکتا ہے۔

1۔ مادر زبان کی آواز دونوں دختر زبانوں میں محفوظ رہی ہو مثلاً یونانی Pater اور لیٹن Pater میں p کی آواز۔

2۔ مادر زبان کی آواز ایک دختر زبان میں موجود ہو اور دوسری میں بدلی ہو۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب دو دختر زبانوں میں آوازیں مختلف ہوں۔ اب کیونکہ فیصلہ کیا جائے کہ کس زبان کی آواز اصل مادر زبان کی ہے۔

اس کے لیے ہم دوسرے ماحولوں میں ان آوازوں کا وقوع دیکھ سکتے ہیں۔ شاید وہاں سے کچھ مدد مل جائے مثلاً لیٹن اور جرمن کا مقابلہ کیا جائے لیٹن Pater جرمانی fadar۔ ہمارے سامنے یہ مسئلہ ہے کہ p اور f میں کون سی آواز مادر زبان کی ہے۔ اب دوسرے ماحول میں دیکھیے

Latin : spuō = spit

Gothic (Germanic): speiwan

جرمانی نے s کے بعد p کو محفوظ رکھا ہے۔ ایسا ہی لیٹن میں ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے گا کہ لیٹن p اصل ہند یورپی کی صحیح نمائندگی کرتی ہے جرمن میں s کے بعد کے ماحول میں یہ باقی ہے لیکن لفظ کے شروع میں بدل کر f ہو گئی ہے۔

اگر مزید خواہر زبانیں ملتی ہوں تو ان کا بھی تقابل کر لیا جائے تو بات اور صاف ہو جائے گی مثلاً لیٹن اور جرمانی p اور f کے جھگڑے میں ہم یونانی کو دیکھیں تو وہاں بھی p ملتی ہے۔ یہ مزید ثبوت اس بات کا ہوا کہ اصل ہند یورپی میں اس موقع پر p رہی ہوگی۔

3۔ تیسرا امکان یہ ہے کہ مادر زبان کی آواز دونوں دختر زبانوں میں بدل گئی ہو۔ اس صورت میں مادر زبان کی بازیافت بہت مشکل ہوتی ہے۔ چنانچہ آج تک یہ قطعی طور پر طے نہ ہو سکا کہ سنسکرت بھ، یونانی پھ، لیٹن f/h اور جرمن v میں اصل ہند یورپی کی آواز کون سی تھی۔

اگر مادر زبان کی اصل آواز دختر زبانوں میں اصلی شکل میں نہ ملتی ہو تو دو امکانات ہیں۔

ا۔ اصل آواز کسی اور آواز میں مدغم ہو گئی ہو۔ ایسی صورت میں اصل آواز کی دریافت مشکل ہے۔

2۔ اصل آواز کسی دوسری آواز میں جزوی طور پر مدغم ہوئی ہو ایسی صورت میں دوسرے ماحولوں میں مقابلہ کرنے سے اصل آواز تک رسائی ہو سکتی ہے۔

ادغام بہت پیچیدہ بھی ہو سکتا ہے۔ صوتی تبدیلی کے تمام قوانین کا بڑی مہارت سے اطلاق کر کے دیکھنا ہوگا۔ تقابلی طریقہ سے خارجی باز تعمیر حقیقت پسندی کی پابندی کا مطالبہ کرتی ہے اس حقیقت پسندی کے تقاضے ذیل ہیں۔

1۔ مادر زبان کی جو تشکیل کی جائے وہ سچ مچ کی ایسی زبان ہونی چاہیے جن سے ہم آشنا ہیں۔

2۔ مادر زبان دختر زبانوں سے ملتی جلتی ہونی چاہیے۔ دختر زبانوں کے بیچ جو ہم رنگی ہے وہی یا اس سے بھی زیادہ دختر زبانوں اور مادر زبان کے بیچ ہونی چاہیے۔

3۔ ایک دختر زبان کی قبل تاریخ کی تشکیل ایسی فطری ہونی چاہیے کہ تمام تبدیلیاں بعد کی تاریخ سے ہم آہنگ ہو سکیں۔ قبل تاریخ (بغیر اضافت) سے مراد وہ عمودی خط ہے جو مادر زبان سے پھوٹنے کے نقطے سے شروع ہوتا ہے اور دختر زبان کی تحریری دستاویزات کے آغاز پر آکر ختم ہوتا ہے۔ تحریری دستاویزات سے زبان کا تاریخی دور شروع ہو جاتا ہے۔ ہمیں انوکھی اور بے تکی تبدیلیاں قیاس کر کے غیر فطری تاویل نہیں کرنی چاہیے۔

جب مختلف فونیموں کا گزشتہ ارتقا دریافت ہو جاتا ہے تو مادر زبان کے پورے پورے لفظوں کی باز تعمیر کر لی جاتی ہے اگر زبانیں زیادہ قریب کی ہوں تو ان کی مادر زبان کے قواعدی سانچوں کی تشکیل بھی کی جا سکتی ہے مثلاً جرمن خاندان کی زبانوں کے تقابلی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی جرمن میں واحد اسماء کی چھ حالتیں (cases) تھیں۔ یا ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ماخذ زبان میں کوئی مخصوص فونیم بین المصوتین آتا تھا تو اس میں کیا ترمیم ہو جاتی تھی۔

ایک مادر زبان کی باز تعمیر کے بعد ساتھ کی دوسری قدیم زبانوں کو لے کر ان کے جد کی تشکیل کی جاتی ہے مثلاً ابتدائی جرمن کی باز تعمیر کے بعد اسے لاطینی، یونانی، سلاف، اوستا اور سنسکرت سے ٹکرایا گیا اور ان سب کے تقابلی مطالعے سے ابتدائی ہند یورپی کے الفاظ کی باز تعمیر کی گئی۔ اب حطی زبان دریافت ہونے کے بعد ہند یورپی اور حطی کے تقابلی مطالعے سے ہند حطی کے روپوں کی باز تشکیل کی جا رہی ہے۔

تقابلی طریقے کے دو اطلاق بہت کامیاب ہوئے۔ اس کو پہلے جرمانی زبانوں پر آزمایا گیا اور اس سے ابتدائی جرمانی بنائی گئی اس کے بعد ہند یورپی کی تشکیل کی گئی۔ دوسرا اطلاق بلوم فیلڈ نے شمالی امریکہ کی کچھ زبانوں پر کیا اور اس نے Proto-algonquian کا ایک

مصمتی خوشہ باز تعمیر کیا۔

ہند یورپی پر اس کا اطلاق کرتے وقت گرم نے 1822ء میں کچھ جرمانی مصمتوں کی تشکیل کی اور اُن کی تبدیلیوں کو قانون کا نام دیا۔ بعد میں معلوم ہوا ہے کہ کچھ ابتدائی ہند یورپی غیر مصمتی بندشیے جرمانی صفیری آواز کے بعد نہیں بدلتے۔ یہ گرم کے قانون کے خلاف تھا اس استثنا کی تاویل تلفیظی صوتیات سے کی گئی کہ فلاں ماحول میں فلاں آواز نہیں بدلتی بقیہ میں بدلتی ہے۔

اس کی وجہ سے تلفیظی صوتیات میں دلچسپی بڑھی۔ اس کے بعد تبدیلیوں سے کچھ اور انحراف دریافت ہوئے۔ ان پر غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہاں متصل آواز ہی متاثر نہیں کرتی بلکہ دو متعاقب صوت رکنوں کی آوازیں متاثر کر رہی ہیں۔ اس کے بعد سے رواج ہوا کہ کسی آواز کا فوری ماحول ہی نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ غیر متصل ماحول بھی دیکھو۔ یعنی پورے لفظ کی ساخت پر دھیان دو

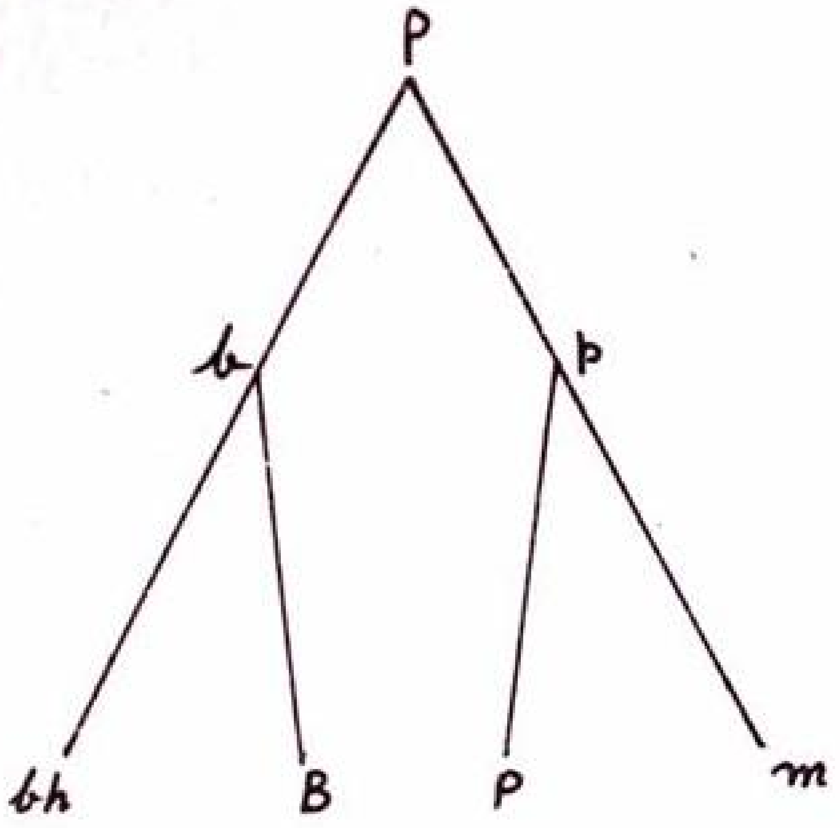
اس کے بعد کچھ اور استثنا ملے۔ ان کی تاویل خاص بل کے وقوع کے مقام سے کی گئی۔ اس کے بعد فوقِ قطعاتی فونیموں یعنی بل اور سر لہر میں دلچسپی پیدا ہوگئی۔

تقابلی طریقے میں بہت سی کمیاں اور دِقتیں ہیں۔

1۔ ہم ابتدائی زبان کی آوازوں کو دختر زبان کی آوازوں سے یوں تشکیل دیتے ہیں کہ دختر زبان کی آوازوں کو ایلو فون مان لیتے ہیں۔ اس طرح یہ طریقہ فونیمی سطح پر کام کرتا ہے۔ یوں بھی ہم تحریری روپ لے کر چلتے ہیں اس لیے صوتیات کی سطح پر معلوم نہیں ہوتا کہ واقعی تلفظ کیا تھا مثلاً ہم نے یونانی پھ، جرمانی bh، سلاف ب، لاطینی ب، سنسکرت بھ اور آرمینی بھ کی بنا پر ابتدائی ہند یورپی کا فونیم بھ، تشکیل کر لیا لیکن یہ معلوم نہیں کہ اس کی آواز کیا تھی۔ اسی طرح ابتدائی ہند یورپی کے لبی غشائی مصمتے g^{wh} ، k^{wh} باز تعمیر کر لیے گئے ہیں لیکن صحیح معلوم نہیں کہ یہ کس طرح ملفوظ ہوتے تھے۔ کیا ان میں پہلے غشائی تلفیظ ہوتی تھی اور اس کے بعد ہونٹ گول کر دیے جاتے تھے یا غشاء اور ہونٹوں کے مقام پر ایک ساتھ بندش ہوتی تھی۔

کون جانے کہ ویدک اور سنسکرت زبان کے ऋ کی واقعی کیا آواز تھی اسے مصوتہ مانا جاتا تھا لیکن آج ہم اسے رائے مکسور کے طور پر ملفوظ کرتے ہیں۔

2۔ تقابلی طریقے میں ہم دو دختر زبانوں آوازوں کی ترکیب سے اوپری منزل کی ایک آواز برآمد کرتے ہیں۔ اسی طرح دوسری جگہ سے برآمد کی ہوئی دوسری آواز کو اس کے مقابلے میں لا کر پھر ایک اور اوپر کی آواز تشکیل کرتے ہیں گویا ہم مثلثوں کے ذریعے اوپر کو بڑھ رہے ہیں۔



مثلاً ایک دختر زبان میں آواز bh ملتی ہے تو اس کے مقابلے میں دوسری خواہر زبان میں B ملتی ہے۔ ہم نے طے کیا کہ مادر زبان میں فونیم bh تھا جس سے دختر زبانوں کی یہ دو آوازیں ہیں۔ اسی طرح دوسری دو دختر زبانوں کی آوازوں p و m کے میل سے اُن کی مادر زبان میں آواز p طے پائی۔ درمیانی منزل کی دو مادر زبانیں آپس میں خواہر ہیں۔ ان کی آواز bh اور p متبادل ہیں۔ معلوم ہوا کہ ابتدائی زبان میں یہ آواز p تھی۔

اس طرح ہم پہلے فونیموں کی اور بعد میں لفظوں کی باز تعمیر کر دیتے ہیں۔ ہم اس مفروضے پر چل رہے ہیں کہ ابتدائی زبان میں دو متبادل آوازیں، دو متبادل الفاظ یا دو بولیاں نہیں تھیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی ہند یورپی زبانیں یا اُن کے آبا میں یک رنگی نہیں۔ ہمارا یہ مفروضہ صحیح نہیں کہ دختر زبانوں میں جو مشابہتیں ہیں وہ سب مادر زبان کی میراث ہیں جو اختلاف ہیں وہ سب مادر زبان سے جدا ہونے کے بعد کی ترمیمیں ہیں حالانکہ بہت ممکن ہے کہ مادر یا ابتدائی زبان ہی میں دو روپ رائج رہے ہوں یا یہ کہ ابتدائی زبان کے اس علاقے میں یہ روپ اور اُس علاقے میں وہ روپ رہا ہو۔

3۔ تقابلی طریقے میں یہ بھی مان لیا جاتا ہے کہ مادر زبان سے دختر زبان کسی خاص وقت میں یکا یک پھٹ کر علیحدہ ہو گئی جس کے بعد اسے ساتھ کی خواہر زبانوں کی تبدیلیوں سے کوئی تعلق نہ رہا۔ اس سوچ میں تین خرابیاں ہیں۔

1۔ اوّل تو ایک زبان سے دوسری زبان یکا یک نہیں پھٹتی۔ مادر زبان اور دختر زبان کہنے سے

غلط فہمی ہوسکتی ہے۔ دراصل مادر اور دختر زبانیں ایک سلسلہ ہیں جس طرح سانپ کی گردن کا تعین نہیں ہوسکتا کہ کہاں گردن ختم ہوتی ہے اور کہاں کمر شروع ہوتی ہے اسی طرح زبانوں کا ارتقا ہے۔

ب۔ ایک مادر زبان سے کئی دختر زبانیں ایک ہی وقت میں جدا نہیں ہوتیں ایک شق اب ہوتا ہے تو دوسرا ایک صدی بعد ہو سکتا ہے۔

ج۔ ہم یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ وقت کے ایک نقطے میں رہتے ہوئے خواہر زبانیں ایک دوسرے سے بالکل آب بند خانوں میں جدا رہتی ہیں۔ یہ صحیح نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی آوازوں اور لفظوں کو متاثر کریں۔

اگر کسی مادر زبان کی دختر زبانوں میں تمام روپ، مشابہتیں اور اختلافات باقاعدگی کے ساتھ ملتے رہیں تو تقابلی طریقہ کامیاب ہوتا ہے اور مادر زبان کے روپوں کی باز تعمیر آسانی سے ہو جاتی ہے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ عام اصولوں کے برخلاف کچھ ایسے روپ ملتے ہیں جو علیحدہ ڈگر پر چلتے ہیں۔ ان کی جداروی کی یہ وجوہ ہوسکتی ہیں۔

1۔ یہ مختلف روپ شاید کسی دوسرے لفظ کی مماثلت پر بعد میں بنے ہوں۔

2۔ یا یہ کسی دوسری زبان سے مستعار لیے گئے ہوں۔

3۔ یا یہ ممکن ہے کہ مادر زبان ہی میں یہ مختلف روپ رائج رہے ہوں۔

مثلاً لاطینی خاندان[1] کی زبانوں میں شراب، کپڑا، دیوار، گرہ کے معنی کے الفاظ کا مقابلہ کیجیے تمام زبانوں میں ایک لفظ کے مترادف میں درمیانی مصوتے یکساں ہیں۔ مچھلی اور گلا (throat) کے ہم معنی لفظ لیجیے تو فرق ملتا ہے یعنی سارڈینیائی میں مچھلی کے لفظ میں وسطی مصوتہ [i] ہے جب کہ باقی سب میں [e] ہے اور گلے کے مترادفات میں سارڈینیائی اور رومانیائی (رومانیہ کی زبان) میں [u] آتا ہے جب کہ بقیہ سب [o] ہے۔ یہ انحرافات کیوں؟ خوش قسمتی سے ان کی مادر زبان لاطینی تحریری شکل میں محفوظ ہے۔ اس میں ان دونوں اختلافی روپوں سے مماثل صورتیں پائی جاتی ہیں۔

لیکن جن زبانوں کی مادر زبان تحریری شکل میں موجود نہ ہو وہاں کسی طرح باز تعمیر کی

1۔ Robert Hall - Introductory Linguistics

جائے۔ اسم کے بعض تصریفی لاحقے جرمن اور بالٹوسلافی زبانوں میں م رکھتے ہیں بعض دوسری ہند یورپی زبانوں مثلاً سنسکرت لاطینی میں بھو رکھتے ہیں اور یہ عام اصول کے خلاف ہے۔ اس کی کیا توجیہ کی جائے۔

ایسی مثالیں بہت کافی ملتی ہیں جن کی وجہ سے تاریخی لسانیات کے علماء بہت پریشان ہوئے ایک لفظ کے وقوع کے پورے علاقے کو نقشے پر ایک خط سے محصور کر دیا جائے تو اسے (لسانی خط) isogloss کہتے ہیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ مختلف زبانوں کے مخصوص روپوں کا (جو مشابہت یا باقاعدہ اختلاف کا نتیجہ ہوتے ہیں) لسانی خط اس زبان کے علاقے کے مطابق ہو لیکن بہت سی مثالوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ زبانوں کی علاقائی تقسیم کی حدود کہیں ہوتی ہیں اور بعض لفظوں کے پھیلاؤ کی حدود کہیں اور یعنی ایک دوسرے کو کاٹتی ہیں۔

خاندانی شجرے کے نظریے (family tree theory) سے ان اختلافات اور تضادات کی تشریح نہ ہو سکی۔ آخر 1872ء میں جوہانس شمٹ (johannes) نے ہند یورپی خاندان کی زبانوں کے رشتے پر اپنا مشہور مقالہ لکھا اور اس میں خاندانی شجرے کے مقابلے میں لہری نظریہ (wave hypothesis) پیش کیا۔ اس کے مطابق ایک مخصوص صوتی تبدیلی ایک مقام سے چاروں طرف لہر کی طرح پھیلتی ہے۔ وہ مرکز کے قریب کے علاقے میں زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔ جتنی دور بڑھتے جائیں اتنی کمزور ہوتی جاتی ہے۔ مختلف تبدیلیاں مختلف مرکزوں میں رونما ہوتی ہیں اس لیے مختلف متبادل روپوں کے لسانی خط ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک علاقے کی زبان اپنے نزدیک کے علاقے سے مماثل ہوتی ہے اور فاصلے کے ساتھ یہ مماثلت کمزور ہو جاتی ہے لیکن یہ مماثلت تمام الفاظ کے استعمال میں نہیں پائی جاتی۔

شجرے کے نظریے میں ایک زبان کے تنے سے یکایک دوسری زبان کی شاخ پھوٹتی ہے۔ لہری نظریہ میں تبدیلیاں ملی جلی ہوتی ہیں۔ شجرے کے نظریے کی صحت سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اس میں جو ایک مخصوص نقطے میں ایک شاخ کی یکایک علیحدگی جو فرض کی جاتی ہے اس میں لہری نظریے سے ترمیم کی جا سکتی ہے۔

تقابلی طریقے سے ابتدائی الفاظ کی بازتعمیر سے بہت سی غیر لسانی معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں ایک مادر زبان سے دوسری دختر زبان کے پھوٹنے کے اوقات سے ہم لسانی گروہوں کے نقلِ وطن کی ترتیب سے واقف ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم ایک ماخذ زبان کی تعمیر کر کے

اس کے اوپر کی ماخذ زبان تعمیر کرتے ہیں اور اس کے بعد اس سے اوپر کی۔ جوں جوں ہم اوپر یعنی ماضی میں پیچھے کو بڑھتے جائیں گے تینوں تیوں تعمیر شدہ الفاظ کی تعداد کم ہوتی جائے گی۔

ابتدائی ہندی یورپی کی مشتق زبانوں (یونانی، لاطینی، سلاف، جرمانی وغیرہ) میں برف کا بہ طور اسم اور فعل کے بہت ذکر ہے۔ ہندوستان کے میدانوں میں برف نہیں ہوتا اس لیے ہم ہندوستان کو ابتدائی ہند یورپی لوگوں یعنی آریوں کا وطن اوّل نہیں قرار دے سکتے۔ مختلف زبانوں میں مختلف جانوروں اور پیڑوں کے ناموں کے معنی میں فرق ملتا ہے یعنی ایک نام کے معنی ایک علاقے میں کچھ اور دوسرے میں کچھ ہوتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کہاں کون سے پیڑ اور جانور تھے اور کہاں وہ نہیں تھے۔ کسی زبان میں ان ناموں کے وقوع کی کمی اور وفور سے بھی اسی قسم کا نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔

رشتوں، اوزاروں، ہتھیاروں، ابتدائی کاموں مثلاً کاٹنا، سینا، بننا، چیز فصلوں، پالتو جانوروں وغیرہ کے الفاظ سے ایک لسانی علاقہ کی تہذیبی حالت معلوم ہوتی ہے۔

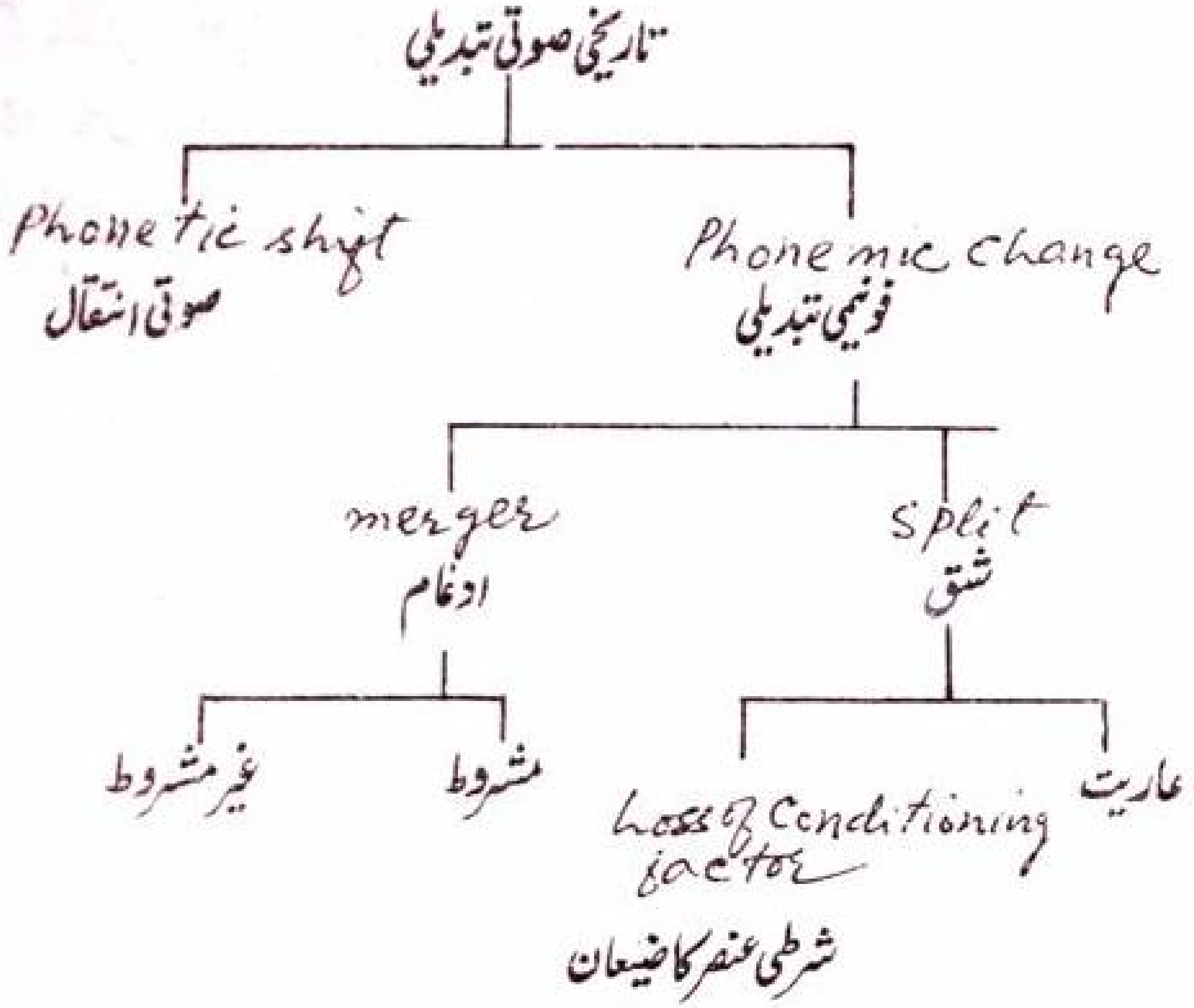
تاریخی طریقہ

اس کا دوسرا نام داخلی بازتعمیر Internal reconstruction کا طریقہ ہے۔ بعض اوقات ایک زبان کے اندر بعض باضابطگیاں ملتی ہیں۔ اس زبان کے دوسرے روپوں سے ان کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ اصلاً کیا رہے ہوں گے مثلاً سنسکرت کے ماضی مکمّل (ماضی قریب) کا صیغہ اکثر مادّے کے پہلے مصمتے یا مصمتوں کی تکرار سے ظاہر ہوتا ہے لیکن ھکاری مادوں میں پہلے جزو میں ھکاریت نہیں ملتی مثلاً

ba - bhū - va وہ ہو گیا ہے

چونکہ غیر ھکاری مادّوں میں تکرار بالکل ہو بہو ہے اس لیے ہم انھیں دیکھ کر نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ سنسکرت میں یہ روپ اصلاً bha - bhū - va رہا ہوگا اپنی ہی زبان کی مدد سے بازتعمیر کو داخلی بازتعمیر یا تاریخی طریقہ کہتے ہیں۔ اس طریقے سے ابتدائی صوت اور فونیم کی بازتعمیر کی جاتی ہے مختلف زبانوں کے رشتے نہیں تلاش کیے جاتے۔

تاریخی صوتی تبدیلی کی موٹے طور پر یہ قسمیں ہیں۔



صوتی انتقال

تاریخی صوتی انتقال میں اصوات کا فونیمی ماحول بدلتا۔ مثال

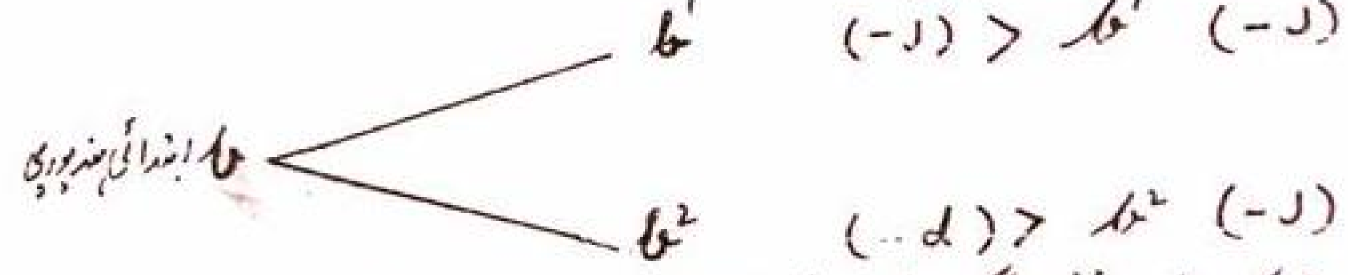
ابتدائی ہندیورپی	ابتدائی جرمانی	
p	f	
t	θ	(دلثوی صفیری تھ)
k	x	(خ)

بعض علماء اسی کو فونیمی تبدیلی کہتے ہیں۔ دراصل فونیمی کے مقابلے میں صوتی تبدیلی اسی کو کہنا چاہیے جس میں ایک فونیم کی ذیلی اصوات میں تبدیلی ہوجائے مثلاً انگریزی k، t، p کے دو ایلوفون واضح ہیں لفظ کے شروع میں مصوتے سے پہلے انھیں kh، th، ph بولا جاتا ہے اور دوسرے موقعوں پر بغیر ہکاریت کے۔ ہندوستان میں ہم ابتدا میں بھی بغیر ہکاریت کے بولتے ہیں یعنی ایک ایلوفون کی جگہ دوسرا ایلوفون۔ یہ فونیمی تبدیلی ہے۔ عرفِ عام میں صوتی اور فونیمی تبدیلی میں فرق نہیں کیا جاتا۔

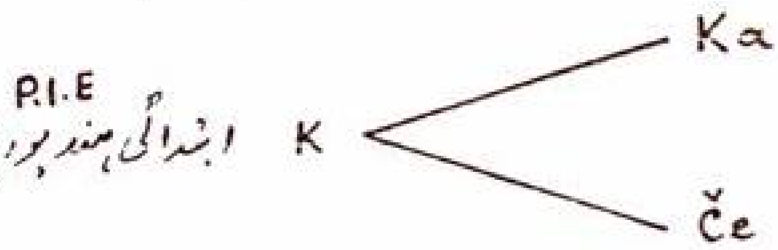
فونیمی تبدیلی کی دونوں قسموں پر ایک ایک کرکے نظر کی جاتی ہے۔

شقق

فرض کیجیے ایک فونیم ب ہے۔ اس کی ایک ذیلی صوت ب¹ (قبلِ ج) آتی ہے اور دوسری ذیلی صوت ب² (قبلِ د) آتی ہے۔ اگر بعد میں ب² بھی قبلِ ج آنے لگے تو دونوں ذیلی اصوات ایک ماحول میں آگئیں اور اس طرح دو فونیم وجود میں آگئے یعنی دو مختلف ایلوفون فونیم بن گئے۔ چارٹ کی شکل میں دیکھیے



اب ب² ایک علیحدہ فونیم ہوگیا جس کا نام بھی غالباً بدل جائے گا۔ چونکہ اس کا شرطی عنصر (کہ یہ د سے پہلے آتا تھا) معدوم ہوگیا اس لیے کسی لفظ میں یہ طے کرنا مشکل ہے کہ کہاں اصل ب تھا اور کہاں کوئی دوسری آواز۔ ایسی صورت میں داخلی باز تعمیر ممکن نہیں۔ مثال ملاحظہ ہو۔



ک شق ہوکر ک اور چ میں رونما ہوا۔ ک a کے پہلے اور چ e کے پہلے آتا تھا۔ سنسکرت میں یہ فرق جاتا رہا۔ اب ک اور چ دونوں کسی بھی مصوتے کے پہلے آسکتے ہیں اس طرح شرطی عنصر کے ضیعان کے بعد سنسکرت میں چ والے الفاظ کو دیکھ کر طے کرنا مشکل ہوگا کن میں ابتدائی ہند یورپی میں ک تھا اور کون سے الفاظ میں چ کسی اور ماخذ سے آیا ہے۔

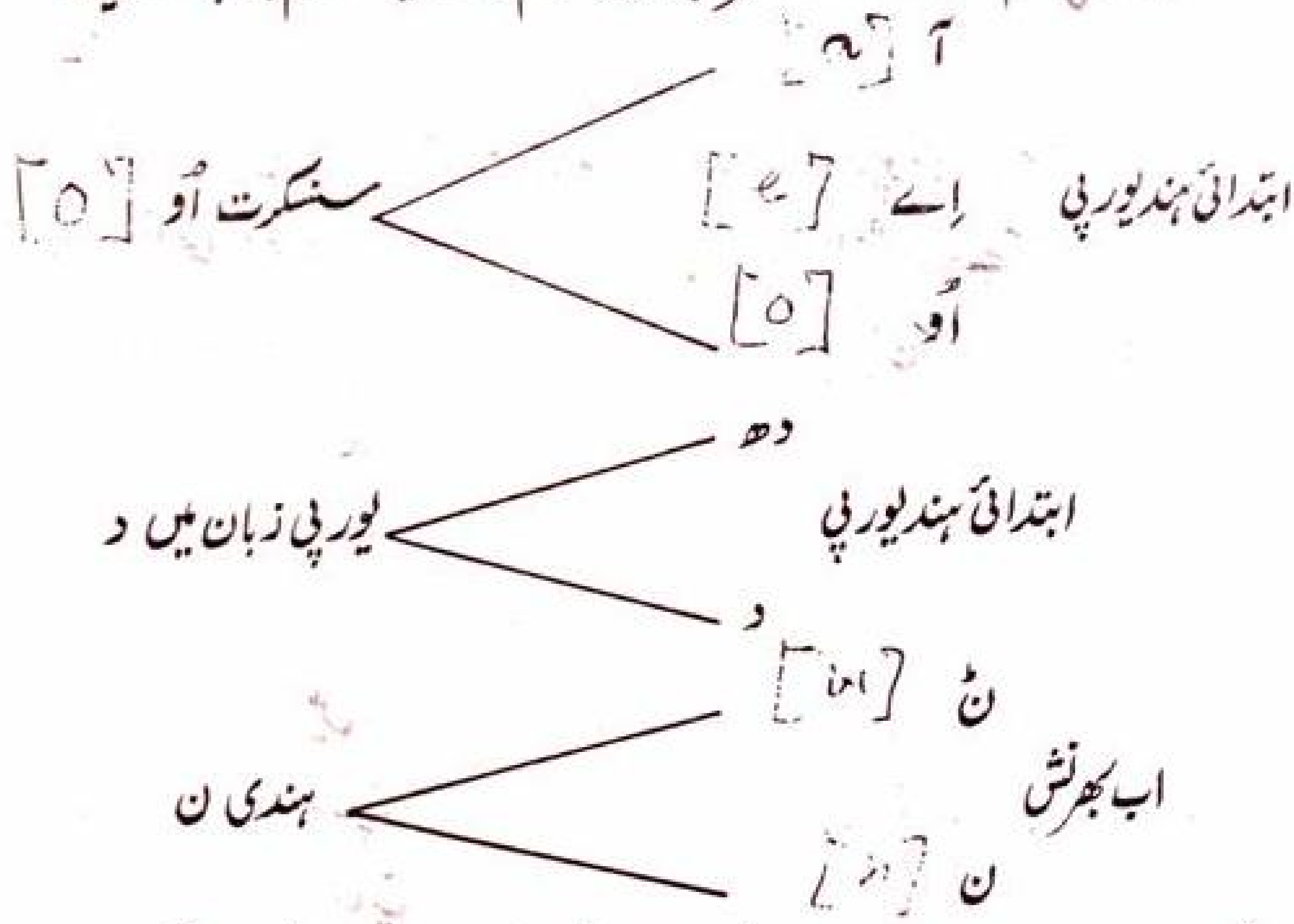
لہ > اور < یہ دو علامتیں ہیں یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ کون سا روپ کس سے نکلا ہے یا کیا ہوگیا۔ انگریزی عبارت میں < کے معنی ہیں Developed form اور > کے معنی ہیں became کے۔ مثلاً [illegible] > [illegible] کے معنی ہیں کہ [illegible] بدل کر [illegible] ہوگئی اور [illegible] < [illegible] کے معنی ہیں کہ [illegible] ماخوذ ہے [illegible] سے۔ اردو تحریر میں ان نشانوں کا رخ بدل جائے گا۔ زاویے کا نقطہ بعد کے روپ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

عاریت

اس سے بھی بعض اوقات فونیم شق ہو جاتے ہیں۔ کسی دوسری زبان سے لفظ مستعار لیا جائے اور اس لفظ کی بدولت حصولی زبان کے کسی فونیم کی دو ذیلی اصوات ایک ہی ماحول میں آجائیں تو اس طرح بھی حصولی زبان کے ایک فونیم سے دو فونیم جنم پا جائیں گے۔

غیر مشروط ادغام

مادر زبان کے فونیم بعض اوقات دختر زبان میں مدغم ہو کر ایک فونیم بن جاتے ہیں۔



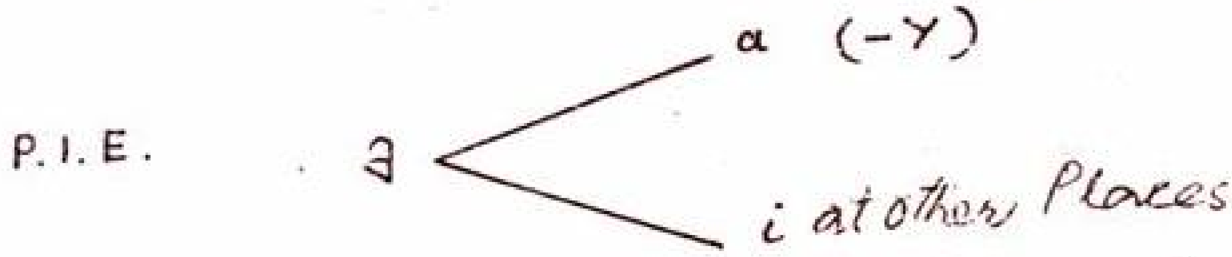
پراکرت اور اپ بھرنش کا ण کھڑی بولی کے 'ن' میں مدغم ہو گیا ہے۔ کچھ ہندی علما پر تکلف تحریر میں ڻ کا استعمال بھلے ہی کریں۔ ہندی کی بول چال میں اب ڻ والے الفاظ کو 'ن' ہی سے بولا جاتا ہے مثلاً برہمن۔ چوان۔ بینا

یہ تمام مثالیں غیر مشروط ادغام کی ہیں جسے مکمل ادغام بھی کہہ سکتے ہیں۔

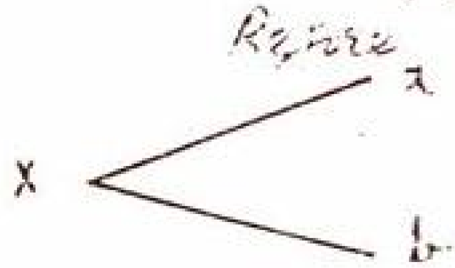
مشروط ادغام

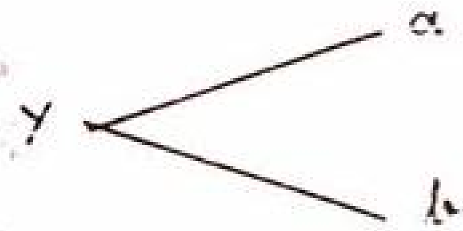
اس کی ذیل کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

لا:۔ جہاں قدیم تر فونیم معدوم ہو جاتا ہے۔
ب:۔ جہاں قدیم تر فونیم باقی رہتا ہے۔ صرف اس صورت میں داخلی باز تعمیر کا اطلاق ممکن ہے۔ دونوں کی مثالیں دیکھیے۔

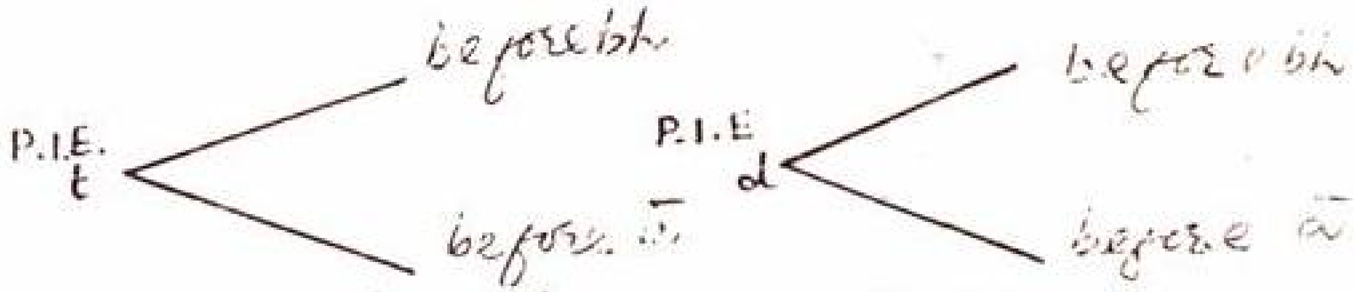


چونکہ یہاں پہلے کا فونیم معدوم ہو گیا داخلی باز تعمیر سے اسے دریافت کرنا ممکن نہیں ہے۔ شرط اور عام کی دوسری شکل یہ ہو سکتی ہے۔





اس طرح xA و xb و ya و yb چار صورتیں ہوئیں۔ ہو سکتا ہے a سے پہلے آنے والا x یعنی xA ایلوفون y میں مدغم ہو جائے۔ اس صورت میں تین شکلیں برقرار رہیں گی xb و ya و yb یہاں باز تعمیر سے xa کو دریافت کرنا ممکن ہے۔ اس کی واقعی مثال دیکھیے۔



اس طرح ت کے دو ایلوفون تھے اور د کے دو۔ سنسکرت میں آکر ت بھ دبھ میں مدغم ہو گیا یعنی سنسکرت میں بھ کے قبل ت نہیں آسکتا۔ ہمیشہ بھ ہی آتا ہے۔ چنانچہ مارتا (marutā) میں آ سے قبل ت ہے لیکن مارُد (marud-bhi) میں بھ سے قبل د ہے۔ اگر پوری گردان کو دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ صرف بھ کے قبل د آیا ہے بقیہ جگہوں پر ت

آیا ہے۔ جس فونیم کا وقوع محدود ہو گیا ہو وہ قبل تر کے روپ کی نمائندگی کرتا ہے اس طرح اندازہ ہو جاتا ہے کہ اصلاً ان الفاظ میں ت رہا ہو گا۔

دوسری مثال:۔ جرمن زبان میں مصدر Bunde [bunt] کے معنی ہیں یک جا ہونا۔ صفت bunte [bunt] کا تلفظ بھی وہی ہے۔ جرمن زبان میں لفظ کے آخر میں d نہیں آسکتا۔ وہ خواہ d لکھا جائے لیکن t بولا جاتا ہے۔ اس لفظ کی تمام گردان (paradigm) دیکھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ اصلاً یک جا ہونا کے معنی میں مصدر کا تلفظ [bund] رہا ہوگا۔ d بعد میں t میں بدل گیا۔

تیسری مثال:۔ بعد کے یونانی میں مصوتوں کے بیچ میں t بدل کر s ہو جاتا ہے مثلاً

eiti > eisi

اس لفظ کی گردان کے دوسرے الفاظ کو دیکھ کر معلوم ہو جائے گا کہ eisi میں s بعد کی ترمیم ہے۔ اصلاً یہاں t تھا۔

بعض اوقات ادغام صفر کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً قدیم یونانی میں مصوتوں کے بیچ آنے والا s صفر میں بدل جاتا ہے (یعنی ختم ہو جاتا ہے)

genes-sé > gene-os

جب لاحقہ s، بدل کر os ہو گیا تو genes کا s بین المصوتین ہو گیا اس لیے وہ ساقط ہو گیا یا صفر میں مدغم ہو گیا۔ جب ایک صوتیہ گردان کے بعض الفاظ میں موجود رہے اور بعض میں معدوم ہو تو ابتدائی روپ میں یہ موجود رہا ہوگا۔ مثلاً مندرجہ بالا لفظ gene نہیں genes تھا۔

داخلی باز تعمیر سے کسی فونیم یا ایلو فون کے وقوع کی تحدید (Limitation) دکھائی دے جاتی ہے۔ وہ ماحول معلوم ہو جاتا ہے جس میں وہ صوتیہ یا ایلو فون غائب ہوتا ہے۔ ابتدائی زبان میں اس کا غیر مبدّل روپ تعمیر کیا جا سکتا ہے۔

مشروط ادغام سے باز تعمیر کی دو شرائط ہیں

1۔ لفظ کی پوری گردان سامنے ہونی چاہیے کیونکہ داخلی باز تعمیر پوری گردان (Paradigm) کو دیکھ کر ہی بخوبی کی جا سکتی ہے۔

2۔ ادغام مارفیموں کی ترکیب ہی میں سامنے آتا ہے یعنی تصریف یا استخراج سے پیدا کی ہوئی مارفیمی

حد ہیں۔

جو روپ منفرد قسم کے ہوتے ہیں (مثلاً انگریزی میں frost sodden وغیرہ) ان میں داخلی باز تعمیر کے لیے بعض مفید شہادتیں محفوظ رہ جاتی ہیں لیکن ان میں کمی یہ ہوتی ہے کہ ان میں مارفیمی حدود اور مارفونیمی (صرف صوتی) تبدیلیوں کا پتہ نہیں ہوتا۔ جو مارفیم بہت زیادہ استعمال میں آتے ہیں ان کی گردان میں بھی بعض قابلِ اعتماد شہادتوں کا کھوج مل سکتا ہے۔

جو صوتی تبدیلیاں فونیموں کے تقابل (contrast) کو ختم کر دیتی ہیں وہ صوتی ڈھانچے پر شدید اثر ڈالتی ہیں۔ فونیمی ادغام کی صورت میں یہی ہوتا ہے اس لیے یہ فونیمی شق سے زیادہ اہم ہے۔

اگر مارفیمی گردان صحیح طور پر فراہم ہو تو بعض معدوم شدہ فونیم داخلی باز تعمیر سے دریافت کیے جا سکتے ہیں مثلاً بیشتر ابتدائی ہند یورپی مادّوں میں دو مصمتے ہوتے ہیں جیسے بھیر: لے جانا لیکن بعض مادوں میں ایک ہی مصمتہ ملتا ہے مثلاً ah : مقام۔ میں 1879ء میں ساسور نے داخلی باز تعمیر کی بنا پر یہ خیال ظاہر کیا کہ دوسرے مادّوں کی طرح اصلاً ان یک مصمتی مادّوں میں بھی دو مصمتے رہے ہوں گے۔ جب کریلووِز[2] (Kurylowiez) نے ہٹائٹ کی تفصیلات پیش کیں تو ان سے بعض وہ مصمتے مل گئے جن کی ساسور نے نشان دہی کی تھی۔ اس طرح داخلی باز تعمیر کے نتائج قابلِ اعتماد ثابت ہو گئے۔

داخلی باز تعمیر سے صوت اور فونیم کے علاوہ مارفیم اور معنی کی بھی باز تعمیر ممکن ہے مثلاً مارفیم کی باز تعمیر دیکھیے

Luck, Lucky, Luckless
air, airy, airless
x, happy, hapless

اس سے ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ کسی زمانے میں happy کا مادّہ hap رہا ہوگا۔

---

[1] Lehman: Historical linguistlics: P 101

[2] Hoenigswold: Language change P: 69

اس طرح steady, steadfast, bed-stead-instead

وغیرہ کو دیکھ کر طے کیا جا سکتا ہے کہ steady کا مادہ stead رہا ہوگا۔ اردو میں دیکھیے

پڑنا ۔ پڑا ۔ پڑی ۔ پڑے

جڑنا ۔ جڑا ۔ جڑی ۔ جڑے

x ۔ کھڑا ۔ کھڑی ۔ کھڑے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی دور میں 'کھڑنا' بھی کوئی مصدر رہا ہوگا۔ اور پنجابی زبان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ وہاں یہ مصدر ہے۔

داخلی باز تعمیر سے بعض لفظوں کے معنی سمجھنے میں بھی سہولت ہوتی ہے۔ بعض لفظ یکہ و تنہا (Hapax) ہوتے ہیں۔ ایک موقع کے سوا اور کہیں استعمال میں نہیں آتے مثلاً انگریزی میں burnt ایک محاورے 'to bear the burnt of' آتا ہے۔ اس کے ماحول کا ہم معنی ماحول سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنی Attack ہیں۔

کثیر معنوی الفاظ کی تہہ داری کی گرہیں بھی داخلی باز تعمیر سے کھل سکتی ہیں مثلاً انگریزی لفظ بورڈ کے کتنے مختلف معانی ہیں۔ اس کے بنیادی معنی لکڑی کا تختہ ہیں۔ ہم اس کے مختلف ماحولوں کی تعمیر کریں تو اس لفظ کے مختلف معنوں کی وجوہ بھی صاف ہو جائیں گی۔ پانی کا جہاز اور کشتی لکڑی کے تختوں سے بنتی تھی اس لیے on board , to board کے محاورے بنے اور لطف یہ ہے کہ یہ لفظ ریل اور بس وغیرہ کے لیے بھی استعمال ہونے لگا۔ میز لکڑی کے تختے سے بنتی ہے اس لیے ایک طرف کانفرنس کی میز کے اعتبار سے بورڈ 'کمیٹی' کے معنی میں ہوگیا مثلاً میونسپل بورڈ، ایجوکیشن بورڈ، الکٹرسٹی بورڈ۔ دوسری طرف کھانے کی میز کے اعتبار سے بورڈنگ کے معنی کھانا کھانے کی جگہ ہوگئے۔

یوں ان صورتوں سے قطع نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ داخلی باز تعمیر زیادہ تر فونیمی اور صرفی روپوں کی دریافت کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

داخلی اور تقابلی دونوں قسم کی باز تعمیر میں کچھ خوبیاں اور خرابیاں ہیں۔ داخلی یا تاریخی طریقہ

1۔ Hoenigswald :- Language change P69

اس مفروضے پر مبنی ہے کہ ایک زبان میں اب جو فونیم ایک دوسرے کے مقام پر آتے ہیں وہ ابتدائی زبان کے اس طریقے

سے ہم فونیم کے شق کا پتہ چلا سکتے ہیں بشرطیکہ صوتیے اور اس کو متاثر کرنے والے دوسرے شرطی (Conditioning) عناصر کے بیچ مارفیمی حد واقع ہوئی ہو۔ اسی طرح اس شق سے پیدا ہونے والے ادغام کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔ داخلی طریقے کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ قدیم فونیمی شق کے نتائج کو بعد کے صوتی اجتسادات، فونیمی ضیعان اور صوتی تبدیلیوں نے مسخ نہ کر دیا ہو۔

تقابلی طریقہ اس اصول پر مبنی ہے کہ دو متعلقہ دختر زبانوں میں مشابہ صوتیوں کے سلسلے ماخذ زبان کے ایلوفونوں کی نشاں دہی کرتے ہیں۔ اس لیے تقابلی طریقے میں فونیمی تجزیے کے اصولوں کی مدد سے قدیم صوتیوں کی تشکیل کی جا سکتی ہے۔ داخلی باز تعمیر غیر مشروط ادغام کے سامنے ہتھیار ڈال دیتی ہے لیکن تقابلی طریقہ ادغام بھی لے دست و پا نہیں رہتا۔

ان دونوں طریقوں کو ملا کر کام میں لانا بھی ممکن ہے۔ دو زبانوں میں مماثل روپوں کے جوڑے لیے جائیں اور اُن پر داخلی باز تعمیر کا عمل لاگو کیا جائے۔ باز تعمیر کے یہ دونوں طریقے ہمیں تاریخ میں اتنی دور لے جاتے ہیں جتنی دور مادّی آثارِ قدیمہ کی مدد سے ممکن نہیں۔

صوتی قوانین

قدیم ہند آریائی زبانوں کی تاریخی اور تقابلی مطالعے سے باز تعمیر کی گئی تو معلوم ہوا کہ ایک مادر زبان سے اس کی دختر زبان میں بعض اصوات بڑی باقاعدگی سے بدلتی ہیں۔ ان صوتی تبدیلیوں اور صوتی مطابقتوں میں جو اصول مضمر تھے اُنھیں دریافت کیا گیا اور اُنھیں صوتی قانون کا نام دیا گیا چنانچہ صوتی قانون کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے۔

"اگر مشاہدے اور تقابلی مطالعے سے یہ دریافت ہو کہ ایک لسانی گروہ کی، ایک دور کی زبان میں، کوئی فونیم، اس گروہ کے کسی دور یا ادوار کی زبان کے، متوازی فونیم سے باقاعدہ مطابقت رکھتا ہے تو اِس مطابقت کا قرار واقعی بیان صوتی قانون کہلاتا ہے[1]۔"

1- Gray: Foundation of Language P.75

دراصل صوتی قانون میں محض ایک صوتیے کی مطابقت پر اکتفا نہیں کی جاتی بلکہ متعدد صوتیوں کی مطابقت کا بیان کیا جاتا ہے۔ ان مطابقتوں کے لیے صوتی قانون کا لفظ مناسب ہے کہ نہیں اس پر بحث کرنے سے قبل ہم کچھ مشہور صوتی قوانین کا سرسری تعارف پیش کریں گے۔

سب سے پہلے ہنگری کے عالم S. Gyarmathi نے 1799ء میں فنواگری خاندان کی زبانوں میں ایسی مطابقت کا پتہ چلایا۔ اس کے بعد 1814ء میں ڈنمارک کے عالم راسمس راسک (Rasmus Rask) نے اور 1816ء میں جرمن عالم Franz Bopp نے ہندیورپی کی ایسی مطابقتوں کی نشاں دہی کی۔ ان کی بھرپور تشریح اور تدوین یاکوب گرم (1785 تا 1863) نے کی۔ اسی کے نام پر پہلا مشہور صوتی قانون ہے۔

گرم کا قانون

اس قانون کی پہلی شکل راسک اور Ihre نے بیان کی تھی۔ گرم نے اسے مکمل کیا۔ اس نے 1819ء میں اپنی جرمن گرامر شائع کی۔ یہ جرمن زبان کی قواعد نہیں تھا بلکہ جرمن خاندان کی زبانوں کا تقابلی مطالعہ تھا۔ 1822ء میں اس نے دوسرا ایڈیشن شائع کیا جس میں راسک سے استفادہ کرکے اس نے چھ سو صفحات میں اپنے قانون کی تفصیل پیش کی۔ اس نے اپنی قواعد کی تین مزید جلدیں 1826، 1831 اور 1837ء میں پیش کیں۔

اس قانون میں ہندیورپی خاندان کی دو بڑی صوتی تبدیلیوں (Shifts) کا انکشاف کیا گیا ہے۔ پہلی تبدیلی ہندیورپی سے ابتدائی جرمانی (ٹیوٹانک) میں ہوئی۔ یہ قبل تاریخ دور میں ہوئی ہے۔ دوسری تبدیلی ابتدائی جرمانی سے اس کی دو شاخوں نشیبی جرمن (Low German یعنی انگریزی وغیرہ) اور فرازی جرمن (High German یعنی موجودہ جرمن) میں ہوئی۔ ابتدائی جرمانی کا بہترین نمونہ مشرقی جرمنی کی قدیم معدوم زبان گوتھک میں ملتا ہے۔ مغربی جرمنی میں شمال کے میدانوں میں علاقے کی بولیوں کو نشیبی جرمن کہا گیا اور جنوب کے پہاڑی علاقوں کی زبان کو فرازی جرمن۔ ابتدائی جرمانی سے نشیبی اور فرازی جرمن کی تقسیم ساتویں صدی عیسوی میں ہوئی جب کہ نشیبی جرمن بولنے والے اقوام ملک جرمنی سے ہجرت کر چکی تھیں۔ نشیبی جرمن کی بہترین نمائندہ انگریزی ہے۔ ابتدائی جرمانی، گوتھک اور نشیبی جرمن میں کوئی بڑا فرق نہیں لیکن

فرازی جرمن کی آوازیں بدلی ہوئی ہیں۔

مختلف کتابوں میں گرم کے قانون کے جو جدول ملتے ہیں اُن میں کسی قدر اختلاف پایا جاتا ہے۔ ذیل میں گرے کے مطابق ان تبدیلیوں کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے اس چارٹ میں بعض آوازیں صوتی خط میں لکھی گئی ہیں ان کی وضاحت یہ ہے۔

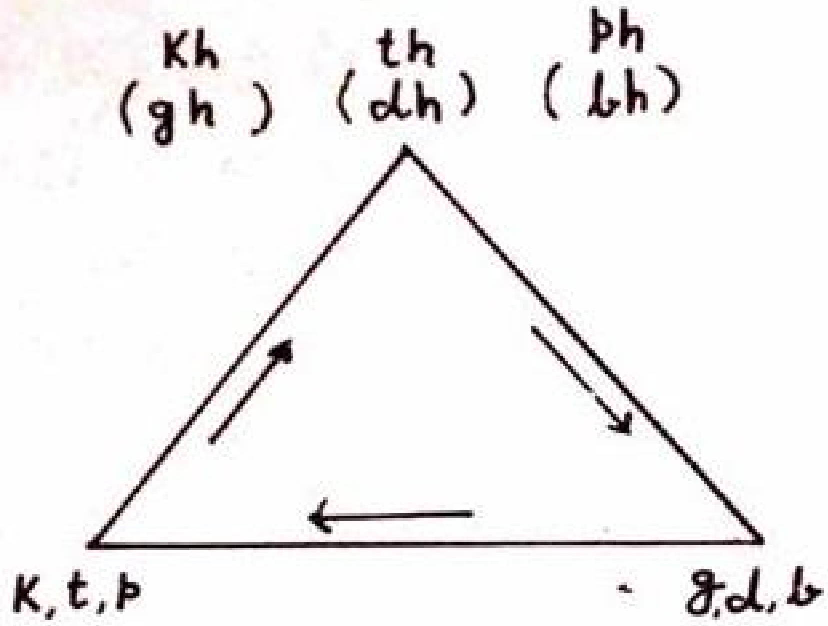
ɸ = دو لبی ف ۔ θ = صفیری تھ جو انگریزی کے Think میں آتا ہے۔

ð = صفیری د جیسی آواز جو انگریزی کے that میں آتی ہے۔

β = صفیری ب جیسی آواز　　x = خ　　ɣ = غ صفیری

فرازی جرمن	< نشیبی جرمن	< ابتدائی جرمانی	< ہندیورپی
ɸ	ɸ	ɸ	p
d	θ	θ	t
h	h	k	k
p	b	β	bh
t	d	ð	dh
k	g	ɣ	gh
pf	p	p	b
ts	t	t	d
kx	k	k	g

تاراپور والا نے گرم کے قانون کو ایک مثلث کی شکل میں درج کیا ہے۔ اس مثلث میں کسی زاویے سے تیر کے رخ چل دیجیے پہلے زاویے کی آوازیں ہندیورپی ہوں گی تو اس سے اگلے زاویے میں دوسرا صوتی انتقال سامنے آئے گا اور وہ فرازی جرمن کی آوازوں کی نمائندگی کرے گا۔ مثلث یہ ہے



اس میں اور گرے کے نقشے میں خاص فرق یہ ہے کہ گرے کے مطابق ہند یورپی کے غیر مصمتی غیر ھکاری بندشیے k، t، p بدل کر متعلقہ صفیری آوازوں کی شکل اختیار کر گئے۔ تاراپور والا کے مطابق k، t، p بدل کر ھکاری بندشیے kh، th، ph ہوگئے۔ تاراپور والا نے ایک زاویے پر غیر مصمتی ھکاری اور مصمتی ھکاری دونوں قسم کے بندشیے لکھ دیے ہیں جو التباس پیدا کرتا ہے۔

گرم کو اس قانون میں مستثنیات کا احساس ہوا تھا جو اس نے یوں بیان کیے کہ ہند یورپی مصمتی خوشوں pt، kt، sp، st، sk میں دوسری آواز نہیں بدلتی تھی اور ہند یورپی tt نشینی جرمن میں tht اور فرازی جرمن میں ss ہو جاتا تھا۔

گراس مین کا قانون

گرم کے قانون کے بعد متعدد روپ ایسے ملتے تھے جو اس کے اطلاق سے مستثنیٰ تھے۔ ان کی تاویل کے لیے 1813 میں Herman Grassmann نے اپنا قانون پیش کیا جو یہ ہے۔

اگر ہند یورپی میں کسی مادّے کے دو مسلسل صوت رکنوں میں دو مسلسل ھکاری مصمتے تھے تو ان میں سے ایک کی (عموماً پہلے کی) ھکاریت ختم ہو جاتی ہے۔ چونکہ یورپی زبانوں میں (یونانی کے سوا) ھکاریت ختم ہو چکی ہے اس لیے اس قانون کا عمل صرف یونانی اور ہند ایرانی میں دیکھنے میں آتا ہے۔ مثلاً

ہند یورپی مادّے dheg"he (جلانا) سے سنسکرت میں mida gha

(گرمی)، بنا جس میں gh بدل کر d ہوگیا ہے۔ سنسکرت ہی میں ایک لفظ دھک شیاتی (وہ جلائے گا) بنا جس میں پہلے مصمتے میں ہ کاریت ہے تو دوسرے میں نہیں۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ابتدائی ہند یورپی کے بھ، دھ، گھ غیر ہکاری ہوکر یونانی میں k, t, p بنتے ہیں لیکن سنسکرت میں ب، د، گ۔ اس کے معنی ہیں کہ ہند ایرانی اور یونانی میں ہ کاریت کا ضیاع ایک دوسرے سے آزادانہ ہوا۔

ورنر کا قانون Verner

چوتھی صدی عیسوی میں مصنفہ اور چھٹی صدی عیسوی میں مکتوبہ ایک گاتھک مخطوطے میں باپ کے لیے لفظ faðar لکھا ہے۔ جرمانی خاندان کی مختلف زبانوں کے تقابل سے دریافت ہوا کہ ابتدائی جرمانی میں بھائی کے لیے برو تھر [bro: θer] تھا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ فاڈر میں صفیری تھ [θ] کی جگہ d کیوں ہے۔ اس پر ڈنمارک کے ایک ماہرِ لسانیات کارل ورنر نے 1875ء میں غور کرکے مقالہ لکھا جو 1876ء میں شائع ہوا۔ اس میں ورنر کا قانون درج ہے۔ جرمن زبان میں قدیم ہند یورپی کے k, t, p کے مقابلے پر جن لفظوں میں مصمتی g, d, b آتے ہیں وہ گرم کے قانون کے خلاف ہے۔ ورنر نے تقابلی مطالعے کے بعد اُن کی تاویل کے لیے یہ قانون پیش کیا۔

1- "اگر ابتدائی ہند یورپی میں k, t, p کے پہلے بغیر بل کا مصوتہ یا جزو اول مصوتہ ہے تو جرمانی میں یہ آوازیں g, d, b ہو جاتی ہیں۔"

چونکہ لفظ میں کہیں نہ کہیں بل ضرور ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر ابتدائی ہند یورپی میں k, t, p سے فوراً ماقبل مصوتے پر بل ہے تو گرم نے خانوں کا اطلاق ہوگا اور اگر ماقبل مصوتہ بغیر بل کے ہے اور بعد کے مصوتے پر بل ہے تو یہ g, d, b بدل کر جرمانی میں k, t, p ہو جائیں گے۔

2- گرم نے s کو ابتدائی ہند یورپی، ابتدائی یا قبل جرمانی، نشیبی، جرمن اور فرازی جرمن سب میں بغیر تبدیلی کے فرض کیا تھا۔ ورنر نے بتایا کہ اس کی بھی یہ کیفیت ہے کہ اگر ابتدائی ہند یورپی میں اس سے قبل کا مصوتہ بغیر بل کے ہے تو ہند یورپی s ابتدائی جرمانی میں [r] اور اس کے بعد نشیبی اور فرازی جرمن میں r, z ہو جاتا ہے۔

3- ورنر نے یہ بھی بتایا کہ اگر ابتدائی ہند یورپی میں k, t, p کے قبل s ہو یعنی

sk، st، sp آتے ہوں تو یہ آوازیں جرمن میں بغیر تبدیلی کے k، t، p ہی رہیں گی۔

ورنر قانون بہت مفید ثابت ہوا۔ اس سے زیادہ مستثنیٰ کا حل ہوگیا۔

تالوئی قانون

انیسویں صدی میں سنسکرت سے مسحور ہوکر ایک عام عقیدہ ہوگیا تھا کہ یہ قدیم ترین زبان ہے اور اس کی آوازیں ابتدائی ہند یورپی سے نزدیک ترین ہیں۔ اس کے بعض لفظوں میں جہاں چ، ج ہیں وہاں یونانی وغیرہ میں ک، گ ہیں۔ یہ خیال ہوا کہ سنسکرت چ، ج ابتدائی ہند یورپی کے نمائندے ہیں لیکن دوسری زبانوں میں اُن کے ک، گ بن جانے کی وجہ نظر نہ آتی تھی۔ 1877ء میں ولیم ٹامسن نے اپنا مقالہ لکھا جو 1920ء میں کوپن ہیگن میں شائع ہوا۔ اس میں ٹامس نے طے کیا کہ ہند ایرانی میں ایک اگلا مصوتہ [æ] بھی تھا۔ اس کے پہلے جب ک، گ آتے ہیں تو تالویا کر سنسکرت میں چ، ج ہو جاتے ہیں یعنی یونانی وغیرہ کے ک، گ اصلی ہند یورپی آوازیں ہیں اور سنسکرت کے چ، ج ترمیم شدہ ہیں۔ اِس کو تالوئی قانون کہتے ہیں۔ اسی عہد میں جوہنس شمٹ نے یہی بات کہی اور تقریباً اسی وقت ساسور نے بھی یہی کہا۔

اس طرح معلوم ہوا کہ بعض مصمتوں کے معاملے میں یونانی زبان سنسکرت سے زیادہ فرسودہ ہے۔

Bartsch's Law

مندرجہ بالا قوانین کے علاوہ مختلف زبانوں کے اور بہت سے صوتی قانون ہیں جو ایک دو آوازوں کی تبدیلی کا بیان کرتے ہیں۔ اُنھیں میں سے ایک Karl Bartsch (1832ء تا 1888ء) کا قانون ہے کہ لیٹن کی بل دار قدیم فرنچ میں مندرجہ ذیل قاعدے کے مطابق بدلتی ہے۔

الف:۔ اگر اس کے پہلے کوئی تالوئی مصمتہ ہو اور اِس a / کے بعد اسی رکن میں کوئی مصمتہ (ca) نہ ہو تو یہ ie [tʃiɛ] میں بدلے گی مثلاً carum (بہ معنی dear) سے قدیم فرنچ میں chier [tʃiɛr] بنا۔ چونکہ یہاں ماقبل تالوئی مصمتہ چ موجود ہے اور بعد میں اسی صوت رکن میں کوئی مصمتہ نہیں اس لیے لیٹن کی

a فرنچ کی æ میں بدلی۔

ب۔ اگر ایسا نہ ہو یعنی ماحول کچھ اور ہو تو a محض é [æ] میں بدلے گی مثلاً mare (بمعنی سمندر) سے قدیم فرنچ mer [mɛr]

1848ء میں گرم نے اُملوٹ اور اَبلوٹ کے اصول دریافت کیے اُنھیں صوتی قانون کا درجہ تو حاصل نہیں لیکن جرمانی خاندان کی زبانوں کے تاریخی مطالعے میں اُن کی بھی اہمیت ہے۔ یہ حسب ذیل ہیں۔

1۔ اُملوٹ (umlaut)۔

اس کے معنی پر پورا اتفاق نہیں۔ اس کے تحت ماقبل مصوتے مابعد کے صوتی رکن کے مصوتے سے مماثل ہو جاتے ہیں چنانچہ اسے ایک طرح کی رجعتی تماثل (Regressive assimilation) سمجھیے۔ قرونِ وسطیٰ میں جرمن زبانوں میں اس طرح کی تبدیلیاں ہوئیں۔ اس کے سب سے عام نمونے یہ ہیں کہ لفظ میں بل دار پچھلے مصوتے (u، o وغیرہ) بعد میں آنے والی i، y کے اثر سے اگلے مصوتوں میں بدل گئے ہیں مثلاً

قبل انگریزی	قدیم انگریزی	جدید انگریزی
mu : si	mys	mice
fo : ti	fet	feet
go : si	ges	geese

اُملوٹ کو مصوتے کی ہم آہنگی (vowel harmony) بھی کہتے ہیں۔

2۔ اَبلوٹ (Ablaut یا Apophony)۔

جرمن زبان میں اَبلوٹ کے معنی ہیں مصوتی آواز کی تبدیلی۔ دراصل یہ مصوتے کے مختلف درجے (vowel gradation) ہیں۔ اَبلوٹ کی دو قسمیں ہیں: مقداری اور کیفیتی۔

مقداری اَبلوٹ:۔ مصوتے کے طول کے چار مدارج ہوتے ہیں۔ جو رکن کے بل سے متعین ہوتے ہیں۔ یہ مدارج 1 زیادہ طویل 2 معمولی 3 خفیف اور 4 صفر ہیں۔ معمولی طول بل دار رکن کے مصوتے پر ہوتا ہے۔ طویل طول اس صورت میں بل دار رکن کے مصوتے میں ہوتا ہے جب اصلاً اس بل دار رکن کے بعد کوئی بغیر بل کی آواز رہی ہو اور

بعد میں تاریخی ارتقا کی نذر ہو کر معدوم ہو گئی ہو۔ خفیف اور صغر طول کی بھی کچھ ایسی ہی شرائط ہیں۔ مصوتوں کے یہ مدارج ہندیورپی زبانوں کے ارتقائی دور میں تھے۔ بعد میں دوسرے عوامل کی وجہ سے ان میں گڑبڑ ہو گئی۔

کیفیتی اَبلوٹ میں مصوتہ e اور o مشتق لفظ میں اَدل بدل کر o اور e ہو لیں۔ یا ۔ ہے اور اس مشتق لفظ میں اس کا الٹا ہو جاتا ہے مثلاً لیٹن میں (میں ڈھکتا ہوں) سے toga (پہننے کا لبادہ)۔ گریم نے غلطی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ اَبلوٹ یعنی مصوتوں کے مختلف مدارج معنوی اختلافات کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ 1844ء میں ایک کم معروف ماہر لسانیات A. Holtzmann نے دریافت کر لیا تھا کہ زبانوں میں مصوتوں کی مختلف مداراج صوت رکنی بل سے متعین ہوتے ہیں معنی سے نہیں۔

چونکہ اَبلوٹ کی کارفرمائی ماضی ہی میں تھی اسی لیے اس پر مزید تفصیل سے غور کرنے کی ضرورت نہیں۔

صوتی قانون کا نزاع

سولہویں صدی میں اطالوی کلاڈیو ٹالومی Claudis Tolomei (1492 تا 1555) نے سب سے پہلے باقاعدہ صوتی تبدیلی کے بارے میں بیان دیا کہ لیٹن میں جو لفظ Pl سے شروع ہوتے ہیں وہ Tuscan میں Pi سے شروع ہوتے ہیں لیکن اسے چند مثالیں اپنے اصول کے برخلاف اطالوی ٹسکن میں Pl سے بھی شروع ہوتی دکھائی دیں۔ اس کی توجیہہ اس نے یہ کہہ کر کر دی کہ یہ مستثنیات بول چال کی زبان سے نہیں لیے گئے بلکہ اُنھیں علماء نے مصنوعی طور پر بنایا ہے تاکہ لیٹن کا انداز باقی رہے۔

اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی میں تاریخی لسانیات پر بہت کام ہوا۔ تقابلی اور تاریخی طریقوں سے کام لے کر زبانوں کے رشتے اور شجرے طے کیے گئے اور مادر زبان اور دختر زبان میں مطابقت کے اصول دریافت کیے گئے۔ دقت یہ ہوئی کہ ان اصولوں کے برخلاف بہت سی مثالیں مل جاتی تھیں۔ ان باقیات کی تاویل کے لیے کوئی اور اصول بنایا جاتا تھا۔ اس کے بعد کچھ اور مستثنیات دریافت ہوتے تھے۔ ان کی تاویل کسی اور طرح سے کی جاتی تھی۔

گرم کی مستثنیات کی تاویل گراس مین نے کی اور اس کی بھی بقیات کی ورنر نے کی۔

انیسویں صدی کی پہلی تین چوتھائی میں صوتی تبدیلیوں کی بہت کچھ مطابقت تو دکھائی دیتی تھی لیکن کچھ نہ کچھ مستثنیات کے سبب علماء نے جستہ جستہ تبدیلی (sporadic change) کا نظریہ پیش کیا کہ تبدیلی زیادہ تر الفاظ میں ہوتی ہے لیکن بعض الفاظ میں لوگ پرانا تلفظ ہی برقرار رکھتے ہیں۔ اگر اس نظریے کو مان لیا جائے تو صوتی تبدیلی یا مطابقت کا مطالعہ بالکل پھسپھسا اور غیر معتبر ہو جاتا ہے۔

1870ء کے بعد لیپزگ یونیورسٹی میں کچھ علماء نے اس پر غور کیا اور 1876 میں لیسکین (August leskien) اور کارل برگمان (Karl Burgmann) نے اپنا مشہور دعویٰ پیش کیا کہ صوتی قوانین میں کسی استثنا کا دخل نہیں ہوتا۔
Phonetic laws admit of no exception

اُنھوں نے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ صوتی تبدیلی معنی سے متاثر نہیں ہوتی۔ ان دونوں دعووں سے بالخصوص پہلے سے، پرانے ماہرینِ لسانیات بہت خفا ہوئے اور اُنھوں نے صوتی قانون کی قطعیت کو ماننے سے انکار کر دیا۔ لیسکین اور برگمان وغیرہ کو طنزاً جرمنی میں Junggrammatiker (young grammarians) کہا گیا۔ انگریزی میں اس کا ترجمہ young grammarians کیا گیا جو ایک قسم کا تضحیکی نام ہے۔ سچ یہی ہے کہ صوتی تبدیلیوں کے اس بیان کو صوتی قانون نہیں کہنا چاہیے تھا۔ یہ سائنس کے قانون کی طرح دوامی اور آفاقی نہیں یہ تبدیلیاں ایک مخصوص زبان میں مخصوص دور میں، مخصوص علاقے میں ہوئیں۔ نہ اسے پہلے ان کا اطلاق ہوا نہ اس کے بعد۔ اس لیے اُنھیں صوتی مطابقت (sound correspondence) کہنا چاہیے تھا۔ لسانی تاریخ کے ایک واقعے کو قانون نہیں کہہ سکتے۔

اِن قوانین کی قطعیت ہی نے تاریخی لسانیات کو صحیح بنیادوں پر کھڑا کیا ہے۔ جو الفاظ ان قوانین کی زد میں نہیں آتے اُن کے لیے گرے نے یہ کہا ہے[1]۔

صوتی مطابقتیں ذیل کی صورتوں کے علاوہ بغیر کسی استثنا کے کارفرما ہوتی ہیں۔

---

1 Gray: Foundation of Language P. 82

1- نامطابق لفظ کسی دوسری زبان سے مستعار لیا گیا ہو۔
2- کچھ اور مطابقتیں موجود ہوں جن کا ابھی علم نہیں اور جو مخصوص حالات میں بروئے کار آتی ہوں۔
3- مماثلت کی بنا پر روپ گڑھ لیا گیا ہو۔
4- دو بولیوں میں ٹکراؤ ہو گیا ہو۔
5- صوت نقل کے طور پر لفظ بنا ہو۔
6- قافیے کی وجہ سے بنا لیا گیا ہو۔
بلوم فیلڈ[1] کے مطابق جو روپ صوتی مطابقت سے باہر بچ جاتے ہیں۔
1- وہ اگرچہ ایک ہی مشترک آبائی ماخذ کے اخلاف ہیں لیکن ہم نے ان کا صوتی رشتہ صحیح طور پر نہیں سمجھا ہے۔
2- یا یہ ہو سکتا ہے کہ وہ نامطابق الفاظ ایک مشترک آبائی ماخذ سے نہیں پیدا ہوئے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی مشابہت حسبِ ذیل وجوہ سے ہو سکتی ہے۔
الف :- اتفاق
ب :- مادر زبان میں دو مماثل مارفیمی صیغوں کا ہونا جن سے دو قدرے مختلف مشتقات برآمد ہوئے۔
ج :- دوسرے تاریخی رشتے۔
لیسکین نے بھی ایسی تاویلوں کے پیش نظر صوتی قانونوں کی قطعیت کا دعویٰ کیا تھا۔

---

[1] Bloomfield : Language, P 352

تیرھواں باب

مارفیمی تبدیلی

قواعدی تبدیلی مارفیمی (صرفی) اور نحوی تبدیلی پر مشتمل ہوتی ہے مارفیمی تبدیلی سے مراد تصریف اور استخراج کے قاعدوں کی تبدیلی ہے۔ نئے مارفیموں کا اضافہ یا بعض مارفیموں کا ترک اس کے تحت نہیں آتا۔ مارفیمی تبدیلی کا صوتی تبدیلی سے گہرا تعلق ہے کیونکہ مارفیمی چیپیے بہت مختصر ہوتے ہیں۔ ان میں معمولی سی ردوبدل صوتی تبدیلی کا نتیجہ یا باعث ہوتی ہے۔ ساتھ ہی مارفیمی تبدیلی کا تعلق معنوی تبدیلی سے بھی ہے کیونکہ مارفیم معنوی اکائی ہے۔ اس باب میں مارفیمی تبدیلی پر غور کیا جائے گا اور اس سے اگلے باب میں نحوی تبدیلی پر۔

مارفیمی تبدیلی

حسبِ معمول ہم اس پر دو حصوں میں غور کریں گے 1۔ مارفیمی تبدیلی کے اسباب اور 2۔ اس تبدیلی کی شکلیں۔

اسباب :۔ ذیل کے اسباب آپس میں مانع نہیں ہیں اسی لیے بعض مقامات پر دو یا زیادہ اسباب کے ڈانڈے مل جاتے ہیں۔ خاص اسباب حسبِ ذیل ہیں۔

1۔ باقاعدگی اور باضابطگی کی کوشش

انسانی ذہن کی سہولت کا تقاضا ہے کہ ایک ہی مقصد کے لیے بھانت بھانت کے قواعد یاد نہ رکھنے پڑیں اس لیے وہ متبادل مارفیموں بالخصوص مارفیمیاتی چیپیوں میں کمی کرنا ہے اور سب کو غالب رنگ میں رنگنا چاہتا ہے۔ اس سہولت اور باقاعدگی کے لیے مماثلت کا سہارا لیا جاتا

ہے صرفی تبدیلی کا سب سے بڑا آلۂ کار مماثلت ہے۔

قدیم انگریزی میں cow کی جگہ جمع kai تھی۔ اب بھی یہ kine کی شکل میں موجود ہے۔ بعد میں باقاعدہ جمع cows بن گئی اور اب kine کا استعمال محض شاعری میں ہوتا ہے۔

wak کا ماضی waken تھا۔ اب یہ متروک ہو گیا اور waked کا صیغہ بنالیا گیا۔ سنسکرت میں اسم کی آٹھ حالتیں تھیں۔ ہندی میں محض تین رہ گئی ہیں کیونکہ صوتی روپ تین ہی ہوتے ہیں پھر خواہ مخواہ انھیں آٹھ مان کر ذہن پر کیوں بار ڈالا جائے۔ ابھی اردو ہندی میں واحد جمع اور تذکیر تانیث کے قاعدوں میں بڑا خلفشار ہے۔ معلوم نہیں ان میں یکسانیت آنے میں کتنی صدیاں لگیں گی۔

مماثلت ہی کے زیر اثر رجوع سازی (Back formation) کا عمل ہوتا ہے چنانچہ ڈرائیور کی مماثلت پر فرنچ کے واحد مارفیم chauffer کو دو مارفیموں کا مجموعہ سمجھ لیا گیا اور اُسے کاٹ کر انگریزی میں chauff ایک نیا مادہ بنالیا گیا۔ Peas اصلاً واحد تھا۔ اسے بھی سہواً جمع کا صیغہ سمجھ کر Pea واحد اور Peas کو جمع کر دیا گیا۔ گویا مماثلت نے ایک باقاعدگی پیدا کر دی۔

مماثلت کی مزید کارفرمائی نئے استخراجیوں (Derivative) کے بننے میں ملاحظہ ہو۔ نرم سے نرمانا اور قبول سے قبولنا کی مماثلت پر ہاتھ سے ہتھیانا، برق سے برقانا اور ہند سے ہندیانا بنالیے گئے۔ اردو والوں نے آزمانا سے آزمائش دیکھ کر اس کی مماثلت پر رہنا سے رہائش بنالیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک وسیع علاقے کی زبانوں میں صرفی صوتی خصوصیات مشترک ہوتی ہیں حالانکہ ان میں خاندانی تعلق نہ ہو مثلاً ہندوستان کی زبانوں میں فعل کے مادّوں کی تصریف یکساں ہے۔ افریقہ کی جنوبی اور وسطی زبانوں میں چٹکار (click) آوازیں پائی جاتی ہیں۔ شمالی و جنوبی امریکہ کے ریڈ انڈینوں کی زبانیں متعدد خاندانوں میں بٹی ہوئی ہیں لیکن سب میں صرف و نحو کا انداز شمولی ہے۔ یہ خصوصیات مماثلت کا نتیجہ ہیں جو میل ملاپ کے ذریعے آئی ہے۔ اسی طور پر علاقائی ٹائپ پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ مسلّم کہ علاقائی ٹائپ میں اشتراک اتنا شدید نہیں ہوتا جتنا مشترک جدیت میں۔

2۔ ناواقفیت سے غلط مماثلت

بعض اوقات کم علمی کے سبب غیر مستند مارفیم یا ایلو مارف وضع کر لیے جاتے ہیں۔ یہ زیادہ تر زیادہ تر بے پڑھے لوگ یا بچے کرتے ہیں۔ بچوں کی اس قسم کی لغزشوں کی مثالیں انگریزی کتابوں میں بہت ملتی ہیں۔ بچے مروجہ بے قاعدہ مستثنیٰ روپوں کی بجائے باقاعدہ (لیکن غلط) روپ بنا لیتے ہیں مثلاً foot کی جمع feet کی بجائے foots کہہ جانا یا چوہا اور کتا کی تانیث چوہیا اور کتیا کی بجائے چوہی اور کتی بولنا۔

چونکہ ہندوستانی طلبہ انگریزی میں مبتدی ہوتے ہیں اس لیے وہ انگریزی میں اس قسم کی غلطیاں کر جاتے ہیں مثلاً fish کی جمع fishes، hair کی جمع hairs اور split کا ماضی splitted بولنا جو غیر ضروری ہے۔

کم علم لوگوں کی بول چال کے بعض مارفیم ملاحظہ ہوں۔

کم کی بجائے کمتی، گرمی کی بجائے گرمائی، فضول کی جگہ بے فضول، خالص کی بجائے نخالص، نرمی کی بجائے نرماہٹ۔

بعض اوقات پڑھے لکھے لوگ بھی ایسے مارفیم بنا لیتے ہیں جن میں مماثلت کا عمل کم علمی کی وجہ سے ہوا ہے مثلاً ناراض سے ناراضگی حالانکہ صحیح ناراضی ہے۔ ہائے مختفی پر ختم ہونے والے الفاظ میں اسم کیفیت (حاصل مصدر) بناتے وقت گی لگایا جاتا ہے۔ مثلاً زندہ سے زندگی، آزردہ سے آزردگی۔

رومان سے صفت رومانی ہونا چاہیے لیکن بعض پڑھے لکھے بھی سہواً اسے رومانوی لکھتے ہیں حالانکہ ہائے مختفی پر ختم ہونے والے الفاظ ہی میں ہائے ہوز کو واؤ سے بدلا جاتا ہے مثلاً ہریانہ سے ہریانوی، افسانہ سے افسانوی۔ اور کئی ایسے مارفیمی استخراج ہیں جو غلط العام کا درجہ پا گئے ہیں مثلاً ہریانہ سے ہریانی، یگانہ سے یگانگت۔ ہریانی رومانی کی مماثلت پر بنایا گیا ہے حالانکہ دونوں کا تہہ نشین روپ مختلف ہے۔ یگانہ سے یگانگی کافی تھا اس میں مزید بندی لاحقہ ت یا ی ت لگا کر یگانگت یا یگانگیت بول دیا جاتا ہے۔

لینا، دینا، پینا سے ماضی لیا، دیا، پیا ہے اور امر احترامی لیجیے، دیجیے، پیجیے ہے۔ معلوم نہیں کس زمانے میں کس جاہل نے کرنا کو مرنا، ڈرنا کی بجائے لینا، دینا کے ساتھ نتھی کر دیا اور کرنا کا ماضی 'کیا'، اور امر احترامی کیجیے بنا دیا حالانکہ قاعدے کی رُو سے ماضی 'کرا'، اور

امر 'کریے' ہونا چاہیے تھا۔ اب غلط روپ صحیح ہوگیا اور صحیح روپ غلط۔ معلوم نہیں سینا (کپڑے سینا یعنی کپڑوں کی سلائی کرنا) سے احترامی امر کیا ہوگا سیئیے یا سیجیے۔

3- وضاحت کی کوشش

بعض اوقات وضاحت کی خاطر نئے نئے مارفیمی روپ واضع کرلیے جاتے ہیں یا موجودہ روپ ختم کردیئے جاتے ہیں مثلاً تعظیمی ضمیر حاضر 'آپ' کے کئی استعمال دیکھیے۔

1- زید، عمر سے "آپ تشریف رکھیے"

2- زید عمر سے بکر کی طرف اشارہ کرکے "آپ سے ملیے، آپ ہمارے بہت بڑے ادیب ہیں"

3- مرزا غالب ایک فوجی گھرانے میں پیدا ہوئے لیکن آپ کو سپاہ گری کی بجائے سخنوری سے زیادہ دلچسپی تھی۔

4- میں اپنی موٹر کی آپ ہی مرمّت کرلیتا ہوں۔

ان میں پہلی مثال میں آپ ضمیر حاضر ہے، دوسری تیسری میں ضمیر غائب اور چوتھی میں ضمیر متکلم۔ ظاہر ہے کہ آپ بنیادی طور پر ضمیر حاضر ہے اس لیے بقیہ صورتوں کا استعمال کم سے کم ہوتا جارہا ہے۔ خاص طور سے متکلم کی صورت میں آپ کی بجائے 'خود' کا لفظ بولا جاتا ہے مرزا غالب کا دہلوی اور لکھنوی روزمرے کا فرق یاد کیجیے۔

اردو ہندی میں مصمتے پر ختم ہونے والے مذکر اسما کو بعض صورتوں میں جمع کی شکل میں بھی بہ طور واحد لکھا جاتا ہے۔

شیر آتا ہے	شیر آتے ہیں
اس نے آم کھایا	اس نے آم کھائے
آپ ایک لفظ بول دیجیے	آپ دو لفظ بول دیجیے

مونث اسم مصمتے پر بھی ختم ہوتا ہو تو بھی اس کی جمع میں تصریف کی جاتی ہے مثلاً

اس نے ایک قبر کھودی	اس نے دو قبریں کھودیں

لکھنؤ میں مذکر اسما کی جمع کے لیے بعض صورتوں میں یہ تدارک کیا گیا کہ جمع کی شکل میں مذکر کو مونث مان لیا گیا مثلاً

اس شعر کا پہلا لفظ دیکھیے	اس شعر کی لفظیں تو دیکھیے

اودھی میں بھی یہی صورت تھی۔

بردھا کھات رہے — بردھا کھات رہیں

اب جمع کا لاحقہ لگا کر ۔ 'بردھن (یا بردھوَن) کھات رہیں' بولنے لگے ہیں۔

4۔ صوتی تبدیلی

صوتی تبدیلی سے بھی طرح طرح کی مارفیمی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ صوتی تبدیلیوں میں کسی آواز یا آوازوں کا حذف خاص طور سے مارفیمات پر اثر انداز ہوتا ہے۔

haplology سے Semi madius بدل کر Semodius اور خریدار بدل کر خریدار ہو گیا۔ مارفیم یقیناً متاثر ہوئے۔

صوتی تبدیلی ایک مارفیم کے کئی ایلو مارف بنانے کی ذمہ داری ہوتی ہے مثلاً imperfact، incomplate یا انگریزی جمع کے لاحقے /s/ کے کئی ایلو مارف۔

جہاں صوتی اور صرفی دونوں تبدیلیاں بہ یک وقت جمع ہو جاتی ہیں انھیں صرف صوتی یا مارفونیمی (morpho-phonemic) تبدیلی کہتے ہیں۔

5۔ عاریت

ایک زبان میں دوسری زبان کے لفظوں کا دخل پا جانا حصولی زبان میں طرح طرح کی مارفیمی تبدیلیوں کا موجب ہوتا ہے کیونکہ مادّے ہی نہیں تصریفی اور استخراجی چسپیے بھی مستعار لے لیے جاتے ہیں۔

صرف اردو سے چند مثالیں دیکھیے ہم نے عاریت سے اپنی قواعد میں کتنے اضافے اور تبدیلیاں کی ہیں۔

ا۔ عربی فارسی اور شاذ ہندی سے جمع بنانے کے کتنے چسپیے اردو میں داخل ہو گئے۔ دیکھیے ان لفظوں میں

خوباں، بارہا، علماء، اسباب، وجوہات، مقالید، اردو اسپیز

ب۔ تانیث کے چسپیے شامل ہو گئے۔ ملکہ، خادمہ، بیگم، ڈچس (duchess)

ج۔ عربی فارسی عطف و اضافت اردو میں آ گئے۔ فارسی اضافت نے تو ہندی مضاف مضاف الیہ اور صفت موصوف کی ترتیب ہی بدل دی۔

د۔ ان کے علاوہ دوسرے کتنے سابقے، لاحقے اور وسطیے عربی فارسی ہندی انگریزی سے اردو میں داخل ہو گئے اور ایک زبان کے چسپیے دوسری زبان کے مادّے کے ساتھ لگائے جانے

لگے مثلاً نرمی اور گرمی کے ہوتے نرماہٹ اور گرماہٹ جیسے روپ سامنے آئے۔ ممبران جیسا آمیختہ بھی عام ہے۔ وِیدک، انجینیرنگ، کورٹ شپ، پروفیسرشپ جیسے الفاظ نے اردو کے مارفیموں میں کتنے ایلو مارف شامل کر دیے۔

ھ۔ مبارکباد، آمدورفت، زندہ باد، جیسے مرکبات اردو میں شامل ہو گئے۔

اردو میں سابقے بہت کم تھے اور وسطیے تو گویا تھے ہی نہیں۔ عربی اور فارسی سے سابقے نیز عربی سے اردو کو کتنے وسطیے ملے جن سے اردو کا چپیوں کا نظام بہت وسیع ہو گیا۔

صرفی تبدیلی کے اسباب کے بعد اس کی مختلف شکلیں ملاحظہ ہوں۔ ہم صرفی تبدیلی کو قواعدی تبدیلی تک محدود رکھیں گے۔ زبان میں مارفیموں کا معدوم ہو جانا یا نئے مارفیموں کا ظہور قواعدی تبدیلی نہیں یہ ذخیرۂ الفاظ کی تبدیلی ہے یا معنوی تبدیلی۔ صرفی تبدیلی کے تحت ہم ایلو مارفوں کی تبدیلی، تصریف اور اشتقاق کی تبدیلی نیز مرکب سازی کے طریقوں کی تبدیلی ہی کو لیں گے۔ مارفیموں کا شق، ادغام، ظہور و غیاب دوسرے ابواب میں آئے گا۔ صرفی تبدیلی کے خاص عمل تصریف اور اشتقاق ہیں۔ انھیں کے سلسلے میں ایک مارفیم کے ذیلی مارفوں کا شمار اور گرفت کی جاتی ہے۔ اس طرح ہم صرفی تبدیلی کو ذیل کی شکلوں میں محدود کر سکتے ہیں۔

1۔ ایک ایلو مارف کی جگہ دوسرے ایلو مارف کا استعمال مثلاً قدیم انگریزی میں wax کا ماضی waxen تھا۔ ماضی کے ایلو مارف en کو بدل کر اس کی جگہ دوسرا ایلو مارف ed کو بدل کر اس کی جگہ دوسرا ایلو مارف رکھ دیا گیا اور اب اس کا ماضی بھی waxed ہوتا ہے۔ درمیانی انگریزی میں wear کا Past Participle weared تھا۔ اب یہ worn ہو گیا ہے۔ hoof کی جمع hooves کی بجائے hoofs ہوتی جا رہی ہے۔

اردو میں مکانی اور زمانی دونوں اعتبار سے ایلو مارف کی تبدیلیاں ملتی ہیں۔ ماضی میں حال کا صیغہ آئے ہے، جائے ہے، ہوتا تھا جسے بعد میں بدل کر آتا ہے، جاتا ہے کر دیا گیا۔ غزلوں میں اب بھی بعض شعرا آئے ہے، جائے ہے باندھتے ہیں۔ مختلف علاقوں کی بولیوں میں فعل کے چپیوں کی تبدیلی عام ہے اور ایلو مارف ہی کی تبدیلی ہوتی ہے مثلاً ضلع بجنور کی بولی میں 'آتے ہیں، کو 'آئیں، کہہ کر ہی کام چلایا جاتا ہے۔ لڑکیاں، مرغیاں کو بول چال میں لڑکیئں

مرغیئیں کہنا عام ہے۔ گویا ہم نے جمع مونث کے ایلو مارف 'اں'، کو 'ایں'، میں بدل دیا ہے۔
تذکیر و تانیث میں ایلو مارف کا فرق بہت عام ہے۔ یو پی میں چور کا مونث چوٹٹی، کتے سے کتیا ہے۔ پنجاب میں چور سے چورنی اور کتے سے کتی ہے۔

2۔ ایلو مارفوں کا اضافہ

نئے ایلو مارف کی تخلیق کے کئی ماخذ ہو سکتے ہیں۔

الف۔ مماثلت سے جو بسا اوقات غلط ہوتی ہے مثلاً

فرنچ میں اسم فاعل کے لیے لاحقہ ier ۔ تھا مثلاً charpentier (بڑھئی) اس لفظ میں صرفی حد غلط جگہ پر سمجھ لی گئی اور tier ۔ کو لاحقہ مان لیا گیا۔ اس سے نئے الفاظ Ferblantier (ٹین کا کام کرنے والا) bijoutier (جوہری) بنائے گئے۔ اس طرح ier کا ایک نیا ایلو مارف tier ہو گیا۔ smaller کی مماثلت پر lesser سے less بنا لیا گیا جو less کا ایک ایلو مارف ہو گیا۔

اردو میں خفگی کی مماثلت پر ناراض سے ناراضگی بنا لیا گیا جو ناراضی کا ایلو مارف ہوا۔ افسانہ سے افسانوی کی مماثلت پر رومان سے رومانوی بنا لیا گیا جب کہ صحیح رومانی تھا۔

ب۔ عاریت سے نئے ایلو مارف حاصل کرنا۔ یہ بہت بڑا ماخذ ہے انگریزی میں فرنچ سے ette (Suffragette، Usherette) اور ess (Seamstress، Songstress) لیے گئے جو ایک دوسرے کے ایلو مارف ہیں۔ اردو میں جمع بنانے کا ایک مارفیم ہے جس کے کئی ایلو مارف پہلے سے ہیں مثلاً /ایے ~ اں ~ وں ~ / وغیرہ۔ عاریت سے ان میں عربی فارسی انگریزی کے اور کئی ایلو مارف شامل کر دیے گئے مثلاً /ہا ~ اَ۔اُ۔ ~ ین ~ ~ / مثالیں دِل ہا، اجسام، قائدین۔ lips، girls ۔

ج۔ اشتقاق سے نئے نئے ایلو مارف وجود میں آنا مثلاً Juncture میں Joint کا ایلو مارف Junct ہے۔ اردو میں نکٹا، نکیل میں ناک کا ایلو مارف نک ہے۔

د۔ تحریف سے ایلو مارفوں کا پیدا ہونا مثلاً سید کے مونث سیدانی سے سید کا ایلو مارف سیَر دیا تے لین سے) للائن سے لالہ کا ایلو مارف للا بر آمد ہوا۔

ہ۔ اختصار سے مثلاً cabriolet سے cab - modern سے

like سے bicyel - pop سے popular - mod اور united Nations Educational, scientific and cultural organisation سے یونسکو۔

3۔ ایلومارفوں کا کاہیدہ ہو جانا۔

تصریف اور اشتقاق کے عمل میں بعض ایلوفون (چسپیے ہی نہیں بلکہ مادّے بھی) بعض اوقات اس قدر گھس جاتے ہیں کہ محض ایک آواز ہی کی شکل میں باقی رہ جاتے ہیں مثلاً like اور live میں صرف /l/ seam (مغلانی۔ سینے والی عورت) میں sempter کے ایلوفون میں محض دو مصمتے seam باقی رہے ہیں۔ brunck میں break fast کا ایلوفون br ہے۔

سب سے انتہائی مثال وہ ہے جہاں مادّہ گھستے گھستے غائب ہی ہو جاتا ہے لیٹن habitu سے ابتدائی رومانس abutu (معنی: رکھتا ہوا)۔ اس سے قدیم فرنچ oyu اور بعد میں eu (تلفظ ey) درمیانی فرنچ میں املا eu رہا لیکن تلفظ ای ہو گیا۔ جدید فرنچ میں بھی یہی کیفیت ہے۔ گویا مادّہ مشتق شکل میں صفر ہو کر رہ گیا ہے۔

4۔ ایلوفون کا ختم ہو جانا

تصریفی چسپیوں کے کچھ ایلوفون پسندیدہ ہوتے ہیں کچھ اجنبی۔ ان اجنبی اور انوکھے ایلوفونز کو یاد رکھنے سے ذہن پر بار پڑتا ہے اس لیے یہ استعمال میں کم ہوتے ہوتے بعض اوقات ترک ہو جاتے ہیں مثلاً

انگریزی میں ماضی بنانے کا لاحقہ [-d] ہے جس کے مشہور ایلوفون /edn d/ ہیں لیکن بعض دوسرے ایلوفون مثلاً /ϕ, r, e n/ وغیرہ بھی ہیں۔ ایسے روپوں کو ترک کیا جا رہا ہے چنانچہ waxen کی جگہ waxed آ گیا ہے۔ sit قوی فعل ہے جس کا ماضی sat ہے لیکن babysit کا ماضی babysitted ہے۔

انگریزی میں جمع کے چسپیے کے بھی بہت سے بے قاعدہ ایلوفون ہیں۔ ان میں سے بعض ختم ہو رہے ہیں مثلاً cow کی جمع Kive کی جگہ cows ہو گئی۔ dictum کی جمع dicta کی بجائے dictums ہی لکھ دی جاتی ہے۔

ویدک سنسکرت اور کلاسکی سنسکرت کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ویدک

سنسکرت میں بے قاعدہ روپ بہت تھے۔ سنسکرت میں آکر وہ کم ہوگئے۔

انگریزی میں مستقبل کے لاحقے کے دو ایلوفون [illegible] / ہیں۔ ہندوستانی طلبہ کی انگریزی میں یہ آزادانہ تغیر میں ہیں۔ ان کا مستقبل بھی غیر یقینی ہے۔ دکنی اردو میں مستقبل کے مارفیم { گا } کا ایک ایلوفون / سی / بھی رائج تھا، سک سی، ہلاسی۔ چونکہ یہ بے قاعدہ تھا اس لیے دکنی میں یہ ترک ہوگیا۔

اردو میں ہم مستعار لفظوں کے مستعار لاحقوں کی جگہ ہندوستانی لاحقے لانے کا جو رجحان رکھتے ہیں وہ بھی اجنبی ایلوفونوں کی جگہ پسندیدہ ایلوفون لانے کی خواہش کا نتیجہ ہے مثلاً اساتذہ کی بجائے استادوں، ممبرس کی جگہ ممبران (مثلاً ممبران پارلیمنٹ)

5- اِدغام۔

اس کی چند صورتیں قابلِ ذکر ہیں۔

ا۔ دو مارفیموں کے ایلوفونوں کا اس طرح اِدغام کہ وہ تکمیلی بٹوارے میں ہو جائیں اور اس طرح دو مارفیموں کی جگہ ایک ہی مارفیم رہ جائے مثلاً

قدیم انگریزی میں [illegible] اور [illegible] (بمعنی [illegible] یعنی مڑنا) دو مارفیم تھے جو ہم معنی تھے۔ [illegible] کا ماضی [illegible] تھا۔ یہ روپ باقی رہ گیا اور [illegible] ختم ہوگیا۔ [illegible] ماضی کے روپ میں نہیں آتا بقیہ سب صیغوں میں آتا ہے۔ اس طرح دونوں مارفیموں کے ایلوفون تکمیلی بٹوارے میں ہوگئے اور اس طرح ایک مارفیم رہ گیا۔

ہند یورپی میں اسماء کی حالتوں کے دو لاحقے [illegible] ([illegible]) اور [illegible] (Locative) تھے۔ بعض ماحولوں میں دونوں کبھی آسکتے تھے۔ بعد میں دونوں بدل کر [illegible] اور [illegible] ہوگئے لیکن دونوں کے معنی ایک ہوگئے۔ [illegible] بعض معینہ آوازوں پر ختم ہونے والی جڑوں ([illegible]) کے ساتھ آتا ہے اور [illegible] تا دوسری آوازوں پر ختم ہونے والی جڑوں کے بعد دونوں لاحقے تکمیلی بٹوارے میں ہوکر ایک مارفیم کے ایلوفون ہوگئے۔ دو مختلف فونیموں کے اس ارتقا کو دونوں ایک ہی نقطے پر پہنچ جائیں syncretism کہتے ہیں۔

ب۔ دو ایسے فونیموں یا ایلوفونوں کا ادغام جو ایک ہی مادے سے ہیں اور جن کے معنی میں خفیف سا فرق ہے۔ مدغم صورت میں دونوں مفہوم موجود رہتے ہیں۔ مثلاً

فرنچ — لیٹن

un homme (one man.) < The man معنی Hominem / unum hominem

ج۔ بعض قواعدی روپوں کا صوتی تبدیلی سے مدغم ہو کر ختم ہو جانا مثلاً لیٹن فعل کی ذیل کی شکلیں دیکھیے

قبل اطالوی — لیٹن

kantava < (میں گا رہا تھا) kanta : bam / (تو گا رہا تھا) kanta : bas / (وہ گا رہا تھا) kanta : bat

اسم کی حالتوں میں ہر زبان میں ادغام ہوا ہے۔ اس تبدیلی کو نحوی تبدیلی کے ذیل میں تفصیل سے دیکھا جائے گا۔

مارفونیمی یعنی صرف صوتی تبدیلی۔

اس کی بعض مثالیں اوپر کی شقوں کے سلسلے میں آگئی ہیں۔ نیچے کچھ اور مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ تصریف اور اشتقاق میں یا مرکب بناتے وقت سہولت کی خاطر صرفی حد پر کچھ آوازیں کم یا زیادہ کرنی پڑتی ہیں۔ یہ صرف صوتی تبدیلی (morphophonemic change) ہے۔ سنسکرت میں سندھی کی جو لامتناہی قسمیں ہیں وہ صرف صوتی تبدیلی کے سوا کچھ نہیں۔ اردو میں بھی غور کیا جائے تو صرفی حدوں پر طرح طرح کی تبدیلیاں دکھائی دیتی ہیں اور یہ تلفظ کی سہولت کے لیے ہوتا ہے مثلاً مادّہ لے، دے سے امر بنایا جائے تو اس میں [اُو] ملا کر لیئو، دیئو ہونا چاہیے تھا۔ اسے سہل کرنے کے لیے لو، دو کر دیا۔ امر احترامی میں یے کا لاحقہ لگایا جاتا ہے مثلاً آیئے، کھایئے۔ اب لے اور دے کے ساتھ لیئے، دیئے، میں دقت رہتی ہے اس لیے ایک مصمتہ ج (جو مقامِ تلفظ میں 'لے' کے نزدیک ہے) بیچ میں ڈال کر لیجیے، دیجیے بنایا۔

عربی حروف میں 14 شمسی کہلاتے اور 14 قمری یعنی شمسی حروف سے پہلے 'اَل' کا 'ل'، متعلقہ شمسی حرف سے بدل جاتا ہے۔ یہ صرف صوتی تماثل ہے 'ل' کا نقطۂ تلفظ اوپری دانت یا اوپری مسوڑا ہے۔ شمسی مصمتے ت، ث، د، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ل، ن

ن بھی اسی مقام سے ادا ہوتے ہیں۔ صرف ایک مصمتہ ش قدرے اوپر یعنی اوپری مسوڑے سے بھی ذرا اوپر سے ادا ہوتا ہے۔ یہ مصمتے اپنے ہم مقام متعاقب ل کو اپنے رنگ میں بدل دیتے ہیں بقیہ مصمتے جو ل سے دور ادا ہوتے ہیں ل کو نہیں چھیڑتے یہ صرفصوتی تبدیلی ہے۔

انگریزی کے بعض مادّوں کا آخری مصمتہ بے آواز ہوتا ہے مثلاً bomle ، down. ان میں بعض کمزور لاحقے لگائے جاتے ہیں تو بھی اُن کا آخری مصمتہ ساکت رہتا ہے مثلاً bomber ، damning (لفظ بوم)۔ لیکن بعض زیادہ سخت لاحقوں کے ساتھ ان کا آخری مصمتہ بول جاتا ہے مثلاً bombard ، domnable۔ اسی طرح knowledge اور know کا پہلا K خاموش ہے لیکن لاحقہ a لگنے کے بعد گویا ہو جاتا ہے یعنی acknowledge۔

wife اور thief کی جمع میں غیر مصیتی f کا مصیتی v میں بدل جانا بھی صرفصوتی تبدیلی ہے۔

صرفصوتی تبدیلی بنیادی حیثیت سے صوتی تبدیلی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ نئے نئے ایلومارف بھی پیدا کرتی ہے مثلاً عربی میں 'ال' کے معنی ہیں 'کا'۔ اب یہ مارفیم مختلف مادّوں سے پہلے اگر اس، ات وغیرہ میں بدل جاتا ہے تو یہ سب اس کے ایلومارف ہوئے۔ bomber کا 'بمب'، bombard (بوم) کے 'بوم' کا ایلومارف ہے۔

7- صرفی حد میں خلفشار کرنا

اس کی تین قسمیں ہیں۔

ا- جہاں صرفی حد نہیں ہے وہاں صرفی تقطیع کر دینا گویا ایک مارفیم کو دو مارفیم مان لینا۔ رجوع سازی کی تمام مثالیں اس کی ذیل میں آجائیں گی۔ یہ غلط مماثلت کے باعث ہوتا ہے شوفر chauffer) کو ڈرائیور کی مماثلت پر ایک مادّہ اور فاعل کے لاحقے کا مجموعہ سمجھ لیا گیا اور to chauff کے معنی to drive کر لیے گئے۔

cherries ، peas اصلاً مفرد تھے۔ ان کے s کو جمع کا لاحقہ سمجھ کر کاٹ دیا گیا اور واحد کے لیے cherry, pea کے لفظ بنا لیے گئے۔

پرانی فرنچ میں naperon کے معنی میز پوش تھے۔ بعد میں جسم پر باندھ لینے کا کپڑا ہو گئے۔ انگریزی میں جب اسے anaperon بولا گیا تو غلطی سے

سمجھ لیا گیا اور اس میں خواہ مخواہ صرفی حد مان لی گئی۔ اب ant apron
apron مستند ہو گیا۔

اسی سے ملتی جلتی چیز metanalysis ہے۔ اس میں کسی لفظ کا اس طرح غلط تجزیہ کیا جاتا ہے کہ وہ زیادہ قابلِ فہم ہو جاتا ہے۔ صرفی حد اس طرح قائم کر لی جاتی ہے کہ دو اجزا کچھ غیر مروّجہ معنی دینے لگتے ہیں مثلاً

O.K. if, it's feasible lets fease it

غلط تجزیہ اکثر مزاحیہ ہوتا ہے۔ اسٹرٹے وانٹ[1] نے بچّوں کے اس طرح کے سہوی تجزیوں کی کچھ مثالیں دی ہیں مثلاً ایک عورت نے نیویارک میں اپنے تین سالہ لڑکے سے کہا behave۔ تھوڑی دیر میں اس لڑکے نے پوچھا

Am I being have now

'مکرر' کے معنی ہیں دوبارہ۔ بعض حضرات اس میں 'مُ' کے معنی دو اور 'کرّر' کے معنی 'بار' سمجھتے ہیں اس لیے وہ 'سہ کرّر' کا لفظ بنا لیتے ہیں اور اس کے معنی تیسری بار سمجھ لیتے ہیں مثلاً اس نے وہ شعر مکرّر بلکہ سہ کرّر پڑھا۔

عوامی لفظ اصلیات میں بھی ان مقامات پر صرفی حد پیدا کر لی جاتی ہے جہاں کہ نہ تھی اور اس کے بعد لفظ کی تشکیل نو (Reshaping) کر کے واقعی دو مارفیم بنائے جاتے ہیں مثلاً

French: mousseron > Eng. mushroom
Middle Eng: crevise > M. Eng. crayfish
mandragora > mandrake

ب۔ صرفی حد کو نظر انداز کر کے دو مارفیموں کو ایک سمجھ لینا۔ ذیل کے جمع کے اسماء کو واحد سمجھ لیا گیا یعنی ان کا جمع کا لاحقہ (دوسری مارفیم) پہلے مارفیم کا جزو قرار دے دیا گیا۔

truce, quince, invoice, chess

پہلے تین لفظ فرنچ ہیں اور آخری اینگلو سیکسن۔ جدید انگریزی میں واحد ہو گئے ہیں۔

---

1. Sturtevant: Linguistic Science P.97.

لیٹن Vidua (ودھوا) اصلاً دو مارفیموں Vide + ahe کا مجموعہ تھا۔ یہ اجزا زبان سے محو ہو گئے اور Vidua کو واحد مارفیم سمجھا جانے لگا۔ صرفی حد کا محو ہونا بہت شاذ ہے۔

7۔ **حذفِ صوت مکرّر** (haplology)۔ اس میں دو مارفیموں کے بیچ کی دو صوتی فصیلوں کو ملا کر ایک کر دیا جاتا ہے یعنی ایک حذف کر دی جاتی ہے۔ مثلاً خرید + دار سے خریدار snow + white سے snowhite ۔ یہ بھی ایک قسم کا صرف صوتی تبدیلی ہے۔

8۔ **عدد کی تبدیلی**

زمانی اور مکانی دونوں حیثیت سے ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ واحد کو جمع اور جمع کو واحد بنا لیا جاتا ہے۔ اوپر ایسی کچھ مثالیں درج کی گئیں۔ اب ایک دوسرے قسم کی عددی تبدیلی ملاحظہ ہو۔

جدید اردو میں جو الفاظ جمع بطور واحد ہیں ماضی میں اُن کی ہیئت بھی جمع کی ہوتی تھی مثلاً ہم کہتے ہیں۔

لوگ کہہ رہے تھے

اُس نے دس پتھر پھینکے

یہ بھلی باتیں نہیں

قدیم اردو بالخصوص دکنی میں لوگاں، پتھراں، بھلیاں باتیں کہتے تھے۔ آتی ہیں کو آتیاں ہیں کہا جاتا تھا۔

جدید فرنچ میں عدد غائب ہوتا جا رہا ہے۔ حالانکہ جمع کا لاحقہ تحریر میں لکھا جاتا ہے لیکن بول چال میں اکثر اسے حذف کر دیا جاتا ہے۔

ہم اردو میں واحد سے اس طرح بھی جمع کا کام لیتے ہیں۔

کنبھ میں بڑا آدمی آیا ہوا تھا۔

میدان میں آدمی بھرا ہوا تھا۔

9۔ **جنس کی تبدیلی**

تذکیر و تانیث کے اختلاف میں اردو خاصی بدنام ہے۔ لکھنؤ اور دلّی میں کتنے لفظوں کی

جنس متنازع ہے۔ بہت سے حضرات عربی کے مونث الفاظ کی جمع بناتے ہیں تو اُسے واحد بولتے ہیں مثلاً افواج، خصوصیات

اسی طرح لکھنؤ میں مذکر لفظ کی جمع لفظیں مونث کر لی جاتی ہے۔ زبانوں کے ارتقا میں یہ بہ کثرت ہوتا رہا ہے۔ لیٹن سے فرنچ اور اسپینی میں جاکر نیز سنسکرت سے ہندی میں آکر کتنے لفظوں کی جنس بدلی ہے۔ رومانس زبانوں میں دو طرح کی صفت ہوتی ہیں۔

1۔ ایک وہ جن میں مذکر کے صیغے الگ اور مونث کے الگ ہیں۔

2۔ وہ جن میں دونوں جنسوں کے لیے یکساں صیغے ہیں۔

قدیم فرنچ میں دوسرے گروہ کی صفات میں یہ تبدیلی ہوئی کہ ان میں بھی بہ کثرت دونوں جنس پیدا کر دی گئیں یعنی مشترک جنس کی صفت سے مذکر اور مونث صفت بنالی گئی۔

10۔ روپ گروہوں میں تبدیلی

ذیلی گروہ ہی نہیں پورے روپ گروہ بدلتے رہتے ہیں مثلاً صفت تمیز بن جاتی ہے۔ اسم فعل اور فعل اسم بن جاتے ہیں۔ حرفِ جار تمیز اور تمیز حرف جار بن جاتے ہیں مثلاً لیٹن Trans بمعنی across حرف جار تھا وہ تمیز بن گیا۔ down اب تمیز ہے قدیم انگریزی میں اس کا قدیم روپ اسم تھا اور اس کے معنی پہاڑی تھے۔

اینگلو سیکسن میں کچھ اسم اور فعل مارفیم معمولی سا فرق رکھتے تھے مثلاً

فعل		اسم
I love (lufie)	(love =)	lufu
I care (carie)	(care =)	caru

love، help، care یہ سب اسم کا کام بھی کرتے ہیں اور فعل کا بھی۔ انھیں کی مماثلت پر ہم دوسرے اسماء کو بھی اور فعل کو اسم بنالیتے ہیں۔

جدید انگریزی میں صوتی تبدیلی کے بعد دونوں روپوں کا ادغام ہو گیا۔

11۔ بعض روپ گروہوں کا ختم ہو جانا

اس کی بہترین مثال لیٹن سے مستقبل کے صیغے کا ختم ہو جانا ہے۔ اصلاً مستقبل کے ایسے صیغے تھے Regam میں حکومت کروں گا۔ جب ان صیغوں کا آخری مصمتہ تلفظ

ہیں بے آواز ہوگیا تو یہ لفظ ناتمام یا شرطی صیغے کے ساتھ ہم اسم (homonym) ہو گئے۔ بعد میں مغربی رومانس زبانوں میں ایک قسم کا سادہ مستقبل کا صیغہ ظہور میں آیا۔

12- شاذو نادر نئے روپ گروہ ظہور میں آسکتے ہیں مثلاً انگریزی کی نقل میں Neo-Melanesian زبان میں صیغۂ غائب مسندالیہ (3rd person predicate marker) کے قبل ایک نشان گر آنے لگا جو اس زبان میں ایک نیا روپ گروہ ہے۔

13- بعض اوقات نحوی ساختیں یعنی فقرے یا جملے سکڑ کر صرفی ساخت بن جاتے ہیں مثلاً فرنچ Je m'en fous [ʒmãfu]: I don't give a damn.

یہ فقرہ ایک لفظ بن گیا اور اسے جرمان کر اس میں لاحقہ لگایا گیا je-m'en-foutisme یعنی اس قسم کا نقطۂ نظر۔ انگریزی میں devil may care attitude میں پہلا فقرہ مرکب بن کر صفت کے معنی دیتا ہے۔

14- اس قسم کی جملہ تبدیلیاں مل کر زبانوں کا مزاج ہی بدل دیتی ہیں۔ زبانوں کی نوعیاتی گروہ بندی میں تصریفی زبانوں کی دو قسمیں مرکبی اور تحلیلی کی جاتی ہیں۔ مرکبی زبانوں میں مرکب بنانے کی سہولت ہوتی ہے۔ لاحقے بہت بامعنی ہوتے ہیں۔ کلاسکی زبانیں سنسکرت، یونانی، لاطینی وغیرہ مرکبی تھیں۔ جدید زبانیں ہندی، اردو، انگریزی تحلیلی ہوتی جارہی ہیں یعنی ان میں لاحقے گھس کر اپنی معنویت کھو بیٹھتے ہیں اور اُن کی جگہ علیحدہ سے امدادی جزو لگانے کی ضرورت آتی ہے دور حاضر میں اس کی ایک مثال دیکھیے۔ انگریزی میں فرنچ کا لاحقہ ster فاعل مونث کے معنی میں تھا مثلاً spinster (کاتنے والی یعنی زیادہ عمر کی غیر شادی شدہ عورت)۔ بعد میں اس لاحقے میں سے تانیث کے معنی فراموش ہو گئے اور انگریزی میں یہ مذکر اسم فاعل کے معنی میں بھی آنے لگا مثلاً Webster (weaver) jokster, songster, punster اور اب انھیں مونث بنانے کے لیے فرنچ ہی سے ایک اور تانیثی لاحقہ مستعار کر کے لگایا گیا۔ songstress

seamstress (سلائی کرنے والی عورت)

گویا زبانوں کی صرفی تبدیلی کی ایک مجموعی صورت مرکبی سے تحلیلی ہونے کی ہے۔

چودھواں باب

نحوی تبدیلی

نحو میں تبدیلی بہت شاذ ہے۔ صوتی اور ذخیرۂ الفاظ کی تبدیلی بہت عام ہے لیکن نحو کے بدلنے کے معنی زبان کا ڈھانچہ ہی بدلنا ہے۔ نحو کی بڑی تبدیلی اسی وقت ہو سکتی ہے جب ایک مادر زبان بدلتے بدلتے دختر زبان کی ہیئت اختیار کر لے۔ نحو کے بھی دو حصے کیے جا سکتے ہیں۔ فقرہ اور جملہ۔ فقروں کی ساخت میں تبدیلیاں اور اضافے ہوتے رہتے ہیں لیکن جملے کی ساخت میں تبدیلی نہایت شاذ ہے اور لمبے عرصے میں ہوتی ہے۔

نحوی تبدیلی کے اسباب

1۔ سب سے اہم سبب دوسری زبانوں کا اثر ہے۔ اردو میں آپ نے مثنویوں اور داستانوں کی فصلوں میں ایسے عنوان دیکھے ہوں گے۔

"جانا طلسم کشا کا بیچ طلسمِ زعفراں زار کے اور لانا لوحِ مقصود کا"

ظاہر ہے کہ یہ فارسی نحو ہے۔ اور رانی کیتکی کی کہانی میں جب انشا لکھتے ہیں کہ

"سر جھکا کر ناک رگڑتا ہوں اس اپنے بنانے والے کے سامنے"

تو یہ عربی نحو کی نقل ہے۔ اور انگریزی میں Secretary General, Hotel Inter-Continental, Operation Cross Roads فرنچ نحو کی نقل ہیں کہ وہاں صفت موصوف کے بعد آتی ہے۔

2۔ نحوی تبدیلی کا دوسرا سبب مماثلت ہے۔ دراصل جملوں اور فقروں کے تھوڑے

سے ثابت ہوتے ہیں جن پر زیادہ تر نحوی ترکیبوں کو منطبق کیا جاتا ہے گو اس عمل میں بعض اوقات کوئی بھول آجاتا ہے۔ جرمن زبان میں فقروں کی ایک ساخت ہے اسم + ماسم بہ حالت اضافی بعد میں مماثلت کی بنا پر بعض فقروں میں دوسرے عنصر کو اسم غیر اضافی کر دیا گیا۔ یہ مونث اسماء کی مماثلت پر تھا کہ ان میں اضافی اور غیر اضافی حالتوں میں ہیئت یکساں رہتی تھی۔

3۔ صوتی تبدیلی۔ صوتی تبدیلی سے اسموں کی بہت سی حالتیں یکساں ہو گئیں اور اس سے جملے میں لفظوں کے رشتے متاثر ہوئے۔ فرنچ میں صوتی تبدیلی نے نحو کو کافی متاثر کیا ہے۔ کلاسکی زبانوں کے صرفی چپیئے جب وقت کی چکی میں پس کر نحیف اور کاہیدہ ہو گئے تو ان کے معنی کے بقے اور امدادی الفاظ جوڑنے پڑے اور امدادی الفاظ کا استعمال نحوی تبدیلی ہے۔

لفظوں میں تعداد (واحد، جمع) اور جنس (تذکیر و تانیث) کے دو رخ ہیں صرفی اور نحوی صرف میں ان کے لاحقوں وغیرہ کی تبدیلی دیکھی جاتی ہے لیکن ایک لفظ کی تعداد اور جنس میں تبدیلی سے بعض دوسرے لفظوں کی جنس اور تعداد بھی بدل جاتی ہیں، اس لیے تعداد اور جنس نحو کا بھی جزو ہے۔ یہ نحوی تبدیلی صوتی تبدیلی کا نتیجہ ہوتی ہے۔

اجزائے کلام یعنی اسم، ضمیر، صفت، فعل، تمیز، حرف وغیرہ کی تقسیم کا تعلق معنی کے علاوہ نحو سے بھی ہے کیونکہ یہ قسمیں دوسری قسموں کے ساتھ اپنا مخصوص علاقہ بھی ظاہر کرتی ہیں۔ اس طرح اجزائے کلام کو ہم نحوی (قواعدی) گروہ کہہ سکتے ہیں۔ صوتی تبدیلی سے بعض الفاظ ایک قواعدی گروہ سے نکل کر دوسرے قواعدی گروہ میں چلے جاتے ہیں اس لیے یہ بھی کسی حد تک نحوی تبدیلی ہے۔

صوتی تبدیلی سے پیدا شدہ نحوی تبدیلی کی تفصیلات آئندہ صفحات میں پیش کی جائیں گی۔ بہت سی ایسی نحوی تبدیلیاں ہیں جن کی کوئی مخصوص وجہ نہیں بیان کی جا سکتی۔ ذیل میں نحوی تبدیلی کی جملہ صورتوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

نحوی تبدیلی کی شکلیں

نحوی تبدیلی کو ہم دو حصوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ 1۔ فقروں (Phrases) میں تبدیلی۔ 2۔ جملوں یا تابع جملوں (clauses) میں تبدیلی۔ اوّل فقروں کی تبدیلی کو لیجیے۔

1۔ فقرہ کا سکڑ کر مرکب (compound) یا بعض اوقات مفرد لفظ بن

جانا۔ فقرے اور مرکّب لفظ کے بیچ کی حدود بعض اوقات غیر واضح ہوتی ہیں۔ بعض فقروں کے کمزور حصّے گھس کر دوسرے جزو کے ساتھ مل جاتے ہیں اور فقرہ محض لفظ بن کر رہ جاتا ہے۔ انگریزی میں ایسی مثالیں دیکھیے۔

On round → around
on way → away
of new → anew

بعض اوقات اجزا کے گھِسے بغیر ہی انھیں ایک مرکّب لفظ کی شکل میں لکھا جاتا ہے مثلاً never the less کو واضح ہو کہ not with standing, neverthaless مرکب نہیں فقرہ سمجھا جاتا ہے۔ اردو میں عربی فارسی کے ایسے بہت سے مرکب استعمال کیے جاتے ہیں جن کا اردو ترجمہ کیا جائے تو وہ فقرے ثابت ہوں گے مثلاً

علی الصباح (صبح کے اوپر یا بالکل سویرے)، علیٰ ہذا القیاس (اس قیاس کے اوپر)، محترمی (میرے محترم)، دلخوش کن (دل خوش کرنے والا)، لہٰذا (اسی واسطے)، اعنی عنہ، مدظلہ، درحقیقت، منجملہ، علی الترتیب، علی الرغم۔

2۔ فقروی ٹائپ میں تبدیلی

ہر زبان میں فقروں کی کچھ مخصوص ساختیں ہوتی ہیں مثلاً اردو میں صفت موصوف، مضاف الیہ مضاف، مجرور جار وغیرہ۔ فقروں کے ٹائپ میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے جو اس طرح ہے۔

1۔ بعض فقروی نوعوں کا ختم ہو جانا۔ فرنچ میں کئی فقروی ٹائپ ختم ہو گئے کیونکہ یہ ارتقائی تبدیلی کی زد میں آ گئے مثلاً ایک قسم کے فقرے تھے۔ اسم + اسمِ اضافی بہ حالتِ کج (oblique) وسطی فرنچ میں اسم کی فاعلی اور کج حالت کا صوتی فرق محو ہو گیا اس لیے فقروں کی یہ نوع بھی ختم ہو گئی اور اس کی جگہ مضاف + حرفِ اضافت + مضاف الیہ قسم کا فقرہ آ گیا۔

ب۔ نئے فقروی ٹائپ پیدا ہونا

1۔ دوسری زبان سے عاریت سے نئے فقروی سانچے پیدا ہوتے ہیں مثلاً اردو میں صفت + موصوف اور مضاف الیہ + مضاف کی ترتیب کے برخلاف فارسی سے مستعار

موصوف + صفت اور مضاف + مضاف الیہ قسم کے فقرے آ گئے مثلاً گلِ سرخ، رستمِ ہند۔ مضاف + مضاف الیہ کی ترکیب تو اب اضافت کے بغیر بھی دکھائی دے جاتی ہے مثلاً مہاراجہ جے پور، ایڈیٹر ہندوستان ٹائمز۔ انگریزی میں فرنچ کے انداز پر اس قسم کے فقرے آ گئے ہیں۔
اسم + صفت ۔ اسم + Past participle وغیرہ مثلاً سکریٹری جنرل، ہوٹل او برائے ...

2۔ دوسری زبان کی مماثلت سے بھی نئے فقروی سانچے رائج ہو جاتے ہیں مثلاً اردو میں صفت + موصوف یا مضاف الیہ + حرفِ اضافت + مضاف قسم کے فقروں کے برعکس انگریزی اثر سے اسم + اسم قسم کے فقرے بھی تخلیق کر لیے گئے ہیں مثلاً
اسکول ماسٹر، موسم گرما اسکول، کھیت مزدور، پٹیالہ ہاؤس، ریل بھون، جیون بیمہ نگم۔

3۔ جن ترکیبوں کے عناصر ایک دوسرے سے مضبوطی سے وابستہ ہوتے ہیں اُن کا رابطہ ڈھیلا کر کے یا اُن کے بیچ میں کوئی لفظ ڈال کر بھی نئے فقروی ٹائپ بنا لیے جاتے ہیں۔ فرنچ میں اس کی کافی مثالیں ہیں۔ انگریزی میں فعلی مادّے کے پہلے to لگا کر مصدر بنتا ہے مثلاً to grant, to state ۔ لیکن بعض اوقات ان کے بیچ کوئی لفظِ تمیز داخل کر دیا جاتا ہے جیسے
to humbly state, to kindly grant
یہ ایک نیا فقروی ٹائپ ہوا۔

4۔ حروفِ ربط یا حروفِ جار کو حذف کر کے فقرے بنانا۔ اس قسم کے فقرے اشتہاروں میں، خبروں کی سرخی میں، تار (ٹیلیگرام) میں عام ہیں۔ کیونکہ وہاں جگہ بچانی ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ بھی بعض مثالیں مل جاتی ہیں مثلاً ایک یا دو بچے بس، ہم دو ہمارے دو۔

اب جملے کی ساخت میں تبدیلی کو لیجیے جو فقروی تبدیلی سے زیادہ اہم ہے لیکن یہ بھی واضح ہو کہ جملے میں نحوی تبدیلی کی رفتار نہایت سست ہوتی ہے۔

1۔ اجزائے کلام (Parts of Speech) اپنی ہیئت کے لحاظ سے صرفی ردپ ہیں لیکن جملے میں باہمی رشتے کے لحاظ سے نحوی گروہ (Syntactic categories) ہیں۔ اگر ایک لفظ ایک گروہ سے نکل کر دوسرے گروہ میں چلا جانا

ہے تو گویا زبان کے نحوی ذخیرے میں کچھ تبدیلی ہوئی۔ نحوی گروہوں کی تبدیلی کی کافی مثالیں ملتی ہیں۔ یہ تبدیلی صرف و نحو دونوں سے تعلق رکھتی ہے۔

لیٹن میں (trans) حرفِ جار یا حرفِ ربط تھا۔
اطالوی اور اسپینی میں بھی یہی کیفیت ہے لیکن فرنچ میں یہ لفظ صفت اور تمیز کے قبیل بار بار استعمال ہو کر خود تمیز بن گیا ہے اور (بہت) کے معنی دیتا ہے۔

قدیم انگریزی میں down کے معنی (پہاڑی) تھے یعنی یہ اسم تھا لیکن جدید انگریزی میں یہ تمیز بن کر نیچے کے معنی میں آگیا۔ same اصلاً محض امر تھا۔ بعد میں یہ حرف استثنا (علاوہ) کے معنی بھی دینے لگا۔ انگریزی میں (ly) تمیز کے لاحقے کے طور پر مسلّم ہو گیا تو جو صفات ly پر ختم ہوتی تھیں وہ تمیز کے طور پر بھی استعمال ہونے لگیں مثلاً (daily, yearly)

This is a daily paper — صفت

This paper is published daily — تمیز

اردو میں (سخت)، لغت کے اعتبار سے محض صفت تھا مثلاً سخت لکڑی۔ اب یہ تمیز کے طور پر بھی استعمال ہونے لگا ہے مثلاً

ع پنہاں تھا دام سخت قریب آشیانے کے۔

(اور) اصلاً حرفِ عطف تھا۔ بعد میں وہ تمیز اور صفت بھی بن گیا مثلاً

میرے اور قریب آؤ (تمیز)

اور لوگ ایسا نہیں سوچتے (صفت)

2۔ تعداد یا جنس میں تبدیلی۔ اسم، ضمیر، صفت، حرفِ ربط، فعل وغیرہ میں جنس یا تعداد کی تبدیلی صرفی لاحقوں یا دوسرے چیپیوں کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن ان تبدیلیوں کا تعلق نحوی عملِ مطابقت (concord) سے بھی ہے۔ ایک لفظ کی جنس یا تعداد بدلنے سے جملے میں بعض دوسرے الفاظ یا لفظ میں بھی اسی قسم کی تبدیلی ہوتی ہے۔ اس لیے جنس یا عدد کی تبدیلی نحوی تبدیلی بھی کہلائے گی۔

انگریزی میں اسم جمع (collective noun) کو عموماً واحد استعمال کیا جاتا ہے لیکن کبھی کبھی اُن کے ارکان یا افراد کو پیشِ نظر رکھ کر اُن کے ساتھ جمع کا فعل بھی لایا جاتا ہے اور اس صورت میں اُنھیں اسم کثرت (noun of multitude)

کہا جاتا ہے مثلاً The army of the queen meant to besiege us. (شیکسپیر)

The Government have decided that......

اسی قسم کا استعمال youth جیسے لفظ کے لیے بھی ہوتا ہے جو اسم کیفیت سے بدل کر اسم جمع اور واحد دونوں کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

جدید فرنچ میں جمع کے لاحقے کا استعمال بہت کم ہو گیا ہے۔ یہ لکھا جاتا ہے لیکن بولنے میں شاذ ہی ظاہر کیا جاتا ہے۔

لیٹن میں Templa جیسے لفظ اصلاً واحد مونث تھے لیکن اسم جمع تھے۔ چونکہ لیٹن میں جمع بنانے کے لیے بھی a کا لاحقہ لگایا جاتا ہے اس لیے یہ الفاظ اسم جمع کی بجائے جمع کا صیغہ سمجھے جانے لگے اور ان کے ساتھ جمع کا فعل لایا جانے لگا۔ لیٹن میں واحد مونث اور جمع جنس مشترک (neuter plural) کی ہیئت یکساں ہوتی ہے اس لیے لیٹن سے ارتقا پانے والی رومانس زبانوں میں بعض جمع جنس مشترک بدل کر واحد مونث ہو گئے۔

ہند آریائی زبانوں میں جمع بطور واحد کا استعمال ابہام پیدا کرنے والا ہے۔ دکنی میں ایسے موقعوں پر جمع کا صیغہ لاتے ہیں

ع یوں دوستاں کے ہجر میں داغاں ہیں سینے پر ولی

معیاری اردو میں کہیں گے (سینے پر داغ ہیں)

اودھی اور بھوج پوری میں جمع بطور واحد کے اسموں میں وضاحت کے لیے جمع کا لاحقہ لگانے لگے ہیں[1] مثلاً

	واحد	جمع
پرانا انداز	بردھا کھات اَہے	بردھا کھات اَہیں
نئی ترمیم	بردھا کھات اَہے	بردھوَن کھات اَہیں

انگریزی میں ضمیر واحد حاضر thou کی جگہ ضمیر جمع حاضر you کا بطور واحد استعمال بھی نحوی ترمیم ہے۔

---

[1] بھولاناتھ تواری : بھاشا وگیان (ہندی) ص 265

عربی سے اردو میں اور سنسکرت سے ہندی میں آکر کئی لفظوں کی تذکیر و تانیث بدل بدل گئی ہے۔ اردو میں بھی قدما اور متاخرین کے یہاں ایسی تبدیلیاں ملتی ہیں۔ دلی اور لکھنؤ کی بولی میں ایسے فرق ہیں لیکن ہمارے لیے مفرد مثالوں سے زیادہ اہم وہ مثالیں ہیں جہاں کوئی لسانی گروہ یا اصول نحو کارہو مثلاً

لکھنؤ میں مصدر کو ہمیشہ واحد مذکر لاتے ہیں اس پر تصریف کا عمل نہیں کرتے۔ دلی میں ایسی پابندی نہیں

دلی کا انداز	لکھنؤ کا انداز
خربوزہ کھانا ہوگا	خربوزہ کھانا ہوگا
روٹی کھانی ہوگی	روٹی کھانا ہوگی
خربوزے کھانے ہوں گے	خربوزے کھانا ہوں گے
روٹیاں کھانی ہوں گی	روٹیاں کھانا ہوں گی

لکھنوی انداز میں جنس اور عدد کی مطابقت درہم برہم ہوگئی ہے۔ یہ اہم تبدیلی ہے۔ اب لکھنوی انداز لکھنؤ سے مخصوص نہیں رہا بلکہ کہیں بھی اس انداز سے بول دیتے ہیں۔

عربی کے انداز پر بعض حضرات عربی کے مونث اسماء کو جمع کی صورت میں مذکر کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ بھی اہل لکھنؤ کا پسندیدہ شیوہ ہے مثلاً خصوصیات، اقسام، انواع وغیرہ کو مذکر استعمال کرنا۔

غالب کے کلام کی ایک خصوصیت یہ ہے

غالب کے کلام کے خصوصیات یہ ہیں

اسم و ضمیر کی حالت میں تبدیلی۔ زبانوں کے تاریخی ارتقا میں یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض نحوی گروہوں میں کمی آجاتی ہے۔ سنسکرت میں اسم کی آٹھ حالتیں تھیں۔ کم از کم صوتی حیثیت سے ہندی اردو میں تین (بعض صورتوں میں دو) ہی حالتیں رہ گئی ہیں۔ قدیم اردو میں ضمیر کی اضافی حالت کے لیے حسب ضرورت مفعولی حالت کا بھی استعمال کیا جاتا تھا مثلاً

ع جاں سپاری ہے کام تجھ لب کا

ع تجھ لب کی صفت لعل بدخشاں سے کہوں گا

جادو ہیں ترے نین غزالوں سے کہوں گا

ترے لب کی جگہ 'تجھ لب' استعمال کیا ہے لیکن دوسرے مصرع میں صحیح حالت 'ترے نین'، باندھا گیا ہے۔

لیٹن کے واحد اسم کی چھ حالتیں تھیں۔ قدیم فرنچ میں دو اور جدید فرنچ میں صرف ایک رہ گئی۔

فعل میں تبدیلی۔ اردو فعل میں سب سے اہم تبدیلی یہ ہوئی ہے کہ انیسویں صدی کے وسط تک حال کا صیغہ بنانے کے لیے فعل کے مادّے میں 'تا ہے' لگانے کی بجائے 'ے ہے' لگاتے تھے یعنی آئے ہے، جائے ہے۔ اب آتا ہے، جاتا ہے، کہتے ہیں۔ حال میں احیا کے طور پر بہت سے شعرا نے غزلوں میں اسی قدیم انداز کے فعل باندھے ہیں۔ واضح ہو کہ مغربی یوپی کی عوامی کھڑی بولی میں متکلم کے صیغے میں اب بھی 'کرتا ہوں' کی بجائے 'کردں ہوں' جیسے روپ بولتے ہیں۔

قدیم اردو میں 'ہونا' کے مضارع اور امر میں فرق کیا جاتا تھا لیکن اب یہ جاتا رہا ہے۔ اسی طرح متکلم کے صیغے میں مضارع اور حال میں ادغام ہو کر التباس پیدا ہو گیا ہے۔

	قدیم اردو	جدید اردو
مضارع غائب	وہ ہووے یا وہ ہوے	وہ ہو
مضارع حاضر	تم ہوؤ	تم ہو
امر	تم ہوؤ یا ہوجیو	تم ہو
مضارع متکلم	میں ہوؤں	میں ہوں
حال متکلم	میں ہوں	میں ہوں

ایک طرف مضارع غائب، مضارع حاضر اور امر کا ادغام ہوا تو دوسری طرف مضارع متکلم اور حال متکلم یکساں ہو گئے۔ ان میں بہت التباس ہوتا ہے۔

اردو ہندی میں ضمیرِ احترامی اور فعلِ احترامی ایسے روپ ہیں جو کم زبانوں میں ہوتے ہوں گے۔ بھوپال کے علاقے میں ان میں یہ تبدیلی کی گئی ہے کہ آپ کے ساتھ فعل کے وہ روپ لانے لگے ہیں جو تم کے ساتھ آتے ہیں مثلاً

آپ ایسا کرو　　　　آپ کھانا کھاؤ

اردو میں اسلوب کی خاطر فعل کے کچھ مخصوص روپ بھی آتے ہیں یعنی مصدر کی بجائے کوئی منصرف شکل لائی جاتی ہے۔

آٹھ بجا چاہتے ہیں　　　　('بجنا چاہتے ہیں' کی بجائے)

ع ورنہ کیا بات کر نہیں آتی　　　　('کرنی نہیں آتی' کی بجائے)

لیٹن میں صوتی تبدیلی کی وجہ سے فعلِ ماضی کے غائب، حاضر، متکلّم کے صیغوں میں یکسانیت آگئی لیکن بعد میں پھر کسی قدر فرق ہو گیا۔ ذیل کی مثال میں تین روپ ہیں۔ پہلی سطر کے معنی ہیں 'میں کھا رہا تھا'۔ دوسری سطر کے معنی ہیں 'تو کھا رہا تھا' اور تیسری کے معنی ہیں 'وہ کھا رہا تھا'۔

	Latin	Pre Italian	old Italian	modern
1st	kanta:bam	kantava	kantava	kantavo
2d	kanta:bas	kantava	kantavi	kantavi
3rd	kanta:bat	kantava	kantava	kantava

یہ صوتی، صرفی اور نحوی تینوں قسم کی تبدیلیوں کی مثال ہے۔

5- حروف کے استعمال میں تبدیلی۔ قدیم اردو میں 'نے' کے استعمال میں بہت خلفشار تھا۔ یہ کہیں لایا جاتا تھا کہیں حذف کر دیا جاتا تھا اور یہ دکن سے مخصوص نہ تھا بلکہ شمالی ہند کی اردو میں بھی ایسا ہی تھا مثلاً

ع رات ہم ہجر کی دولت سے مزا لوٹا ہے　　　　شاہ حاتم

گل کو محبوب ہم قیاس کیا　　　　فرق نکلا بہت جو باس کیا　　　　میرؔ

میں جو گردوں کو بہ میزانِ طبیعت تولا　　　　تھا یہ کم وزن کہ ہم سنگِ کفِ خاک چڑھا

اردو میں 'کو' کا حذف اور استعمال من مانا ہے مثلاً — — — — غالبؔ

ع بہہ رہی تھیں مستیوں کی ندیاں کل رات کو

یا کل رات مستیوں کی ندیاں بہہ رہی تھیں

۷۔ **جملے کی ساخت میں تبدیلی۔** قدیم فرنچ میں جملے کی مرغوب ساخت یہ تھی کہ فعل کے ساتھ ضمیر فاعل کو مقدّر کر دیتے تھے کیونکہ فعل میں تعداد اور جنس مضمر ہوتی تھی جس کی وجہ سے ضمیر اس میں مقدّر سمجھی جاتی تھی۔ اردو میں بھی بعض صورتوں میں حاضر اور متکلم کی ضمیر مقدر کر دی جاتی ہے مثلاً

آتا ہوں　　　　ابھی چلتا ہوں

باغ کی سیر کو چلتے ہو　　　　بھاگو یہاں سے

رفتہ رفتہ صوتی تبدیلی سے فرنچ فعل میں جمع متکلم اور جمع غائب کے صرفی لاحقے محو ہو گئے اور اُن صیغوں کے بیچ سے امتیاز اُٹھ گیا۔ آخر کار وسطی فرنچ اور جدید فرنچ میں ضمیرِ فاعل کو استعمال کرنے کا رواج ہو گیا جو اب تک ہے۔ گویا قدیم فرنچ جملہ محض 'مسند' ٹائپ کا ہوتا تھا۔ سترھویں صدی سے مسند الیہ + مسند ٹائپ کا رواج ہو گیا۔

قدیم انگریزی میں سولھویں صدی تک استفہام کے لیے فعل کو فاعل سے پہلے رکھ دیتے تھے اور اس کے مشتقات کی مدد لیتے تھے مثلاً

Know ye this man?
Why sings she so loved?

اب فعل اور فاعل کی ترتیب الٹنے کی ضرورت نہیں رہی۔ شروع میں یا تو حرفِ استفہام لگا دیتے ہیں یا do یا have یا be کے مشتقات سے کام لیتے ہیں مثلاً

Do you follow?
Have you followed?
Is he following
What do you want?

ان سب میں بنیادی فعل فاعل کے بعد ہے۔

اردو میں جملے کی ساخت میں تاریخی دور میں کافی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔

مثنویوں اور داستانوں میں عنوان کے طور پر اردو جملے فارسی نحو کے انداز پر لکھے

جاتے تھے

جانا گلفام کا راجہ اندر کی سبھا میں اور مانگنا سبز پری کو ظاہر ہے کہ یہ فارسی کا لفظی ترجمہ ہے۔ اور قرآن کے ترجموں کی وجہ سے قدیم اردو میں عربی نحو بھی رائج تھا۔ انشا نے رانی کیتکی کی کہانی حمد کو اس طرح شروع کیا ہے۔

سر جھکا کر ناک رگڑتا ہوں میں اس بنانے والے کے سامنے

یہ عربی ترجمے کے اس انداز کے جملوں کی مماثلت پر ہے

تعریف ہے اس خدا کی کہ بنایا جس نے زمین اور آسمان کو اُنھیں سے گمراہ ہو کر تو گریرسن نے لکھ دیا تھا کہ اردو اور ہندی زبان میں یہ فرق ہے کہ اردو میں فعل فاعل سے پہلے لاتے ہیں اور ہندی میں فاعل کے بعد۔

دکنی اور شمالی اردو میں فاعل، مفعول، فعل، صفت، موصوف، حرف وغیرہ میں جنس اور تعداد کی مطابقت میں جو فرق ہیں اُن کی تفصیل اطناب کے خوف سے یہاں قطع کی جاتی ہے۔ اردو ادب کے طالب علم ان سے بخوبی واقف ہیں۔ شمالی ہند کی ابتدائی اردو میں بھی دکنی انداز مل جاتا تھا۔

گلزارِ نسیم میں بعض مصرعوں کا نحو دکنی انداز کا ہے۔

ع بھڑکائی جمیلہ مادر اس کی

(یعنی اس کی مادر جمیلہ کو بھڑکایا)

ع (جو گائیں تھیں شہانے گائیں)

(یعنی جو گائیں تھیں اُنھوں نے شہانے گائے)

اور ذیل کی مثال تو دکنی سے بھی مختلف ہے

اس شب کو بغل میں آکے جاگا پر دوسری شب وہ جا کے جاگا

دکنی انداز کی ایسی مثالیں چکبست نے واجد علی شاہ اور بادشاہ محل عالم کی مثنویوں سے بھی پیش کیں۔

حال میں انگریزی اثر سے جملے میں بعض تبدیلیاں دکھائی دیتی ہیں۔ کبھی کبھی جملے کے بیچ دخل در معقولات کے طور پر قوسین میں کوئی فقرہ درج کر دیا جاتا ہے۔ یہ انگریزی میں دو ــــ کے بیچ داخل ہونے والے معترضہ فقرے کا قائم مقام ہے مثال

"اگر میں وہاں مقرر ہو گیا (اور اس کا قوی امکان ہے) تو آپ کی حتی الامکان مدد کروں گا۔"

شاذونادر اس قسم کا جملہ بھی دکھائی دے جاتا ہے۔

"میں کہ داستانوں کا حشیش خوردہ ہوں مجھے غبارِ خاطر کے انشائیے اور کرشن چندر کے رومانی بیانات بہت خوشی آتے ہیں"

انگریزی کے اثر سے کبھی کبھی بالواسطہ (in direct) انداز سے بھی نوازا جاتا ہے مثلاً

رام نے کہا وہ کل جائے گا

7- پیچیدہ جملے استعمال کرنا۔ بول چال میں چھوٹے جملے لکھنے کا رواج ہے مثلاً

دس بجے ہیں، اب میں چلتا ہوں

کتابوں میں حرفِ علت، استثنا، شرط، جزا وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے

چونکہ اب دس بجے ہیں اس لیے میں چلتا ہوں

عربی فارسی نے اس طرح کے بہت سے حروف اردو کو دیے مثلاً چونکہ، کیونکہ (دونوں فارسی انداز پر ہیں)، اگرچہ، البتہ، چنانچہ، لہٰذا

قدیم فرنچ میں سادہ قرب نشیں جملوں (Paratical) کا رواج تھا مثلاً

ni at celui ne plourt ni ne criest

(There is not the one, does not weep and cry)

لیکن زیادہ پڑھے لکھے لوگوں نے لیٹن کی دیکھا دیکھی فرنچ میں بھی تابع جملوں کے شروع میں ربط کے الفاظ کا استعمال شروع کیا۔

انگریزی ہو یا اردو انھیں وجوہ سے تحریر میں اب، پیچیدہ اور طویل جملوں کا رواج بڑھ گیا ہے۔

پندرھواں باب

معنوی تبدیلی

اگر کسی لفظ میں مروجہ مفہوم یا مفاہیم کے علاوہ کوئی مفہوم شامل ہو جائے یا کسی مفہوم کی ادائیگی کے لیے مروجہ صوتی ہیئت (لفظی شکل) کے علاوہ کوئی اور صوتی ہیئت کام میں آنے لگے تو یہ معنوی تبدیلی ہے۔ یہ تبدیلی تاریخی بھی ہو سکتی ہے جغرافیائی بھی۔ تاریخی معنوی تبدیلی وہ ہے جب ایک لفظ پہلے کسی اور معنی میں استعمال ہوتا تھا اور بعد میں کسی دوسرے معنی میں استعمال ہونے لگا مثلاً انیسویں صدی کی ابتدا تک اردو میں 'رنڈی' عورت کے معنی میں آتا تھا۔ اب یہ طوائف کے معنی دیتا ہے۔ جغرافیائی یا مکانی تبدیلی وہ ہے کہ ایک لفظ ایک علاقے میں ایک معنی میں بولا جائے اور دوسرے علاقے میں کسی اور معنی میں ہو مثلاً شمالی ہند کی اردو میں 'جھٹکا' دھچکا جیسے معنی میں آتا ہے، حیدرآباد میں تانگے کے معنی میں اور پنجاب میں سکھ طریقے سے ذبح کیے ہوئے جانوروں کے گوشت کے معنی میں۔ یا یوپی میں دائی بچہ جنانے والی عورت کو کہتے ہیں اور بہار میں برتن صاف کرنے والی ملازمہ کو۔

جغرافیائی تبدیلی سے ملتی جلتی چیز طبقاتی معنوی تبدیلی ہے۔ کبھی کبھی ایک زبان کے ایک علاقے اور ایک زمانے میں مختلف طبقوں میں لفظ کے معنی کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ شمالی ہند کے ہندوؤں میں 'بوا' کے معنی باپ کی بہن کے ہیں اور مسلمانوں میں بہن یا سہیلی کے۔ نیز بھوپال کے مسلمانوں میں بوا خادمہ کو کہتے ہیں۔ طبقات کے علاوہ کبھی کبھی افراد کی حد تک بھی معنوی تبدیلی ہو جاتی ہے مثلاً میں نے اپنے ایک عزیز خاندان میں باپ کو 'تادجی' کو کہتے سنا ہے یا ماں کو آنٹی (Aunty)۔ وجہ یہ ہے کہ ان گھرانوں میں باپ کا کوئی بھتیجا اُسے

تاؤ کہتا ہوگا۔ اسے سن کر بیٹے بھی تاؤ کہنے لگے۔ اسی طرح کسی دوسرے سے اپنی ماں کو 'آنٹی' سن کر بچہ اپنی ماں کو آنٹی کہنے لگا۔ میں نے کسی غیر اردو داں شخص کو حرج کے معنی میں 'حرکت' بولتے سنا ہے جو ناواقفیت کی وجہ سے تھا۔

کوئی حرکت نہیں　　　　به معنی کوئی حرج نہیں

معنوی تبدیلی کی شناخت کے کئی طریقے ہیں

پہلا طریقہ ہے کہ مختلف زبانوں کے متون موجود ہوں تو ان میں ایک لفظ کے مختلف معنی نظر آجائیں گے۔ ہم سیاق سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ لفظ کن معنوں میں آیا ہے۔ اس طرح اس لفظ کے عہد بہ عہد معنی کا اندازہ ہو جائے گا مثلاً لاطینی اور انگریزی میں کئی ہزار سال میں لفظ Person یا اس کے قدیم روپوں میں معنی کی کیا کیا تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ روم کے ڈراموں میں کردار منہ پر جو مکھوٹے (mask) باندھتے تھے انھیں Persona کہا جاتا تھا۔ اس سے معنی بدلے 'کردار جو مکھوٹے سے ظاہر ہو'۔ پھر کردار کا نمائندہ، 'انسانوں کا نمائندہ' اور آخر کار 'شخص' کے معنی میں آنے لگا۔ گرجا کے نمائندے کے معنی میں اسے Person کر لیا گیا۔ انجیل کے انگریزی ترجمے میں نباتات کے لیے کہا گیا ہے۔

To you they shall be for meat

ظاہر ہے کہ یہاں meat کا لفظ گوشت کے معنی میں نہیں خوراک کے معنی میں ہے۔ غالب کے مصرع

ع　　دل ہی تو ہے سیاستِ درباں سے ڈر گیا

میں سیاست آج کل کی سیاسیات کے معنی نہیں ڈانٹ ڈپٹ یا سزا کے معنی میں ہے۔

معنی کی تاریخی تبدیلی کی شناخت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مماثل زبانوں یا بولیوں میں ایک لفظ کے مماثل روپوں کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں اس روپ کے بدلے ہوئے معنی کا اندازہ ہو جائے گا مثلاً انگریزی chin کے مماثلات

ا۔ یونانی genus، جرمن Kunn، ڈچ Kin، انگریزی chin ٹھوڑی

ب۔ لیٹن gena، پرانی فارسی (old norse) Kenn، اسکینڈے نیویا کی زبانوں میں Kinn بہ معنی رخسار

ج۔ سنسکرت ہانوہ بمعنی جبڑا۔

تقابلی طریقے سے ایک نام کے مختلف مفہوم اور ایک مفہوم کے مختلف ناموں کا اندازہ ہوا۔ دونوں ہی معنوی تبدیلیاں ہیں۔ اسی طریقے سے ہم عربی فارسی اور اردو میں بعض الفاظ کا مقابلہ کریں تو معنوی تبدیلی کا اندازہ ہو جائے مثلاً

لفظ	عربی فارسی مفہوم	اردو مفہوم
عرصہ	میدان	مدت
غصہ	غم	طیش

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ جو الفاظ صوتی اور معنوی اعتبار سے مماثل ہیں اُن کی تحقیق کیجیے مثلاً Think اور Thank۔ قدیم انگریزی میں thank کے معنی 'خیال' ہی کے تھے۔
اسی طرح سبھاگ، سہاگ۔ بچھرا، بچھیرا۔ بھوج، بھوگ، بھوجن میں معنوی تبدیلی ہے۔

چوتھا لیکن کم معتبر طریقہ یہ ہے کہ لفظ کی مارفیمی ساخت کا تجزیہ کیا جائے تو اس سے اصلی قدیمی ابتدائی معنی سامنے آسکتے ہیں مثلاً شاگرد پیشہ میں شاگرد کا مارفیمی تجزیہ کیا جائے تو اس کے اجزا شاہ گرد سامنے آتے ہیں یعنی بادشاہ کے گرد پھرنے والے لوگ۔ انگریزی لفظ ___ ready کے اجزا کی تحقیق کی جائے تو معلوم ہوگا کہ [y] محض نسبتی ہے اور پہلا جزو ride سے مشتق ہے یعنی سواری کے لیے تیار۔ کبھی کبھی یہ طریقہ گمراہ کن ہو سکتا ہے کیونکہ لفظ کا موجودہ روپ اس کے موجودہ مفہوم سے بعد کا ہو سکتا ہے یعنی یہ 'غلط لفظ اصلیات' کا نتیجہ ہو سکتا ہے مثلاً انگریزی goose berry۔ میں goose بمعنی ہنس سمجھ لینا۔

پانچواں اور سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ لغات میں لفظ کے معنی دیکھ لیجیے وہاں مختلف قدیم و جدید معنی دیے رہتے ہیں جن سے تبدیلی آئینہ بن کر سامنے آجاتی ہے۔

معنوی تبدیلی تاریخی معنیات کا موضوع ہے۔ اسے صوتی اور مارفیمی تبدیلی کے قاعدوں سے پرکھنے کی کوشش عام ہے لیکن صحیح نہیں۔ صوتی تبدیلی باقاعدہ ہوتی ہے معنوی تبدیلی منفرد ہوتی ہے۔ صوتی تبدیلی غیر شعوری ہوتی ہے معنوی تبدیلی نسبتاً ارادی۔ صوتی تبدیلی میں مماثلت کا جو ہاتھ وہ معنوی تبدیلی میں نہیں۔ معنوی تبدیلی کا تعلق مارفیمی تبدیلی سے زیادہ ہے۔ یعنی لغت میں ایک لفظ کے مارفیمی تبدیلی سے لغاتیات کی دو شاخیں ہیں مارفیمیات اور معنیات یعنی لغت میں ایک لفظ کے مارفیمی اجزا دیے جاتے ہیں اور اُن

کے معنی۔ اس طرح مارفیمی تبدیلی براہِ راست معنوی تبدیلی کا باعث بن سکتی ہے۔ صوتی تبدیلی کا تعلق بھی مارفیمی تبدیلی سے ہے۔ قواعدی (مارفیمی) نظام صوتی اور معنوی نظام کے بیچ میں ہے۔ صوتی نظام بہت باقاعدہ ہوتا ہے۔ قواعدی نظام قدرے ڈھیلا ہوتا ہے مثلاً اردو میں تانیث اور جمع بنانے کے بھانت بھانت کے طریقے۔ معنوی نظام میں اس قدر ڈھیل ہے کہ اسے نظام کہنا ہی مشکوک ہے لفظ کی ہیئت اور مفہوم کا تعلق بہت ڈھیلا اور عارضی ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ بدلتا رہتا ہے۔

ونٹ (Wundt) نے معنوی تبدیلی کو دو حصوں میں تقسیم کیا منفرد (Singular) اور باقاعدہ (Regular)۔ منفرد سے مراد وہ تبدیلی تھی جو یکایک ہوگئی ہو اور باقاعدہ سے مراد وہ جو بہ تدریج ہوئی ہو۔ یہ تقسیم اطمینان بخش نہیں کیونکہ معنوی تبدیلی جس وقت عمل میں آئے گی وہ یکایک ہی ہوگی۔ ہاں اس کی اشاعت اور ترویج بہ تدریج ہوسکتی ہے۔ اس طرح معنوی اجنساد تو وقت کے ایک نقطے ہی میں عمل میں آئے گا اس کا استحکام بہ تدریج ہوگا۔ اگر قدیم اصلی اور مجازی معنی کے بیچ کچھ منزلیں ہیں تو وہ تدریج نہیں بلکہ تبدیلیوں کی زنجیر ہیں مثلاً مندرجہ بالا مثال Person میں مکھوٹے، کردار اور شخص کے مفاہیم یا سنسکرت پتر کے اصلی معنی پتا تھے چونکہ پہلے زمانے میں پتے پر لکھے جاتا تھا اس لیے اس کے معنی ورق کے ہوگئے۔ چونکہ ورق باریک ہوتا تھا اس لیے 'پتلا' کے معنی باریک قرار پائے۔ اسی طرح پتر دھات کی باریک چادر کو کہا گیا۔ اب اس معنوی تبدیلی کو ایک تدریجی تبدیلی کہنے کی بجائے چار پانچ متعاقب تبدیلیوں کا سلسلہ موزوں تر ہے۔

تبدیلی کی ایک قسم عارضی اور پائدار ہے۔ عارضی تبدیلی ناواقفیت پر عدم احتیاط کے باعث ہوتی ہے مثلاً یہ کہنا

آپ نے بھی تو عرض کیا تھا (فرمایا تھا کی بجائے)

سلینگ (Slang) میں کوئی لفظ تھوڑے عرصے کے لیے رائج رہتا ہے تو اسے بھی عارضی تبدیلی کہیں گے کیونکہ وہ جلد ہی چلن سے نکل جاتا ہے اس کے مقابلے پر جو تبدیلی زبان میں بس جائے وہ مستقل تبدیلی ہے۔

تبدیلی کی ایک قسم شعوری اور غیر شعوری ہے۔ بول چال کا استعارہ غیر شعوری ہوتا ہے ادب میں دور کے استعارے شعوری ہوتے ہیں۔ میرامن نے جب لکھا "دو جب تلک تھنوں

دم ہے "تو اُنھوں نے شعوری طور پر نتھنوں کے معنی بدلے۔ عام طور پر نتھنے جانوروں کی ناک کے سوراخ کو کہتے ہیں۔ میرامن نے انسانی ناک کے سوراخ کے معنی دیے۔ یا سرشار نے 'صبح خیزیے' کے لفظ کو اچکّے کے معنی میں لاکر اس لفظ کے لغوی معنی بدلے۔ یہی کیفیت جوش کے استعارے 'الاماں نشۂ جٹا دھاری' میں جٹا دھاری کے معنی کی ہے۔ یہ تبدیلیاں شعوری ہیں۔

تبدیلیوں کی کچھ اور قسمیں ان کے اسباب کی بنا پر کی گئی ہیں وہ اسباب کے سلسلے ہی میں دیکھ لی جائیں گی۔

معنوی تبدیلی کا تفصیلی مطالعہ دو شقوں میں کیا جائے گا۔

(1) معنوی تبدیلی کے اسباب (2) معنوی تبدیلی کی شکلیں یا مظاہرہ

ان دونوں پہلوؤں کو آب بند خانوں میں نہیں بانٹا جا سکتا مثلاً اطلاق میں مفہوم کا بدلنا یا زور (emphasis) کے انتقال کے باعث مفہوم کا بدلنا سبب کے ذیل میں بھی آ سکتا ہے تبدیلی کے مظہر کے ذیل میں بھی۔ پھر مختلف اسباب بھی کہیں کہیں آپس میں مل جاتے ہیں یعنی ایک تبدیلی ایک سے زیادہ اسباب کے زیرِ اثر ہو سکتی ہے۔ کبھی یہ اسباب بہ یک وقت کار فرما ہوتے ہیں کبھی ایک دوسرے کے متعاقب۔

معنوی تبدیلی کے اسباب بہت زیادہ ہیں۔ ماہرین نے طرح طرح سے ان کی گروہ بندی کی کوشش کی ہے۔ ہم مماثل اسباب کو ایک ساتھ لے کر درج کریں گے بعد میں مختصراً ان کی گروہ بندی پر نظر ڈالیں گے۔ ہم پہلے ان اسباب کو لیتے ہیں جو بالخصوص عصریاتی ارتقا سے تعلق رکھتے ہیں۔

1۔ تاریخی، سیاسی، انتظامی اور قانونی عوامل

تاریخ، سیاست، انتظامی، امور، قانون، عدلیہ وغیرہ بہت سے الفاظ کو لغوی معنی سے علیحدہ اصطلاحی معنی عطا کرتے ہیں۔ مثالیں بہ کثرت ہیں۔

فوجداری: اگلے وقتوں میں فوج کا افسر مجسٹریٹ کا کام بھی کرتا تھا۔ اس لیے اب فوج داری کے معنی تعزیراتِ ہند سے متعلق جرائم اور ان جرائم کی سماعت کرنے والی عدالت کے ہو گئے ہیں۔ نظام حیدر آباد کا خطاب پہلے نظام کے خطاب نظام الملک آصف جاہ سے ماخوذ ہے۔ نظام الملک کے لغوی معنی 'ملک کا نظام' ہیں۔ تحصیل دار اصلاً محصول وصول کرتا تھا اب مال گزاری اکٹھا کرنا اور سب ڈویژن کی نظامت دونوں کام اس کے سپرد ہیں لیکن

کہلاتا اب بھی تحصیلدار ہے۔ کانگریس کے لغوی معنی (اجتماع) کو سیاست نے ایک سیاسی پارٹی کے نام میں بدل دیا ہے۔ بیڑا اٹھانا راجپوتوں کی اس رسم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جب کسی مشکل کام کی ذمہ داری قبول کرنے کی علامت کے طور پر تھالی میں سے پان کا بیڑا اٹھاتے تھے۔ کوت وال اصلاً کوٹ + وال تھا یعنی قلعے کا حاکم۔ پہلے زمانے میں شہر کی پوری بستی قلعے میں بستی تھی۔ ان کا منتظم کوت وال کہلاتا تھا۔ اب شہر کے پولیس افسر کو کہتے ہیں اور پولیس کے صدر دفتر کو کوتوالی۔

سنبھل کا پاٹ اتارنا، fifth column (اسپین خانہ جنگی میں غداروں کا دستہ)، غدر (انگریزوں کے نقطۂ نظر سے 1857ء کی جنگ) گھر کا بھیدی (رامائن میں بھبھیشن) لنکا ڈھائے، جمہوریت، ستیہ گرہ، ہڑتال، بھوک ہڑتال، گھیراؤ، بندھ، پارٹی وغیرہ بہت سے الفاظ اور فقروں کی معنوی تبدیلی تاریخ و سیاست نے کی ہے۔ انتظامیہ اور عدلیہ سے متاثر ہونے والے الفاظ بھی کچھ کم نہیں۔

تحصیلدار، قانون گو، کلکٹر، ڈپٹی، کمشنر، گورنر، سکریٹری، وزیر، صدر، لفٹنٹ، کیپٹن، میجر جنرل، پرنسپل، بل، ودھے یک، عدالت (لغوی معنی انصاف، بدلے ہوئے معنی کچہری)، ڈگری، مقدمہ، ضمانت، عرضی دعوی، جواب دعوی، Execution (لغوی معنی ڈگری کی تعمیل کرنا، اصطلاحی معنی پھانسی دینا) Chair (امریکہ میں پھانسی دینے والی بجلی کی کرسی) white وغیرہ۔

2۔ معاشی عوامل

معاشی عوامل بھی بہت سے لفظوں کے غیر لغوی معنی کے ذمہ دار ہیں مثلاً

ماشہ: ماش یعنی ارد سے ماخوذ ہے۔ ٹنکہ اور ٹکہ، سنسکرت میں ٹنک ٹھپہ لگانے کو کہتے ہیں اس سے پہلے ایک سکہ ٹنگہ اور بعد میں ٹنکہ اور ٹکہ بنا۔ انگریزی کا لفظ fee لیٹن لفظ Pecu سے نکلا ہے۔ اس سے ایک طرف Pecuniary (مالی) ماخوذ ہوا دوسری طرف قدیم انگریزی feoh (= مویشی، جائداد، روپیہ)۔ یہی fee بن گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً مویشی ہی جائداد اور دولت ہوتے تھے۔

اسٹاک ایکسچینج میں bull اور bear کے معنی کہاں سے کہاں پہنچے ہیں۔ یہ سٹہ کرنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ بیل اپنا سر اونچا رکھتا ہے ریچھ نیچا اس لیے یہ مہنگائی اور

ارزانی کی علامتیں ہوگئیں۔ انگریزی لفظ ایکسچینج کے معنی ادلا بدلی کے ہیں اب یہ دوسرے ملکوں کے سکے کے معنی میں استعمال ہوتے۔ روپیہ کے معنی (چاندی کا ، روپہلا) ہیں۔ اب کاغذ کے نوٹ کو بھی روپیہ کہتے ہیں۔ سود ، بھومیار (بہار میں ایک ذات) وغیرہ بھی اسی قسم کے الفاظ ہیں۔

3- مذہبی عوامل

مذہب نے بھی بہت سی اصطلاحیں دی ہیں۔ ذیل کے الفاظ کے لغوی معنی قوسین میں دیے جاتے ہیں۔

برت (عہد) :۔ یاتری (سفر کرنے والا۔ چونکہ قدیم عہد میں لمبا سفر صرف مقدس مقامات تک ہی کیا جاتا تھا اس لیے یاتری زائر کے مترادف ہو گیا)۔ ہجرت۔ صحابی (پاس بیٹھنے والا). پیغمبر۔ حدیث (بات)۔ روزہ (روز سے متعلق)۔ نیل کنٹھ (نیلے گلے والا یعنی شیو)۔ دھرم (فرض)۔ (اجتماع۔ اصطلاحاً رومن کیتھولک لوگوں کی اجتماعی دعا)۔ (کام پورا کرنے والا۔ اصطلاحاً پادری)۔ فادر (والد ، اصطلاحاً پادری)۔

4- تہذیبی اسباب

گو مندرجہ بالا تمام عوامل بھی تہذیب کے اندر آجاتے ہیں لیکن اب ہم ایسے عوامل کا ذکر کرتے ہیں جو خالص سماجی ہیں۔

سماج میں ہر تبدیلی اور اجتہاد ، ہر نئے ادارے کا جنم موجود الفاظ میں معنوی تبدیلی کرتا ہے۔ لہٰذا مثالیں۔

حقہ پانی بند = برادری سے خارج کرنا۔ پنچ (لغوی معنی پانچ آدمی۔ اب ایک آدمی بھی ثالث ہو تو اسے پنچ کہہ سکتے ہیں)۔ ثالث۔ ہریجن (لغوی معنی بھگوان کا آدمی)۔ سدا سہاگن (طوائف)۔ اہل نشاط۔ مطربہ (طوائف)۔ گھر والی۔ گھر والا۔ کوٹھے والی۔ ساہوکار یا مہاجن (اصطلاحی معنی سود پر روپیہ دینے والا)۔ ٹٹی (لفظی معنی پردہ) بیت الخلا۔ سورگ باش۔ اللہ کو پیارا ہونا۔ اسٹیج۔ تھیئٹر وغیرہ۔

سماجی ماحول کی تبدیلی سے لفظ اپنے معنی بدل دیتے ہیں یعنی ایک طبقہ میں ایک لفظ کے کچھ

معنی ہوتے ہیں دوسرے طبقے میں کچھ اور مثلاً sister گھر میں بہن ہے۔ اسپتال میں نرس، گرجا میں پاران، کنوینٹ اسکول میں ماسٹرنی۔ قلم کے معنی لکھنے پڑھنے والوں کے لیے خامہ اور مالی کے لیے پیڑ کی شاخ ہیں۔ چادر کے معنی لوہار کے لیے ٹین کی چادر، گھر میں کپڑے کی چادر اور سیاح کے لیے آبشار کی چادر ہیں۔

5۔ تکنکی اور مادّی (Material) عوامل

معاشرت کے ارتقا کے ساتھ اس کی مادی اشیا میں بھی ارتقا ہوتا رہتا ہے۔ ان کے نام پرانے رہتے ہیں اس طرح ان کا مفہوم بدل جاتا ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

لیٹن Pena اور فرنچ Plume کے معنی پنکھ کے ہیں۔

جب پنکھ سے قلم بنایا گیا تو فرنچ میں plume اور انگریزی میں pen کہا گیا۔ اب قلم دوسرے مادّوں سے بنتا ہے پھر بھی اس کے فرنچ اور انگریزی نام میں فرق نہیں آیا۔ دخانی جہاز کے چلنے کو اب بھی sailing کہتے ہیں حالانکہ اس میں sails = بادبان نہیں ہوتا۔ ولایت میں کانچ سے لمبا کوزہ بنایا گیا تو اسے 'گلاس' ہی کہنے لگے۔ ہندوستان میں پیتل اور فولاد سے بننے لگا لیکن اب بھی اسے گلاس کہتے ہیں۔ اسی طرح منھ دیکھنے کا آئینہ اصلاً آہن سے بنا تھا اس لیے آہنہ یا آئنہ کہلایا۔ اب کانچ سے بنتا ہے لیکن آئنہ کہلاتا ہے۔

6۔ نئی اختراع

کسی نئی چیز کی ایجاد ہوتی ہے تو بسا اوقات اس کے لیے موجود الفاظ ہی میں سے کسی لفظ کو لے جایا جاتا ہے جس سے اس لفظ کی

معنوی توسیع ہو جاتی ہے۔ اوپر pen، گلاس اور آئینہ کی مثالیں درج کی گئیں۔ جب کانچ کی بوتل بنائی گئی تو اسے فارسی میں شیشہ کہدیا گیا چنانچہ ہندوستان میں چھوٹی بوتل کو شیشی کہتے ہیں۔ ٹیلیگرام چونکہ دھات کے تار پر دیا جاتا ہے اس لیے اردو میں اسے 'تار' کہنے لگے۔ الکٹرسٹی کی روشنی چونکہ آسمانی برق سے مشابہ ہے اس لیے اسے فارسی میں برق اور اردو میں بجلی کہا گیا۔ اردو میں atom کے لیے قدیم لفظ جوہر منتخب کیا گیا۔ مٹی کا تیل حالانکہ تیل کے عرق کو کہتے تھے۔

اختراعات مادی اشیا تک محدود نہیں۔ یہ غیر مادی بھی ہوتی ہیں مثلاً ذیل کے الفاظ کے اصطلاحی معنی ملاحظہ ہوں۔

ووٹ، رائے دہندہ، ایوان، صدر، وزیر، آئین، Constitution، خلا (Space)، (Recall منتخب نمائندوں کو واپس بلا لینا)

جب بھی کوئی شے یا ادارہ وجود میں آتا ہے تو اسے کوئی نام تو دینا ہی ہوتا ہے۔ اکثر موجود الفاظ ہی میں سے وہ نام دے دیا جاتا ہے ایسا شاذ ہوتا ہے

مندرجہ بالا تمام اسباب معاشرتی عوامل سے تعلق رکھتے ہیں۔

7- جغرافیائی یا علاقائی تبدیلی

ایک زبان کے بولنے والے جب دور تک پھیل جاتے ہیں تو ایک علاقے کا دوسرے علاقے سے اتنا گہرا تعلق نہیں رہتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک علاقے میں ایک لفظ کے معنی دوسرے علاقے کے معنی سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً

انگلستان میں غلّہ اور امریکہ میں مکّا ہے۔ مرغ ایران میں چڑیا کے معنی میں ہے ہندوستان میں ایک مخصوص پرندے کے لیے آتا ہے۔ زیارت شمالی ہند کی اردو میں کسی پیر کے مقبرے میں یا کسی بڑے شخص کے پاس جانے کو کہتے ہیں۔ حیدرآباد کی اردو میں کسی کے مرنے پر تعزیت کے لیے جانے کو کہتے ہیں۔ یو۔ پی میں زمیندار زمین کے اس مالک کو کہتے تھے جو کسانوں کا حاکم ہوتا تھا۔ پنجاب میں کسان ہی کو زمین دار کہتے ہیں۔ باقی تمام ملک میں جن سبزیوں کو کھیرا اور ککڑی کہا جاتا ہے انھیں بھوپال جن علی الترتیب لکڑی اور کھیرا یعنی بدل کر بولا جاتا ہے۔

اب لسانی اور ادبی اسباب درج کیے جاتے ہیں۔

8- تکلم میں استعمال

ہرمان پال کا فارمولا ہے۔ All linguistic change is brought about by ordinary speech activity.

استعمال سے ہر چیز ہیئت بدل جاتی ہے۔ ہم زبان کو روزانہ بات چیت میں برتتے ہیں اس سے اُس میں معنوی تبدیلی عمل میں آتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ زبان (لانگ) میں ہر تبدیلی بات چیت (Parole) کی معرفت در آتی ہے۔

9۔ تکلّم کو خیالات کا بہتر ترجمان بنانا

اسٹرن کا کہنا ہے کہ ہر متکلّم یہ کوشش بلکہ جدّ و جہد کرتا ہے کہ گفتگو کو تکلّم کے بنیادی مقصد (ترسیلِ خیالات و جذبات) کا زیادہ سے زیادہ حامل بنا دے۔ مفہوم کی زیادہ تر تبدیلیاں اسی کوشش کے زیرِ اثر وجود میں آتی ہیں۔

10۔ قدامت پرستی اور اجتہاد

زبان دو متضاد قوتوں کے زیرِ اثر ہے۔ ایک نئی اختراع و اجتہاد کو پسند کرتی ہے دوسری قدیم عناصر کو محفوظ رکھنا چاہتی ہے۔ کبھی اجتہادی قوت برسرِ کار آتی ہے تو کبھی بقائی قوت۔ ان کی کشاکش سے لفظوں کے معنی بدلتے رہتے ہیں۔

اُلمان نے تمام معنوی تبدیلیوں کو دو زمروں میں تقسیم کیا تھا (1) لسانی قدامت پرستی پر مبنی (2) لسانی اجتہاد پر مبنی۔ اسٹرن نے قدامت پرستی کی تبدیلیوں کے تین حصّے کیے۔

الف: شئے حوالہ (Referent) میں واقعی تبدیلی ہو جانا۔ اس کے باوجود نام میں تبدیلی نہیں کی جاتی مثلاً اسٹیل کا گلاس، Pen، کانچ کا آئنہ۔ اس طرح لفظوں کا مفہوم بدل جاتا ہے لیکن نام قدیم رہتے ہیں۔

ب: شئے حوالہ کے بارے میں ہماری معلومات میں تبدیلی۔ انگریزی میں Star۔ ٹھہرے ہوئے ستاروں کو اور Planet سیاروں کو کہا جاتا ہے۔ رات کو آسمان پر جو تارے دکھائی دیتے ہیں وہ تقریباً سب سیارے ہیں لیکن ہم اُنھیں اب بھی Star اور ستارے کہتے ہیں۔ آسمان کے معنی ہیں آسیا مانند۔ ہمیں معلوم ہو گیا کہ وہ نہیں گھومتا لیکن اب بھی اسے آسمان اور چرخ کہتے ہیں۔

ج: شئے حوالہ کے بارے میں ہمارے جذباتی نقطۂ نظر میں تبدیلی مثلاً ہوم رول، جاگیردار، نیتا، سرمایہ دار، زمیں دار۔

لسانی اجتہاد پر مبنی تبدیلیوں میں استعارے، طنز وغیرہ کو لیا جا سکتا ہے۔

11- نام اور مفہوم کا ڈھیلا تعلق جس کی وجہ سے تکلم کی فطرت کثیر معنوی ہوگئی۔

12- صوتی، صرف صوتی (مارفونیمی) اور قواعدی تبدیلی کا اثر

بعض اوقات صوتی یا قواعدی تبدیلی سے معنوی تبدیلی بھی ہو جاتی ہے لفظ کی ہیئت میں قدرے تبدیلی ہو جانے سے اس کے ابتدائی مرکزی معنی فراموش ہو جاتے ہیں مثلاً holy-day کے معنی پاک دن کے تھے۔ اس دن کوئی کام نہ کیا جاتا تھا۔ holiday کی شکل میں اس کے معنی محض چھٹی کے رہ گئے، اور تقدس کا مفہوم جاتا رہا۔ ready ماخوذ ہے ride سے یعنی سواری کے لائق۔ ride کا مصوتہ بدل جانے سے ready کے معنی میں سواری کا دخل ہی نہ رہا۔ 'لارڈ'، قدیم انگریزی میں hla ford تھا جس کے معنی 'روٹی دینے والا' تھے۔ صوتی تبدیلی کے بعد اس لفظ کے معنی محض آقا رہ گئے۔

بعض اوقات ایک لفظ میں صوتی تبدیلی ہوتی ہے لیکن قدیم و جدید دونوں شکلیں برقرار رہ جاتی ہیں۔ ان رتوأموں، (doublets) میں رقابت پیدا ہو جاتی ہے۔ آخرکار ایک روپ کے معنی کسی قدر بدل جاتے ہیں مثلاً

Physician, of, off, Physicist

skirt, shirt, server, servant,

ڈیننس یا بیڈمنٹن میں سروس کرنے والا)۔ بھوگ، بھوج۔ سوبھاگ، سُہاگ۔ سادھو، ساہ۔ اُجلا، اُجالا۔ جٹا، جڑ۔ چکر، چاک۔ کوٹ (قلعہ) کوٹھا۔ پنجر، پنجرا۔

صرف صوتی تبدیلی کی مثال ملاحظہ ہوں۔ slow کا اسم کیفیت اصلاً sloth تھا جیسے true سے truth۔ جب انگریزی میں رسمی لاحقہ th کا رواج ختم ہو گیا تو slow سے اسم کیفیت slowness بمعنی آہستگی بنا لیا گیا۔ قدیم روپ sloth کے معنی سستی ہو گئے۔

قواعدی تبدیلی سے بھی معنوی تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ عربی لفظ 'لغت'، کے معنی لفظ ہیں۔ اس کی جمع لغات ہے۔ اردو میں 'لغات' کو جمع مذکر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے تو اس کے معنی مشکل الفاظ ہوتے ہیں لیکن اسے واحد مونث بنا کر لغات کی کتاب یعنی فرہنگ کے معنی میں لیا جاتا ہے۔ اوقات، کو بھی قواعدی تبدیلی سے جمع مذکر کی بجائے واحد مونث کرلیا

گیا اور اس کے معنی بدل گئے یعنی حیثیت، البساط وغیرہ۔

بعض الفاظ کے اسم سے فعل، واحد سے جمع، مذکر سے مؤنث یا تمیز سے حرف ہو جانے میں یا محل استعمال کے بدل جانے سے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔

جانا۔ اصلی فعل اور امدادی فعل	گھر جانا، پیچھے پڑ جانا
دینا۔ اصلی فعل اور امدادی فعل	ایک روپیہ دیا اور چل دیا
کھیل۔ فعل اور اسم	میرے ساتھ کھیل، دنیا کا کھیل
کھوج۔ مذکر اور مونث	اس کا کھوج (نقش قدم) نہیں ملتا
	اس کی کھوج (تلاش) کر رہا ہوں
سارا۔ واحد اور جمع	وہ سارا (سالم) سیب کھا گیا
	وہ سارے (سب) سیب کھا گیا
کہیں۔	وہ کہیں گیا ہے
	وہ مجھ سے کہیں اچھا ہے
	کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں
اور۔	موہن اور سوہن
	کسی اور کا در دیکھو
	بیٹا اور تیز نکلا

سرلہر (Intonation) کی تبدیلی بھی معنی کو بدل دیتی ہے ~~یعنی~~ مختلف الفاظ پر زور دینے سے مفہوم میں تبدیلی واقع ہوگی مثلاً

کیا تم دلی جا رہے ہو؟

اس جملے میں بلند ترین سُر درجے کو مختلف الفاظ پر ڈالا جائے تو مفہوم متاثر ہوگا۔

13۔ غلط لفظ اصلیات (False etymology) یا صوتی مماثلت سے گمراہ ہو کر لفظ کی اصل کو غلط قیاس کر لیا جاتا ہے جس سے ذہن میں اس لفظ کا مفہوم بدل جاتا ہے۔

انگریزی میں ایک فعل ہے Shed بمعنی بہانا۔ دوسرا لفظ Shade بمعنی سایہ ہے جس کا ایک عوامی تلفظ Shed جیسا ہے۔ اب موٹر وغیرہ کے لیے کوئی سائبان

ڈالا جاتا ہے تو دراصل وہ shade (سایہ) مہیا کرنے کے لیے ہوتا ہے لیکن غلطی سے اسے shed (بہنا) سے متخرج سمجھ لیا گیا ہے۔ اس طرح shed میں shed کے معنی سایہ ہو گئے ہیں۔

جدید انگریزی میں bind سے bound نکلا ہے بمعنی بندھا ہوا۔ وسطی انگریزی کے ایک لفظ boum کے معنی "جانے کے لیے تیار" تھے۔ اس میں d کا اضافہ کر کے bound بنا لیا گیا۔ اب یہ کہا جائے کہ

ship is bound for liverpool

تو اس کے معنی ہیں کہ جہاز لیور پول جانے کے لیے تیار ہے۔ اس میں وسطی انگریزی کا فعل استعمال کیا گیا ہے لیکن عام طور سے اسے bind سے ماخوذ سمجھ کر 'جہاز لیور پول جانے کے لیے مجبور ہے' کے معنی لے لیے جاتے ہیں۔

افیم کو جب ڈاکٹر ہر دیو باہری 'اہی پھین' یعنی سانپ کے جھاگ سے ااتو ذ کریں گے تو ان کے ذہن میں اس لفظ کے مفہوم میں کچھ ایسی باتیں بھی شامل ہو جائیں گی جو لفظ کے اصلی معنی میں نہیں۔ لارڈ کو لاٹ صاحب کہنے میں پتھر کی لارٹ کی طرح لمبا، سخت اور اٹل کا مفہوم شامل ہو جائے گا۔ چارج شیٹ کو چار شیٹ سمجھنے میں اس کے معنی میں چار اوراق کا مفہوم داخل ہو جائے گا۔

14۔ مماثلت

شاذ و نادر صوتی مماثلت بعض لفظوں کے معنی پر متاثر ہوتی ہے مثلاً Presently کے معنی آئندہ کے ہیں لیکن present سے مماثلت کی بنا پر اس کے معنی ابھی، فوراً سمجھ لیے جاتے ہیں۔ اسی طرح demean کے معنی ظاہر، بشرہ کے ہیں لیکن mean سے مشابہت کی وجہ سے عوام اس کے معنی ذلیل ہونا لے لیتے ہیں۔

دراصل مماثلت میں لسانی مماثلت کی بجائے مادی مماثلت یا referant کی مماثلت مراد ہے۔ یہ پیکر تراشی پر مبنی ہوتی ہے۔ ایک شے اگر ہیئت یا رنگ میں کسی دوسری شے سے مماثل ہو تو امکان ہے کہ دوسری کو بھی وہی نام دے دیا جائے۔ مثالیں

چھچھوندر : ایک جانور ، ایک آتش بازی

مورپنکھی : مور کے پنکھ سے متعلق، سرو کی طرح کا ایک پیڑ، ایک کشتی
شبنم : اوس، ایک باریک کپڑا۔
تِل : تلہن کا ایک اناج، جسم پر کا تِل
ٹیکا : قشقہ، ماتھے کا زیور
چور ہونا : پارہ پارہ ہونا (بوتل چور چور ہو گئی)۔ نشے یا تھکن میں چور ہونا۔
بعض اوقات جزوی مشابہت کی بنا پر بھی نام دے دیا جاتا ہے مثلاً
کنکوّا : لفظی معنی کانوں والا کوّا لیکن استعمال میں پتنگ
کُکُر متا : لفظی معنی کتّے کا پیشاب لیکن ایک قسم کا mushroom
بندوق کا گھوڑا اور ناک کا چوہا بھی اسی قسم کے نام ہیں۔

15- عاریت

دوسری زبان سے لفظ اُدھار لیا جائے تو خاصا امکان ہے کہ اس کے معنی بدل لیے جائیں گے مثالیں

زبان	لفظ	دائن زبان کے معنی	حصولی معنی
عربی	عرصہ	میدان	مدّت
"	غصّہ	غم	طیش
فارسی	مرغ	پرندہ	خروس
"	گلاب	عرق گلاب	گلِ سرخ
"	شادی	خوشی	عروسی
انگریزی	ریل	پٹری	ریل گاڑی

یہ عاریت داخلی بھی ہو سکتی ہے یعنی ایک طبقاتی یا تکنیکی بولی کی اصطلاحوں کو دوسرے شعبے میں اطلاق کرنا۔ یہ صورتیں ایک قسم کا استعارہ ہو جاتی ہیں۔ انگریزی سے کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں
climate of opinion, nerves of communication, to show the white feather,

16۔ بعض الفاظ کا غیر متعین یا مبہم مفہوم

بعض ایسے فلسفیانہ قسم کے الفاظ ہوتے ہیں جن کا مفہوم مختلف لوگوں کے نزدیک مختلف ہوتا ہے۔ جمہوریت اور سوشلزم کو لے لیجیے۔ دنیا میں کتنے مختلف قسم کے نظام اُن ناموں کے تحت رائج ہیں۔ سوشلزم کے لیے تو کہا جاتا ہے کہ سوشلزم کی اتنی ہی قسمیں ہیں جتنے سوشلسٹ ہیں۔ غیر متعین مفہوم والے کچھ الفاظ یہ ہیں۔

سوشلزم، خودی، قوم، جمہوریت، آزادی، تصوف، صوفی، فقیر، قلندر، دھرم، برھم، سوشلسٹ، بنیادی انسانی حقوق، فطرت، قدرت، نفس، ذہن، روح، حیات، عشق، حُسن، اخلاق، فلسفہ، تہذیب، کلچر، تنقید، ادب، خیر، شر، کائنات، جبلّت، خدا، فرشتہ، دیوتا، دیوی وغیرہ۔

بعض الفاظ کے جوڑے ایسے ہوتے ہیں جن میں ایک کے معنی دوسرے کے تناسب سے متعین ہوتے ہیں۔ ایسے الفاظ کو انگریزی میں shifters کہہ سکتے ہیں۔ ایسے جوڑوں کی مثالیں یہ ہیں۔

بوڑھا، جوان۔ چھوٹا بڑا۔ اونچا، نیچا۔ تیز، آہستہ۔ یہاں، وہاں۔ اب، تب۔ اوپر، نیچے۔ اتنا، جتنا۔ امیر، غریب۔

ایک ۴۸ سالہ شخص ستر سالہ شخص کے مقابلے میں جوان اور ۵۲ سالہ شخص کے مقابلے میں بوڑھا کہلائے گا۔ اکبر نے ایک لائن کھینچ کر بیربل سے کہا تھا کہ اسے چھوئے بغیر چھوٹا کر دو۔ بیربل نے اس کے نیچے اس سے زیادہ لمبی لائن کھینچ دی جس سے پہلی لائن چھوٹی قرار پائی۔ اب ذیل کے تین خطوط ملاحظہ ہوں۔

ا ــــــــــ ب

ج ــــــــــ د

ہ ــــــــــــــــ و

اگر صرف اوپری دو لائنوں کو پیش نظر رکھیں تو ج د خط بڑا ہے۔ اگر نیچے کی دو لائنوں کو ملحوظ رکھیں تو ج، د خط چھوٹا ہے۔

17۔ ادیبوں یا قواعدئین کے شعوری اثرات

غیر شعوری معنوی تبدیلیوں کے علاوہ بہت سی معنوی تبدیلیاں شعوری ہوتی ہیں اور یہ اُن کے ہاتھوں عمل میں آتی ہیں جو زبان وادب پر ماہرانہ قدرت رکھتے ہیں مثلاً

ا۔ اصطلاحات سازی :۔ اس میں بعض لفظ اپنے مروجہ معنی کو بدل لیتے ہیں مثلاً قواعد میں 'غیر'، voice، لسانیات میں نونی ce وغیرہ کے معنی لغوی معنی سے مختلف ہیں۔ دلی میں ہندی ڈائریکٹریٹ اور ترقی اردو بورڈ کے تحت جو اصطلاحات بنائی جا رہی ہیں۔ اُن میں سے بہتوں میں لغوی معنی سے ہٹ کر معنی پہنائے جا رہے ہیں اور یہ شعوری کوشش کا نتیجہ ہے۔ اصطلاح سازی کی طرح ترجمے میں بھی بعض لفظوں کے معنی بدل لیے جاتے ہیں مثلاً rehabilitation کے لیے بحالیات۔

ب:۔ ادیبوں کے اثرات :۔ بعض ادیب بالخصوص شاعر کسی لفظ کو کسی قدر بدلے ہوئے معنی میں استعمال کر جاتے ہیں۔ ان کے اثر سے وہ معنی بھی رائج ہو جاتے ہیں مثلاً میرامّن نے ہرج مرج کھینچنا، پنڈرت خانہ (بندی خانہ) جیسے الفاظ میں ہرج، پنڈرت کے معنی بالکل ہی بدل دیے ہیں۔ اقبال نے خودی، خبر، نظر، عشق کے معنی کچھ سے کچھ کر دیے۔ خودی کے معنی مذموم تھے لیکن اقبال نے اسے مستحسن بنا دیا۔

18۔ استعارہ یا رمزیت

یہ کبھی شعوری ہوتا ہے کبھی غیر شعوری۔ بات چیت کے استعارے غیر شعوری ہوتے ہیں ادیبوں کے استعارے شعوری۔ استعارے، رمزیت اور لفظوں کو مجازی معنی میں استعمال کرنا متعدد الفاظ کے معنی اس طرح بدل دیتے ہیں کہ ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا مثلاً

گہری بات، گہری سوچ، جھگڑے کی جڑ، ستار کے کان، کڑا راستہ۔

کنایہ اور مجازِ مرسل کی مثالیں بھی اسی ذیل میں آجائیں گی

پرنالہ بہہ رہا ہے، روشنائی اٹھالاؤ، غالب کو پڑھ رہا ہوں۔

بعض علامتی نام بھی اسی کے تحت آئیں گے مثلاً

مرائی خدمت گاروں کے لیے لال کرتی والے یا Red-shirt — Red بہ معنی

کیمونسٹ۔ white caps بمعنی کانگریسی۔ لال پگڑی بہ معنی پولس والا۔
لسانی وادبی اسباب سے ملتے جلتے کچھ ذہنی اسباب کا بیان کیا جاتا ہے۔

۱۹۔ نئی نسل کا اکتساب زبان

زبان کو ابتدا میں سیکھنے والا بچہ لفظوں کے مفہوم پر استحکام کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا۔ وہ کبھی انھیں وسیع تر معنوں میں استعمال کر جاتا ہے کبھی تنگ تر میں۔ کبھی بدل کر۔ پنگوڑے کے الفاظ کی کثیر معنویت ملاحظہ ہو۔

بابا باپ، باپ کا باپ، بچہ
دادا باپ کا باپ، بڑا بھائی۔ کوئی بزرگ

20۔ ذہنی سطح کا اختلاف

یہ پچھلے سبب سے مماثل ہے۔ لفظوں کے معنی کی گرفت کرنے کے لیے عقل کی ضرورت ہوتی ہے مختلف لوگوں کی علمی اور ذہنی سطح مختلف ہوتی ہے۔ روزانہ کی ضرورت کے الفاظ کو چھوڑ کر کم پڑھا لکھا آدمی بعض وسیع المعنی الفاظ کے مفہوم کو محدود کر کے بولے گا جب کہ ایک عالم کے ذہن میں اس لفظ سے معنی کی ایک دنیا لہرا جائے گی۔ ایک معمولی پڑھے لکھے کے لیے جمہوریت، کلچر، فقر وغیرہ کے معنی معمولی ہوں گے لیکن ایک فلسفی کے لیے یہ فکر دور دراز پیدا کر دیں گے۔ عام آدمی کے لیے تنقید کے معنی نکتہ چینی، عیب جوئی کے ہیں اور فقیر کے معنی بھکاری لیکن اردو ادب کے عالم کے لیے ان دونوں الفاظ کے معنی بہت مختلف ہیں۔
یہ فرق صرف فلسفیانہ الفاظ ہی کی حد تک نہیں متعدد ایسے الفاظ پر بھی صادق آتا ہے جن کے معنی کم و بیش متعین ہیں۔ زیادہ پڑھے لکھے لوگ ایک لفظ کو متعدد جملوں میں مختلف سیاقوں میں سن اور بول چکے ہیں جس کی وجہ سے وہ اس کے مرکزی اور جملہ ضمنی مفہوموں سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ ہائی اسکول کا طالب علم اس لفظ کے ایک یا دو مفہوم ہی جانتا ہے۔ وہ ذیل کے تمام الفاظ کے معنی 'خوش' سمجھتا ہے۔

happy, glad, gay, Jolly, Jovial,
cheerful, ecstatic, enthrealled.

چونکہ وہ ان الفاظ کے نازک فرق سے بیگانہ ہے اس لیے کم ازکم اس کی حد تک ان الفاظ میں تحدید کی معنوی تبدیلی ہو گئی۔

21۔ عدمِ احتیاط یا ناواقفیت Malapropism

اس کی دو صورتیں ہیں۔ عام صورت تو یہ ہے کہ ہم متعدد قدرے اجنبی الفاظ دوسروں کی زبانی سنتے ہیں یا اخباروں اور کتابوں میں پڑھتے ہیں۔ یہ ہماری کاہلی ہے کہ ہم اُن کے معنی لغات میں نہیں دیکھتے۔ ہم نے چند سیاقوں میں ان کا جو استعمال دیکھا ہے اسی کی بنا پر اُن کے معنی قیاس کر لیتے ہیں اور اس کے بعد خود بھی استعمال کرنے لگتے ہیں۔ اکثر اوقات ہم اُن کا استعمال صحیح کریں گے تو بعض سیاقوں میں وہ کم موزوں ہوگا یعنی ہم اُن کے معنی بدل لیں گے۔ اس قسم کے کچھ الفاظ ملاحظہ ہوں جو ہم انگریزی اخباروں میں دیکھتے ہیں اور شاید ان کا جامع و مانع مفہوم نہیں جانتے۔

Jingoism, Platitude, chimera, charisma, channinism, Propensity, nostalgic

وغیرہ

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی کم علم شخص جان بوجھ کر۔

دوسروں پر رعب گانٹھنے کے لیے مشکل الفاظ کا استعمال کرے لیکن غلط مفہوم میں مفہوم میں بول جائے۔ شیریڈن (Sheridan) کی کتاب The Rivals میں ایک خاتون مسمّہ mala prop کو یہ شوق تھا جس کی بنا پر ایسے استعمال کو Malapropism کہا گیا۔ ہندی والے اردو الفاظ کو اور اردو والے ہندی الفاظ کو غلط استعمال کر جاتے ہیں چند مثالیں

(۱)۔ بہت سال پہلے حمیدیہ کالج بھوپال میں کامرس کے ایک مسلمان طالب علم نے وداعی جلسے میں کہا

"ہمیں اپنے استادوں کی شرافت اور ظرافت ہمیشہ یاد رہے گی۔"

یقینی ہے کہ وہ ظرافت کو بھی شرافت جیسی کوئی چیز سمجھا ہوگا۔ اس نے اس لفظ کو مزاح کے معنی میں نہ لیا ہوگا کیونکہ کالج کے تمام اُستاد مسخرے نہیں تھے۔

ب:۔ جموں میں میرے شعبۂ اردو کے کمرے میں انگریزی کے ایک اُستاد (ہندی والے، اردو سے ناواقف) آئے۔ وہاں کچھ ادیب نما اجنبی بیٹھے تھے۔ وہ صاحب بولے "معاف کیجیے میں غلط موقع پر آگیا۔ آپ لوگ صحبت کر رہے ہیں۔ وہ سمجھے صحبت کے معنی ادبی اجتماع ہے۔

ج:۔ پارلیمنٹ کے ممبروں نے سیٹھ گووند داس کو ان کی پچاس سالہ رکنیت پارلیمنٹ پوری ہونے پر ایک مبارک باد کی تقریب کی۔ اس میں شمیم احمد شمیم نے کہا کہ سیٹھ جی کو میں اپنی شردھانجلی بھینٹ کرتا ہوں۔ اس پر سب ہنسنے لگے کیونکہ شردھانجلی عموماً مرحومین کو بھینٹ کی جاتی ہے۔

اب کچھ نفسیاتی و جذباتی وجوہ ملاحظہ ہوں۔

22۔ تن آسانی یا کفایتِ عمل (economy of effort)۔

انسان کوشش کرتا ہے کہ بولنے میں زبان کو زیادہ ورزش نہ کرائی جائے اس لیے تن آسانی کی وجہ سے ترکیب یا فقرے کے لیے ایک ہی لفظ بول دیتا ہے۔ سیاق سے اس کے پورے معنی سمجھ میں آجاتے ہیں حالانکہ اس تنہا لفظ کے اتنے وسیع معنی نہیں ہوتے مثلاً

پرنسپل بجائے پرنسپل ٹیچر۔ اسٹیشن بجائے ریلوے اسٹیشن ۔موٹر بجائے موٹر کار۔ مہاسبھا بجائے ہندو مہاسبھا۔ بھاشا بجائے برج بھاشا۔ انجمن بجائے انجمن ترقی اردو۔ سمیلن بجائے ہندی ساہتیہ سمیلن۔ سمبت بجائے بکرم سمبت۔ کانگریس بجائے انڈین نیشنل کانگریس۔ امریکہ بجائے ریاست ہائے متحدہ امریکہ۔ ڈاک یا میل بجائے ڈاک گاڑی یا میل ٹرین۔

اسٹیشن پر چائے والے کو 'چائے' اور ٹیکسی والے کو ٹیکسی کہہ کر پکارنا ان الفاظ میں معنوی تبدیلی کرنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح "دو چائے لانا" کہہ کر چائے کے دو پیالے مراد لینا مزید توسیع ہے۔ گویا لغت میں چائے کے معنی 'چائے والا'، 'چائے کا پیالہ' بھی درج کیے جانے چاہئیں یہ معنوی تبدیلیاں حذف یا تخفیف (abridgement) کے ذریعے رونما ہوئی ہیں۔ حذف کی دوسری قسم جملے میں کسی لفظ کا حذف ہے حالانکہ حذف کے باوجود اس کے معنی سیاق سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ ذیل کی مثالوں میں محذوف یا مقدر لفظ قوسین میں درج کیا

جارہا ہے۔

یار ! کیوں (بے وقوف) بنا رہے ہو
میں نے اسے کھری کھری (باتیں) سنائیں
تمھیں کیا (غرض) پڑی ہے
اسے (شراب) پینے کی عادت ہے
ڈوبتے (آدمی) کو تنکے کا سہارا
چلتی (چیز) کا نام گاڑی
مرزا ! تم (شعر) پڑھتے خوب ہو
میں رات کو (شعر کی) فکر کرتا ہوں
بہت دنوں سے (شعر) کہا ہی نہیں سناؤں کیا

فحش محاوروں میں کرنا، لینا، دینا میں بھی اسی طرح ایک ایک لفظ محذوف ہے۔ مندرجہ بالا تمام مثالوں میں فعل کے معنی میں مفعول اور صفت کے مفہوم میں موصوف کو شامل کر لیا گیا ہے۔

کئی لکھنے والوں نے لفظ کے مفہوم کا ایک اہم عنصر جذباتی قدر کو قرار دیا ہے۔ معنیات کے باب میں اس کا ذکر آ چکا ہے۔ جذبے کا شمول معنی کو بدلنے کی یا اس کو مخصوص رنگ دینے کی ایک اہم علت ہے۔ اسپربر اور ہیز فیلڈ (Hazfeld) نے اس پہلو پر خاص زور دیا۔ اسپربر کا کہنا ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی موضوع (مثلاً کھیل، شکار) سے زیادہ شغف ہو تو وہ دوسرے موضوعات کی گفتگو میں بھی اپنے موضوع کی اصطلاحوں کو گھسیٹ لائے گا۔ ہیز فیلڈ نے معنوی تبدیلیوں کی دو قسمیں کیں غیر جذباتی اور جذباتی۔ جذباتی کی بھی دو قسمیں کیں (ا) متکلم کے جذبات سے متعلق (ب) سامع کے جذبات سے متعلق۔ ان پر ذیل میں غور کیا جاتا ہے۔

23۔ متکلّم کی جذباتیت

اس کے دو مظاہر ہیں پیار اور طنز۔ طنز میں تو معنی الٹتے ہی ہیں کبھی کبھی پیار میں بھی ایسا ہو جاتا ہے۔ بچّے کو ہلّو، بدمعاش، سور، شیطان، بندر، Little Rascal

کہنا۔ little devil

جس قوم یا فرقے کے لیے دل میں برے جذبات ہوتے ہیں اس سے متعلق معنی بھی گر جاتے ہیں مثلاً ہندوستانی آریوں میں اسر کے معنی راکشس اور دیو کے معنی بھگوان تھے۔ ایرانی آریوں میں اہورا کے معنی خدا اور دیو کے معنی شیطان ٹھہرے۔ ایک قوم نے دوسری قوم کی ضد پر لفظ کے معنی بدل دیے۔ فارسی میں ہندو کے معنی قزاق، لٹیرا، سیاہ وغیرہ کی یہی وجہ ہے۔

آزادی کے بعد جاگیردار، تعلقدار، ساہوکار، رائے بہادر، نیتاجی، پاکستانی وغیرہ کے معنی میں زوال آگیا ہے۔ 'بنیا' کے لفظی معنی تجارت کرنے والا ہیں لیکن اس فرقے کے لیے برے جذبات کی وجہ سے اس کے معنی کنجوس اور مرئل کے ہوگئے ہیں۔ اسی طرح انگریزی میں Jews کے معنی روپے کے معاملے میں بہت سخت، منافع خور، جزرس وغیرہ ہیں۔

طنز بھی معنی کو بالکل بدل دیتا ہے۔ کسی کی حماقت پر جھلا کر اسے 'ارے عقل مند' کہنا یا موٹے آدمی سے کہنا کہ 'بہت سوکھ گئے ہو'، لفظ میں بالکل متضاد معنی بسا دینا ہے۔ گویا پسندیدگی یا ناپسندیدگی دونوں کی شدت معنی کو بدل دیتی ہے۔

24۔ سامع کے جذبات کا خیال رکھنا

انگریزی میں جسے emphemism رخوب نامی، کہا جاتا ہے وہ اکثر اسی جذبے کے زیر اثر ہوتا ہے یعنی کسی بات کو گھما پھرا کر نسبتاً بہتر الفاظ میں ادا کرنا تاکہ سامع کے جذبات کو ٹھیس نہ لگے۔ بھنگی کو جمعدار اور اندھے کو سورداس یا حافظ جی اسی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ ثقات کے مجمع میں جنسی فعل اور اس کے متعلقات نیز حوائج رفع کرنے سے متعلق الفاظ کو اسی لیے گھما پھرا کر کہتے ہیں۔

اردو میں آداب و تکلف کا بہت رواج ہے۔ ان کے زیر اثر جو لفظوں کے معنی میں کمی وبیشی کی جاتی ہے وہ بھی سامع کے جذبات کی خاطر کی جاتی ہے۔ مخاطب کے لیے فرمانا، تشریف لانا، کہنا اور خود کے لیے عرض کرنا، حاضر ہونا، نیاز حاصل کرنا، یہ سب معنوی تبدیلی ہی ہے۔

25۔ توہم پرستی اور قابو کے زیر اثر بات کو بدل کر یا گھما پھرا کر کہنا۔ اس صورت میں متکلم اور سامع دونوں کے جذبات ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔ دونوں کے وسوسے اور عقیدے یکساں ہوتے ہیں اس لیے چیچک کو ماتا، سانپ کو کیڑا اور بھوت کو سایہ کہا جاتا ہے۔ اس

اور اس سے پہلی شق کے زیر اثر معنوی تبدیلی کی جو شکلیں رونما ہوتی ہیں انھیں اس باب کے دوسرے حصے میں پیش کیا جائے گا۔

معنیات کے بعض علماء نے معنوی تبدیلی کے اسباب کی اور بعض نے اس تبدیلی کے مظاہر کی گروہ بندی کی کوشش کی۔ اسباب کی گروہ بندی پر ایک نظر ڈالی جائے۔

فرنچ ماہر معنیات میلے (Meillet) نے ان اسباب کو تین گروہوں میں اسیر کیا ہے۔

1۔ لسانی اسباب والی تبدیلیاں :۔ سیاق کی تبدیلی سے لفظوں کے معنی بدل جاتے ہیں مثلاً فرنچ میں pas کے معنی قدم ہیں لیکن بعض سیاقوں میں اس کے معنی 'نہیں' ہو گئے ہیں۔ تبدیلی کا یہ سبب سب سے کم اہم ہے۔

2۔ تاریخی اسباب کی تبدیلیاں یعنی شئے حوالہ (referent) یا اس کے تصور میں تبدیلی ہو جانا مثلاً pen جو اصلاً پنکھ سے بنا تھا لیکن اب فاؤنٹین پین ہے یعنی پنکھ کے معنی بدل گئے۔ تابو سے پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو بھی میلے نے اسے گروہ میں رکھا مثلاً سلاف زبانوں میں ریچھ کو شہد خور، کہنے کا اتنا رواج ہوا کہ 'ریچھ' کا لفظ ان کی زبان کے ذخیرے سے نکل گیا۔

3۔ سماجی طبقات کے باہمی تعلقات کی وجہ سے :۔ میلے نے اس پر سب سے زیادہ زور دیا مثلاً یونان کے ابتدائی عیسائیوں نے پادریوں کو elder (یونانی لفظ Prebutiros) کہا۔ یہ بدل کر Presbyter اور پھر Priest ہو گیا۔

میلے نے یہ بھی دکھایا کہ لسانی، تاریخی اور سماجی عوامل کس طرح مل کر معنوی تبدیلی کے موجب بنتے ہیں۔ اس نے نفسیاتی اسباب کا ذکر نہیں کیا جو یوفے مزم، خلط حس (Synaesthesia) وغیرہ کی تبدیلیاں لاتے ہیں۔ اسپربر نے نفسیاتی اور جذباتی پہلو پر زور دیا۔ اس نے تحلیل نفسی سے کام لیا اور خیال کی مختلف سطحوں کی اہمیت دکھائی۔ انسان کو جن موضوعات سے شدید جذباتی تعلق ہوتا ہے وہ ہر بات میں انھیں موضوعات کو لے آتا ہے۔

ہیز فیلڈ (Herzfeld) نے بھی اسباب کی گروہ بندی کرتے وقت جذبات

کو زیادہ اہمیت دی اور اُن کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔

1۔ غیر جذباتی تبدیلیاں (لسانی وغیرہ)

2۔ جذباتی تبدیلیاں (effective)۔ ان کی اس نے دو قسمیں کیں۔ ا۔ متکلم کے جذبے کو مدِ نظر رکھنے والی مثال توسیع معنی۔ ب۔ سامع کے جذبے کو مدِ نظر رکھنے والی مثلاً یوفےمزم۔ اُلمان نے تمام اسباب کو دو گروہوں میں بانٹا۔

(ا) لسانی قدامت پرستی کے سبب (ب) لسانی اجتہاد (Immovation) پر مبنی تبدیلیاں۔

سچ یہ ہے کہ مندرجہ بالا گروہ بندیوں میں بہت تھوڑے اسباب کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ یہ جامع نہیں۔ ہم نے گزشتہ اوراق میں جس طرح گروہ بندی کی ہے وہ بہتر ہے۔ ہم ذیل کے گروہ کر سکتے ہیں۔

1۔ معاشرتی اسباب:۔ اس کے ذیل میں تاریخی، سیاسی انتظامی، قانونی ہمعاشی، مذہبی، تہذیبی اور تکنکی عوامل آجاتے ہیں۔

2۔ جغرافیائی سبب یعنی علاقائی پھیلاؤ

3۔ لسانی وادبی اسباب

4۔ ذہنی، نفسیاتی اور جذباتی اسباب

بعض لکھنے والوں نے تبدیلی کی بنیادوں (Fundamentum) پر بھی غور کیا ہے۔ اسپربر کے نزدیک معنوی تبدیلی کی سب سے اہم بنیاد یہ ہے

Consociations and spheres of thought charged-with emotive dynamism.

یعنی ایک دوسرے سے ربطِ ذہنی رکھنے والے خیالات جن کے ساتھ شدید جذبات وابستہ ہو جاتے ہیں۔ اسٹرن نے مماثلتی گروہوں کے بننے پر زور دیا۔ یہ گروہ مترادف یا مماثل المعنی الفاظ سے بنتے ہیں۔ Trier نے لغوی یا معنوی علاقوں (fields) کو بنیاد قرار دیا۔ اس طرح اسٹرن اور ٹرائر میں اتنا بڑا فرق نہیں۔ ان دونوں نے خیالات کے گروہوں پر زور دیا ہے جب کہ اسپربر نے خیالات کے جذباتی پہلو کو زیادہ اہم ٹھہرایا ہے۔

معنوی تبدیلی کی شکلیں

صوتی تبدیلی کے مظاہر کی شناخت بہت آسان ہوتی ہے کیونکہ صوتی تبدیلی کے قوانین ہماری رہبری کرتے ہیں مثلاً قدیم آئرش لفظ (athir ، اور سنسکرت پتا میں ظاہرا کچھ بھی مشترک نہیں لیکن ہم ان کے ایک مشترک ماخذ سے ماخوذ کر سکتے ہیں۔ معنوی تبدیلی کے نہ ایسے اصول ہیں نہ ہمیشہ درمیانی منزلیں مل پاتی ہیں مثلاً انگریزی write = لکھنا اور ڈچ rijten = پھاڑنا نیز جرمن reissen = پھاڑنا کا معنوی تعلق کیونکر معلوم ہوتا اگر قدیم سیکسن الفاظ writan = لکھنا، کاٹنا اور آئس لینڈی rita = لکھنا، کھرچنا موجود نہ ہوتے۔ اب لیٹن کے لفظ ruo کے دو مفاہیم گرنا اور جھپٹنا کے بارے میں کوئی علم نہیں کہ یہ دونوں کسی مشترک اصل سے ماخوذ ہو کر ایک دوسرے سے متعلق ہیں کہ نہیں۔

معنوی تبدیلی کو whatley نے تعمیم اور تخصیص میں اسیر کیا ہے لیکن بریل، واندریز، ٹکر، پال اور لیہ مان نے تین قسمیں کی ہیں۔

(۱) تحدید (تنگ ہونا یا سکڑنا) (2) توسیع (پھیلنا) (3) انتقال (shift یا Transperence)

تحدید اور تخصیص مترادف ہیں نیز تعمیم اور توسیع ایک ہیں۔ انگریزی کتاب ہندی معنیات کے مصنف ڈاکٹر ہردیو باہری نے یہ سہ گانا تقسیم مان لی ہے حالانکہ وہ بار ہا یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ تحدید و توسیع بھی دراصل انتقال معنی ہے مثلاً ان کے دو قول

"ایک معنی میں اصطلاح "انتقال" میں تحدید اور توسیع بھی شامل ہیں جو کُل سے جزو کی طرف یا جزو سے کُل کی طرف انتقال ظاہر کرتی ہیں۔ ص 197

"تخصیص اور تعمیم بھی انتقال ہی کی صورتیں ہیں جزو کا کل کی طرف اور کُل کا جزو کی طرف منتقل ہونا۔ اس سے قطعِ نظر ہم اس فصل میں تحدید و تعمیم سے ہٹ کر انتقال کی صورتوں پر بحث کریں گے۔"

ص 220

تحدید اور توسیع کی مثالوں پر نظر ڈالی جائے تو ان میں سے ہر ایک انتقالِ معنی کے ذیل

میں آسکتی ہے۔ انتقالِ معنی کیا ہے محض معنوی تبدیلی۔ اسے ایک علیحدہ قسم کے طور پر درج کرنا غیر ضروری ہے۔ بلوم فیلڈ کے مطابق قدیم ماہرین لسانیات لفظ کے متقدم اور موخر مفاہیم کے تعلق کی بنا پر معنوی تبدیلی کے ذیل کے گروہ بناتے تھے۔

تحدید۔ توسیع۔ استعارہ۔ نام بدلی (metonymy)۔ جزو و کل میں تبادلہ (synedoche)۔ مبالغہ (hyperbole)۔ معنی کو نحیف تر کرنا (litotes)۔ پستی معنی۔ ارتفاعِ معنی۔

ان میں کچھ اور قسمیں بھی شامل کی جاسکتی ہیں۔ آئندہ اوراق میں انتقال کی بجائے ان سب قسموں کو فرداً فرداً لیں گے۔ آخر میں اُلمان کی تجویز کردہ ساختی (stenctural) انداز کی قسمیں درج کی جائیں گی۔

معنوی تبدیلی لفظ کے ایک مفہوم سے ہٹ کر دوسرے مفہوم پر زور دینا ہے ہرمان پال نے کہا تھا کہ لفظ کے دو قسم کے معانی ہوتے ہیں (۱) معمول کے معنی (usual) (ب) اتفاقی (occasional) مثلاً سیب کہنے سے ہم سیب کا عام تصور کرتے ہیں جس میں ہر قسم کے سیب شامل ہوتے ہیں۔ اگر کسی خاص رنگ اور وضع کے سیب کی طرف اشارہ کرکے کوئی بات کہی جائے تو وہ اس لفظ کا اتفاقی اور عارضی مفہوم ہوا۔ عارضی مفہوم ضمنی اور نواحی ہوتا ہے۔ اگر کسی نے کسی لفظ کو عارضی اور ضمنی مفہوم ہی میں استعمال کیے جاتے دیکھا ہے تو وہ اسی مفہوم کو مرکزی اور کلی معنی سمجھ سکتا ہے۔ اس طرح ضمنی مفہوم مرکزی بن جاتا ہے۔

ہرمان پال کا کہنا ہے کہ لفظ کا ایک معنی سے دوسرے معنی میں کھسکنا در اصل معنوی تبدیلی کی دو منزلوں کا مجموعہ ہے توسیعِ معنی اور تعدیمِ معنی مثلاً لفظ meat کو لیجیے اصلاً اس کے معنی خوراک تھے۔ چونکہ یورپیوں کی خوراک عموماً گوشت پر مشتمل ہوتی تھی اس لیے اس لفظ میں ایک ضمنی مفہوم گوشت بھی ابھر آیا۔ گویا پہلی معنوی تبدیلی توسیع ہے۔

خوراک > خوراک + گوشت ۔ دوسری معنوی تبدیلی تعدیم کی ہے۔ دو مفاہیم میں سے ایک یعنی خوراک کی تعدیم ہوگئی۔

پہلی منزل   خوراک > خوراک، گوشت

دوسری منزل   خوراک، گوشت > گوشت

دوسری مثال :۔ قرونِ وسطی کے آخر میں جرمن زبان میں Kopf کے معنی پیالہ تھے۔

چونکہ میدانِ جنگ میں جنگ باز حریف کے سر کو چکنا چور کر دیتے تھے اس لیے وہ مجازاً سر کو Kopf کہنے لگے۔ بعد میں اس لفظ کے معنی میں سے مرکزی مفہوم پیالہ ختم ہو گیا اور ضمنی مفہوم 'سر' باقی رہ گیا۔ اب جرمن لفظ Kopf کے معنی سر ہیں اور اس کے ساتھ کے انگریزی لفظ cup کے معنی پیالہ۔ لیٹن میں penna کے معنی پنکھ ہیں۔ چونکہ پہلے زمانے میں پنکھ سے قلم بنایا جاتا تھا اس لیے فرنچ plume اور جرمن feder دونوں کے معنی پنکھ اور قلم دونوں ہیں لیکن انگریزی میں لیٹن سے مستعار لفظ pen کے معنی قلم رہ گئے۔

اردو میں بھی اس کی متعدد مثالیں ہیں۔ شکورہ = مٹی کا کوزہ دراصل کسورہ تھا بمعنی کانسی کا کٹورا۔ تقلیب سے بدل کر یہ شکورہ ہو گیا اور اس کے معنی کوزہ ہو گئے۔ لونڈی کے قدیم مرکزی معنی لڑکی (لونڈیا) تھے۔ چونکہ خادمائیں اکثر کم عمر لڑکیاں ہوتی تھیں اس لیے لونڈی کے معنی محض کنیز کے رہ گئے۔ پنجابی منڈا اور انگریزی boy ہمارے سامنے کی مثالیں ہیں۔ غلام کے معنی لڑکا ہیں۔ چنانچہ حور و غلمان میں یہ لفظ اسی معنی میں ہے۔ چونکہ ملازم اکثر لڑکے ہوتے ہیں اس لیے غلام کے ضمنی معنی مرکزی ہو گئے۔

ہرمان پال کی وضاحت سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ لفظ میں ضمنی معنی کیوں ابھر آتے ہیں اور اس کے بعد پورے مفہوم یا مفاہیم کا ایک جزو کیوں معدوم ہو جاتا ہے۔ ونٹ (Wundt) نے اس کی نفسیاتی توجیہ کی کہ مرکزی معنی غالب معنی ہوتے ہیں۔ سیاق اور ماحول کے بدلنے کے ساتھ غالب معنی سرک جاتے ہیں اور کوئی دوسرا مفہوم غالب ہو جاتا ہے۔

معنوی تبدیلی عارضی ہو سکتی ہے یا مستقل۔ عارضی تبدیلی بسا اوقات انفرادی ہوتی ہے۔ معنی کے استعمال کی ہر غلطی ایک عارضی معنوی تبدیلی ہے۔ اگر اس غلطی کا اعادہ ہوتا رہے تو یہ مستقل تبدیلی بن جائے گی۔ لفظ کا مجازی مفہوم بھی ابتداً انفرادی اور عارضی ہوتا ہے۔ بعد میں اس کے اعادہ سے اس میں استحکام آ جاتا ہے۔ اگر امتدادِ زمانہ سے ایک لفظ میں معنوی تبدیلی ہوتی ہے تو قدیم و جدید مفاہیم میں ذیل کی صورتوں میں سے کوئی ایک تعلق ہو گا۔

1۔ قدیم اور جدید دونوں معنی برقرار رہیں گے مثلاً مقدمہ : پہلے آنے والی چیز، قانونی جھگڑا۔ تہذیب : کسی چیز کی تراش خراش کرنا، ثقافت۔ ایوان : محل، مجلسِ قانون ساز۔

2۔ قدیم و جدید دونوں معنی اس طرح برقرار رہیں گے کہ ان میں امتیاز کے لیے صوتی تبدیلی

کردی جائے گی۔ اس طرح وہ دو مختلف لفظ معلوم ہوں گے لیکن پھر بھی اُن میں اتنا معنوی قرب ہوگا کہ اُن کا رشتہ صاف دکھائی دے گا مثلاً
Shirt ، Skirt - چورن، چون (آٹا)۔ سجھاگ، سہاگ۔

3- قدیم و جدید مفاہیم صوتی تبدیلی کے ساتھ برقرار رہیں گے لیکن دونوں کی صورت اور معنی میں اتنا تفاوت ہو جائے گا کہ اُنھیں یکساں بھی نہ سمجھا جائے گا مثلاً قدیم انگریزی لفظ gerade = سواری کے لیے تیار ہونا۔ اس سے دو لفظ Rade اور Ready ماخوذ ہیں جن کے معنی اب غیر متعلق معلوم ہوتے ہیں۔
انگریزی الفاظ Strew = پھیلانا اور Straw = پھوس
دونوں ایک ہی جرمن مادے سے ماخوذ ہیں لیکن ان کی قرابت کو کون پہچان سکتا ہے۔
Straw berry دراصل Strew-berry تھی: زمین پر پھیلی ہوئی جھاڑی۔ اس لفظ میں Whole اور holy بھی ایک جرمن مادے سے ماخوذ ہیں۔ ہندی کی مثال بھارت اور بھتہ ہیں۔

4- قدیم معنی تقریباً متروک ہو جاتے ہیں لیکن وہ ایک دو الفاظ یا محاورے میں باقی رہ جاتے ہیں۔ اس صورت کو Isolation کہتے ہیں۔ Sweet meat کے قدیم معنی طعام انگریزی کی دو ترکیبوں میں برقرار ہیں
ان میں قدیم معنی مروّجہ معانی سے تنہا پڑ گئے ہیں۔
اردو کی تین مثالیں:۔ عرصہ کے قدیم معنی میدان اور جدید اردو معنی مدت ہیں لیکن عرصۂ کارزار میں قدیم معنی موجود ہیں۔ غصّہ کے قدیم معنی رنج اور جدید معنی طیش ہیں۔ غم و غصّہ جیسی ترکیب میں قدیم معنی ' رنج ' موجود ہیں گو سہواً یہاں بھی غصہ کو طیش کے معنی تقلید کرنا یا کسی شے کا عکس ہیں۔ نقلِ مکان اور نقل و حمل جیسی ترکیب میں قدیم معنی موجود ہیں۔ عام اردو بولنے والے کو نقل کے اس مفہوم کا شعور بھی نہ ہوگا۔
بعض اوقات صوتی تبدیلی بھی کسی قدیم مفہوم کے اکیلے پن (Isolation) کا باعث ہو جاتی ہے مثلاً Ready کی ہیئت سے کون پہچان سکتا ہے کہ اس کے اصل معنی " سواری کے لیے) تیار " تھے۔
عملی دنیا کی بعض تبدیلیاں بھی معنی کی تنہائی میں معاون ہوتی ہیں جرمن Wand اس

پتلی دیوار کو کہتے ہیں جس کے بیچ لکڑی کی ٹہنیاں دی ہوں اور اوپر سے مٹی تھوپی ہو۔ اس کا تعلق wind = لپیٹنا سے ہے۔ چونکہ اس قسم کی دیوار کا رواج ختم ہو گیا اس لیے اب wand کسی بھی پتلی دیوار کو کہتے ہیں۔ اب یہ لفظ اپنے ساتھ کے لفظ wind سے بالکل علیحدہ دکھائی پڑتا ہے

ایک بہت دلچسپ صورت ملاحظہ ہو۔ بعض اوقات قدیم معنی بعد کے کسی فقرے یا لفظ میں برقرار رہ جاتے ہیں لیکن وہ اس حد تک اجنبی ہو جاتے ہیں کہ لوگ سہواً اس سیاق میں بھی جدید معنی مراد لے لیتے ہیں۔ دو مثالیں

فرنچ سے مستعار انگریزی لفظ favour کے قدیم معنی بشرہ یا ہیئت کے ہیں اور جدید معنی لطف و عنایت۔ قدیم معنی ایک ترکیب ill favoured اور ایک ضرب المثل

Kissing goes by favour

میں موجود ہیں لیکن غلطی سے ان دونوں مقامات پر بھی 'لطف' کا مفہوم لے لیا جاتا ہے۔

Proof اور Prove کے قدیم معنی جانچ، جانچنا (test, testing) تھے۔ ان سے ضمنی معنی ثابت کرنا نکلے جو اب مرکزی معنی ہو گئے۔ ذیل کی دو کہاوتوں میں فرسودہ معنی موجود ہیں۔

1, Proof of the pudding lies in its eating

2, Exception proves the rule

ان دونوں میں سہواً 'ثبوت' کے معنی لے لیے جاتے ہیں حالانکہ اس کا محل نہیں۔ بالخصوص اگر دوسری کہاوت کے یہ معنی لیے جائیں کہ "استثنیٰ سے قاعدہ ثابت ہوتا ہے" تو یہ بالکل بے تکی بات ہے۔ دراصل اس کے معنی ہیں کہ "استثنیٰ ہی کی کسوٹی پر لا کر کسی اصول کو جانچا جا سکتا ہے۔"

5۔ قدیم معنی بالکل ختم ہو جائیں گے صرف جدید معنی برقرار رہیں گے۔ یہ سب سے عام صورت ہے۔ انگریزی fee قدیم انگریزی میں feoh بمعنی مویشی تھا۔ اب یہ مفہوم بالکل ختم ہو گیا ہے۔ اردو میں رنڈی کے قدیم معنی عورت بالکل معدوم ہو گئے اور جدید معنی طوائف ہی باقی رہ گئے ہیں۔

اب معنوی تبدیلی کی مختلف تبدیلیوں پر فرداً فرداً غور کیا جاتا ہے۔

(1) تحدید یا تخصیص:۔ اس کی حسب ذیل قسمیں ہیں۔ پہلی چند قسمیں ایسی ہیں جن کا

تاریخی ارتقا بالخصوص سنسکرت ہندی کے ارتقا سے ہے۔

1- بالکل ابتدا ہی سے معنی میں تحدید ہونا۔ بعض الفاظ کا مادہ ان کے وسیع تر مفہوم کی نشان دہی کرتا ہے لیکن ہم جب سے ان الفاظ کے استعمال سے واقف ہیں وہ ایک تنگ تر یا مخصوص معنی میں استعمال ہوتے آئے ہیں۔ ذیل کے الفاظ میں قوسین میں ان کے وہ معنی درج کیے جا رہے ہیں جو ان کے مادّے سے ظاہر ہوتے ہیں اور بعد میں اُن کے لغوی معنی

ویریہ = (بہادری) منی

مولیہ = (جڑ سے متعلق) قیمت

لڑکا = (جسے لاڑ پیار کیا جائے) کودک

باڑھ = (بڑھنے والی) سیلاب

دھان = (دھن دولت سے متعلق) ایک اناج

2- تدبھو الفاظ کا تت سم کے مقابلے میں محدود و مختص ہونا۔ اس کی تین صورتیں دیکھیے۔

ا:- مفہوم کی وسعت کی کمی۔ سنسکرت شاک = ترکاری۔

ہندی ساگ = پتوں والی ترکاری

سنسکرت کنکا = اناج، ہندی کنکی = ٹوٹے ہوئے چاول

پنجابی کنک = گیہوں

ب:- اگر تت سم لفظ کثیر معنوی ہے تو امکان ہے کہ کثرتِ استعمال کی وجہ سے تدبھو لفظ میں ایک مفہوم برقرار رہے گا بقیہ متروک ہو جائیں گے مثلاً

سنسکرت اوشٹر = بھینسا، اونٹ > ہندی اونٹ

سنسکرت رکش = ریچھ، تارا > ہندی ریچھ

سنسکرت کمبل کمبل، ہرن، دیوار > ہندی کمبل

ج:- بعض الفاظ اپنے مفہوم کا ایک جزو کھو دیتے ہیں مثلاً لیٹن یا قدیم فرنچ یا سنسکرت میں فعل کے ساتھ فاعل کی ضمیر مقدر رہتی تھی۔ جدید زبانوں میں فاعل کی ضمیر ختم ہو گئی۔

لیٹن con tase = وہ گاتا ہے فرنچ il chante = وہ گاتا ہے

سنسکرت پٹھت = وہ پڑھتا ہے ہندی پڑھتا ہے

ہندی "پڑھتا ہے" میں فاعل کی ضمیر شامل نہیں یہاں "وہ پڑھتا ہے" کے علاوہ "تو پڑھتا

ہے، بھی لاسکتے ہیں۔ گویا مفہوم میں کمی تو آئی۔

3- کُل کو جزو کے معنی میں استعمال کرنا۔ امریکہ بمعنی یو ایس اے۔ بمعنی یورپ۔ ہندوستانی بمعنی شمالی ہند کے ہندی اردو بولنے والے باشندے۔ فارسی مرغ = پرندہ > اردو مرغ = خروس۔ ویدک سنسکرت مرگ = جانور > سنسکرت ہرن۔ حلوہ = مٹھائی > ایک مخصوص میٹھا کھانا۔ سنسکرت چورن = سفوف > ہندی چورن = ہاضم دوا کا سفوف۔

4- **حذف و اختصار:۔** بعض اوقات طویل ترکیبیں یا فقرے کسی معنی کو ادا کرتے ہیں۔ سہولتِ استعمال کی خاطر ان میں سے ایک یا زیادہ الفاظ کو ادا کرکے خاص لفظ کو پوری ترکیب کے معنی میں لینے لگتے ہیں۔ مثلاً

موٹر (کار)۔ (موٹر) کار۔ پرنسپل (ٹیچر)۔ کیپٹل (سٹی)۔ (پوسٹل) اسٹامپ۔ (ریلوے) اسٹیشن۔ (برج) بھاشا۔ تازی (گھوڑا)۔ انجمن (ترقی اردو)۔ (ہندو) مہاسبھا۔ (ہندی ساہتیہ) سمیلن۔ ماہواری (اخراج)۔ (Private (soldier۔

بھاشا کے معنی عام طور سے زبان کے تھے لیکن برج بھاشا کے معنی میں لانے سے تحدید و تخصیص ہوئی۔ یہی بقیہ مثالوں میں ہوا۔

5- **مختلف طبقات اور علوم کی اصطلاحیں:۔** یہ بھی مفہوم کو محدود و مختص کرتی ہیں مثلاً اہلِ لسانیات کے لیے Voice کے مخصوص اصطلاحی معنی ہیں۔ بجلی کے Positive اور Negative تاروں کے انگریزی نام اور اُن کے عوامی ترجمے گرم تار اور ٹھنڈا تار ان کے معنی کو مخصوص کر لیتے ہیں۔ جوہر کے عام معنی کو سائنس داں atom کے مخصوص معنی میں لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی لفظ ایک زبان کے مختلف گروہوں یا مختلف سیاقوں میں مختلف معنی دیتا ہے مثلاً

بولی اہلِ لسانیات کے لیے اور نیلام کرنے والوں کے لیے مختلف ہے۔ ٹیکا ہندی ادب میں تبصرے کے معنی میں، صراف کے یہاں ایک زیور کے معنی میں اور ڈاکٹر کے یہاں انجکشن کے معنی استعمال ہوتا ہے۔

Negative اہلِ ریاضی کے لیے اور ہے، بجلی والوں کے لیے کچھ اور اور پیشاب خون کی جانچ کرنے والے ڈاکٹر کے لیے کچھ اور۔ جب کوئی پیشہ یا علم کسی لفظ کو بہت

مخصوص و محدود معنی میں استعمال کرنے لگتا ہے تو وہ لفظ اس گروہ کے لیے اصطلاح بن جاتا ہے۔

بریل نے کہا ہے کہ کوئی تہذیب جتنی ترقی یافتہ ہوگی اس میں الفاظ کی تحدید و تخصیص اتنی ہی متنوع ہوگی۔

6۔ **مذہبی اور سماجی تخصیص :۔** مذہب اور سماجی رسوم نے متعدد الفاظ کے معنی سکوڑ دیے ہیں مثلاً

گرنتھ (سکھوں کی دینی کتاب)۔ مندر (لفظی معنی گھر۔ مذہبی معنی بھگوان کا گھر)۔ یاتری (مذہبی مقامات کا سفر کرنے والا)۔ عقد (لڑکے اور لڑکی کو کتخدائی کی گانٹھ میں باندھنا)۔ شادی (کتخدائی کی خوشی) کریا (لفظی معنی کام۔ اصطلاحی مُردے کو پھونکنا)۔ راجہ (ہندو صاحبِ تخت)۔ بادشاہ (غیر ہندو بالخصوص مسلمان صاحبِ تخت)۔ ہجرت۔ انصار۔ صحابی۔

ایک طرح سے یہ بھی کُل کو جزو کی طرح استعمال کرنا ہے۔

7۔ تاریخی و جغرافیائی تخصیص اسے بھی کسی حد تک کل کو جزو کی مثال سمجھنا چاہیے۔ شرط یہ ہے کہ یہاں تاریخی و جغرافیائی اصطلاحوں کا ذکر ہے مثلاً

غدر (جنگ 1857ء)۔ تقسیم (تقسیم 1947ء)۔ دکن (جنوبی ہند)۔ پوربیا (مشرقی یو۔ پی کا باشندہ)۔

Middle East (یورپ کے مشرق کے عرب اور مسلم ممالک۔ ہم سے وہ مغرب میں ہیں لیکن ہم بھی اُنھیں مشرقِ وسطیٰ کہتے ہیں) کسی کے لیے کہا جائے کہ 'وہ پہاڑ پر گئے ہیں' تو اس جملے میں پہاڑ سے مراد پہاڑ پر بسا شہر ہوتا ہے۔ پھر بعض لوگوں کی اپنی مقررہ جغرافیائی تحدید ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شہر کے مضافات والے جب کہتے ہیں کہ 'وہ شہر گیا ہے' تو اس سے مراد خاص شہر ہوتا ہے۔ اس طرح شہر میں رہنے والے زمیندار کے لیے 'گاؤں' سے مراد اس کی ملک کا گاؤں ہوتا تھا۔

8۔ **اسمِ عام کا معرفہ ہو جانا :۔** یوں تو تقریباً ہر اسمِ معرفہ کے کچھ عام معنی ہوتے ہیں لیکن وہ عام معنی میں استعمال نہیں ہوتا اس کے برخلاف کچھ ایسے اسم عام ہوتے ہیں جن کے عام معنی نمایاں اور صریح ہیں اس کے باوجود وہ عَلَم کے طور پر مخصوص ہو جاتے ہیں مثلاً

بنسی دھر (کرشن)۔ پنجاب۔ پارتھ سارتھی (ارجن کا رتھ چلانے والا یعنی کرشن)۔

رگھوناتھ (رام) ۔ شیام سندر (رام) ۔ ولایت (انگلستان) continent (یورپ)
اس ضمن میں القاب آئیں گے
مسیح الملک (اجمل خاں) ۔ شیخ الرئیس (بوعلی سینا) ۔ فصیح الملک (داغ) ۔ صدر یار جنگ (شروانی) ۔ طوطیٔ ہند (امیر خسرو) ۔ لسان الملک (اکبر) ۔ باپو (مہاتما گاندھی) ۔ نیتا جی (سبھاش چندر بوس) ۔ میر و مرزا (میر تقی اور مرزا سودا) ۔ لکھ داتا (قطب الدین ایبک) ۔ مشکل کشا (حضرت علی) ۔

9- استعمال میں کمی آنا ۔ تحدید کی ایک مخصوص قسم یہ ہے کہ کسی لفظ کا استعمال کم ہوتا جاتا ہے ۔ بعض اوقات یہ متروک ہو جاتا ہے ۔ استعمال میں کمی کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس شے کا رواج ہی کم ہو جائے ۔ دوسری وجہ تابو ہو سکتی ہے یا کوئی اور لسانی یا سماجی وجہ ۔ اب میگڈنبر اور اصطبل کا استعمال اس لیے کم ہو رہا ہے کہ یہ چیزیں ہی رواج میں نہیں رہیں ۔ انگریزی میں ghost کا لفظ بہت کم استعمال ہوتا ہے اسے اب spirit کہتے ہیں ۔
یہ صحیح معنی میں مفہوم کی تحدید نہیں بلکہ سیاق کی تحدید ہے ۔

(2) توسیع یا تعمیم

یہ پہلی شق کی ضد ہے ۔ چونکہ زبان کا ارتقا اظہار کی صحت اور قطعیت کی جانب ہے اس لیے تحدید کے مقابلے میں توسیع کا رواج کم ہے ۔ اس کی بھی کئی قسمیں ہیں ۔

1- جزو کہہ کر کل مراد لینا

مائی = کوئی معمر عورت (اصل معنی ماں) ۔ سیاہی = روشنائی ۔ آلھا = کوئی بھی رزمیہ نظم ۔ مدراسی = جنوب کی کسی بھی ریاست کا باشندہ ۔ انگریز = گوری نسل کا کوئی بھی شخص پیسہ = دولت ۔ روپیہ = دولت ۔ بھائی ۔ دیور ، بڑے سالے یا کسی بھی دوست کے لیے ۔ uncle کوئی بھی بڑا آدمی ۔ آنٹی (aunti) = کوئی بھی بڑی عورت ۔
وسطی انگریزی bridde چڑیا کا بچہ > جدید انگریزی bird
وسطی انگریزی dogge (ایک مخصوص پرانی نسل کا کتا) > جدید انگریزی dog
انگریزی کی صفت synecdoche بھی تقریباً اسی قسم کی ہے ۔ کسی چیز یا شخص کے ایک حصے کو یا وصف کو اس کا نام دینا مثلاً hands بہ معنی مزدور ۔ blade بمعنی

تلوار۔ mouths بہ معنی کھانے والے۔

Your majesty, His Holiness, your honour, your Excellancy

2۔ اسمِ معرفہ کو اسمِ عام بنا لینا

اگر عَلَم کو عام بنا کر استعمال کیا جائے تو یہ بھی تعمیم ہے مثلاً میر جعفر، بھبھیشن اور کوٹسلنگ کے معنی غدار ہیں۔ چنگیز، ہلاکو ظالم کے معنی میں ہے۔ ابوالحسن تاناشاہ کو تاناشاہ بمعنی آمر میں بدنام کیا ہے۔ شیخ چلی اور لال بجھکڑ افسانوی انسانوں کے نام ہیں لیکن ان کا ایک عام مفہوم ہو گیا ہے۔ شنکر آچاریہ ایک قدیم فلسفی اور دینی رہنما گزرے ہیں۔ اب پانچ شنکر آچاریہ ہوتے ہیں۔ گویا یہ نام محض لقب ہو کر رہ گیا ہے۔

3۔ تاریخی ارتقا میں بعض لفظوں کی توسیع

سنسکرت کے بعض لفظوں میں تحدید و تخصیص کے معنی تھی۔ ہندی میں آکر ان کے معنی وسیع اور عام ہو گئے۔

سنسکرت	ہندی
گھوٹک (غریب گھوڑا)	گھوڑا
کرپٹ (پھٹا پرانا کپڑا)	کپڑا
گوشٹھی (گایوں کا اجتماع)	انسانوں کی نشست

4۔ انتقالِ معنی سے توسیع

انتقال کو ہم اگلی شق میں لیں گے لیکن تحدید و توسیع انتقال سے بنیادی طور پر مختلف نہیں۔ اگر کسی لفظ میں نیا مفہوم پیدا ہونے کے بعد پرانا مفہوم بھی باقی رہے تو یہ انتقال توسیعِ معنی کا موجب ہوتا ہے۔ ذیل کی مثالوں میں پہلے معنی اصل ہیں بعد کے انتقالِ مفہوم سے حاصل ہوئے ہیں۔

دیوی = دیوتا کا مونث اور عورت۔ ساون = مہینے کا نام اور اس میں گایا جانے والا گیت۔ ہولی = ہولی کا تیوہار اور ہولی میں گانے کا گیت۔ روضہ = باغ، مقبرہ۔

5۔ ہیئت کی مماثلت کی بنا پر توسیع

ایک چیز سے ملتی جلتی دوسری چیز کو پہلی شے کا نام دے دیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی پہلا نام بھی

برقرار رہتا ہے مثلاً

کانٹا = پیڑ کا کانٹا، مچھلی کی باریک ہڈی، مچھلی پکڑنے کا کانٹا، ترازو کی ایک قسم، بالوں کا کلپ۔

لاٹ صاحب = لارڈ کی تھنیدکر کے اصلاً وائسرائے کے لیے مستعمل ہوا بعد میں کمانڈر انچیف نیز گورنروں کو بھی کہا گیا۔

سوئی = سلائی کی سوئی، گھڑی کی سوئی۔

پردہ = حجاب، آنکھ کا پردہ، ساز کا پردہ

کھونٹی = لکڑی کی کھونٹی کے علاوہ مونڈے ہوئے بالوں کی ایک دن بعد کی کیفیت۔

۶۔ استعارے یا محاورے کی بنا پر توسیع

صراحی کی گردن، گھڑی کے hands۔ گہری فکر۔ سخت قریب۔ افعال میں محاورے یا روزمرہ کی بنا پر بہت توسیع ہوتی ہے مثلاً

بیٹھے بٹھائے، خواہ مخواہ، رہ رہ کر یہ خیال آتا ہے۔

(3) انتقالِ مفہوم یا اطلاق میں انتقال

صوتی تبدیلی کی سب سے بڑی صورت انتقالِ مفہوم ہے۔ اس کا دائرہ تقریباً اتنا ہی ہے جتنا معنوی تبدیلی کا۔ تقریباً ہر قسم کی معنوی تبدیلی کی نادیل انتقال کے ذریعے کی جا سکتی ہے۔ پھر بھی اسے یہاں تحدید د توسیع سے علیحدہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کی مختلف صورتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے مانع نہیں، کہیں کہیں مل جاتی ہیں۔

اخواب نامی (Emphemism) درشت، منحوس، لٹھ مار یا عریاں مضمون کو نرم و شائستہ الفاظ میں ادا کیا جائے تو انگریزی میں اسے یوفے مزم کہتے ہیں۔ اس سے شئے حوالہ (Reference) کا مرتبہ تو اٹھ جاتا ہے لیکن تصور (Referent) یا مفہوم کا مرتبہ گر جاتا ہے۔ قسمیں ملاحظہ ہوں۔

ا:۔ گندے یا نیچے کام کرنے والے کو بہتر لفظ سے یاد کرنا مثلاً بھنگی کو جمعدار، حلال خور، مہتر، بالمیکی کہنا۔ حجام کو خلیفہ۔ ہندو باورچی کو مہاراج۔ درزی کو ماسٹر صاحب۔ چمار کو رائے داس، اندھے کو سور داس یا حافظ جی۔ کلرک کو بابو۔ شدر کو ہریجن۔ قصائی کو شیخ بیوپاری۔

فقیر کو شاہ صاحب کہنا۔ مغرب میں کانسٹبل کو آفیسر کہا جاتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ طبقۂ زیریں کو اپنی پستی کا احساس نہ ہو۔

ب:۔ عریاں کو مہذب الفاظ میں ادا کرنا۔

دنیا بھر میں بول و براز، جنسی اعضا اور ان کے متعلقات کے لیے طرح طرح کے الفاظ ملتے ہیں۔ ان کے لیے ایک ہی زبان میں کئی کئی مترادفات کا ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اوّل ایک مہذب لفظ اختیار کیا گیا۔ کچھ دنوں کے استعمال کے بعد وہ بھی کھلا ڈلا معلوم ہونے لگا۔ ڈھانپنے کے لیے دوسرا لفظ استعمال کیا گیا۔ بعد میں اس پر بھی وہی بیتی۔ اس طرح ایک کے معنی کے کئی الفاظ جمع ہو گئے جو آداب کی مختلف سطح پر ہیں۔ واضح ہو کہ ان مفاہیم کو دوسری زبان مثلاً انگریزی میں ادا کرنے پر اس قدر شرم محسوس نہیں ہوتی۔ چند مثالیں

جنسی اعضا : اعضائے تناسل، شرم گاہ، اندام نہانی، اندری۔

جنسی فعل : ہم بستری کرنا، صحبت کرنا، وظیفۂ زوجیت ادا کرنا، غیر فطری فعل، عزت لوٹنا۔ انگریزی میں Marital Relation / Criminal assault, to make love

حوائج : حوائج رفع کرنا۔ حاجت رفع کرنا۔ باتھ روم جانا۔ ریح خارج کرنا۔

رفعِ حاجت کا مقام : بیت الخلا، ٹٹی۔ Bathroom, toilet

تولید کے متعلقات : ایام سے ہونا، ماہواری، پاؤں بھاری ہونا
Conceive, confinement-delivery, to be in a family way

ج:۔ منحوس یا بھیانک کو سعد یا کم بھیانک بنا کر پیش کرنا۔

یہ انسانی نفسیات کا ایک فرار ہے جو بلا کی طرف سے چشم پوشی کرنا چاہتا ہے۔ ذیل کی مثالوں میں حسب ضرورت قوسین میں اصل معنی دیے ہیں۔

انتقال کرنا، اللہ کو پیارا ہونا، گزر جانا، سورگباش، کوچ کر جانا، شہید ہو جانا، مرحوم، مغفور، چوڑیاں ٹھنڈی کرنا (بیوہ ہونا)، سہاگ اُجڑنا، مانگ کا سیندور ڈھل جانا۔

کیڑا (سانپ)۔ ہوا یا سایہ (بھوت)۔ تخمہ (ہیضہ)۔ گرمی کی بیماری (سوزاک)۔ مٹی دینا (لاش دفن کرنا)۔ کریا کرم کرنا (لاش پھونکنا)

د:۔ توہم پرستی میں بعض لفظوں پر تابو بعض کا عقیدہ ہے کہ بری بات کو براہِ راست

الفاظ میں کہدیا جائے تو کوئی مصیبت نازل ہو جائے گی اس لیے گھما پھرا کر کہتے ہیں۔ غیر مہذب یا پرانے خیال کے لوگوں میں بعض نام یا الفاظ تابو ہوتے ہیں۔ ان کے لیے بھی ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جن کا مفہوم سو فی صدی ترجمانی کرنا مثلاً مرنے کے اندیشے کو اس طرح گھما کر کہا جاتا ہے۔

اگر مجھے کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی۔

If something should happen to me

چیچک کو ماتا کہنا بھی محض توہم ہے۔ چونکہ عورتوں میں توہمات زیادہ ہوتے ہیں اس لیے اُن کے محاورے میں بہت سے الفاظ بدلے ہوئے ہوتے ہیں۔ ریختی میں دیکھیے اوپر والا، باہر والا اور خدا جانے کیا کیا۔ بیوی کا شوہر کا نام نہ لینا اور شوہر کا بیوی کا نام نہ لینا ایک قسم کا توہم ہی ہے چنانچہ ایک دوسرے کے لیے ابی، بابوجی، گھروالی، گھروالا، منّے کے بابوجی، گھر کے لوگ، محل میں وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں۔

توہم کی سب سے اچھی مثالیں غیر مہذب قبائل میں ملتی ہیں جہاں بہت سے الفاظ اور نام تابو ہوتے ہیں مثلاً قدیم چرچ سلافی زبان میں ریچھ کو شہد خور کہتے ہیں۔ لیکن تابو اور توہم صرف غیر مہذب قبائل تک محدود نہیں۔ یہودیوں اور پارسیوں میں خدا کے اصل نام لینا ممنوع ہے۔ عیسائیوں میں خدا کا نام (Jehovah) لینا سوءِ ادب ہے۔ وہ اُسے لارڈ، فادر یا Almighty وغیرہ کہتے ہیں۔ کسی کی طبیعت خراب ہو تو اہل اردو یوں دریافت کرتے ہیں۔ "دشمنوں کا مزاج کیسا ہے؟" دیا بڑھانا، کھانا بڑھانا میں بھی توہم پوشیدہ ہے۔ جاپان میں متعدد الفاظ شاہی گھرانے میں استعمال کے لیے مخصوص ہیں۔ عوام کے لیے ان کا استعمال ممنوع ہے۔

2۔ زشت نامی (Cacophemism)۔ یہ اوپر کی شق کا الٹا ہے۔ اس میں اچھی چیزوں کو برے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی مثالیں کم ہیں۔ اس ذہنیت کا بہترین اظہار بچوں کے ایسے ناموں میں کیا جاتا ہے جو ظاہر افرشتۂ اجل کو متنفر یا گم راہ کرنے کے لیے رکھے جاتے ہیں مثلاً کوڑے مل۔ گھورمل۔ کڈھیرامل۔ ردّی لال۔ گھسیٹا۔ کالو لال[*]۔ کلّو۔

---

* سابق وزیر تعلیم ڈاکٹر کے ایل شری مالی کا نام کالو لال ہے اور وہ بالکل گورے ہیں۔ ظاہر ان کے والدین نے یم دوت کو بہکانے کے لیے انھیں یہ نام دیا ہوگا۔

عاجزی اور انکساری میں بھی اپنے لیے اسی طرح کے الفاظ کا استعمال ہوتا ہے مثلاً غریب خانہ، نیاز مند، غلام، خادم، فقیر، احقر، ننگ اسلاف، دال دلیا کھائیے، روکھا سوکھا کھائیے، نان نمک کھائیے۔

3- تنزّلِ معنی (Pejoration)

بعض الفاظ کے معنی اصلاً یا لغت میں جو کچھ ہیں اطلاق میں اس سے پست ہو جاتے ہیں بعض اوقات تو یہ تنزل مستقل ہوتا ہے دوسرے موقعوں پر مخصوص سیاقوں میں معنی کی پستی واقع ہوتی ہے جب کہ دوسرے سیاق میں نہیں ہوتی۔ خوب نامی (یوفے مزم) سے جس پست یا درشت شے (referent) کو بہتر نام دیا جاتا ہے وہ شے تو مرتبے میں بڑھ جاتی ہے لیکن اس نام کا مفہوم گھٹ جاتا ہے زوالِ معنی کی متعدد صورتیں ہیں۔

ا:- غریبوں، ملازموں اور چھوٹوں کو ظاہر کرنے والے الفاظ کنگال، فقیر، ٹھن ٹھن گوپال، غلام، منڈو، کھٹیا، روپلی (روپیہ کی تصغیر)

ب:- چھوٹے پیشوں، گندے پیشوں، روایتاً مکار یا بخیل گروہوں کے نام مثلاً بھنگی، چمار، چنڈال، چوڑا، قصائی، یہودی، بقال، بنیا، تلی، رنڈی، under taker

ج:- جنسی فعل، ضروریاتِ فطری، حمل، تولید وغیرہ سے متعلق الفاظ بالخصوص عوامی الفاظ مثلاً کرنا، لینا، دینا، مارنا، مروانا، گھنٹہ، ، جننا، موتنا، ہگنا، پادنا۔

ان کاموں سے متعلق جو مہذب الفاظ اور محاورے استعمال کیے جاتے ہیں چونکہ ان کا مفہوم ان سے پست ہے اس لیے ان میں بھی زوالِ معنی ہے مثلاً باتھ روم کو بیت الخلا کے معنی میں استعمال کرنا۔ بیت الخلا water closet, toilet, lonkise love وغیرہ میں بھی مفہوم کا زوال ہوا ہے۔

د:- توہمات سے متعلق الفاظ مثلاً بھوت، جن، دیو، شیطان۔

ہ:- رشتہ، مناکحت سے متعلق کچھ تضحیکی الفاظ خصم، جورو، لگائی، سالا، سسر، عاشق، دھگڑ، معشوق، یار، چاہنے والا suitor, mistress

ز:- مذہبی، سیاسی یا تہذیبی اعتبار سے کسی فرقے یا گروہ کے لیے برے جذبات ہوں تو اس سے متعلق الفاظ کے مفہوم میں تحقیر پیدا ہو جاتی ہے مثلاً

کافر، کرسٹان، مُسلا (پنجابی میں مسلمان کے لیے)، پاکستانی bourgeois

رائے بہادر، نیتا جی، لات صاحب، Nigger, Asiatic, native
جاگیردار، یہودی، لال پگڑی والا،

7:- خوب نامی اور آداب کی وجہ سے بعض گھٹیا پیشوں والوں یا بے وقوفوں کو بہتر الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ معمولی آدمیوں کے لیے بادشاہوں اور دیوتاؤں کے سے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، ان سب اونچے الفاظ کے معنی نیچے ہو جاتے ہیں مثلاً
ہریجن، so called caste، جمعدار، پرجاپتی (کمہار) حلال خور، بھگت جی یا بھگجی (بڑھئی)، حافظ جی یا سورداس (اندھا)، بھولا، سیدھا (بے وقوف)، مہاراج، خداوند، بھگون، دیوی (عورت)، حضور، بابو (کلرک) Mister (ماسٹر)۔

ذیل کے لفظوں کا زوال ملاحظہ ہو۔ اصل کے لحاظ سے ان میں کوئی برائی نہیں۔
چال۔ کرتوت۔ چلتر (چرتر سے)۔ علامہ (عورت کے لیے) فیلسوف۔

ط:- بعض لفظوں کے مفہوم میں اس حد تک زوال ہوا ہے کہ ان کے معنی بالکل برعکس ہو گئے ہیں۔
اسر = اصلاً دیوتا، بعد میں راکشس۔ دیو اصلاً دیوتا، اوستا میں شیطان۔
وسطی انگریزی Silly (blessed) سے بے وقوف۔
لیٹن Christianus سے فرنچ Cretin بے وقوف
قدیم اونچی جرمن Albern (سچا، مہربان) سے جرمن alawari
بے وقوف۔

زوالِ معنی کی خالص اور بہترین مثالیں وہی کہلائیں گی جب تاریخی ارتقا میں پہلے ایک لفظ کا مفہوم اچھا خاصا تھا بعد میں وہ گر گیا اور اب محض پست مفہوم ہی باقی ہے مثلاً قدیم انگریزی Knave بمعنی لڑکا سے Champ چونکہ لڑکے مکار ہوتے ہیں اس لیے اس لفظ کے معنی بدمعاش ہو گئے۔ Villain اصلاً Villa میں کام کرنے والا تھا اب بدمعاش ہو گیا۔ اردو میں رنڈی کے معنی عورت سے گر کر طوائف ہو گئے۔ تماش بین کے معنی طوائف باز ہو گئے ہیں۔

4- ارتفاعِ معنی (Melioration)
کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اصلاً ایک لفظ کے معنی پست یا معمولی تھے۔ بعد میں وہ بلند ہو گئے۔ اس کی مثالیں کم ہوتی ہیں ملاحظہ ہو۔

بعض الفاظ میں مذہب یا تقدس شامل ہو کر اُن کے عام معنی کو اُٹھا دیتا ہے۔ ذیل کی مثالوں میں حسبِ ضرورت قوسین میں اصلی اور لغوی معنی دے دیے گئے ہیں۔

مندر (مکان ۔ جاپ (سنسکرت جلپ = بات کرنا)۔ کلش (گھڑا)۔ مکتی۔ نجات۔ گرنتھ (کتاب)۔ Holyghost ۔ مہورت (وقت)

کچھ اور مثالیں

کپڑا: سنسکرت میں کرپٹ پرانے کپڑے کو کہتے تھے۔

کُلین یا خاندانی کے لفظی معنی خاندان والا، مستعمل معنی اچھے خاندان والا۔

تخت یا گدّی سے مراد راج گدّی یا تختِ سلطنت۔

قدیم انگریزی enihl (لڑکا یا ملازم) سے جدید انگریزی میں knight ۔

لیٹن camite (ساتھی) سے۔ فرنچ counte اور انگریزی count بنا۔

5۔ معنی کا قوی سے نحیف ہونا:۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

ا:۔ تاریخی ارتقا میں معنی کا کمزور پڑ جانا مثلاً سنسکرت میں اصلاً ساہس کے معنی قتل کرنا تھے۔ اب محض ہمّت کے رہ گئے ہیں۔ قدیم فرنچ میں ex-tonare کے معنی صاعقہ گرنا تھے اس سے انگریزی میں astomd اور astomish بنے جن کا مفہوم نحیف تر ہے۔

ب:۔ معمولی مفہوم کے لیے زیادہ زوردار الفاظ استعمال کرنا۔ اسے اردو میں مبالغہ اور انگریزی میں hyperbole کہتے ہیں۔ اس میں بھی لفظ کا مفہوم ہلکا پڑ جاتا ہے مثلاً انگریزی میں ہیبت کے معنی میں levibly, frightfully, awfully وغیرہ۔ اردو میں ایسا مبالغہ

انتظار میں دم نکل گیا۔ آنکھیں پتھرا گئیں۔ سانس لینے کا ہوش نہیں۔

6۔ معنی کا نحیف سے قوی ہونا (litoles یا under statement)

تاریخی ارتقا میں اس کی ایک مثال درج کی جاتی ہے۔

قبل انگریزی kwaliyan = ستانا سے قدیم انگریزی cwellan بمعنی قتل کرنا۔

آج اگر ہم کسی قوی تر مفہوم کے لیے معمولی یا نحیف لفظ استعمال کریں تو یہ litoles

کی مثال ہوگی۔ تہذیب و تکلف نیز سفارتی مراسلوں میں بات بڑے سنبھلے اور دبے دبے انداز میں کی جاتی ہے مثلاً ذیل کے معمولی الفاظ کے اصل قوی تر معنی دیکھیے۔

mo'lest : مباشرت کرنا۔ to make love : زنا بالجبر کرنا۔

manhandle : مارنا پیٹنا۔ ہاتھ اٹھانا : مارنا۔ کان گرم کرنا : پیٹنا۔ عزت پر حملہ کرنا : زنا بالجبر۔

سفارتی بیانات میں غیر دوستانہ فعل کہہ کر دشمنی کا فعل مراد لینا، پارلیمنٹ میں نادرست کہہ کر جھوٹ مراد لینا، تحقیق میں راوی کو غیر معتبر کہہ کر جھوٹا مراد لینا، غیر سنجیدہ کہہ کر مسخرہ مراد لینا سب معنی کے تخفیف سے قوی ہونے کی مثالیں ہیں۔

غیر مرئی (abstract) یا اسم کیفیت کو اسم عام کر لینا: اس کی کئی قسمیں ہیں۔

ا:۔ غیر مرئی کو مجسم کر لینا۔ تمثیل نگاری میں حسن، عشق، عقل، امید وغیرہ کو مجسم کرنا عام ہے۔
محاوروں میں بھی ہم اس طرح بولتے ہیں۔
آواز بیٹھ گئی، بات اڑ گئی
آداب و تکلف میں بھی تجسیم کا عنصر آ جاتا ہے۔
آپ کی تشریف کہاں جا رہی ہے۔ Her Majesty, your honour

ب:۔ وصف کو ظاہر کرنے والے اسم کیفیت کو شے کے معنی میں لینا مثلاً سفیدی = چونا۔ سبزی = ترکاری۔ برادری = ایک گروہ۔

ج:۔ موصوف کو حذف کر کے صفت کو صفت و موصوف دونوں کے معنی میں لانا۔
برے عیش کرتے ہیں اور نیک تکلیف اٹھاتے ہیں۔
بڑوں کی بات بڑی ہوتی ہے
چلتی کا نام گاڑی
کالا (سانپ)۔ اخلاف (پیچھے آنے والے آدمی)

د:۔ فعل یا اسم کیفیت (حاصل مصدر) سے مراد لینا مثلاً
سواری = سوار ہونا، جس چیز پر سوار ہوا جائے، جو شخص سوار ہو۔
دعوت = بلانا نیز ضیافت۔ کھانا = کھانے کا فعل نیز کھانے کی چیز۔

ہ:۔ فعل یا اسم کیفیت سے مزدوری یا معاوضہ مراد لینا۔

سلائی، پسوائی، چرائی۔

۷۔ فعل یا اسم کیفیت سے مقام مراد لینا

جھرنا، سنگم، پالنا، رمنا، بیٹھک

8۔ محسوسات کو اسم کیفیت کے معنی میں استعمال کرنا۔

بہت سے مجرد تصورات نسبتاً ٹھوس اشیاء سے برآمد کیے گئے ہیں مثلاً eliminate کی لیٹن اصل کے معنی دہلیز کے باہر رکھ دینا تھے۔ define کی لیٹن اصل کے معنی حد ود مقرر کرنا ہیں understand کے اصل معنی نیچے کھڑا ہونا grasp اور compre hend کے اصل معنی کسی شے کی گرفت کرنا ہیں Chair of English کے معنی انگریزی کی پروفیسری۔

اردو کے ذیل کے محاوروں میں ٹھوس سے تصورات کا کام لیا گیا ہے۔

وہ اس مسئلے کی گرفت نہیں کر سکا

مجھے غموں نے پامال کر دیا۔

اس کا دماغ الجبرے میں خوب چلتا ہے۔

وہ مجھ سے الجھ پڑا۔ لالچ کا پھل (نتیجہ) اچھا نہیں ہوتا۔

۹۔ استعارہ یا مجازی معنی میں استعمال

استعارہ انتقالِ مفہوم کا سب سے اہم مظہر ہے۔ کہا گیا ہے

Language is a book of faded metaphors

زبان رنگ اڑے ہوئے استعاروں کی کتاب ہے۔

استعارے کے ساتھ "رنگ اڑے ہوئے" کی صفت اس لیے لگائی گئی ہے کہ جنھیں ہم محاورے اور روزمرہ سمجھ کر بولتے ہیں ان میں سے بہت سے استعارے ہوتے ہیں مثلاً گہری بات، جھگڑے کی جڑ۔ اسی طرح محسوسات سے تصورات کا کام لینے میں بھی کسی حد تک استعارے کا شمول رہتا ہے مثلاً گرفت کرنا، الجھنا، پسنا، علی الترتیب بہ معنی سمجھنا، جھگڑنا، غم زدہ ہونا۔

استعارے کی چند قسمیں یہ ہیں۔

i:۔ بے جان پر جانداروں کے اعضا کا اطلاق مثلاً

پہاڑ کی چوٹی۔ ناریل کی جٹا۔ گنے کی آنکھ۔ ستار کے کان۔ راکٹ کی ناک۔ لوٹے کا منھ۔

آری کے دانت۔ گھڑی کے hands۔ کرسی کی ٹانگ۔

ب:۔ انسانوں کو حیوانوں یا غیر ذی روح اشیا سے استعارہ۔

الو۔ گدھا۔ گیدڑ (ڈرپوک)۔ شیر

پتھر کا دل۔ دل کا پانی پانی ہونا۔ بے پیندی کا لوٹا۔ تھالی کا بینگن۔ کانٹا۔

ج:۔ تصوّرات کا محسوسات سے استعارہ۔

گہری بات۔ جھگڑے کی جڑ۔ کڑوی بات۔ بات کا گھاؤ۔ میٹھی چھری۔ ٹیڑھی بات۔ میٹھے بول صاف بات۔ الجھی بات۔

د:۔ مماثلت کی بنا پر استعارہ

شگوفہ کھلنا (نئی بات وقوع میں آنا)۔ گل کھلنا۔ طبیعت ہری ہونا۔ سرسبز و شاداب (خوش حال ہونا۔)

ہ:۔ خلیطِ حس (synaesthesia)۔ ایک حس سے تعلق رکھنے والی اشیا میں دوسری حس سے تعلق رکھنے والے وصف کو خلط ملط کر دینا۔ یہ صرف شاعری یا ادبی تحریر میں ہوتا ہے غالب کا شعر ہے۔

نشۂ ہا شادابِ رنگ و ساز ہا مستِ طرب　　　　شیشۂ سے سروِ سبزِ جوئبارِ نغمہ ہے

غالب نے نشے کو شاداب رنگ کہا، جوش نے نشۂ جتا دھاری کی ترکیب استعمال کی۔ غالب اور مومن نے شعلۂ آواز کا ذکر کیا۔ غالب نے سرمے کو دودِ شعلۂ آواز کہا۔ اسی قسم کی دوسری ترکیبیں یہ ہو سکتی ہیں۔

سرخ امیدیں۔ اچھلتی ہوئی خواہشیں۔ گلابی خوشبو۔ گلابی جاڑے۔ مہکتے نغمے۔ مہکتی امیدیں، جلتی ہوئی حسرتیں۔ پسی ہوئی بجلیاں۔ پگھلتا راگ۔ میٹھا نغمہ۔ گنگناتا شباب۔ سفید بڑھاپا۔ اندھیرا تخیل۔ سیاہ جوانی۔ ہلکے نیلے جذبات۔ گرم گرم خوشبو۔ ٹھنڈی مہک۔

10۔ نام بدلی (metonymy)۔

استعارے کے ساتھ یہ بھی انتقالِ معنی کا ایک اہم سبب ہے۔ اس میں کسی شے کو کسی متعلق شے کے نام سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس نام کا تعلق زماں یا مکاں میں قرب یا کسی اور نسبت سے ہو سکتا ہے۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔

ا:۔ علامت کو شخص یا شے کے لیے استعمال کرنا مثلاً

reds : کمیونسٹ۔ red-shirt : خدائی خدمت گار۔ چوٹی اور داڑھی کا جھگڑا : ہندو اور مسلمان کا جھگڑا۔ موٹے پیٹ والا : سرمایہ دار۔ کرسی : صاحب صدر یا کرسی نشین جیسے you should address the chair

ب :۔ کسی کو اس کے تکیۂ کلام کی بنا پر وہی نام دے دینا مثلاً

موشے بابو : بنگالی کیونکہ وہ مہاشے کو موشے کہتے ہیں۔

بھیا لوگ : مشرقی یوپی والے کیونکہ وہ دوسروں کو بھیا کہہ کر خطاب کرتے ہیں۔

ج :۔ معلول کہہ کر علت مراد لینا

رگِ گردن : غرور stiff necked : مغرور

خون سوکھنا : خوف زدہ ہونا گال پچکنا : کمزور ہونا

د :۔ آلہ کہہ کر آلہ استعمال کرنے والا مراد لینا۔

قلم تلوار سے زیادہ طاقت ور ہے۔

ہ :۔ صفت کہہ کر موصوف مراد لینا مثلاً

برے عیش کرتے ہیں اور نیک دکھ پاتے ہیں۔

youth سے مراد نوجوان

و :۔ ظرف کہہ کر مظروف مراد لینا مثلاً

پرنالہ بہہ رہا ہے ، کنواں (پانی) سوکھ گیا۔ تھالی (طعام) لگانا۔

ز :۔ مظروف کہہ کر ظرف مراد لینا مثلاً

روشنائی اٹھالاؤ۔ کھانا بڑھاؤ (تھالی یا طشتری ہٹاؤ)

ح :۔ مصنف کہہ کر تصنیف مراد لینا مثلاً

آج کل افلاطون پڑھ رہا ہوں۔

ط :۔ تصنیف کہہ کر مصنف مراد لینا

گیتا کہتی ہے : گیتا کا مصنف کہتا ہے

لوفان سے ملیے : جامعہ ملیہ کے رسالہ طوفان کے ایڈیٹر فیاض حسین سے ملیے۔

ی :۔ مصنوعات کو ان کے مادّے کا نام دینا مثلاً

بنسی یا بانسری : نے شیشہ : بوتل یا منھ دیکھنے کا آئینہ

ڈبہ: کنستر یا Telegram تار: ٹیلیگرام کیونکہ یہ تار پر جاتا ہے

لوہا لینا: لوہے کے ہتھیاروں سے لڑنا

Paper: Papyrus نامی گھاس سے بنا ہوا

ل:۔ ایک شے کو ایسا نام دینا جو مکانی حیثیت سے قریب ہو مثلاً

سروہی: تلوار راجستھان کے مقام سروہی کی بنا پر

کشمیرا: کشمیر میں بنا ایک اونی کپڑا۔ اٹیلین: اٹلی کا بنا کپڑا

مارکین: امریکن کپڑا - کیروں: کیروں شہر کا رہنے والا پرتاپ سنگھ کیروں

Indigo: نیل جو indica سے بنا ہے۔ ہندسہ: ہندی کا ایجاد

copper بمعنی تانبا Cyprus سے متعلق ہے اور peach

اصلاً Persian ہے یعنی پارس کا سیب۔ اردو: لشکر کے بازار کی زبان۔

جانگیہ: جانگھ میں پہننے کا کپڑا۔

قدیم انگریزی: ceace: جبڑا > cheek: رخسار

قدیم فرنچ: joue: رخسار > Jaw جبڑا

11- جزو و کل میں تبادلہ (Synecdoche)۔

ہم نے تحدید کے سلسلے میں کُل کے جزو کے لیے استعمال اور توسیع کے سلسلے میں جزو کے کل کے لیے استعمال کا ذکر کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ اصل تحدید وہ ہے جب پہلے ایک لفظ کے معنی وسیع تھے بعد میں تنگ ہوگئے۔ اسی طرح اصل توسیع وہ ہے جب ماضی میں ایک لفظ کے معنی تنگ تھے اب وسیع ہوگئے۔ جزو و کل کا تبادلہ دراصل انتقالِ معنی کی چیز ہے اس لیے یہاں اس کا ذکر انسب ہے۔

ا:۔ کل کا ایک جزو کو ظاہر کرنا۔

مکان کھلا ہے بہ معنی مکان کا دروازہ کھلا ہے

پہلے انگلینڈ کھیل رہا ہے بہ معنی انگلینڈ کی ٹیم کے گیارہ آدمی کھیل رہے ہیں۔

ب:۔ جزو کا کل کو ظاہر کرنا

hands بہ معنی مزدور۔ mouths بہ معنی کھانے والے

روٹی کھانے جا رہا ہوں بہ معنی دال روٹی ترکاری وغیرہ کھانے جا رہا ہوں۔

قابلِ مغز والوں کا اخراج : brain drain

مندرجہ بالا جملہ تیرہ قسمیں انتقالِ معنیٰ کو ظاہر کرتی ہیں۔ اب ایک دو قسمیں اور دیکھیے۔

(4) حشو بیانی (pleonasm)

اگر ایک ہی مفہوم کو ظاہر کرنے والے دو الفاظ یا اجزا استعمال کیے جائیں تو ان میں سے ایک کا مفہوم ضائع ہو جاتا ہے۔ الفاظ کے اس فاضل استعمال کو حشو بیانی کہتے ہیں مثلاً

فیلٹ کیپ ٹوپی۔ جنٹلمین آدمی۔ صوبۂ اتر پردیش۔ عرقِ گلاب۔ علمِ لسانیات۔ اپنے کانوں سے سننا۔

to substitute in stead,

to climb up the mountain

فاضل الفاظ کے نیچے خط کھینچ دیا گیا ہے۔

(5) بعض لفظوں کا چھوت سے پڑوس کے لفظ کا مفہوم اختیار کر لینا۔ یہ فرنچ سے مخصوص ہے۔ بلوم فیلڈ نے اسے contagion یا condensation کہا ہے۔ فرنچ میں بعض الفاظ جو بالذات نفی کا مفہوم نہیں رکھتے نفی کے ساتھ کثرتِ استعمال کی بنا پر بعض اوقات نفی کے بغیر بھی نفی کا مفہوم ظاہر کرنے کے لیے۔ مثلاً

je ne vais pas : ہیں

ایک قدم نہیں دھرتا ہوں۔ اس جملے میں pas : قدم اور ne : نہیں ہے۔ ne کے ساتھ استعمال کی وجہ سے خود pas کے معنی "نہیں" کے ہو گئے چنانچہ pas mal کے معنی badly ہیں۔

اس طرح personne کے معنی شخص ہیں لیکن حسبِ ضرورت اس کے معنی nobody بھی ہوتے ہیں۔

کیا اردو میں ایسی مثال نہیں؟ تین جملے دیکھیے۔

نہ جانے وہ کب آئے گا　　　　کون جانے وہ کب آئے گا

جانے وہ کب آئے گا

کیا تیسرے جملے میں جانے کے معنی "نہ جانے" یا "کون جانے" نہیں؟

شاید چوتھی اور پانچویں شقوں کو بھی پہلی تین کے تحت لایا جا سکے۔ حشو بیانی معنی کے سکڑنے

کی مثال ہے۔ فلیٹ کیپ ٹوپی میں کیپ اور ٹوپی دونوں کے معنی تھوڑے تھوڑے کم ہوئے ہیں یعنی مل کر ایک کے برابر ہیں۔ پڑوس کے لفظ کا مفہوم اختیار کر لینا یا توسیع کے ذیل میں آسکتا ہے یا انتقالِ مفہوم کے۔ معنی کی تبدیلی کی اس سہ گانہ تقسیم کو اُلمان نے منطقی ترصیعی (logico-rhetorical) کہا ہے معنی کی تحدید اور توسیع منطقی تبدیلی ہے اور مفہوم کا انتقال علم بیان کے تحت آجاتا ہے۔

اُلمان نے بیانی معنیات (discriptive sementics) کے انداز میں معنی کی تبدیلی کے مظاہر کی گروہ بندی کی ہے۔ اس نے اوّل تین شکلیں قرار دیں۔ (1) نام (name) کا انتقال (2) مفہوم (sense) کا انتقال (3) مخلوط انتقال (composite transfers)

ان کی ذیلی قسمیں کی گئی ہیں۔

(1) نام کا انتقال

اس کی دو ذیلی قسمیں ہیں۔

ا۔ مفاہیم میں یکسانی (similarity) سے نام کا انتقال :۔ اس کے ذیل میں استعارہ، مبالغہ (Hyperbole)، خوب نامی (یوفے مزم)، طنز، litotes وغیرہ آجاتے ہیں۔ اس ذیلی قسم کی مزید دو ذیلی قسمیں ہیں (1) براہِ راست (direct) مثلاً خلطِ حس کے انتقال، جذباتی انتقال (2) مماثلتی (analogie) انتقال جس سے ایک زبان میں مترادف الفاظ بن جاتے ہیں یا دوسری زبان سے عاریت لے لی جاتی ہے۔

ب۔ مفہوم میں قرب سے انتقال :۔ اس کے تحت نام بدلی (metonymy) آجاتی ہے مثلاً شہر سے مراد شہر کے لوگ یا stilus (پرانا لوہے کا قلم) سے style (اسلوب)۔

(2) مفہوم کا انتقال Transfer of sense

الف:۔ ناموں کی یکسانی سے مثلاً sand-blind کو same-blind بنا دیا گیا۔ صوتی مماثلت اور غلط لفظ اصلیات کی جملہ تبدیلیاں اس کے تحت آجائیں گی۔

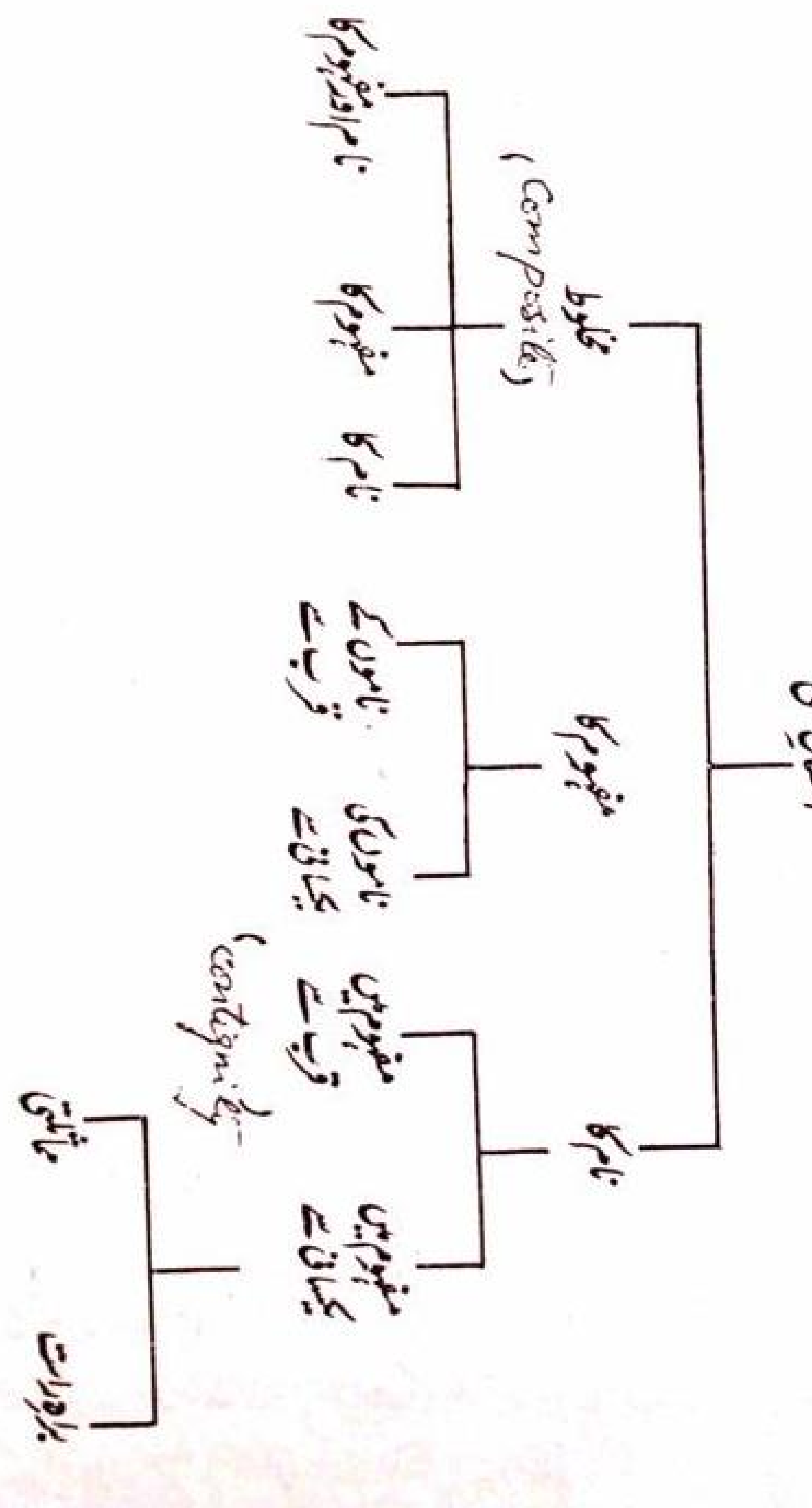
ب:۔ ناموں کے قرب (contiguity) سے مثلاً capital fund سے

ان مثالوں میں Capital سے Capital city یا capital fund یا city نے اپنے ساتھ کے لفظ پر مفہوم منتقل کر دیا۔

(3) تیسری قسم مخلوط انتقال ہے۔ اگر معنوی تبدیلی میں ایک سے زیادہ رعایتیں ملحوظ رکھی جاتی ہیں تو اس انتقالِ معنی کو مخلوط (Composite) کہیں گے۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔

(1) نام کا مخلوط انتقال (2) مفہوم کا مخلوط انتقال (3) نام اور مفہوم دونوں کا انتقال۔

اِس طرح اُلمان کی تقسیم کو چارٹ کی شکل میں یوں دکھا سکتے ہیں۔



تبدیلیوں کا یہ مجرد ڈھانچا ہے۔ اس کی نسبت ہمارا تفصیلی بیان سمجھنے کے لیے زیادہ مفید ہے۔
تبدیلی کی جن شکلوں کی ہم نے شرح کی ہے وہ آپس میں مانع نہیں یعنی کئی مظاہر ایک ساتھ موجود ہو سکتے ہیں۔ ان گوناگوں تبدیلیوں کا نتیجہ تاریخی ارتقا میں لفظ کے معنوی پھیلاؤ ——— (radiation) کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایک لفظ کے متعدد مفاہیم آپس میں ایک دوسرے سے بہت مختلف ہو سکتے ہیں۔ جس طرح تصریف (inflection) میں ایک مادّے سے متعدد صیغے بن جاتے ہیں اسی طرح معنوی پھیلاؤ میں ایک بنیادی معنی سے کتنے ہی ضمنی مفاہیم مستخرج ہوتے ہیں مثلاً

مختلف مفاہیم ذیل کی ترکیبوں میں دیکھیے

چلنا : آدمی کا چلنا، گھڑی کا چلنا، کپڑے کا عرصے تک چلنا، دماغ کا چلنا، کام کا چلنا، چلے گا (کام چلے گا یا کام دے گا)

پکّا : پکّا آم، پکّا کھانا، پکّی سڑک، پکّی عمارت، پکّا وعدہ، پکّا خیال، پکّا بال، پکّی رسوئی (تلی ہوئی چیزیں یعنی پوری، پراٹھے)

چوکی : لکڑی کا بڑا تخت، لکڑی یا پتھر کا چھوٹا تخت، حاجت رفع کرنے کے لیے دیسی کموڈ، پولس تھانہ وغیرہ۔

بعض اوقات ان توسیعی معنوں میں اتنا اختلاف ہو جاتا ہے کہ بادی النظر میں وہ ہم اسم ——— (homonyms) معلوم ہونے لگتے ہیں۔ انگریزی کے دو الفاظ دیکھیے۔

بورڈ : لکڑی کا تختہ، جہاز پر سوار ہونا، ریل میں سوار ہونا، کھانا کھانا، بزم یا کمیٹی وغیرہ۔

dress کے اصل معنی make straight تھے۔ اس سے لباس کے معنی ماخوذ ہیں کیونکہ کپڑے پہن کر آدمی کا جسم سڈول معلوم ہونے لگتا ہے اور اسی سے بالوں کو سنوارنا، زخم کی مرہم پٹی کرنا، زمین کو ہموار کرنا کے معنی ہوئے۔ اب Hair dresser بال کاٹتا ہے اور کمپاؤنڈر چوٹ کی dressing کرتا ہے۔

معنوں میں اس قسم کا تنوع زبان کی ترقی پذیری کی علامت ہے۔

سولھواں باب

ذخیرۂ الفاظ کی تبدیلی

ذخیرۂ الفاظ دو قسم کا ہوتا ہے (۱) کسی زبان کا ذخیرۂ الفاظ (۲) کسی فرد کا ذخیرۂ الفاظ ہم عموماً زبان کے ذخیرۂ الفاظ اور اس کی تبدیلی کا مطالعہ کرتے ہیں افراد کے ذخیرے کا نہیں۔ ایک زبان یا بولی بولنے والے مختلف افراد کے ذخیرۂ الفاظ میں تفاوتِ مشترقین ہو سکتا ہے۔

ہر زبان کے ذخیرۂ الفاظ کی دو بڑی قسمیں ہوتی ہیں (۱) دیسی اور (2) بیرونی۔ دیسی الفاظ وہ ہیں جن کے بارے میں ہم ماضی میں جتنی دور تک دیکھیں ۔ وہ اپنی زبان اور اس سے قبل کی جدّی زبانوں میں ملتے ہوں۔ یہ یاد رہے کہ ماضی کی کسی بھی زبان کے تحریری ریکارڈ میں اس کے کل ذخیرے کا محض ایک حصہ برقرار رہتا ہے اس لیے اگر قدیم زبان کے ریکارڈ میں اس کی وارث زبان کا کوئی لفظ نہ ملے تو اسے تقابلی اور تاریخی طریقوں سے بنایا جا سکتا ہے۔ دیسی الفاظ کی فونیمی اور مارفیمی ساخت اپنی زبان کے اصولوں کے مطابق ہوتی ہے۔

بیرونی الفاظ وہ ہیں جن کی فونیمیات سے یہ پتا چلے کہ یہ دوسرے لسانی اسٹاک یا علاقوں سے آئے ہیں۔ ان الفاظ کو دو زمروں میں بانٹا جا سکتا ہے (۱) نیچرل کیے ہوئے (2) اجنبی یا عالمانہ۔

نیچرل کیے ہوئے الفاظ وہ ہوتے ہیں جو زبان میں اس حد تک کھپ گئے ہیں کہ اب انھیں غیر نہیں سمجھا جاتا۔ ان میں مستعاریت کے بعد صوتی تبدیلیاں بھی واقع ہوتی ہیں مثلاً لیٹن لفظ Palus سے اینگلو سیکسن لفظ Pal اور اس سے نیچرل کیا ہوا انگریزی لفظ Pole۔ بیرونی الفاظ کو عربی میں نیچرل کہا جاتا تھا تو انھیں مغرب کہتے تھے فارسی میں، نیچرل الفاظ کو مفرّس اور اردو میں نیچرل کیے۔

ہوئے الفاظ کو مستند اور شاذونادر مورد۔ اس عمل کو تعریب، تفرلیس اور تہنید (تاریڈ) کہتے ہیں مثلاً سنسکرت چترنج سے عربی شطرنج یا یونانی Plato اور Philosophy سے عربی افلاطون، فلسفہ تعریب کی مثالیں ہیں۔ انگریزی پوسٹ سے پست یا ٹیلیگراف سے تلغراف تغرلیس ہے اور gas light سے گھاسلیٹ تہنید۔

عالمانہ (learned) الفاظ وہ ہیں جو شعوری طور پر نئے تصورات یا اشیا کو ظاہر کرنے کے لیے مستعار لیے جائیں۔ وہ حصولی زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں اجنبی دکھائی دیتے ہیں۔ اکثر سائنسی اصطلاحیں ایسی ہی ہوتی ہیں اردو میں ریڈیو ایکٹیوٹی، سنسد، سچوالیہ، ودھان پریشد جیسے الفاظ اجنبی اور عالمانہ ہیں۔ انگریزی سے مثالیں لیجیے۔

انگریزی میں بشپ نیچرل کیا ہوا مستعار لفظ ہے یہ یونانی لفظ episkopos سے بنا ہے۔ اس میں sk کو sh میں بدل دیا گیا۔ اسی طرح یونانی لفظ Presbuleis سے انگریزی Priest نیچرل ہو گیا ہے۔ جب کہ ان مفاہیم کے نسبتی الفاظ episcopal اور presbyterian انگریزی میں غیر دکھائی دیتے ہیں۔ انھیں ہم عالمانہ لفظ کہیں گے۔ بعض اوقات غیر زبان سے مستعار ایک لفظ نیچرل کر لیا جاتا ہے لیکن اسی ذخیرے سے مستعار دوسرا لفظ نیچرل نہیں ہوتا جس کی وجہ سے ایک زبان میں ایسے دو یا تین الفاظ (doublet , triplet) جمع ہو جاتے ہیں جن کے حصولی زبان میں مختلف معانی ہوتے ہیں لیکن اصل کے لحاظ سے وہ ایک ہی ہیں مثلاً انگریزی میں

ratis, ration, reason, deek, disk
dise, discus, dias

دیسی اور بیرونی کے بیچ لفظوں کی ایک اور قسم یا بیرونی الفاظ کی تیسری قسم ترجمہ ہے بعض اوقات بیرونی لفظ کا لفظی ترجمہ کر لیا جاتا ہے مثلاً انگریزی لفظ gospel (good+spel) کے لفظی معنی ہیں۔ اچھی خبر۔ لیٹن لفظ evangelium کے بھی یہی معنی ہیں۔ انگریزی میں املا لیٹن کی بجائے اس کا ترجمہ کر لیا گیا لیکن دونوں جگہ مجازی معنی حضرت مسیح سے متعلق بعض تحریریں ہیں۔ اردو میں دائریس کو لاسکی، تھرمامیٹر کو مقیاس الحرارت، ایروپلین کو طیارہ کہنا اسی قسم کے ترجمے ہیں۔

ہندی میں لفظوں کی چار قسمیں کی گئی ہیں تت سم (2) تدبھو (3) دیسی (4) بدیسی

تت سم کے معنی ہیں اصل کے مطابق۔ یہ اُن الفاظ کو کہتے جو سنسکرت سے بغیر کسی صوتی تبدیلی کے لیے گئے ہیں مثلاً جل، وِدّیا، نر، ناری، راجا، پرجا۔

تدبھوان الفاظ کو کہتے ہیں جو سنسکرت سے آنے کے بعد ترمیم قبول کر گئے ہیں مثلاً چندر، سوریہ، راتری، دوس تت سم ہیں اور چاند، سورج، رات، دن اُن کے تدبھو ہیں۔

بدیسی وہ الفاظ ہیں جو کسی دوسری زبان سے لیے گئے ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ غیر ملک کی زبان سے لیے گئے ہوں بلکہ کسی بھی غیر زبان سے لیے ہوئے الفاظ بدیسی ہیں۔

دیسی وہ الفاظ ہیں جو مندرجہ بالا میں سے نہیں یعنی وہ جن کی اصل معلوم نہیں۔ یہ بول چال کے الفاظ ہو سکتے ہیں۔

بہت سے ماہرین ایک اور قسم "اردھ تت سم" کا ذکر کرتے ہیں۔ اردھ تت سم یا نیم تت سم ان الفاظ کو کہتے ہیں جو حال میں تت سم الفاظ میں ترمیم سے بنائے گئے ہیں مثلاً کرشن سے "کنھیا" "کانھا" تدبھو ہیں لیکن کِشن اردھ تت سم ہے۔ لسانی اعتبار سے یہ تقسیم بے کار ہے۔ اردھ تت سم الفاظ کو بھی تدبھو کی ذیل میں رکھنا چاہیے۔

کسی زبان کے ذخیرۂ الفاظ کا اندازہ کرنے کا واحد طریقہ اس کی سب سے بڑی لغت کی لفظ شماری ہے لیکن یہ طریقہ بھی پوری طرح قابل اعتماد نہیں کیونکہ اس میں کئی شبہات در پیش آتے ہیں۔ ان شبہات کی تفصیل اس باب میں علم اللغات کے سلسلے میں درج کی جائے گی۔ یہاں مُجملاً ذکر کیا جاتا ہے۔

1 لفظ کی تعین کیسے ہو؟ لفظ، مرکب اور محاورے کی حدود متعین نہیں۔

بعض اوقات یہ فیصلہ کرنا دشوار ہوتا ہے کہ کسی روپ کو آزاد لفظ کی حیثیت سے درج کیا جائے یا کسی دوسرے لفظ کے تحت۔

2۔ ہر زبان میں دوسری زبانوں سے الفاظ مستعارے لیے جاتے ہیں۔ ان میں سے کس کو حصولی زبان میں ضم سمجھا جائے کسے غیر۔

3۔ علمی اصطلاحات کو کس حد تک زبان کے ذخیرے کا جزو مانا جائے۔ وہ بھی آخر کسی نہ کسی زبان کے لفظ ہیں۔

4۔ بولیوں کے الفاظ یا پست معیاری زبان کے کن الفاظ کو معیاری زبان کے ذخیرے میں شامل قرار دیا جائے۔

اس قسم کی دقتوں کی وجہ سے کوئی قطعی اور شافی طریقہ نہیں دکھائی دیتا جس سے کسی زبان کا ذخیرۂ الفاظ صحت کے ساتھ متعین کیا جا سکے۔ پھر بھی انگریزی کی لغات ہندوستانی زبانوں کی لغات کے مقابلے میں زیادہ صحیح نقشہ پیش کرتی ہیں۔ ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری[1] نے انگریزی سنسکرت اور ہندی زبانوں کے الفاظ کی تعداد یوں دی ہے۔

ویبسٹر (Webster) کی ڈکشنری کے 1934 کے ایڈیشن میں ساڑھے پانچ لاکھ الفاظ ہیں۔ اب تک ان پر دس ہزار کا اضافہ ہو گیا ہوگا۔ اس طرح انگریزی میں پانچ لاکھ ساٹھ ہزار الفاظ ہیں۔ مونیر ولیمس کی سنسکرت لغت میں سوا لاکھ الفاظ ہیں اور ہندی کے برہت ہندی کوش میں ایک لاکھ چھتیس ہزار الفاظ ہیں جس کی بنا پر تواری کی رائے میں ہندی میں فی الوقت ڈیڑھ لاکھ الفاظ ہوں گے۔

مجھے ہندی کے ذخیرے کی تعداد میں اس لیے شبہ ہے کہ ہندی لغات میں سنسکرت اور عربی فارسی کے غیر مستعمل الفاظ اس کثرت سے شامل کر لیے جاتے ہیں کہ وہ ذخیرۂ الفاظ میں غیر ضروری مبالغہ کرتے ہیں۔ دوسری طرف یہ بھی ہے کہ اگر ہندی میں برج، اودھی، بہاری، راجستھانی، بندیلی، باگھیلی وغیرہ کے الفاظ بھی شامل کیے جائیں تو تعداد بہت زیادہ ہو جائے گی لیکن عموماً ہندی کی لغت کھڑی بولی تک محدود ہوتی ہیں۔

اردو میں فرہنگ آصفیہ میں ہزار الفاظ ہیں لیکن اس کی حد بندیِ الفاظ کا کیا بھروسہ ترقی اردو بورڈ پاکستان کی لغت جب تیار ہو کر آئے گی تب جامع ہو گی لیکن جب اس میں اختیار اور اختیارات کو جدا الفاظ قرار دیا ہے تو ذخیرۂ الفاظ کی حد تک وہ بھی بالکل بے کار ہے۔ تاہم اگر انیسویں صدی کی فرہنگِ آصفیہ ہی کو معیار قرار دیا جائے تو ممکن ہے اب اردو میں 75 ہزار الفاظ ہوں۔

زبانوں کی طرح مصنفوں، کتابوں اور دوسرے افراد کے ذخیرۂ الفاظ کی شمار بھی ہوتی ہے۔ یا ہو سکتی ہے۔ تواری کے مطابق ذیل کے مصنفوں کے یا کتابوں میں مستعمل الفاظ کی تعداد حسب ذیل ہے۔

عہد نامۂ عتیق 5642 ۔ عہد نامۂ جدید 4800 ۔ ہومر نو ہزار شیکسپیر 15 ہزار

---

[1] ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری: بھاشا وگیان (ہندی) ص 462

ملٹن آٹھ ہزار۔ تلسی داس سولہ ہزار۔

خیال ہے کہ اردو کے شعرا میں سب سے زیادہ الفاظ نظیر اکبرآبادی اور انیس نے استعمال کیے ہیں۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ یہ ادیب صرف اتنے ہی الفاظ جانتے تھے۔ ایک فرد کے ذخیرۂ الفاظ کے تین درجے ہوتے ہیں (1) سب سے زیادہ تعداد ان الفاظ کی ہے جنھیں وہ سمجھ سکتا ہے۔ (2) ان سے کچھ کم تعداد اُن الفاظ کی ہے جنھیں وہ بولتا ہے (3) سب سے کم تعداد ان الفاظ کی ہوتی ہے جنھیں وہ تحریر میں استعمال کرتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی زبان میں اپنا ذخیرۂ الفاظ دریافت کرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس زبان کی بڑی لغت لے کر پنسل سے ان الفاظ پر نشان کرتا جائے جنھیں وہ جانتا ہے۔ بعد میں انھیں شمار کر لیا جائے۔ اگر پوری لغت میں نشان کرنا بار دہ ہو تو پھر لغت میں دو تین حرفوں کے تحت کچھ صفحات پر نشان کیے جائیں۔ پھر فی صفحہ قابلِ فہم الفاظ کی موٹی تعداد دریافت کر لی جائے۔ اس سے حساب لگایا جا سکتا ہے کہ پوری لغت میں کتنے الفاظ پر عبور ہے ایک فرد کا ذخیرۂ الفاظ ایک زبان تک محدود نہیں ہوتا۔ وہ کئی زبانوں کے الفاظ جانتا ہے۔ پھر تکنکی مضامین کے ماہروں کو اپنے مضمون کی ہزاروں اصطلاحوں سے بھی واقفیت ہوتی ہے۔ چرچل تقریباً ساٹھ ہزار الفاظ جانتے تھے لیکن اچھے سائنس داں 80 ہزار الفاظ تک جانتے ہیں۔ پروفیسر ہولڈن[1] (Holden) کا اندازہ تھا کہ وہ 33456 الفاظ سے واقف تھے۔ اس کے برعکس میکس ملر کا کہنا تھا کہ ایک انگریز کھیت مزدور صرف تین سو الفاظ جانتا تھا۔ ظاہر ہے کہ آج یہ صورت حال نہیں۔ ہندوستان کا بے پڑھا گاؤں والا پانسو سے آٹھ سو تک الفاظ ضرور جانتا ہے۔

ہم فی الوقت زبان کے ذخیرہ الفاظ سے سروکار رکھیں گے افراد کے ذخیرے سے نہیں زبان میں بھی معیاری زبان خاص طور سے پیش نظر رہے گی۔

زبان اور تہذیب کا تعلق جس شدت سے ذخیرۂ الفاظ کے معاملے میں دکھائی دیتا ہے ویسے لسانیات کے کسی اور شعبے میں نہیں۔ لغوی تبدیلی یعنی ذخیرۂ الفاظ کی تبدیلی کی خاص شکلیں یہ ہیں۔

---

1 Sturtevant: Linguistic Science P. 123

1۔ الف۔ لفظ کا نامقبول ہو کر اس کے استعمال میں کمی ہوتے جانا۔
ب۔ لفظ کا بالکل متروک ہو جانا
2۔ الف۔ نئے لفظ کا اضافہ اور ابتداءً اس کے استعمال میں خاص کمی۔
ب۔ بتدریج نئے لفظ کا مقبول ہو جانا اور عام ذخیرے کا جزو ہو جانا۔
لفظوں کے ترک اور اضافے پر الگ الگ غور کیا جائے گا۔

لفظوں کے ترک یا شاذ اید اسمال ہونے کے اسباب

1۔ مادی تہذیب میں تبدیلی سے بعض چیزوں کا رواج ختم ہو جاتا ہے اور ان سے متعلقہ الفاظ بھی اوّل اوّل رواج میں کم ہوتے جاتے ہیں بعدہٗ مر جاتے ہیں مثلاً فلاخن (پتھر پھینکنے کا آلہ)۔ چرخے کی مال۔ ایٹرن (سوت کی پنڈیا کو نچی کی شکل میں بنانے کا لکڑی کا آلہ)۔ مہاور (عورتوں کا پاؤں پر سرخ رنگ پھیرنا) ساتوٹ (انگوٹھے میں پہننے کا زیور۔ اصطرلاب وغیرہ۔ پرانی داستانوں اور مثنویوں میں جو ساز و سامان اور زیورات کی تفصیل ہوتی ہے ان میں سے اکثر اب متروک ہو گئے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ وہ الفاظ بھی استعمال سے نکل گئے ہیں۔

راقم الحروف کے دیکھتے دیکھتے کتنے پھل اور ترکاریاں معدوم ہوتی جا رہی ہیں۔ میں نے اپنے بچپن میں جن پھلوں کو دیکھا ہے آج وہ دکھائی ہی نہیں دیتے مثلاً کھرنی، کمرکھ، کسیرو، جنگل جلیبی، سینگھ، پھوٹ، ترکاریوں میں کلفہ، بھتوا، سیو کی پھلی وغیرہ ختم ہوتی جا رہی ہیں۔

2۔ غیر مادی تہذیب یعنی رسوم، شگون، توہمات، تصورات وغیرہ میں تبدیلی۔ یگ، ہون وغیرہ کے کتنے الفاظ سنسکرت میں ملتے ہیں لیکن اب ان کا استعمال نہیں ہوتا۔ اسی ذیل میں بہت سی سماجی رسوم کے الفاظ ہیں جو اب متروک ہوتے جا رہے ہیں مثلاً پھگوا (ہولی پر ماں کے گھر سے لڑکی کے گھر سامان بھیجنا)، چھوچھک (لڑکی کے بچہ ہونے پر والدین کا اس کے گھر سامان بھیجنا) سندھارا (ساون کی تیج پر لڑکی کے گھر سامان بھیجنا) وغیرہ۔ چونکہ ان رسوم کا رواج ختم ہوتا جا رہا ہے اس لیے یہ الفاظ بھی معدوم ہوتے جا رہے ہیں۔

آزادی ملک اور ریاستوں کی لسانی تقسیم کے بعد ہندوستانی ریاستوں کو گروہ بند کر کے ان کے اوپر راج پرمکھ اور اپ راج پرمکھ کے عہدے قائم کیے گئے تھے۔ اب یہ عہدے تقویم پارینہ ہو گئے ہیں اس لیے نئی نسل ان الفاظ سے بھی واقف نہیں۔

ملا تابو (Taboo)۔ پولینیشیا کی زبان کے لفظ Tapa کے معنی کبھی مقدس ہوتے ہیں، کبھی ملعون (شراپ دیا ہوا) ہر تہذیب میں کچھ الفاظ ممنوع ہوتے ہیں، غیر متمدن قبائل میں زیادہ متمدن میں کم۔ اگر کسی قبائلی سے پوچھا جائے کہ برادرم تم فلاں لفظ کیوں نہیں کہتے یا فلاں کام سے کیوں باز رہتے۔ ہو تو وہ کوئی معقول جواب نہ دے سکا صرف یہی کہے گا کہ ایسا کرنے سے مجھے یا میرے اقارب کو کوئی نقصان پہنچے گا۔ اس طرح تابو جادو ٹونے قسم کی پر اسرار چیز ہے۔ یہ بعض کاموں سے غیر معقول پرہیز ہے۔

یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ تابو وحشی قبیلوں تک محدود ہے۔ ہم بھی اس میں کافی مبتلا ہیں۔ ہندو عورتوں کا شوہر کا نام نہ لینا یا بعض اوقات شوہر کا بیوی کا نام نہ لینا اسی قسم کا تابو ہے۔ منے کی اماں، منے کے بابوجی، وہ، اجی وغیرہ اسی تابو کی خاطر کام میں لائے جاتے تھے۔ عربی کی کنیت کا یہی مقصد ہونا چاہیے۔ والدہ افضال علی، بیگم حسرت موہانی، بیگم محمد علی اپنے نام کو اسی لیے چھپاتی ہیں کہ عورتوں کے ناموں کا افشاں تابو ہے۔

لفظوں کے تابو ہونے کی تین وجوہ ہوتی ہیں۔

(ا) کوئی ذات بہت مقدس یا عظیم یا قابلِ احترام ہے (ب) اصل نام بہت خطرناک یا منحوس ہے (ج) نام فحش ہے۔

(ا) مقدس کی دو مثالیں دیکھیے۔ خدا کے 99 نام معروف ہیں، سوواں نام اسمِ اعظم ہے جو امیر حمزہ یا حاتم طائی کو معلوم تھا۔ ہمارے لیے وہ ایک راز ہے۔ توریت میں خدا کا اصل نام عبرانی میں YHWH (یے ح وح یا یحوح) درج ہے۔ چونکہ عبرانی میں مصوتے نہیں ظاہر کیے جاتے اس لیے اس نام کا صحیح تلفظ معلوم نہیں۔ یہودی اس نام کی بجائے ایک اور لفظ پڑھتے ہیں جس کے معنی آقا کے ہیں۔ نئے لفظ کے مصوتے کو مخفی لفظ کے مصمتوں میں شامل کر کے مخفی نام کو Yehowah بنایا گیا جس سے انگریزی میں Jehovah بنا۔ خدا کا یہ نام اتنا متبرک ہے کہ عیسائی بھی اسے لینے سے اجتناب کرتے ہیں۔

بادشاہوں کی رعایا اُن کا نام کہاں لیتی ہے۔ ان کو سرکار، جہاں پناہ، His Majesty وغیرہ سے مذکور کیا جاتا ہے۔ ہند کی اسلامی سلطنتوں میں مرحوم بادشاہوں اور نوابوں کو لقب دے دیے جاتے تھے خلد آشیاں، جنت مکاں، عرش بارگاہ جیسے۔ باپ اور خسر وغیرہ کا نام نہ لینا بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ اصل نام کے استعمال میں کمی اور اس کی جگہ کسی اور لفظ کو برتنا لغوی تبدیلی ہے جو تعدیم لفظ کے قریب پہنچ جاتی ہے۔

ب۔ بھیانک یا منحوس کا نام نہ لینا:۔ یونان میں انتقام کی دیویوں کا صحیح نام Erinyes (لاطینی میں Furies : قاہرات) تھا۔ لیکن ڈر یا خوشامد کی وجہ سے اُنھیں Eumenides (Gracious ones، کریم، پرشکوہ) کہا جاتا تھا۔ روس میں ریچھ کو، سویڈن میں بھیڑیے کو، ریڈ انڈینوں میں rattlesnake کو بعض اور قبیلوں میں باگھ وغیرہ کو ساکت، پیر، قوی وغیرہ کے مترادف ناموں سے پکارا جاتا تھا۔

ج۔ عریاں یا خلافِ تہذیب الفاظ سے بچنا:۔ اعضائے تناسل، جنسی فعل، حیض، حمل، تولید، رفعِ حاجات وغیرہ کو ہمیشہ پردے کی چیز سمجھا گیا ہے۔ مہذب آدمی نہ کسی کے سامنے برہنہ ہوتے ہیں نہ رفع حاجت کرتے ہیں۔ جانور، غیر متمدن قبائل، بچے ان کاموں میں کوئی ہرج نہیں سمجھتے (یہ دوسری بات ہے کہ اب بہت زیادہ مہذب ملک دوسروں کے سامنے برہنگی اور جنسی فعل کی طرف مائل ہوتے جارہے ہیں)۔ تو جنسی اعضا کے ناموں کو اور اُن سے متعلق الفاظ کو ممنوع قرار دے دیا گیا اور اُن کی بجائے گھما پھرا کر دوسرے الفاظ استعمال کیے گئے مثلاً شرم گاہ، وظیفۂ زوجیت ادا کرنا، delivery وغیرہ۔ ان لفظوں کے وہ لغوی معنی نہیں جن کے لیے انھیں استعمال کیا جاتا ہے۔ کچھ عرصے استعمال کے بعد یہ بھی عام اور عریاں ہو جاتے ہیں۔ تب ان کی بجائے دوسرے الفاظ استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ اس طرح ان کے لیے ہر زبان میں متعدد الفاظ جمع ہو جاتے ہیں جن کے استعمال پر مختلف درجوں کی قدغن ہے۔ بعض اتنے فحش جانے جاتے ہیں کہ اُنھیں کبھی لکھا اور بولا نہیں جاتا اِلاّ گالی کے طور پر یا سفیہوں کی بول چال میں۔ بعض کی یہ کیفیت ہے کہ اُنھیں فحش تو نہیں کہہ سکتے لیکن ان کا استعمال بھی خلافِ تہذیب ہے مثلاً Penis، Testicles، Intercourse، خصیہ، فوطہ، دودھی، چوچی، چوتڑ، پادنا، گوہ، موتنا، حیض۔

ان کی جگہ اپنی زبان ہی کے زیادہ شائستہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں یا دوسری زبان کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ عریاں لفظوں کا استعمال کم سے کم ہوتا ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ تابو الفاظ بڑے سخت جان ہوتے ہیں۔ جو لفظ جتنا زیادہ ممنوع ہوتا ہے اس میں بقا کی اتنی ہی صلاحیت ہوتی ہے۔ جنسی اعضا اور جنسی فعل کے خالص ہندوستانی نام اتنے ممنوع ہیں کہ محض گالیوں میں کام آتے ہیں لیکن کلیاتِ جعفر زٹلی دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ اٹھارویں صدی میں یہ سب اسی شکل میں موجود تھے یعنی ڈھائی سو سال کی پردہ پوشی کے باوجود وہ اب

بھی اتنے زندہ و توانا ہیں کہ انھیں ہر شخص جانتا ہے گو ان کا استعمال نہیں کرتا۔

انگریزی میں ایسے متعدد الفاظ ہیں جن کا استعمال انگلستان یا امریکہ کے بیشتر علاقوں میں یا کسی مخصوص علاقے میں خواہ مخواہ خلافِ تہذیب سمجھا جاتا ہے مثلاً ، breast, harlot, vomit, bitch, belly, leg, spit, bloody, poke, whore, sweat وغیرہ۔ ہمارے یہاں بھی رنڈی، جورو، حرامی جیسے الفاظ کے استعمال سے بچا جاتا ہے۔

معیاری زبان سے الفاظ کا بولی اور عوامی روزمرہ کے الفاظ کو خارج کر دینا۔ معیاری زبان تہذیب کی نشانی سمجھی جاتی ہے۔ وہ بولی کے علاقے میں بھی بولی کے الفاظ کے استعمال کو کم تر کرتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس قسم کے بہت سے الفاظ ذخیرۂ زبان ہی سے جاتے رہتے ہیں مثلاً ضلع بجنور کی بولی کے ذیل کے الفاظ قوسین میں دیے معیاری زبان کے الفاظ سے مات کھا رہے ہیں۔

گھنیاں (اردی)۔ تالی (کنجی)۔ پلکیا (کھٹولا)۔ کھاٹ (چارپائی)۔ دھونا (روئی پیننے والا اندات)۔ کھاتور (سینچر)۔ ٹنٹا (لولا)۔ بال باندھنا (بال سنوارنا یا بالوں میں کنگھی کرنا)۔ دکھنا (دکھائی دینا)۔ جگنا (جاگنا)۔ دھیوتا (نواسا)۔

چونکہ ثقات ان الفاظ کے استعمال سے بچتے ہیں اس لیے یہ ہمارے روزمرہ سے خارج ہو رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ نئی نسل اس قسم کے اکثر الفاظ سے آشنا ہی نہیں۔ اگر کچھ الفاظ استعمال میں شاذ ہوتے جائیں گے تو قوی امکان ہے کہ آخر کار یہ زبان کے ذخیرے ہی سے نکل جائیں گے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ تالی، کھاٹ، دکھنا جیسے الفاظ کو کیوں ساقط المعیار سمجھا جاتا ہے۔ اردو میں متعدد دیسی الفاظ مثلاً نت، نک، اٹیں، ڈھڈیا، داچھڑے، سجن وغیرہ کے متروک ہونے کی واحد وجہ یہی ہے کہ ان کی جگہ مجلسی زبان کے مہذب تر الفاظ نے لے لی۔

دوسرے بہت سے الفاظ متروک ہونے کی راہ میں ہیں اور یہ ماتم کی بات نہیں کیونکہ زبان کا ارتقا اسی طرح ہوتا ہے۔ اگر ہر بیس سال کی نسل میں زبان کے ذخیرے سے نصف فی صدی الفاظ ترک ہو جائیں نیز ایک فی صدی نئے الفاظ کا اضافہ ہو جائے

تو 66 نسلوں یعنی تیرہ سو برس میں زبان اتنی بدل جائے گی کہ دونوں سروں کی زبانیں دو مختلف زبانیں کہلائیں گی۔ عملاً زبانوں کی تبدیلی کی رفتار اس سے تیز تر ہے۔

(5) ہم معنی لفظوں میں سے ایک کے رائج اور دوسرے کے بول چال سے خارج ہونے کا قوی امکان رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم معنی الفاظ مختلف زبانوں سے آکر ایک زبان میں جمع ہو گئے ہوں۔ ہندوستانی زبانوں کے ذیل کے ہم معنی الفاظ کے جوڑے دیکھیے۔ پہلا لفظ زیادہ مقبول ہے دوسرا لفظ بول چال سے خارج ہو چلا ہے یا بہت کم استعمال ہوتا ہے۔

غصہ، کرودھ۔ زندگی، جیون۔ پانی، جل۔ چارپائی، کھاٹ۔ ہوسٹل، بورڈنگ ہاؤس۔ سینما، بائسکوپ۔ منسٹر، وزیر۔ گراموفون، فونوگراف۔ ریکارڈ، توا۔ لوکی، گھیا۔ شریفہ، سیتاپھل۔ کاغذ، پتا۔ تصویر، مورت۔ بلاوز، جمپر۔ منا، للو۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ زبان میں دو ہم معنی الفاظ موجود ہی نہیں رہ سکتے۔ تحریر میں تو مترادفات بکثرت اور بہ دیر موجود رہتے ہیں، بول چال میں بھی بعض جوڑے ساتھ ساتھ استعمال ہوتے ہیں مثلاً

گھر، مکان۔ شادی، بیاہ۔ پیار، محبت۔ Pen، قلم۔ ماں، ممی۔ غم، رنج، دکھ جگر، کلیجہ۔

(6) دو مختلف المعنی اور متحد الصوت الفاظ میں یہ قوی امکان ہے کہ التباس سے بچنے کی خاطر ایک لفظ متروک ہو جائے۔ اردو کی بول چال میں ذیل کے الفاظ کے جوڑوں میں سے پہلے معنی والے لفظ کا چلن ہے دوسرے معنی والا لفظ بول چال سے خارج ہو چکا ہے صرف تحریر میں کام آتا ہے۔

دست (پاخانہ)، دست (ہاتھ)۔ عرصہ (مدت)، عرصہ (میدان مثلاً عرصۂ کارزار) خانہ (مثلاً الماری کا خانہ)، خانہ (گھر)۔ دیو (راکشس)، دیو (دیوتا)۔ تہذیب (تمدن، تمیز)، تہذیب (تراش خراش مثلاً تہذیب جذبات)۔

مغربی زبانوں سے اور بہتر مثالیں مل سکتی ہیں۔

sad (سنجیدہ) اور sad (مطمئن) میں رقابت ہوئی اور دوسرا لفظ 1450ء میں متروک ہو گیا۔ پندرھویں صدی کے اختتام سے پہلے silly کے معنی helpless happy, innocent, insignificant تھے۔ 1482 میں happy

1:- Sturtevant—Linguistic Science P 128

کا مفہوم جاتا رہا بقیہ رہ گئے۔ سترھویں صدی کے وسط میں یہ مفاہیم بھی ترک ہوگئے۔ صرف silly بہ معنی بے وقوف باقی رہا۔ قدیم فرنچ میں moudre (دودھ) اور moudre (پیسنا) میں التباس ہوا تو جدید فرنچ میں پہلا لفظ ختم ہوگیا۔

اردو میں لعل (سرخ رنگ کا جواہر) کی وجہ سے لال بہ معنی سرخ رنگ کا استعمال کم ہوگیا ہے۔ پیر (مرشد، ولی) کی وجہ سے پیر (بوڑھا) بولنے میں نہیں آتا۔ آب (چمک) نے آب (پانی) اور آب (دھار) کے استعمال کو بول چال میں کم کردیا ہے۔ گلاب (گلِ سرخ یعنی گلاب کا پھول) کی وجہ سے گلاب بمعنی عرقِ گل گلاب کا عرق) بول چال سے جا چکا ہے، صرف لکھنے میں آتا ہے مثلاً

ع وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینہ گلاب تھا۔

(ح) صوتی گھساؤ:۔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ اگر لفظ گھستے گھستے زیادہ مختصر رہ جاتا ہے تو امکان ہے کہ وہ ذخیرۂ الفاظ سے خارج ہی ہو جائے بالخصوص اس صورت میں جب کہ اس میں محض مصوتے ہوں مثلاً قدیم فرنچ میں ایک لفظ گھس کر ef (شہد کی مکھی) رہ گیا۔ اگر جدید فرنچ میں یہ باقی رہتا تو اس کا تلفظ محض اِے ہوتا۔ یہ زبان سے جاتا ہی رہا۔ پراکرت اور اپ بھرنش میں متعدد ایسے الفاظ ہیں جو سنسکرت سے یوں مختصر ہوئے کہ ان میں محض مصوتے رہ گئے یا ایک مصمتے کے ساتھ کئی مصوتے مسلسل جمع ہوگئے۔ ایسے الفاظ بعد کی زبان کے ذخیرے سے خارج کردیے گئے اور اُن کے اصل تت سم روپ کا احیا کرلیا گیا۔

محض مصوتوں میں بدلنے کی مثال:۔

سنسکرت	اپ بھرنش
رِتو (رِتُ)	اُاُو (उ उ
ایک	ए अ

ایک مصمتے اور مسلسل مصوتوں کی مثال:

راجا	राअ
اجگر	آاگر अअगार
اُوتار	اُوآر
اُپکار	اُوآر

(8) خلافِ قاعدہ قواعدی روپ:۔ اگر تصریف میں کوئی صیغہ عام قاعدے سے مختلف رائج ہے تو امکان ہے کہ وہ معدوم ہو جائے اور اس کی جگہ باقاعدہ روپ آ جائے مثلاً قدیم انگریزی میں (Com) cu کی جمع پہلے cy (ky) تھی اور پھر Kine (kyn) ہو گئی۔ بعد میں جمع کے یہ بے ضابطہ روپ متروک ہو گئے اور اُن کی جگہ باضابطہ صیغہ Cows استعمال ہونے لگا۔

(9) سوقیانہ روزمرہ (slang):۔ اگر کوئی لفظ یا فقرہ محض عوامی مذاق نے ایجاد کیا ہو تو جدت کے باوجود قوی امکان ہے کہ وہ چند سال رائج رہ کر ختم ہو جائے گا مثلاً انگریزی میں کسی زمانے میں موسیقی کو hot stuff اور ڈالر کو cases کہتے تھے۔ 1910ء کے قریب skidoo بہ معنی بھاگ جاؤ، دفعان ہو، مقبول تھا۔ اب کون بولتا ہے۔ آج کل انگریزی میں ہپیوں کے اثر سے ہندوستانی طلبہ میں کئی انگریزی سلینگ رائج ہو گئے ہیں۔ ان کی حیات چار پانچ سال سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ٹیڈی بوائے اور ٹیڈی گرل اب کوئی نہیں بولتا۔

ہماری زبان میں بھی مختلف علاقوں میں اس قسم کے بعض غیر مہذب یا بے تکلفانہ فقرے یا لفظ رائج ہو جاتے ہیں جن میں استحکام کی صلاحیت نہیں ہوتی مثلاً میرے لڑکپن میں ایک عوامی محاورہ چونا لگانا بہ معنی دھوکا دینا، بے وقوف بنانا رائج تھا۔ پولسن (Polson) یا پولسن لگانا بہ معنی خوشامد کرنا بھی متروک ہے۔ بمبئی کا محاورہ بنڈل (لغو)، بنڈل مارنا کچھ پہلے شمالی ہند میں بھی بولا جانے لگا تھا مثلاً

بڑا بنڈل آدمی ہے (پُر فریب، نکما، لغو)

بنڈل مت مارو (جھوٹ نہ بولو، مبالغہ نہ کرو)

اب یہ شمالی ہند میں متروک ہو چلا ہے۔

دوسری شق نئے الفاظ کا اضافہ یا شاذ الاستعمال الفاظ کی کثرت استعمال ہے۔ اس کی وجوہ حسب ذیل ہیں۔

1۔ مادی تہذیب میں ارتقا:۔ نئے الفاظ کے اضافے کی یہ نہایت اہم وجہ ہے۔ جیسے جیسے کوئی چیز ایجاد ہوتی ہے اس کے لیے کوئی نیا لفظ گڑھا جاتا ہے یا دوسری زبان سے مستعار لیا جاتا

ہے۔ بیسویں صدی میں اس قسم کے کتنے سارے الفاظ ذخیرۂ زبان میں اضافہ ہوئے ہیں۔

ہوائی جہاز۔ ٹینک۔ ٹیلیفون۔ رسیور (چونگا)۔ ڈائل۔ راکٹ۔ ایٹم بم۔ ہائڈروجن بم۔ ٹیلی وژن۔

اردو میں 1947 کے بعد جو متعدد الفاظ اضافہ ہوئے ان میں سے ذیل کے لفظ فوراً سامنے آتے ہیں۔

ہائڈروجن بم۔ اسپٹنک۔ خلاباز۔ ہواباز۔ چاند گاڑی۔ رڈار۔ پنسلین۔ اسٹریپٹومائسین۔ ہپی۔ جوہری دھول۔ تابکاری (radio activity)۔ ٹیلی وژن۔ اسمگلر۔ بیٹل۔

2۔ غیر مادی تہذیب میں ارتقا یعنی مذہبی، فلسفیانہ، علمی، ادبی، سیاسی تصورات میں اضافہ۔ یہ بھی پہلے سبب کے برابر اہم ہے۔ تہذیب کا ارتقا اگر ایک طرف مادی ساز و سامان کو بڑھاتا ہے تو دوسری طرف تصورات میں بھی اضافہ کرتا ہے۔ بیشتر تصورات مادی تہذیب میں ترقی ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

اردو میں 1945 کے بعد تصورات یا اداروں کے لیے جو نئے الفاظ و مرکبات شامل ہوئے ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

سلامتی کونسل، یونسکو، افریشیائی، سیکولرزم، منصوبہ بندی۔ ہرا انقلاب، ماورائی مراقبہ۔ بیٹ نسل۔ ٹوئسٹ (Twist)۔ متنی تنقید۔ نکسلائٹ۔ نکسلزم۔ جن سنگھی۔ مجلس مشاورت۔ کیرالا۔ ناگالینڈ۔ میگھالے۔ مغربی پاکستان۔ مشرقی پاکستان۔ شرنارتھی۔ تخفیف زر۔ نالابندی۔ کوری آواز۔ انفی۔ مسموع آواز۔ غیر مسموع آواز وغیرہ۔

3۔ مختلف لسانی علاقوں کا میل جول۔ اس سے ایک زبان میں دوسری زبان کے الفاظ در آتے ہیں۔ بعض اوقات دخیل الفاظ کی تعداد دیسی الفاظ سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جن مفہوموں کے لیے اپنی زبان میں لفظ موجود ہوتے ہیں۔ ان کے لیے بھی باہری زبان سے لے لیے جاتے ہیں مثلاً ہندوستانی زبان میں عربی فارسی الفاظ غصہ، ہوا، زندگی وغیرہ کا آنا یا موجودہ دور میں اردو میں انگریزی الفاظ کا بول چال میں استعمال مثلاً مین (man)، لو (love)، ٹائم، لائف وغیرہ۔ ان سب کے مترادفات پہلے سے موجود ہیں۔

4۔ جدت کی خواہش۔ سلینگ کا استعمال اسی لیے کیا جاتا ہے۔ سینما کے گانے کی طرح سلینگ کی شہرت بلکہ زندگی آنی و فانی ہوتی ہے۔ انگریزی میں ہپیوں اور بیٹ نسل کے اثر سے

سے متعدد الفاظ آگئے ہیں۔ بڑی عمر کے لوگ ان کی زبان کو سمجھ بھی نہیں پاتے۔ اردو میں سلینگ گو کافی تعداد کم ہیں پھر بھی بعض سلینگ مل جاتے ہیں مثلاً چار سو بیس بہ معنی فریبی چاند ماری بہ معنی دھوکہ دہی چمچا بمعنی خوشامدی مصاحب ۔420 تعزیرات ہند کی دفعہ سے ماخوذ ہے لیکن اس لفظ کا رواج آزادی کے بعد ہی ہوا ہے۔

سلینگ عموماً طلبہ میں جنم لیتے ہیں دوسروں کو ان کا علم بھی نہیں ہو پاتا۔ انگریزی میں ایک لفظ mobile vulgus تھا۔ اس سے سلینگ بنا mob اور اب یہ مستقل معیاری لفظ بن گیا ہے۔

لفظ سازی کے طریقے

ہم انہیں تین شقوں میں سمیٹ سکتے ہیں

(1) ترکیب یعنی مرکب سازی (2) استخراج (3) ایجاز

(1) مرکب بنانا

جب کوئی نئی چیز یا نیا تصور پیدا ہوتا ہے تو اصلاً اسے کسی فقرے سے ادا کرتے ہیں۔ بعد میں وہ فقرہ مخفف ہو کر مرکب لفظ بن سکتا ہے breakfast اصلاً ایک فقرہ رہا ہوگا بعد میں مرکب لفظ بن گیا عام متکلم کو اس کے مرکب ہونے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ زیادہ عام ہونے پر مرکب کا ایک جز حذف کر سکتے ہیں اور محض ایک جز پورا مفہوم دینے لگتا ہے انگریزی میں نئی ایجادات کے ساتھ دو فقرے moving pictures اور wireless telegraph آئے بعد میں یہ مخفف ہو کر movie اور wireless رہ گئے۔

موٹر کار سے اردو میں موٹر یا کار ہی سے گزارا کر لیا گیا۔ بورڈنگ ہاؤس سے اردو میں بورڈنگ اور جن سنگھی سے سنگھی بنا لیا گیا۔ اردو میں مختلف اوقات میں جو فقرے اور مرکب وضع کیے گئے ان میں سے کچھ مثالیں یہ ہیں۔

وکیل السلطنت۔ میر بخشی۔ صدر الصدور۔ خانہ داماد۔ بچاؤ وزیر۔ جوہری بم تاثراتی تنقید۔ چاند گاڑی۔ ریزرو بینک۔ ہوائی جہاز۔ پن ڈبی۔ خلائی جہاز۔ ایوانِ نمائندگان۔ دار الامرا۔ دار العلوم۔ عدالتِ عالیہ۔ تنظیمی کانگریس۔

انگریزی میں چند ایسی مثالیں ملتی ہیں جہاں فقروں کو سکوڑ کر مفرد لفظ بنا لیا گیا ہے مثلاً

neverthelcss, altogether, around, anew
notwithstanding

دو لفظوں سے ایک مفرد لفظ بنانے کی سب سے دلچسپ مثالیں وہ ہیں جنھیں بقچہ (Portmanteau) الفاظ کہا جاتا ہے۔ ان میں ایک لفظ کا اوّلین جزو اور دوسرے لفظ کا آخری جزو ملا دیا جاتا ہے۔ معنی میں بھی دونوں کا میل ہوتا ہے مثلاً

Breakfast + Lunch = brunch
tea + milk = talk
Tigher + lion = tigon
Parasole + umbrella = parambrella
snake + serpent = snerpent

ہاکیٹ[1] کا قیاس ہے کہ انگریزی کے بہت سے الفاظ اسی طرح بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں مثلاً

clash = clap + crash or dash
flare = flame + glare
glimmer = gleam + shimmer
smash = smack + mash
squish = squash + push

واضح ہو کہ بقچہ لفظ کے اختراع اور رواج سے پہلے اس کے دونوں اجزا رائج ہونے چاہئیں۔ نیز بقچہ لفظ اسی کو کہیں گے جس میں دونوں اجزا اور ان کا حاصل جمع ایک ہی روپ گروہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ اسم اور فعل کے مرکب مثلاً نکٹا = ناک + کٹا کو اس ذیل میں نہ لینا چاہیے۔ اردو میں اصل بقچہ لفظ کی ایک مثال پھلیل = پھل + تیل ذہن میں آتی ہے۔

(1) استخراج (lexniation)

نئے الفاظ اور اصطلاحات بنانے کا یہ نہایت اہم طریقہ ہے۔ سماجی علوم ہوں کہ فطری سائنس سب کی بیشتر اصطلاحات سابقوں اور لاحقوں کی مدد سے مستخرج ہوتی ہیں۔

---

[1] Hocket :- A course in Modern linguistics P433

استخراج کے لیے ایک اصل (stem) ہونی چاہیے اور اس پر سابقے، لاحقے یا وسیطے کا عمل ہونا چاہیے۔ ہند آریائی زبانوں میں عموماً لاحقے کا عمل ہوتا ہے۔ وحیدالدین سلیم نے اپنی کتاب وضعِ اصطلاحات میں لاحقوں کی مدد سے الفاظ اور اصطلاحات بنانے کی اچھی مثالیں دی ہیں۔ مستخرج لفظ کے قابلِ فہم ہونے کے لیے تین لوازم ہیں۔

ا۔ اصل یا مادہ نمایاں اور واضح شکل میں موجود رہے۔

ب۔ چسپیہ مختلف مشتقات میں یکساں مفہوم میں آیا ہو یا اگر ایک ہی مشتق روپ میں ملتا ہو تو وہ مشتق معروف اور اہم ہو مثلاً انگریزی میں cowslip، bishophe وغیرہ کے لاحقے اسی طرح مفرد ہیں۔

ج۔ چسپیے کے معنی اتنے عام ہوں کہ وہ دوسرے لفظوں میں بھی استعمال کیا جا سکے۔ چسپیوں کی مدد سے بنے چند نئے الفاظ ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

انگریزی: Nuclear, Thermonuclear neutrone Protone Electrone, Indianise server (کھیلوں میں)

اردو: خلاباز۔ رائے دہندہ۔ رائے شماری۔ طیلسانی (گریجویٹ)۔ بنکاری (Banking) اشتراکیت۔ نراجیت۔ غنائیت۔ برتینا۔ قومیانا۔ تجسوتیات۔

ہندی: شرنارتھی۔ سناتک (گریجویٹ)۔ شینیان (ریل میں سونے کا ڈبا)۔ سامراج۔ سامیہ واد۔ گاندھی واد۔ سرودے۔

استخراج کی ایک شکل معکوس استخراج ہے۔ اس کا پہلے ہی ذکر آچکا ہے اس طریقے سے بنے ہوئے چند الفاظ یہ ہیں۔ chauffe, evolute, enthuse, elocute

(3) ایجاز

انگریزی میں لفظ سازی کا یہ طریقہ بھی ہے کہ طویل فقروی اسما کے ہر جزو کے ابتدائی حروف کو ملا کر لفظ کی شکل دے لیتے ہیں مثلاً

unesco, ecafe, unicafe, unctad, c-in-c
o.c.L. (آفیسر کمانڈنگ) P.M. AM P.M. B.C. D.C. P.A. L.P. Acc.

اردو میں اُن میں سے بہت سے الفاظ استعمال ہوتے ہیں مثلاً یونسکو، ٹی بی۔ پی اے۔ اے ڈی سی۔ انکاؤ وغیرہ مستقل لفظ کی حیثیت پا گئے ہیں۔

مجاز کی ایک قسم مقطوع (Clipped) الفاظ کی ہے۔ ان میں لفظ کا ایک جزو پورے لفظ کی طرح استعمال ہونے لگتا ہے مثلاً

cab L cabriolete, mob L mobile vulgus
bike L bicycle, doc L doctor, Pop L popular
vet L veterinary surgeon, mod L modern
Intro L introduction, Varsity L university

اردو میں ایسی مثالیں بول چال میں زیادہ ملتی ہیں مثلاً ضلع بجنور کی بولی میں انگوٹھا سے گوٹھا، انگوٹھی گوٹھی، نکالنا سے کالنا۔

خورشید اور جمشید حالانکہ شید سے مرکب ہیں لیکن اب اُن کو خور، جم لکھا جائے تو مخفف کی بجائے مقطوع ماننا چاہیے۔ نذرالاسلام کو نذرول اور شکنتلا کو شکن کہنا بھی اقطاع ہے۔ بنگالیوں کے ناموں کو مقطوع کرنے کا عام رواج ہے مثلاً رابندر سے رابن۔ رویندر سے روی۔ آشوتوش سے آشو۔ راجیندر سے راجین۔

ناموں کے ساتھ دادا کو دا اور بائی کو با بھی کہہ دیا جاتا ہے مثلاً روبن دا، کستوربا۔

نئے الفاظ کے ماخذ

ذیل میں ذخیرۂ زبان میں اضافے کے کچھ ماخذ درج کیے جاتے ہیں۔ واضح ہو کہ بعض صورتوں میں ایک سے زیادہ ماخذ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

(۱) مماثلت: نئے لفظ بنانے کے لیے پرانے الفاظ کی مماثلت پر ترکیب یا استخراج کا عمل کیا جاتا ہے مثلاً اگر Execution کی اصل execute ہے تو elocution ، evolution کی بھی کوئی اصل ہونی چاہیے۔ پس مماثلت کی بنا پر elocute ، evolute بنا لیے گئے۔ اردو میں Electrification ، Nationalization ، Indianisation وغیرہ کے ترجمے دوسرے مصادر کی مماثلت پر ہندیانا، برقیانا، قومیانا کر لیے گئے۔ علوم کے ناموں میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔

معاش > معاشیات۔ نفس > نفسیات۔ صوت > صوتیات۔ معنی > معنیات۔

بشر، بشریات۔

مرکب بنانے میں بھی مماثلت سے کام لیا گیا تار گھر کی مماثلت پر ارود گھر، غالب گھر۔

(2) صوتی ہیئت کی مطابقت سے لفظ بنانا:۔ اینٹا بینڈا ایسی مثالیں ہیں۔ ماضی میں یہ عمل۔ کثرت دار کھٹ پٹ Zig. Zag, cuckoo ۔اب اس صوت سے الفاظ بنانا نہایت شاذ ہے۔ چند مثالیں جو ذہن میں آتی ہیں یہ ہیں۔

پھٹ پھٹ (موٹر سائکل یا چار پہیوں کا اسکوٹر)۔ بھونپو (Siren) کھو کھو (ایک کھیل)

(3) اعلام یا اسم معرفہ سے لفظ بنانا:۔ یہ بہت دلچسپ شق ہے۔ اس کی دو ذیلی قسمیں کر سکتے ہیں۔

ا۔ معرفہ سے معرفہ بنانا

انسانوں کے نام سے مقاموں کے نام بنائے جاتے ہیں۔ شاذونادر پورے نام ہی کو مقام کا نام بنا لیا جاتا ہے مثلاً حضرت نظام الدین۔ واشنگٹن۔ میڈیسن (Medicine)۔ رگھوراج سنگھ۔ کیدار ناتھ۔ بدری ناتھ۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسانوں کے پورے نام یا ایک جزو سے ترکیب یا استخراج کے ذریعے مقام کا نام حاصل کیا جاتا ہے مثلاً

اورنگ آباد، اکبر آباد، جے پور، جارج ٹاؤن Leopaldville واسٹالن گراڈ

تیسری صورت یہ ہے کہ دریاؤں کے نام سے مقاموں کے نام حاصل کیے جاتے ہیں مثلاً سندھ سے سندھ اور ہند۔ شکا گو ندی سے شکاگو شہر۔ جہلم سے جہلم شہر۔ بیاس سے بیاس امریکہ میں مسوری ندی سے مسوری ریاست۔ اس کے برعکس مقاموں اور دریاؤں کے نام سے انسانوں کے نام یا اُن کا ایک جزو حاصل کیا جاتا ہے مثلاً پنڈی داس، اجودھیا پرشاد، متھرا پرشاد، کاشی پرشاد، بنارسی لال، پنجاب سنگھ، امبیدکر، بڑودکر، اورنگ آبادکر، طوسی، اصفہانی، گنگا رام، جمنا داس۔ عورتوں کے نام گنگا، جمنا، نربدا، سرسوتی، گومتی۔

ب۔ معرفہ سے اسم عام بنانا

یہ طریقہ اور بھی زیادہ دلچسپی کا حامل ہے ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی نام کو کسی وصف کی وجہ سے مجازی معنی میں استعمال کرنے لگیں مثلاً

ظالم کنجوس۔ میر جعفر : غدار Shylock : غدار۔ Quisling

دوسری صورت یہ ہے کہ ایک معرفہ کو دوسرے معرفہ سے مشابہ کیا جائے مثلاً الہ آباد یونیورسٹی کو ہندوستان کا آکسفورڈ، کشمیر کو ہندوستان کا سوئٹزرلینڈ، کسی پہلوان کو رستم ہند، کسی یونیورسٹی والے شہر مثلاً آکسفورڈ کو مغرب کا ایتھنس، لیو شاؤچی کو چینی خروشچیف کہنا۔

اسم معرفہ پر استخراج کا عمل بھی ہوتا ہے مثلاً بنگالی زبان۔ فرانسیسی (زبان یا شخص)۔ زرتشی مذہب۔ کلکتیا پان۔ Napoleonic wars مصحفی نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے، 'پیدائش من در احمد شاہی است'۔ اس کے معنی ہیں کہ میری پیدائش احمد شاہ کے عہد میں ہوئی۔

آخری اور سب سے دلچسپ شکل یہ ہے کہ معرفہ سے ایسے اسم عام بنائے جائیں جنھیں دیکھ کر اندازہ بھی نہ ہو کہ یہ کسی معرفہ سے مستخرج ہیں۔ اوّل انگریزی سے مثالیں دیکھیے۔

جولیس سیزر کے نام سے جرمن Kaiser، روسی زار اور عربی قیصر بادشاہ کے معنی میں اسی سے caesarian آپریشن جس سے بچہ ماں کا پیٹ چیر کر پیدا کیا جائے۔ دراصل لیٹن کے فعل caedo (میں کاٹتا ہوں) سے جولیس کا نام سیزر پڑا چونکہ وہ پیٹ چاک کرکے پیدا ہوا تھا۔ سیزر نے ایک طرف قیصر کا لفظ دیا اور دوسری طرف سیزرین آپریشن کا، تیسری طرف جولیس سے جولائی مہینے کا۔

Mary Magdaline (مریم مجدلانی) maudlin (دگریاں)
چونکہ اس نے آنسوؤں سے عیسیٰ کے پاؤں دھوئے تھے۔

Cyrian (bronze) > copper سائپرس کا کانسا

Muslin موصل شہر سے متعلق۔ سوتی کپڑا

Persian apple > peach

India > indigo

Prussian (fir) > spruce

Pandarus > pander چاسر کی ایک نظم میں کردار ہے جو محبوب اور محبوبہ کے بیچ مشاطگی کا کام کرتا ہے۔

Louis pasteur > pasteurise

Cap. Boycott

بائکاٹ

ٹِش شرٹ کرنل ٹِشی

(لینڈو) (گھوڑا گاڑی) اس شہر کے نام سے وابستہ ہے جہاں یہ پہلی بار رائج ہوئی۔

ڈالر < Joachimstal ۔ یہ جرمنی میں ایک شہر ہے جہاں سولہویں صدی میں چاندی کی ٹکسال تھی۔ اس سے Joachimstaler بنا۔ اس کا مخفف Taler اور اور اس سے ڈالر بنا۔

روم میں ٹکسال Juno Moneta دیوی کے مندر میں تھا۔ اس سے روم والے Moneta کو ٹکسال اور سکہ دونوں کے معنی میں استعمال کرتے تھے۔ انگریزی کے لفظ mint اور money دونوں اسی نام سے ماخوذ ہیں۔

Bohemian (بھدّا، بے تکا، لاابالی) < Bohemia

Marx > Marxism

نکسلائٹ < نکسل باڑی شہر

اردو میں علم سے جو اسم عام بنے ہیں وہ اکثر صاف صاف علم سے ماخوذ دکھائی دیتے ہیں مثلاً

برہمن < برہما ۔ تاناشاہی < ابوالحسن تاناشاہ

بالمیکی (بھنگی) < بالمیک ۔ ریداسی (چمار) < سنت ریداس

کرسٹان < کرسچین Christ ۔ مسیحی < مسیح

نصاریٰ < ناصرہ (Nazareth، فلسطین کا ایک شہر)

ہندو < ہند ۔ سلیم شاہی (جوتی) < سلیم شاہ

ناگوری (جوتی) < ناگور شہر ۔ سُرتی (تمباکو) < سورت

راگوں کے نام غالباً اسم عام کہے جائیں گے۔ معرفہ سے بنے راگوں میں ہم بھوپالی، ملتانی، جونپوری بلاس خانی توڑی، میاں کی توڑی، میاں ملہار، برنداہی سارنگ کا نام لے سکتے ہیں۔

کانیہ کبج یا قنوجیا برہمن < قنوج ۔ اورنگ زیبی چھوٹا < اورنگ زیب

باقرخانی روٹی < باقر خاں ۔ چینی (شکر) < چین

مصری < مصر ۔ کافی (Coffee) < شہر کافا

سامی < سام بن نوح ۔ حامی < حام بن نوح

آغا خانی (فرقہ) < آغا خاں ۔ اسمٰعیلی (فرقہ) < اسمٰعیل

اسرائیلیات < اسرائیلی < اسرائیل ۔ آدمی < آدم

عیسائی < عیسیٰ ۔ داؤدی (پھول) < داؤد

پارسی	پارس	ہندوی	ہند
بُودھ	بُدھ	بندیلے	بندیل کھنڈ
حبشی	حبش	رومانس یا روماں	روم
مارکسیسٹ	مارکس	اسکاچ (وسکی)	اسکاٹ لینڈ

(4) عاریتاً سے :- اس کے تین ماخذ ہیں۔

1. غیر زبان سے :- عاریت کا یہ سب سے اہم سرچشمہ ہے۔ اس سے زبانوں کا رنگ ڈھنگ ہی بدل جاتا ہے۔ فارسی میں عربی الفاظ بھرے پڑے تھے جنھیں بیسویں صدی میں خارج کرنے کی کوشش کی گئی۔ اردو میں عربی فارسی الفاظ کی کتنی کثرت ہے۔ اُن کے علاوہ انگریزی، ترکی، پرتگالی، اطالوی، ڈچ الفاظ بھی ہمارے ذخیرے کے جزو ہیں۔ ملیالم دراوڑی زبان ہے لیکن اس میں 80 فی صدی کے قریب سنسکرت الفاظ ہیں۔ انگریزی جرمن خاندان کی زبان ہے لیکن اس میں فرینچ رومانس خاندان کی دوسری زبانوں کے الفاظ نصف سے زیادہ ہی ہوں گے۔

انتہائی مثال البانیہ کی زبان کی ہے جس میں اپنے الفاظ تو چند سو ہیں اور لیٹن کے الفاظ کئی ہزار ہیں۔

دوسرے ملکوں کے پھلوں، پھولوں، ندیوں، پہاڑوں اور انسانوں کے نام بھی اکثر جیوں کے تیوں لے لیے جاتے ہیں اور اس طرح غیر زبان کے الفاظ اور بھی بڑھ جاتے ہیں مثلاً کنگارو (جانور)، پینزی، پٹونیا (پھول) چیری، اسٹرابیری (پھل) ٹیمز، ڈنیوب، سوئٹزرلینڈ، ایلپس، نیویارک، خروشچیف، ہوان سانگ، یانگ سی کیانگ وغیرہ کی معرفت ہماری زبان میں بیرونی الفاظ کی صوتی اور صرفی ساخت در آتی ہے۔ کبھی کبھی دوسری زبانوں کے اعلام کو حصولی زبان میں قدرے بدل لیا جاتا ہے مثلاً Plato سے افلاطون، دہلی سے Delhi۔ شاذ و نادر اعلام کو بالکل ہی بدل لیا جاتا ہے مثلاً انگریزی میں مصر کو Egypt اور حلب کو Aleppo، عربی میں Galen کو جالینوس، Alexander کو سکندر اور Aesop کو لقمان بنا دیا گیا۔

2. عاریت کا دوسرا سرچشمہ اپنی ہی زبان کا قدیم روپ ہے مثلاً ہندی میں سنسکرت سے، اطالوی میں لاطینی سے اور اردو میں عربی فارسی سے مستعار لیا جائے۔ یہ بھی ایک طرح سے پہلی عاریت ہی کی طرح ہے۔

4۔ عاریت کا تیسرا ماخذ اپنی زبان کی کسی بولی سے لفظ مستعار لینا ہے مثلاً مصحفی نے بجنور اور مراد آباد کی بولی سے سنگوانا (قبضہ کرنا، محفوظ کرنا) کا لفظ لے کر شعر میں باندھا۔

5۔ ترجمہ:۔ دوسری زبان کے الفاظ خصوصاً تکنکی اصطلاحوں کو ترجمہ کر کے اپنی زبان میں لیا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے مرکب سازی اور استخراج وغیرہ کے طریقوں پر عمل کرنا ہوتا ہے مثلاً تھرمامیٹر کے لیے مقیاس الحرارت، Federalism کے لیے وفاق، narcissism کے لیے نرگسیت۔ بعض اوقات ترجمہ کرتے وقت ایک جزو دائن زبان سے لے کر اس پر حصولی زبان کا چیپیہ لگا دیا جاتا ہے مثلاً مارکسزم کو مارکس وار یا مارکسیٹ، Romanticism کو رومانیت، Classicism کو کلاسکیت اور Technical کو تکنکی کہنا۔

6۔ لفظ سازی کا آخری ماخذ یا طریقہ بالکل نئے لفظ کی اختراع ہے۔ یہ نہایت شاذ ہوتا ہے۔ نئے لفظ کو زیادہ تر پرانے مادے کی بنا پر بنایا جاتا ہے لیکن زبانوں کی تاریخ میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جب بالکل نئے سرے سے الفاظ گھڑ لیے گئے۔ مثالیں

ڈچ کیمسٹ Van Helmont نے 1600ء کے قریب لفظ gas بنایا۔ یہ لفظ آکسیجن، ہائڈروجن، ہوا وغیرہ سب پر حاوی تھا۔

کتاب کے گرد پوش یا اشتہار میں ناشر کتاب کی جو مدح سرائی کرتا ہے۔ یہ لفظ Blurb نے 1907ء میں تشکیل دیا۔ Gelett Burgess

کوڈک : یہ 1888ء میں جارج ایسٹ مین نے بنایا

: یہ دو لفظ لیوس کیرول Chortle, galumph نے اپنی Carroll ایک نظم میں 1872ء میں اختراع کیے۔

موجد یا مخترع کا سماجی منصب لفظ کی بقا کو متاثر کرتا ہے۔ نئے الفاظ کی ایک بڑی تعداد تجارتی ناموں کی ہوتی ہے۔ کوئی کمپنی روزانہ استعمال کی کوئی شے بناتی ہے اور اسے اشتہاروں کے ذریعے مشہور کر دیتی ہے۔ اس قسم کے متعدد لفظ ہماری زبان میں داخل ہوگئے ہیں۔ یہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔

ا۔ وہ جو کسی با معنی مادے کی بنا پر بنائے جاتے ہیں مثلاً لکس، سنلائٹ، Sharmic، سنکارا، Surf، صافی، بچپنول، کھانسول، brite، نائکون (نیویارک۔ لندن)

ب۔ وہ جو کم از کم ظاہراً طور پر کسی مادے سے نہیں بنے بلکہ بالکل نئے ہیں مثلاً ڈالڈا، بناکا، کوڈک، ٹیرلین، پنسلین۔

سترھواں باب

علم اللغات اور لفظ اصلیات

عربی میں لغت کے معنی لفظ بھی ہیں اور ڈکشنری بھی۔ موخرالذکر مفہوم میں لغت کی جمع لغات کو زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اردو کی عام بول چال میں لغت اور لغات دونوں کو ڈکشنری کے معنی میں لیا جاتا ہے۔ ان میں بھی سہولت اور اختصار کی خاطر 'لغت' بولنے کا زیادہ رواج ہے یونانی زبان میں lexis لفظ کو کہتے ہیں۔ اس سے lexicon بنا جس کے معنی لغات کی کتاب یا ذخیرۂ الفاظ قرار پائے۔ لاطینی میں dicere کے معنی کہنا ہیں جس سے dictionaries بنا اور جو انگریزی میں ڈکشنری ہو گیا۔ اس لفظ کے معنی لغات کی کتاب ہیں۔

لسانیات نے یونانی اصطلاح کو ترجیح دی ہے۔ لغت سے متعلق دو علوم ہیں یا ایک ہی علم کے دو پہلو ہیں پہلے کو lexicology کہتے ہیں۔ اردو میں اس کا ترجمہ علم اللغات یا لغاتیات ہو سکتا ہے۔ یہ نظریاتی شاخ ہے جس میں لغت تیار کرنے کے مسائل پر غور کیا جاتا ہے۔ اس کی عملی شاخ کو لغت نگاری (lexicography) کہتے ہیں۔ یہ اطلاقی لسانیات کا عمل ہے۔

لغت کا موضوع ایک زبان کا ذخیرۂ الفاظ (vocabulary) ہوتا ہے۔ اس کے تعین میں بہت سی دشواریاں آتی ہیں۔ تاریخی اعتبار سے ذخیرۂ الفاظ میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے یعنی کچھ الفاظ معدوم اور کچھ اضافہ ہوتے جاتے ہیں۔ اس باب میں ان پہلوؤں پر بھی غور کیا جائے گا۔

لغت میں جہاں لفظ کے متعلق طرح طرح کی معلومات درج کی جاتی ہیں ان میں سے ایک اہم اور مفید اندراج لفظ کی اصل کے بارے میں ہوتا ہے۔ انگریزی میں اسے etymology کہتے ہیں۔ اس باب کے آخر میں اس کے مسائل پر بھی مختصراً نظر کی جائے گی۔

امریکہ اور مغربی یورپ میں علم اللغات کو لسانیات کی باقاعدہ آزاد شاخ کی حیثیت نہیں دی جاتی۔ لسانیات کی کتابوں میں لغاتیات پر ابواب نہیں ہوتے۔ ان کے مقابلے میں روس میں علم اللغات اور لغت نگاری دونوں کو مطالعۂ زبان کے اہم شعبے مانا جاتا ہے چنانچہ ان کی لسانیات کی کتابوں میں علم اللغات پر مفصّل غور کیا جاتا ہے۔ روسیوں میں علم اللغات کا مشہور عالم شیربا (Scherba) ہے جس نے اس علم پر نظریاتی حیثیت سے بھی لکھا اور عملی لغت نگاری بھی کی مغرب میں لغت نگاری کا کام بڑے پیمانے پر ہوا ہے۔ اس کے اصولوں پر بھی لکھا گیا ہے لیکن باقاعدہ مستقل سائنس کے طور پر نہیں۔

لغت کی ترتیب میں لفظ بنیادی اکائی ہے اور مارفیمیات کے باب میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ لفظ کی تعریف آسان نہیں۔ بعض ماہرین نے لفظ سے ملتا جلتا lexeme کا تصور پیش کیا ہے لیکن اس اصطلاح کے معنی پر اتفاق نہیں۔ Whorf نے اسے stem یعنی بنیادی لفظ کے مساوی قرار دیا تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ اس کے تعیّن میں بھی لفظ کی طرح دشواریاں ہیں اس لیے ہم لغت کی حد تک عام بول چال کے لفظ 'لفظ' سے کام چلائیں گے۔ کم از کم ترسیمیات میں لفظ 'واضح' ہوتا ہے یعنی وہ روپ جس کو بقیہ مماثل روپوں سے فاصلہ دے کر لکھا جائے۔

ہم کسی شے کو دیکھتے یا محسوس کرتے ہیں تو ایک طرف اس کا ذہنی تصور قائم کیا جاتا ہے دوسری طرف اسے ایک صوتی علامت دی جاتی ہے گو یہ صحیح ہے کہ نفسیاتی اکائی 'جملہ' ہے لفظ نہیں یعنی ہم ہر خیال 'جملے' کے پیرائے میں کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی صحیح ہے کہ مجرّد تصورات کی اکائی لفظ ہے۔

زبان کے دو حصے ہوتے ہیں (1) لغات یعنی لفظیات (2) قواعد۔ لغات یا ذخیرۂ الفاظ میں لفظ مجرّد تصور کے طور پر ظاہر ہوتا ہے قواعد ان کے آپسی رشتے کو ظاہر کرتی ہے۔ اس طرح الفاظ کی بھی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں (1) لغاتی لفظ اور (2) قواعدی لفظ۔ لغاتی لفظ بنیادی اور قائم بالذات ہوتے ہیں۔ اُلمان نے انھیں auto-semantic

یا Principal کہا ہے جب کہ قواعدی لفظ امدادی اجزا، حروف وغیرہ ہوتے ہیں۔ اُلمان اُنھیں Syn . semantic یا accessory کہتا ہے۔ سیاق کے اعتبار سے بعض اوقات ایک موقع پر جو لفظ خاص ہے دوسرے موقع پر قواعدی ہو جاتا ہے مثلاً

قواعدی لفظ	خاص لفظ
وہ مجھے ستاتا رہتا ہے	وہ یہاں رہتا ہے
کھاتے جاؤ	یہاں سے جاؤ
وہ مار پڑتے ہی بول دیا	اس نے مجھے ایک روپیہ دیا

زبان کے لغاتی لفظوں کا ذخیرہ بنا بنایا موجود ہے لیکن قواعدی لفظ بنتے رہتے ہیں۔ لفظ آفرینی کا تعلق قواعدی الفاظ سے ہے۔

لفظ اگر مجرد ہو تو محض ایک تصور پارہ ہے لیکن کلام میں استعمال ہو کر اس کے مخصوص سیاقی معنی ہو جاتے ہیں۔ اس طرح لفظ کے معنی کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں (1) لغاتی (lexical) معنی اور (2) قواعدی معنی۔ لغاتی معنی مجرد مفہوم ہوتے ہیں لیکن قواعدی معنی سیاق کے اعتبار سے ہوتے ہیں اور ان میں حسب استعمال کچھ نہ کچھ دلالت (denotation) شامل ہو جاتی ہے۔ لغت نگار کو یہ قواعدی معنی پریشان کرتے ہیں۔ ان پر آگے چل کر مزید اظہارِ خیال کیا جائے گا

انسائکلوپیڈیا امریکنا کے مطابق لغت نگاری (Connotation) سائنس نہیں کیونکہ اس میں معنی کے بہت سے فیصلے موضوعی (lexicography) ہوتے ہیں یعنی انفرادی شعور کے مطابق درج کیے جاتے ہیں۔ ایک حد تک تلفظ تک موضوعی ہوتا ہے۔ روسی لغت نگار شیربا کا دعویٰ ہے کہ لغت نگاری تدوین نہیں تخلیق ہے لیکن ماہرین لغت کا دعویٰ بلند بانگ معلوم ہوتا ہے۔

لغت نگاری کی پہلی منزل خزینۂ الفاظ کو جمع کرتا ہے۔ اگر کسی زبان کی پہلی لغت بنائی جا رہی ہے تو اس کے لیے اہل زبان سے سن سن کر لفظ جمع کرنے ہوں گے۔ جائزے اور مشاہدے سے تمام الفاظ جمع کرنا تقریباً ناممکن سا ہے۔ اگر اس زبان میں کوئی تحریری ادب ملتا ہے تو اس ادب کی لفظیات کو لے لیا جائے گا۔ اگر کسی ایسی زبان کی لغت بنائی جا رہی ہے جس میں پہلے سے لغت موجود ہیں تو اس کے لیے لفظ تین سرچشموں سے جمع کرنے ہوں گے۔

(ا) پہلے سے موجود لغت کی کتابیں (ب) ادب کو چھان پھٹک کر (ج) اہلِ زبان کی تقریر سے سن کر۔

جامع لغت تیار کرنے کے لیے ادبیات کا جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ اردو میں اس قسم کی کوشش ترقی اردو بورڈ پاکستان کی اردو لغت ہے۔

الفاظ کو جمع کر کے ان کے کارڈ بنائے جاتے ہیں اور انھیں فائل میں ترتیب دیا جاتا ہے۔ مغرب میں فیتوں (tape) پر بھی فائل تیار کیے جاتے ہیں اور اُن کی ترتیب میں کمپیوٹر سے مدد لی جاتی ہے۔ لفظ کی تعین میں کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں۔

(۱) بعض اوقات یہ طے کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کون سا روپ تہہ نشین ہے اور کون سا اس سے مشتق مثلاً lipe اور line میں کون سا بنیادی ہے اور کون سا مستخرج۔

( ) مشتق اور مستخرج روپوں میں یہ مشکل سامنے آتی ہے کہ کسے آزاد لفظ کی حیثیت سے دیا جائے اور کسے تہہ نشین لفظ کے تحت رکھا جائے۔ روس ماہر لغت شیر بانے مثال کے طور پر لکھا ہے کہ روسی لغات truba (شہنا) اور trubak (شہنا نواز) کو دو لغات قرار دیا جائے کیونکہ ایک بے جان شے کو ظاہر کرتا ہے دوسرا شخص کو لیکن شہنا کی تصغیر کے لفظ trubocka کو truba ہی کے ذیل میں دینا چاہیے۔ اس کی تقلید میں ڈی شے کے آر۔ این۔ شری واستو نے ہندی کے ذیل کے جوڑوں کو علیحدہ لغات کے طور پر درج کرنے کی سفارش کی

چام، چمار ۔ لوہا، لوہار ۔ سونا، سنار۔

لیکن ذیل کے جوڑوں کے دونوں ارکان کو ایک لفظ کے تحت ہی رکھا۔

آم، امیا (امری)۔ کھاٹ، کھٹیا ۔ پُل، پُلیا

---

1 Principales and Problems in Lexicology and Lexicography as developed in Soviet Union by R.N. Shrivastava and R.S. Gupta, Indian Linguistics Vol. 29, 1968, Katre – Felicitation Vol. Pt. 9. P. 116, 117–

شیر بایا شری واستو کے اس بیان سے صرف ان دو ردیوں کے بارے میں رہبری ہوتی ہے کوئی عام اصول سامنے نہیں آتا۔ اردو کی مثال لیجیے کار سے کارواں، کارساز — کارروائی کارستانی، کارکردگی، کاروبار، کارکن، کارندہ، بے کار، خودکار، ناکارہ، ہرکارہ، وغیرہ متخرج ہیں۔ ان کے مفہوم میں کافی اختلاف ہے۔ ان میں سے کن کو کار کے تحت درج کیا جائے اور کن کو علیحدہ لغت کے طور پر۔ ظاہر ہے کہ لغت نگار کا موضوعی فیصلہ ہی رہبری کرے گا۔ کوئی ایسا اصول نہیں بنایا جا سکتا جس کا ہر موقع پر یکسانی سے اطلاق کیا جا سکے۔

اردو لغات میں اس معاملے میں بہت لاپروائی برتی گئی ہے۔ دوسری لغات کو تو چھوڑیے ترقی اردو بورڈ پاکستان کی لغت میں ذیل کے تمام الفاظ کو علیحدہ علیحدہ درج کیا گیا ہے:

اختصاص ، اختصاصی

اختلاج ، اختلاجی

اختیار ، اختیارات، اختیاری

اخروٹ ، اخروٹی

ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا ہر سطر کے تمام الفاظ کو ایک ہی لغت کے ذیل میں دینا چاہیے تھا۔

(3) محاوروں کو کس طرح درج کیا جائے۔ میرے سامنے فیروز اللغات ہے اس میں آنکھ کے علاوہ آنکھ کے متعدد محاورے الگ الگ لغت کی حیثیت سے دیے گئے ہیں۔ محاوروں کے بارے میں یہ اصول ہونا چاہیے کہ محاورہ مرکزی لفظ کے تحت دیا جائے۔

(4) کثیر معنوی لفظ کو ایک لغت کے طور پر نہ دے کر اسے ہر آزاد معنی کے لحاظ سے علیحدہ لغت قرار دیا جائے مثلاً ''بار''، بمعنی بوجھ، بار بمعنی باریابی یا دخل اور بار بمعنی دفعہ یا مرتبہ کو تین علیحدہ لغات شمار کرنا چاہیے۔ بعض اوقات یہ طے کرنا دشوار ہوتا ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی آزاد مفاہیم ہیں یا ایک دوسرے سے نکلے ہیں مثلاً عرق بمعنی پسینہ اور عرق بمعنی کسی شئے کا نچوڑ۔ آب بہ معنی پانی اور آب معنی چمک۔ سوز بہ معنی جلن اور سوز بہ معنی دادِ حل مثلاً سوز گداز میں۔ ان تمام موقعوں پر لغت نگار اپنی لسانی حس کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

(5) علمی اصطلاحات کو کس حد تک زبان کے ذخیرے کا جزو مانیں۔ کیا انگریزی لغت میں سائنس، طب، انجینیرنگ وغیرہ کی اصطلاحات کو لیں اور اگر لیں تو کس حد تک لیں اور کہاں رک جائیں۔ حکومتِ ہند کے سائنسی اصطلاحات کمیشن نے ہندی کی کئی لاکھ اصطلاحیں وضع کردی ہیں۔

ترقی اردو بیورو اردو کے سلسلے میں یہی کام کر رہا ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے دارالترجمہ میں بھی اردو کی ہزاروں اصطلاحیں بنائی گئی تھیں۔ وہ عربی فارسی سے بجنسہ نہیں لی گئی تھیں بلکہ اردو میں وضع کی گئی تھیں۔ ہم انھیں اردو لغات میں جگہ نہیں دیتے بلکہ وہ لفظ ہیں اور ہر لفظ کسی نہ کسی زبان کا ہوتا ہے۔

بہتر یہ ہے کہ اصطلاحات کو مخصوص علموں کی اصطلاحاتی لغت میں درج کیا جائے۔ عام لغت میں کون سی اصطلاحیں لی جائیں اس پر لغت کی قسموں کے سلسلے میں غور کیا جائے گا۔

(6) متعدد الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو کسی زبان کے علاقے میں بولے جاتے ہیں لیکن تحریر میں استعمال نہیں کیے جاتے۔ ہر معیاری زبان کی ذیلی بولیاں یا معیاری زبان کا تقریری روپ ایسے الفاظ فراہم کر سکتا ہے۔ بعض مصنف مثلاً میر امّن، نظیر اکبرآبادی، جوش ملیح آبادی ایسے تقریری الفاظ تحریر میں استعمال کر جاتے ہیں۔ کھڑی بولی کا علاقہ دلی اور مغربی یو۔پی۔ کا ہے۔ وہاں کی بول چال کے ذیل کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

سنگوانا (کسی چیز کو محفوظ کرنا یا ہتھیا لینا)۔ کھرسا (خشک گرمی کا موسم)۔ بلد (بیل) جھوٹا (بھینسا)۔ کٹیا (بھینس کی بچی)۔ دھورے (پاس)۔ دہی (لڑکی)۔ دھیوتا (نواسہ)۔ دوہر (دوہری چادر)۔ بدھیا (بیل) گیرنا (ڈالنا)۔ پلکیا (پلنگیا)۔ بال بانا (بالوں میں کنگھا کرنا)۔ بڑنا (داخل ہونا)۔

ان میں سے کن کو معیاری زبان کی لغت میں جگہ دی جائے اور کن کو نہیں۔ اتفاق سے ان میں سے 'سنگوانا' مصحفی نے 'بدھیا'، نظیر نے 'کھرسا'، حالی نے اور 'دوہر' اکبر الہ آبادی نے استعمال کیے ہیں ان کے استعمال کے بعد اردو لغت میں انھیں کیونکر نظر انداز کیا جائے۔

(7) ہر زبان میں دوسری زبانوں کے بہت سے الفاظ دخل پا جاتے ہیں۔ ان میں سے کس کس کو حصولی زبان کے ذخیرۂ الفاظ کا جزو مانا جائے۔ نیشن، لٹریچر، اسکول، کالج، یونیورسٹی، انجینیرنگ، ایکسپورٹ، امپورٹ جیسے الفاظ کو اردو میں شامل کریں کہ نہیں۔ اہلِ اردو ان لفظوں کو لغت میں شامل متعدد عربی و فارسی الفاظ سے زیادہ بہتر طریقے پر بولتے اور سمجھتے ہیں کیا مستند ادیبوں کی تحریروں میں مستعمل تمام بیرونی لفظوں کو لغت میں جگہ دی جائے۔

اکبر الہ آبادی کا شعر دیکھیے

ان کے دستِ ناز سے پائی ہے ٹی   اب کہاں باقی ہے ہم میں پائیٹی

ٹی دجائے) اور پائٹی (Poetry) کو اردو نہیں مانا جاسکتا۔ لغت نویس کو طے کرنا چاہیے کہ کون سے بیرونی الفاظ زبان میں رچ بس گئے ہیں۔ اُنھیں متن لغت میں جگہ دینی چاہیے۔ ادب میں استعمال شدہ دوسرے بیرونی الفاظ کو آخر میں ضمیمہ میں درج کرنا چاہیے۔

(8) اس سے بھی بڑی مشکل ماخذ زبانوں یا مادر زبان کے الفاظ کی صورت میں آتی ہے۔ اردو لغت میں عربی فارسی کے اور ہندی لغت میں سنسکرت کے کن الفاظ کو لیں اور کنھیں نہ لیں۔ اردو یا ہندی کی لغتوں میں ان کلاسکل زبانوں کے وہ اجنبی الفاظ دکھائی دیتے ہیں جنھیں دفتر زبان میں تقریر تو درکنار کوئی تحریر میں بھی استعمال نہیں کرتا۔

ہندی شبد ساگر میں اردو کے بیشتر الفاظ کو شامل کر لیا گیا ہے۔ ان میں عربی کے ایسے ایسے الفاظ داخل ہیں جنھیں ہندی والا تو درکنار معمولی اردو والا بھی نہیں سمجھ سکتا۔

اصول یہ ہونا چاہیے کہ مادر یا ماخذ زبانوں کے جو الفاظ مشتق زبان کی تحریروں میں پائے جاتے ہیں صرف اُنھیں کو لیا جائے بقیہ کو نہیں مثلاً اردو لغت میں عربی فارسی کے صرف وہ الفاظ شامل کرنے چاہئیں جو اردو کتابوں یا دوسری تحریروں میں استعمال ہوئے ہیں۔

(9) ذخیرۂ الفاظ مسلسل بدلتا رہتا ہے۔ کچھ الفاظ استعمال سے جاتے رہتے ہیں اور کچھ نئے الفاظ شامل ہوتے رہتے ہیں۔ بولی لغت میں متروک الفاظ کو حذف کرنا ہوگا لیکن معیاری زبان کی لغت میں اُنھیں بھی برقرار رکھنا ہوتا ہے کیونکہ ادبیات میں متروک الفاظ باقی رہتے ہیں۔ زبان یا بولی میں روز روز نئے Slang الفاظ جاری ہوتے رہتے ہیں لیکن وہ اسی سرعت سے مرتے بھی ہیں۔ لغت نگار کو اُن کی طرف بھی توجہ کرنی ہوگی۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ لغت پر دو تین سال میں نظر ثانی کرنی چاہیے اور ہر دس سال بعد از سر نو لکھنی چاہیے۔

ذخیرۂ الفاظ کو جمع کرنے کے بعد یہ طے کرنا ہوتا ہے کہ الفاظ کو کس ترتیب سے درج کیا جائے۔ چونکہ لغت پڑھنے کی کتاب نہیں ہوتی بلکہ حوالے کی کتاب ہوتی ہے اس لیے اس کے اندراجات ایسے ہونے چاہئیں کہ ضرورت پڑنے پر مطلوبہ لفظ بآسانی مل سکے۔ حروف تہجی کی ترتیب سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ یہ ترتیب پہلے حروف ہی پر نہیں جملہ حروف پر نظر رکھتی ہے۔ اب تمام عام ڈکشنریاں اسی ترتیب سے مدوّن ہوتی ہیں لیکن ماضی میں طرح طرح کے طریقے رائج رہے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

1۔ اردو فارسی کی منظوم لغات میں الفاظ بغیر کسی ترتیب کے درج کیے جاتے تھے ملاحظہ ہو۔

خالق باری اور اس طرح کی دوسری لغات۔ ان میں کسی مخصوص لفظ کو تلاش کرنا امر محال ہے۔

2- فارسی کی قدیم لغات میں لفظ کے پہلے اور آخری حرف کو پیش نظر رکھ کر لفظوں کے گروہ ترتیب دیے جاتے تھے۔ یہ بھی کافی دقت طلب تھا۔

3- ہندوستانی زبانوں کی بعض قدیم لغات میں صرف پہلے حرف کی ترتیب سے لفظوں کو لکھ دیا جاتا تھا۔ اس میں قباحت یہ تھی کہ اگر الف سے دو ہزار لفظ شروع ہوتے ہیں تو الف سے شروع ہونے والے کسی ایک لفظ کو کھوجنے کے لیے دو ہزار لفظوں کو کھنگالنا پڑتا تھا۔ بعد میں لفظ کے دوسرے حرف کو بھی پیش نظر رکھنے لگے اور آخر میں تمام حروف کو۔

4- صوت رکنوں کی تعداد کے مطابق بھی لفظوں کی گروہ بندی کی جاتی ہے۔ قدیم ہندوستانی نیز چینی زبانوں کی یک صوت رکنی لغت ملتی ہیں۔ بعض زبانوں میں سب سے پہلے ایک صوت رکن کے الفاظ درج کیے گئے اس کے بعد دو ارکان والے پھر تین والے پھر علی الترتیب اور زیادہ ارکان والے۔

5- سُروالی زبانوں میں سُر کے لحاظ سے بھی الفاظ کا اندراج کیا جاتا ہے۔

6- بعض لغتوں میں مادہ اور مشتق کی رو سے گروہ بندی کی جاتی ہے یعنی ایک مادہ دے کر اس کے تمام مشتقات درج کر دیے جاتے ہیں۔

7- بعض اوقات خیال و مفہوم کے اعتبار سے لفظوں کے گروہ قائم کیے جاتے ہیں۔ اس میں دشواری یہ ہے کہ کوئی بھی دو آدمی اتفاق نہیں کریں گے کہ کس قسم کے الفاظ کو مقدم اور کنھیں موخر لکھا جائے مثلاً پہلے فلسفیانہ لطیف الفاظ ہوں یا روزانہ کی ضرورتوں کے ہوں یا اعضائے جسم کے ہوں یا کچھ اور۔ سنسکرت کے امر کوش میں لفظوں کو معنوی زمروں کی بنا پر درج کیا گیا ہے۔

8- بعض اوقات قواعدی گروہوں کے لحاظ سے لفظوں کو تقسیم کیا جاتا ہے یعنی اسما ایک جگہ، صفات دوسری جگہ، افعال تیسری جگہ وغیرہ۔ عربی میں مادے کی تصریفی شکل کے لحاظ سے بھی لفظوں کی گروہ بندی کی جاتی ہے مثلاً باب استفعال کے الفاظ ایک جگہ تو تفعیل کے دوسری جگہ۔ اس قسم کی کتابیں لغت اور قواعد دونوں کا امتزاج ہوتی ہیں۔

فی الحال تلاش کی آسانی کی خاطر لفظوں کو حروف تہجی کی ترتیب سے درج کرنا ہی رواج عام ہو گیا ہے۔

ذخیرۂ الفاظ کی تعین اور لفظوں کی ترتیب کے بعد تیسری منزل لفظ کے ہجا یا املا کی ہے۔

بیشتر لفظوں کا املا طے ہوتا ہے لیکن متعدد کا مختلف فیہ ہوتا ہے۔ اردو میں اس مسئلہ کی وسعت ترقی اردو بورڈ کی کتاب املا نامہ یا رشید حسن خاں کی کتاب اردو املا سے واضح ہوگی۔ مختلف زمانوں اور مختلف علاقوں میں لفظوں کا املا بدلتا رہتا ہے۔ برطانیہ اور امریکہ میں کئی لفظوں کا املا مختلف ہے۔

املا کا گہرا تعلق تلفظ سے ہے اور تلفظ کی نشان دہی کرنا لغت کا ایک نہایت اہم فریضہ ہے اس مسئلہ کے دو پہلو ہیں اول تلفظ کا تعین دوسرے تلفظ کو ادا کرنا۔ اردو میں دلی اور لکھنؤ میں کتنے لفظوں کے تلفظ پر پیکار رہتی ہے اور دلی و لکھنؤ کیا علاقوں کے فاصلے کے ساتھ ساتھ تلفظ بدلتا ہی رہتا ہے۔ معیاری زبان میں بھی صوبائی معیار پایا جاتا ہے۔ اگر کسی لفظ کا تلفظ متفق فیہ ہے تو اسے لکھا جائے اور اگر وہ متنازع فیہ ہے تو تمام متبادل تلفظ درج کیے جائیں۔ خوش قسمتی سے بیشتر الفاظ کے تلفظ میں اتفاق ہے لیکن اردو میں خصوصاً اور دوسری زبانوں میں عموماً ایک مسئلہ پریشان کرتا ہے۔ لغت میں کتابی یعنی لغوی اور روایتی تلفظ درج کیا جائے یا بول چال کی ترمیم کے مطابق۔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ بہت سے لفظوں کا تلفظ بدل جاتا ہے لیکن لغت اتنی قدامت پرست ہوتی ہے کہ وہ حال کے تلفظ پر ماضی بعید کے تلفظ کو ترجیح دیتی ہے۔ اردو میں عربی فارسی کے بہت سے الفاظ خواص و عوام ترمیم کرکے بولتے ہیں لیکن لغت میں اصل عربی و فارسی تلفظ ہی درج کیا جاتا ہے مثلاً سوال کو س مضموم سے، موسم کو س مکسور سے، تجربہ کو رائے مکسور سے طرح، صبح، شمع وغیرہ کو سکونِ اوسط سے حالانکہ تمام اردو بولنے والے ان لفظوں کو کسی اور طرح سے بولتے ہیں۔

Webster, Merrian, International Dictionary

کے تیسرے ایڈیشن میں مرتبین نے یہ جسارت کی کہ روایتی ہجوں اور تلفظ کی بجائے مروجہ بول چال کا تلفظ، املا اور استعمال درج کر دیا۔ اس پر زبان کے محافظوں کی طرف سے غلغلہ بپا ہوا کہ وہ زبان کو مسخ کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان احتجاجیوں نے اس طرف سے آنکھیں بند کر لیں کہ زبان تو پہلے ہی مسخ (دراصل تبدیل) ہو چکی ہے۔

اردو لغت کے مرتبین اسی میں عافیت دیکھتے ہیں کہ کئی صدی پہلے کا تلفظ درج کر دیں۔

---

۵ Robert Hall: Introductory Linguistics P9

حالانکہ چاہیے یہ کہ اوّل موجودہ تلفظ دیا جائے۔ بعد میں صراحت کردی جائے کہ اصل کے اعتبار سے اس لفظ کا تلفظ یہ تھا۔ تلفظ کی تعین کے بعد اسے ادا کرنے کا مسئلہ آتا ہے۔ انگریزی لغات میں مقدمے میں تصریح کردی جاتی ہے کہ کس کس آواز کو کس کس علامت سے ادا کیا جائے گا۔ بہترین صورت تو یہ ہوتی کہ بین الاقوامی صوتی رسم الخط میں تلفظ دے دیا جائے لیکن چونکہ یہ خط عام فہم نہیں اس لیے روایتی ہجاہی میں کچھ نشانوں کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ اردو میں مختلف اعراب اور جزم کے نشانات صحت سے لگائے جائیں تو تلفظ زیادہ تر واضح ہو جاتا ہے لیکن چونکہ اردو حروف محض ایک جزوی صورت میں لکھے جاتے ہیں اور بہت ملے جلے رہتے ہیں۔ اس لیے محض اعراب کافی نہیں ہوتے اس لیے الفاظ میں صراحت کرنی پڑتی ہے تائے مفتوح، ج ساکن، رائے مکسور وغیرہ۔ صرف جن حروف میں اختلافی قرأت کی گنجائش ہوتی ہے انھیں کے اعراب کی صراحت کی جاتی ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ الفاظ میں صراحت بہت جگہ لیتی ہے۔ نشانات کے ذریعے تلفظ کی وضاحت کرنی چاہیے۔

بل دار زبانوں میں یہ بھی واضح کرنا ضروری ہوتا ہے کہ لفظ میں کس صوت رکن پر خاص بل ہے۔ سر والی زبانوں میں سر کی صراحت بھی کی جاتی ہے۔ بعض لغتوں میں لفظ کے صوت رکن بھی واضح کیے جاتے ہیں۔

تلفظ کی صراحت کے بعد لفظ کا قواعدی گروہ واضح کیا جاتا ہے یعنی یہ کہ یہ لفظ فعل ہے یا اسم فعلِ لازم ہے یا متعدی وغیرہ۔ اردو میں لفظ کی تذکیر وتانیث کا اندراج بہت ضروری ہے کیونکہ اردو میں جنس کی مطابقت بہت اہم ہوتی ہے۔

اس کے بعد سب سے اہم منزل مفہوم کی صراحت آتی ہے۔ اس راہ میں کئی دشواریاں ہیں۔ الف کہا جاتا ہے کہ ایک لفظ ایک سیاق جو معنی دیتا ہے دوسرے سیاق میں اس سے علیحدہ مفہوم میں آتا ہے یعنی ایک مفہوم میں ایک بار سے زیادہ مستعمل نہیں ہوتا۔ اگر یہ صورتِ حال ہے تو لامحدود مفاہیم اور استعمال کیونکر دیے جائیں۔ بہر حال اس غلوئی شکل سے قطع نظر لفظ کے تمام نازک مفاہیم درج کرنے ہوتے ہیں دوسری دقت یہ ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ مفہوم بدلتا رہتا ہے یعنی بعض مفاہیم ختم ہو جاتے ہیں اور بعض نئے پیدا ہو جاتے ہیں لغت کو ان کی صراحت کرنی چاہیے۔ تیسری دقت یہ ہے کہ علاقہ، طبقہ، گروہ، مخصوص علم اور موضوع کے ساتھ ساتھ لفظ کے معنی بدلتے جاتے ہیں ان سب کی نشان دہی کرنی ہوتی ہے۔

لغوی معنی غیر جانب دار، غیر جذباتی اور مجرد تصور ہوتے ہیں لیکن عملاً ان میں بہت کچھ جذباتیت شامل ہو جاتی ہے۔ اچھی لغت میں اس پہلو کی کسی قدر نشان دہی کرنی ہوتی ہے مثلاً کسی لفظ میں ذم کا پہلو پایا جاتا ہے یا نہیں۔ رنڈی کے قدیم و جدید مفاہیم میں بہت فرق ہے۔ ملاّ، نیتاجی اور جاگیر دار جیسے الفاظ کے معنی ماضی میں محترم تھے اب کسی قدر تضحیک لیے ہوئے ہیں۔ اگر کسی لفظ میں جذباتی پہلو بہت نمایاں ہو تو اس کی صراحت کے بغیر شرح مکمل نہ ہوگی۔

لفظ کے مختلف مفاہیم کے لیے اس لفظ سے بننے والے جملہ محاورے بھی درج کرنے ہوں گے۔ بعض مفاہیم کی صراحت کے لیے جملہ یا مصرعے درج کرنے ہوں گے تاکہ اُن کا استعمال کھل کر سامنے آ جائے۔ اس قسم کی مثالیں ادبیات سے لی جائیں تو پایۂ استناد مضبوط ہو جاتا ہے۔ لغت تیار کرنے سے پہلے ہر لفظ کے مختلف استعمال کے حوالوں کی فائل بھی تیار کرنی ہوتی ہے۔

مفہوم کو درج کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ یا تو زیادہ آسان مترادف لفظ لکھ دیا جاتا ہے مثلاً اسپ معنی گھوڑا۔ یا لفظوں میں صراحت کر دی جاتی ہے۔ دو زبانی لغت میں ایک لفظ کے معنی دوسری زبان میں ترجمہ کر کے درج کر دیے جاتے ہیں لیکن بعض الفاظ کا صحیح ترادف دوسری زبان میں ممکن نہیں ہوتا۔ اس مسئلے کو ہم دو زبانی لغت کے سلسلے میں دیکھیں گے۔

اگر مفہوم کو کسی اور طرح سے شرح کرنا مشکل ہو تو کم از کم مادی چیز کی تصویر دی جا سکتی ہے مثلاً کسی معدوم جانور کے نام کے معنی دیے جائیں تو اس کی تصویر سے بہت اچھا اندازہ ہو سکے گا۔ اسی طرح اور بہت سے موقعوں پر تصویر تشریح سے بہتر ثابت ہوتی ہے۔ آخری اور بہت مفید کام لفظ کی اصل درج کرنا ہے۔ سب سے پہلے یہ صراحت کی جائے کہ اس کا مادہ کیا ہے اور کس زبان کا ہے۔ اصل زبان میں مادے کے جو معنی ہوں وہ درج کیے جائیں اس کے بعد مادے سے لے کر موجودہ لفظ تک بیچ میں جو منزلیں رہی ہوں ان کی نشان دہی کی جائے مثلاً انگریزی کے بعض الفاظ یونانی سے تو بعض لاطینی سے نکلے ہیں اور اُن کے بیچ میں فرنچ یا قدیم انگریزی وغیرہ کی منزلیں ہوتی ہیں۔ جن زبانوں میں مختلف زبانوں سے الفاظ مستعار لیے گئے ہیں وہاں یہ درج کرنا ضروری ہوتا ہے کہ لفظ اصلاً کس زبان کا ہے۔ اردو میں ایسا ضروری ہے لیکن اردو لغات میں مادر زبان کا نام لکھنے پر اکتفا کی جاتی ہے اس کی لفظ اصل (Etymology) نہیں دی جاتی۔ اچھی لغت میں اس کا دینا ضروری ہے۔

لغت کا بنیادی مقصد لفظ کے معنی درج کرنا ہے لیکن زبان غیر قطعی اور مبہم ہوتی ہے۔ لفظ کے مفہوم میں بھی پھیلاؤ ہوتا ہے۔ کوئی اس کا ایک جزو استعمال کرتا ہے دوسرا کوئی دوسرا جزو۔ لغت کے لیے لفظ کی روح کو کھینچ لینا ممکن نہیں۔ انگریزی کے مشہور لغت نگار ڈاکٹر جانسن نے کہا ہے کہ لغت ایک گھڑی کی طرح ہوتی ہے۔ بدترین گھڑی (اور بدترین لغت) بھی گھڑی کے بالکل نہ ہونے سے بہتر ہے اور بہترین گھڑی (اور بہترین لغت) بھی وقت کو ہمیشہ بالکل سچ سچ نہیں بتاتی۔

لغت نگاری کا مقصد کسی زبان کے ذخیرۂ الفاظ کو جامعیت اور صحت کے ساتھ محفوظ کرنا اور اس پر مسلسل نظر ثانی کرنا ہے۔ وہ لفظ شماری کرتی ہے زبان کی پاکیزگی کی محافظ نہیں۔ لغت نگار لفظوں کے فصیح، غیر فصیح، معیاری، پست معیاری، متروک یا مروج ہونے کا فیصلہ نہیں کرتا۔ یہ کام ادیبوں کا ہے۔

لغت کی قسمیں:۔ مختلف بنیادوں پر لغات کی کئی قسمیں کی جاسکتی ہیں۔ روسی عالم شیربا[1] نے تقریباً نو قسموں کا ذکر کیا جنھیں وہ حسب ذیل نام دیتا ہے۔

(1) حوالہ (Reference) لغت (2) علمی (Academic) لغت (4) مخزن (Thesaurus) (5) صراحتی (Explanatory) (6) دو زبانی (7) تصوراتی (Ideology) (8) ہم عصری (9) عصریاتی۔

اس نے صراحتی اور دو زبانی لغات ملا کر عمومی (Common) لغت کا نام دیا عمومی لغت حریف ہے تصوراتی لغت کی۔ عمومی اور تصوراتی کو ملا کر عام (general) لغت کی گروہ بندی کی گئی۔ یہ تمام انواع آپس میں مانع نہیں۔ اس نے دو دو مانع اور متناقض جوڑے قائم کیے جو اس طرح ہیں۔

---

[1] R. Srivastava :- Principals & Problems in Lexicology and Lexicography - Indian Linguistics Vol 29. 1968 P. 119

ان اقسام کی تفصیلات، جو آئندہ صفحات میں دی ہیں محولہ بالا مضمون سے ماخوذ ہیں۔

(1) حوالہ لغت بالمقابل علمی لغت

حوالہ لغت میں ایک زبان کے ہر دور اور ہر علاقے کے الفاظ بھر دیے جاتے ہیں۔ علمی لغت میں کسی بولی یا کسی علم کے الفاظ کو اس طرح دیا جاتا ہے کہ وہ باقاعدہ عضویاتی وحدت بن جاتے ہیں۔ ان سے ایک نظام ترتیب ہوتا ہے جب کہ حوالہ لغت میں انتشار اور گوناگونی ہوتی ہے۔ تمام علوم کی اصطلاحی لغت علمی لغت کے ذیل میں آتی ہیں۔ علاقائی بولی کی لغات بالعموم حوالہ لغت ہی میں شمار کی جائیں گی لیکن لغات النسا کرخنداری بولی کی لغت قسم کی لغت علمی لغات کے ذیل میں آئیں گی۔

(2) قاموسی (Encyclopaedic) بالمقابل عام

لفظ ایک تصور (مرموز) کی صوتی علامت ہوتا ہے۔ اگر لفظ کے تصوری مواد اور علامتی ہیئت کا رشتہ ڈھیلا ڈھالا ہوتا ہے۔ یعنی اس کی دلالت وسیع اور پھیلی ہوتی ہے تو یہ عام قسم کا لفظ ہے۔ اگر تصور اور صوتی علامت کا رشتہ کسا ہوا ہوتا ہے یعنی دلالت تنگ اور کسی ہوئی ہوتی ہے تو اسے اصطلاح کہتے ہیں۔

لفظ کا مفہوم غیر واضح اور غیر متعین ہوتا ہے۔ لغت میں لفظ کے جو مفاہیم دیے ہوتے ہیں سیاق میں استعمال کے بعد وہ محدود ہو جاتے ہیں لیکن بہت سے سیاقوں میں ملا کر اس کے مفاہیم لغت میں مندرج مفہوم سے زیادہ ہی ہو جائیں گے۔ اس طرح لفظ کی دلالت غیر قطعی ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اصطلاح کی دلالت تنگ اور متعین ہوتی ہے۔ اصطلاح کے دو آقا ہوتے ہیں عام زبان میں اس کے ایک معنی ہوتے ہیں اور اصطلاح کے طور پر دوسرے معنی اس لیے لغت میں اندراج کے لیے یہ مثالی صورت نہیں۔ مثال کے طور پر voice کو لیجیے۔ عام زبان میں اس کے معنی انسانی آواز کے ہیں جب کہ صوتی اصطلاح میں اس صورت کے جب کہ صوتی تار ایک دوسرے کے قریب آکر جھنجھناتے ہیں۔

جو لغات اصطلاحات کو درج کرتی ہیں انھیں شیربانے قاموسی لغت کہا ہے اور دوسری لغات کو عام لغت۔ ظاہر ہے کہ قاموسی لغت اچھی اصطلاح نہیں۔ بہتر ہوتا ہے کہ اسے سیدھی سادی اصطلاحی لغت کہہ دیا جاتا۔

عام لغت کے مرتب کے سامنے دو مسائل آتے ہیں۔ الف وہ کن اصطلاحوں کو عام لغت

میں جگہ دے ب جن اصطلاحوں کو عام لغت میں لیا جاتا ہے ان کے معنی کس طرح درج کیے جائیں۔

پہلے مسئلے کا حل یہ ہے کہ مخصوص علوم کی صرف ان اصطلاحوں کو عام لغت میں لیا جائے جنھیں اس مخصوص علم کے طالب علموں کے علاوہ عام اہلِ علم بھی استعمال کرتے ہیں اور اس طرح ان کا اصطلاحی رنگ عام رنگ اختیار کرنے لگا ہے مثلاً سائنس کی اصطلاحوں میں ہم۔ Radioactivity, Reactor, Radiation-action

جیسے الفاظ کو عام لغت میں جگہ دی جائے لیکن الیکٹرون۔ نیوٹرون وغیرہ کو نہیں صوتیات سے لے کر مصوتہ، مصمتہ کو ہم عام لغت میں لکھیں گے لیکن مصیتیت، پہلوئی آواز، ملفوظی آواز وغیرہ کو نہیں شامل کریں گے۔

دوسرے مسئلے کا حل یہ ہے کہ عام لغت میں اصطلاحوں کے وہ معنی درج کیے جائیں گے جو ایک عام بولنے والے کے نزدیک ہوتے ہیں اصطلاحی تفصیلات کے ساتھ نہیں۔ مثلاً خطِ مستقیم کے معنی عام لغت میں لکھے جائیں گے وہ سطر جو دائیں بائیں کسی سمت کو نہ مڑتی ہو۔ اقلیدسی لغت میں خطِ مستقیم کے معنی لکھے جائیں گے، دو نقطوں کے بیچ کا سب سے کم فاصلہ، اس طرح ایک لفظ کا مفہوم عام لغت میں اصطلاح کے طور پر آتا ہے تو مختلف علوم میں اس کے معنی مختلف ہوں گے مثلاً Particle کے معنی قواعد میں کچھ اور، طبیعیات میں کچھ اور ہیں۔ Marker لسانیات کی اصطلاح میں کچھ اور بلیرڈ کے کھیل کی اصطلاح میں کچھ اور ہوتا ہے۔

(3) مخزن (Thesaurus) بالمقابل عمومی (Common) لغت

یونانی زبان میں تھے سوروس (Thesauros) خزینہ کو کہتے ہیں اور اس سے بننے والے لفظ تھے سورس کے معنی لغت ہیں۔ شیربا نے ان دونوں اقسام میں جو فرق کیا ہے وہ بہت نازک اور فلسفیانہ ہے۔ مخزن اہلِ زبان کے جبلی شعورِ زبان کو پیش کرتی ہے۔ اس میں زبان کا پورا مواد تفصیل سے دیا ہوتا ہے، ہر لفظ کے مفہوم کی مختلف نزاکتیں درج کی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس عمومی لغت زبان داں کے لیے ہوتی ہے۔ اس میں لفظ کے عام وسیع معنی پر زور ہوتا ہے اور اسی کو سمجھانے کے لیے مثالیں درج کی جاتی ہیں۔ مخزن معنی کی وسعتوں کی تلاش کرتے ہیں لیکن لغت میں یہ مان کر چلا جاتا ہے کہ ہر لفظ کے مقررہ

مخصوص معنی ہیں۔ اردو میں ہم نوراللغات اور فرہنگ آصفیہ کو مخزن کہہ سکتے ہیں۔ لیکن فیروز اللغات، لغات کشوری جیسی لغتوں کو عمومی لغت کہیں گے۔

(4) عمومی بالمقابل تصوراتی

لفظ کے دو پہلو ہوتے ہیں مواد اور صوتی ہیئت۔ عمومی لغت میں لفظ کو صوتی اعتبار سے لیا جاتا ہے اور تصوراتی لغت میں اس کے تصوراتی مواد کی بنا پر۔ تصوراتی لغت میں لفظوں کو ان کے مفہوم کی بنا پر گروہ بند کیا جاتا ہے اور ایک تصوراتی کنبے کے تمام الفاظ کو ایک جگہ درج کیا جاتا ہے دوسرے تصوراتی سلسلے کے الفاظ کو دوسری جگہ اس لیے کثیرالمعنی لفظ کو دونوں لغات میں مختلف طرح لیا جاتا ہے۔ عمومی لغت میں اسے صوت کی بنا پر ایک لفظ کے طور پر درج کیا جاتا ہے جہاں اس کے مختلف معانی لکھ دیے جاتے ہیں جب کہ تصوراتی لغت میں ہر معنی کو علیحدہ درج کیا جاتا ہے۔ مثلاً عمومی لفظ لغت میں Pulse کا لفظ لکھ کر اس کے معنی "دال، نبض" لکھ دیے جائیں گے۔ تصوراتی لغت میں ایک شعبے میں انسان کے اعضائے جسم دیے جائیں گے جن میں Pulse بمعنی نبض کا ذکر ہوگا۔ دوسرے شعبے میں مختلف اناج گنوائے جائیں گے وہاں Pulse بمعنی دال کا ذکر کیا جائے گا۔

محاوروں، ضرب الامثال، مترادفات وغیرہ کی لغات تصوراتی لغت کہلائیں گی کیونکہ ان میں لفظ کے تصوراتی مواد کو اولیت دی گئی ہے۔

(5) صراحتی (Explanatory) بالمقابل دوزبانی (Bilingual) لغت

صراحتی لغت ایک زبان کی ہوتی ہے۔ اس میں ہر لفظ کا مفہوم اسی زبان میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ یہ اہلِ زبان کے لیے ہوتی ہے۔ دو زبانی لغت میں ایک لفظ کے معنی دوسری زبان میں دیے جاتے ہیں۔ اس میں قباحت یہ ہے کہ کوئی بھی دو زبانیں ایسی نہیں ہیں جن کے الفاظ اور اُن کے مفاہیم بالکل ایک دوسرے کے مطابق ہوں۔ جن لفظوں کو دو زبانوں میں مترادف (ہم معنی) سمجھا جاتا ہے ان کا پورا معنوی میدان یکساں نہیں ہوتا۔ مختلف لفظوں کا معنوی پھیلاؤ جزواً ایک دوسرے کے اوپر آجاتا ہے مثلاً انگریزی Education Instruction دونوں کو ہم تعلیم کہیں تو یہ کافی نہیں۔ انگریزی کے لفظ Tongue

کو ہندی میں، جیسے الفاظ Replace، Transfer، Change
Substitute سب کو ہم بدلنا یا تبدیلی نہیں کہہ سکتے۔

دو زبانی لغت کو چاہیے کہ وہ لفظ کی پوری وادیِ خیال کو پیش کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن دو لسانی لغت جامع اور مانع طریقے پر پورے مفہوم کو پیش نہیں کر سکتی۔ یہ مبتدیوں کے کام کی ہوتی ہے۔ زبان سے ابتدائی واقفیت کے بعد صراحتی لغت سے رجوع کرنا چاہیے۔

(6) ہم عصری (Synchronic) بالمقابل عصریاتی (diachronic) لغت

عصریاتی لغت کو ہم تاریخی لغت بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس میں ہر لفظ کی ہیئت اور معنی کی تاریخ درج ہوتی ہے۔ اگر لفظ کی ہیئت میں تبدیلی ہوئی ہے تو واضح کیا جائے گا کہ کس زمانے تک اس کا فلاں تلفظ تھا اور کب سے اس میں ترمیم ہوئی۔ تلفظ سے زیادہ ردّ و بدل معنی میں ہوتی ہے۔ اس میں مختلف مفاہیم دے کر ان کی عہد بہ عہد اسناد دی جائیں گی۔ اگر کوئی مفہوم کسی عہد کے بعد معدوم ہو گیا تو اس کا اظہار کیا جائے گا۔ کوئی مفہوم بعد میں ظاہر ہوا تو اس کے اظہار کا زمانہ لکھا جائے گا۔ مختلف مفاہیم کو اُن کی تاریخی ترتیب سے درج کیا جائے گا۔ ہر مفہوم کی سند اس کے ہم عصر ادب سے پیش کی جائے گی۔

انگریزی کی نئی آکسفورڈ ڈکشنری کا اصلاً یہ عنوان تھا
A new English dictionary on Historical Principal

اردو میں ترقی اردو بورڈ پاکستان اسی نہج پر لغت تیار کر رہا ہے۔

انسائکلوپیڈیا امریکنا میں چار قسم کی لغات کا ذکر ہے۔

1- فرہنگ (Glossary) یہ کسی ایسے علم یا فن کا ذخیرۂ الفاظ پیش کرتی ہے جس کی مخصوص اصطلاحات ہوں مثلاً کھانا پکانے کا فن، معدنیات، کھیل کود، کیمسٹری وغیرہ۔

2- لسانیات کے کسی واحد پہلو کی لغت مثلاً تلفظ، لفظ اصلیات (Etymology) مترادفات، بولی، سوقیانہ روزمرّہ (factual) کم مستعمل نادر الفاظ کی لغات۔

3- قاموس جس میں لسانی معلومات کی بجائے قرار واقعی (factual) معلومات درج کی جاتی ہیں مثلاً سوانحی لغت۔

4- دو لسانی لغت۔ اسی سے ارتقا پاکر عام لغت ظہور میں آئی۔

ہم لغات کی مختلف قسمیں یوں کر سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ انواع باہم مانع نہیں بلکہ کسی ایک خصوصیت کی بنا پر موسوم کی گئی ہیں۔

1- عام عصری لغت:- اس میں ایک زبان کے تمام الفاظ دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

2- عام عصریاتی یعنی تاریخی لغت:- یہ زیادہ عالمانہ کام ہے۔ انگریزی کی نئی آکسفورڈ ڈکشنری اس کا مثالی نمونہ ہے۔ اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ متون کو صحیح قرأت کے ساتھ ترتیب دیا جائے اور ان کا عہد متعین کیا جائے۔

3- بولی لغت:- بولی تین طرح کی ہوسکتی ہے۔ (الف) کسی دور سے متعلق مثلاً قدیم انگریزی کی لغت۔ (ب) کسی علاقے سے متعلق مثلاً دکنی لغت، لغات گجری، ضلع بجنور کی بولی لغت (ج) کسی طبقاتی بولی کی لغت مثلاً لغات النسا، کرخنداری اردو کی لغت، پارسی گجراتی کی لغت۔

4- کسی علم، فن یا پیشہ کی لغت مثلاً لسانیات کی اصطلاحوں کی، ادبی اصطلاحوں کی، معماری، رکابداری کی، کھیلوں کی لغات۔

5- ایک مصنف کی لغت:- اس میں ایک مصنف کے استعمال کردہ الفاظ کو لیا جاتا ہے۔ شیکسپیئر، ملٹن، تلسی داس کی اس قسم کی لغات ہیں۔

6- ایک کتاب کی لغت:- لغات القرآن، بائبل کی لغت، رام چرت مانس کی لغت اسی قسم کی ہیں۔ کتابوں کی لغت کو فرہنگ کہتے ہیں۔ اکثر یہ کتاب کے آخر ہی میں شامل کردی جاتی ہے لیکن انگریزی اور بعض زبانوں میں اہم کتابوں کی علیحدہ سے بھی لغت بنی ہیں۔ اردو میں — لغات القرآن اس کی بہترین مثال ہے۔ اسی طرح سب رس، فسانۂ عجائب، فسانۂ آزاد وغیرہ کی لغت بھی بنائی جاسکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ کتاب یا مصنف کی لغت میں عام استعمال کے الفاظ دینے کی ضرورت نہیں بلکہ مخصوص الفاظ کو لیا جائے گا یا عام الفاظ کے مخصوص مفاہیم کو۔

7- تلفظ لغت 8- لفظ اصلیات لغت 9- مترادفات لغت 10- کہاوتوں کی لغت

11- محاوروں کی لغت 12- دو لسانی یا کثیر لسانی لغت۔ اس سے پہلے کی بیشتر اقسام بھی دو لسانی ہوسکتی ہیں۔

اب دو مخصوص قسم کی لغات کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی ترتیب لغت کی طرح ہوتی ہے لیکن ان میں مفہوم درج نہیں کیا جاتا۔

1۔ قاموس (انسائکلوپیڈیا)۔ یہ عام بھی ہو سکتی ہے اور کسی مخصوص علم، فن یا اُن کی کسی شاخ کی۔ ان میں معلومات فراہم کرنے پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔

2۔ concordance: ایک مصنف کے یہاں مستعمل تمام لفظوں کا اشاریہ نیز وہ لفظ جس جس مصرع یا جملے استعمال ہوا ہے اس کو نقل کرنا۔ انگریزی میں کئی مصنفوں کی کنکارڈینس ہیں۔ ان میں شیکسپیر کی کنکارڈینس مشہور ہیں۔ ان میں جتنی محنت اور صرفہ ہوتا ہے اس کے مساوی افادیت نہیں۔

لغت کی قیمت کا اندازہ لگانے کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ یہ کس قسم کے قاری کے لیے اور کس مقصد سے لکھی گئی ہے۔ ایک لغت طالب علموں کے لیے ہو سکتی ہے دوسری علما کے لیے۔ طلبہ کے لیے لکھی لغت کا لائحۂ کار محققین کے لیے لکھی لغت سے مختلف ہوتا ہے۔

لفظ اصلیات

یہ یونانی زبان کا لفظ ہے Etymos: سچا۔ Logy: لفظ۔ یعنی Etymology: سچا لفظ یا لفظ کی سچائی۔ یونان میں رواقی فلسفی Chrysippus (280 ق م کے قریب) نے Etymologics نام کی کتاب لکھی جو اب گم ہو گئی ہے لیکن یونان اور روم میں etymology سے مراد کسی لفظ کے ابتدائی اصلی معنی دریافت کرنے کے تھے لفظ کی اصل معلوم کرنے کے نہیں۔ گویا اُن کے نزدیک یہ معنیات کا جزو تھی۔ بعد میں اس کے معنی لفظوں کی اصل دریافت کرنا ہو گئے۔

کسی لفظ کی لفظ اصلیت دراصل اس لفظ کی گزشتہ تاریخ معلوم کرنا ہے۔ سنسکرت میں اس علم کو نرکت کہتے تھے۔ اس کی بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن میں سب سے مشہور یاسک کا نرکت ہے اور جو خوش قسمتی سے اب بھی ملتا ہے۔ اس میں یاسک نے 1298 لفظوں کی اصل دی ہے لیکن زیادہ تر محض قیاسی اور من مانی۔ اس نے ایک لفظ کی ایک ہی اصل نہیں دی بلکہ کئی کئی درج کی ہیں مثلاً اِندر کی 14 اور اگنی کی پانچ دی ہیں۔ اسی سے اس

غیر سائنسی انداز ثابت ہوتا ہے۔ اتفاق سے 224 الفاظ کی اصل بہت صحیح درج ہے۔

ظاہر الفظ اصلیات کا صرف سے قریبی تعلق ہونا چاہیے لیکن دراصل فونیمیات سے سب گہرا تعلق ہے کیونکہ کسی زبان کے فونیموں اور فونیمی مطابقتوں کے جانے بغیر اس کے اصل روپ کی تشکیل ہو ہی نہیں سکتی۔ تقابلی اور تاریخی طریقوں سے زبان کی تاریخ کی مختلف منزلوں میں صوتی تبدیلیوں کا پتہ چلا۔ صوتی قوانین سے مختلف زبانوں کی صوت مطابقت واضح ہو گئی اور اُن تمام تجربوں کی مدد سے مختلف لفظوں کی اصل متعین کی گئی۔ فونیمیات اور لفظ اصلیات ایک دوسرے کی ہمدم ہیں اور اُنھیں کی دستگیری سے مختلف زبانوں کا رشتہ یا بے تعلقی ثابت ہوتی ہے۔

لفظ کی اصل دریافت کرنے کا طریق کار خاصا سائنسی ہے۔ دو لفظوں کی اصل معلوم کرنے کے لیے ان کی ظاہر اصوتی مماثلت ناکافی ہے چنانچہ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ دو زبانوں میں دو لفظ صوت اور معنی دونوں میں ایک دوسرے کے مطابق یا بالکل مماثل ہوتے ہیں اس کے باوجود وہ ہم جدی (cognate) نہیں ہوتے۔ اور اس کے برعکس دو زبانوں کے ایسے لفظ جو ہیئت میں بالکل مختلف ہوتے ہیں لیکن معنی میں یکساں، ایک ہی مادے کی دین ہو سکتی ہیں۔ انگریزی کا near اور بھوجپوری کا 'نیئر'، دونوں کے معنی 'پاس' ہیں لیکن ان کا کوئی تاریخی اور خاندانی تعلق نہیں۔ اس کے برعکس سنسکرت کا مشرت اور انگریزی local، سنسکرت جیو، یونانی bios اور انگریزی quick ایک ہی مادے سے نکلے ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر ہی میکس مُلر یہاں تک کہہ گیا تھا

"صحیح لفظ اصلیات کو صوت سے کوئی مطلب نہیں ہوتا"

ظاہر ہے کہ یہ مبالغہ ہے۔ لفظ اصلیات کو ہیئت سے کہاں مفر ممکن ہے لفظ اصلیات کا طریقہ تقابلی طریقہ سے ملتا جلتا ہے۔ کسی لفظ کو لیجیے۔ ہمارے سامنے یہ مسئلہ ہے کہ آخری ماخذ زبان میں اس کی کیا روپ تھا۔ اوّل تو لفظ کے تحریری حروف پر بھروسا نہ کیجیے بلکہ ملفوظی آوازوں پر دھیان دیجیے۔ گو قدیم زبانوں کے روپ ہمیں تحریروں ہی سے دریافت ہوتے ہیں لیکن ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ہم کسی طرح ان کا صحیح تلفظ معلوم کر لیں۔ حروف تو گمراہ کن ہوتا ہے کیونکہ بعض اوقات حرف کی ایک شکل ایک زبان میں کچھ آواز دیتی ہے تو دوسری میں کچھ مثلاً Z انگریزی میں [ز] ہے، اسپینی میں سِا لیکن اندلسی اور امریکی اسپینی میں یہ

دس [ɪ] کی آواز دیتا ہے۔ حروف کی طرح ہجے بھی گمراہ کن ہوتے ہیں مثلاً tough اور though میں gh کی مختلف آوازیں دیکھیے۔ اگر کوئی زبان دوسری زبان سے رسم الخط مستعار لیتی ہے تو بسا اوقات لفظوں کے ہجے بھی اسی زبان سے متاثر ہوتے ہیں۔

قدیم زبانوں کے حروف کی آواز معلوم کرنے کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ اگر اس زبان کا کوئی لفظ کسی دوسری زبان کے رسم الخط میں لکھا مل جائے تو اس کے حروف کی آواز کا اتا پتا مل جاتا ہے۔

چونکہ اکثر الفاظ مادّے اور چسپیوں پر مشتمل ہوتے ہیں اس لیے شروع میں معلوم کیجیے کہ زیرِ غور لفظ واحد مارفیم ہے یا ایک سے زیادہ مارفیموں پر مشتمل ہے۔ اگر مرکب ہے تو اسے توڑ کر اس سے مادّہ الگ کر لیجیے۔ اگر م   ظ ہے تو یہ مسئلہ ہی نہیں پیدا ہوتا۔

فرض کیجیے ایک لفظ ten کی اصل دریافت کرنی ہے۔ اب تک کی معلومات کی بنا پر اس سے ہم رشتہ زبانوں میں اس لفظ کو لے کر لکھ لیجیے۔ پھر صوتی مطابقت کا کوئی چارٹ لیجیے۔ ہند آریائی خاندان کی مختلف زبانوں کی صوتی مطابقت اور صوتی تبدیلی پر مشتمل تقابلی قواعد ملتی ہیں۔ صوتی مطابقتوں کو دیکھ کر زمانے میں پیچھے کی طرف کو چلیے اور قدیم روپ تشکیل کرتے جائیے تا آنکہ ایک مشترک روپ پر پہنچ جائیں۔ یہ ضروری ہے کہ ہر لفظ کے ہر فونیم پر تفصیلی بحث ہو۔ اگر تاویل غیر ضروری طور پر پیچیدہ اور دقیق ہے تو اس میں صحت کا امکان کم ہے۔

ہر لفظ کی اصل دریافت نہیں ہو سکتی۔ اور یہ اجنبی الفاظ کے بارے ہی میں سچ نہیں بعض ایسے مشہور الفاظ مثلاً انگریزی کے sheep, drink وغیرہ کی اصل کا پتا نہیں چلتا۔ اصل نہ ملنے کے کیا معنی ہیں۔ ہم لفظ "drink" کو لے کر صوتی تبدیلی کے قانون کے مطابق اس کی ہر پچھلی منزل میں اس کی صوتی باز تشکیل کرتے جائیں گے تا آنکہ ہند یورپی تک پہنچ جائیں۔ لیکن یہ باز تعمیر اس لیے بے کار ہے کہ ان کے ہم جدی لفظ ایک زبان کے علاوہ دوسری کسی زبان میں نہیں ملتے۔

بعض قدیم لفظوں کی اصل تلاش کرنے میں یہ دقّت درپیش آتی ہے کہ صوتی مماثلت کی بنا پر ان کی بہت سی اصل ممکن ہیں۔ قبل مسیح کی ایک امبرین (Umbrian) زبان کی مذہبی تحریر میں لفظ perso سات جگہ آتا ہے۔ اس کے معنی پوری طرح واضح نہیں۔ دوسری ہند آریائی زبانوں کے کس لفظ کو اس کے ساتھ کا مان کر اصل تلاش کریں۔ مختلف

مفروضوں کے ساتھ اصل ڈھونڈھنے میں اس کے 20 ہند آریائی مادّے تعمیر کر لیے جاتے ہیں۔

ایسے موقعوں پر ضروری ہے کہ ہم محض لسانیات کو چھوڑ کر تمام غیر لسانی ماخذوں سے بھی فائدہ مثلاً اگر ہمیں تاریخ یا تقابلی مذہب سے یہ معلوم ہو سکے کہ اس مذہبی تحریر میں جس مذہبی فریضے یا رسم کا ذکر ہے وہ کیا تھی کس طرح ادا کی جاتی تھی تو ہم soma کے معنی کا بہتر اندازہ کر سکتے ہیں اور اس کے بعد اسی معنی کے الفاظ دوسری معاصر ہند آریائی زبانوں میں ڈھونڈھیں گے۔

سائنٹفک لفظ اصل معلوم کرنے کے لیے ہمیں تمام موافق اور مخالف صوتی، صرفی، نحوی، اور معنوی مواد کو بھی پرکھنا ہوگا۔ نیز غیر لسانی ماخذ سے بھی استفادہ کرنا ہوگا صرف قواعدوں اور لغات کا مطالعہ کافی نہیں بلکہ زیر بحث لفظ والے اصل مخطوطات کا (اگر وہ موجود ہوں) بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ وہ لفظ جس موضوع یا علم سے متعلق ہے اس کے بارے میں اچھی معلومات بہم پہنچائی جائیں۔

ان کوششوں کے بعد ہی کسی لفظ کی اصل معلوم ہو سکے گی۔ علماء نے یہی کیا ہے چنانچہ اب بہ کثرت لفظ اصلیاتی لغات ملتی ہیں ان کے مطالعہ سے لفظ اصلیات کی راہوں سے شناسائی ہو جاتی ہے۔ تاریخی و تقابلی طریقہ، صوتی۔ مطابقت کے قوانین، لفظ اصلیات کا طریقہ یہ سب تاریخی لسانیات کی جان ہیں۔ انھیں نے مل کر زبانوں کے رشتے شجرے قائم کیے ہیں۔

عوامی لفظ اصل (Popular etymology)

یہ دراصل لفظ اصل دریافت کرنے کا عمل نہیں بلکہ کسی لفظ کی ہیئت کا غلط مارفیمی تجزیہ کر کے اسے ایسا غلط روپ دے دینا ہے جو زیادہ قابل فہم ہو گو وہ لفظ کی اصل کے بارے میں گمراہ کن ہو۔ مختلف ابواب میں اس کی مثالیں آئی ہیں۔ چند یہاں درج کی جاتی ہیں۔

اوّل انگریزی کی مثالیں دیکھیے

mousseron > mushroom
crevise > crayfish, crawfish
mandragora > mandrake

moe the most. utmost, inmost میں اصلاً تفضیل کل کا لاحقہ East تھا۔ غلط فہمی سے اسے most سمجھ لیا گیا۔ fool's cap کاغذ کے لمبے سائز کو کہتے ہیں کیونکہ اسے گول کر کے مسخروں کی ٹوپی بنائی جاتی ہے غلط فہمی سے اسے

Full scape سمجھ لیا جاتا ہے۔

اردو میں انگریزی لفظ Verandah کو برآمدہ کر لیا گیا اور اس کے معنی لیے گئے گھر میں سے برآمد ہونے کی جگہ'۔ نان خطائی کو نان کھٹائی سمجھ اور بول دیا جاتا ہے حالانکہ اس میں کھٹائی کا عنصر بالکل نہیں ہوتا۔ چارج شیٹ کو عوام چارشیٹ بولتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اس میں چار ورق ہوتے ہیں، جس کی بنا پر اسے یہ نام دیا گیا۔ ہندی لفظ جات کو اردو میں 'ذات' سمجھ لیا گیا اور اس طرح ذات (کسی فرد واحد کی شخصیت) کے ایک معنی فرقہ (caste) مان لیے گئے۔ دو شعروں میں دیکھیے

سید اکھل کھڑے ہیں بوا کائنات میں لیکن سمائی سب کی ہے شیخوں کی ذات ہیں

(جان صاحب)

عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں (جگر)

بقر عید کو 'بکرا عید' سمجھ کر یہ مان لیا جاتا ہے کہ اس دن بکرا ذبح کیا جاتا ہے اس لیے اس کا نام بکرید ہے۔

ہندی والوں نے اردو کے الفاظ 'انتقال' اور 'کارروائی' کو ہندی کا سمجھ لیا وہ انتقال کو 'انت کال' اور کارروائی کو کاریہ واہی سمجھتے ہیں۔ عوامی لفظ اصل صرف عوام تک محدود نہیں۔ بعض اوقات علما بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔ ڈاکٹر ہردیو باہری لسانیات کے ماہر ہیں لیکن اپنی کتاب Hindi semantics میں انھوں نے کئی اردو الفاظ کی غلط لفظ اصل سمجھی۔ وہ افیم (افیون) کو سنسکرت الاصل سمجھ کر اس کا تجزیہ اہی پھین : سانپ کا جھاگ کرتے ہیں (ص 177)۔ خانگی (طوائف) کو وہ اپنی ناواقفیت کی بنا پر 'خانکی' لکھتے ہیں اور اسے خانقاہ سے مستخرج کرتے ہیں (ص 222) حالانکہ یہ لفظ خانہ سے ماخوذ ہے سنسکرت مادّے جن : پیدا کرنا سے جنم، جن (آدمی) وغیرہ کو مشتق کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ اسی مادّے سے جانی یا जानी بیوی اور معشوقہ کے معنی میں لیا گیا ہے۔ (ص 200)۔ انھیں یہ علم نہیں کہ 'جانی' لفظ جان سے ماخوذ ہے۔ اس کے معنی میری جان کے ہیں۔

اٹھارھواں باب

لسانی جغرافیہ

اٹھارویں صدی کے آخری رومانی فلسفی روسو نے 'فطرت کی طرف واپس، گاؤں کی طرف مراجعت' کا نعرہ بلند کیا۔ اس کی تحریک کے زیرِ اثر علما کو بھی عوامی رسم و رواج نیز لوک بولیوں سے دلچسپی ہوگئی چنانچہ بعض ماہرین نے بولیوں کے بارے میں لکھنا شروع کیا۔ انیسویں صدی تاریخی لسانیات کے عروج کی صدی ہے۔ اس کے نصف دوم میں نو قواعدین نے اصول پیش کر دیا کہ صوتی تبدیلی میں استثنا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود زبانوں میں کچھ ایسی باضابطگیاں دکھائی دیں جن کی تاویل نہ ہو سکی۔ اس سے خیال ہوا کہ معیاری زبان خالص ہو سکتی ہے۔ اردو میں بھی مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی بولی کو زیادہ قابلِ اعتماد سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہ بیرونی اثرات سے منزّہ ہوتی ہے۔ عرب میں بدویوں کی زبان کو اسی لیے شہریوں کے مقابلے میں فصیح تر سمجھا جاتا تھا۔ اس قسم کے اعتقادات کے تحت یورپ میں انیسویں صدی کے ربعِ چہارم میں بولیوں کے جائزے پر خصوصی توجہ کی گئی۔

لسانیات کی اس شاخ کو بولی جغرافیہ Direct geography یا بولیوں کا علم dialectology کہتے ہیں کیونکہ اس میں بالعموم ایک زبان کی بولیوں اور ذیلی بولیوں کی شناخت کی جاتی ہے لیکن کبھی کبھی اس میں بولی کی بجائے زبانوں کی سرحدیں تلاش کرتے ہیں۔ زبان اور بولی کا تعین بہت آسان نہیں مثلاً ہم پشاور سے مغربی پنجاب، مشرقی پنجاب، ہریانہ، مغربی یو۔پی، مشرقی یو۔پی، بہار، بنگال اور آسام تک چلے جائیں لیکن کہیں بھی یک لخت زبان کی سرحد نہ ملے گی۔ ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ مغربی یو پی کی کھڑی

بولی، مشرقی یوپی کی اودھی اور اس کے بعد بہاری ایک زبان کی بولیاں ہیں یا علیحدہ زبانیں ہیں۔ اس دریافت کے لیے زیر بحث علم کے قاعدے مددگار ثابت ہوں گے۔ جب مطالعے کا میدان ایک زبان اور اس کی بولیوں سے بڑھ کر دو یا زیادہ زبانوں پر محیط ہو جاتا ہے تو اسے بولی جغرافیہ کی بجائے لسانی جغرافیہ کہنا بہتر ہوگا۔

جغرافیے کا تعلق مکانی اختلافات و امتیازات سے ہوتا ہے لیکن بولیوں کے مطالعے کے سماجی اور تاریخی پہلو بھی ہوتے ہیں مثلاً مختلف سماجی طبقوں کی بولی میں قدرے فرق ہوتا ہے کیونکہ کچھ الفاظ، اصطلاحات اور اظہارات ان سے مخصوص ہوتے ہیں۔ ایک ہی علاقے کے مزدور، کسان اور پروفیسر کی بولی میں فرق ہوگا۔ پھر بولی کا تاریخی ارتقا ہوتا ہے۔ برج جو آج بولی ہے اب سے تین چار سو سال قبل مغربی ہندی کی معیاری زبان تھی۔ یہ شمالی ہند کی تہذیبی زبان ہو چلی تھی۔ بعض ایسے علاقوں میں جہاں بیشتر برج بولی جاتی تھی بعد میں کھڑی بولی رائج ہو گئی۔ مختلف الفاظ کی تاریخ بھی ہوتی ہے مثلاً 'تئیں' جو اٹھارویں صدی میں سارے شمالی ہند میں رائج تھا اب سکڑ کر ضلع مراد آباد میں 'تائیں' کے روپ میں رہ گیا ہے یا قدیم اردو کا روپ 'کنے' اب رام پور اور بھوپال میں محدود و محفوظ ہے۔ اس طرح بولیوں کے مطالعے کے غیر مکانی یعنی سماجی اور تاریخی پہلو بھی ہیں جن کا 'جغرافیہ' سے احصاء نہیں ہوتا۔ اس لیے اس علم کے واسطے Dialectology زیادہ موزوں نام سمجھا گیا تھا۔ بعض حضرات اسی کو علاقائی لسانیات (Area Linguistics) کہتے ہیں لیکن جو حضرات لسانی جغرافیہ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں انھوں نے صراحت کر دی ہے کہ اس میں بولی کا غیر مکانی مطالعہ بھی شامل ہے۔

لسانی جغرافیے کی دو خاص قسمیں ہیں۔ عصری (Synchronic) اور عصریاتی (Diachronic)۔ عصریاتی میں خاص طور سے مقامات کے ناموں کا مطالعہ کر کے طے کیا جاتا ہے کہ لسانی علاقے کس طرح پیدا ہوئے بڑھے، یا کم یا ختم ہوئے۔

اکثر لسانی نقشے معاصر نسلی نقشوں سے مطابق ہوتے ہیں۔ جب کئی ادوار کے لسانی نقشے تیار ہو جائیں تو عصریاتی لسانی جغرافیے کے خد و خال تیار ہو جاتے ہیں۔

لسانی جغرافیے کے تحت مختلف قسم کے مطالعے کیے جاتے ہیں جن میں سے خاص یہ ہیں۔
(1) ایک ملک یا علاقے میں زبانوں کی تعیین۔ (2) ایک زبان میں جغرافیائی یا طبقاتی

اعتبار سے بولیوں کی تعین۔ (3) ایک بولی یا ذیلی بولی کی لغت (4) بولی کی قواعد (5) بولی کا جغرافیہ یعنی اس کے پھیلاؤ کی سرحدیں، مرکزی اور عبوری علاقوں کی تعین (6) بولیوں یا بولی کے ارتقا کا مطالعہ (7) کسی لفظ یا مارفیم یا کسی بھی لسانی وصف کے پھیلاؤ کا جغرافیائی یا تاریخی مطالعہ (8) لسانی یا بولی کی سرحدوں کا سیاسی، معاشی، سماجی تقسیم سے تعلق، وغیرہ

عصریاتی لسانی جغرافیہ دو چیزوں کی تحقیق پر منحصر ہے (1) مقامات کے نام جن سے آبادی کا انتقال اور زبان کے بولنے والوں کا پھیلاؤ یا سکڑاؤ معلوم ہوتا ہے (2) ذخیرہ الفاظ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی زبان کے بولنے والے کن کن اثرات کے تحت رہے ہیں۔

لسانی جغرافیے کے مطالعے کی تاریخ میں تین منزلیں دکھائی دیتی ہیں۔

بولی لغت:۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں علمانے غیر معیاری بولیوں کی لسانی خصوصیات کو دیکھ کر بولی لغت تیار کرنے کا سلسلہ جاری کیا جو اب بھی رائج ہے۔ اوّل اوّل ان لغاتوں میں صرف وہ روپ اور معنی درج کیے جاتے تھے جو معیاری زبان سے مختلف تھے لیکن اب اسے ناکافی سمجھا جاتا ہے اور اب بولی کے تمام الفاظ اور اُن کے معانی درج کرنا ضروری قرار دیے جاتے ہیں۔ الفاظ کو صوتی صحت کے ساتھ لکھنا ضروری ہے کیونکہ معیاری زبان کے مقابلے میں ان کا اختلافی تلفظ بہت اہم ہوتا ہے۔ انگریزی میں جوزف رائٹ کی English dialect Dictionary قابلِ ذکر ہے۔ اردو میں نجیب اشرف ندوی کی لغاتِ گجری اور دو مختلف دکنی لغات بولی لغات ہیں۔ سید احمد دہلوی کی 'لغات النسا' ایک طبقاتی بولی کی لغت ہے۔

بولی قواعد:۔ بولی کے مطالعے کی یہ دوسری منزل ہے۔ پہلے پہلے یہ خیال تھا کہ بولیاں معیاری زبان سے مسخ ہو کر بنی ہیں لیکن تاریخی لسانیات کی ترقی کے ساتھ معلوم ہوا کہ معیاری زبان (بولی) مختلف بولیوں کے بیچ غیر لسانی وجوہ سے مختار ہو کر مسندِ امتیاز پر بیٹھ جاتی ہے۔ بولیوں کے وکیلوں نے کوشش کی کہ معیاری زبان طرح بولی کی قدامت اور نجابت ثابت کریں۔ انھوں نے دو غلطیاں کیں۔ اوّل یہ کہ بولیوں کو قدیم قبیلوں کے ناموں سے منسوب کیا۔ وہی نام بولی کے ساتھ ساتھ علاقوں کے بھی پڑ گئے۔ بندیلی، بندیل کھنڈ، باگھیلی، باگھیل کھنڈ، شورسین، شورسینی، تامل ناڈ، پشاچ، پشاچی Saxons، Saxons، Anglo-Saxon، Angles وغیرہ اسی قسم کے مفروضات کے غماز ہیں۔ یہ

کسی حد تک غلط فہمی پیدا کرتے ہیں کیونکہ ایک بولی کے بولنے والے خالص ایک قبیلہ یا نسل کے نہیں ہوتے۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ کسی بولی میں قدیم زبان یا بولی کے بعض الفاظ یا خاصے (features) نظر آجاتے ہیں تو فرض کر لیا جاتا ہے کہ اس بولی میں قدیم زبان بہترین طریقہ پر محفوظ رہ گئی ہے مثلاً ضلع مراد آباد میں تیئیں لفظ "تائیں" کی شکل میں موجود ہے۔ پاس کے ضلع رام پور میں "دکنے" کا استعمال ہوتا ہے۔ اس سے غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ مراد آباد اور رام پور کی بولی شاہ حاتم کے وقت کی اردو کی صحیح مورث ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ بولی قواعد نویسوں نے کوشش کی کہ بولی کو کسی قدیم بولی کے مطابق ثابت کر دیں۔ ان کے نزدیک بولیاں باقاعدہ تھیں جب کہ معیاری زبان کو تکلف و تصنع یا فصاحت کی کوشش نے بے قاعدہ بنا دیا تھا۔

پہلی مشہور بولی قواعد J.A. Schmeller کی بیویرین گرامر ہے جو 1821ء میں شائع ہوئی۔ اس کی اشاعت سے بولی کا مطالعہ لسانیات کے ایک شعبے کا مرتبہ پا گیا۔ اس کے بعد پچاس سال تک جو قواعدیں شائع ہوئیں ان میں لسانی کے مقابلے میں تاریخی اور معاشرتی پہلو پر زیادہ زور صرف کیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں کیلاگ کے ہندی گرامر قابل ذکر ہے جو اگرچہ بظاہر ایک معیاری زبان کی قواعد ہے لیکن اس میں تقابلی مطالعے کے لیے برج، اودھی، بہاری اور راجستھانی کے صیغے بھی دیے ہیں۔ اس طرح یہ پانچ بولیوں کی قواعد ہو جاتی ہے انھوں نے ہر بات کے آخر میں خاص خاص صیغوں کی تاریخ بھی دی ہے۔

بولی قواعدوں میں عموماً بعض فونیموں اور مارفیموں کا قدیم روپوں سے مقابلہ یا مطابقت درج کی جاتی ہے۔ وہ ان سب کو ملا کر پوری بولی کی ساخت کا تجزیہ کرتے سے کتراتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس نمونے اور مواد کی کثرت ہوتی ہے لیکن ان سب کو سمیٹ کر تجزیاتی قواعد بنانے کا وقت ہی نہیں ہوتا۔ بلوم فیلڈ نے مطالبہ کیا کہ بولی قواعد نویس کو بولی کے مارفیمی اور نحوی نظام کو تجزیاتی لسانیات کے انداز سے درج کیا جائے۔ اگر کسی بڑے علاقے یا کئی بولیوں والی زبان کی مکمل قواعد لکھی جائے تو یہ بہت بڑا کام ہوگا۔

دورِ حاضر میں ہندی میں مختلف بولیوں کی قواعد پر کافی کام ہوا ہے۔ اردو میں اس قسم کے محض تین کام ہوئے ہیں جن میں سے دو ایسے اشخاص نے کیے ہیں جو لسانیات سے واقف نہیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں مہر النسا نے "دکنی اردو قواعد کا تجزیاتی مطالعہ"، اور رشید حسن نے "اردو اور برج قواعد کا تقابلی مطالعہ"، پر پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ دونوں

مقالے ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔ تیسرا کام ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا ہے جو دلی کی کرخنداری بولی پر ہے لیکن یہ انگریزی میں شائع کیا گیا۔ ڈاکٹر نارنگ چونکہ ماہر لسانیات ہیں اس لیے ان کا کام جدید تقاضوں کے مطابق ہے۔ ڈاکٹر عبدالستار دلوی "اردو زبان اور اس کی بولیاں" کے عنوان سے مختلف حضرات سے مضامین لکھا کر ایک مجموعہ مرتب کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک مضمون کی بساط میں کسی بولی کا روپ محصور نہیں کیا جا سکتا اس لیے یہ کام تشنہ رہے گا۔

بولی اٹلس

بولیوں کے مطالعے کی تیسری منزل یا شاخ یہی ہے۔ یہ بولی مطالعے کی جدید شکل ہے۔ بولی کی قواعد لکھتے وقت ضروری ہوتا ہے کہ ہر خاصے کا مکانی پھیلاؤ واضح کیا جائے اور یہ نقشے ہی پر بآسانی ممکن ہے اس لیے نقشے یا اٹلس کے ذریعے بولی کے اختلافات کو بہت وضاحت کے ساتھ بیان کیا جا سکتا ہے۔

1876 میں جرمن عالم جارج وینکر (Wenker) نے جرمنی کے رائن لینڈ کی بولیوں کا سروے کیا اور 1881 میں چھ نقشے شائع کیے۔ بعد میں اس نے پورے جرمن علاقے کی بولیوں کا مطالعہ کیا۔ اس کا لائحۂ کار یہ تھا کہ اس نے نمونے کے چالیس جملے تیار کیے۔ اُن میں سے پہلا جملہ یہ تھا۔

'جاڑوں میں سوکھے پتے ہوا کے بیچ اِدھر اُدھر اڑتے ہیں۔

ان جملوں کو اس نے 363 9 4 علاقوں کے اسکول ماسٹروں کو بھیج دیا۔ اساتذہ سے کہا گیا تھا کہ ان جملوں کو وہ اپنے علاقے کی لفظیات اور تلفظ کے مطابق لکھ دیں۔ ہر خاصے کو نقشے پر دکھانا تھا لیکن کام بہت بڑا تھا۔ آخر 1926 یا 27 سے ریڈ کی ادارت میں نقشے شائع ہونے لگے جو اب تک مکمل نہیں ہوئے۔ پورا مواد ماربرگ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ چونکہ یہ کام غیر تربیت یافتہ استادوں نے کیا تھا اس لیے اس میں بہت سی خامیاں رہ گئیں۔ نیز چالیس مخصوص جملوں سے ہر طرح کے صرفی اختلافات سامنے نہیں آسکتے اور جہاں تک ذخیرہ الفاظ کے اختلافات کا تعلق ہے وہ بالکل ہی اوجھل رہ جائے گا۔ وینکر نے جرمنی کی جرمن بولیوں کا تو احاطہ کیا لیکن سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، بلجیم وغیرہ کی جرمن بولیوں کو اپنے جائزے میں نہیں لیا۔

Jules Gilliéron فرنچ اٹلس کا کام اس سے بہتر طریقے پر کیا گیا۔ اس کے ایڈیٹر ژول گلیرون

نے ایک کارکن ایڈمنڈ ایڈموں (Edmond Edmont) کو تربیت دی۔ ایڈموں دو ہزار لفظوں اور فقروں کا سوال نامہ لے کر 1896ء میں سائکل پر نکل کھڑا ہوا۔ چار سال کے عرصے میں وہ 639 مقامات پر گیا۔ اس کے مواد کی بنا پر گلیروں نے نقشے شائع کرنے شروع کیے جو 1910ء تک مکمل ہو گئے۔ گلیروں ہی کی تقلید میں جرمن وینکر کے نقشے تیار کیے گئے۔ گلیروں کے مواد میں لفظ اور فقرے تھے پورے جملے نہ تھے جو بڑی کمی تھی۔ بہر حال وینکر اور گلیروں بولی جغرافیے کے سب سے بڑے رہنما ہیں۔

تیسرا بہت اچھا کام Hans Kurath نے کیا جس نے امریکہ کے علاقے نیو انگلینڈ کا لسانی جغرافیہ مرتب کیا۔ اس نے صوتیات میں تربیت یافتہ کارکن منتخب کیے پھر دو ماہرین نے 1931ء میں ان کارکنوں کو مزید تربیت دی۔ اطلاعی حضرات (Informant) کے انتخاب میں بھی بڑی توجہ برتی گئی۔ ہر عمر کے گروہ سے اطلاعی لیے گئے بالخصوص ستر سال سے اوپر تاکہ قدیم روپ سامنے آسکیں۔ نیز تین سماجی گروہوں کو نمائندگی دی گئی (ا) بالکل ناخواندہ لوگ جنھوں نے بہت کم سفر کیا ہے (ب) کم خواندہ (ج) اعلیٰ تعلیم یافتہ۔ ان سے پوچھے گئے سوال ناموں کے جواب میں بھی تفصیلی تبصرے ہوتے تھے۔ جوابوں کو فیتوں پر ریکارڈ کر لیا گیا تاکہ بعد میں دوسرے ماہرین بھی ان کا تجزیہ کر سکیں۔ اس قسم کی معلومات درج کی گئیں جو ماہرین لسانیات کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، عمرانیات وغیرہ کے علماء کے لیے بھی مفید ہوں۔ اس قسم کے تمام جائزوں کی اشاعت میں چونکہ بہت صرفہ آتا ہے اور انھیں مرتب کرنے میں بہت وقت اور محنت درکار ہے اس لیے یہ معلومات خام مواد کی شکل میں کتب خانوں میں جمع رہتی ہے منظر عام پر نہیں آپاتی۔

فشر نے 1895ء میں سوابیا کا اٹیلس تیار کیا جو محض 28 نقشوں پر مشتمل ہے فرد واحد اگر محض چند خاصوں پر کام کرے تو ان کا تفصیل اور گہرائی سے مطالعہ کر سکتا ہے جیسا کہ Klocke نے 1827ء میں ہالینڈ اور بلجیم میں دو الفاظ house اور mouse کے مصوتی صوتیوں کا کیا۔

ان نقشوں اور اٹیلسوں کی بنا پر بڑے اہم مقالے تیار کیے جاتے ہیں جیسے گلیروں نے فرنچ اٹیلس کے تجزیے میں کئی کتابیں اور مقالے لکھے۔ ہندوستان میں ایک بہت ضخیم کام گریرسن کا لسانی جائزۂ ہند کیا گیا۔ گریرسن نے بھی نمونے کی عبارتیں لکھ کر پورے ملک

کے کلکٹروں کو بھیج دی تھیں جنھوں نے پٹواریوں سے ان کا ترجمہ کرا کر بھیج دیا۔ اسی کی بنا پر گریرسن نے جائزہ اور تجزیہ کیا۔ ظاہر ہے کہ اب لسانیات داں کارکنوں کے ذریعے ازسرِ نو لسانی جائزے کی ضرورت ہے۔ لسانی جائزہ کا کام لسانی جغرافیہ اور لسانی تاریخ دونوں کا احاطہ کرنا ہے۔

لسانی نقشہ تیار کرنے کا طریقہ

بولی میں اختلافات دو قسم کے ہوتے ہیں سطحی اور عمودی۔ سطحی یا جغرافیائی اختلافات زیادہ اہم ہیں اور وہی عام طور پر بولی کی تعین کرتے ہیں مثلاً ضلع بجنور کی ذیلی بولی کا اہم ترین خاصہ یہ ہے کہ وہاں طویل مصوتے کے بعد آنے والے مصمتے کو ڈیوڑھا (دگنا نہیں) کر لیا جاتا ہے اور طویل مصوتے کو دو ماترا کی بجائے ڈیڑھ ماترا کا کر دیا جاتا ہے مثلاً روٹی، بولی کو صوتیاتی خط میں یوں لکھیں گے [ro.tʰi: bo.li:]

عمودی اختلافات سے مراد سماجی یا طبقاتی اختلافات ہوتے ہیں مثلاً لکھنؤ شہر میں طبقۂ بالا فصیح اردو بولتا ہے اور طبقۂ زیریں اودھی مائل کھڑی بولی اسی طرح مختلف علاقوں میں ایک اور طبقے یعنی خواتین میں کئی ایسے محاورے اور روزمرہ رائج ہوتے ہیں جو مرد نہیں بولتے۔ طبقاتی اختلافات کو نقشے میں دکھانا ممکن نہیں۔ ہم فی الحال علاقائی اختلافات کو پیشِ نظر رکھ کر نقشہ تیار کرنے کا قاعدہ پیش کرتے ہیں۔ عموماً اس کام کو ایک سے زیادہ اشخاص اجتماعی طریقے پر کرتے ہیں۔ ایک صدر دفتر ہوتا ہے اور کچھ لوگ موقع پر گھوم پھر کر نمونے اکٹھا کرتے ہیں۔ انھیں علاقائی کارکن (field worker) کہتے ہیں۔ ضروری ہے کہ یہ بولی کے استعمال کرنے والوں کی سکونت پر جا کر جائزہ لیں۔ تحریری نمونوں کو منگا نا کافی نہیں۔ کارکن کو صوتیات میں تربیت یافتہ نیز سامعہ کا ذکی الحس ہونا چاہیے۔

مغربی یو پی کی ایک عوامی کہاوت ہے کہ ہر بارہ کوس (21 میل) کے بعد پانی اور بانی (وانی: آواز یعنی بولی اور لہجہ) بدل جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ چند گاؤں کا جھرمٹ بولی کی کچھ نہ کچھ انفرادی خصوصیات رکھتا ہے۔ جائزہ میں اگر ایک دو خاصوں کا مطالعہ کرنا ہے تو تھوڑی تھوڑی دور کے نقاط پر دریافت کرنا ہوگا۔ اگر بہت سے خاصوں کا مطالعہ کرنا ہے تو نسبتاً دور دور کے نقطوں کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ پہلی صورت باریک

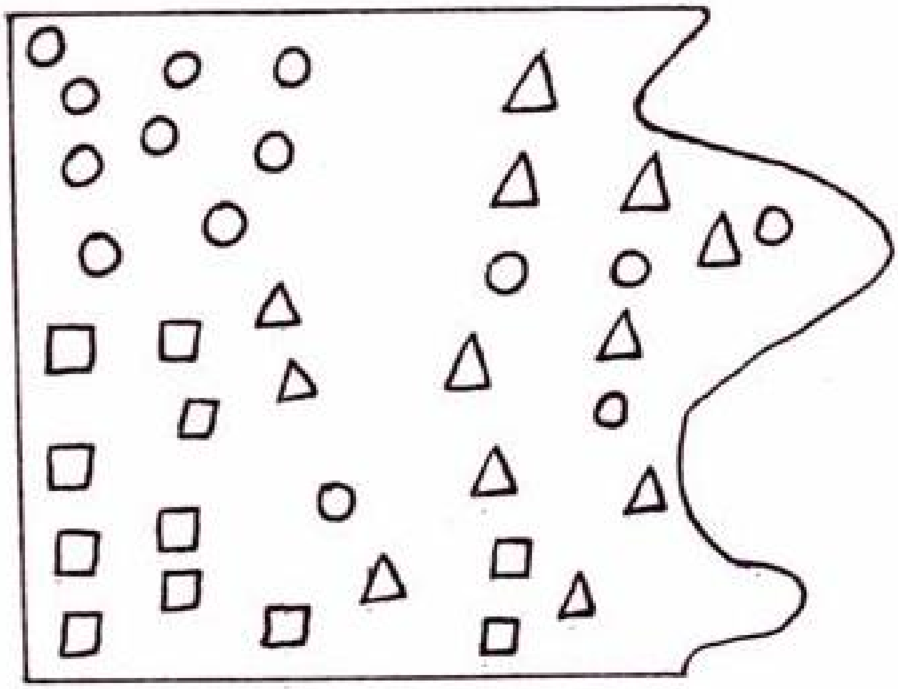
سوراخوں والی جالی کی سی ہے، دوسری موٹے سوراخوں والی چھلنی کی ہے۔ خانہ جتنا باریک ہوگا جائزہ اتنا ہی صحیح ہوگا۔ جتنے دور دور کے نقطوں کو دیکھا جائے گا نتیجے میں صحت کا امکان اسی قدر کم ہو جائے گا۔ اگر جائزے میں کوئی صوتی خاصہ زیر غور نہیں ہے تو کارکن کو بولی کے مقام پر جانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ سوال نامے کے کارڈ چھپوا کر پاس پاس کے نقطوں پر لوگوں کو بھیجے جاسکتے ہیں اور ان کے جوابات سے کام چلایا جاسکتا ہے۔

کارکن جس شخص سے خاصے کے بارے میں دریافت کرتا ہے اسے اطلاعی (Informant) کہتے ہیں۔ نقشہ یا اٹلس تیار کرنے سے پہلے دفتر میں بیٹھ کر اختلافات کی ابتدائی تعین کر کے جائزے کے علاقے طے کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد اہم خاصوں کو لے کر ایک سوال نامہ تیار کیا جاتا ہے تاکہ موقع پر جاکر زیادہ وقت ضائع نہ ہو۔ بولیوں کے خالص اور سچے نمونے جاننے کے لیے گاؤں کے بے پڑھے لکھے کاشتکاروں یا کھیت مزدوروں کو اطلاعی بنانا ہوتا ہے، لیکن اب یہ معلوم ہوا ہے کہ ایک نسل سے دوسری نسل میں بھی کچھ نہ کچھ لسانی اختلاف در آجاتا ہے۔ چونکہ نئی نسل کے جوان زیادہ حرکی ہوتے ہیں اس لیے اب ہر خاصے کی دریافت کے لیے دو اطلاعی لینا زیادہ معتبر مانا گیا ہے: ایک بوڑھا جو بالکل ناخواندہ یا تقریباً ناخواندہ ہو اور جس نے بہت کم سفر کیا ہو۔ دوسرا جوان جو تھوڑا سا پڑھا ہو۔ اور تھوڑا سا باہر گھوما پھرا ہو۔ زیادہ تعلیم یافتہ شخص کو خالص بولی کے لیے اطلاعی نہیں بنایا جاسکتا۔ بڑے شہروں میں مختلف محلوں اور مختلف سماجی طبقوں سے پانسات اطلاعی لینے ہوں گے۔

اطلاعیوں سے مطلوبہ مواد لے کر زیادہ سے زیادہ باریک صوتی تحریر میں لکھا جاتا ہے۔ بہتر ہے کہ دو نقلیں تیار کی جائیں، ایک صدر دفتر کو بھیج دی جائے دوسری کارکن کے پاس رہے تاکہ ایک ضائع ہو جائے تو دوسری میسر آسکے۔ دفتر میں جب مختلف خاصوں کے پھیلاؤ کی تفصیل پہنچ جاتی ہے تو اس کے پیش کرنے کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو کالموں کے ذریعے یوں ہو سکتا ہے۔

	اطلاعی اور مقام ع 1	اطلاعی اور مقام ع 2	اطلاعی اور مقام ع 3	اطلاعی اور مقام ع 4	اطلاعی اور مقام ع 5
خاصہ الف					
خاصہ ب					
خاصہ ج					

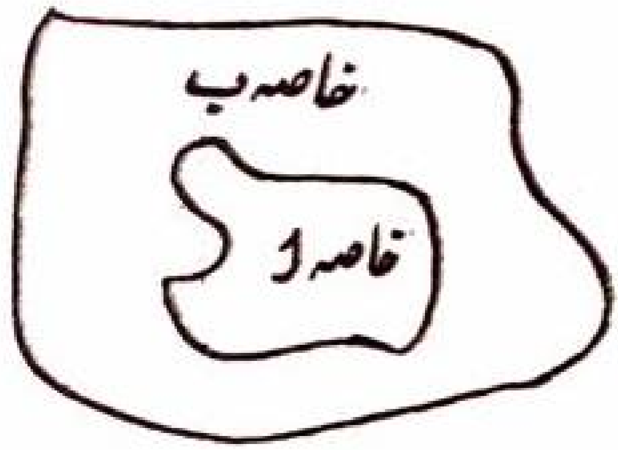
اطلاعی کی نسبت مقام کا نام لکھنا زیادہ اہم ہے۔ ظاہر ہے قاری کے لیے یہ اتنا واضح نہیں جتنا نقشہ بنانے کا طریقہ۔ اس کے لیے ہم محض حصاری خط والے سادہ نقشے لے لیتے ہیں۔ ان نقشوں کو انگریزی میں sketch map اور اردو میں خاکہ کہتے ہیں۔ جن مقامات پر سے اطلاع بہم پہنچائی گئی ہے انھیں ایک ایک نمبر دے کر دیا جاتا ہے تاکہ خاکہ میں مقام کا پورا نام نہ لکھنا پڑے بلکہ نقطہ لگا کر صرف نمبر لکھ دیا جائے۔ اب ایک خاصہ کو لے کر اس کے پھیلاؤ کو سادہ خاکے پر چھوٹے دائروں سے دوسرے کو چھوٹی مثلثوں سے، تیسرے کو مربع نقطوں سے یا ایسے ہی نشانات سے ظاہر کر سکتے ہیں۔ جہاں خاصہ کا وقوع گھنا ہوتا ہے وہاں یہ نشان گنجان ہوں گے، دوسری جگہ پر چھدرے چھدرے اور اُن کے بیچ میں دوسرے متقابل خاصے بھی آنے لگیں گے۔ نقشے پر ان نشانات کے ذریعے ہی خاصے کا وقوع یا عدم وقوع دکھایا جا سکتا ہے۔



خاصہ ا △   خاصہ ب ○   خاصہ ج □

یہ خاصے ایک لفظ کے مختلف تلفظ ہو سکتے ہیں مثلاً 49 کے تین تلفظ انچاس، اُنچاس، اُڑنچاس۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہم غالب خاصے والے مقامات کو ایک خط کے ذریعے ملا سکتے ہیں۔ اس خط کو لسانی خط isogloss کہتے ہیں۔ یہ خط یا تو نقشے کو دو حصوں میں تقسیم کر دے گا۔ مثلاً اہلِ اردو میں ق کے تلفظ ق اور خ کو لیں تو ہندوستان کے نقشے میں چار جنوبی صوبوں کے اوپر سے لسانی خط گزرے گا۔ اس خط کے شمال میں ق تلفظ ملے گا اور جنوب میں خ۔ ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ لسانی خط ایک علاقے کو محصور کر کے بقیہ علاقے سے الگ

کردے گا مثلاً



اگر نقشے میں کئی لسانی خط دکھائے ہوتے ہیں تو ان کے دونوں سروں کو الجبرے کے قاعدے سے حروف سے موسوم کر دیتے ہیں۔ مختلف نقشوں پر مختلف لسانی خطوط بنانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کا حصار دوسرے سے کچھ نہ کچھ مختلف ہے لیکن بعض ایسی سرحدیں ہوتی ہیں جن پر بہت سے لسانی خط تقریباً پاس پاس واقع ہوتے ہیں۔ ان خطوط کے جمگھٹ (bundle of isogloss) کو زیادہ اہمیت دی جائے گی۔ یہ جس علاقے کی حد بندی کریں گے اُسے ایک ذیلی یا ذیلی بولی کا علاقہ کہا جائے گا۔

لسانی اٹلس میں حسبِ استطاعت مختلف نقشے ہوتے ہیں۔ ان کی صراحت کے لیے اٹلس کے ساتھ ایک شرح یا حواشی پر مشتمل مقالہ درج کر دیا جاتا ہے۔ بعد میں ان نقشوں اور حواشی کو سامنے رکھ کر تحقیقی مقالے لکھے جاتے ہیں۔ ہندوستان کی زبانوں یا بولیوں کے فرداً فرداً نقشے تو لسانیات کی کتابوں میں مل جاتے ہیں لیکن لسانی جائزے اور لسانی خطوط کی بنا پر بنایا ہوا کوئی اٹلس تیار نہیں کیا گیا۔ ملک کے قابلِ اعتماد لسانی جائزے کی سخت ضرورت ہے۔ مردم شماری کی اطلاعات نہایت سطحی ہوتی ہیں۔ ان میں صرف زبان کا اندراج کیا جاتا ہے بولی کا نہیں۔

ماضی بعید میں لسانی جغرافیے کے تحت علاقائی لحاظ سے بولیوں کے اختلاف کی نشان دہی کرنے کو کافی سمجھا جاتا تھا لیکن اب طبقاتی اختلافات کی بھی اہمیت ہو گئی ہے چنانچہ بعض لسانی اختلافات یا خاصوں کو علاقے سے بالکل علیحدہ کر کے مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کی سب سے مشہور مثال وہ تھی جس میں انگلستان میں Ross نے طبقۂ بالا اور طبقۂ زیریں (متوسط نیز زیریں) کے تلفظ کے اختلافات کا جائزہ لیا تھا مثلاً new, duke, tune جیسے الفاظ میں یُو ملفوظ کر کے ٹیون، ڈیوک، نیو کہنا شرفا کی نشانی ہے اور ی کے شمول

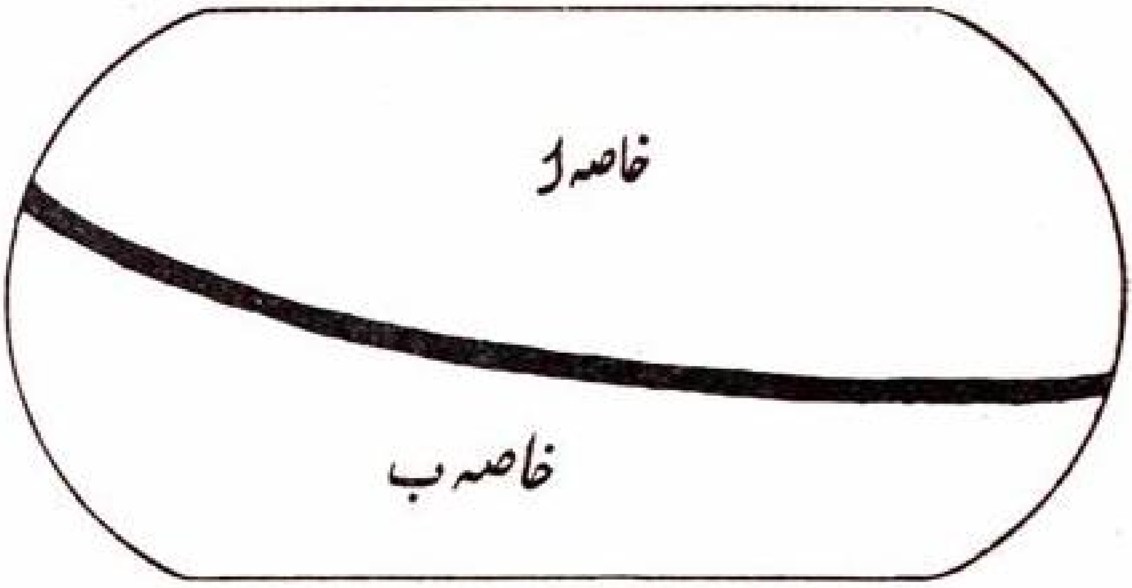
کے بغیر ٹون، ڈوک، ٹو کہنا طبقۂ زیریں کی۔

ہندوستان میں ہم ش، ق وغیرہ کے صحیح تلفظ کو خاص قرار دے کر جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہندی بولنے والے علاقے میں تمام پڑھے لکھے مسلمان اور کسی حد تک بے پڑھے مسلمان بھی خ، ز، ش، ف، ق، غ کا تلفظ ٹھیک کرتے ہیں (شاید ق، غ کا نہیں) غیر مسلم بے پڑھے ان سب کو کھ، ج، س، پھ، ک، گ میں بدل دیتے ہیں اور پڑھے لکھوں میں بھی اردو پڑھے لکھے ان کا تلفظ ٹھیک کرتے ہیں لیکن اردو سے ناواقف پڑھے لکھے غیر مسلم ز، ش، ف کا تلفظ انگریزی آوازوں کی وجہ ٹھیک کرتے ہیں لیکن خ، ق، غ کا نہیں کر پاتے بلکہ انھیں بے پڑھوں کی طرح کھ، ک، گ میں بدل دیتے ہیں۔ ہندی سے مخصوص بعض مصمتی خوشوں مثلاً پریم، کرشن کا ابتدائی مصمتی خوشے اور چندر، اندر کو آخری مصمتی خوشہ ہندو پڑھے لکھے صحیح بولتے ہیں لیکن غیر ہندو پڑھے لکھے اور دونوں فرقوں کے بے پڑھے توڑ کر (یعنی ایک مصوتہ بیچ میں ڈال کر) ادا کرتے ہیں۔ بعض اوقات بعض خصوصیات مقامی طبقاتی (جغرافیائی سماجی) ہوتی ہیں مثلاً مغربی یوپی میں مسلمان کھانا پکانا، روٹی پکانا بولتے ہیں جب کہ ہندو کھانا بنانا، کھانا تیار کرنا، روٹی بنانا، روٹی تیار کرنا کہتے ہیں یعنی ہندو کہے گا 'کھانا بن گیا' اور مسلمان کہے گا کھانا پک گیا۔ لیکن بھوپال میں ہندو بھی 'کھانا پک گیا' بولتے ہیں۔ گویا 'کھانا بنانا' مقامی طبقاتی روزمرہ ہے مزید دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔ ہندوستانی بولنے والے صوبوں میں ہندو چاچا، ماما، تاؤ بولتے ہیں۔ اور مسلمان چچا، ماموں، تایا بولتے ہیں لیکن پنجاب اور جموں میں مسلمان بھی چچا نہ کہہ کر چاچا کہتے ہیں اور ہندو 'تاؤ' نہ بول کر 'تایا' کہتے ہیں۔ گویا چچا تلفظ یوپی وغیرہ کے مسلمان سے مخصوص ہے اور چاچا یوپی وغیرہ کے ہندوؤں نیز پنجاب اور جموں کشمیر کے طرح ہندو مسلمان دونوں سے۔ اسی تایا تلفظ یوپی وغیرہ کے مسلمانوں اور پنجاب اور جموں کے ہندو مسلمان دونوں سے مخصوص ہے کسی خاصے کا مقام نیز طبقے کے فرق سے متاثر ہونا اسے مقامی طبقاتی بنا دیتا ہے۔

جب مختلف خاصوں کے لسانی خط نقشے میں بنائے جاتے ہیں تو اُن میں علاقائی تقسیم کی ہر ممکن صورت دیکھنے میں آتی ہے۔ خاص خاص درج ذیل ہیں۔

مرکزی علاقہ (Focal Zone) جتنے علاقے میں ایک خاصے کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ وہ بلا شرکت غیرے بولا جاتا ہے یا اسی نوے فی صد بولا جاتا ہے تو اس علاقے کو اُس خاصہ کا مرکزی علاقہ (Focal Zone) کہتے ہیں۔

عبوری علاقہ (Graded Zone یا transition) ۔ خیال رہے کہ لسانی
خط سیاسی تقسیم کی حدود کی طرح واضح اور قطعی سطر نہیں ہوتا۔ وہ تقریبی ہوتا ہے جس کے بیچ
کے ڈانڈے پر کچھ لوگ خاصہ ا بولتے ہوں گے تو دوسرے خاصہ ب۔ اس لیے وہ چوڑی
مخلوط پٹی ہونا چاہیے۔ مثلاً



انسان درختوں کی طرح جامد نہیں ہوتے وہ متحرک ہوتے ہیں۔ اس لیے سرحد پر کچھ لوگ ادھر کے گئے ہوتے ہیں۔ جس پٹی یا علاقے میں ایک خاصے کا استعمال منتشر ہوتا ہے اور اس کے بیچ بیچ میں دوسرا حریف خاصہ بھی ملنے لگتا ہے اس علاقے کو عبوری علاقہ کہتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ خاصوں کی رقابت محض دو تک محدود رہے۔ عبوری علاقے میں دو سے زیادہ خاصے بھی ہو سکتے ہیں۔

عبوری علاقے کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔ پنجاب اور ہریانہ میں اسما کی جمع 'اں' کے لاحقے سے بناتے ہیں جب کہ یوپی میں 'یں' کے لاحقے سے مثلاً پنجاب میں گل کی جمع گلاں اور یوپی میں بات کی جمع باتیں ہیں لیکن سہارنپور میں پرانے لوگ 'ان' سے جمع بناتے ہیں مثلاً انکھاں ان کے مقابلے میں دوسرے لوگ آنکھیں کہتے ہیں گویا جمع کے 'ان' یا 'ین' پر ختم ہونے والے خاصوں کے لیے ضلع سہارنپور عبوری علاقہ ہے۔

اسی طرح پنجاب اور ہریانہ میں وسطی نون غنہ (انفی مصوتے) کو 'ن' کے نیم اعلان یا پورے اعلان کے ساتھ بولنے کا رواج ہے جب کہ یوپی وغیرہ میں نہیں مثلاً یوپی میں ہنسنا کا تلفظ پورے نون غنہ کے ساتھ ہے لیکن پنجاب میں قدرے اعلانِ نون کے ساتھ ہنس نا [hon sna] یا [hõn sna] ہے۔ یہ رجحان کسی حد تک گنگا جمنا

کے دوآبے بالخصوص ضلع سہارنپور میں ملتا ہے جہاں پرانے لوگ کچھ الفاظ میں نون غنہ کی بجائے نیم اعلان بولتے ہیں مثلاً قینچی، آنکھاں کو قیں چی، ان کھاں [ː ɲ ʧi] یا [ãk hã] ۔ اس طرح نون غنہ کے انفی یا اعلانی تلفظ کے لیے میرٹھ کمشنری یا ضلع سہارنپور عبوری علاقہ ہوا۔

اگر ایک خاصہ ایک علاقے سے کٹ کر کسی قدر دور کے علاقے میں بھی ملتا ہے تو بڑے علاقے کو مرکزی علاقہ اور چھوٹے کو نواحی (marginal) علاقہ کہتے ہیں۔ ان دونوں علاقوں کے بیچ اس خاصے کے وقوع میں "مل آنا چاہیے" مثلاً "نے" کو حذف کر کے دکنی میں جملے کی یہ نحوی ساخت عام ہے۔

آپ فرمائے ، وہ گائے

دور افتادہ لکھنؤ میں بھی اس قسم کی نحوی ساخت مل جاتی ہے مثلاً

ع جو گائیں تھیں شہانے گائیں — مثنوی گلزار نسیم

تلنگانہ اس نحوی خاصے کا مرکزی علاقہ اور لکھنؤ نواحی علاقہ کہلائے گا۔ "کنے" بمعنی قریب صرف رام پور اور بھوپال میں بولا جاتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے نواحی علاقے ہیں۔

ایک اور مثال ملاحظہ ہو اردو میں چند عربی الفاظ (مادہ، شامہ، خاصہ وغیرہ) کو چھوڑ کر تشدید ملتی ہے۔ اس صورت میں مصوتے کا طول کسی قدر کم یعنی ڈیڑھ ماترا کا اور مشدّد یعنی دوہرے مصمتے کا طول بھی کسی قدر گھٹ کر ڈیوڑھا ہی رہ جاتا ہے مثلاً ساڈا، تہاڈا وغیرہ میں صوتی تحریر میں ان الفاظ کو [taha·dːa: sa·dːa:] کہہ سکتے ہیں۔

ضلع بجنور میں نیم تشدید کی یہ شکل عام ہے روٹی، لوٹا، بولی جیسے الفاظ میں وسطی مصوتے کو ڈیڑھ ماترا کا اور اس کے بعد کے مصمتے کو ڈیوڑھا کر کے بولتے ہیں۔ ہندوستانی علاقے میں ضلع بجنور کے سوا اور کہیں اس طرح طویل مصوتے کے بعد تشدید کا رواج نہیں گویا اس خصوص میں پنجاب مرکزی علاقہ ہے اور ضلع بجنور نواحی۔ یہ نواحی علاقہ تکلمی جزیرے (non-significant) کے طور پر واقع ہے۔

لسانی خط ہر قسم کے خاصوں کے بارے میں بنائے جا سکتے ہیں صوتی، فونیمی، صرفی، نحوی لغوی وغیرہ۔ ہم غیر امتیازی صوتی اختلافات کو نظر انداز کر سکتے ہیں مثلاً یوپی کے اردو بولنے والے احمد جیسے لفظ میں ابتدائی مصوتے کو خفیف اَے

[ہَ] سے بولتے ہیں جو 'کہنا' کا پہلا مصوتہ ہے۔ اہلِ کشمیر اردو بولتے وقت احمد کے مصوتے کو عربی انداز سے احمد جیسا بولتے ہیں جو سیدھا سادا فتحہ [کَ] ہے اور جو 'کہا' کا پہلا مصوتہ ہے۔ یہ فرق نظر انداز کرنے کے قابل ہے۔ شروع شروع میں لسانی اٹلس میں اس قسم کے غیر ضروری فرق دکھائے گئے کیونکہ اس وقت تک صوتیات ترقی کر چکی تھی لیکن فونیم کی شناخت نہیں ہوئی تھی۔ 1920ء کے بعد فونیم کا نظریہ سامنے آیا۔ اس کے بعد کے نقشوں میں محض فونیمی فرق کو درخورِ اعتنا سمجھا گیا۔ صوتی یا فونیمی اختلاف کو ظاہر کرنے والا لسانی خط Isophonic ہوتا ہے۔

بل یا نبر کا فرق ظاہر کرنے والا لسانی خط Isotonic کہلاتا ہے۔ اسی طرح صرفی، نحوی، معنوی اور لغوی فرق کو ظاہر کرنے والے خط
Isomorphic, Isosyntagmic, Isosemantic Isolexic
کہلائیں گے۔ واضح ہو کہ صوتیاتی، صرفی اور لغوی (ذخیرۂ الفاظ کے) اختلافات ہمیشہ ایک دوسرے کے مطابق نہیں ہوتے مثلاً ضلع بجنور کی بولی کے اکثر خصائص دلی اور پورے مغربی یوپی میں مشترک ہیں لیکن بعض مختلف ہیں مثلاً طویل مصوتے کے بعد تشدید لانا پنجاب کے مطابق ہے لیکن ے سے ئے کرے جیسے لفظوں کے آخر میں یائے مجہول کی بجائے یائے لین بولنا برج علاقے سے ہم آہنگ ہے۔ سینچر کے لیے تھانور جیسا لفظ غالباً ضلع بجنور کے ساتھ مخصوص ہے لیکن سینگوانا قبضہ کرنا محفوظ کر لینا تمام مغربی یوپی میں بولا جاتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ ہر خاصے اور ہر لفظ کا پھیلاؤ مختلف ہوتا ہے۔ انیسویں صدی کے آخر میں نو قواعدین نے اصول بنایا تھا کہ زبان کا نظام نہایت باقاعدہ ہوتا ہے لیکن لسانی خطوط کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر لفظ کی اپنی تاریخ اور اپنی جدا قلمرو ہے۔

اگر ایسا ہے تو صوتی تبدیلیوں کی باقاعدگی میں تو شبہ پیدا ہوتا ہی ہے تاریخی لسانیات کا بولیوں کی تقسیم کرنا بھی بے سود اور خلافِ واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ گاستاں پاری (Gaston Paris) نے کہا تھا کہ فرنچ میں ایک بولی سے دوسری بولی میں تبدیلی اس حد تک غیر محسوس ہے کہ جنوب کی سمت جائیے تو بولی غیر محسوس طور پر بدلتے بدلتے اطالوی زبان بن جاتی ہے۔

نو قواعدین نے کہا تھا کہ صوتی تبدیلی میں استثنا نہیں ہوتا۔ لسانی جغرافیے کے قاری نے پایا کہ ہر لفظ کی جدا تاریخ ہوتی ہے اصل یہ ہے کہ دونوں قولوں میں مبالغہ ہے لفظ کی تاریخ ہوتی ہے

کیونکہ لفظ فونیم اور مارفیم سے بنتا ہے اور ہر لفظ میں فونیموں اور مارفیموں کے مختلف جوڑ ہوتے ہیں اس لیے اس کا ارتقا مختلف طرح پر ہوتا ہے۔

اگر تمام خاصوں کے لسانی خطوط مختلف ہوتے ہیں تو بولیوں کی تقسیم کس طرح کی جائے کس طرح ایک علاقے کو کسی بولی کا مرکزی علاقہ اور دوسرے کو عبوری یا سرحدی علاقہ کہیں لیکن اس قدر مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ کچھ لسانی خط دوسرے خطوط سے اہم تر ہوتے ہیں اور اہم تر خطوط کی بنا پر بولی کا علاقہ متعین کرتے ہیں۔ اہمیت کی شناخت یہ ہے۔

(الف)۔ جو لسانی خط ایک بڑے علاقے کو دو برابر کے حصّوں میں یا ایسے حصّوں میں بانٹ دے جن میں سے کوئی بہت چھوٹا نہ ہو تو وہ خط زیادہ اہم ہے مثلاً اہلِ اردو میں ق کا تلفظ لیجیے۔ اگر اردو پڑھے لکھوں میں اس آواز کے تلفظ کی بنا پر لسانی خط کھینچے جائیں تو پورا ملک تین حصوں میں بنٹ جائے گا ا۔ نربدا کے جنوب میں ق کا تلفظ خ ہے۔ ب۔ ہریانہ پنجاب اور جموں کشمیر میں اس کا تلفظ ک ہے ج۔ بقیہ ملک میں ق ہے۔ اس طرح یہ لسانی خطوط اہم ہیں۔

(ب)۔ جو خط ایک قابلِ قدر علاقے کو محصور کریں وہ بھی اہم ہیں مثلاً اردو علاقے میں طویل مصوتے کے بعد تشدید لانا ضلع بجنور سے مخصوص ہے اور تنہا اس خاصے کا لسانی خط ضلع بجنور کی ذیلی بولی کی حدود طے کر دیتا ہے۔

(ج)۔ جو خط محض دو چار گاؤں کے کسی مقامی روزمرّہ کی نشان دہی کرے وہ غیر اہم ہے مثلاً مرادآباد میں ۱۰ روپے کو صفری کہتے ہیں اور کسی چیز کو اڑا لینے کو بہاری کرنا۔ یہ دونوں بالکل مقامی محدود اور غیر اہم استعمال ہیں۔ بڑے علاقوں کی تقسیم کرنے والے خط اہم اور چھوٹے علاقوں کی نشان دہی کرنے والے خط کم اہم ہوتے ہیں۔

(د)۔ جس علاقے یا جس حد پر کئی لسانی خطوط کا بنڈل ہو ان کی بہت اہمیت ہے مثلاً شمالی اور وسطی ہند کی ہندوستانی ایک طرف اور جنوبی ہند کی ہندوستانی دوسری طرف ایسے ہی متعدد لسانی خطوط سے منفصل ہوتی ہے۔ شمال میں ق جنوب میں خ۔ شمال میں ماضی مطلق کے لیے محض الف کا لاحقہ، جنوب میں یا کا لاحقہ (چلیا، کہیا) شمال میں ایک لفظ میں دو معکوسی آوازوں کا وقوع ممکن، جنوب میں دو معکوسی آوازوں میں سے پہلی کا متعلقہ غیر معکوسی بندشیے میں بدل جانا مثلاً ڈھونڈ، توڑ، دانٹ، شمال

میں فعل کی مفعول سے مطابقت اور جنوب میں فاعل سے مثلاً

شمال میں — لڑکے نے لڈو کھایا ۔ لڑکی نے لڈو کھایا

جنوب میں — لڑکا لڈو کھایا ۔ لڑکی لڈو کھائی

لسانی خطوط کا یہ اجتماع دکنی اردو کا نشان گر ہے۔ اسی طرح دلّی اور مغربی یوپی کے کھڑی بولی کے علاقے کو بھی متعدد لسانی خط محصور کرتے ہیں مثلاً کہا، رٹا کو، گیا، رَیا کہنا۔ شےِ نےِ اکیرے کہنا۔ گو کو گو (واؤ مجہول سے بولنا) وغیرہ۔

ان اختلافات کے اسباب کا تاریخی اور سماجی مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ پہلے پہلے خیال تھا کہ بولی بڑی باقاعدہ ہوتی ہے اور وہ ماضی کی کسی زبان یا اس کے کسی روپ کی سچی عکاس ہوتی ہے۔ لیکن وینکر کے جرمن لسانی نقشوں کی تیاری کے بعد معلوم ہوا کہ بولیاں، ماضی کے تکلمی روپ کی، موجودہ معیاری زبان سے صحیح ترجمانی نہیں کرتیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت ہے کہ بعض تکلمی خاصے پرانے ہوتے ہیں اور بعض نئے۔

لسانی خط سے متعین کسی خاصے کے علاقے کا ایک عبوری علاقہ ہوتا ہے جس میں دوسرے حریف خاصے کی موجودگی بھی پائی جاتی ہے۔ یہ کیونکر معلوم ہو کہ ان میں سے کون سا خاصہ کس کی طرف کو بڑھ رہا ہے۔ ظاہر ہے عبوری مقام پر اصلاً ایک خاصہ رہا ہوگا دوسرا اس کی سرحدیں در انداز ہوا ہوگا۔ بعض اوقات اطلاعی خود بتا دیتے ہیں کہ دو متقابل خاصوں میں کون سا قدیمی ہے اور کون سا جدید مثلاً ضلع بجنور میں تالے کی چابی کے لیے تالی، چابی اور کنجی تینوں لفظ بولے جاتے ہیں۔ ان میں تالی سب سے زیادہ عام ہے، چابی اس سے کم اور کنجی سب سے کم۔ اب کوئی بھی سمجھ دار اطلاعی بتا دے گا کہ تالی کا لفظ قدیم ہے جو بہ تدریج متروک ہوتا جا رہا ہے اور چابی اس کی جگہ لے رہی ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ پھیلنے والا لفظ جدید ہو اور سکڑنے یا مٹنے والا قدیم اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے مثلاً کھڑی بولی کے علاقے میں جمعرات اور برہسپت دو لفظ رائج ہیں، جمعرات زیادہ، برہسپت کم۔ ان کا علاقہ مختلف نہیں، دونوں ساتھ ساتھ مستعمل ہیں نقشے میں 'جمعرات' کے لیے ایک علامت سے کام لیا جائے گا اور برہسپت کے لیے دوسری سے۔ اس طرح اس نقشے میں جمعرات والی علامتیں زیادہ بار بنائی جائیں گی برہسپت والی کم بار۔ لیکن جائزے سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ تقسیم ملک کے بعد اردو اور اسلامی اثرات کے نحیف ہونے کی وجہ سے

مغربی یوپی میں جمعرات کا استعمال آہستہ آہستہ کم اور برہسپت کا استعمال آہستہ آہستہ بڑھتا جارہا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ برہسپت قدیم تر خاصہ ہے اور جمعرات مقابلتاً بعد کا ہے۔

اگر کوئی خاصہ کسی علاقے میں جستہ جستہ پایا جاتا ہے تو قوی امکان یہ ہے کہ وہ ماضی میں پورے علاقے میں رائج تھا لیکن اب اس کا رواج زیادہ تر مقامات سے اُٹھ گیا ہے مثلاً 'کنے' (بمعنی پاس) کا جائزہ لیا جائے تو ایک طرف وہ رام پور کے علاقے میں ملے گا دوسری طرف بھوپال میں اور شاید حیدرآباد میں بھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ لفظ پورے علاقے میں یا کم از کم اردو بولنے والوں میں رائج رہا ہوگا۔ ہمیں معلوم ہے کہ اٹھارویں صدی میں شمالی ہند کی اردو میں یہ عام تھا۔

اگر کوئی خاص کسی چھوٹے سے علاقے یا نواحی علاقے میں ملتا ہو تو وہ یا تو کوئی فرسودہ روپ ہے یا نیا خاصہ ہے جو ابھرنا شروع ہوا ہے۔ قدیم روپ کی شناخت آسان ہے۔ اسے فرسودہ یا یادگاری روپ (Relic form) کہتے ہیں مثلاً ضلع مرادآباد میں 'تائیں' کا استعمال اور ضلع رام پور میں کنے کا استعمال یادگاری روپ ہے۔ اگر کوئی یادگاری خاصہ کئی لفظوں میں مل جائے تو وہ بڑی دلچسپ مثال ہوتی ہے مثلاً معکوسی ڑ (ड़) کھڑی بولی کے علاقے میں صرف دو لفظوں کے عوامی تلفظ میں ملتا ہے۔

کانڑا (کانا کی بجائے)، اگانڑ (بمعنی مقعد 'گانڈ' کی بجائے)۔ ماضی بعید میں یہ آواز اس علاقے میں عام تھی مثلاً شورسینی اپ بھرنش میں غالباً ان الفاظ میں اسی کی یادگار ہے۔

غالباً حکمت موہن لال رواں کا مصرع ہے ع مستی پابندِ حل نہیں ہونے کی۔ اس میں 'ہوگی' کی جگہ 'ہونے کی' لائے ہیں۔ کھڑی بولی کے علاقے کی بول چال میں اب بھی مستقبل کا صیغہ مصدر کے آخر میں گا لگا کر بنا لیتے ہیں مثلاً 'میں نہیں جانے گا' یعنی 'میں نہیں جاؤں گا۔ اور یہ نحوی روپ یادگاری خاصہ ہے۔ کھڑی بولی میں مشدد الآخر لفظ نہیں ہوتے۔ کھڈ، اجڈ جیسے الفاظ میں ہم کسی قدر تشدید بولتے ہیں اور یہ ماضی کی یادگار ہے کیونکہ پراکرت، اپ بھرنش وغیرہ میں بہت سے لفظوں کے آخر میں تشدید ہوتی ہے۔

بعض اوقات مقامات کے نام فرسودہ روپوں کی نشاں دہی کرتے ہیں مثلاً کھڑی بولی کی مورث زبانوں میں بین المصوتین 'ڈ' پر کوئی قدغن نہ تھی اب یہ نہایت شاذ ہے اور جن الفاظ میں ملتا ہے وہاں مارفیمی اتصال ہوتا ہے مثلاً 'نڈر، سڈول۔ غیر صرفی سانچوں

میں نہایت شاذ ہے۔ ممکن ہے 'گذریا' اس کی تنہا مثال ہو لیکن ضلع بجنور کے دیہات بڈیران، بڈانا اور ہردوار میں بھیم گوڈا ایسے نام ہیں جو بتاتے ہیں کہ ماضی میں یہاں کی بولی میں دو مصوتوں کے بیچ ڈ آسکتا تھا۔

اطلاعی یا علاقائی کارکن کے ذاتی لسانی علم کے علاوہ ایسا کوئی قطعی طریقہ نہیں جو بھولے بھٹکے خاصہ کے بارے میں طے کر دے کہ یہ فرسودہ روپ ہے جدت یا عاریت نہیں۔ بھوپال میں چینی کو بہت سے لوگ قند کہتے ہیں۔ اس لفظ کا لسانی خط بنایا جائے تو بھوپال کے علاوہ اور کوئی مقام اس کے حصار میں نہ آئے گا۔ لیکن یہ کوئی فرسودہ روپ نہیں بلکہ فارس سے عاریت ہے ایک ماہر لسانیات بارٹولی د M. G. Bartoli[1]) نے چھ پیمانے مقرر کیے ہیں جن کی مدد سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دو حریف خاصوں میں کون سا قدیم تر ہے۔ ذیل کے اوصاف قدامت کی دلیل ہیں۔

۱۔ اگر کسی خاصے کے بارے میں تاریخ زبان یا تاریخ سے شہادت ملے کہ وہ قدیم تر ہے۔
۲۔ اگر وہ کسی دور افتادہ تنہا علاقے میں ہو اور یہ دوری جغرافیائی لحاظ سے نہیں سماجی اعتبار سے بھی ہو سکتی ہے مثلاً پردہ نشیں خواتین میں رائج الفاظ یا دوسرے لسانی خاصے مردوں میں رائج حریف خاصے سے قدیم تر ہو سکتے ہیں۔
۳۔ اگر وہ مقامی لحاظ سے ایک افقی علاقے یا پٹی د lateral area) میں پایا جائے۔
۴۔ دو خاصوں میں سے زیادہ بڑے علاقے میں ہو۔
بعد کے آباد شدہ علاقے میں آیا جہاں یہ باہر سے مستعار لیا گیا ہو۔
اگر یہ متروک ہونے کو ہے یا متروک ہے۔

ان اصولوں میں پانچویں اصول کی صحت مشکوک ہے۔ بہر حال یہ اصول آنکھ بند کر کے چسپاں نہیں کیے جاسکتے بلکہ احتیاط کے ساتھ جملہ معلومات کو کام میں لایا جائے تو ان اصولوں سے رہبری ہو گی۔

کوئی خاصہ جب کسی مقام پر پہلے پہلے پیدا ہوتا ہے تو جدت د Innovation)

---

[1] Hall: Introductory Linguistics P259

کہلاتا ہے۔ بعد میں وہ آس پاس اور پھر دور دور مستعار لے لیا جاتا ہے اور پھیلتا جاتا ہے مثلاً دادا بمعنی بدمعاش اور چمچا بمعنی خوشامدی مصاحب تیس سال پہلے بمبئی کے علاقے میں رائج تھے شمالی ہند میں مشکل سے کوئی انھیں جانتا ہوگا۔ اب عام ہو گئے ہیں۔ 47ء میں دلّی میں حکومت کے کسی دفتر نے Refugee کا ترجمہ 'شرنارتھی' کیا۔ میں نے اول اول جب یہ لفظ سنا تو حیران ہوا کہ کیسا مشکل لفظ اختراع کیا ہے۔ بعد میں یہ تیزی سے رائج ہو گیا اور اب کسی اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔ آج کل خواتین کا پاؤں کا ایک لباس 'شرارہ' رائج ہوا ہے جو غرارے سے ملتا جلتا ہے۔ یہ لفظ 'شرارہ' دمِ تحریر جدت کی منزل میں ہے۔

جدید خاصہ کا پھیلاؤ اس قدر علاقائی اعتبار سے نہیں ہوتا جتنا سماجی اور طبقاتی اعتبار سے۔ آج کل کے ذرائع مراسلت کی تیزی نئے خاصے کے سرعت سے پھیلنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ بعض افراد، طبقے یا مقام سماجی، سیاسی یا باشندے ان کے لسانی اجتہادات کی نقل کرتے ہیں اور وہ پھیلتے جاتے ہیں۔ بسا اوقات خاصے کا پھیلاؤ جستہ جستہ جزیروں میں صورت میں ہوتا ہے۔ مثلاً شرارہ کا لفظ ایک بڑے شہر سے دوسرے بڑے شہر میں جائے گا اور بیچ کے دیہاتی اور قصباتی علاقوں کو چھوڑ جائے گا۔

کسی خاصے کا موجودہ مقام اور وقوع اس کے ثقل ترسیل ([illegible] Communication) پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر کسی بہت بڑے نقشے پر ایک علاقے کے تمام اشخاص کے نام کا ایک ایک نقطہ لگایا جائے اور جب بھی کوئی شخص دوسرے سے بات کرے تو ان دونوں نقطوں میں بیچ ایک تیر کا نشان بنا دیا جائے۔ ایک قابل قدر مدت میں تیر کے نشان جتنے گنجان یا چھدرے ہوں گے وہی ثقلِ ترسیل ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص پاس پاس والوں سے زیادہ ترسیل کرتا ہے اور دور والوں سے کم۔ اس لیے ہر خاصہ ایک علاقے میں زیادہ پایا جاتا ہے اور دور کے علاقوں میں کم کم۔ اگر کوئی خاصہ جستہ جستہ علاقوں میں ملتا ہے تو اس کی وجہ ان علاقوں میں باہمی ترسیل و مراسلت ہے۔ بمبئی میں جعل، فریب کو بنڈل، بنڈل بازی کہتے ہیں۔ یہ لفظ بمبئیا اردو میں گنجان شکل میں موجود ہے لیکن جن علاقوں کے لوگوں کا بمبئی والوں سے ملنا جلنا ہے وہاں بھی تھوڑا تھوڑا پایا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ لسانی خطوط دوسرے خطوط تقسیم سے ہم آہنگی کا رجحان رکھتے ہیں۔ سیاسی اور معاشی اسباب ثقلِ ترسیل کو بہت متاثر کرتے ہیں۔ سیاسی حدود اگر اپنے

اندر کے لوگوں کو زیادہ ملاتی جلاتی ہیں تو باہر والوں کو اسی قدر دور دور رکھتی ہیں۔ زبانوں اور بولیوں کی تقسیم اکثر ملکوں، قوموں، صوبوں، ضلعوں وغیرہ کے ساتھ ہم آہنگ ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ ماضی میں جب دور کی مراسلت زیادہ نہ ہوتی تھی تب ایک نئی سیاسی حد پچاس سال میں لسانی اختلاف کی حد بھی بن جاتی تھی اور ایک سیاسی سرحد کے ساتھ ساتھ چلنے والے لسانی خطوط اس سرحد کے مٹ جانے کے دو سو سال بعد تک باقی رہتے تھے۔ 56ء سے پہلے تلنگانہ اور مراٹھواڑہ علاقے ریاست حیدر آباد میں تھے اور دونوں میں دکنی اردو ثانوی زبان کی حیثیت سے رائج تھی۔ اب تلنگانہ آندھرا میں آگیا ہے اور مراٹھواڑہ مہاراشٹر میں۔ دیکھنا ہے اورنگ آباد کی ہندوستانی میں دکنی اثرات کب زائل ہو کر بمبیا بولی کے اثرات سرایت کرتے ہیں۔

سیاسی، جغرافی، مذہبی، معاشی، سماجی ہر قسم کی تقسیم لسانی خاصوں پر اثر انداز ہوتی ہے شمالی یوپی میں جمنا ندی کھڑی بولی اور ہریانوی کی تقسیم کرتی ہے۔ گجراتی ہندو اور گجراتی پارسی کی گجراتی میں فرق ہوتا ہے۔ سماجی اور معاشی طبقوں کی بولی میں بھی فرق ہوتا ہے یعنی ہر قسم کی حد بندی لسانی اختلاف کا باعث ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک گروہ کے افراد اپنے گروہ والوں سے زیادہ ملتے ہیں اور دوسرے گروہوں سے کم لیکن سب سے اہم تقسیم سیاسی ہوتی ہے ایک ملک، ایک صوبے، ایک کمشنری والوں کو متعدد وجوہ سے ایک دوسرے سے زیادہ ملنا ہوتا ہے جب کہ دوسرے ملک یا صوبوں یا کمشنریوں والوں سے کم۔ اسی لیے زبان، بولی، ذیلی بولی کے علاقے اکثر صورتوں میں سیاسی علاقوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ موجودہ صدی میں ذرائع نقل و حمل اور مراسلت کے بڑھنے کے ساتھ سیاسی اور جغرافیائی حدیں کمزور ہوتی جا رہی ہیں جس کی وجہ سے مقامی لسانی اختلافات مدھم ہوتے جا رہے ہیں یعنی ایک خاصہ اپنے علاقے سے باہر نکل کر دور تک پھیل جاتا ہے اور دوسرے حریف خاصوں کو دبا لیتا ہے۔

چونکہ لسانی خطوط کا انتشار بولی اور ذیلی بولی کی حد بندی میں کشمکش و پیچ پیدا کرتا ہے اس لیے جدید رجحان یہ ہے کہ لسانی خواص کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ تہذیبی خواص کے پھیلاؤ مثلاً کہانیاں، توہمات، رسوم، زراعت کے طریقے کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ انھیں محصور کرنے والے خط کو Isogeades یا Isopleths کہتے ہیں۔ ان میں لسانی خطوط بھی شامل ہوتے ہیں۔ یہ Isopleths بولی کے علاقے کی معتبر حد بندی کرتے ہیں مگر

یہ موجودہ سیاسی حدوں کے مطابق نہیں تو بہت ممکن ہے کہ وہ زمانۂ قدیم کی سیاسی حدوں کے عکاس ہوں اور وہ سیاسی حدیں طبیعی یا معاشی بناؤ پر بنی ہوں۔ مثلاً کھڑی بولی کا موجودہ علاقہ یعنی مغربی یوپی عہدِ قدیم کے پانچال دیش کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

خالص لسانی جائزے کے ساتھ اگر سماجی حالات کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ سماجی جغرافی لسانی جائزہ بہت مفید ہوتا ہے۔ Kurath نے انگلینڈ کے لسانی جائزے میں یہی کیا تھا۔ لفظ جغرافیے (Word geography) کے ساتھ غیر لسانی حقوق مثلاً دیہات کی طرزِ ماند و بود، رسوم و رواج وغیرہ کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے تو دونوں میں ہم آہنگی نظر آئے گی مثلاً مکان کی چھتیں کس قسم کی ہوتی ہیں۔ عورتوں کے لباس و زیورات کس وضع کے ہوتے ہیں۔ جہیز، شادی، غمی پر کیا لیا دیا جاتا ہے کیا کیا رسوم ہوتے ہیں۔ ان دونوں قسموں (لسانی اور سماجی) کے ملے جلے مطالعے کو جرمن زبان میں
Warter und sachen (words and things) movement
کہتے ہیں۔ اردو میں ہم انھیں الفاظ و اشیا تحریک کہہ سکتے ہیں۔ ان کے باہم مطالعے سے بعض الفاظ کے ناموں کی اصل بخوبی معلوم ہو جاتی ہے مثلاً جرمن زبان میں دیوار کو wand کہتے ہیں۔ wand بنا ہے مصدر wenden : لپیٹنا سے۔ پہلے زمانے میں ایک قسم کے پیڑوں کی باریک ٹہنیاں مٹی میں ملائی جاتی تھیں اور ان سے دیوار بنا لیتے تھے۔

اردو میں متعدد الفاظ کے نام اور معنی اسی بنا پر معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ کتخدائی اور شادی کا لفظ بیاہ کے معنی میں کیوں ہے یہ ان کے معنی سے ظاہر ہے۔ بیوی کو گھر والی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ گھر کی انچارج ہوتی ہے۔ عورتوں کے لیے شوہر کا باحیات ہونا بڑی خوش قسمتی کی بات ہے اس لیے اسے سُہاگ (سو بھاگیہ) کہا گیا۔ عصرانہ اور ظہرانہ ان طعاموں کو کہتے ہیں جو عصر یا ظہر کے وقت دیئے جائیں۔ چارپائی کو اس کے پایوں کی بنا پر چارپائی کہا جاتا ہے۔ فضلے کو ٹٹی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ پردے (ٹٹی) میں بیٹھ کر خارج کی جاتی ہے۔ بھنگی کو حلال خور اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اتنا گندا کام سر انجام دے کر روزی کماتا ہے۔ کپڑوں کے نام گاڑھا اس کے گاڑھے پن سے، چھینٹ اس کے چھینٹوں جیسے نقش و نگار کی وجہ سے اور کم خواب اس کی کمیابی کی وجہ سے دیے گئے۔

بولی جغرافیے والوں نے متفرق لفظوں کی تاریخ پر خصوصیت سے توجہ کی۔ گلیروں نے

بالخصوص ہم صوت و مختلف المعنی لفظوں کے تعلق میں دلچسپی لی۔ blends
کے علاوہ لسانی جغرافیہ آمیختوں (homophenu) کا بھی دلچسپی سے مطالعہ کرتا ہے۔ یہ ایک قسم کے بقیہ الفاظ ہوتے ہیں جو ماضی میں دو مختلف لفظوں کے اجزا کو ملا کر بنائے گئے مثلاً مغربی جرمنی زبان میں آلو کے لیے دو لفظ Edrapfel اور Grund birne ہیں، انھیں ملا کر تیسرا لفظ Erd biene بنا۔ یا انگریزی میں tiger اور lion کے بچے کو tigon نام دیا گیا۔

حال میں یہ محسوس کیا گیا ہے کہ بولی یا لسانی جغرافیے کو منفرد لفظوں اور خاصوں کی تاریخ دتاویل پر بس نہیں کرنی چاہیے بلکہ زبان یا بولی کے پورے ڈھانچے کی تشکیل کرنی چاہیے۔

بولی جغرافیے کی ایک خدمت یہ ہے کہ اس نے زبانوں کے بے نہایت تنوع کا احساس و عرفان دیا۔ ابتدا میں تاریخی لسانیات کے ماہرین معیاری زبانوں ہی کو اہمیت دیتے تھے اور انھیں کا مطالعہ کرتے تھے۔ لسانی جغرافیے نے بولی کی اہمیت آشکارا کی اور بولی کے گہرے مطالعے کی طرف توجہ منعطف کی۔

ضرورت ہے کہ ہمارے ملک میں سائنسی خطوط پر زبانوں، بولیوں اور ذیلی بولیوں کے اٹیلس تیار کیے جائیں۔ ایک نئے لسانی جائزہ ہند کی سخت ضرورت ہے کیونکہ ہمارے ملک میں میں تو کسی علاقے کی زبان طے کرنے کی بنا پر سر پھٹول ہو جاتی ہے مثلاً چندی گڑھ کی زبان پنجابی ہے یا ہندی، بلگام کی زبان مراٹھی ہے یا کنڑ، گوا کی کونکنی مراٹھی کی بولی ہے کہ آزاد زبان، ڈوگری، میتھلی، راجستھان بولیاں ہیں یا زبان ان سوالوں پر اچھے خاصے مناقشے برپا ہوئے۔ ایک علمی لسانی جائزہ ان قضیوں کے حل میں کتنا مُمِد ہو۔

انیسواں باب

لسانیات کی چند دوسری شاخیں

گذشتہ اوراق میں لسانیات کی بہت سی شاخوں اور موضوعات کا ذکر کیا گیا۔ ان کے علاوہ بھی لسانیات کی کئی دوسری شاخیں ہیں جنھیں ہم نے نظر انداز کیا ہے۔ دورِ حاضر میں لسانیات کے نت نئے شعبے نکل پڑے ہیں۔ دوسرے علوم نے لسانیات کو متاثر کیا جس کی وجہ سے کئی بین العلومی مطالعے رائج ہو گئے۔ بشریات اور لسانیات کے امتزاج سے نسلی لسانیات (ethno linguistics) وجود میں آئی۔ عمرانیات اور لسانیات سے مل کر سماجی لسانیات رونما ہوئی۔ نفسیات نے لسانیات کو نفسیاتی لسانیات دی۔ لسانیات میں ریاضت کا طریقہ اختیار کیا گیا تو ریاضیاتی لسانیات کہلایا۔ ریاضی کی شاخ اعدادیات (statistics) سے لسانیات میں بہت فائدہ اٹھایا گیا۔ اسے اعدادی لسانیات کہہ سکتے ہیں۔ اس کی ایک قسم لسانی زمانیات ہے۔ لسانیات اور آثار قدیمہ یا قدیم تاریخ کے میل سے لسانی عتقیات کا شعبہ تیار ہوا جو لسانیات سے زیادہ تاریخ کے قریب ہے۔ ذیل میں ایسی چند شاخوں پر مختصراً کچھ لکھا جاتا ہے۔

لسانی فردیات (linguistics ontogeny)۔

آنٹوجینی اجسامیات (Biology) کی شاخ ہے اس اصطلاح کا استعمال کے قریب کیا گیا۔ اسے embryology کے قریب سمجھنا چاہیے۔ اس میں فرد کے جسمانی آغاز وارتقا پر بحث کی جاتی ہے۔ ڈاکٹری کی اس اصطلاح کی مماثلت پر فرد

کے لسانی عمل کے ارتقا کو 'لسانی فردیات' کہہ سکتے ہیں۔ اس میں دیکھا جاتا ہے کہ انسانی شیر خوار کس طرح زبان کا اکتساب کرتا ہے اور آخر عمر تک اس کی زبان دانی میں کیا کیا ارتقا ہوتا ہے۔

زبان کے بنیادی کام دو ہیں (1) جذبات کا اظہار (2) خیالات کی ترسیل۔ زبان سیکھنے سے پہلے بچہ ان نمایات کو قبل لسانی اشاروں سے حل کرتا ہے۔ ماں کی گود میں لیٹے ہوئے وہ ہاتھ اور منھ کو ادھر اُدھر پھینک کر پستانِ مادر کا سرا تلاش کرتا ہے۔ شروع میں ماں کی مدد سے اور بعد میں خود ہی اس مہم میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ یہ اشارہ ہے اس تصور کا مجھے بھوک لگی ہے۔ میں دودھ پینا چاہتا ہوں۔" اس کے علاوہ وہ رو کر بھی اس خواہش کو ظاہر کر دیتا ہے۔ وہ نیچے گر پڑتا ہے یا اس کا ہاتھ پاؤں دب جاتا ہے تو وہ یکا یک زور سے روتا ہے۔ پیٹ میں درد ہوتا ہے تو مسلسل ایک لے سے روتا ہے۔ اس طرح رونے کے مختلف سُروں یا سُر لہروں سے وہ اپنے مختلف جذبات اور خیالات کی ترسیل کر دیتا ہے۔ دوسرے پہچانیں یا نہ پہچانیں ماں رونے کے ان تمام اسالیب کا فرق اور مفہوم جانتی ہے۔

وہ بھی تو ماں کے اشاروں کو سمجھتا ہے۔ ماں پستان کو اس کے منھ سے نکال کر اسے سیدھا کر کے لٹا دیتی ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ ماں کہہ رہی ہے "بس اب کافی دودھ پی لیا۔ اب بند کرو"۔ ماں چارپائی پر پیڑھے پر بیٹھ کر اپنی دونوں ٹانگیں آگے کر کے ان پر بچے کو بٹھاتی ہے تو یہ اشارہ ہوتا ہے کہ "اب ٹٹی یا پیشاب کر لو"۔ پیشاب کے لیے تو ایک مخصوص اشارہ بھی ہے۔ بچے کو پاؤں پر بٹھا کر ماں "شوشو" یا "شی شی" کی آواز نکالتی ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ مجھے کہا جا رہا ہے 'سو جاؤ'

اکتساب زبان کے دو مختلف احاطے ہیں۔ انگریزی میں انھیں Receptive اور Reproduction کہتے ہیں۔ پہلے میں بچہ اپنی زبان کے الفاظ سنتا ہے یا ابتدائی کتاب میں پڑھتا ہے اور اُن کا مفہوم سمجھتا ہے۔ اسی طرح کوئی بچہ یا بالغ دوسری زبان کے الفاظ سیکھتا ہے یا بیشتر صورتوں میں کتاب کے ذریعے پڑھتا ہے۔ اسے تحصیلی (Receptive) حصہ کہیں گے۔ دوسرا دائرہ وہ ہے جب اپنی زبان یا غیر زبان کے ذخیرۂ الفاظ کو بولا یا لکھا جائے۔ اسے تخلیقی (Reproductive) حصہ کہیں گے۔ اس کے لیے زبان پر زیادہ قدرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ دونوں دائرے

زیادہ تر مشترک ہوتے ہیں لیکن تحصیلی دائرہ کسی قدر بڑا ہوتا ہے۔ آدم زادہ سُن یا پڑھ کر (یعنی تحصیل کر کے) بہت سے الفاظ یا مفاہیم سمجھ لیتا ہے لیکن خود انھیں کلام میں استعمال کرنے پر قادر نہیں ہوتا مثلاً میں ریڈیو پر پنجابی کی خبریں 100٪ اور ڈوگری کی خبریں کوئی 75٪ سمجھ لیتا ہوں لیکن ان زبانوں کو بول نہیں سکتا یعنی ان پر میرا تحصیلی عبور تو ہے تخلیقی عبور نہیں۔

شروع شروع میں بچے کے ساتھ بھی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ وہ بولنے سے پہلے ہی کچھ الفاظ سمجھنے لگتا ہے مثلاً ماں باپ اس کی طرف دونوں ہاتھ بڑھا کر 'آ' کہتے ہیں تو وہ دونوں ہاتھوں کے بڑھے ہونے سے فعلِ امر 'آ' کا مفہوم سمجھ لیتا ہے اور اسے صوتی اظہار 'آ' کے ساتھ وابستہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ کوئی گندا کام کرتا ہو اور والدین اسے ہاتھ یا گردن کے اشارے سے روکیں تو وہ اشارے ہی کو سمجھ جاتا ہے لیکن ساتھ ہی ماں نے اگر 'نا' بھی کہا ہو تو وہ 'نا' میں نہی کا مفہوم گرفت کرنے لگتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ تین چار پانچ مہینے کے بچے جب بولنا نہیں جانتے گھر والوں کی زبان کے بہت سے الفاظ اور جملوں کے معنی سمجھ لیتے ہیں۔

بچہ زبان کو نقل کے عمل سے سیکھتا ہے۔ وہ شروع میں ایک یا دو آواز کے صوت رکن بولتا ہے۔ یہ رکن یا تو ایک طویل مصوتے مثلاً 'آ' پر مشتمل ہوتے ہیں یا ایک مصمتے اور ایک طویل مصوتے پر۔ اکثر یہ مصمتہ دولبی ہوتا ہے۔ چونکہ وہ دونوں ہونٹوں سے پستان چوستا ہے اس لیے دولبی آوازوں کے ادا کرنے پر زیادہ قادر ہوتا ہے۔ شروع میں شاید بندشی مصمتوں کی نسبت انفی مصمتہ ادا کرنا اس کے لیے سہل تر ہوتا ہے کیونکہ اس کے لیے خلائے بینی کو بند نہیں کرنا پڑتا۔ اس لیے بچے کے لیے سب سے اہم اور سب سے پہلا لفظ ما، ماں، ماما وغیرہ دولبی انفی مصمتے م سے بنتا ہے۔ اس کے بعد وہ خلائے بینی کو بند کر کے بولنا سیکھتا ہے تو ب، پ کی آواز نکالتا ہے اور اس طرح ماں کے بعد باپ کا نمبر آتا ہے جسے بابا، پاپا وغیرہ کہہ دیا جاتا ہے۔ تیسری ضرورت پانی کی طلب ہے۔ بچکانہ بولی میں اُسے 'مم'، عربی میں 'ما' اور فارسی میں 'آب' کہا جاتا ہے گویا پنگوڑے کے ابتدائی الفاظ م، ب، پ کی تکرار سے بنتے ہیں۔ ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری[1] نے ایک بچی کا

---

[1] بھاشا وگیان (ہندی) از ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری ص 461

مشاہدہ کیا اور ابتدائی آوازوں کو مختلف پایا مثلاً شروع میں وہ 'کہاں کہاں' کہتی تھی پونے دو مہینے پر 'گھی گھی'، پونے تین مہینے پر 'اگھی ڑرے ڑرے'، 'ہیاں'، 'انگ'، 'اہم' وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ پونے دو مہینے کا بچہ ہجائی اصوات ادا نہیں کر سکتا۔ ڈاکٹر تواری نے بچے کے رونے کو مماثل مصمتوں اور مصوتوں پر منطبق کر دیا۔ واضح ہو کہ ابتدا میں بچہ صرف دو ماترا کے رکن ہی ادا کرتا ہے جو طویل مصوتے پر ختم ہوتے ہیں۔

شروع شروع میں بچے کے عضلاتِ نطق پیچیدہ جنبشوں پر قدرت نہیں رکھتے۔ بچے کا سامعہ بھی مختلف آوازوں میں امتیاز نہیں پاتا اس لیے اس کے ادا کیے ہوئے مصمتوں میں بہت سے ضروری فرق نہیں پائے جاتے۔ وہ مصیبتیت کے امتیاز پر قادر نہ ہو کر 'پ'، 'ب'، دونوں کو ان میں سے کوئی ایک مصمتہ بول دیتا ہے۔ اسی طرح بندشی اور انفی مصمتے میں فرق نہ کر کے 'پ'، 'م' کی جگہ یا 'پ'، یا 'م'، بول سکتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ادائے لفظ کے لیے کئی سہل ترکیبیں استعمال کرتا ہے مثلاً

الف۔ ایک آواز کے لیے دوسری سہل تر آواز کا استعمال مثلاً میں بچپن میں 'چڑیا' کو 'دڑیا' کہتا تھا۔ اس طرح میں 'چ' کو ادا کرنے سے بچ جاتا تھا۔ یا میرے بچوں نے 'پراٹھا' کو 'بادا'، یا 'رُکنا' کو 'دھننا' کہا ہے۔ ان کے لیے یہی تلفظ سہل رہا ہوگا۔

ب۔ لفظ کے ایک جزو کو پورے لفظ کے لیے استعمال کرنا مثلاً میری بچی 'شمتا'، 'کوتا'، اور 'کوّا'، 'کو'، 'وا' کہتی تھی اور ہم اسے سمجھتے تھے۔

ج۔ وہ ایک لفظ کو پورے جملے کے معنی میں استعمال کرتا ہے مثلاً 'دودھ' کے معنی 'دودھ پلاؤ'۔

آہستہ آہستہ بچہ ادائے اصوات پر زیادہ قادر ہوتا جاتا ہے اور مختلف نقاطِ تلفیظ اور طریق ہائے تلفیظ میں فرق کرنے لگتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس کا ذخیرۂ الفاظ بڑھتا جاتا ہے۔ والدین کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ وہ بچے کے تمام ابتدائی الفاظ کے معنی سمجھتے ہیں لیکن شاید نہ وہ پوری طرح سمجھ پاتے ہیں نہ بچہ ادا کر پاتا ہے۔ آہستہ آہستہ وہ اپنی بات کو بہتر طریقے سے ادا کرنے کی جدّ و جہد کرتا ہے۔

اب بچہ قواعد سیکھنا شروع کرتا ہے۔ ابتدا میں وہ بل اور سُر لہر کو نظر انداز کرتا ہے لیکن بعد میں بڑوں کی نقل میں لفظ میں بل پیدا کرنے لگتا ہے یعنی کب 'ماما' کے لفظ کو

سپاٹ بیانیہ انداز میں کہا جائے اور کب ندائیہ لہجے میں یوں کہا جائے کہ آخر میں صوت درجہ بلند ہو۔ ابتداً وہ دونوں کو ایک سُر لہر سے بولتا ہے لیکن جب وہ پکارنے کے لیے مختلف سُر لہر سے بولتا ہے تو اس کے ذہن نے نہ صرف صوتیات بلکہ قواعد کی طرف بھی ایک مزید قدم اُٹھایا۔ آہستہ آہستہ وہ مارفیمات سے واقف ہونے لگتا ہے۔ بڑے اس کی غلطیوں کو مسلسل درست کرتے رہتے تھے اور وہ بھی بڑوں کی نقل سے سیکھتا ہے مثلاً وہ that کی جمع thease کہے یا "کتا آیا" کی بجائے "کتا آئی" کہے تو بڑے اس کی تصحیح کر دیں گے۔

ذخیرۂ الفاظ کی تحصیل کی کیفیت یہ ہے کہ والدین اُسے براہِ راست طریقے سے لفظ سکھاتے ہیں مثلاً "کتے" کو دکھا کر اس کے لیے لفظ کتا یاد کرا دیا جاتا ہے۔ ناک کان ہاتھ وغیرہ کو چھو کر بتاتے ہیں بہت سی اشیا کی تصویر دکھا کر سکھاتے ہیں بعد میں راست تعلق کے بغیر طویل بیان کے ذریعے بھی بہت سے الفاظ سکھائے جاتے ہیں۔

عام بچہ چار سے لے کر چھ برس تک کی عمر میں اپنی مادری زبان پر پوری قدرت حاصل کر لیتا ہے۔ شاذ ایسے بچے ہوتے ہیں جو اس عمر تک بھی بعض آوازوں کو غلط بولتے ہیں ہندوستانی بچوں کو بیرونی زبانوں سے مستعار آوازوں ف، ق، غ، خ، ز نیز ش کو صحیح کرنے کے لیے بڑا وقت لگتا ہے جو بچے اردو نہیں پڑھتے وہ اُن میں سے بعض آوازوں کو عمر بھر صحیح نہیں بول پاتے۔

چار پانچ سال کی عمر کے بعد زبان سیکھنے میں اصل کام ذخیرۂ الفاظ کا بڑھانا ہے۔ واضح ہو کہ بچے ماں باپ ہی سے زبان نہیں سیکھتے وہ اپنے سے بڑے بچوں نیز اپنے ساتھ کے بچوں سے بھی بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ الفاظ سیکھنے کا عمل عمر بھر جاری رہتا ہے لیکن بچوں میں نئے الفاظ اور زبان سیکھنے کی جو صلاحیت ہوتی ہے وہ عمر کے ساتھ کم ہوتی جاتی ہے مثلاً چار پانچ سال کے بچے کو کسی دوسری زبان کے علاقے میں بھیج دیا جائے تو وہ دوسری زبان کو اہلِ زبان کی طرح سیکھ لے گا (اور غالباً اپنی زبان کو بہت کچھ بھول جائے گا) لیکن بڑی عمر والے لڑکے لیے دوسری زبان کو اہل زبان کی طرح سیکھنا ممکن نہیں۔ ہاکیٹ[1] نے لکھا ہے کہ 19 سال تک کی امریکی لڑکی اور 25 سال تک کا لڑکا اگر اپنی بولی کے علاقے سے دور جا کر انگریزی کی کسی دوسری بولی کے علاقے میں جا بسیں تو وہ نئی بولی

---

[1] Hocket: Course P361

کے بل اور سُر لہر کو اختیار کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ عمر کے بعد نئے لہجے پر عبور پانا دشوار ہے
راقم الحروف کا مشاہدہ ہے کہ جموں میں میرا بارہ سال کا لڑکا پنجابی لفظوں اور جملوں کو
پنجابی لہجے کے ساتھ بول لیتا ہے لیکن وہ پنجابی سُر لہر کے ساتھ ادا نہیں کر سکتا تھا حالانکہ میں
انھیں سمجھ پوری طرح لیتا ہوں۔

لسانی ضروریات میں بچے ہی کے زبان سیکھنے کے عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ بڑے ہونے
پر آدمی کی زبان میں جو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں وہ لسانی تبدیلی کے عام قواعد یعنی صوتی، صرفی
معنوی تبدیلی وغیرہ کے مطابق ہی ہوتی ہیں۔ ان کا مطالعہ لسانی تغیر کے تحت کیا جاسکتا
ہے۔ ان کے علاوہ انسان کتابوں اور اساتذہ سے اپنی زبان کے مزید الفاظ نیز نئی زبان
بھی سیکھتا ہے۔ باقاعدہ درس کے ذریعے عمر کے مختلف حصوں میں مختلف زبانیں سیکھی
جاسکتی ہیں لیکن ان کو اہلِ زبان کے لہجے میں بولنا مشکل ہوتا ہے۔

لسانی عتقیات[1] (Linguistic Palaentology)

اس کے معنی ہیں قدیم تاریخ کی کھوج کی وہ شاخ جس میں لسانیات سے مدد لی جائے۔
اس طرح یہ علم لسانیات سے زیادہ تاریخ کے حصار میں آتا ہے چونکہ اس میں لسانیات
ایک آلۂ کار اور تاریخ منزلِ مقصود ہے۔ اس مطالعے کی بنا ماہر لسانیات میکس مُلر
نے ڈالی اور اصل ہند یورپی زبان کی مدد سے آریوں کے اصلی وطن کو طے کرنے کی کوشش
کی۔ بعد میں دوسرے علما نے بھی لسانیات کو اسی مقصد کے لیے استعمال کیا۔ لسانیات
کی اس شاخ کے مفید اطلاق کے لیے چند دوسرے علوم سے واقفیت رکھنی بھی ضروری ہے
ان میں جغرافیہ سب سے اہم ہے اس کے علاوہ آثارِ قدیمہ، ارضیات اور بشریات
(Anthropology) خاص ہیں۔

اس کا طریقِ کار یہ ہے کہ باز تشکیل اور تقابلی مطالعے کے طریقوں سے کسی زبان کے
خاندان کے قدیم ترین الفاظ دریافت کیے جاتے ہیں۔ ان لفظوں کو مختلف گروہوں میں
بانٹ دیتے ہیں اور ان گروہوں کے مطالعے سے اس زبان کے اصلی وطن کی شناخت اور

---

[1] یہ بیان ڈاکٹر بھولاناتھ تواری کی کتاب بھاشا وگیان سے ماخوذ ہے۔

اس کی خصوصیات معلوم کی جا سکتی ہیں۔ دریاؤں، پہاڑوں، پھولوں، پیڑوں اور جانوروں کے ناموں سے نہ صرف یہ کہ اس زبان کے اصل مقام کا پتا چلتا ہے بلکہ اس لسانی گروہ کی مختلف مقامات پر ہجرت اور اس زبان کی مختلف شاخوں کا بھی علم ہو جاتا ہے۔ مذہبی اور سماجی الفاظ سے اس قوم کے عقائد، رسوم اور معاشی حالات کا اندازہ ہوتا ہے۔

قدیم ترین الفاظ کی تعیین کرتے وقت ذیل کے امور کا دھیان رکھنا چاہیے۔

1- جس خاندان کے اصل روپ کی تشکیل کرنی ہو اس کی موجودہ زبانوں کے علاوہ پرانی شاخوں کے الفاظ بھی سامنے رکھنے چاہئیں مثلاً ہند حتی کے لیے حتی اور طخاری الفاظ کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔ ہر قدیم لفظ قابلِ غور ہے۔

2- ایک لفظ قریبی شاخوں میں ملے تو یہ ضروری نہیں کہ یہ اصل زبان کا ہے لیکن اگر ایک لفظ دور کی شاخوں میں ملے اور اتنے قدیم زمانے میں ملے کہ ان دو شاخوں میں کوئی معاصرانہ ارتباط ممکن نہ تھا تو قوی امکان ہے کہ وہ اصل زبان کا ترکہ ہے مثلاً اگر کوئی لفظ سنسکرت اور آئرلینڈ کی کلٹی زبان میں مشترک ہو تو خاصا امکان ہے کہ وہ قدیمی ہے۔ بہر حال اس سلسلے میں ہر قسم کی احتیاط کی ضرورت ہے۔

3- دو زبانوں یا شاخوں میں ایک لفظ ملے لیکن صوت یا معنی میں سے کسی ایک میں اختلاف ہو تو اسے فوراً نظر انداز نہ کر دینا چاہیے۔ صوتی اختلاف کی تاویل اگر صوتی قوانین سے ہو سکے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے ہم اتفاق جزوی مماثلت قرار دے کر نظر انداز کر سکتے ہیں۔ معنی کے اختلاف کی جانب غیر لسانی علوم سے رہ نمائی ہو گی مثلاً فارسی میں 'مرغ' کے معنی ہیں پرندہ۔ سنسکرت میں صوتی حیثیت سے اس کے ساتھ کا لفظ 'مرگ' ہے جس کے معنی 'ہرن' ہیں۔ اس اختلافِ معانی کے باوجود دونوں لفظ اصلاً ایک ہیں۔ اس کے برعکس سو اور hundred صوتی اعتبار سے مختلف لیکن معنوی اعتبار سے یکساں ہیں۔ ان دونوں کی اصل بھی ایک ہے۔

4- اگر ایک لفظ ایک بہت قدیمی شاخ میں ہے لیکن دوسری قدیمی شاخ میں نہیں تو اس کے یہ معنی لازماً یہ نہیں کہ وہ سب کی مشترک مورث زبان میں نہ تھا۔ تحقیق کر کے ہی فیصلہ کرنا چاہیے مثلاً سنسکرت، اوستا اور یونانی میں سے کوئی لفظ صرف ایک ہی میں ملے تو زیادہ امکان تو یہی ہے کہ وہ مقامی پیداوار ہے لیکن تھوڑا سا

امکان یہ بھی ہے کہ اصل میں رہا ہو، ایک قدیم شاخ میں محفوظ رہ گیا بقیہ میں سے جاتا رہا۔

5۔ اگر کسی سلسلے کے کئی الفاظ ملتے ہوں لیکن ایک دو نہ ہوں تو امکان ہے کہ وہ بھی رہے ہوں گے لیکن اب ضائع ہو گئے۔ مثلاً ناک، کان، منھ، آنکھ ہاتھ وغیرہ کے لیے اگر کسی اصل زبان کے الفاظ کی تشکیل ہو سکے لیکن پاؤں کے معنی کا لفظ برآمد نہ ہو سکے تو گمانِ غالب یہ ہے کہ یہ لفظ بھی رہا ہو گا لیکن اس تک ہماری رسائی نہ ہو سکی۔

اور قدیم الفاظ کے ملنے کے بعد ان سے نتیجہ اخذ کرتے وقت ذیل کی احتیاط مفید ہو گی۔

ا۔ ایک قدیم لفظ ملے لیکن اس کے لازمی متعلقات نہ ملیں تو شبہ ہوتا ہے مثلاً گھوڑا کا لفظ لیکن سواری، چال وغیرہ کے لفظ نہ ملیں یا آگ کا لفظ ہو اور جلنا کا لفظ نہ ہو تو دوسرے علوم کی مدد سے مزید غور کرنا چاہیے۔

ب۔ پیڑ، پھول، جانوروں، ندیوں، پہاڑوں، موسموں وغیرہ کی بنا پر زبان کے بولنے والوں کا اصل وطن طے کرتے وقت غیر معمولی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ارضیات، علم الحیوانات، علم النباتات اور قدیم جغرافیے سے مدد لینی چاہیے۔ وقت کے ساتھ ان میں بڑی تبدیلی ہو گئی ہے۔

ج۔ تہذیبی اور مذہبی حالات کو دریافت کرتے وقت ان سے متعلق علوم پر بھی نظر رکھنی چاہیے مثلاً خدا یا دیوتا کے مفہوم کا لفظ اصل زبان میں ملے اور ہم اس سے واحد اور قادرِ مطلق خدا کا مفہوم نکال لیں تو صحیح نہ ہو گا کیونکہ بہت قدیم انسان کو نادیدہ قادرِ مطلق کا تخیل نہیں ہو سکتا۔

اور مفرد الفاظ کے علاوہ قدیم زبانوں کے پھیلاؤ، علاقے، وجود اور عدم وجود سے بھی بہت سے تاریخی نتیجے نکالے جا سکتے ہیں۔ لسانی عتیقیات کے ذریعے قدیم ہند یورپی زبانوں کا مطالعہ کیا گیا اور آریوں کے قدیم وطن کے بارے میں علما نے کچھ نتیجے نکالے۔ ان کی جانب اشارہ یہاں بے محل نہ ہو گا۔

ڈاکٹر سمپورنانند اور بعض دوسرے علما نے ہندوستان کو آریوں کا وطن قرار دیا لیکن لسانیات کی اس تردید کرتی ہے کیونکہ ہند یورپی زبانوں کا پھیلاؤ شمالی ہند،

افغانستان اور ایران میں ہے اور اس کے بعد سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لیکن قدیم عہد میں وسط ایشیا اور ترکی میں بھی کچھ ہند یورپی یا ہند حتی زبانیں بولی جاتی تھیں۔ اس کے آگے یہ زبانیں یورپ میں ملتی ہیں۔ قرین قیاس نہیں کہ اس وسیع و عریض قلم رو کا مرکز ایک کونے پر ہند رہا ہو۔ ہند کے آریائی وطن نہ ہونے کے خلاف سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ ہندوستان کی سب سے قدیم تہذیب آریائی نہیں۔ شمالی ہند کی قدیم ترین تہذیب وادیٔ سندھ کی ہے۔ اس کی زبان اور اس کی تہذیب غیر آریائی ہے۔ پھر سارے ہند میں آریائی زبانیں نہیں بلکہ آریائی علاقے میں براہوی (بلوچستان) گونڈ وغیرہ دراوڑی زبانیں اور چھوٹا ناگپور میں منڈا زبانیں ملتی ہیں جو ہند آریائی سے کم ترقی یافتہ اور قدیم تر ہیں۔

الفاظ کی بنا پر یوں فیصلہ کیا گیا کہ قدیم ہند یورپی زبانوں میں برف کا بہت ذکر ملتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہندوستان جیسا گرم ملک تو آریاؤں کا وطن ہو ہی نہیں سکتا۔ گائلز نے طے کیا کہ قدیم آریہ گائے، بیل، بھیڑ، گھوڑے، کتے، بھیڑیے، سور، ریچھ، ہرن وغیرہ سے واقف تھے لیکن ہاتھی، گدھے، شیر، چیتے اور اونٹ سے واقف نہ تھے۔ پیڑوں میں وہ ولو (willow) برچ (birch) اور beech سے واقف تھے جن کی بنا پر گائلز نے بلقان کے اوپر الپس کے مغرب میں یعنی ہنگری کے لگ بھگ آریوں کا مرکز طے کیا۔

براندے ستائن نے معنیات کی مدد سے فیصلہ کیا کہ آریوں کا مقام یورال کے مشرق میں کیرغیز کے میدانوں میں تھا۔ وہاں سے پہلے ایک شاخ ہند ایران میں گئی اور بعد میں دوسری شاخ یورپ میں کیونکہ ان دونوں شاخوں کے الفاظ کے مقابلے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہند ایرانی شاخ کے الفاظ زیادہ قدیم ہیں مثلاً پتھر کے معنی میں سنسکرت میں لفظ دگراون ہے جو سوم رس نچوڑنے کے کام آتا تھا۔ قدیم انگریزی میں یہ cweorn، بعد کی انگریزی میں quern، ڈچ میں Kwern اور ڈینش میں Kvaern ہے۔ اصل ہند یورپی میں یہ gweran یا gwern ہے۔ ظاہر ہے کہ سنسکرت لفظ یورپی الفاظ کے مقابلے میں اصل ماخذ سے زیادہ مماثل اور اس لیے قدیم تر ہے۔ اس قسم کے دوسرے الفاظ سے بھی دونوں شاخوں کی قدامت کا تقابل کیا جا سکتا ہے۔

لسانی عتیقیات کا اطلاق ہند یورپی زبانوں ہی پر کیا گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ دراوڑی نیز ریڈ انڈین زبانوں کو لے کر بھی لسانی عتیقیاتی مطالعہ کیا جائے۔

نسلی لسانیات (Ethnolinguistics) یا بشریاتی لسانیات

بشریات (anthropology) کا موضوع انسان ہے۔ نام کے مطابق تو اس علم میں انسان سے متعلق جملہ علوم کو شامل ہونا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہے۔ ہو بھی نہیں سکتا یہ قبل تاریخ انسان کا اور موجودہ پس ماندہ انسانوں ہی کا مطالعہ کرتی ہے۔ نسلی لسانیات بشریاتی نقطۂ نظر سے لسانیات کا مطالعہ ہے جس میں کسی نسل کی زبان کو اس کی ثقافت کے پس منظر میں دیکھا جاتا ہے۔ بشریات کے دو خاص شعبے بسریات اور ثقافتی نشریات کے ہیں طبعی بشریات میں انسانی نسل کے اور نسلی تقسیم کو دیکھا جاتا ہے۔ ثقافتی بشریات میں پچھڑے ہوئے قبیلوں کی معاشرت کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

طبیعی بشریات کا لسانیات سے کوئی تعلق نہیں بجز یہ تسلیم کرنے کے کہ نسل اور وراثت کا زبان سے کوئی پیدائشی رشتہ نہیں ہوتا یعنی نسلی وراثت کسی شخص کی زبان کے ڈھانچے کو متعین نہیں کرتی۔ ثقافتی بشریات اہلِ لسانیات کے نقطۂ نظر کو وسیع کرتی ہے۔ یورپ میں لسانیات کا ارتقا فائلالوجی سے ہوا جہاں لسانیات کو ادب کی توسیع سمجھا گیا امریکہ میں لسانیات نے بشریات سے نشوونما پائی جہاں مختلف ریڈ انڈین قبائل کی زبان کا مطالعہ کیا گیا۔

ساخت کے اعتبار سے پس ماندہ زبانوں میں بڑے اختلافات ملتے ہیں۔ ترقی یافتہ زبانوں میں اسم و ضمیر کی جنس، تعداد اور حالت اور فعل کے زمانے اور تعداد کو جتنی قطعیت سے ادا کیا جاتا ہے ابتدائی زبانوں میں کہاں تھا۔ ملائے جیسی ترقی یافتہ زبان ان امور میں کتنی پچھڑی ہوئی ہے۔ بہت سی قبائلی زبانوں میں قواعدی رشتوں کو ادا کرنے کے لیے چسپیے نہیں ہوتے بلکہ محض مقام سے ظاہر کیا جاتا ہے کہ کون سا لفظ فاعل ہے کون سا مفعول۔ قواعد کی بنا پر زبانوں کی مرکبی اور تحلیلی میں تقسیم مشہور رہے۔ بعد میں انھیں غیر ترکیبی، شمولی، امتزاجی اور تصریفی میں تقسیم کر دیا گیا۔ قبائلی زبانوں میں زیادہ تر شمولی اور کچھ امتزاجی ہیں۔ تصریفی تو کوئی ہے ہی نہیں۔

پچھڑی ہوئی زبانوں میں مفاہیم کو ادا کرنے میں تعمیم ہوتی ہے تخصیص نہیں مثلاً ریڈ انڈین زبان میں توڑنے، پھاڑنے، کاٹنے، دانتوں سے کترنے کے لیے الگ الگ الفاظ نہیں ایک ہی لفظ ہے جس کے معنی 'کاٹا جانا' ہے 'توڑنے' کو وہ دباؤ سے 'کاٹا جانا'، پھاڑنے کو کھینچنے سے 'کاٹا جانا'، کاٹنے کو 'کاٹنے سے کاٹا جانا' کہتے ہیں۔ ریڈ انڈین Hanna زبان میں بیانی الفاظ کا اور زیادہ اضافہ کیا جاتا ہے۔ ان زبانوں میں فعل کے مقابلے میں اسما کو ظاہر کرنے والے الفاظ میں نسبتاً زیادہ تخصیص ہوتی ہے اور اگر نہیں ہوتی تو ان میں بھی تخصیصی فقروں کا اضافہ کر لیا جاتا ہے مثلاً ہماری زبان میں دیکھیے چیز، بات کتنے عمومی اسم ہیں۔ ان میں فقروں کے اضافے سے مفہوم کو محدود کر لیا جاتا ہے کھانے کی چیز، پینے کی چیز وغیرہ۔

لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ابتدائی زبانوں میں مفاہیم ترقی یافتہ زبانوں کی نسبت عمومی ہی ہوتے ہیں۔ ان کی تہذیب میں جن اشیا کی اہمیت ہوتی ہے ان کے بارے میں طرح طرح کی تفصیلات ملتی ہیں مثلاً چونکہ ہمارے میدانی علاقوں میں آسمان سے برف نہیں گرتی اس لیے ہم نے قیاس کر لیا کہ مشینی برف اور بارانی برف یکساں ہیں اس لیے دونوں کو ایک لفظ 'برف' سے ادا کیا۔ انگریزی میں ان دونوں کی تخصیص ہے لیکن اسکیمو زبانوں میں برسنے والا برف، زمین پر نرم برف، پھسلنے والا برف، بہنے والا برف، میٹھے پانی کا برف، نمکین پانی کا برف، یہ سب علیحدہ تصورات ہیں اور سب کے لیے علیحدہ الفاظ ہیں۔ ہندوستانی زبان میں گھوڑے کے لیے ایک لفظ ہے لیکن جن اقوام میں گھوڑے کی سواری میں خاص دلچسپی لی جاتی ہے ان کی زبانوں میں گھوڑے کے رنگ، جنس اور چال وغیرہ کے اعتبار سے مختلف الفاظ ہوتے ہیں۔ شمالی امریکہ کی چک چی زبان میں رین ڈیر کی مختلف اقسام کے لیے مختلف الفاظ ہیں۔ جس طرح حیوانات کی ہر آواز کئی تصورات و جذبات کو ادا کرتی ہے اسی طرح ابتدائی زبانوں میں ایک ایک لفظ بہت سے عمومی اور پھیلے ہوئے تصورات کو ادا کرتا تھا لیکن جن شعبوں میں ان کی کلچر کو دلچسپی ہوتی ہے ان میں تخصیص سے کام لیا جاتا تھا۔

مفاہیم کے زمروں سے اس زبان کی تہذیبی صورت حال کا اندازہ ہو جاتا ہے مثلاً رشتوں کے الفاظ کو دیکھیے کہ ان میں عمر، جنس، پشت کے لحاظ سے تفریق کی گئی ہے یا نہیں کی گئی۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس معاشرے میں کسی رشتے کی اہمیت ہے کس کی نہیں

انگریزی کے Aunt، Uncle اور Cousin کے مقابلے میں دیکھیے ہماری زبانوں میں کس قدر تفصیل ہے۔ وہاں سالے اور بہنوئی دونوں کے لیے ایک لفظ ہے۔ ہمارے یہاں بہن کے دینے اور لینے میں بڑا فرق ہے اس لیے دونوں کے لیے علیحدہ الفاظ ہیں بہن اور بیٹی کو دینا اتنی سُبکی کی بات ہے کہ سالا اور سسرا جو رشتے کے الفاظ ہیں گالی کے مترادف ہو گئے ہیں۔ ہماری زبان میں باپ کے بڑے اور چھوٹے بھائی کے لیے مختلف الفاظ ہیں لیکن اپنے بڑے یا چھوٹے بھائی کے لیے نہیں۔ بعض زبانوں میں ان دونوں میں بھی فرق کیا جاتا ہے مثلاً سنسکرت ہندی کا لفظ انج دیکھیے جس کے معنی چھوٹے بھائی ہیں۔ ماموں اور چچا میں فرق کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں یہ فرق سماجی اعتبار سے اہم ہے جن قوموں میں رشتے داروں سے کم سروکار رہتا ہو وہاں بہتوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنے کا رجحان ہو گا۔

کلچر اور زبان کا گہرا تعلق اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کوئی قبیلہ جدید تمدن سے ارتباط میں آتا ہے اور نئے تصورات حاصل کرتا ہے تو اس کی زبان بھی انھیں ادا کرنے کی صلاحیت پیدا کر لیتی ہے۔ یہ راز مشنریوں کو بخوبی معلوم ہوتا ہے عموماً قبائلی لوگ واقعی تجربوں اور دکھائی دینے والے افعال سے تو آشنا ہوتے ہیں لیکن غیر مرئی تصورات بالخصوص اخلاقی قدروں مثلاً نیک، بد، خیر، شر وغیرہ کے بارے میں نہیں سوچتے۔ مشنریوں نے ان کی زبان سیکھ کر انھیں کے محاورے میں یہ تصورات ادا کر کے دکھا دیے اور اب یہ ان کی زبان کا جزو ہو گئے۔ پچھڑی ہوئی زبانوں میں صفات بھی کسی کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اسم ہی سے صفت کا تصور ادا کرنے میں مدد لی جاتی ہے مثلاً مفلس یا بیمار کی جگہ کہیں گے "وہ شخص جس کے پاس افلاس ہے" یا "وہ شخص جس کو بیماری ہے"۔ اسکیمو زبانوں میں بڑے اور چھوٹے کا تصور مندرجۂ سابق طریقے ہی سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس طرح زبان تہذیب کی حالت کی عکاس ہوتی ہے اور تہذیبی ضرورتوں کے ساتھ ارتقا کرتی رہتی ہے۔

زبان اور کلچر کے تعلق سے سپیر نے ایک فلسفیانہ نظریہ پیش کیا جسے اس کے شاگرد بنجامن وھورف Benjamin Lee Whorf نے اپنی کتاب Language Thought and Reality میں تفصیل سے پیش کیا۔ اسے سپیر وھورف ادعا Sapir-Whorf Hypothesis کہتے

ہیں۔ اس کے مطابق کسی زبان کی جیسی ساخت ہوتی ہے اس کے بولنے والے اسی کے مطابق اپنے اطراف کی دنیا کو دیکھتے اور سمجھتے ہیں مثلاً ہند یورپی زبانوں میں فعل کے تین زمانے ماضی، حال، مستقبل ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ہمیں وقت کا احساس بڑی وضاحت سے ہوتا ہے لیکن ایک ریڈ انڈین زبان ہوپی (Hopi) میں فعل میں صرف یہ پہلو اہم ہوتا ہے کہ کوئی کام ایک بار میں واقع ہوا یا بار بار دائروں یا ارتعاش کی شکل میں۔ یہ بعض زبانوں کی سے مماثل چیز ہے جس میں کسی فعل کی تکمیل یا عدم تکمیل ہی دیکھی جاتی ہے۔ اس طرح ہوپی شخص کو زمانے کا وہ شعور نہیں ہوتا جو ہمیں ہوتا ہے۔

ایک اور مثال دیکھیے۔ ہند یورپی زبانوں میں تین بنیادی اجزائے کلام اسم، صفت اور فعل ہیں۔ اسم و صفت کی وجہ سے ارسطوئی فلسفے میں شے اور وصف (عرض اور جوہر) کا تصور نمایاں ہو گیا۔ اگر یونانی زبان میں یہ زمرے نہ ہوتے تو ارسطو دنیا کو اس نقطۂ نظر ہی سے نہ دیکھتا۔ سپیر کا خیال ہے کہ تمام زبانوں میں مضمر تجربات یکساں ہیں لیکن قائل اپنی زبان کی عینک سے ان کی تشکیل کرتا ہے۔

ذخیرۂ الفاظ اور مفاہیم سے تہذیب کی تاریخ بھی معلوم ہوتی ہے۔ مستعار الفاظ پر نظر کرنے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس لسانی گروہ نے کس دوسرے لسانی گروہ سے ارتباط پیدا کیا، اس سے کیا لیا اور اسے کیا دیا۔ انگریزی نے ہندوستانی زبان سے پنڈت، ٹھگ، ڈکیت، جنگل، لوٹ جیسے الفاظ اور جرمن زبان سے غذا کی موٹی چیزوں کے نام اور سائنسی اصطلاحات لیں۔ دوسری طرف انگریزی نے فرنچ اور دوسری یورپی زبانوں کو کھیل کود کے الفاظ مثلاً میچ، گولف، فٹ بال، رگبی، بیس بال نیز نفیس ماند و بود کے الفاظ مثلاً کلب، فیشن ایبل وغیرہ دیے۔ قبائلی زبانوں میں فوقِ فطرت کو ظاہر کرنے والے الفاظ بہت اہم ہیں mana، taboo اور totem جیسے الفاظ ان قوموں کے مذہبی اور فوقِ فطری تصورات کے خزینے ہیں۔ ہماری زبان میں ان الفاظ کا بے کم و کاست ترجمہ نہیں ہو سکتا۔

جنسی فعل اور رفعِ حاجت کے مفہوم کو قبائلی زبانوں میں کھلی ڈلی طرح سے ادا کیا جاتا ہے لیکن مہذب اقوام میں گھما پھرا کر۔ یہ کلچر کا نقطۂ نظر ظاہر کرتا ہے۔ خطابیہ الفاظ کا مطالعہ بھی دلچسپ ہے۔ ہندوستان کے عہدِ عتیق میں لوگوں کو بھگوان، مہاراج، شرمان، شرمن

وغیرہ اور گزری صدی کے لکھنؤ میں حضور، سرکار بلکہ خداوند تک کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ تعظیم میں اب یہ مبالغہ جاتا رہا ہے جو سوسائٹی میں مساوات کا نشاں گر ہے۔

بعض الفاظ و محاورات کے معنی اس زبان کی تہذیب ہی سے معلوم ہوتے ہیں مثلاً قدیم اطالوی میں حاضر کو خطاب کرنے کے لیے دو الفاظ tu (واحد) اور vos (جمع) تھے۔ بعد میں تعظیم کے مراتب کے اعتبار سے چار الفاظ ہو گئے tu، voi، lei اور loro۔ ان میں سے lei کے استعمال کی ایک دلچسپ تاریخ ہے اصلاً یہ لفظ your Lordship کے معنی دیتا ہے۔ اب تعظیمی خطابیہ کے لیے عام طور سے استعمال ہونے لگا ہے۔ مسولینی کے عہد میں فاسسٹ حکومت نے فرمان جاری کیا کہ lei کا استعمال متروک قرار دیا گیا اس کی جگہ محض voi بولنا چاہیے۔ لوگوں کے ٹیلیفون چھپ کرنے جاتے تھے کہ کہیں وہ lei کا استعمال تو نہیں کر رہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہماری زبان میں 'آپ' کے استعمال پر پابندی لگا کر 'تم' بولنا ضروری قرار دے دیا جائے۔ حکومت کی یہ کوشش ناکام ہوگئی اور lei کا ضمیر حاضر برقرار رہا۔

زبانوں میں زماں اور مکاں میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ ان تبدیلیوں کا نام ارتقا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ پچھڑی ہوئی زبانوں میں تغیر اور ارتقا کی رفتار مہذب زبانوں کے مقابلے میں بہت دھیمی رہی ہے۔ ہر قبائلی زبان کے پیچھے تاریخی ارتقا کی اتنی ہی طویل مدت ہے جتنی کسی ترقی یافتہ زبان کے پیچھے لیکن قبائلی زبانوں کا حاضر ان کے ماضی بعید سے بہت زیادہ مختلف نہیں۔ میکسیکو کے ریڈ انڈینوں کی نہوا (Nahua) زبان سولھویں صدی میں جیسی تھی ذخیرۂ الفاظ کے علاوہ اب بھی تقریباً ویسی ہی ہے۔ گرین لینڈ کی اسکیموں بولیوں اور کناڈا کے دور افتادہ میکنزی ندی کے اسکیموں کی بولیوں میں کوئی خاص فرق نہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ صدیوں کے امتداد میں یہ بولیاں زیادہ نہیں بدلیں۔ ان کے مقابلے میں مہذب زبانیں اتنی سرعت سے بدلتی رہتی ہیں کہ پانسو سے لے کر ہزار سال میں بالکل دوسری زبان کہلانے لگتی ہیں۔

اس تغیر کے سبب زبانوں کے بہت سے خاندان اور شجرے قائم ہو جاتے ہیں۔ بعض خاندان یا زبانیں بہت بڑے علاقے پر پھیلی ہوتی ہیں بعض بہت مختصر قطعے ہیں۔ بعض لسانی خاندانوں کا پھیلاؤ تاریخی دور میں ہوا ہے مثلاً ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آریہ کب ایران گئے، کب

ہندوستان، کب یورپ۔ عربی زبان تاریخی دور میں شمالی افریقہ میں پھیلی ہے۔ ان لسانی فرقوں کی توسیع اور غلبے کے ساتھ ان علاقوں کی بعض زبانیں مر گئیں۔ دورِ حاضر میں بعض زبانیں ایسی ہیں جو کسی خاندان سے وابستہ نہیں کی جاسکتیں مثلاً کوریائی۔ قدیم زمانے میں اس طرح کی منفرد زبانوں کی تعداد اور زیادہ رہی ہوگی۔ اس پس منظر میں زبان اور نسل کے بٹوارے کا تقابلی مطالعہ دلچسپ ہوگا۔

زبانوں میں کچھ واضح اور قابلِ شناخت خاصے ہوتے ہیں۔ اصوات، قواعدی چسپیئے بنیادی الفاظ ایسے قطعی عناصر ہیں جن کے اشتراک یا مماثلت کی بنا پر زبانوں اور بولیوں کی آزاد یا تابع حیثیت کا تعین کیا جاسکتا ہے لیکن نسل کے خاصے یعنی طبیعی خصوصیات اتنی واضح اور جامع و مانع نہیں ہوتیں کہ ان کی بنا پر ہر فرد کی نسل قطعیت سے طے کی جاسکے مثلاً یو پی کے باشندوں کو دیکھیے طبیعی اعتبار سے کتنے مختلف قسم کے ٹائپ دکھائی دیتے ہیں۔ اسی لیے نسل یا طبیعی ٹائپ کے مقابلے میں زبانوں کا پھیلاؤ اور بٹوارہ انسانی تاریخ کو زیادہ وضاحت سے پیش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ملیشیا اور جزیرہ مدغاسکر کی زبان یکساں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی قبل تاریخ زمانے میں ملایا انڈونیشیا کے لوگ مدغاسکر گئے ہوں گے۔ گلگت اور شنا علاقے کی دردی زبانوں سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں آریوں کی ایک علیحدہ شاخ وارد ہوئی۔

عہدِ قدیم میں ایسی زبانوں کی تعداد وافر تھی جو کسی خاندان سے وابستہ نہ تھیں جن کی وجہ سے کُل ملاکر زبانوں کی تعداد بہت کافی رہی ہوگی لیکن انسانی نسلوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں۔ اس لیے یہ ماننا ہوگا کہ ایک ہی نسل کی مختلف اقوام مختلف زبانیں بولتی ہوں گی۔ عہدِ عتیق کے بارے میں ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں۔

ا۔ ایک زبان کے تمام بولنے والے ایک نسل کے تھے۔

ب۔ دو یا کئی مختلف زبانوں کے بولنے والے بھی ایک ہی نسل کے ہو سکتے ہیں۔

دورِ حاضر میں پہلی صورتِ حال باقی نہیں رہی مثلاً امریکہ میں گورے اور حبشی دونوں انگریزی بولتے ہیں۔ ہندوستان کے پارسی ہند آریائی زبان گجراتی بولتے ہیں۔ شمالی ہند میں آسٹرک نسل والے ہند آریائی کی لسانی برادری میں ضم ہوگئے۔

عہدِ عتیق میں زبانوں کی تعداد زیادہ تھی۔ بعد میں عاریت اور مماثلت کے سبب اُن کے اختلافات کم ہوتے گئے۔ بڑے بڑے علاقوں میں مختلف خاندانوں کی زبانوں میں یکساں

صوتی خصوصیات دیکھنے میں آتی ہیں۔ یہ صورت قدیم زمانے میں ان سب کے ایک دوسرے کے زیر اثر آنے ہی سے پیدا ہوئی ہوگی مثلاً شمالی اور شمال مغربی امریکہ میں غشائی آوازوں کی کثرت ہے جب کہ مشرقی امریکہ میں ان کی کمی ہے یا مغربی یو ایس اے کے ریڈ انڈینوں میں [te] [ak] (غیر مصیتی) جیسی آوازیں پائی جاتی ہیں۔ افریقہ کی بانتو زبانوں کی درکشیدہ چٹکار اصوات ٹش مین خاندانِ السنہ کے زیر اثر در آئی ہوں گی۔

لیکن یکساں لسانی خاصے ہمیشہ ایک ہی منبع سے رونما نہیں ہوتے۔ بعض مثالوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دور دراز کی غیر متعلق زبانوں میں ایسے یکساں خاصے پائے جاتے ہیں جو یقیناً ایک دوسرے سے آزادانہ طور پر ابھرے ہوں گے مثلاً سنسکرت اور عربی میں تثنیے کا صیغہ، دور دور کی زبانوں میں شمولی اور اخراجی ضمیر متکلم کا وجود، جمع کے لیے تکرار سے کام لینا۔

مندرجہ بالا دو مختلف بلکہ مخالف صورتوں کی وجہ سے زبانوں کے گروہ نسلی گروہوں سے بہت مختلف ہوگئے ہیں۔

لسانیاتی طریقے نے نظریاتی طور پر بشریات بلکہ سماجیات کو بھی راہ دکھائی۔ صوتیات میں غیر ضروری جزئیات اور فونیمیات میں مفید خصائص کا احساس پایا جاتا ہے۔ اسی طریق کی مماثلت پر غذا، ملبوس، تعمیر وغیرہ میں مفید (Functional) اور غیر ضروری کا تصور لیا گیا۔ بشریات میں ایک بحث ہے کہ کلچر گروہ کی دین ہوتی ہے کہ فرد کی۔ لسانیات میں فرد بولی اور بولی کا تعلق موج و دریا کے رشتے کی طرح ہے۔ بولی بہت سی فرد بولیوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ یہی حال کلچر کا ہے کہ وہ فرد میں بھی ہے اور مختلف افراد کی کلچر مل کر گروہ کی کلچر کی تشکیل کرتی ہے۔

علاقائی جائزے کے طریقے (Field Methods)

یہ لسانیات کی علیحدہ شاخ نہیں بلکہ لسانی طریقۂ کار ہے جو بشریاتی لسانیات کی دین ہے امریکہ میں لسانیات بشریات کے شاخسانے کے طور پر ابھری ہے۔ وہاں ریڈ انڈینوں کی سیکڑوں زبانیں ماہرینِ لسانیات کے لیے ایک چیلنج تھیں۔ بوآس، سپیر اور بلوم فیلڈ وغیرہ نے ان کی طرف توجہ کی۔ ان کے سامنے مسئلہ تھا ایسی زبانوں سے واقفیت حاصل کرنا جنھیں

اب تک کوئی گورا شخص نہ جانتا تھا اور ریڈ انڈین کسی دوسرے کی زبان نہیں جانتے تھے۔ ان ماہرین کی کوششوں سے انجان زبان کا اکتساب کرنے کے جو طریقے ابھرے ذیل میں اُن کو مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

جو شخص کسی زبان یا بولی کا علم حاصل کرنے جاتا ہے اسے جائزہ کار (Surveyor) یا علاقائی کارکن (Field worker) کہتے ہیں۔ اس میں کچھ اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔

1۔ اس کو لسانیات بالخصوص صوتیات کا اچھا علم ہونا چاہیے۔

2۔ اس کا سامعہ صوتیاتی اعتبار سے ذکی الحس ہونا چاہیے یعنی وہ توجہ سے سن کر مختلف مصوتوں، مصمتوں، بل، صوت درجہ اور سُر لہر وغیرہ کا ادراک کر سکے۔

3۔ اسے تیزی سے لکھنے کی مشق ہونی چاہیے اور حتی الامکان صوتی تحریر میں نوٹ لینے چاہئیں۔

4۔ اس کا مزاج اور برتاؤ شگفتہ، ملنسار اور حلیم ہونا چاہیے تاکہ وہ اجنبیوں سے گھل مل کر انھیں مطلوبہ معلومات دینے پر آمادہ کر سکے۔

جس زبان یا بولی کے بارے میں اسے واقفیت حاصل کرنی ہے اسے چاہیے کہ اس زبان کے مقام اور باشندوں کے بارے میں کتابوں اور دوسرے ذرائع سے جو کچھ معلومات بہم پہنچ سکیں حاصل کرے، بالخصوص وہاں کی معاشرت اور لسانی کیفیت کے بارے میں جو کچھ بھی معلوم ہو سکے وہ مفید ہوگا۔

جس اہل زبان فرد سے معلومات حاصل کی جاتی ہیں اسے اطلاعی (Informant) کہتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اطلاعی کو اپنے یہاں بلا کر اس سے پوچھ پاچھ کر ریکارڈ کر لیا جائے لیکن یہ غیر فطری طریقہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ زبان کے اپنے خطے میں جا کر جائزہ لیا جائے کیونکہ وہاں اطلاعی اپنے فطری ماحول میں زیادہ فطری طریقے سے بولے گا نیز اس کی فراہم کردہ کسی معلومات کے بارے میں تذبذب ہو تو دوسرے اطلاعیوں سے تصدیق کی جا سکتی ہے۔ ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ہر زبان یا بولی میں بعض الفاظ وہاں کی مخصوص اشیا کو ظاہر کرتے ہیں مثلاً کشمیر کی مخصوص انگیٹھی کانگڑی یا ہاؤس بوٹ کشمیر ہی میں جا کر دیکھی جا سکتی ہیں دور دراز کے علاقے میں ان کا ناقص تصور ہی دیا جا سکتا ہے۔

جائزے کے دو طریقے ہیں۔ ایک میں ایسے اطلاعیوں سے سابقہ پڑتا ہے جو اپنی زبان

کے علاوہ دوسری زبان نہیں جانتے اس طرح اطلاعی اور جائزہ کار کے بیچ کوئی مشترک زبان نہیں ہوتی اس صورت میں جائزہ کار کو پوری قابلیت کے ساتھ اشاروں کے ذریعے سب کچھ پوچھنا پڑتا ہے۔ اس صورت حال کو ایک زبانی طریقہ (Mono-lingual method) کہتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اطلاعی اپنی زبان کے علاوہ ایسی کوئی زبان جانتا ہو جس جس سے جائزہ کار بھی واقف ہو۔ یہ طریقہ دو زبانی کہلائے گا۔ اگر دو زبانی اطلاعی میسر آسکے تو اسے یک زبانی اطلاعی پر ترجیح دی جائے گی کیونکہ مشترک زبان کے ذریعے پوچھنا آسان ہو جاتا ہے اور بہت کچھ پوچھا جا سکتا ہے۔ یک زبانی طریقے میں بہت سی دقتیں ہیں۔ یہاں یک زبانی طریقے کو پیشِ نظر رکھ کر ہی غور کیا جاتا ہے۔

اطلاعی کے انتخاب میں بہت چابک دستی کی ضرورت ہے۔ اطلاعی ایک سے زیادہ ہونے چاہئیں۔ اگر سو ر اتفاق سے ایک ہی ہو تو وہ بچہ یا بوڑھا نہ ہو کر جوان یا ادھیڑ عمر کا ہو تو بہتر ہے۔ بچے کو زبان پر پورا قابو نہیں ہوتا اور وہ دیر تک بتانا بھی نہ چاہے گا۔ بوڑھے سے بھی تعاون کی اس قدر توقع نہیں۔ دو اطلاعی ہوں تو ایک نوجوان اور دوسرا سال خوردہ ہو تو بہتر ہے تاکہ دو نسلوں کی نمائندگی ہو سکے۔ ایسے اطلاعی زیادہ بہتر ہوتے ہیں جو باہر گھومنے پھرنے نہ گئے ہوں یا کم گئے ہوں۔ ان کی زبان زیادہ خالص اور محفوظ ہوگی۔ مرد کے علاوہ عورت اطلاعی بھی مل سکے تو اور بہتر ہے کیونکہ عورتوں کی زبان بیرونی اثرات سے نسبتاً مبرّا ہوتی ہے۔ اطلاعی سمجھ دار اور شگفتہ مزاج ہو تو زیادہ مفید رہے گا۔ یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ اس کے اعضائے نطق معمول پر ہیں۔ اگر ان میں کوئی سقم یا فرق ہو تو وہ آوازوں کو صحت سے ادا نہ کر سکے گا۔ جذباتی یا بھڑ بھڑیا قسم کا اطلاعی بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ ایسا شخص بہتر ہوتا ہے جو صبر و سکون کے ساتھ گفتگو کرتا ہو۔

اچھا ہو کہ جائزہ کار اپنے ساتھ کچھ اشیا لے جائے اور وہ اطلاعی کو دکھائے۔ انھیں دیکھنے پر اطلاعی جو جملہ کہے گا اس کا مفہوم کچھ اس قسم کا ہونا چاہیے

اس کا کیا نام ہے ؟
یہ کیا چیز ہے ؟
اسے کیا کہتے ہیں ؟

یہ جملہ دھیان سے سن کر لکھ لیجیے اور یاد کر لیجیے۔ آپ بھی اس کی اشیا کے بارے میں یہی

جملہ کہہ کر پوچھ تا چھ کیجیے۔ مختلف اشیا کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے یا چھو کر دریافت کیا جاسکتا ہے۔ افعال کے بارے میں پوچھنے کی صورت یہ ہے کہ اُنھیں واقعی عمل میں لاکر دکھایئے مثلاً دوڑ کر، چل کر، لیٹ کر، بیٹھ کر، کھڑے ہو کر، کھا کر، پی کر وغیرہ۔ آہستہ آہستہ بہت سے الفاظ معلوم ہو جائیں گے۔

جائزہ کار کو چاہیے کہ زبان کے خطّے میں جانے سے قبل ایک سوال نامہ تیار کرلے تاکہ اطلاعی کے سامنے سوچنا نہ پڑے کہ کیا کیا سوال کرنے ہیں نیز کوئی ضروری بات ذہن سے اتر نہ جائے۔ سوال نامے میں حسبِ ضرورت اندراج کیے جاسکتے ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ پہلے قدم کے طور پر ٹھوس چیزوں کے بارے میں دریافت کرنا بہتر ہے۔ غیر مرئی تصورات بعد میں لیے جاسکتے ہیں۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ بیشتر بنیادی الفاظ کے بارے میں علم حاصل کر لیا جائے تاکہ زبان یا بولی کا صحیح رشتہ قائم کرنے میں سہولت ہو۔

اوّل اسما کو لیجیے۔ اعضائے جسم کے بارے میں دریافت کرنا بہت سہل ہے۔ اس کے بعد خانگی سامان، فرنیچر، ظروف، ماکولات، ملبوسات وغیرہ کے بارے میں پوچھیے۔ ان کے علاوہ بیرونِ خانہ کے مشاغل، کاشتکاری، اناج، فصلیں، پھل پھول، ماہی گیری وغیرہ کے متعلقات پوچھے جاسکتے ہیں۔ مظاہرِ فطرت مثلاً چاند، سورج، زمین، آسمان، بادل، بجلی، ندی نالے پہاڑ، درخت، سبزہ نیز پالتو جانوروں وغیرہ کے بارے میں دریافت کرنا بھی مشکل نہیں۔ کسی طرح رشتے داریوں مثلاً ماں باپ، شوہر بیوی، بیٹا، بیٹی، بھائی بہن وغیرہ کے الفاظ معلوم کیجیے۔ غرضیکہ ان کی تہذیب کے جتنے اہم اسما کے الفاظ حاصل کیے جاسکیں وہ کرنے چاہئیں۔

اس کے ساتھ ساتھ بنیادی افعال مثلاً چلنا، کھڑے ہونا، بیٹھنا، لیٹنا، سونا، کھانا، پینا وغیرہ بھی نہایت اہم ہیں۔ افعال کے بعد صفات کی منزل آتی ہے۔ اچھا، برا، چھوٹا، بڑا، لمبا، موٹا، پتلا وغیرہ۔ چونکہ یہ غیر مرئی تصورات ہیں اس لیے ان کو آسانی سے نہیں پوچھا جاسکتا۔ جب ایک لسانی برادری میں رہتے رہتے کچھ عرصہ گزر جائے گا تب ان کا عرفان حاصل کرنا ممکن ہوگا۔ صفات سے زیادہ اہم اور زیادہ آسان اعداد ہیں۔ زبان کا اعدادی نظام کلچر کے بنیادی عناصر میں ہوتا ہے۔ زبان کو کسی قدر جان لینے کے بعد جملوں، محاوروں کہاوتوں، لوک گیتوں اور لوک کہانیوں وغیرہ کو پوچھ کر ضبطِ تحریر میں لانا ہوتا ہے۔

جائزہ کار کو انسانی نفسیات، انسانی تعلقات اور برتاؤ کا ماہر ہونا چاہیے۔ اس میں اور اطلاعی میں تہذیبی، ذہنی اور علمی حیثیت سے بہت تفاوت ہوتا ہے۔ اطلاعی کو زیادہ باتیں کرنے اور بتانے میں پس و پیش ہو سکتا ہے۔ وہ جائزہ کار کو شبہ کی نظر سے بھی دیکھ سکتا ہے کہ کہیں وہ کسی معاندانہ مقصد سے تو نہیں آیا۔ جائزہ کار کو چاہیے کہ وہ اس قسم کے تمام شبہات کا ازالہ کر کے خود کو اطلاعی کی سطح پر لے آئے اور اس کا اعتماد حاصل کر لے۔ اس سے سب کچھ اس طرح دریافت کرے جیسے ایک شاگرد استاد سے کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تمام استفسارات کے جواب صوتی تحریر میں لکھ لینے چاہئیں۔ ساتھ ہی ہر بات کا مطلب یا اس پر تبصرہ لکھ لینا چاہیے۔ جس بات میں کچھ شبہ ہو اسے اسی اطلاعی سے یا کسی دوسرے سے دوبارہ پوچھ لینا چاہیے۔

جملہ معلومات حاصل کرنے کے بعد دریافتی زبان کا تجزیہ کرنا ہوتا ہے۔ سب سے پہلے اس کی آوازوں اور فونیموں کا تعین کیا جاتا ہے تاکہ اسے ایک رسم الخط دیا جاسکے۔ یہ خط بسا اوقات رومن رسم الخط کی ترمیم شدہ شکل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ زبان کا قواعدی اور معنوی جائزہ لیا جاتا ہے جس کی روشنی میں اس زبان کی قواعد اور فرہنگ مرتب کی جاتی ہے۔ یہ قواعد اور فرہنگ روایتی انداز کی بجائے لسانیاتی نہج کی ہوں تو زیادہ کارآمد ہوتی ہیں۔

نئی زبانوں کی پہلی جان کاری حاصل کرنے کے سلسلے میں مشنریوں نے قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ انھوں نے امریکہ، افریقہ، آسام وغیرہ کے قبیلوں میں سرایت کر کے وہاں کی زبانوں سے واقفیت بہم پہنچائی۔ لیکن ابھی متعدد قبائلی زبانوں کے بارے میں کتابیں تیار نہیں ہوئیں۔ ان پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

سماجی لسانیات (socio-linguistics)

یہ لسانیات کی ایک نئی شاخ ہے۔ اس میں زبان کا مطالعہ سماجی سیاق میں کیا جاتا ہے۔ Fisher mant نے اسے زبان کی سماجیات کہا ہے اس کی مرتبہ کتاب کا نام Readings in the sociology of language ہے۔ نسلی لسانیات اور سماجی لسانیات میں وہی تعلق ہے جو ثقافتی بشریات (cultural anthropology)

اور سماجیات میں ہوتا ہے۔ ثقافتی بشریات میں پچھڑے ہوئے قبیلوں یا عہدِ عتیق کے معاشروں کی کلچر کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ سماجیات میں بالعموم عصری سماج کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ سماجی لسانیات، سماجیات اور لسانیات کو ملانے والا عبوری مطالعہ ہے۔ سماج میں جتنی وسعت، تنوع، پیچیدگیاں، مسائل ہوتے ہیں سماجی لسانیات کے موضوع بھی اس قدر متنوع ہوتے ہیں۔

ایک ترقی یافتہ اور مکمل زبان کئی بولیوں اور اسالیب کا وفاق ہوتی ہے اس میں کچھ اس قسم کے بٹوارے پائے جاتے ہیں۔

1- علاقائی بولیاں اور معیاری زبان۔

2- سماجی طبقوں اور معاشی گروہوں کے روزمرہ یا بولیاں۔

3- ایک شخص کی زندگی مختلف مشاغل یا حلقوں میں بٹی ہوتی ہے مثلاً خاندان، اسکول، کلب، سرکاری کام کاج، معاشی حلقہ وغیرہ۔ یہ اس زبان کے اسلوب اور موضوع کا انتخاب کرتے ہیں۔

یہ تو ایک زبان کی کیفیت تھی لیکن موجودہ معاشروں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ یک لسانی نہیں دو لسانی یا کثیر لسانی ہیں۔ ان میں متعدد افراد ایسے ہوتے ہیں جو ایک سے زیادہ زبانیں بولتے یا سمجھتے ہیں۔ اُنھیں ان زبانوں پر کتنا عبور ہے یہ اُن کی سماجی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ سماجی لسانیات ان سب پہلوؤں کا مطالعہ کرتی ہے۔ ہم ان پر ایک مختصر نظر ڈالتے ہیں۔

جو زبان بہت چھوٹے علاقے میں مرکوز ہو ممکن ہے اس میں ایک ہی بولی ہو ورنہ بیشتر زبانوں میں علاقائی اعتبار سے ایک سے زیادہ بولیاں ہوتی ہیں۔ ان بولیوں میں ایک بولی معیاری زبان یا معیاری بولی بن جاتی ہے۔ یہی زبان کی مرکزی نمائندہ ہوتی ہے۔ کسی بولی کا معیاری قرار پانا غیر لسانی وجوہ سے ہوتا ہے مثلاً وہ دارالسلطنت یا کسی مقدس مقام کی بولی ہے۔ بالفاظِ دیگر اس کے بولنے والے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ اس طرح معیاری زبان کا تعین سماجی عوامل کی بنا پر ہوتا ہے۔

خود معیاری زبان میں بھی کئی سطحیں ہوتی ہیں نیز وہ اپنے علاقے سے باہر بھی استعمال کی جاتی ہے اس طرح اس کا پست معیار، دیہاتی بولی اور صوبائی معیار بھی ہوتا ہے۔ یہ تمام قسمیں ساخت کی بنا پر ہوتی ہیں۔ معیاری بولی اور دوسری بولیوں کا فرق بھی لسانی بنیادوں

پر ہوتا ہے لیکن ان سب کے پیچھے کچھ سماجی اور نفسیاتی عوامل بھی کام کرتے ہیں۔ معیاری زبان کے ساتھ ایک برتری اور وقار کا احساس وابستہ ہوتا ہے جب کہ پست معیار اور صوبائی معیار کو ساقط از معیار مانا جاتا ہے مثلاً دلی اور لکھنؤ کے شرفا کی اردو کا جو منصب تھا وہ عوام کی اردو یا پنجابی اردو، بھوپالی اردو یا حیدرآبادی اردو کا نہیں۔ اہل لکھنؤ فیض آباد اور ہردوئی وغیرہ کے باشندوں کو بھی لسانی اعتبار سے دیہاتی کہتے تھے۔

معیاری زبان اور علاقائی بولیوں کا تعلق سبھی محض علاقائی نہیں ہوتا بلکہ سماجی بھی ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ ہندی کی معیاری زبان کھڑی بولی مغربی یوپی اور دلی میں محدود ہے اور ہریانی برج یا اودھی وغیرہ اپنے علاقوں میں۔ ہوتا یہ ہے کہ معیاری زبان دوسری بولیوں کے علاقے میں دراندازہو کر توقیر کی مسند پر قبضہ کر لیتی ہے۔ کہا گیا[1] ہے کہ بولی وہ زبان ہے جو نفیس سوسائٹی سے بدر کر دی گئی ہو یعنی ہر مہذب موقع پر معیاری زبان کا استعمال ہوتا ہے بے تکلفی کے موقعوں پر بولی کا۔

اگر ایک ملک میں کئی معیاری زبان ہوتی ہیں تو ان میں سے ایک قومی زبان بن جاتی ہے۔ مثلاً ہندوستان میں ہندی۔ اور اگر ایک سے زیادہ قومی زبانیں ہوتی ہیں تو ان میں ایک زیادہ اہمیت اختیار کر لیتی ہے مثلاً پرانے پاکستان کی دو قومی زبانوں اردو اور بنگالی میں اردو زیادہ اہم تھی یا سوئٹزرلینڈ کی تین قومی زبانوں میں جرمن زیادہ اہم ہے۔ کثیر لسانی اقوام میں مرکزی قومی زبان کے ساتھ اسی طرح کی وقعت وابستہ ہوتی ہے جس طرح بولیوں کے بیچ معیاری زبان کو۔ یہ قومی زبان دوسری معیاری زبانوں کے دائرے میں گھس کر ان پر غلبہ پانے کی کوشش کرتی ہے مثلاً ہندوستان میں دوسری زبانوں کے علاقے میں بھی ہندی کا استعمال ہوتا ہے یا پاکستان میں بلوچستان اور پنجاب جیسے صوبوں نے اپنی زبان اردو قرار دی ہے۔ بعض قومی زبانیں تو دوسری قومی زبانوں کی سرحد میں گھس کر ان کو دبانے لگتی ہیں جس طرح انگریزی نے ہندوستان میں ہندی کو اور پاکستان میں اردو کو دبا یا ہوا ہے

---

[1] J.B. Pride and Janet Holmes (ed): Sociolinguistics P-100, 1972, article "Dialect-Language, Nation" by E. Haugen.

یعنی قومی زبانیں بین الاقوامی زبان بن جاتی ہیں اور دوسری زبانوں کے مقابلے میں برتری کا دعوی کرنے لگتی ہیں۔ امریکیوں کے لیے ہندی اسی طرح کم رتبہ زبان ہے جس طرح ہندی والوں کے لیے اُڑیہ یا آسامی۔ امریکہ کے رسالے Newsweek میں ہندی کے لیے ذیل کا توصیفی فقرہ لکھا تھا۔

A relatively primitive language, sadly deficient in scientific and technical

علاقائی اعتبار سے زبانوں اور بولیوں کا بٹوارہ عمودی تقسیم ہے۔ اس کے مقابلے میں ایک زبان کے اندر افقی اعتبار سے بھی تقسیم ہوتی ہے۔ ایک لسانی قوم میں طرح طرح کے طبقے اور گروہ ہوتے ہیں جن کا روزمرہ (Jargon) کسی حد تک مختص ہوتا ہے۔ ایسے گروہ ذیل کی بناؤں پر قائم کیے جا سکتے ہیں۔

1۔ سماجی طبقے یعنی طبقۂ بالا، طبقۂ متوسط، طبقۂ زیریں

2۔ تعلیم کی بنا پر یعنی زیادہ پڑھے لکھے، اوسط یا کم پڑھے لکھے، بے پڑھے لکھے۔ جدید علوم پڑھے ہوئے یا کلاسکی طرز پر پڑھے ہوئے۔

3۔ پیشہ ورانہ طبقے یعنی انجینیر، ڈاکٹر، معلم، وکیل، منیم اور آڑھتی، مستری، شہری، مزدور، کسان وغیرہ۔

4۔ مذہبی بنا پر ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی، یہودی وغیرہ۔

5۔ سیاسی بنا پر کانگریسی، کمیونسٹ، نکسلائٹ، جن سنگھی، جماعت اسلامی والے۔

6۔ ایک ہی زبان کے بولنے والوں میں قومیت کی بنا پر مثلاً امریکہ کے انگریزی بولنے والوں میں جرمن الاصل، ہندوستانی الاصل، انگریزی الاصل یا ہندی بولنے والوں میں بنگالی نژاد، پنجابی نژاد، مراٹھی نژاد، گجراتی نژاد۔

7۔ عمر کی بنا پر بوڑھے، جوان، بچے۔

---

1 Hall: Introductory Linguistics P469 with reference to Newsweek dated April 25, 1963

جنس کی بنا پر مرد، عورت، ہیجڑے

ان سماجی زمروں کو انگریزی میں Social Variables کہا گیا ہے۔

اُن کے زیر اثر زبان کی مختلف سطحوں یعنی صوتیات، صرف، نحو، معنیات اور ذخیرۂ الفاظ سب میں کم و بیش کچھ فرق آجاتا ہے۔ طبقاتی یا گروہی فرق صوتیات اور ذخیرۂ الفاظ میں سب سے زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ اوّل اصوات کو لیجیے۔ کسی قسم کی بولی کی تعیین میں یہ سب سے نمایاں نشاں گر ہوتی ہیں۔ اہلِ اردو میں ایک محاورہ رائج ہے 'شین قاف درست ہونا'۔ یہ درستی محض سماجی اسباب سے ہوتی ہے۔ ہندوستانی بولنے والے علاقے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی زبان کا خاص فرق یہی ہوتا ہے کہ مسلمان عموماً ش، ق، ز، ف وغیرہ کو صحیح ادا کرتے ہیں اور ہندو ان میں صوتی تبدیلی کرکے انھیں مماثل دیسی متبادل یعنی س، ک، ج، پھ وغیرہ میں بدل لیتے ہیں۔ خواندہ اور ناخواندہ شہری اور دیہاتی میں بھی یہی فرق ہوتا ہے۔ مصمتی خوشوں کی یہ کیفیت ہے کہ لفظ کی ابتدا یا انتہا کے خوشوں کو اہلِ ہندی درست بولتے ہیں اور اردو والے بالخصوص مسلمان انھیں توڑنے پر مائل ہوتے ہیں وہ پریم، کلب، رجیندر، کرشن چندر کو بالترتیب پ، ک، د، د مفتوح سے بولنے کا رجحان رکھتے ہیں۔ اسی طرح اہلِ اردو پنڈت، امرت کو پنڈت، امرت بولتے ہیں۔ ہندوؤں میں چاچا، تاؤ، ماما کہا جاتا ہے اور مسلمانوں میں چچا، تایا، ماموں۔ یہ سب سماجی فرق ہیں۔ بے پڑھوں کا لائن، سگنل، لکھنؤ کو لین، سنگل، نکھلؤ کہنا بھی ان کے سماجی زمرے کا اثر ہے۔

صرف میں خالص سماجی اسباب سے فرق کم دیکھنے میں آتا ہے مگر پھر بھی اس کی مثالیں مل جاتی ہیں۔ خود ہمارے ہندوستانی علاقے میں کیا، کرا۔ کی، کری۔ مجھے، میرے کو۔ مجھ پر، میرے پر۔ اسی، اس ہی۔ انھیں، اُن ہی۔ لو، لیو۔ بیجیو، لیجو۔ ہے، ہے گا جیسے اختلافی صرفی استعمال دیکھنے میں آتے ہیں۔ کرا، کری، ہے گا جیسے روپ کم پڑھے لکھے ہی استعمال کرتے ہیں۔ وہ مرکب افعال کو اکثر مختصر کر دیتے ہیں مثلاً 'دیکھتے ہیں'، کو 'دیکھتیں'۔ 'تو کیا کرتا ہے'، کو 'تو کیا کرے'، بولتے ہیں۔ ذیل کے استعمال اردو پڑھے لکھوں تک محدود ہیں ہندی پس منظر

ال social inguistics P350 article
"Acquisition and Proficiency" by J. Robin

والوں کے بس کے نہیں۔

دیکھا یے۔ بجا چاہتے ہیں۔ مستی پابندِ حمل نہیں ہونے کی۔

نحو میں بھی سماجی اثرات دیکھنے میں آتے ہیں۔ اردو میں تعظیمی ضمیر اور فعل کا استعمال (مثلاً آپ آیئے، آپ کھانا کھایئے) طبقۂ بالا، شہریوں یا اردو پڑھے لکھوں میں زیادہ رائج ہے۔ کم پڑھے ان کو اس طرح مسخ کرتے ہیں۔

آپ آؤ، آپ کھانا کھاؤ

جملے کے مختلف اجزا میں جنس اور عدد کی جو مطابقت ہوتی ہے وہ بعض صورتوں میں مختلف سماجی طبقوں میں بدل جاتی ہے۔ لفظوں کی تذکیر و تانیث کا فرق نحو ہی کے تحت آتا ہے ذیل کے استعمال بھی اردو پس منظر میں رونما ہو سکتے ہیں۔

غالب کے خصوصیات لکھیے

مجھے اتنی پریشانی اٹھانا پڑی (بہ مقابلہ اٹھانی پڑی)

آپ کو بہ آم کھانا ہوں گے (بہ مقابلہ کھانے ہوں گے)

اور انگریزی زدہ حضرات اپنے ہندوستانی جملوں میں نحو کو انگریزی طرز پر ڈھال دیتے ہیں۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ نحو زبان کے زیادہ مضبوط اور قائم عناصر میں ہوتا ہے۔ طبقاتی اثرات سے نحو میں فرق کی مثالیں کم دیکھنے میں آتی ہیں۔ اسی طرح معنیات میں اصطلاحوں سے قطع نظر زیادہ اختلاف نہیں ملتا۔

اصطلاح کی صورت یہ ہے کہ بھوپال میں معمار اور ٹھیکیدار سیمنٹ کے مسالے کو مال کہتے ہیں یا کرکٹ کے میدان میں ڈک duck اور کیچ catch کے مخصوص معنی ہو جاتے ہیں۔ یہ طبقاتی بولی کے استعمال ہیں لیکن معنی کی یہ تبدیلی سماجی اسباب سے کم تکنیکی اسباب سے زیادہ ہے اس لیے ہم اس سے قطع نظر کر سکتے ہیں۔ ہاں بعض اوقات خالص سماجی اعتبار سے بھی معنی بدل جاتے ہیں۔ کم پڑھے لکھے لوگ عالمانہ لفظوں کو غلط معنی میں بول جاتے ہیں مثلاً میں نے اردو سے ناواقف ایک شخص کو "کوئی ہرج نہیں" کے مفہوم میں "کوئی حرکت نہیں" بولتے سنا ہے۔ اسی طرح عوام پریشانی کے مفہوم میں حیرانی کا لفظ بولتے ہیں مثلاً

مجھے بے کار اسٹیشن تک بھیج کر حیران کیا

سماجی وجوہ سے سب سے زیادہ فرق لفظیات اور محاوروں پہ پڑتا ہے۔ معاشی، علمی، مذہبی،

تہذیبی اعتبار سے مختلف گروہوں کا مرغوب ذخیرۂ الفاظ ہوتا ہے جو دوسرا گروہ اتنی کثرت سے استعمال نہیں کرتا۔ مولوی اور پنڈت، ایکٹر اور منیم کا ذخیرۂ الفاظ یکساں نہیں ہوتا۔ ہندوؤں میں رسوئی، بھگوان، ایشور، موسا، بوا جیسے الفاظ کا استعمال کیا جائے گا تو مسلمانوں میں اس کے مقابل باورچی خانہ، خدا، اللہ، خالہ، خالو وغیرہ کا۔ جنسیات اور فطری حاجات سے متعلق الفاظ اور محاوروں کو دیکھیے مختلف طبقوں حتیٰ کہ مردوں اور عورتوں تک میں کتنا اختلاف ہوتا ہے۔ کچھ گالیاں مردوں سے مخصوص ہیں تو کچھ کوسنے عورتوں سے۔

موجودہ سماجی لسانیات کے مطالعے کا ایک دلچسپ موضوع ہے لسانی آداب جس میں خطاب کے طریقے بہت اہم ہیں۔ ہم کس کو پہلے نام سے پکارتے ہیں کس کو آخری نام سے کس کے نام کے پہلے یا بعد میں کونسا تعظیمی لفظ لگاتے ہیں اس کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ ایک عوامی کہاوت ہے۔

مایا تیرے تین نام　　　پرسی، پرسا، پُرس رام

دراصل دولت یا سماج کے اعتبار سے تین نام ہی نہیں کئی نام ہوتے ہیں۔ بہتوں کو ہم نام سے بلا ہی نہیں سکتے ان کے عہدے یا رشتے ہی سے کام چلاتے ہیں۔ لسانی آداب کے باب میں دو زبانیں بہت متمول ہیں اردو اور جاپانی۔ اردو میں لسانی تکلفات کی جو بھرمار ہے وہ انیسویں صدی کے لکھنؤ میں اور بھی زیادہ تھی۔ جن الفاظ سے والیانِ ملک کو مخاطب کیا جانا چاہیے اُن سے عام رؤسا کو خطاب کیا جاتا تھا حضور، سرکار، خداوند۔ بادشاہوں کو جہاں پناہ، دولت مآب، اُن کے کھانے کو خاصہ اور پانی کو آبِ حیات کہنا یہ سب سماجی اثرات ہیں۔ جاگیردارانہ نظام اور ہر نظام کے طبقے بالا میں تکلفات کی زبان زیادہ عام ہوتی ہے مثلاً اردو میں

دولت خانہ، غریب خانہ، عرض کرنا، فرمانا، تشریف رکھیے، سماعت فرمایئے، پان نوش کیجیے، پان ملاحظہ کیجیے وغیرہ

جاپانی زبان میں ضمیرِ حاضر کے لیے چھ سات روپ ہیں جو مختلف طبقوں کے لیے مخصوص ہیں چنانچہ ان میں سے بعض بادشاہوں ہی کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ شاہی خاندان اور طبقۂ رؤسا کے لیے متعدد الفاظ عوام سے مختلف ہیں لیکن اب ان میں کمی آتی جارہی ہے۔ ایک شخص کی زندگی مشاغل کے اعتبار سے مختلف حصاؤں میں بٹی ہوتی ہے۔ یہ لسانی

موضوع اور الفاظ کا انتخاب متعین کرتے ہیں۔ 1932ء میں Schmidt-Rohr[3] نے جرمنوں کے لیے ذیل کے نو لسانی حلقے (Linguistic domain) قرار دیے۔

خان دان، کھیل کا میدان اور کوچہ۔ اسکول۔ کلیسا۔ ادب۔ پریس۔ فوج۔ عدالت۔ سرکاری ادارے۔

بعد میں دوسروں نے انھیں کم زیادہ کیا۔ ہندوستانی معاشرے کے اعتبار سے ہم حسب ضرورت لسانی برتاؤ کے حلقے قائم کر سکتے ہیں۔ بعض نے زبان کے رسمی (Formal) اور بے تکلفی استعمال کی قسمیں کیں جو اہم ہیں۔

پڑھا لکھا شخص مختلف موقعوں پر مختلف قسم کی زبان کا استعمال کرتا ہے۔ اس کی بآسانی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں تحریری اور بول چال کی یا پُر تکلف اور بے تکلف یا اونچی اور نیچی۔ اسٹیج اور کلاس میں بولنے کا اسلوب گھر میں اور دوستوں سے بولنے کے اسلوب سے مختلف ہوتا ہے۔ فرگسن[4] نے 1959 میں اونچے اور نیچے اسلوب کو diglossia کی اصطلاح دی۔ 1967 میں Fishman نے اس تصور کو اور ترقی دی diatype اور گرگیوری (1967) انھیں Haugen کہنا پسند کرتے ہیں اور Denison[3] انگریزی کی حد تک انھیں Schizoglossia کہتا ہے اردو میں ہم اسے لسانی ثنویت کہہ سکتے ہیں۔

---

1 Sociolinguistics P18. article, the relationship between Micro and Macro sociolinguistics in the study of who speaks what language to whom and when" by J.A. Fishman

2 Sociolinguistics P66. article "Some observations on language variety and Plurilingualism" by N. Denison

3

واضح ہو کہ کتابوں میں جو مکالمے دیے ہوتے ہیں وہ بول چال کی زبان کو ہو بہو پیش نہیں کرتے بلکہ اسے صحیح اور فصیح بنا کر درج کرتے ہیں۔

اسی سے ملتی جلتی چیز لسانی خلط ہے جو ہمارے ملک میں بہت رائج ہے۔ ایک زبان میں دوسری زبان کے الفاظ کو شامل کر دینا منجملہ دوسری وجوہ کے بعض اوقات سماجی توقیر کے سبب بھی ہوتا ہے مثلاً آج کل ہندوستان میں اپنی زبان میں انگریزی الفاظ حتیٰ کہ افعال تک کو شامل کر لینا سماجی اعتبار سے موجب افتخار سمجھا جاتا ہے جب کہ انھیں معنوں کے مشرقی الفاظ لانا دقیانوسی ہے مثلاً تین جملے دیکھیے

میں اس ریزولوشن میں ایک امنڈمنٹ (Amendment) submit کرتا ہوں۔

میں اس قرارداد میں ایک ترمیم پیش کرتا ہوں۔

میں اس پرستاؤ میں ایک سنشودھن رکھنا چاہتا ہوں۔

کسی سوسائٹی کی میٹنگ میں پہلا جملہ سب سے زیادہ قبولِ عام پائے گا۔ باقی دو کو مولویانہ اور پنڈتانہ سمجھا جائے گا۔ یہ سماجی لسانی قدریں ہیں۔ آج جیسے دیکھیے ہندی اور اردو میں ماں باپ بیوی کو ممی ڈیڈی (یا ماما پاپا) وائف کہتا ہے۔ پتا جی، ابا، ماتا جی، والدہ وغیرہ کہنا غیر شائستہ زبان سمجھا جاتا ہے۔ ہم یوں بولتے ہیں۔

میرے فادر آنے والے ہیں

میری وائف بیمار ہے

ہم میں سے کتنے فادر کی جگہ والد اور وائف کی جگہ بیوی کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں۔ اس قسم کے سماجی تابو اور پسند و ناپسند دراصل لسانی تابو ہیں۔ ان کا جائزہ سماجی لسانیات کے حیطۂ کار میں آتا ہے۔ نفسیاتی بیماری schizophrenia میں ایک شخصیت دو حصوں میں شق ہو جاتی ہے۔ اردو اور انگریزی کی یہ ملاوٹ ایک قسم کا لسانی شق ہے۔

سماجی لسانیات کے مطالعے کا ایک اہم موضوع دو لسانیت (bilingualism) اور کثیر لسانیت ہے۔ چونکہ مختلف وجوہ سے اب لوگ بڑی تعداد میں دور دراز کے علاقوں میں جا کر عارضی یا مستقل طور پر جا بستے ہیں اس لیے کثیر لسانیت موجودہ سوسائٹی کی نمایاں خصوصیت ہو گئی ہے۔ اس مسئلے کو دو نقطہ ہائے نظر سے دیکھا جا سکتا ہے۔

۱- ایک علاقے یا معاشرے کا جائزہ لیا جائے جس میں ایک سے زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں مثلاً جموں میں ڈوگری، پنجابی، ہندوستانی اور کشمیری چار زبانیں استعمال میں آتی ہیں۔ زبانوں کی کثرت سے سماجی طور پر جو اثرات ہوتے ہیں وہ دریافت کیے جائیں۔

۲- ایسے فرد یا افراد کو لیا جائے جو ایک سے زیادہ زبانیں جانتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ انھیں مختلف زبانوں پر کتنا عبور ہے۔ اس بات کو اعدادیات کے بٹوں سے ناپا جا سکتا ہے۔ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک فرد کی مادری زبان کچھ ہوتی ہے اور وہ کسی دوسری زبان کے علاقے میں رہتا ہوتا ہے۔ وہ اپنے نئے ماحول کی زبان کا اکتساب کرتا ہے۔ امریکہ میں یہ مسئلہ نہایت عام ہے۔ غیر انگریزی ممالک سے جانے والوں کی پہلی نسل انگریزی کو اس قدرت سے نہیں بول سکتی جیسے امریکی باشندے۔ اس کی وجہ سے انھیں بعض سماجی دشواریوں اور نفسیاتی الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دوسری نسل نئی زبان کو بہتر طریقے سے حاصل کر لیتی ہے۔

ہندوستان میں جہاں مختلف ریاستوں کی زبانیں مختلف ہیں اور جہاں رفتہ رفتہ اپنی علاقائی زبان میں کام کاج کی رفتار بڑھتی جا رہی ہے وہاں لسانی اقلیتوں کو تعلیمی، انتظامی اور دوسری حیثیتوں سے گوناگوں مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ حیدرآباد کے اردو بولنے والے مسلمان تیلگو پڑھنے اور بولنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کراچی کے اردو پناہ گزینوں کے بچے کسی حد تک سندھی بولنے لگے ہیں۔ یہ لوگ کس حد تک نئی زبان کو حاصل کر لیتے ہیں اور اس میں کس قسم کی ترمیمیں کرتے ہیں، ان کی نئی زبان اُن کی مادری زبان پر کس حد تک اثر انداز ہوتی ہے، یہ سب سماجی لسانیات کے مطالعے کے موضوع ہیں۔ ہندوستان جیسے کثیر لسانیاتی ملک میں اہلِ لسانیات کو سانیات کی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہیے۔

اب لسانیات کی چند جدید شاخوں کے بارے میں مختصراً کچھ سطور درج کی جاتی ہیں

نفسیاتی لسانیات (Psycho. Linguistics)

یہ نفسیات اور لسانیات کا درمیانی علم ہے۔ زبان کے عمل کے دو حصے نفسیاتی اور میکانکی ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نفسیاتی لسانیات میں نفسیاتی پہلو پر تفصیل سے غور کیا جاتا ہے۔

قدیم سے انسانی افعال و اعمال کے بارے میں دو نقطۂ ہائے نظر رہے ہیں۔ پہلا اور قدیم تر رویہ ذہن پرستانہ (Matalistic) ہے۔ اس کے مطابق انسانی افعال ایک غیر مادی جوہر یعنی (ذہن) کے آفریدہ ہیں۔ ذہن طبیعی ساخت سے ماورا ہوتا ہے اسے شعور یا اصولِ زیست یا روح جیسا سمجھیے۔ ماہرینِ لسانیات میں ہمبولٹ W. Humboldt (1767ء تا 1835ء) ذہن پرست تھا۔ وہ کہتا تھا کہ عالمی تاریخ ایک روحانی قوت کے اعمال و افعال کی زائیدہ ہے اور یہ قوت ادراک سے ماوراء ہے۔

اس کے مقابلے میں مادی یا میکانکی نظریہ ہے جو ماورائی انداز کے ذہن کو نہ مان کر انسانی افعال کو مغز کے طبیعی عمل کا نتیجہ مانتا ہے۔ اس کے مطابق اعصابی نظام کو کسی طرح تحریک ہوتی ہے تو اس کے جواب کے طور پر کچھ احکام صادر کیے جاتے ہیں اور حواس اُن پر عمل کرتے ہیں۔ بلوم فیلڈ اسی میکانکی نقطۂ نظر کا حامی ہے۔ جدید لسانیات میں اسی کا رجحان ہے اس لیے نفسیاتی لسانیات زیادہ تر مغز و اعصاب کے طبیعی پہلو پر ریسرچ کرتی ہے۔

1861ء میں بروکا نے ثابت کر دیا کہ اگر مغز کے بائیں حصّے پر چوٹ لگ جائے تو فتور گویائی (Aphasia) واقع ہوتا ہے۔ مغز کے اس حصّے کو Broca's centre یا Broca's cortex کہتے ہیں۔ اس کے مختلف حصّوں کے بگڑنے سے فتورِ گویائی کی مختلف قسمیں واقع ہوتی ہیں مثلاً آوازوں کو سُننا لیکن لفظوں کو نہ پہچاننا، لکھے ہوئے الفاظ کو شناخت نہ کر سکنا، آوازیں ادا کرنا لیکن الفاظ نہ بول پانا، الفاظ بول پانا لیکن لکھ نہ سکنا وغیرہ۔ سچ یہ ہے کہ مغز میں ایسے مرکز اور علاقے دریافت نہیں کیے جا سکے جو لفظ، صرف یا نحو کے مولّد ہوں۔ اس کے باوجود نفسیاتی لسانیات اس مسئلہ پر تحقیق کر رہی ہے کہ مغزِ انسانی میں زبان کو سیکھنے کی صلاحیت طبیعی اور پیدائشی ہوتی ہے یا بعد میں اکتساب سے اُجاگر کی جاتی ہے۔

نفسیاتی لسانیات اس موضوع پر بھی ریسرچ کر رہی ہے کہ فتور گویائی، لکنت اور گونگے پن کو کیونکر دور کیا جائے۔ اسی کے تحت مرگی کے مریضوں کا بھی جائزہ لیا جاتا ہے ایک ملتا جلتا مطالعہ Acousto-Cino Radiography کہلاتا ہے۔ اس میں انسان کے غیر لسانی شور کو ریکارڈ کر کے اس کے مغز کی کیفیت معلوم کی جاتی

ہے۔ بالعموم اس کا اطلاق ان چھوٹے بچوں پر کیا جاتا ہے جو ابھی گویائی نہیں سیکھے ہوتے۔ نوزائیدہ بچّے کے شور یا رونے سے دریافت کیا جاتا ہے کہ اس کا مغز صحت مند ہے کہ نہیں اس میں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بچّے نے کس عمر میں کون کون سی آوازیں یعنی مصوتے یا مصمتے سیکھے۔ یہ سب اس کے مغز کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

نفسیاتی لسانیات ناقص گویائی والے اشخاص کے مطالعے کے لیے بہت مفید ہے لیکن معمولی گویائی والوں کے لیے بھی غیر متعلق نہیں۔ انسان کو زبان یا اظہار پر اگر وافر قدرت نہیں ہوتی تو اس کی شخصیت متاثر ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی کی بولی کی تحقیر کی جائے یا اسے پھلنے پھولنے کا موقع نہ دیا جائے تو اس کا جو نفسیاتی ردِ عمل ہوتا ہے وہ پورے معاشرے کے لیے مسائل پیدا کر دیتا ہے۔

اعدادی لسانیات (Statistical Linguistics)

اس میں علمِ اعداد و شمار کے طریقوں کا لسانیات پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ اس کے تحت زبان کے مختلف عناصر مثلاً اصوات، فونیم، مارفیم، لفظ، معنی وغیرہ کا شمار کیا جاتا ہے اور اس سے خاطر خواہ نتیجے برآمد کیے جاتے ہیں۔ حسنِ اتفاق سے اعدادیات کے لسانی استعمال کی اوّلین مثال قدیم ہندوستان میں ملتی ہے۔ تین چار صدی قبل ویدوں کے منتروں، چھندوں، الفاظ اور حروف کا شمار کیا گیا۔ یہ اعدادی لسانیات تھی لیکن جدید لسانیات کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ انیسویں صدی کے آخر میں لسانیات کے لیے اعدادیات سے فائدہ اُٹھانے کی ابتدا کی گئی۔

1874 میں وہٹنے (Whitney) نے انگریزی زبان کی اصوات کے تعدّد و قوع کا شمار کیا۔ 1905ء میں آرنلڈ نے 'ویدک اوزان کا ان کا تاریخی ارتقا' نامی کتاب شائع کی جس میں اعدادیات سے مدد لی گئی تھی۔ 1913ء میں مارکوف (Markov) نے پشکن کے کلام کا اعدادی جائزہ لیا جس کی بنا پر روسی زبان میں مصوتوں اور مصمتوں کے باہمی وقوع کے اصول بنائے نیز یہ سمجھایا کہ لسانی اکائیوں میں کون سی ایک دوسرے کی تابع ہوتی ہے۔ اس کے طریقے کو Markov Process کہتے ہیں۔ بیسویں صدی میں یورپ کی بیشتر زبانوں کی الفاظ شماری کی گئی ہے اور اُن میں مختلف لفظوں کے تعدّد وقوع

کی بنا پر نتیجے نکالے گئے ہیں۔ کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر تھارنڈ ائیک نے 1921ء میں انگریزی کی الفاظ شماری کر کے بیس ہزار الفاظ پر مشتمل ایک فہرست مرتب کی۔ 1939ء میں ریورینڈ منزبل نے چھتیس گڑھی بولی کے تین ہزار الفاظ کا شمار کیا۔ 1935ء میں ریورینڈ جون کونگ (J. Konig) نے دس لاکھ ہندی الفاظ کو شمار کر کے چار ہزار اہم ترین الفاظ کی فہرست شائع کی۔ اسی سال میں ایک امریکن مشنری نے ترکی زبان کی الفاظ شماری کی۔

پنجاب یونیورسٹی لاہور نے اسکولی بچوں کے مقالوں میں سے تقریباً 68 ہزار الفاظ کا شمار کیا اور اس میں سب سے کثیر الاستعمال 2368 الفاظ دریافت یے۔ 59 میں پنجاب کے اردو اخباروں اور رسالوں کی لفظ شماری کی گئی جو 60ء اور 61ء میں جاری رہی۔ اس میں تقریباً ایک لاکھ 37 ہزار الفاظ کا جائزہ لیا گیا اور اس کے نتائج 69 میں شائع کیے۔ حال میں جناب حسن الدین احمد نے زیادہ بڑے پیمانے پر اردو الفاظ شماری کی جس کے نتائج 1973 میں شائع ہوئے۔ انھوں نے پانچ لاکھ الفاظ لے کر سب سے کثیر الاستعمال 11 ہزار الفاظ کی فہرست بنائی۔

اعدادیات کا اطلاق اور افادیت لسانیات کے متعدد شعبوں میں ہے۔

ایک زبان کی آوازوں کا تعدد استعمال معلوم کر لیا جائے تو ٹائپ رائٹر اور چھاپے خانے کے لیے مفید ہوتا ہے۔ جو آوازیں زیادہ استعمال ہوتی ہیں انھیں ٹائپ رائٹر میں ان مقامات پر رکھا جائے گا جہاں انگلی زیادہ آسانی سے پڑتی ہے۔ آوازوں کے باہمی وقوع اور صوت رکنوں کے تعدد کو جاننے سے شارٹ ہینڈ میں مدد ملتی ہے۔ 1916ء میں فرانسیسی ماہر ایستوپ (Estoup) نے اسٹینوگرافر کے لیے اعداد شماری کر کے کتاب لکھی۔

بولی جغرافیے کے لیے اعدادیات بنیادی طریقۂ کار ہے۔ خاصوں (Features) کے لسانی خطوط اسی طرح بنائے جاتے ہیں اور ان سب کو ملا کر یہ طے کیا جاتا ہے کہ کوئی زبان یا بولی کہاں تک پھیلی ہوئی ہے۔ ان کی حدود کہاں قائم کر سکتے ہیں۔ تاریخی ارتقا میں ایک زبان اور اس کی بولیوں کے بارے میں اعدادیات سے بہت کچھ نتیجے نکالے جا سکتے ہیں مثلاً گیارہویں صدی کے ہندی ادب کے کسی نمونے کی آوازیں، مارفیم الفاظ وغیرہ کا

شمار کر کے یہ طے کیا جا سکتا ہے کہ یہ اُپ بھرنش میں ہے کہ جدید ہند آریائی زبان میں۔

ایک زبان کے ذخیرۂ الفاظ یا دیگر لسانی خصائص کی بنا پر یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اس نے کس کس زبان سے کس کس تناسب میں اُدھار لیا۔ اس کی بہترین مثال البانوی اور آرمینیائی زبان کے جائزے سے معلوم ہوتی ہے۔ جہاں کہیں دو زبانیں ایک دوسرے کے ربط میں آتی ہیں وہاں معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ایک زبان دوسری پر کس حد تک اثر انداز ہوئی۔ اس کے روپوں نے دوسرے کے روپوں سے کس قدر مماثلت قبول کی۔

جو شخص دو لسانی یا کثیر لسانی ہوتے ہیں ان کے ذخیرۂ الفاظ اور اصوات وغیرہ کے شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھیں کس زبان پر کس حد تک عبور ہے، انھوں نے ثانوی زبان کے کن عناصر کو کہاں تک قبول کیا۔

غیر زبان کے درس کے لیے ذخیرۂ الفاظ کا شمار بہت ممد ہوتا ہے۔ مختلف الفاظ کا تعدّدِ وقوع معلوم ہونے سے ہم بچوں اور بالغوں کے لیے درسی کتابیں بناتے وقت ابتدائی ریڈروں میں سب سے زیادہ کثیر الاستعمال الفاظ لیں گے، بعد میں اُن سے کم آنے والے۔ اس طرح تھوڑے الفاظ سکھا کر بہت سا کام چلایا جا سکتا ہے۔

اس قاعدے کا اسلوبیات پر بڑی خوبی سے اطلاق ہوتا ہے۔ ایک مصنف کے اسلوب کو لسانیاتی طریقے سے پرکھا جائے تو اس میں آوازوں سے لے کر محاوروں اور ضرب الامثال تک طرح طرح کے عناصر کا شمار کیا جائے گا اور اُن کی بنا پر اس کے اسلوب کی بنیادی خصوصیات کی گرفت ہو سکے گی۔ اس کی بنا پر اُس سے منسوب دوسرے کاموں کے جعلی یا اصلی پن کا بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ تاج الحقائق وجہی کی تصنیف ہے کہ نہیں، اعداد و شمار کے ذریعے اگر اس کا اور سب رس کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو کوئی مفید نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔

ایک گروہ کے مختلف اہلِ قلم کا بھی ایسا جائزہ لیا جا سکتا ہے اور ان کا مقابلہ دوسرے گروہ کے ادیبوں سے کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ایک دور کے ادیبوں کا دوسرے دور کے ادیبوں سے مقابلہ ہو سکتا ہے مثلاً ادب لطیف کے افسانہ نگاروں اور پریم چند کے مقلد افسانہ نگاروں کے یہاں ذخیرۂ الفاظ میں فرق مل جائے گا۔ ترقی پسند افسانہ نگاروں اور جدید افسانہ نگاروں میں اور کچھ نہیں تو لفظوں کے رمزی استعمال ہی میں بڑا فرق ملے گا۔

ایسٹونیا کی اکیڈیمی نے جدید روسی زبان کے اعداد و شمار لیے اور چار ہزار ردلیوں کی گروہ بندی کی۔ اس کی بنا پر مختلف قواعدی اجزا مثلاً اسم، فعل، حرف وغیرہ کا تعدد و تناسب دریافت کیا۔ اسی طرح جنس، تعداد اور دوسرے کئی قواعدی خاصوں کا جائزہ لیا تو روسی زبان کے عملی استعمال کی ساری حقیقت کھل کر سامنے آگئی۔ ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری نے جے شنکر پرساد کی نظم کامائنی کے ساڑھے 25 ہزار روپ شمار کیے اور مختلف قواعدی عناصر کا تناسب دریافت کیا۔ معلوم ہوا اسم 51 فی صد، فعل 24 فی صد، ضمیر 20 فی صد تھے۔ واحد کا صیغہ 85 فی صدی اور جمع کا 15 فی صد تھا۔ دوسرے لوگوں نے مختلف زبانوں کی آوازیں بھی گنی ہیں۔ اس قسم کا شمار تو اہم ہے اس سے جو نتیجے نکالے جائیں وہ محنت کا اصل ثمرہ ہیں مثلاً حسن الدین احمد نے جو 10927 الفاظ شمار کیے اُن میں سے 1228 یا 11.2% ہندی کے تھے لیکن اُن کا تناسب وقوع 31% / 42% تھا۔ یورپی لفظوں کی تعداد % فی صدی سے بھی کچھ کم تھی۔

غرض یہ ہے کہ لسانی مطالعے میں اعدادی شمار کی اہمیت مسلّم ہے۔

لسانی زمانیات (Glotto Chronology)

اعدادیات کے لسانیات پر اطلاق کی ایک دلچسپ مثال لسانی زمانیات ہے۔ اس کا دوسرا نام لغاتی اعدادیات (Laxico-Statistics) ہے یا یوں کہیے کہ لسانی زمانیات لغاتی اعدادیات کی سب سے اہم شاخ ہے۔ یہ ایک عام مشاہدے کی بات ہے کہ امتداد زمانہ کے ساتھ زبان میں سے کچھ الفاظ متروک ہوتے جاتے ہیں یا لسانیات کی اصطلاح میں کچھ مارفیم معدوم ہو جاتے ہیں۔ ایک زبان کی دو شاخیں مختلف مقامات پر نشو و نما پاتی ہیں تو دونوں میں کچھ نہ کچھ اصل مارفیم فنا ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ فنا ہونے والے مارفیم یکساں نہیں ہوتے۔ اس طرح رفتہ رفتہ دونوں دختر زبانیں ایک دوسرے سے جدا ہوتی جاتی ہیں۔ بعض اہلِ نظر نے سوچا کہ دو خواہر زبانوں میں ماخذ زبان کی لفظیات کا تناسب پتہ چلالیا جائے تو حساب لگایا جاسکتا ہے کہ یہ زبانیں ماخذ سے کب جدا ہوئی تھیں۔ گو انیسویں صدی کے آخر ہی میں لسانیات کے لیے اعداد و شمار (Statistics) کے استعمال پر نظر گئی تھی لیکن صحیح معنی میں اعدادیات کا لسانیات پر اطلاق 1948 بلکہ 1936 سے ہوا۔ 1948 میں پیرس میں لسانیات کی چھٹی بین الاقوامی کانفرنس ہوئی جس میں اس مقصد

کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی۔ 1950ء میں مورس سواڈیش Maurice Swedesh نے لسانی زمانیات (Glotto Chronology) کی بنیاد ڈالی۔ 1952ء میں امریکن فلاسفی سوسائٹی کی روداد میں ان کا ایک مضمون شائع ہوا۔

"قبلِ تاریخ دور میں امریکی ہندیوں اور اسکیموؤں کے نسلی تعلقات کی لغاتی اعدادیات سے تاریخی تعین۔"

یہ اس علم کے بارے میں پہلا اہم مقالہ ہے۔ چونکہ اس علم میں ذخیرۂ الفاظ کے اعداد و شمار لیے جاتے ہیں اس لیے اس کا دوسرا نام لغاتی اعدادیات (Lexico - Statistics) ہے۔ سواڈیش کے مضمون کے ایک سال بعد رابرٹ لیز (Less) نے ایک اہم اصولی مضمون لکھا جس میں لفظیات کے فرق کی بنا پر زبانوں کی عمر طے کرنے کا پیمانہ دیا گیا تھا۔ بعد میں دوسرے علمانے بھی اس موضوع پر لکھا اس کے باوجود یہ شاخ اپنی طعولیت میں ہے۔ اس کے طریقوں کو بہتر اور صحیح تر بنانے کی کوشش جاری ہیں۔

لسانی زمانیات خود کفیل شعبۂ علم نہیں۔ اس کے لیے تقابلی لسانیات بالخصوص تاریخی طریقہ اور بازتشکیل کی اعانیت کے بغیر چارہ نہیں۔ اس علم سے دو کام لیے جاتے ہیں۔

1- ایک خاندان یا ایک زبان کی دو شاخوں کا مقابلہ کر کے طے کیا جاتا ہے کہ یہ کتنا عرصہ پہلے جدا ہوئی ہیں۔

2- اگر ایک زبان کے دو ادوار کے بنیادی الفاظ کا ذخیرہ موجود ہو تو ان کا مقابلہ کر کے یہ دریافت کیا جا سکتا ہے کہ ان دو ادوار میں کتنا فاصلہ رہا ہوگا۔

ظاہر ہے کہ پہلا مقصد زیادہ اہم ہے۔ دوسرا مقصد تاریخی دور سے متعلق ہی ہو سکتا ہے۔ اگر کسی زبان کے دو ادوار کی لفظیات کا رکارڈ موجود ہے تو غیر لسانی ذرائع سے یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ کون سا دور کب کا ہے۔

اس علم کے بنیادی مفروضے یہ ہیں۔

1- ہر زبان میں کچھ الفاظ بالکل بنیادی ہوتے ہیں۔ یہ خاص خاص اشیا اور خاص خاص افعال وغیرہ کے نام ہوتے ہیں۔ یہ تہذیبی اثرات سے متاثر ہو کر نہیں بدلتے۔ یہ اتنے بنیادی ہوتے ہیں کہ ہم معنی لفظوں کی شکل میں ہر انسانی گروہ میں رائج ہوتے ہیں خواہ وہ گروہ کسی بھی زمانہ کسی بھی علاقے سے تعلق رکھتا ہو۔ آگے چل کر ان الفاظ کی فہرست درج کی جائے گی۔

2۔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ بنیادی الفاظ میں سے کچھ زبان کے ذخیرے سے خارج ہو جاتے ہیں اور اُن کی جگہ ان کے مترادف دوسرے الفاظ آجاتے ہیں۔ دِوس ترک ہو کر دن' کا استعمال ہونے لگا تو یہ نیا لفظ نہیں لیکن وایو کی جگہ ہوا کا استعمال بنیادی لفظ میں تبدیلی ہے۔ یعنی ہم لفظ کی صوتی تبدیلی یا صوتی مماثلت کو نظرانداز کر کے صرف معنی سے سروکار رکھتے ہیں۔ جرمن زبان میں سر (head) کو KOPf کہتے ہیں۔ اپنی اصل اور صوتیات کے لحاظ سے یہ جرمن لفظ انگریزی لفظ cup کے ساتھ کا ہے head کا ہم اصل haupt ہے لیکن چونکہ جرمن زبان میں سر کے لیے عام استعمال میں KOPf کا لفظ آگیا ہے اس لیے انگریزی اور جرمن کی بنیادی لفظیات کا مقابلہ کیا جائے تو سر کے معنی میں جرمن اور انگریزی الفاظ کو مختلف قرار دینا ہوگا۔

جن لفظوں کے بارے میں ہمیں تاریخی لسانیات کے قاعدوں سے معلوم ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ہم اصل (cognate) ہیں انھیں ہم ایک شمار کریں گے۔ جو زمانے کے پیچھے جاکر کہیں بھی ایک اصل سے نہیں چھوتے انھیں مختلف مانا جائے گا مثلاً پِتا' پِتر' پدر' Pater، father سب ایک قرار دیے جائیں گے جبکہ والد یا ابّا مختلف لفظ مانا جائے گا۔

3۔ لسانی زمانیات کے ماہرین مانتے ہیں کہ بنیادی لفظوں کی تبدیلی (Replacement) ہر زمانے میں یکساں رفتار سے نہیں ہوتی لیکن اگر بہت طویل عرصے کو پیشِ نظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ تبدیلی کی رفتار تقریباً یکساں ہے۔ اس کے لیے عموماً ہزار سال کے تفاوت کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اس سے کم لیں تو پانسو سال تک کے فرق کو دیکھ سکتے ہیں۔ اس سے کم مدت کے اختلافات کا مطالعہ گمراہ کن ہوگا۔ اسی طرح بارہ ہزار سال سے زیادہ مدت کے بارے میں دعویٰ کرنا بھی قیاسی ہوگا۔ یہ مدِنظر رہے کہ مطالعے کا موضوع بنیادی الفاظ ہیں تمام ذخیرۂ الفاظ میں تبدیلی کا ایک بہت بڑا سرچشمہ عاریت ہے۔ ہر زبان میں دوسری زبانوں کے لفظ در آتے ہیں اور وہ حصولی زبان کے الفاظ کو خارج کر دیتے ہیں۔

پچھلے سو سال میں اردو کے ذخیرے میں جتنی تبدیلی ہوئی ہے اتنی اس سے پہلے کے تین سو

سال میں نہیں ہوئی تھی لیکن ہم بنیادی الفاظ تک محدود ہیں تو اتنا بڑا انقلاب نہیں دکھائی دے گا۔

ذیل میں لسانی زمانیات کے قاعدے کو تفصیل سے دیکھا جاتا ہے۔

اس عمل کے مرکزی عناصر دو ہیں۔ بنیادی الفاظ اور ان کی برقراری کی رفتار۔ بنیادی الفاظ انھیں کو قرار دیا گیا ہے جو تمام انسانوں کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، جن میں ثقافت کی وجہ سے ترمیم نہیں ہوتی۔ اصلاً ایسے دو سو الفاظ طے کیے گئے۔ یہ تعداد اس لیے رکھی کہ اس کے بارے میں حساب آسان ہے بہ نسبت 195 یا 205 کے۔ گشنسکی نے[1] 1934ء میں اپنے ایک مشہور مضمون میں دو سو بنیادی الفاظ کی فہرست دی جو درج ذیل ہے۔

1 all
2 ashes
3 back
4 belly
5 big
6 bird
7 bite
8 black
9 blood
10 bone
11 b.ven
12 cloud
13 cold
14 come
15 die
16 dog
17 drink
18 dry
19 Ear
20 Earth
21 eat
22 egg
23 Eye
24 fat-grease
25 feather
26 fire
27 fish
28 Fly
29 foot
30 give
31 good
32 green
33 hair
34 hand
35 head
36 hear
37 heart
38 I
39 Kill
40 Know
41 leaf
42 lie
43 liver
44 Long
45 loves
46 man-male
47 many
48 meat
49 mountain
50 mouth
51 name
52 neck
53 new
54 night
55 nose
56 not

---

1 Lehman: Historical Linguistics P112, 113

57 one	82 tooth	107 diety	132 hut
58 Person	83 Tree	108 dull	133 husband
59 rain	84 two	109 dust	134 ice
60 red	85 walk	110 fall	135 if
61 road	86 warm	111 far	136 in
62 root	87 water	112 father	137 lake
63 sand	88 we	113 fear	138 laugh
64 say	89 what	114 few	139 Left side
65 see	90 white	115 fight	140 leg
66 seed	91 who	116 five	141 line
67 sit	92 woman	117 float	142 mother
68 skin	93 yellow	118 flow	143 narrow
69 sleep	94 and	119 flower	144 near
70 small	95 animal	120 fog	145 old
71 smoke	96 at	121 from	146 other
72 stand	97 back	122 freeze	147 Play
73 star	98 bad	123 fruit	148 pull
74 stone	99 because	124 grass	149 push
75 sun	100 blow	125 guts	150 Right correct
76 swim	101 breathe	126 he	151 right side
77 tail	102 Child	127 heavy	152 river
78 that	103 Count	128 here	153 rope
79 this	104 cut	129 hit	154 rotten
80 though	105 day	130 hold-take	155 rub
81 Tongue	106 dig	131 how	156 salt

157 scratch
158 sea
159 sew
160 sharp
161 short
162 single
163 sky
164 small
165 smooth
166 snake
167 snow
168 some
169 spit
170 split
171 squeeze
172 stab-pierce
173 stick
174 straight
175 suck
176 swell
177 there
178 they
179 thick
180 thin
181 think
182 three
183 throw
184 tie
185 Turn
186 vomit
187 wash
188 wet
189 when
190 where
191 wide
192 wife
193 wind
194 wing
195 wipe
196 with
197 woods
198 worm
199- ye
200 year

جون ری (John A Rea) نے 1958ء میں ایک مضمون میں ان دو سو الفاظ میں سے 107 کو خارج کر دیا کہ وہ اس کے نزدیک بنیادی نہ تھے۔ اس نے مندرجہ بالا فہرست کے پہلے 93 الفاظ کو برقرار رکھا اور ان میں ذیل کے سات الفاظ کو شامل کر کے سو بنایا۔

(94) breast (95) claw (96) full
(98) Knee (99) moon (100) round

بعد میں کسی نے ان سو پر نظرثانی کر کے محض 67 الفاظ کو برقرار رکھا۔

اب اگر کسی زبان کی دو منزلوں یا ایک خاندان ان کی دو ہم عصر زبانوں کے تفاوت کی مدت جاننا چاہیں تو ہم ان کے بنیادی الفاظ کے جوڑے لکھیں گے مثلاً قدیم انگریزی اور جدید انگریزی میں

قدیم انگریزی	جدید انگریزی
eal	+ all
and	+ and

+ animal	deor
+ askes	aese
+ at	aet
+ back	bace

ان میں پانچ جوڑوں کو ہم نے مثبت نشان دیا اور ایک کو منفی۔ واضح ہو کہ صوتی فرق کی یہاں کوئی اہمیت نہیں۔ askes اور aese کو ہم ایک مانتے ہیں کیونکہ وہ ہم اصل اور ہم معنی ہیں۔ deor (جانور) اور animal ہم اصل نہیں۔ deor جدید انگریزی میں deer (ہرن) بن کر موجود ہے لیکن چونکہ لسانی زمانیات کے طریقے میں معنی ہی اہم ہیں اس لیے یہ کہا جائے گا کہ قدیم انگریزی کا لفظ deor (جانور) جدید انگریزی میں متروک ہو گیا اور اس کی جگہ ایک نیا لفظ animal آگیا۔

اب ہمیں الفاظ کے برقرار رہنے کی رفتار (rate of retention) معلوم کرنی ہے۔ اس کے لیے گُشسکی کے دو سو الفاظ کو لے کر ہند یورپی زبانوں پر چسپاں کیا گیا۔ ہند یورپی خاندان کی زبانوں کے بارے میں ہماری معلومات بہت قدیم زمانے تک اور بہت جامع ہیں۔ 50 ق م کی کلاسکی لاطینی اور آج کی رومانیائی (Rumania) کے ہزار سال کا مقابلہ کیا گیا تو رومانیائی میں لاطینی کے 76% الفاظ برقرار ہیں۔ دوسری طرف 200 ق م کی Plantine Latin اور 1600 کی اسپینی کا مقابلہ کیا گیا تو اسپینی میں فی ہزار سال لیٹن کے 85% الفاظ برقرار تھے۔ ان کا اوسط ½80% آتا ہے۔ 13 زبانوں کے بنیادی الفاظ کو اس طرح گن کر طے کیا گیا کہ ہر ہزار سال میں 81% الفاظ برقرار رہتے ہیں اور 19% الفاظ بدل جاتے ہیں۔

اب ریاضی اور اعدادیات کے قواعد سے مدد لی گئی۔ ریاضی میں ضرب تقسیم وغیرہ کرنے کے لیے Logarithm table ہوتے ہیں۔ ان کی مدد سے گر وضع کیے گئے۔

پہلا مسئلہ تھا برقراری کی رفتار کو ریاضی کی اصطلاح میں ظاہر کرنا۔ اس کے لیے ہند یورپی خاندان کی زبانوں میں وقت کے دو نقطے لیے گئے۔ گُر یہ ہوا۔

$$t = \frac{\log c}{\log r}$$

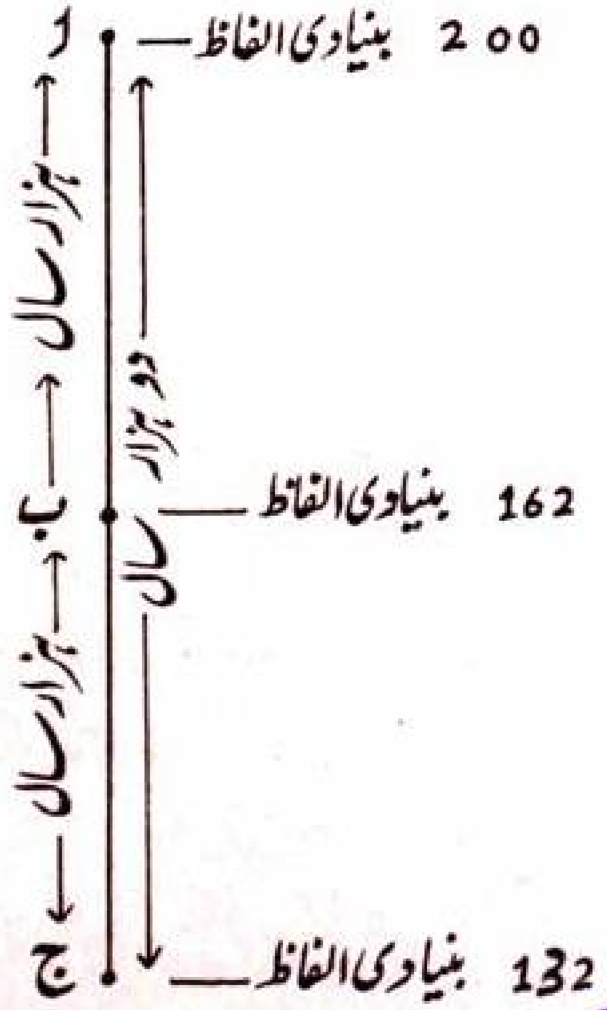
یعنی وہ وقت جو ایک زبان کی دو منزلوں کے بیچ واقع ہے۔ time depth
common forms یعنی دونوں منزلوں کے مشترک ہم اصل بنیادی الفاظ کا فی صدی تناسب۔ rate of retention اس گر سے معلوم ہوا کہ 80% یا 81% ہے۔

اب ہم ایک خاندان کی دو زبانوں کو لیتے ہیں۔ یہ جاننا ہے کہ وہ کب ایک مشترک اصل سے جدا ہوئیں۔ اس کا فارمولا یہ ہے۔

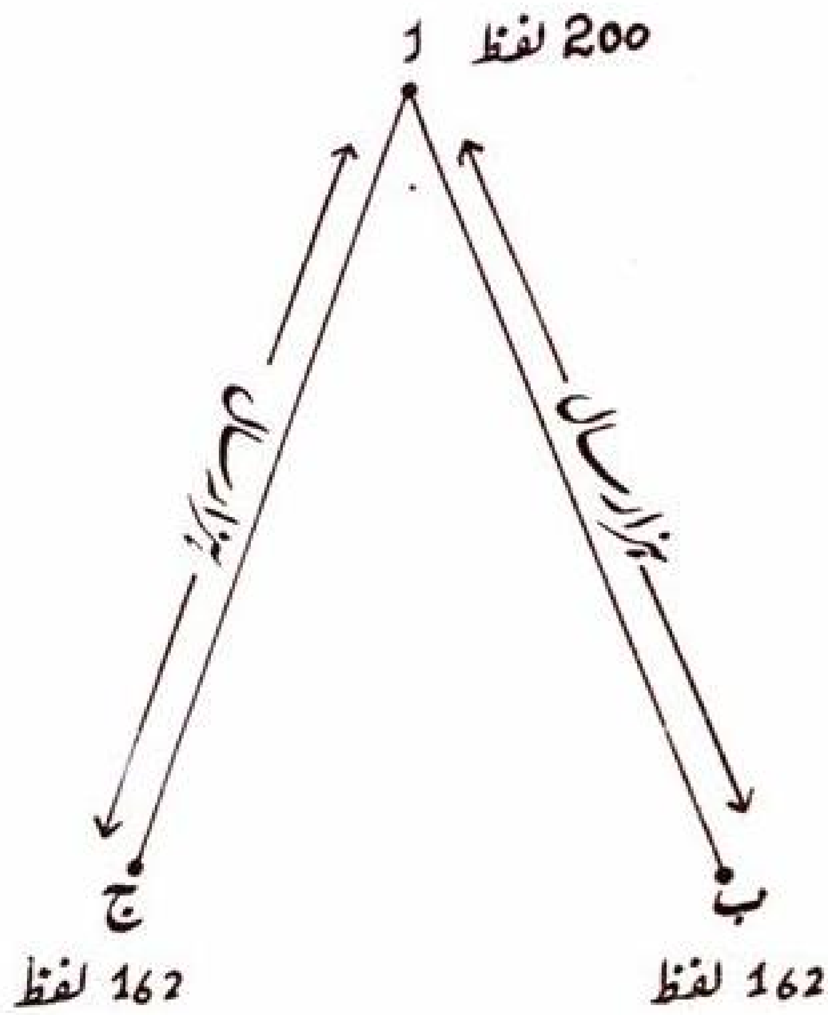
$$t = \frac{\log c}{2 \log r}$$

r کی قیمت ہمیں معلوم ہے جو 81% ہے۔ c کی قیمت دو زبانوں کے سو یا دو سو بنیادی الفاظ کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوگی۔ اس کے بعد ہم t یعنی ان کے افتراق کی میعاد کو جان سکیں گے۔

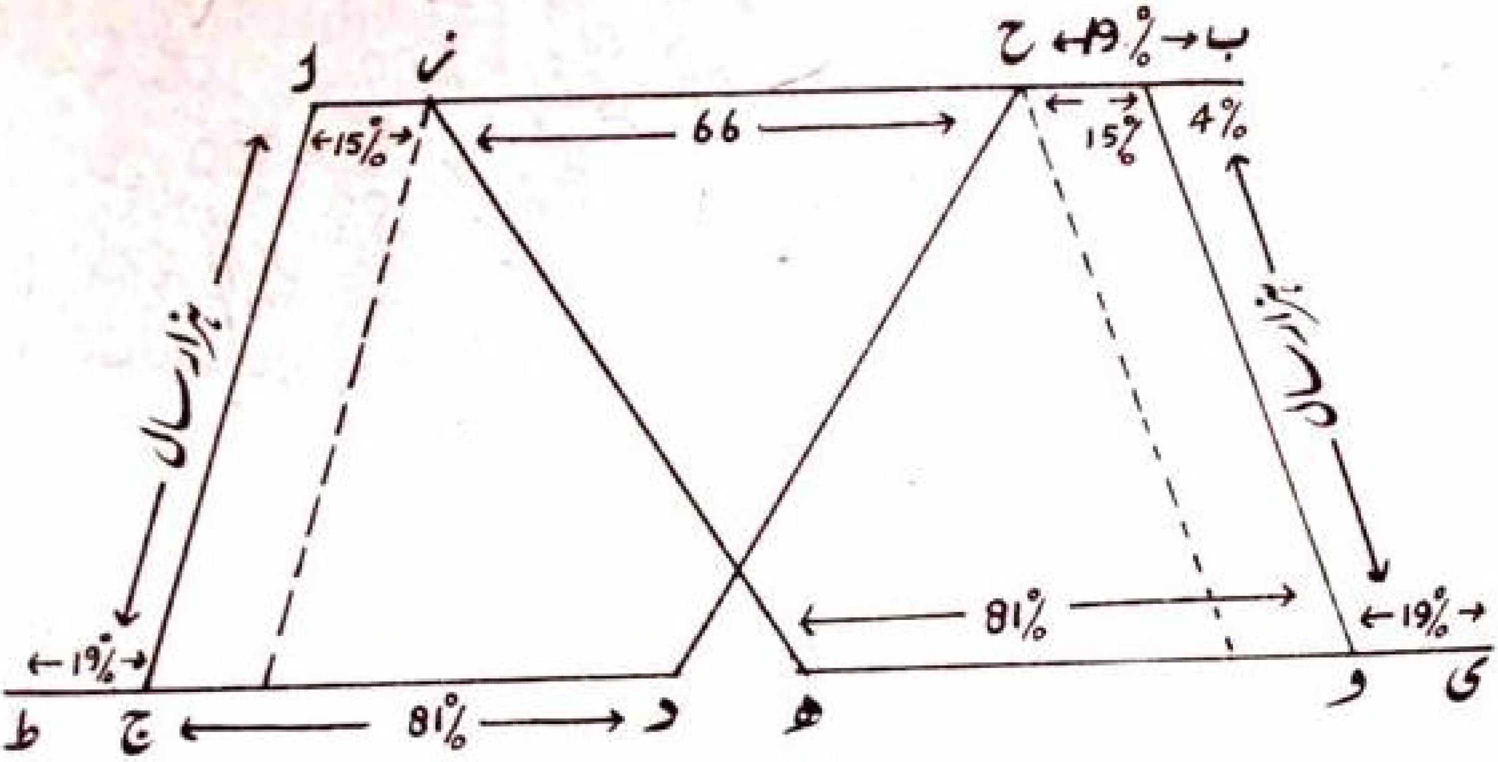
چونکہ ہم نے طے کر لیا ہے کہ ہر ہزار سال کے فاصلے پر زبان کی بعد کی منزل میں پہلے کی منزل کے 81% بنیادی الفاظ برقرار رہتے ہیں اس لیے ایک ہزار اور دو ہزار سال کے طول میں ایک زبان کے بنیادی الفاظ کی یہ کیفیت ہوگی۔



منزل ا کے 200 الفاظ 81% کے حساب سے ایک ہزار سال بعد کی منزل ب' میں $200 \times \frac{81}{100}$ یعنی 162 رہ جائیں گے۔ مزید ایک ہزار سال کی منزل ج میں وہ $200 \times \frac{81}{100} \times \frac{81}{100}$ یا $162 \times \frac{81}{100}$ رہ جائیں گے۔ $\frac{81}{100} \times \frac{81}{100}$ برابر ہوتے ہیں $\frac{66}{100}$ کے۔ اس لیے دو سو کا 66% ہوتا ہے۔ اب ایک ایک زبان کی دو شاخوں کا ہزار سال بعد کیا حشر ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔



ب میں ا کے 162 الفاظ برقرار رہے اور ج میں بھی ا کے 162 الفاظ برقرار رہے لیکن سوال یہ ہے کہ ب اور ج کے بیچ کتنے لفظ مشترک ہیں۔ طے کیا گیا ہے کہ ب ا کے جن 162 الفاظ کو لیتی ہے ج اُن 162 کے صرف 81% کو لیتی ہے یعنی $162 \times \frac{81}{100}$ تقریباً 132 الفاظ کو۔ ب ا کے جن 38 الفاظ کو چھوڑتی ہے ج اُن کے بھی 81% کو لیتی ہے یعنی $38 \times \frac{81}{100}$ تقریباً 30 الفاظ۔ اس طرح دونوں شاخوں میں 66% الفاظ مشترک ہوتے ہیں اور 34% مختلف۔ ایک چارٹ میں ملاحظہ کیجیے۔



ا ب ایک مادر زبان کا بنیادی ذخیرۂ الفاظ ہے۔ اس سے دو دختر زبانیں نکلتی ہیں۔ ان میں سے ایک کا ذخیرۂ الفاظ د ط ہے جس میں سے د ج یعنی 81% مادر زبان سے لیا گیا ہے۔ دوسری دختر زبان ھ ی ہے۔ اس نے بھی مادر زبان سے 81% یعنی ھ و ذخیرہ لیا ہے۔ ھ ی زبان نے مادر زبان کے ا ح حصے (کل کا 81%) کا 81% لیا یعنی $\frac{81}{100} \times \frac{81}{100} = \frac{66}{100}$ یا 66% مادر زبان کے بچے ہوئے 19% حصے (جسے د ط نے نہیں لیا) کا بھی 81%، $\frac{19}{100} \times \frac{81}{100}$ = تقریباً 15%۔ اس طرح ھ ی کا موروثی جزو ھ و مادر زبان کے 66% + 15% = 81% کے مطابق ہے۔ اور دونوں دختر زبانوں میں 81% کا 81% یعنی 66% مشترک ہے۔

قاعدہ ہوا کہ اگر ایک سلسلے کی دو قدیم و جدید زبانوں میں 81% بنیادی الفاظ مشترک ہیں تو وہ ایک ہزار سال قبل جدا ہوئی ہیں۔ جدید ہندی میں دسویں صدی عیسوی کی شورسینی اپ بھرنش کے 81% بنیادی الفاظ ہونے چاہئیں۔ اگر اُن میں 66% بنیادی الفاظ مشترک ہیں تو ان کے افتراق کی مدت دو ہزار سال ہے۔ ایسا ہندی اور پہلی صدی ق م کی پالی میں ہونا چاہیے۔

اگر ایک خاندان کی دو ہم عصر زبانوں میں 66% بنیادی الفاظ مشترک ہیں تو وہ ایک ہزار سال پہلے ایک تھیں۔ اگر ان میں 44% ($\frac{66}{100} \times \frac{66}{100}$) الفاظ مشترک

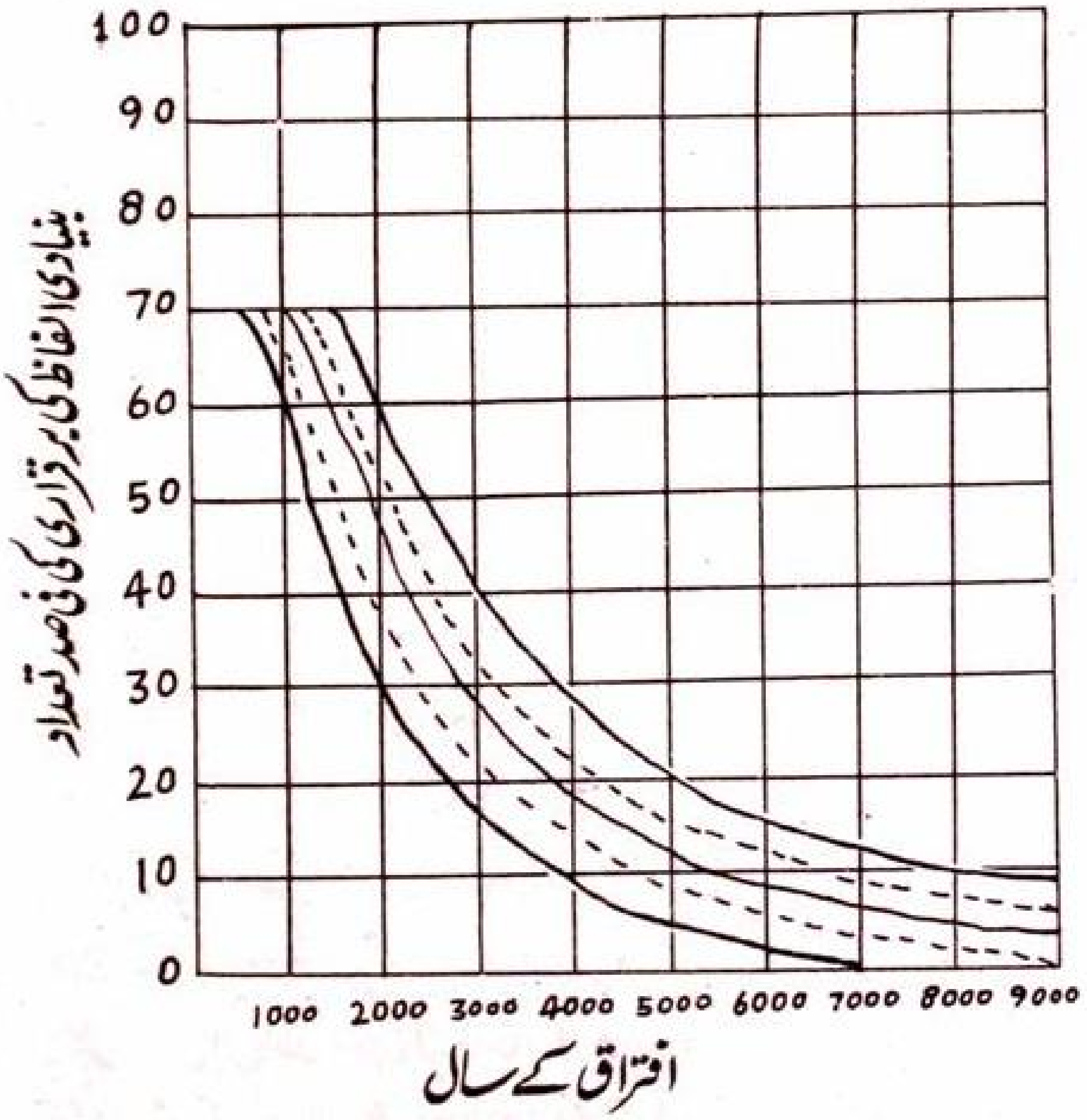
ہیں تو وہ دو ہزار سال پہلے ایک تھیں۔

اگر اعداد و شمار میں تھوڑی سی چوک ہو تو نتیجے میں بہت بڑی غلطی ہو جائے گی۔ اگر ہم یہ مان کر چلیں کہ زبان میں ہزار سال میں 81% الفاظ برقرار رہتے ہیں اور اُن کی بنا پر ہم انگریزی اور ہندی کے مشترک بنیادی لفظوں کے مقابلے سے اصل ہند آریائی کا زمانہ دریافت کریں تو اگر واقعی برقرار رہنے کی رفتار 81% کی بجائے 76 یا 77% رہی ہو تو کئی ہزار سال پیچھے کے زمانے میں ہزار دو ہزار سال کا فرق پڑ سکتا ہے۔ اس طرح یہ طے ہے کہ لسانی زمانیات کے قاعدے سے محض تقریبی زمانہ ہی دریافت کیا جا سکتا ہے۔

ہم ماضی کے کسی واقعے کا غیر متعین زمانہ انداز کرتے ہیں تو اس میں واقعی تاریخ اور سنہ سے کچھ پہلے یا کچھ بعد کا امکان شامل رہتا ہے۔ مثلاً ہم یہ کہیں کہ ہندوستان میں آریہ 1500 ق م میں آئے یا یہ کہیں کہ سنسکرت ختم ہو کر پالی کی ابتدا 550 ق م میں ہوئی تو اس کے معنی یہ نہیں کہ ہندوستان میں آریہ 1501 ق م یا 1499 ق م میں نہیں آئے تھے بلکہ ٹھیک 1500 ق م میں آئے۔ ممکن ہے وہ 1600 ق م میں یا 1400 ق م میں آئے ہوں۔ اسی طرح ممکن ہے سنسکرت کا خاتمہ 600 ق م میں ہو گیا ہو یا وہ 500 ق م تک جاری و ساری رہی ہو۔ یعنی یہ واقعات سو پچاس سال اِدھر اُدھر بھی ہو سکتے ہیں لیکن اگر ہم صحیح جانے بغیر یہ کہیں کہ میر 1135 ھ کے قریب پیدا ہوئے تھے تو یہاں امکانی حدود دس پانچ سال اِدھر اُدھر ہی ہو سکتی ہیں یعنی وہ 1125 ھ اور 1145 ھ کے بیچ پیدا ہوئے ہوں گے یہ نہیں کہ 1100 ھ یا 1175 ھ میں پیدا ہو گئے ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جتنی دور کا واقعہ ہو تقریبی حدود اتنی بڑی ہوتی ہیں۔ جتنے قریب کا واقعہ ہو تقریبی حدود اتنی کم ہوتی ہیں۔ ہم یہ کہیں کہ بن مانس سے انسان کا ارتقا چالیس لاکھ سال قبل ہوا تو اس میں غلطی کا امکان دس لاکھ سال اِدھر اُدھر ہو سکتا ہے لیکن اگر یہ کہوں کہ پروفیسر عبدالقادر سروری نے 1970 کے قریب انتقال کیا تھا تو اس میں ممکنہ حدود ایک سال اِدھر اُدھر سے زیادہ نہ ہوں گی۔ ہاکیٹ نے امکان کی اُن حدود کو nine-tenth confidence level کہا ہے یعنی وہ سطح جس پر وثوق ۹۰% یا 90% ہو سکے۔ اردو میں ہم انہیں وثوق حدود یا امکانی حدود کہہ سکتے ہیں۔

لسانی زمانیات کے فارمولے سے ہم دو زبانوں کے افتراق کی جو تاریخ برآمد کریں اس میں

وثوقی حدود کے لیے خاصی چھوٹ دینی ہوگی۔ ہمیں دو زبانوں (ہم عصر یا مختلف العصر) کے ہم اصل بنیادی الفاظ کو گِننا ہوگا اور اس کے بعد ایک صورت تو یہ ہے کہ log والے ریاضی کے فارمولے سے حساب لگائیں۔ دوسری سہل تر صورت یہ ہے کہ گلیسن نے Work-book of Linguistics لسانی زمانیات کے پیمانے مقرر کرکے ایک گراف چارٹ بنا دیا ہے۔ اس پر ایک نظر ڈالنے سے زمانہ کھل کر سامنے آجاتا ہے یا زمانۂ جدائی معلوم ہو تو مشترک الفاظ فی صد وجود معلوم ہو جائے گا۔ اس چارٹ کو ہاکیٹ[1] نے بھی نقل کیا ہے جہاں سے لے کر ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔



[1] Hockett: Course P 533

اس چارٹ میں افقی خط زمانہ ظاہر کرتا ہے اور عمودی خط بنیادی الفاظ کے برقرار رہنے کا فی صد تناسب۔ گراف بنانے والے خطوط میں مرکزی خط زمانے کی تعین کرتا ہے اور اس کے دونوں طرف کے ٹوٹے ٹوٹے خطوط وثوقی حدود کو۔ اگر تقابلی نمونے کے لیے دوسو بنیادی الفاظ دریافت نہ ہوسکیں تو جتنے کم ہوں گے اسی مناسبت سے غلطی کا امکان بڑھ جائے گا۔ اعدادیات میں منتخب نمونوں کی بنا پر جائزہ اور تخمینہ کیا جاتا ہے۔ یہ نمونے جتنے زیادہ ہوتے ہیں عمومی فیصلہ اسی قدر صحیح ہوتا ہے نمونے جتنے کم ہوں ان کی بنا پر عمومی فیصلہ اسی قدر کم درست ہوتا ہے۔ اگر ہمیں دوسو کی بجائے صرف پچاس بنیادی الفاظ میسر آئیں تو وثوقی حدود بھی اسی قدر دور ہو جائیں گی۔ چنانچہ ٹوٹی سطروں سے بھی باہر کے دونوں خطوط 50 الفاظ کی وثوقی حد ظاہر کرتے ہیں۔ یہ ملاحظہ ہو کہ زمانہ جتنا زیادہ ہوتا جاتا ہے وثوقی حدود اتنی وسیع ہوتی جاتی ہیں۔ دوسری طرف یہ بھی دیکھیے کہ چارٹ میں ایک ہزار سال سے کم کا زمانہ نہیں لیا گیا۔ اس چارٹ میں ایک ہزار سال میں بنیادی الفاظ کے بقا کی رفتار 70% دکھائی ہے۔ یہ ہمارے بنیادی مفروضے کے خلاف ہے۔ لسانی زمانیات میں یہ رفتار 81% مانی جاتی ہے۔

موجودہ جرمن اور انگریزی میں 59% بنیادی الفاظ ہم اصل ہیں۔ چارٹ میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبانیں 1250 سال پہلے جدا ہوئیں اور ان میں 300 سال ادھر یا اُدھر کی امکانی حدود مقرر کی جا سکتی ہیں۔ کناڈا کے پاس وینکوور جزیرے پر بولی جانے والی دو ریڈ انڈین زبانوں نوتکا (Noot Ka) اور کواکیوتل د میں 30% بنیادی الفاظ ہم اصل ہیں۔ چارٹ کے مطابق یہ زبانیں 2800 سال پہلے جدا ہوئیں جس میں پان پانسو سال کی امکانی حدود ڈالنی ہوں گی۔ یہ دونوں اقوام پاس پاس رہتی ہیں اور اگر یہ ہمیشہ سے اسی طرح پاس پاس رہتی تھیں تو ان کا نقطۂ اتصال 2800 سال دور قرار دینا بہت زیادہ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لسانی زمانیات سے نتیجے نکالتے وقت دوسری معلومات سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے۔

لسانی زمانیات کے اطلاق کی مشکلات

اس علم سے نتیجہ نکالنے میں متعدد مسائل سامنے آتے ہیں۔ وہ درج ذیل کیے جاتے ہیں۔

1۔ بنیادی لفظ کسے کہیں۔ انگریزی ہی کو لیجیے۔ گشنسکی کی فہرست کے 107 لفظوں کو ری نے بنیادی نہیں مانا۔ ان میں ایسے الفاظ بھی ہیں

animal, day, father, flower, fruit, grass, husband, leg, sing, snake, snow, wife, mother, wind.

دوسری طرف گشنسکی نے ای کے اس قسم کے الفاظ شامل نہیں کیے

breast, horn, moon.

اس کے علاوہ ان فہرستوں میں ایسے اہم لفظ شامل نہیں

مرد اور عورت کے اعضائے تناسل، مباشرت، فضلہ، پیشاب، بوڑھا، بیماری، بھائی، بہن، گرم، انگلی وغیرہ

بنیادی لفظ اس کو کہا گیا ہے جو مختلف تہذیبی اثرات سے بالاتر ہو کیا کوئی بھی لفظ ایسا ہے۔ پانی جیسے طبعی عنصر کے لیے اطالوی اور اسپینی کی ادبی زبان میں جو لفظ ہے وہ اُن زبانوں کی بولیوں میں پانی اور بارش دونوں کے معنی دیتا ہے۔

2۔ ایک بنیادی مفہوم کا لفظ زبان کی ایک منزل میں ہو سکتا ہے اور دوسری مخصوص منزل میں غیر حاضر۔ اس صورت میں ہم تقابلی لفظوں کی فہرست کو کم کرنے پر مجبور ہوں گے جس سے نتیجے کی صحت متاثر ہوگی۔

3۔ ایک زبان میں دو حریف مترادف لفظ صدیوں بلکہ ہزاروں سال پہلو بہ پہلو موجود رہ سکتے ہیں مثلاً اطالوی میں سر کے لیے testa اور capo ۔ ہندستانی میں مینہہ، بارش، ٹٹی، پاخانہ ۔ پاؤں، ٹانگ، لات ۔ ان میں سے کس کو بنیادی قرار دیا جائے۔

4۔ مختلف زبانوں میں مشترک بنیادی الفاظ کم ہوتے ہیں۔ ایک زبان میں جو لفظ بنیادی ہے اور تہذیب سے متاثر نہیں وہ دوسری زبان میں بالخصوص قدیم زبان میں تہذیب کے زیر اثر کچھ وسیع یا تنگ مفہوم ظاہر کر سکتا ہے۔ مثلاً ہندوستانی زبانوں میں چاند سورج، ہوا بارش کے لیے الفاظ مذہبیات سے متاثر ہیں۔

5۔ ایک بڑی مشکل یہ درپیش آتی ہے کہ دو زبانوں کے تقابلی مطالعے کے لیے کس بولی کو

لیا جائے معیاری زبان کو یا پست معیار کو یا علاقائی معیار کو؟ ایک لفظ ایک زبان کے ایک علاقے میں عالمانہ ہوتا ہے دوسری جگہ عوامی۔

6- مختلف زبانوں میں صحیح مترادفات ملنے مشکل ہوتے ہیں مثلاً سواڈیش (swadesh) نے دیکھا کہ نواہور (Navaho) ریڈ انڈین زبان میں یہ، وہ کے مقابلے میں پانچ الفاظ ہیں۔ اسی طرح پیڑ، گھاس، کھانا، جان سے مارنا، جاننا، چکنائی کے مفہوم سے مماثل کئی لفظ ہیں۔ انگریزی کا لفظ brother اور ہندستانی لفظ بھائی مترادف نہیں۔ ہمارے یہاں چچیرے، ممیرے اور طرح طرح کے بھائی ہوتے ہیں۔ انگریزی میں انھیں cousin کہتے ہیں۔ انگریزی لفظ ice و snow دونوں کے لیے ہمارے یہاں ایک لفظ برف ہے۔

7- اگر دو زبانوں میں بنیادی لفظوں کے جوڑے بھی مل جائیں تو کیونکر طے ہو کہ یہ لفظ ہم اصل ہیں کہ نہیں۔ جن زبانوں کی تاریخ اور رشتہ معلوم ہے انھیں کے الفاظ کے بارے میں قطعیت سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہم اصل ہیں۔ اگر تاریخ معلوم ہے تو لسانی زمانیات کے اطلاق کی ضرورت نہیں۔ اگر تاریخ معلوم نہیں تو دو مماثل لفظوں میں یہ بھی امکان ہے کہ وہ ہم اصل نہ ہوں بلکہ اتفاقیہ مماثل ہو گئے ہوں مثلاً جدید یونانی لفظ mati اور ملائے لفظ mata دونوں کے معنی آنکھ ہیں لیکن دونوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں۔ یونانی لفظ اصلاً omma: آنکھ تھا۔ اس سے اسمِ مصغّر ommation بمعنی چھوٹی آنکھ بنا اور اس سے mati دونوں زبانوں میں اتفاقی صوری و معنوی مماثلت پانچ چھ فی صدی تک ہو سکتی ہے۔

8- یہ ماننا بھی مشکل ہے کہ ایک زبان کی مختلف منزلوں میں اور دو خواہ ہر زبانوں میں ضیعانِ الفاظ کی رفتار یکساں ہوتی ہے۔ آرمینیائی کی ایک جپسی بولی میں آرمینیائی لفظ تقریباً ناپید ہو گئے ہیں صرف بنیادی ساخت آرمینیائی ہے۔ انگریزی، یونانی وغیرہ میں لفظوں کے نقصان کی رفتار اس آرمینیائی بولی سے کہیں زیادہ کم ہے۔ 81% کی رفتار ہندیورپی زبانوں کے مطالعے سے طے کی گئی۔ بعض ریڈ انڈین زبانوں پر اس کا اطلاق کیا گیا تو بھی نتیجہ خاطر خواہ نکلا لیکن زبانوں کے دوسرے خاندانوں میں اس کا اطلاق اتنی قطعیت سے ہوتا مثلاً عربی کی بولیوں میں لفظوں کی برقراری کی رفتار

89% تا 92% ہے۔ فارسی کو دیکھیے۔ ہم شاہنامے کی فارسی بھی بآسانی سمجھ سکتے ہیں اور جدید فارسی بھی۔ گویا فارسی میں ہزار سال سے زیادہ کی مدت میں بہت کم تبدیلی ہوئی ہے اس کے مقابلے میں ہندی کو دیکھیے۔ کتنی بدل گئی ہے۔ اور تامل میں دو ہزار سال میں بھی اتنی تبدیلی نہیں ہوئی۔ مولودِ مسیح کے زمانے کی کتاب کرل کی زبان بھی تامل کہلاتی ہے اور آج کی زبان بھی۔ دوسری کسی زبان میں تبدیلی کی رفتار اس قدر کم ہے

مخلوط زبانوں (Pidgin اور Creol) میں الفاظ کی برقراری کا مسئلہ بہت مختلف ہے۔ سب سے مشہور پجن زبان چینی انگریزی ہے۔ اس کے تقریباً سات سو الفاظ کا انگریزی سے مقابلہ کیا گیا تو نقصان کی رفتار محض دس فی صدی تھی جب کہ Neo-melanasian پجن میں برقراری کی رفتار 60 تا 69% فی صدی تھی۔ یہ تبدیلی ڈیڑھ سو سال کے عرصے میں ہوئی۔ اگر برقراری کی رفتار 81% مان لی جائے تو اس تبدیلی کی مدت ایک اور تین ہزار سال کے بیچ طے ہوگی جو سراسر غلط ہے۔ اگر مختلف زبانوں میں تبدیلی کی رفتار مختلف ہوتی ہے تو لسانی زمانیات کا بنیادی مفروضہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

9۔ یہ مفروضہ بھی من مانا ہے کہ دو خواہر زبانیں مادرِ زبان سے اس طرح بنیادی الفاظ لیتے ہیں کہ ایک جن 81% کو لیتی ہے دوسری اُن 81% کے 81% کو اور بقیہ 19% کے بھی 81% ہی کو لے گی۔ انسانی امور اور سماج میں اس طرح ریاضی کے سے دو اور دو چار کہاں ہوتے ہیں۔

10۔ تبدیلی کی رفتار کا تخمینہ بہت کچھ بنیادی الفاظ کی فہرست پر منحصر ہے۔ اگر اس فہرست میں تھوڑی سی ردّ و بدل کر دی جائے تو نتیجہ خاصا مختلف نکلے گا مثلاً Neo Melanasian پجن میں ایک فہرست لی جائے تو برقراری کی رفتار رہے گی اور بدل کر فہرست لی جائے تو 69% برآمد ہوگی۔

11۔ زمانے کے معاملے میں بھی لسانی زمانیات بہت غیر قطعی ہے۔ بہت تھوڑے زمانے کے لیے یہ غیر مفید ہے کیونکہ دو سو چار سو بلکہ پانسو سال میں بھی بنیادی لفظیات کا فرق بہت واضح نہیں ہوتا۔ زیادہ طویل زمانے میں چونکہ مشترک لفظیات کی تعداد بہت کم ہوتی ہے اس لیے یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں کون کون سے جوڑے ہم اصل لفظوں کے

ہیں اور کون سے اتفاقی مماثلت کے۔ 9 ہزار سال میں صرف تین چار فی صدی الفاظ برقرار رہتے ہیں۔ اتنے تو اتفاقیہ بھی ہو سکتے ہیں۔ دو تین ہزار سال کے آگے امکانی حدود اتنی چوڑی ہو جاتی ہیں کہ کوئی تخمینہ بے کار ہوتا ہے۔

ان دِقتوں کی وجہ سے لسانی زمانیات کے بارے میں بدظنی پائی جاتی ہے۔ یہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مترادف ہے۔ مشہور ہے جھوٹ کے تین درجے ہوتے ہیں۔ جھوٹ۔ سفید جھوٹ۔ اعداد و شمار (Statistics)

تیسرے قسم کے جھوٹ کی بہترین مثال لسانی زمانیات ہے۔ اس لیے بہت سے علما اس کے نتائج کو بالکل غیر معتبر مانتے ہیں۔ اس کی بجائے تقابلی اور تاریخی طریقے پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ بعض کی محتاط رائے یہ ہے کہ لسانی زمانیات کا اطلاق ایک خاندان اور ایک تہذیبی علاقے کی ان زبانوں میں کرنا چاہیے جن کو جدا ہوئے لمبا عرصہ نہیں ہوا۔ وہاں نتائج زیادہ معتبر ہوں گے۔

بعض کی رائے ہے کہ لسانی زمانیات سے زمانۂ فصل دریافت کرنے کی بجائے دو زبانوں کے ذخیرۂ الفاظ کے رشتے کی مقدار درج کرنے پر اکتفا کرنی چاہیے یعنی یہ معلوم کرنا کہ دو زبانوں کی لفظیات میں کتنی فی صد مشترک ہیں۔ لغوی تعلق کی مقدار (degree of Lexical relationship) کو (clips) کہتے ہیں۔ انھیں جاننے کا فارمولہ ہے

$$d = \cdot 14 \frac{\log e}{2 \log r}$$

اس تخمینے کو لسانی زمانیات کی بجائے لغاتی اعدادیات کا نام دینا زیادہ بہتر ہوگا۔ ایک خاندان کی زبانوں کے قرب کو دریافت کرنے کا ایک اور طریقہ ہے۔ یہ من مانے طور پر طے کیا جاتا ہے کہ دو زبانوں یا بولیوں کے بیچ کون سے خصائص زیادہ اہم ہیں کون سے کم۔ مختلف خاصوں کے لسانی خط (Isogless) کو اس کی اہمیت کے لحاظ سے کوئی قیمت دے دی جاتی ہے مختلف خاصوں کی قیمتوں کو جوڑ کر طے کیا جاتا ہے کہ دو یا زیادہ بولیوں اور زبانوں میں قرب کا درجہ کیا ہے اس کے بعد ایک چارٹ کی شکل میں مختلف بولیوں اور زبانوں کو اس طرح درج کیا جاتا ہے کہ جو زیادہ قریب ہوں وہ ایک ساتھ اور جو دور ہوں وہ دور لکھی جاتی ہیں جو ایک نزدیکی گروہ میں ہوں انھیں ایک چوکھٹے

سے محصور کر دیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ زیادہ تر مصنف کا موضوعی فیصلہ ہوتا ہے کیونکہ وہ من کی موج میں طے کرتا ہے کہ کس لسانی خاصے کی کیا اہمیت ہے۔

لسانی زمانیات کی ایک خدمت یہ ہے کہ اس نے زبان میں لفظوں کے ضیعان پر توجہ مبذول کرائی۔

ریاضیاتی لسانیات

یہ دراصل لسانیات کا کوئی علیحدہ شعبہ نہیں بلکہ لسانیات میں ریاضی کے قاعدوں اور طریقوں کے اطلاق کو کہہ سکتے ہیں۔ ریاضی کی صحت اور قطعیت دیکھ کر بہتوں نے زبان کا بھی اسی انداز سے تجزیہ کرنا چاہا۔ ریاضی سے متاثر ہونے والوں میں پہلا بڑا ماہر لسانیات زیلگ ہیرس (Zellig M Harris) ہے۔ یہ پہلے آئن سٹائن کا پی اے تھا۔ اس نے اپنی کتاب structural linguistics میں جملوں کو ایک سیٹ (set : گروہ) کے لیے کوئی قواعدی اصول دریافت کیا۔ اس کے بعد دوسرے گروہ کے لیے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ مختلف سیٹوں کے بیچ ایک مشترک اصول دریافت کیا جاسکتا ہے جو اس پوری زبان کی ساخت کے بارے میں صحیح ہوگا۔

چامسکی نے ہیرس سے متاثر ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ چامسکی کا طریقہ بھی ریاضی سے تحریک لیتا ہے۔ وہ موجودہ زبان کو بے ضابطہ مانتا ہے لیکن ریاضیاتی منطق کی زبان باقاعدہ ہوتی ہے اور اسے سب سمجھ سکتے ہیں۔ چامسکی کا مطمح نظر ایسی آفاقی گرامر بنانا ہے جس میں ریاضی کی سی صحت ہو اور کوئی استثنا نہ ہو۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد ریاضی کا اطلاعی نظریہ (Mathematical theory of information) وضع ہوا اور اس کے زیر اثر سائنس کی ایک نئی شاخ نظریۂ ترسیل (Communication theory) بن گئی۔ چونکہ زبان کا مقصد ترسیل ہی ہے اس لیے اس نظریہ کا لسانیات پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے اور یہ خالص ریاضیاتی لائحۂ عمل ہے۔ اس کی تفصیل گلیسن کی کتاب کے ویں باب میں ملاحظہ ہو۔ نظریۂ ترسیل میں اوّل ایک کوڈ لی جاتی ہے پھر یہ دیکھتے ہیں کہ اس میں کتنی اطلاع ضروری ہے اور کتنی حشو جو پیغام کے لیے ضروری نہیں۔

کمپیوٹر لسانیات بھی ریاضیاتی لسانیات کی ایک اطلاقی شکل ہے۔ اس کو مشینی ترجمے کے لیے بروئے کار لایا جارہا ہے۔ اس میں زبان کے ہر لفظ کو نمبر دے دیے جاتے ہیں۔ کمپیوٹر میں صرف دو سلسلے ہوتے ہیں صفر اور (۱) انھیں کی تکرار اور گوناگوں اجتماع سے ہر لفظ کا کوئی نمبر مقرر کر دیا جاتا ہے مثلاً ایک لفظ کا نمبر صفر ۰ ہے دوسرے کا ۱ تیسرے کا ۰۱ چوتھے کا ۰۰۱ پانچویں کا ۱۰ چھٹے کا ۰۱۰۱ وغیرہ۔ کمپیوٹر کی ذہنی صلاحیت تو بے نہایت ہوتی ہے ایک زبان کے الفاظ کو اس طرح ریاضیاتی کوڈ میں بدل دیا جاتا ہے اور اسی کے مقابل دوسری زبان کے الفاظ کی کوڈ لگادی جاتی ہے اب ایک زبان کے مواد کو کمپیوٹر میں عددی کوڈ میں بدلا جاتا ہے پھر اس کوڈ کو دوسری زبان کے الفاظ میں کشود کر لیا جاتا ہے مثلاً فرض کیجیے ہم نے ذیل کے اردو الفاظ کو یہ نمبر دیے۔

شیر ۰۱۰۱
بہادر ۰۰۱
ہے ۰۱۰

اسی کے مقابل انگریزی کے متعلقہ الفاظ کا بھی یہی نمبر ہے۔

Lion 0101
brave 001
is 010

اب ہم اردو میں شیر بہادر ہے، بہادر شیر ہے، شیر ہے، بہادر شیر وغیرہ جملوں اور فقروں کو لیں اور کمپیوٹر میں کوڈ میں بدل دیں۔ پھر اس کوڈ کو انگریزی کے متعلقہ لفظوں میں کشود کر لیں تو اس طرح کمپیوٹر کے ذریعے ان لفظوں کا ترجمہ ہو جائے گا۔ دشواری یہ ہے کہ زبان میں ایک لفظ کے متعدد معنی، مجازی معنی، سیاقی مفاہیم ہوتے ہیں۔ وہ کمپیوٹری ترجمے کی راہ میں حائل ہوتے ہیں مثلاً "نو دو گیارہ ہو جاؤ" کو کمپیوٹر کے ذریعے ترجمہ کریں تو انگریزی ہی میں دیکھیے کتنا مضحک ہو جائے گا۔ کمپیوٹر کے ذریعہ انگریزی اور روس زبانوں کی کوڈ بنائی گئی جو بیس ہزار جلدوں میں آئی ہے۔ اور انگریزی اور جرمن کی طرف بھی توجہ ہے۔ کوشش یہ ہے کہ اول سائنسی ادب کا ترجمہ کر کے دیکھا جائے۔ اس میں زیادہ تر اصطلاحیں ہوتی ہیں جو ہر جگہ یکساں ہوتی ہیں۔ نیز سائنس میں زبان کا مجازی استعمال کم سے کم ہوتا ہے۔ کمپیوٹر لسانیات کی آخری منزل مقصود

یہ ہے کہ ایسا طاقت ور کمپیوٹر بنایا جائے جو انسانی ذہن کی سی صلاحیت رکھتا ہو اور جس میں تمام زبانوں کی کوڈ ہو۔

لسانیاتی مطالعے کے اور بہت سے شعبے ہیں لیکن اردو کی حد تک ان سے واقفیت ضروری نہیں۔ اطلاقی لسانیات کی دو اہم شاخیں زبان سکھانے کے طریقے اور اسلوبیات ہیں۔ ان میں اسلوبیات کا آج کل بہت چرچا ہے لیکن چونکہ یہ لسانیات سے زیادہ ادب سے سروکار رکھتی ہے اس لیے موجودہ جلد میں اس کی تفصیل قطع کی جاتی ہے۔

بیسواں باب

ترسیمات

جیساکہ دوسرے باب میں لکھا جاچکا ہے انسانی ترسیل کے کئی قاعدے ہیں جن میں تقریر سب سے مکمل ہے۔ اس کے علاوہ طرح طرح کے اشارے اور علامات ہیں جنھیں ہم نے سمعی، بصری اور لمسی میں گروہ بند کیا تھا۔ تقریر یا گفتگو ترسیل کا سمعی طریقہ ہے۔ ترسیل کے کچھ طریقے عارضی ہوتے ہیں کچھ پائدار مثلاً ہاتھ سے V (Victory یعنی فتح) کا نشان بنانا یا سلام کے لیے ہاتھ اُٹھانا عارضی ترسیل ہے لیکن کسی پتھر، چھال یا کاغذ پر کچھ کندہ کرنا یا نقش بنانا پائدار ترسیل ہے۔ گراموفون کی ابتدا سے پہلے زبان کی صوتی ترسیل عارضی تھی یعنی جو کچھ کہا جاتا تھا وہ اسی وقت فنا ہو جاتا تھا۔ نیز یہ مکانی اعتبار سے بھی محدود تھی۔ خالص مکانکی انتظام (مائکروفون، وائرلیس) کے بغیر صوتی ترسیل ایک دو فرلانگ سے زیادہ کے فاصلے پر نہیں کی جا سکتی۔ زمان و مکاں کی اس زنجیر کو توڑنے کے لیے ترسیم (تحریر وغیرہ) کا فن ظہور میں آیا ترسیم بصری ترسیل ہے اور یہ بصری اشاروں کے برعکس پائدار ہوتی ہے۔ اسی لیے یہ انسانی حافظے کی بے نہایت اعانت کرتی ہے۔

زبان تصورات و جذبات کی ترسیل کی ایک صوتی کوڈ ہے۔ اس کوڈ کا تصور سے کوئی فطری تعلق نہیں یعنی یہ من مانی علامتوں کا نظام ہے۔ ترسیم اپنی ابتدا میں شئے حوالہ (Represent) یا تصور کی ہیئت کی نقل کرتی تھی لیکن بعد میں یہ بھی من مانی علامات میں بدل گئی۔ صوتی منزل میں پہنچ کر ترسیم صوتی زبان کی کوڈ بن گئی اور اس طرح اب یہ تصورات کی ثانوی کوڈ ہے۔ صوتی منزل (رکنی، ہجائی) سے پہلے یہ زبان کی کوڈ نہیں تھی بلکہ براہِ راست شے یا تصور کی نمائندگی کرتی تھی۔

زبان اپنے وجود کے لیے تحریر کی تابع نہیں۔ بنی نوع انسان زبان کا تقریری روپ میں تحریری روپ سے کہیں زیادہ استعمال کرتی ہے۔ دنیا میں اب تک جتنی زبانیں ہوئی ہیں اُن میں اُن زبانوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے جو کبھی نہیں لکھی گئی بہ نسبت اُن زبانوں کے جو ضبط تحریر میں آچکی ہیں۔ زبان کے لیے تحریر ایک خارجی لباس ہے اسی لیے لسانیات میں زبان کے تقریری روپ ہی کا مطالعہ کیا جاتا ہے تحریری روپ کا مطالعہ ادبیات یا دوسرے علوم کا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ فنِ تحریر کا مطالعہ لسانیات کا موضوع نہیں۔ اس کے باوجود کوئی بھی ماہر لسانیات اس سے بے نیاز نہیں ہوتا کیونکہ زبان کا جملہ قدیم ریکارڈ تحریر یا نقوش کی شکل میں محفوظ ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ لسانیات میں تحریر کے سلسلے میں قبل تحریر کی اس منزل کا بھی مطالعہ کیا جاتا ہے جس میں ترسیل کے لیے پتھر، کھال، چھال، لکڑی، مٹی کی ٹکیہ وغیرہ پر تصویریں یا نقوش بنائے جاتے تھے یا کندہ کیے جاتے تھے۔ چونکہ 'تحریر' کی اصطلاح ان کا احاطہ نہیں کر سکتی اس لیے ہم اس سے وسیع تر اصطلاح 'ترسیم' کا استعمال کریں گے۔ اس فن کو ترسیمیات کہیں گے۔ ہاکیٹ[1] نے اسے graphonomy کہا ہے۔ جیلب[2] (gelle) نے اس کے لیے grammatology کی اصطلاح وضع کی ہے۔ یونانی زبان میں گرام اور گرامر کے معنی لکھنے کے ہیں لیکن چونکہ ان کے اصطلاحی معنی قواعد کے ہو گئے ہیں اس لیے گریمٹالوجی سے غلط فہمی ہوتی ہے کہ یہ 'قواعد لکھنے کی سائنس' ہے۔ ان سب سے بہتر graphemics[3] ہے جو ہال نے استعمال کی ہے۔ ہاکیٹ نے ترسیمیات کو لسانیات کی شاخ تو قرار نہیں دیا لیکن دونوں کو برابر کی حیثیت دے کر ثقافتی بشریات (cultural anthropology) کا جزو قرار دیا تھا کیونکہ فنِ ترسیم بھی زبان کی طرح کلچر کے ذریعے ایک شخص سے دوسرے کو منتقل ہوتا ہے۔

---

1. Hocket: A course P539
2. I. J. Jelb: A study of writing, the foundation of grammatology P23, the University of Chicago Press 1952
3. Hall: Interoductory linguistics P263

ترسیمیات کی کتابوں میں اکثر قبل تحریر کی ترسیل کوششوں نیز طرح طرح کے رسوم الخط کا بیان ہوتا ہے۔ انھیں تاریخی طریقے سے بیان کر دیا جاتا ہے لیکن ان میں مشترک اصول اور ان کی گروہ بندی کی طرف توجہ نہیں کی جاتی جس کی وجہ سے ترسیم کا ایک علم (سائنس) کے طور پر مطالعہ نہیں کیا گیا۔ اے۔ جی۔ گیلب نے اپنی کتاب میں ترسیمیات کو ایک سائنس کی شکل دی اس کی نوعیاتی گروہ بندی کی اور ہر گروہ اور ہر منزل کے اصول دریافت کیے۔ اس کے مقابلے میں ڈرنجر کی کتاب ' Alphabet '، مختلف خطوط کو تفصیل سے پیش کرتی ہے۔ ترسیمیات کو باقاعدہ علم مان کر اس کے مطالعے کی دو شاخیں کی جا سکتی ہیں۔ (1) تاریخی ترسیمیات۔ اس میں ترسیمیات کی تاریخ بیان کی جاتی ہے (2) بیانی ترسیمیات اس میں کسی مخصوص رسم الخط کا تجزیہ کیا جاتا ہے؛ اس کی خوبیاں اور خرابیاں، اس کے پس پشت اصول، اس کی اصلاح کی تجاویز وغیرہ پر غور کیا جاتا ہے۔ ترسیمیات کی بیشتر کتابیں تاریخی پہلو سے لکھی گئی ہیں۔

قدیم ترسیم کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ کندہ کاری (epigraphy) اس میں کسی سخت سطح مثلاً پتھر، لکڑی، مٹی کی تختی پر سخت نوک والے قلم (مثلاً لوہے کی کیل) سے کندہ کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے آثار قدیم ترین ہوتے ہیں۔

2۔ عتیق نگاری (Paleography) اس میں چمڑے، پپیرس یا کاغذ وغیرہ پر نقوش بنائے جاتے ہیں یا لکھا جاتا ہے۔ اس میں روشنائی یا رنگوں کا استعمال ہوتا ہے۔ نقش کھودے نہیں جاتے۔ یہ ترسیم پہلی سے بعد کی ہوتی ہے۔

ترسیم کی کیا تعریف کی جائے۔ ہمیں ایسی تعریف چاہیے جس میں مروجہ معنی میں تحریر کے علاوہ تحریر کی ابتدائی منزلیں یعنی کندہ کاری اور عتیق نگاری بھی شامل ہو جائیں۔ اس کے لیے گیلب کی یہ تعریف جامع رہے گی۔

"تحریر روایتی بصری نشانات کے ذریعے ترسیلِ باہمی کا نظام ہے۔"
Writing is a system of human intercommunication by means of conventional visible marks

ارسطو نے کہا تھا کہ تقریری الفاظ ذہنی تجربے کی علامتیں (Symbol) ہیں اور تحریری الفاظ تقریری الفاظ کی علامتیں ہیں۔

صوتی ترسیم کی حد تک تو یہ صحیح ہے کہ تحریر تقریر کی علامت ہے لیکن صوتی تحریر سے قبل کی ترسیم کے لیے یہ صحیح نہیں۔

تحریر کا آغاز اور ارتقا

دوسرے بہت سے فنون کی طرح تحریر کا آغاز بھی غیر واضح ہے۔ زبان کے آغاز کی کھوج کی طرح تحریر کے آغاز کو بھی ذیل کے تین سرچشموں میں تلاش کیا جاتا ہے۔

1۔ آثارِ قدیمہ کے فراہم کردہ ترسیم کے قدیم ترین نمونے۔ ان میں مصری، سمیری اور دوسرے خطوط کی باقیات شامل ہیں۔

2۔ پچھلی چند صدیوں کے قبائلیوں کی تصویر کشی یا ترسیم۔ ان میں امریکہ کے ریڈ انڈین، الاسکا کے اسکیموں اور افریقہ کے پچھڑے ہوئے قبائلیوں کے ترسیلی طریقے بہت دلچسپ ہیں۔ ریڈ انڈین تصویروں کے ذریعے سے پوری کہانی، واقعات یا خطوط بیان کر دیتے ہیں۔

3۔ بچوں کی تصویر کشی کا مطالعہ۔ وہ ایک کھڑی لکیر کھینچ کر اسے پیڑ یا آدمی قرار دے دیتے ہیں۔ مختلف تصویروں میں کوئی توازن نہیں ہوتا۔ کوئی چھوٹی کوئی بڑی کوئی اوپر کوئی نیچے۔ ایک سطر دائیں سے چلے گی تو دوسری بائیں سے۔ قدیم انسان گرنہوں کا ذہن بھی کچھ انھیں خطوط پر کام کرتا تھا۔

اگر ہم تحریر کی مندرجہ بالا تعریف کو روایتی بصری نشانات کے ذریعے زبان کی ترسیل تک محدود کر دیں تو تحریر محض تین ہزار قبل مسیح سے یعنی کل پانچ ہزار سال سے شروع کی جا سکے گی لیکن اس سے کئی ہزار سال قبل سے ابتدائی انسان چٹانوں پر اور غاروں میں تصویریں بناتا تھا اور ان تصویروں سے ترسیل کی جاتی تھی۔ ترسیم کا سرچشمہ یا تو قدیم فنِ مصوری میں تلاش کرنا ہوگا یا ٹونے ٹوٹکے کے لیے بنائے ہوئے نقوش میں۔ بہر حال جہاں تک قدیم تصویر کشی کا سوال ہے ترسیم کی منزل اس وقت شروع ہوتی ہے جب آرٹ اور آرائش کا جذبہ ختم ہو کر ترسیلِ خیال کا مقصد غالب ہو جاتا ہے۔

ترسیلِ خیالات کے ابتدائی نمونوں کے بارے میں یہ یقینی طور پر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا

کہ انھیں تحریر کہیں یا نہ کہیں۔ اُنھیں تحریر کے پیش رو قبل تحریر کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔ غیر مہذب قبیلوں میں طرح طرح کے طریقوں سے تصورات ادا کیے جاتے تھے۔ وہ لوگ ان اشاروں کو بخوبی سمجھ لیتے تھے۔ ان کی متعدد مقامی شکلیں تھیں مثلاً

ڈھول سے مختلف قسم کی آوازیں نکال کر مختلف پیغام نشر کیے جاتے تھے۔ آگ جلا کر اور اس کے شعلوں کو بعض مقامات سے پوشیدہ کر کے بھی مفہوم ظاہر کیا جاتا ہے۔ دھویں سے بھی ایسا کام لیا جاتا ہے۔ ریڈ انڈینوں کے بعض قبیلوں میں رواج تھا کہ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے پیڑوں کی شاخوں کو خاص خاص ترتیب سے زمین پر رکھ کر دوسروں کو اطلاع کی جاتی تھی یعنی اگر ایک ٹہنی زمین پر رکھ دی جاتی اور اس کے پچھلے سرے کے قریب ایک کھونٹی گاڑ دی جاتی تو اس کا مطلب ہوتا کہ میں دور جا رہا ہوں۔ اگر کھونٹی اگلے سرے کے پاس ہوتی تو یہ چھوٹے سفر کی علامت ہوتی ہے اگر کئی کھونٹیاں گاڑی جاتیں تو یہ دنوں کی تعداد کی طرف اشارہ کرتا۔

ان پچھڑے طریقوں سے زیادہ ترقی یافتہ اور وسیع المعنی قاعدے ملاحظہ ہوں۔

رسیوں یا دھاگوں میں گرہیں لگا کر آج کل بھی یادداشت میں مدد لی جاتی ہے۔ 'سال گرہ' کی ترکیب اور گانٹھیں باندھ لینے کا محاورہ اسی طرح اشارہ کرتے ہیں۔ پیرو کے اِنکا لوگوں میں گرہ دار رسیوں کے اشارے اتنے ترقی شدہ تھے کہ اُنھیں رسنی تحریر کہا جا سکتا ہے۔ ان پیچیدہ رسیوں کو "کوئیو (quipu) کہتے تھے۔ ان کی یہ صورتیں تھیں۔

(1) رسی میں رنگ برنگے سوت باندھے جاتے تھے۔ (2) رسی کو طرح طرح کے رنگوں سے رنگا جاتا تھا (3) رسی یا جانوروں کی کھال میں طرح طرح کے موتی، گھونگھے اور مونگے وغیرہ باندھے جاتے تھے (4) مختلف لمبائی یا مختلف موٹائی کی رسیوں سے ترسیل کی جاتی تھی (5) رسی میں مختلف فاصلوں پر مختلف قسم کی رسیاں باندھی جاتی تھیں یا گانٹھیں لگائی جاتی تھیں۔ وغیرہ اہلِ پیرو ان گرہ دار رسیوں سے تاریخی واقعات اور قوانین وغیرہ کو بھی محفوظ کرنے لگے تھے۔ ایک موٹی رسی میں بہت سے دھاگے جھالر کی طرح باندھ دیتے جو کئی گچھوں میں تقسیم ہوتے تھے۔ مختلف گچھوں کے مختلف رنگ ہوتے تھے مثلاً سُرخ دھاگے کا سپاہی کی، زرد سونے کی، سفید چاندی کی اور سبز اناج کی علامت ہوتا۔ ایسے کوئیو آج بھی محفوظ ہیں لیکن اب کوئی ان کے معنی نہیں بتا سکتا۔ یہ یقینی ہے کہ کوئیو میں اتنی زیادہ معلومات محفوظ

رکھی جاتی تھیں کہ قبل تحریر کی اس شے کو تصویری تحریر کا مرتبہ دیا جانا چاہیے۔ ابتدائی تحریروں میں بھی کوئی لمبے چوڑے مضمون نہیں ہوتے۔

ایک ترکیب یہ تھی کہ چھڑیوں میں طرح طرح کے کٹاؤ ڈال کر بہت کچھ ظاہر کیا جاتا تھا۔ قرونِ وسطیٰ کے مہذب یورپ میں چھڑیوں کے کٹاؤ کے ذریعے دس پونڈ، 100 پونڈ اور ہزار پونڈ کا اظہار کیا جاتا تھا یا چھڑی کی ایک دھار پر مختلف دندانے کاٹ کر قرض لینے دینے کی رقم کو یاد کر لیا جاتا تھا۔ دندانے دار لکڑیوں کو چیر کر ایک حصہ قرض خواہ اور دوسرا قرض دار رکھ لیتا تھا۔ رقم بے باق کرتے وقت انھیں ملایا جاتا تھا۔ ان لکڑیوں کے دو پرتوں کو ملانے کو Tally کہتے ہیں اور ان پر دندانے بنانے کو اسکور (Score) کہتے تھے۔ بیسواں نشان ذرا بڑا ہوتا تھا۔ اس لیے ایسے بالخصوص Score کہا جاتا تھا۔ یہ جان کر حیرت ہوگی کہ 1826ء تک بینک آف انگلینڈ میں قرض کے لیے انھیں لکڑیوں سے رسید دی جاتی تھی۔

یادداشت کے ان طریقوں کو تحریر سے خارج کیا جاتا ہے کیونکہ ہمارے ذہن میں تحریر کا تصور مسطح شے مثلاً چٹان، دیوار، چمڑے، پتے، کپڑے یا کاغذ وغیرہ پر ترسیم کا ہے۔

تحریر کا آغاز مصوری سے ہوا۔ آثارِ قدیمہ میں غیر متمدن انسانوں کی بنائی ہوئی بہت سی تصویریں ملتی ہیں۔ ان کی نقاشی کی تین اغراض ہوتی ہیں (1) سب سے پہلی غایت مذہبی رسوم، جادو ٹونا وغیرہ ہیں۔ ہندو مندروں میں نقاشی کی کثرت تصویر کشی کے مذہبی پہلو کو ظاہر کرتی ہے (2) دوسری غایت آرائش ہے۔ ہتھیاروں کے دستے پر تصویر گری یا دوسری اشیا پر خواہ مخواہ تصویریں بنانا یہ سب قدیم انسان کا آرٹ ہیں (3) تیسرا مقصد ترسیلِ خیال ہے اور یہ تحریر کی طرف قدم ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ مندرجہ بالا مقاصد ملے جلے ظاہر ہوتے ہیں۔ مندروں کی تصویریں مذہبیت سے بھی مملو ہیں اور آرائش کا فائدہ بھی دیتی ہیں۔ ٹوٹم کے نشانات ایک طرف جادو ٹونے کی پر اسرار قوتوں کے مخزن ہیں تو بعض اوقات یہ خیالات کی ترسیل بھی کرتے ہیں مثلاً الاسکا میں قبائلیوں کے گھر کے باہر ٹوٹم ستون یا ٹوٹم درخت ہوتا ہے جس پر اوپر سے نیچے کی طرف کو قبیلے کے ٹوٹم اور بعض انسانوں کی شکلیں کھدی ہوتی ہیں۔ ٹوٹم صاحب خانہ کا قبیلہ ظاہر کرتا ہے اور انسانی شکلیں اس کے آبا و اجداد کی نمائندگی کرتی ہیں۔

ترسیلِ خیالات کے مقصد سے بنائی ہوئی تصویریں ذیل کے اغراض کو پیشِ نظر رکھتی ہیں۔

1۔ امتیازی نقوش

ہندوؤں میں سہانت سہانت کے ٹیکے (قشقے)، مذہبیت اور آرائش کے علاوہ بعض صورتوں میں عقیدے کی نشاں دہی بھی کرتے ہیں اور یہ تابل ناڈو کے برہمنوں پر زیادہ صحت سے صادق آتا ہے۔ فوجیوں کی وردیوں کی آستین، کندھے اور سینے پر نشانات ان کا عہدہ ظاہر کرتے ہیں۔ کاغذ، موٹر، عمارت پر اشوک کے تین شیروں کا نشان صدر، نائب صدر یا گورنر وغیرہ کی علامت ہے۔

2۔ ملکیت کے نشان

قدیم زمانے کے برتنوں پر مخصوص نشانات ملتے ہیں جن سے اُن کے آقا کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ بعض علماء نے ہندوستان کے براہمی خط کو انھیں نشانات سے ماخوذ کرنا چاہا ہے۔ دھوبی ایک خاندان یا شخص کے کپڑوں پر ایک نشان بنا دیتا ہے تاکہ معلوم ہوتا رہے کہ کونسا کپڑا کس کا ہے۔

3۔ راستہ بتانے کے نشانات

قبائلی دور میں راستوں پر کچھ نشان بنا دیتے تھے تاکہ لوگوں کو راستے کی مختلف منزلوں کی پہچان رہے۔ پرانی کہانیوں میں سنایا جاتا ہے کہ ہیرو کو ایک جگہ جا کر دوراہہ ملا جہاں لکھا تھا کہ ایک راستہ مختصر لیکن پُر خطر ہے دوسرا طویل لیکن باعافیت ہے کیا عجب ہے کہ یہ مضمون تحریر کی بجائے نشانات سے ظاہر کیا گیا ہو۔ جدید دور میں موٹر گاڑیوں کے لیے سڑکوں پر جو نشانات بنے ہوتے ہیں وہ بھی ایک مقررہ پیغام کی خوبی سے ترسیل کرتے ہیں۔ یہ نشانات
European International Motor Sign Code
میں مدوّن کر لیے گئے ہیں اور انھیں ہر جگہ سمجھا جاتا ہے۔

ترسیم کے ارتقا میں دہی نقوش و تصاویر اہم ہیں جو خیالات کی ترسیل کرتی ہیں اور جن کا مفہوم متعین ہو گیا ہے یعنی اس لسانی گروہ کے تمام افراد ان تصاویر یا نقوش کو دیکھ کر یکساں مفہوم مراد لیتے ہیں۔ گیلب نے اس قسم کے نقوش و تصاویر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔

1۔ بیانی ترجمانی طریقہ

اس طریقے میں جس خیال کو پیش کرنا ہوتا ہے اس کی تصویر بنا دی جاتی ہے۔ یہ تصویر۔ فن کارانہ نہیں ہوتی کیونکہ اس کا مقصد ترسیل پیام ہے۔ اس میں جزئیات کو حذف کر کے تصویر کو مختصر کر دیا جاتا ہے۔ پھر بھی نقش اور تصوّر میں مماثلت رہتی ہے۔

تصویروں کی دلالت (Reference) کی مختلف قسمیں ہو سکتی ہیں۔ تصویر مفرد ہو سکتی ہے یا کئی تصویروں کا مجموعہ۔ اس طرح ذیل کی صورتیں ممکن ہیں۔

ا۔ مفرد تصویر مفرد تصوّر کو ادا کرے

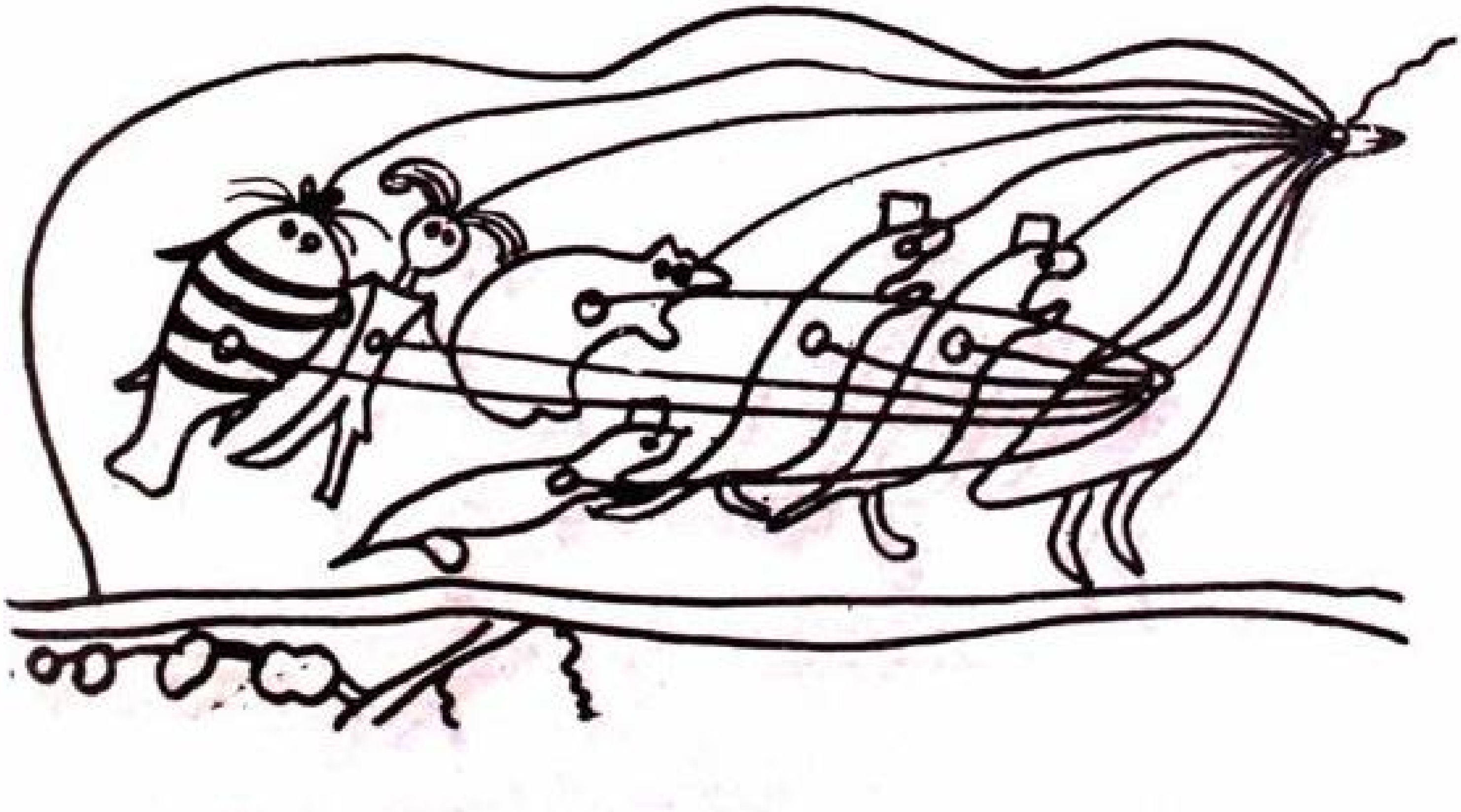
ب۔ مفرد تصویر پورے کلام کو ظاہر کرے جیسا کہ آگے درج کی جانے والی ابوے قبیلے کی کہاوت 3 میں ہے۔

ج۔ مرکب تصویر ایک کلام کو ظاہر کرے

د۔ مرکب تصویر ایک پیراگراف کے برابر خیال کی ترسیل کرے

ریڈ انڈینوں میں تصویر نگاری عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ ذیل میں اس کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ جہاں ایک مرکب تصویر کے ذریعے پورا مفصّل پیغام درج کر دیا گیا ہے۔

صدر امریکہ کے نام ایک عرضداشت



یہ تصویری[1] چٹھی کچھ ریڈ انڈین قبیلوں نے جنوری 1849ء میں صدر امریکہ کو بھیجی۔ اس میں مختلف قبیلوں کے سرداروں کو ان کے ٹوٹم (قبائلی علامت) سے ظاہر کیا ہے۔ سب سے آگے سارمس قبیلے کا سردار ہے جو تمام درخواست گزاروں کا سرغنہ ہے۔ یہ قبیلے صدر امریکہ سے ایک جھیل حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ سرغنہ کے سر پر لہراتی ہوئی لکیر جھیل کو ظاہر کرتی ہے۔ تمام قبائلی سرداروں کے دل سرغنہ کے دل سے اور آنکھ سرغنہ کی آنکھ سے ملی ہوئی ہیں جو ظاہر کرتا ہے کہ وہ بہ دیدہ و دل سردار کے ہم خیال ہیں۔

ان تصویروں میں وہ تفصیلات حذف کر دی جاتی ہیں جن کا پیغام سے تعلق نہیں۔ ہمارے لیے تو ان میں وہ تفصیلات بھی مقدر معلوم ہوتی ہیں جن کا پیغام سے تعلق ہے۔

2۔ شناختی، یادداشتی طریقہ

اگر نقوش کا بنیادی مقصد کسی بات کو یاد رکھنا یا کسی شے کو شناخت کرنا ہوتا ہے تو اکثر نقوش کافی مختصر ہوتے ہیں۔ انھیں ایک طرح کی علامت (symbol) سمجھیے۔ دھوبی کے کپڑوں پر نشان، ظروف کے نشان فوجی وردیوں پر عہدے کے نشان معماروں کے نشان سب اسی کے ذیل میں آتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

1۔ افریقہ کے ملک ٹوگو کے ایوے قبیلے کی چند کہاوتیں[2] ملاحظہ ہوں۔

3 2 1



---

[1] محمد اسحاق صدیقی: فن تحریر کی تاریخ۔ ص 46 ۔ انجمن ترقی اردو ہند 62ء

[2] ایضاً ص 41 نیز Gelb کی انگریزی کتاب ص 49

1 ۔ دو آدمی تیر اور کمان یعنی دو مخالف ایک ساتھ میدان میں نہیں رہ سکتے کیونکہ ان میں سے کسی ایک کو پیچھے ہٹنا پڑے گا۔

2 ۔ سوئی بڑے بڑے کپڑے سیتی ہے یعنی چھوٹی چیزوں سے بڑے بڑے کام ہوتے ہیں۔

3 ۔ تاگا سوئی کے پیچھے چلتا ہے یعنی بیٹے باپ کی پیروی کرتے ہیں۔

رمزی تصاویر میں امریکہ کے ریڈ انڈین جن پیچیدہ اور طویل خیالات کو ادا کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں اس کی مثال دوسرے قبیلوں میں نہیں ملتی۔ ذیل میں[؎] ان کے ایک پیار کے گیت کا مرقع ملاحظہ ہو۔



ہر تصویر گیت کے ایک بند کی ترجمانی کرتی ہے۔ پہلی تصویر میں عاشق کھڑا ہے۔ دوسری میں جادو کا ڈھول بجا رہا ہے اور منہ سے گاتا جاتا ہے۔ تیسری میں ایک جھونپڑے میں چھپ کر منتر پڑھ رہا ہے۔ چوتھی میں محبوبہ عاشق کے پاس چلی آتی ہے پانچویں میں محبوبہ کسی دوسرے مقام پر چلی گئی ہے۔ چھٹی میں وہ سو رہی ہے اور عاشق اس کے دل پر جادو کر رہا ہے۔ ساتویں میں عاشق کا دل دکھایا ہے۔ آٹھویں تصویر کی کلی محبوبہ کی دوشیزگی کی علامت ہے۔

؎ محمد اسحاق صدیقی، فنِ تحریر کی تاریخ ص 44

ڈیکوٹا ریڈ انڈین سین کا حساب جاڑوں کے اعتبار سے درج کرتے ہیں۔ وہ ہر سال کے موسم سرما کے کسی اہم واقعے کی تصویر بنا لیتے ہیں چنانچہ اُن کے سرمائی حساب کے نقوش 76-1775 سے لے کر ۷۹-۱۸۷۸ تک ملتے ہیں۔ ان میں مختلف سالوں کی ترجمانی کچھ اس قسم کی تصویروں سے کی گئی ہے۔

الف۔ 1801-1800 میں 30 ڈیکوٹاؤں کو زاغ قبیلے نے مارا تھا۔ ب۔ 2-1801 میں بہت سے لوگ چیچک کے ہاتھوں لقمۂ اجل ہوئے۔ ج۔ 3-1802 کو گھوڑے کی نعل سے ظاہر کیا ہے کیونکہ ریڈ انڈینوں نے پہلی بار اس سال میں گھوڑوں کو نعل پہنے دیکھا۔

شناخت و یادداشت کے نقوش، بیانی ترجمانی نقوش کے مقابلے میں تحریر کے زیادہ قریب ہیں۔ دنیا بھر کی قدیم قوموں میں یادداشتی علامتوں کا رواج تھا لیکن سمیریوں نے ان علامات کے لیے اصل اشیا کو محفوظ کرنے کی بجائے مٹی کی تختیوں یا ٹکیوں پر ان کی تصویریں بنائیں اور یہ ترسیم کی طرف پہلا قدم تھا۔

ترسیم کا آغاز و ارتقا

ترسیم کے تمام باقاعدہ نظام مشرق میں ظہور پذیر ہوئے۔ ان میں اہم ترین عراق، مصر اور لبنان کا علاقہ ہے ان تمام مقامات کے قدیم ناموں سے روشناس ہونا چاہیے۔ عراق کے علاقے کو میسوپٹامیہ کہتے تھے۔ سمیریا، اشوریہ (Assyria) اور بابل بھی اسی علاقے کے مختلف ادوار کے نام ہیں۔ شام کو کنعان اور لبنان کو فنیقیہ کہتے تھے۔ جزیرہ کریٹ اور قبرص (سائپرس) کو بھی اس مقصد کے لیے مشرق ہی میں شمار کرنا چاہیے۔ خلیج فارس کے اوپر کا علاقہ یعنی جنوبی ایران ایلم کہلاتا تھا۔

خالص تصویروں کے بعد ترسیم کے ارتقا میں تین منزلیں ہیں۔

1- ایک خیال کو ایک نقش کے ذریعے ظاہر کیا جائے۔ اس منزل میں اگر نقش میں پوری تصویر پیش کی جائے اور پورا خط ایسی تصاویر پر مشتمل ہو تو اسے تصویر نگاری (Pictography) کہیں گے لیکن اس قسم کے خالص تصویری خط نہیں ملتے۔ اس کی ارتقائی منزل یہ ہے کہ تصویریں قدرے زیادہ مختصر ہو جاتی ہیں۔

بعض اوقات رمزیہ علامت ہو جاتی ہیں۔ان کو لفظ نقش Logo-gram کہتے ہیں کیونکہ یہ پورے خیال کو ایک نقش سے ادا کر دیتے ہیں۔

2۔ دوسری منزل رکنی (syllabic) ہے۔اس میں خط کی اکائی رکن ہوتا ہے یعنی ایک رکن کو پیش کرتی ہے۔ان علامات کے مجموعے کو رکنیہ (syllablly) کہتے ہیں۔

3۔ تیسری منزل ہجائی ہے جس میں ایک نشان ایک آواز (مصمتہ یا مصوتہ) کو پیش کرتا ہے۔اس کے نشانات کو ہجار (alphabet) کہتے ہیں۔

ابتدائی خطوط میں زیادہ تر ملے جلے ہوتے ہیں یعنی جس خط میں بیشتر نشانات لفظ نقش ہوتے ہیں ان میں کچھ رکنی نشانات بھی ہوتے ہیں۔اسی طرح بعض خطوط میں بیشتر رکنی نشان ہوتے ہیں لیکن چند مفرد آوازوں کے نشان۔اس طرح خطوں کی تین قسمیں کر سکتے ہیں۔

1۔ لفظی رکنی (word syllabic)۔ان میں بیشتر علامات لفظ نقش ہوتی ہیں لیکن کچھ علامات رکنی بھی ہوتی ہیں۔

2۔ رکنی (syllably) ان کی علامات کی رکنوں کو پیش کرتی ہیں لیکن ان میں زیادہ ارتقا یافتہ نظاموں میں بعض نشانات مفرد آوازوں کو بھی پیش کرتے ہیں۔

3۔ ہجائی (alphabetic)۔ان میں ہر نشان (کم از کم کوشش اور دعوی یہی ہوتا ہے) مفرد آواز کو پیش کرتا ہے۔

ذیل میں ایک ایک گروہ کو تفصیل سے لیا جاتا ہے۔

لفظی رکنی خطوط

یہ حسب ذیل ہیں

1۔ سمیری۔میسوپٹامیہ میں 3500 ق م سے۔اس میں اکادی، بابلی اور آشوری خط بھی شامل ہیں۔

2۔ مصر کا ہیروغلیفی۔ 3000 ق م یا اس سے بھی قبل سے۔اس میں ہراطیقی اور دیموطیقی اسالیب بھی شامل ہیں۔

3۔ ابتدائی ایلمی۔تقریباً 3000 ق م سے خلیج فارس کے اوپر۔یہ ابھی کشود نہیں ہوا۔

4۔ وادیٔ سندھ کا خط 2500 ق م سے 1700 ق م تک

5۔ کریٹ کے خط 2000 ق م سے چودھویں صدی ق م تک۔اس کے چار خطوط میں سے

صرف ایک یعنی آخری پڑھا جاسکا ہے۔

6- حتی خط۔ ایشیائے کوچک میں 1500 ق م سے 700 ق م تک۔ یہ بھی پیشتر کشود نہیں ہوا۔

7- چینی خط۔ تقریباً اٹھارویں صدی ق م سے تا حال

8- میکسکو خط۔ ان میں مایا اور ازتیق شامل ہیں۔ قبلِ مسیح سے پندرھویں صدی عیسوی تک یہ بھی کم پڑھے جاسکے ہیں۔

9 جزیرۂ ایسٹر کا خط۔ یہ بھی بہت کم پڑھا گیا ہے۔

ان میں صرف تین خطوط سمیری، مصری، اور چینی پوری طرح پڑھے گئے ہیں۔ ان میں سندھی کو بھی شامل کر لیجیے تو چار اہم خطوط حاصل ہوتے ہیں جن پر ذیل میں تفصیل سے غور کیا جائے گا۔ جہاں تک دوسرے خطوط کو جنم دینے کا سوال ہے اس نقطۂ نظر سے سب سے اہم سمیری اور مصری خط ہیں۔ چینی نے جاپانی خط کو جنم دیا۔

سمیری نظام ترسیم

مسیح سے قبل چوتھے ہزارے میں جنوبی مسوپٹامیہ (عراق) میں سمیری قوم آباد تھی۔ ان کی نسل اور زبان کے خاندان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ تازہ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ ان سے پہلے یا ان کے ساتھ وہیں کوئی اور قوم بھی آباد تھی۔ معلوم نہیں یہ خط دوسری قوم کی ایجاد ہے کہ سمیریوں کی فی الحال اسے سمیری خط ہی کہا جاتا ہے۔ شمالی عراق میں سامی نسل کی اکادی قوم رہتی تھی۔

جنوبی مسوپٹامیہ میں اُرک کے مقام پر مٹی کی کئی ہزار لوحیں برآمد ہوئی ہیں جن سے سمیری خط کے ارتقا کا پتہ چلتا ہے۔ ان کا زمانہ صحت سے معلوم نہیں۔ کوئی ماہر انھیں 48 ویں صدی قبل مسیح کے خاتمے سے 38 ویں صدی ق م کے وسط تک رکھتا ہے تو کوئی تیسرے ہزارے کی ابتدا میں۔ اتنے قدیم زمانے کی تاریخ میں چار پانسو سال کا فرق ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس خط کو 3500 ق م سے 3100 ق م کے بیچ رکھ سکتے ہیں۔

ابتدا میں یہ خط لفظ نگاری تھا۔ اس طریقے میں جس چیز یا تصور کو ادا کرنا ہوتا ہے اس کی تصویر بنا دی جاتی ہے لیکن سمیریوں نے حکومت کے نظم و نسق نیز معاشی ضرورتوں کے لیے

اس سے کام لیا۔ لفظ نگاری میں بہت سی دقتیں تھیں مثلاً عَلَم (اسمِ معرفہ) کا لکھنا ممکن نہ تھا نیز اس میں دیر بھی بہت لگتی تھی اس لیے جلد ہی اس خط میں دو تبدیلیاں ہوگئیں۔ (1) اس کی تصویریں مختصر ہوگئیں۔ (2) یہ گیلی مٹی کی لوحوں پر لکھا جانے لگا۔ مٹی کی تختی پر دائروں کی بجائے سیدھی لکیر بنانا سہل ہوتا ہے جس سے یہ خط لکیری ہوگیا۔ مٹی کی تختی پر ایک کیل جیسی نوک دار چیز سے لکیر کندہ کی جاتی تھی۔ یہ شروع میں چوڑی اور بعد میں پتلی ہوجاتی تھی۔ اس طرح مشہور عالم میخی خط وجود میں آیا۔ اس خط کو انگریزی میں cuneiform کہتے ہیں جس کے لغوی معنی 'کھونٹی کی شکل کا' ہیں۔ اس خط میں دنیا کی متعدد قدیم زبانیں لکھی گئیں۔ انیسویں صدی کے نصف اوّل میں ایک جرمن اور ایک انگریز عالم نے اس خط کی کشود کی۔ انیسویں صدی کے آخر تک اس خط کی تحریروں کو پڑھنا بالکل سہل ہوگیا تھا۔

سمیری خط میں اصلاً دو ہزار نشانات تھے جو بعد میں گھٹ کر چھ سو رہ گئے۔ بعض نشانات اپنے مفہوم کو ہو بہو پیش کرتے تھے اور بعض محض رمزیہ علامتیں تھیں مثلاً پاؤں بنا کر چلنا یا کھڑا ہونا مراد لیا جاتا تھا۔ کنیز کے لیے 'پہاڑ اور عورت' کی تصویر بنائی جاتی تھی چونکہ وہاں غالباً پہاڑی عورتوں کو کنیز بنایا جاتا تھا۔

جو الفاظ اور آوازیں تصویروں سے بآسانی ظاہر نہ ہوسکتی تھیں اُن کے لیے صوتیاتی کی ترکیبیں کی گئیں مثلاً سمیری لفظ 'تی' کے معنی تیر بھی ہیں اور 'حیات' بھی، چنانچہ تیر کا نشان بنا کر اس سے 'حیات' مراد لی گئی۔ دوسری ترکیب یہ تھی کہ لفظ میں صوتی اشاریے (لاحقے، Indicator) لگائے گئے ہیں صوتیاتی اصول کے پھیلاؤ کے ساتھ ہر قسم کے تصورات آسانی سے ادا کیے جانے لگے۔ علامتوں کی شکلیں متقرر ہوگئیں اور اسکولوں میں ان کی تدریس بھی ہونے لگی 3200 ق م کے قریب میخی خط اوپر سے نیچے کی بجائے دائیں سے بائیں کو لکھا جانے لگا۔ سمیری خط میں ایک اہم ارتقا یہ ہوا کہ بہت سے نشانات واحد صوت رکنوں کو ظاہر کرنے لگے۔ یہ ترقی کی اہم منزل تھی۔ سمیری رکنیے (Syllabary) کی علامتیں بالعموم یک رکنی ہیں شاذ دو رکنی۔ ظاہر ہے کہ اس میں زبان کے تمام رکن نہیں پیش کیے جاتے۔ رکنوں کی ادائگی میں دو اصول تھے۔ ایک طریقے میں مصمتے صحت کے ساتھ پیش کیے جاتے تھے مصوتے واضح نہیں کیے جاتے تھے مثلاً ایک نشان 'دا'، 'دی'، 'دے'، 'دو' وغیرہ سب کے لیے تھا یا دوسرا نشان 'آہ'، 'ایہہ' کے لیے یا ہیر اور ہور کے لیے یکساں نشان۔ دوسرے طریقے میں مصوتے صحیح

لکھے جاتے تھے لیکن ملتے جلتے مضمونوں کی وضاحت نہیں ہوتی تھی مثلاً ایک ہی نشان کو گا، کا تا پڑھا جاسکتا تھا یا دوسرے نشان کو آگ، آک، آق پڑھ سکتے تھے۔

اکادی خط

عراق کے شمالی حصے کو اکاد کہتے تھے۔ وہاں سامی نسل کی قوم اکادی آباد تھی تیسرے ہزارے کے قریب سمیری زبان ختم ہوکر اکادی رائج ہوگئی۔ 3000 اور 2500 ق م کے بیچ اکادیوں نے سمیریوں کا میخی خط اختیار کیا۔ انھوں نے نقوش کی سمیری آوازیں بھی رہنے دیں اور اکادی نام بھی رکھے جس کی وجہ سے نشانات کی کئی آوازیں ہوگئیں۔

بابلی

اکاد کے زوال کے بعد اسی علاقے میں حکومتِ بابل قائم ہوئی جن کا مشہور بادشاہ حمورابی (1900 ق م) تھا۔ بابلی خط میں اکادی کی نسبت نشانات کم یعنی 640 تھے اور خطوں کی ترتیب مختلف تھی۔

آشوری (اسیریائی)۔

وادی دجلہ و فرات کا شمالی حصہ آشور کہلاتا تھا۔ انھوں نے 2300 ق م میں بابلی خط کو ترمیم کے ساتھ اختیار کیا۔ اس خط میں لفظی علامات، رکنی علامات، صامت معاون نشانات اور صوتی لاحقے ہوتے تھے۔

مصر کا ہیروغلیفی یا نقشِ مقدس۔

یہ پرانے مندروں، اہراموں اور محلوں پر پایا جاتا ہے۔ یونانی میں اسے Hieroglyphic کہتے ہیں جس کے معنی مقدس نقش ہیں۔ یہ 3000 ق م یا اس سے بھی قبل سے تیسری صدی عیسوی تک جاری رہا۔ پہلے اسے دنیا کا قدیم ترین خط سمجھا جاتا تھا لیکن بعد میں یہ معلوم ہوا کہ سمیری خط اور اس کا ارتقا یافتہ میخی خط اس سے قدیم تر ہیں۔ نپولین کے حملۂ مصر (1799ء میں) روزیٹا کے قلعے سے ایک بڑا پتھر دستیاب ہوا جس پر یونانی، ہیروغلیفی اور مصر ہی کے دیموطیقی خط میں کچھ کندہ تھا۔ یہ پتھر 1802ء میں برٹش میوزیم میں پہنچ گیا۔ 1824ء میں فرانسیسی ماہر شاں پولیوں (Champollion) نے ان تحریروں کو پڑھ لیا۔

ہیروغلیفی خط بہت خوبصورت ہے۔ خط کیا ہے تصویریں ہیں۔ اس میں بعض کے

نزدیک سات سو اور بعض کے نزدیک پانسو علامتیں ہیں۔ ان میں بعض علامتیں صوت رکنی یا شاید مفرد مصمتے کو ظاہر کرتی تھیں لیکن مصری تحریر میں چونکہ صرف مصمتے لکھے جاتے تھے مصوتے نہیں اس لیے علامتوں کی صحیح صوتی قیمت معلوم نہیں ہوتی۔ پھر بھی بعض ماہرین مصریات نے بعض لفظ نقشوں کا مکمل تلفظ دریافت کر لیا ہے۔ یہ علامتیں حسب ذیل اقسام کی ہیں۔

1۔ بہت سے لفظ نقشوں میں جس شے کو ظاہر کرنا مقصود ہے اس کی تصویر بنا دی گئی ہے مثلاً  بنا کر 'چہرہ' مراد لیا جاتا تھا جس کا مصری نام 'ھ ر' تھا۔ اسی طرح  بنا کر پ ر بمعنی مکان مراد لیتے تھے۔ ہاتھ بنا کر دات: ہاتھ، اور کنول کا پھول بنا کر س ش ن: کنول پڑھا جاتا تھا۔

2۔ بہت سے تصورات کی تصویر بنانا مشکل ہے۔ ان کے لیے رمزیہ تصویریں بنائی جاتی تھیں مثلاً ہوا کے لیے بادبان، شراب کے لیے خُم، تیل کے لیے بوتل، روح کے لیے بگلا، انصاف کے لیے شترمرغ کا پَر (ان کا عقیدہ تھا کہ شترمرغ کے تمام پر برابر کے ہوتے ہیں)، شام کا وقت ظاہر کرنے کے لیے آسمان کی تصویر میں کنول کا پھول لٹکا دیتے تھے کیونکہ شام کو پھول بند ہو جاتا ہے۔ 'شروع' ظاہر کرنے کے لیے شیر کا اگلا حصہ اور 'ختم' ظاہر کرنے کے لیے شیر کا پچھلا حصہ بنا دیتے تھے۔ بیٹھا ہوا آدمی منہ پر ہاتھ رکھے ہوتا تو یہ 'ون م: کھانا' ظاہر کرتا تھا۔ عقاب کی تصویر ن س د: بادشاہ کی علامت تھی۔

3۔ بعض چیزیں Rebus کے طریقے سے ظاہر کی جاتی تھیں۔ اس طریقے میں ایک شے بنا کر اس کا ہم صوت دوسرا لفظ مراد لیتے ہیں مثلاً گلے میں ہار (گجرا) ڈال کر اس کی تصویر سے ہار بمعنی شکست مراد لیں یا انگریزی لفظ belief کو ظاہر کرنے کے لیے شہد کی مکھی (bee) اور پتہ (leaf) بنا دیا جائے۔ مصریوں نے ہم صوت و مختلف المعنی (homophone) الفاظ کو ادا کرنے کے لیے اس طریقے کا فائدہ اُٹھایا مثلاً 'دب' کے معنی انگلی بھی تھے 'دس ہزار' بھی۔ اب دس ہزار کا تصور پیش کرنے کے لیے انگلی بنا دی گئی یا مصری میں لاجورد کو خیس تیب کہتے ہیں ایک لفظ draft کے معنی روکنے کے ہیں اور دوسرے لفظ تیب کے معنی سور کے تھے۔ اس طرح سور کو روکتے ہوئے آدمی کو تصویر بنا دی جاتی تو 'لاجورد' مراد ہوتا۔ یا  کی آواز م ن ہے اور اس کے معنی board ہیں ایک دوسرے لفظ م ن کے معنی ہلنا ہیں۔ اس کے لیے مندرجہ بالا نقش کو دو بار بنا دیا جاتا ہے۔

4۔ مندرجہ بالا قاعدے میں نقش کی صوت سے کام لیا گیا تھا۔ اس سے اگلی منزل یہ تھی کہ بہت سے نشانات کو صوتیا لیا گیا تھا یعنی ان کے نام اگر طویل تر الفاظ کے اجزا ہوتے تھے تو مشترک جزو کے لیے ان کا نقش کام میں لایا جاتا تھا مثلاً  کا تلفظ پ ر، مکان ہے۔ اسے صوتی اعتبار سے مماثل لفظ پ ر ج : باہر جانا کے لیے استعمال کیا گیا یا ور : نکلنا یا بڑا ہے۔ اس کے نشان کو و ر د : تھکا ہونا کے جزو کے طور پر استعمال کیا گیا۔

ایسے نشانات جو دو مصمتوں کو ظاہر کرتے ہیں تقریباً اسّی ہیں۔ ان میں درمیان یا آخر یا دونوں جگہ مصوتے بھی شامل ہو سکتے ہیں۔

5۔ آخری منزل یہ تھی کہ کئی نشانات مفرد مصمتے یا مصمتہ + مصوتہ کو ظاہر کرتے تھے۔ اس کی دو صورتیں تھیں۔

ا۔ سر نقشی (Acrophony)۔ سر نقشی کے تحت کسی لفظ نقش یا لفظ کا نام لے کر اس کی پہلی آواز کو ادا کرتے ہیں مثلاً سامی ہیں۔ بیت بنا کر اس سے ب کی آواز مراد لی گئی مصریوں کی زبان میں شیرنی کو لابو کہتے تھے۔ اس لیے شیرنی کی تصویر بنا کر سر نقشی کے طور پر اس سے "ل" کا مصمتہ مراد لیا گیا یا الّو کو ملکوک کہتے تھے۔ اس کی تصویر "م" کی آواز کی نمائندگی کرنے لگی۔

ب۔ صوتی گھساؤ کی وجہ سے کچھ چیزوں کے نام میں محض ایک مصمتہ رہ گیا تھا۔ غالباً اس کے ساتھ ایک مصوتہ بھی رہا ہوگا۔ ان کے نشانات کو اس مصمتے کے لیے استعمال کیا جانے لگا مثلاً کے معنی منہ تھے۔ اس کا تلفظ ؟ر ر کے بعد گلوئی بندش تھی۔ اس نقش کو "ر" کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ اسی طرح جھیل کا نشان ش کے لیے مستعمل ہوا۔

ہیروغلیفی میں اس طرح کے 24 نقش ہیں جو واحد مصمتے کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس میں اختلاف رائے ہے کہ یہ واحد مصمتہ ہے یا مصمتہ + مصوتہ۔ جیلب نے اصول بنایا ہوا ہے کہ تحریر کے ارتقا میں لفظ نقش کے بعد صوت رکن آتا ہے اور پھر ہجے۔ لفظ نقش کے بعد براہِ راست ہجا ممکن نہیں اس لیے اس کا اصرار ہے کہ مصری خط کے یہ 24 نشانات صوت رکن ہیں جن کا مصمتہ معلوم ہے لیکن اس کے ساتھ کے مصوتے کا علم نہیں۔ مصری پروہتوں نے تنہا ان مفرد مصمتی علامات سے کام نہیں لیا کیونکہ (1) وہ ہجائی یا رکنی خط کی اہمیت کے

عارف نہ تھے (2) تصویری نشانوں کو وہ آرائش کے لیے برقرار رکھنا چاہتے تھے اور (3) تصویروں سے وہ تحریر کو پراسرار بنائے رکھنا چاہتے تھے۔

چونکہ یہ خط کسی قدر مبہم تھا اس لیے وضاحت کے لیے اس میں کچھ ترکیبوں سے کام لیا جاتا تھا۔

1- بہت سے لفظوں کی تصویروں کے ساتھ ان کے شروع یا آخر کے ایک دو مصمتوں کے نشان بھی بنا دیے جاتے تھے تاکہ تصویر کو شناخت کرنے میں آسانی ہو۔

2- بہت سے الفاظ کو رکنی علامات میں لکھ دینے کے بعد ان کے مفہوم کی تصویر بھی بنا دیتے تھے۔ پہلی اور دوسری شق میں یہ فرق ہے کہ پہلی میں تصویر کے ساتھ محض شروع اور آخر کی آواز کا نقش بنا دیا جاتا تھا۔ دوسری میں پورے لفظ کی آوازوں کے علیحدہ علیحدہ نشانات بنا کر تصویر بنائی جاتی تھی۔

3- بعض معاون نشانات عمومی ہوتے تھے۔ ان سے معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ کس قسم کی چیز ہے مثلاً دیوی دیوتا کا نام ہے یا جانور یا پھول یا پرندے کا۔ اس صورت میں لفظ نقش کے آگے اس کی بڑی جنس (genes) کی تصویر بنا دی جاتی تھی۔ مثلاً بھینس کو لفظ نقش سے ظاہر کر کے اس کے آگے (چوپایہ) کے لیے مخصوص نشان کا اضافہ کر دیا جاتا تھا۔

4- جمع بنانے کا طریقہ یہ تھا کہ جس چیز کی جمع دکھانی ہوتی اس کے نقش کو تین بار لکھ دیتے تھے یا ایک بار لکھ کر اس کے قریب تین لکیریں کھینچ دیتے۔ ہیروغلیفی خط عموماً دائیں سے بائیں کو لکھتے تھے۔ کبھی بائیں سے دائیں کو بھی اور سب سے زیادہ یوں کہ ایک سطر دائیں سے بائیں دوسری بائیں سے دائیں اس صورت کو bous trophedon یعنی دو سمتی تحریر کہتے ہیں۔ اس لفظ کے معنی ہیں (بیلوں کے کھیت جوتنے کی وضع)۔ وہ ایک بار ادھر سے ادھر اور دوسری بار ادھر سے ادھر جاتے ہیں۔ مصری خط شاذ و نادر اوپر سے نیچے کو بھی لکھا جاتا تھا۔ صرف نیچے سے اوپر کو کبھی نہ لکھتے تھے۔ جانوروں کے منہ کو دیکھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ سطر کس طرف سے کدھر کو جا رہی ہے۔

ہراطیقی (Hieratic)

اس کے معنی ہیں (پروہتوں کا)۔ ہیروغلیفی خط عمارتوں پر توجہ سے لکھا جاتا تھا۔ کثرت استعمال سے وہ خوبصورتی برقرار نہ رکھی جا سکی۔ جب اسے پیپرس پر لکھا گیا تو سادہ، شکستہ یا تیز

ہوگیا مثلاً پ ر : بمعنی مکان کو عجلت میں اور بگلے کی شکل کی جگہ محض S بنایا جانے لگا۔ ہیروغلیفی اور ہراطیقی خط میں اسی قسم کا تعلق ہے جو رومن کے چھاپے کے حروف اور لکھائی کے حروف میں۔ ہراطیقی خط ہیروغلیفی کے کچھ ہی بعد شروع ہوگیا تھا اور تین ہزار سال تک جاری رہ کر تیسری صدی عیسوی میں ختم ہوگیا۔

تیسری شکل دیموطیقی (Demotic) یا جمہوری خط ہے۔ عوام ہراطیقی کو بھی مزید اختصار کے ساتھ لکھنے لگے۔ یہ بھی ہراطیقی کی طرح دائیں سے بائیں کو لکھا جاتا تھا اس کے نمونے ساتویں صدی ق م سے پانچویں صدی عیسوی تک کے ملتے ہیں۔ یہ خط شکستہ ہوتا ہے اور ہر کاتب اپنے انداز سے لکھتا ہے اس لیے اسے پڑھنے میں دقت ہوتی ہے۔ اسے میں ایک جرمن Heinrich Beugsch نے کشود کیا۔

قدامت کے لحاظ سے ہیروغلیفی خط دوسرے نمبر پر آتا ہے۔ اس سے قدیم صرف سمیری خط ہے۔ بعض علما کی خواہش ہوتی ہے کہ تمام رسوم تحریر کو واحد اصل سے متعلق ثابت کردیں۔ اس لیے وہ کوشش کرتے ہیں کہ مصری خط کو میسوپٹامیہ کے خط سے ماخوذ کردیں۔ مصری خط کے بعض نشانات صوتی اور معنوی حیثیت سے سمیری خط سے مشابہ ہیں اس لیے 1930ء میں ایک محقق ڈاکٹر ایل اے واڈل (DR. L. A. Waddell) نے یہ دعویٰ کیا کہ ہیروغلیفی خط سمیری سے ماخوذ ہے۔ جیلب کا رجحان بھی اسی جانب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دونوں مقامات کی تہذیب میں تعلق تھا۔ مصر میں بھی گول لمبی مہریں ملتی ہیں اور کمہار کا چاک بھی۔ یہ دونوں اشیا میسوپٹامیہ میں بھی ملتی ہیں۔ سمیری خط کے بعض نشانات میں بھی مصوتے ہیں جو مصری خط کی خصوصیت ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ مصری خط کی اصل کے بارے میں کوئی دعویٰ کرنا مناسب نہیں کیونکہ اسے سمیری سے ماخوذ کرنے کے لیے شافی دلائل نہیں۔

ابتدائی ایلمی ( )

خلیجِ فارس کے شمالی مشرقی علاقے کو قدیم زمانے میں ایلم کہتے تھے۔ یہاں تقریباً 3000 ق م میں ایک تصویری خط رائج تھا۔ اس میں کئی سو نقوش تھے۔ جن میں سے گنتی کو ظاہر کرنے والی علامات کے علاوہ بقیہ کو نہیں پڑھا جاسکا ہے۔ ان کے خط کا سمیری خط سے قریبی تعلق ہے۔ ممکن ہے ایک دوسرے سے یا دونوں کسی مشترک ماخذ سے ماخوذ ہوں۔ وادی

سندھ کے خط سے بھی ان کی بعض علامات ملتی ہیں۔ جب تک انھیں پڑھ نہ لیا جائے کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے کتبے بہت کم ہیں۔ لکھائی کا رُخ عموماً دائیں سے بائیں کو ہے اور شاذ بائیں سے دائیں کو۔ 2200 ق م کے بعد یہ خط زیادہ ترقی یافتہ ہو گیا۔

تقریباً ساتویں یا چھٹی صدی ق م میں ایلم والوں نے بابلی سے بے کر میخی خط اختیار کر لیا۔ اس خط میں 113 نشانات تھے جن میں 80 سے کچھ زیادہ صوت رکن تھے اور بقیہ لفظی علامات یا معنی متعین کرنے والے نشانات تھے۔

وادی سندھ کا رسم خط

مغربی پنجاب کے ضلع منٹگمری میں ہڑپا اور سندھ کے ضلع لاڑکانہ کے موہن جو دڑو (یا موہن جو داڑو) کی کھدائی سے وادی سندھ کی تہذیب برآمد ہوئی۔ سر جون مارشل کے مطابق یہ سوا تین ہزار قبل مسیح اور پونے تین ہزار قبل مسیح کے درمیان کی ہے لیکن اب سائنس نے پرانے فلزات کی صحیح تاریخ دریافت کرنے میں دست گیری کی ہے۔ پرانی لکڑی، ہڈی، کوئلہ، زراعت کے اوزار اور کھانے کے برتن لیبوریٹری میں لے جائے جاتے ہیں۔ ان کے کاربن کی تابکاری (Radio activity) ناپ کر ان کی عمر کا اتنا صحیح اندازہ لگا لیا جاتا ہے کہ صرف سو سال سے کم کی بھول چوک ہو سکتی ہے۔ وادی سندھ کی تہذیب کا اندازہ 2500 ق م سے 1700 ق م تک[1] کا کیا گیا ہے۔ یہ تہذیب 2000 ق م میں اپنے عروج پر تھی۔ صحیح معلوم نہیں کہ وادی سندھ کے باشندے کس نسل کے تھے۔ ان شہروں کی کھدائی سے تقریباً دو ہزار مہریں اور تعویذ برآمد ہوئے ہیں لیکن کوئی طویل کتبہ نہیں ملا۔ شاید طویل تحریریں ان اشیا پر لکھی گئی ہوں جو دیر پا نہیں ہوتیں مثلاً پتے، کھالیں، کپڑا وغیرہ۔ دو ہزار مہروں پر تقریباً دس ہزار نقوش ہیں۔

وادی سندھ کی تحریر ابھی تک شافی طریقے پر نہیں پڑھی گئی۔ پڑھنے کا دعویٰ کئی افراد اور گروہوں نے کیا ہے لیکن وہ زیادہ تر قیاس آرائی ہے۔ ایک اصول یہ ہے کہ اگر کوئی خط

---

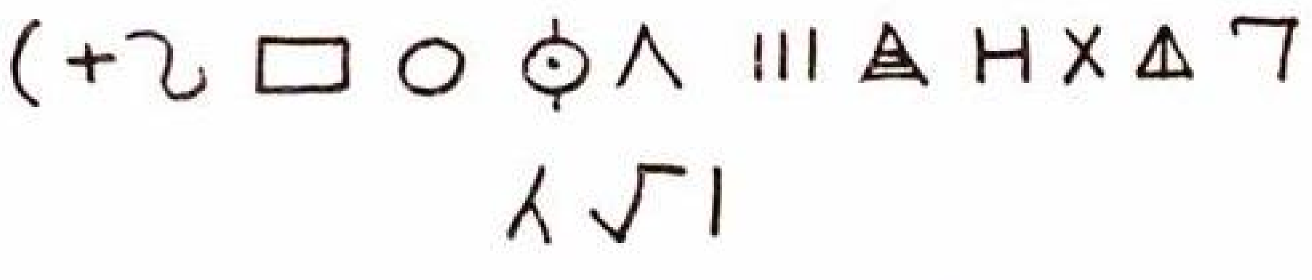
[1] B.K. Thaper: Dating of the Indus Civilisation- Hindustan Times Ap 6, 1969

صوت پر مبنی ہے اور اس کی تہہ نشین زبان معلوم ہے تو وہ کیسا ہی اجنبی خط کیوں نہ ہو کشود کر لیا جائے گا۔ دوسرا[1] اصول یہ ہے۔

(1) جہاں آئین تحریر اور زبان دونوں نامعلوم ہوں (2) جہاں رسم الخط لفظ نقش ہو (3) جہاں کی تشکیل کی ہوئی زبان اوپر کی سمت کو آخری منزل ہو یعنی کسی دوسری زبان کی مولّث نہ ہو۔

ایسی صورت میں کوئی بھی حل آخری اور قطعی نہیں کہلایا جا سکتا۔ بدقسمتی سے وادیٔ سندھ کے آئینِ تحریر میں مندرجہ بالا تینوں خصوصیات ہیں اس لیے اس کی جو تاویلیں پیش کی گئی ہیں ان کے بارے میں کوئی سو فی صدی تصدیق نہیں کر سکتا۔

ان مدوں میں کل کتنے نشانات ہیں اس پر بھی علماء کو اتفاق نہیں۔ اس میں دو قباحتیں ہیں (ا) بعض علما جن میں نشانات کو ایک نشان کے مختلف روپ قرار دیتے ہیں دوسرے انھیں جدا جدا نشان مانتے ہیں (ب) بعض ماہرین جس نشان کو مفرد قرار دیتے ہیں دوسرے انھیں دو نشانوں کا مجموعہ مانتے ہیں۔ اس طرح ہنسٹر نے ان کی تعداد 253، لینگڈن نے 288، گیڈ اور اسمتھ نے 396، پگٹ نے 400 اسحاق صدیقی نے 750 اور ڈاکٹر پنڈت نے تین سو بتائی ہے۔ کچھ نشانات صریحاً تصویریں ہیں تو کچھ نشانات یا ان کے اجزا اعداد، ماتراؤں، صوت ارکان اور قواعدی تخصیصے ہو سکتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط تصویری، لفظ نقشی اور رکنی تھا۔ کچھ نشانات حروف جیسے معلوم ہوتے ہیں مثلاً



کچھ نشانات قوسین میں یا کھڑی لکیروں میں بند ہیں۔ کچھ کے اندر یا باہر چند لکیروں کا اضافہ ہے۔ یہ جمع، جنس، حالت وغیرہ کے چسپیے ہو سکتے ہیں۔ بعض نشانات سمیری خط، قدیم ایلمی خط، کریٹ

---

1 Dr. B.P. Pandit: Creacking the code, Hindastan Times March 30, 1969

کے خط، بحرالکاہل کے جزیرۂ ایسٹر کے خط نیز فنیقی، اوگھم اور اونی خطوط کے نشانات سے مماثل ہیں۔ ان میں سمیری خط اس سے قبل کا، ایلمی اور کریٹی تقریباً ہم عصر اور دوسرے خطوط بہت بعد کے ہیں لیکن نشانات کی مماثلت اتفاقی بھی ہو سکتی ہے یا تہذیبی تعلقات کی وجہ سے ایک سمت سے دوسری سمت مستعار لی جا سکتی ہے۔ جیلب[1] نے ایک دلچسپ تجربہ بیان کیا ہے کہ ایک نو سال کی لڑکی سے 26 نشانات وضع کرنے کو کہا گیا۔ سات بالکل فنیقی جیسے تھے بقیہ سینائی، کریٹی اور قبرصی سے ملتے جلتے تھے۔

ان مہروں کی زبان وہی ہونی چاہیے جو اُن کے بونے والوں کی نسل ہوگی۔ سرایڈورڈ کننگھم، ڈاکٹر کے پی جیسوال، رائے بہادر ربش سروپ، ڈاکٹر پران ناتھ، کرشنا راؤ، سوامی شنکر انند اور فتح سنگھ کے مطابق یہ ویدی سنسکرت ہے۔ چیکوسلوواکیہ کے ماہر ہروزنی (Hrozny) نے اسے قدیم ہند یورپی بلکہ قبلِ حتّی ٹھہرایا۔ لینگڈن، ہگیڈ اور ویڈال نے اُنھیں سمیری قرار دیا اور فادر ہیراس نے اصل دراوڑی 1969ء میں کئی افراد نے ان مہروں کو پڑھنے کا دعوی کیا۔ ان میں سے کرشنا راؤ اور فتح سنگھ نے ان کی زبان کو سنسکرت کہا اور ایک روسی اسکالروں کی ٹیم نیز فن لینڈ کی ٹیم نے اس کو ابتدائی دراوڑی مانا ہے۔ ان میں سے فنّی اسکالروں Asko Parpola وغیرہ نے خالص لسانیاتی اصولوں پر کشود کی۔ دوسرے لوگوں کی نسبت ان کی دریافت زیادہ معقول ہے لیکن اس میں بھی کچھ قباحتیں ہیں۔ آثارِ قدیمہ کے ڈائرکٹر جنرل بی۔بی۔لال[2] کا خیال ہے کہ یقین سے یہ کہنا محال ہے کہ یہ زبان اور یہ لوگ آریائی، دراوڑی تھے۔ ممکن ہے سمیریوں کی طرح یہ کوئی اور زبان اور نسل رہی ہو جو بعد میں فنا ہوگئی۔ مولانا عبدالجلال ندوی نے ان مہروں کو پڑھنے کے بعد یہ انکشاف کیا کہ ان کی زبان عربی ہے۔ یہ دعوی سب سے کم سنجیدہ ہے اور کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔

یہاں کے باشندے اور زبان آریائی نہیں ہو سکتے کیونکہ اگر وہ آریہ ہوتے تو پھر اُن کے اور بعد کی ہند آریائی تہذیب کے درمیان سیکڑوں سال کا فصل نہ ہوتا۔ پارپولا وغیرہ نے

---

[1] I. J. Gelb - A study of Writing P. 144

[2] B.B. Lal : Indus Script - In consistencies in claims of decipherment, Hindustan Times 6/4 1969

ان کی زبان کو جن بناؤں پر دراوڑی قرار دیا ہے اُن میں سے کئی دراوڑی سے میل نہیں کھاتیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن لوگوں کا سمیریا سے کچھ تہذیبی یا تجارتی تعلق تھا۔ اُن کی زبان اور رسم خط کی کشود تبھی ہو سکے گی جب اتفاق سے کچھ مزید کار آمد مواد مل جائے۔ فی الحال اُنھیں قبلِ آریائی مان لینا کافی ہو گا۔

کریٹ کے خط

کریٹ یورپ میں یونان کے جنوب میں ایک جزیرہ ہے جس کی تہذیب بہت قدیم ہے۔ اس تہذیب کو اس جزیرے کے روایتی حکمراں مینوس کی نسبت سے مینون (Minoan) کہتے ہیں۔ یہاں دو طرح کے رسم الخط ملتے ہیں پہلا تصویری ہے اور دوسرا لکیری۔ دونوں کے دو دو ادوار ہیں جنھیں الف اور ب (A, B) کہا جاتا ہے۔ اس کے کتبوں کو پڑھنے میں جزوی کامیابی ہوئی ہے۔ تفصیل یہ ہے۔

1. تصویری خط الف۔ قدیم ترین تصویریں 3000 ق م کی ہیں لیکن وہ شاید آرائشی تھیں لفظ نقش نہ تھے۔ مکمل رسم الخط 2000 ق م سے 1900 ق م تک ملتا ہے۔ اس میں ہر چیز کی مکمل تصویر بنائی جاتی تھی۔

2- تصویری خط ب۔ یہ 1900 ق م اور 1700 ق م کے بیچ شروع ہوا۔ اس میں تصویریں مختصر ہو گئیں یہ تقریباً نشانات پر مشتمل تھا۔

3- لکیری خط الف (Linear A) اس کی ابتدا 1700 اور 1550 کے بیچ ہوئی۔ تصویریں مختصر ہو کر محض خاکہ یا علامت رہ گئی تھیں۔ ان کی تعداد 76 اور 90 کے بیچ تھی۔

4- لکیری خط ب۔ یہ 1450 اور 1375 ق م کے بیچ وجود میں آیا۔ اس میں تقریباً نشانات تھے۔ دوسری جنگ عظیم میں غنیم کی کوڈ توڑنے کی جو ترکیبیں وضع کی گئی تھیں ان کا اطلاق کر کے ایک انگریز عالم مائکل وینٹریز (Ventris) نے اس خط کو پڑھ لیا۔ ان کے مطابق کتبوں کی زبان یونانی ہے اور رسم الخط رکنی ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ کریٹ کا تصویری خط مصری خط سے ماخوذ ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ اس کا بنیادی خیال مصر سے لیا گیا اس کی تشکیل اہلِ کریٹ ہی نے کی۔

حتّی خط

حتّی قوم ایشیائے کوچک میں تین ہزار ق م سے آباد تھی۔ 717 ق م میں ان کا اقتدار ختم ہوگیا۔ پہلے حتّی زبان کو ہند یورپی کی شاخ مانا جاتا تھا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ہند یورپی کی بہن ہے۔ دونوں زبانیں ہند حتّی کی اولاد ہیں۔

حتّی میں دو رسم الخط رائج تھے۔ میخی اور تصویری دونوں کی زبانوں میں بھی کسی قدر فرق ہے۔ تصویری خط کو نقشِ مقدس کہہ دیا جاتا ہے گو اس کا مصر کے نقشِ مقدس سے کوئی تعلق نہیں۔

ان کا دارالحکومت بوغاز کوئی تھی جو موجودہ شہر انقرہ کے نزدیک واقع تھا۔ 1906ء میں یہاں کھدائی کرتے وقت میخی خط کی بیس ہزار تختیاں ملیں ان کا زمانہ 500/1 ق م کا ہے گو حتّیوں میں میخی خط ان کے زوال 1200 ق م تک جاری رہا۔ یہ خط بابلی سے ماخوذ ہے۔ بابلی کی طرح اس میں پورے لفظ کو ظاہر کرنے والے نشانات بھی ہیں اور رکنی نشانات بھی۔

اس کا تصویری خط بھی 1500 ق م سے 700 ق م تک رائج رہا۔ یہ مرکزی اناطولیہ سے شمالی شام تک استعمال کیا جاتا تھا۔ اس خط کی ایک سطر دائیں سے بائیں کو اور دوسری بائیں سے دائیں کو لکھی جاتی تھی۔ زمانی اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ قدیم خط جس میں مکمل تصویریں ہوتی تھیں اور یہ پتھر پر ابھرے ہوئے نقوش کی شکل میں تھیں۔

2۔ جدید خط جو پتھر پر کندہ کیا جاتا تھا اس کی تصویریں مختصر تھیں اور گھسیٹ کا انداز تھا۔

اس تصویری خط میں کل 450 تک علامتیں تھیں جن میں سے بیشتر لفظ نقش ہیں لیکن گیلب کے نزدیک کچھ علامتیں رکنی ہیں جو 60 کے قریب ہیں۔ یہ ایک مصمتہ + مصوتہ پر مشتمل ہیں۔ گیلب نے ان کی شناخت بھی کی ہے۔ ان علامات سے ہٹ کر ابھی یہ خط پڑھا نہیں جا سکا ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ مصری خط سے متاثر ہے اور بعض نے کریٹ کے خط سے ماخوذ کیا ہے لیکن کریٹ کا خط ابھی کہاں پڑھا گیا ہے۔ صوری مشابہت اتفاقی ہو سکتی ہے۔

چینی خط

دنیا کے تمام لفظ نقش والے خط ختم ہو گئے لیکن چینی خط اب بھی زندہ ہے۔ اس کے لفظ نقش تصویروں سے ارتقا پائے ہیں گو اب تصویر جیسے نہیں لیکن لفظ نقش کے پیچھے بآسانی تصویر کو دریافت کیا جاسکتا ہے۔ روایتوں پر بھروسا کیا جائے تو یہ بہت قدیم ہے مثلاً یہ کہ 2700 ق م کے قریب ات سکی نے کچھوے اور دوسرے جانوروں کے نقوش پا کو دیکھ کر یہ خط ایجاد کیا۔ روایت کے مبالغے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس خط کے قدیم ترین کتبے شنگ خاندان (اٹھارہویں تا بارھویں صدی ق م) کے وقت سے ملتے ہیں۔ چینی کے قدیم اور جدید خط میں صرف اتنا فرق ہے کہ قدیم تصویروں کو اب مختصر کر کے لکیروں کی شکل دے دی گئی ہے۔

چینی خط اوپر سے نیچے کو لکھا جاتا ہے اور سطریں دائیں طرف سے بائیں طرف کو بنائی جاتی ہیں۔ ابتدائی صدیوں میں چینی نشانات کی تعداد ڈھائی ہزار تھی اب بڑھتے بڑھتے ستر ہزار ہو گئی ہے۔ تصویریں لکیریں ہو گئی ہیں جن کی وجہ سے عام طالب علم کے لیے انھیں پہچاننا مشکل ہو گیا ہے اب میں بہت زیادہ کام میں آنے والے پانسو نشانات کو بہت مختصر کر لیا گیا ہے۔ اخبار وغیرہ پڑھنے کے لیے ساڑھے تین ہزار نشانات جاننے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یونیورسٹی کے طالب علم کو پانچ چھ ہزار نشانات اور کلاسکی ادب کے علما کو کم از کم دس ہزار نقوش سیکھنے پڑھتے ہیں۔ ایسا کوئی شخص نہیں جو جملہ نشانات سے واقف ہو۔

ہر غیر صوتی رسم الخط کو غیر مرئی تصورات ادا کرنے کے لیے ہمیشہ طرح طرح کے کھڑاگ کرنے پڑتے ہیں۔ چینی خط کو ایک مزید الجھن کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چینی زبان میں ایک لفظ کے متعدد سُر ہوتے ہیں چار سے کر آٹھ تک۔ ہر سُر میں لفظ کے معنی مختلف ہو جاتے ہیں۔ تحریر میں ان کے اظہار کے لیے مختلف ترکیبیں برتی جاتی ہیں۔ ان کی وجہ سے چینی خط کے نقوش کی دو قسمیں مفرد اور مرکب ہیں۔

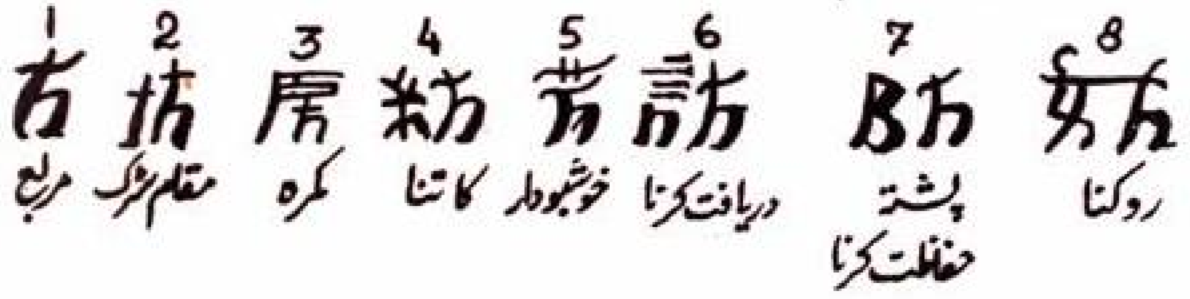
مفرد نشان سیدھے طریقے سے ایک شے کی ترجمانی کرتے ہیں۔ مرکب نشانات کی حسبِ ذیل قسمیں ہیں۔

ا۔ تمام غیر مرئی تصورات اور بعض مرئی اشیا کو دو نشانوں کے جوڑ یا امتزاج سے ادا کیا جاتا

ہے مثلاً ہاتھ + چھڑی = باپ، سورج + درخت = پورب، دو ہاتھ = دوستی، سورج + چاند = روشنی، منہ + چڑیا = گانا، دو عورتیں = جھگڑا، تین عورتیں = سازش، منہ سے نکلتی چیز = جیبھ، مرد + پہاڑ = سنیاسی

ب۔ مختلف سروں اور مختلف معانی والے ہم صوت الفاظ کو ادا کرنے کے لیے مرکب نشانوں کا استعمال ہوتا ہے۔ اس کی چار صورتیں ہیں۔

1۔ سب سے عام اور اہم طریقہ یہ ہے کہ لفظ کے نشان سے پہلے متعلق معنی والے کسی اور لفظ کا صامت نشان بھی بنا دیا جاتا ہے جو پڑھا نہیں جاتا۔ بنیادی نشان کو صوتی نشان اور معاون نشان کو تخصیصی نشان
(determinent, modifier or radical sign)
کہا جاتا ہے۔ مثلاً ایک نشان فنگ[1] کے آٹھ یا دس معنی ہیں۔ پہلا مفہوم بنیادی نشان سے ادا کیا جاتا ہے اور بقیہ مفاہیم تخصیصی نشانات کے اضافے سے



بائیں سے دائیں کو لیجیے۔ پہلے نشان کے معنی ہیں مربع۔ دوسرے میں زمین + مربع کا نشان بنا کر مقام اور سڑک مراد لیا ہے۔ تیسرے میں دروازے کا نشان شامل کرکے 'کمرہ' لکھا ہے۔ چوتھے میں مربع سے پہلے ریشم لکھ کر 'کاتنا' کا مفہوم ادا کیا ہے۔ پانچویں میں مربع کے اوپر 'جڑی بوٹی' کا نقش بنا کر خوشبودار کے معنی لیے ہیں۔ چھٹے میں مربع سے پہلے 'لفظ' کا نشان تحریر کرکے 'دریافت کرنا' رقم کیا ہے۔ ساتویں میں مربع سے پہلے 'ٹیلہ' لکھ کر پشتہ اور حفاظت کرنا دو مفاہیم ادا کیے ہیں۔ آٹھویں میں مربع سے پیشتر عورت کا نشان بنا کر 'روکنا' ادا کیا ہے، چونکہ دوسرے اور ساتویں نقوش سے دو دو معنی ادا

---

[1] محمد اسحاق صدیقی، فنِ تحریر کی تاریخ ص

کیے گئے ہیں اس طرح فنگ کے دس معنی ظاہر ہوئے ہیں۔ بولنے میں صرف فنگ ہی مختلف سروں میں بولا جائے گا۔ گویا مندرجہ بالا نشانات میں ساتویں معاون نشانات صامت یا غیر صوتی ہیں لیکن ان سب صامت نشانات کا مرکب مفہوم سے معنوی تعلق ضرور ہے۔

2۔ بعض اوقات کسی خاص سُر والے مفہوم کو تخصیصی نشان کے اضافے کی بجائے بنیادی نشان کو دوبارہ لکھ کر ادا کیا جاتا ہے گویا ان میں سے ایک نشان بنیادی ہوا اور دوسرا ایک قسم کا تخصیصی۔ اب پہلی اور دوسری شق میں یہ فرق ہے کہ پہلی میں تخصیصی نشان کا مرکب مفہوم سے واقعی تعلق ہوتا ہے دوسری صورت میں کوئی تعلق نہیں ہوتا مثلاً، 'گو' کے کئی معنی ہیں جن میں سے ایک 'بڑا بھائی' ہیں۔ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے 'کو' کے بنیادی نشان کو مکرر لکھ دیا جاتا ہے۔

3۔ دوسری زبانوں کی طرح چینی میں بھی ایک مفہوم کو ادا کرنے کے لیے ایک سے زیادہ لفظ ہوتے ہیں اور ان میں سروں کے اعتبار سے ہر لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں لیکن یہ مختلف الصوت و مختلف المعنی الفاظ محض ایک مفہوم مشترک رکھتے ہیں۔ تحریر میں اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے اس قسم کے دو الفاظ کے نشان ساتھ ساتھ لکھ دیتے ہیں تو مشترک مفہوم ہی مراد لیا جاتا ہے مثلاً پہلے اردو سے ایک فرضی مثال لیجیے۔

دوش : کندھا ، گزرا ہوا کل ، پاپ

کل : مشین ، چین ، گزرا ہوا دن ، آنے والا دن

اب اگر چینی کی طرح ان لفظوں کا ایک ایک نشان ہوتا تو دونوں کے نشان ساتھ ساتھ بنانے سے (دوش کل، کل دوش) گزرا ہوا دن ہی مراد لیا جاتا۔ اب چینی زبان کی مثالیں دیکھیے۔ 'کنگ' اور 'پا' دونوں لفظوں کے کئی معنی ہیں جن میں ڈرنا مشترک ہے یا 'مشو' اور 'مئو' میں پیڑ کا مفہوم مشترک ہے۔ دونوں نشانوں کو دوش بدوش بنانے سے ہر ایک بنیادی حیثیت بھی رکھتا ہے اور تخصیصی بھی۔

4۔ شاذ و نادر بنیادی نشان کے ساتھ ایسا تخصیصی نشان لکھ دیا جاتا ہے جس کی بنیادی نشان کے متعلقہ مفہوم سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا۔ صرف روایتاً ان دو ایسے نشانوں کی مدد سے مخصوص معینہ معنی مراد لیے جاتے ہیں مثلاً 'ھ' کے مختلف مفاہیم میں ایک 'چیتا' ہے۔ اس کو ظاہر کرنے کے لیے 'لاو' کا لفظ لکھتے ہیں جس کے معنی بوڑھا ہیں۔ بوڑھے کا

چیتے سے کوئی تعلق نہیں لیکن دونوں مل کر چیتے کے معنی دیتے ہیں۔

چینی خط کے تخصیصی نشانات کی تعداد 214 ہے۔

چینی خط میں اسم معرفہ یا اعلام کا لکھنا ٹیڑھی کھیر ہے اس کے دو طریقے ہیں۔

1۔ نام کا ترجمہ کر لیا جاتا ہے اور اس مفہوم کے چینی لفظوں کے نشان لکھے جاتے ہیں مثلاً گوتم بدھ کے والد شدھودن کے نام کے دو اجزا کیے شدھ : صاف اور اودن : چاول اس کے لیے ان مفاہیم کے نشان لکھے جنھیں چینی زبان میں 'صاف چاول' پڑھا جائے گا۔ اس طریقے میں دو قباحتیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ نام کچھ ہے اور لکھ کر پڑھنے میں وہ صوتی اعتبار سے کچھ اور ہی پڑھا جاتا ہے مثلاً لال بہادر شاستری کو انگریزی میں Red brave scholar کہیں گے تو کیا عجب لگے گا دوسری قباحت یہ ہے کہ بعض ناموں کے معنی ہی نہیں معلوم ہوتے ترجمہ کیونکر کیا جائے مثلاً ہمارے لیے بیشتر عیسائی ناموں مثلاً فلپ، آئزن ہاور، کینڈی وغیرہ کے معنی تلاش کرنا بڑا مشکل ہے۔

2۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ غیر زبان کے نام مختلف اجزا سے صوتی اعتبار سے مماثل چینی الفاظ ڈھونڈھ لیے جاتے ہیں۔ کوشش کرتے ہیں کہ چینی لفظ کے معنی بھی غیر لفظ کے جزو کے لیے سے مماثل ہوں یا کم از کم اس نام کی کوئی خصوصیت ظاہر کریں۔ اس طرح کے چینی الفاظ کے نشانات لکھ کر غیر زبان کا نام پڑھ لیا جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ غیر نام کا واقعی تلفظ برقرار نہیں رہتا بلکہ مسخ ہو کر چینی تلفظ ہو جاتا ہے مثلاً روز ویلٹ کو چینی خط میں lo-ssu-fo لکھتے اور پڑھتے تھے۔ ناموں کے اختصار کا بھی رجحان ہے۔ اس طرح روز ویلٹ کو صرف lo لکھتے اور بولتے تھے۔ گوتم بدھ کی بیوی یشودھرا کا نام چینی خط میں اسی طرح لکھا جاتا ہے۔ اس طریقے میں دو قباحتیں ہیں۔

الف۔ ہر نام کے مماثل ہم صوت چینی لفظ نہیں ملتے اس لیے صوتی اعتبار سے نام کو چینیا لیا (chinesation) جاتا ہے۔

ب۔ صوتی اعتبار سے اصل نام سے جس قدر بُعد رہ جاتا ہے معنوی اعتبار سے بھی اتنا ہی فصل ہوتا ہے۔

چینی زبان میں ہر لفظ ایک (؟) صوت رکن ہی ہوتا ہے اور غیر ترکیبی زبان ہونے کی وجہ سے تصریف کا سوال ہی نہیں۔ اس جامد کیفیت کے باوجود پانچویں چھٹی صدی میں اس خط کے لیے فان چ الیہ Fan-ch-ieh اصول پر مبنی کنید (syllabary

بنایا گیا۔ اس میں پچاس نشانات ایسے ہیں جو لفظ کی ابتدا ہی میں لگائے جا سکتے ہیں اور بارہ نشانات آخر میں لگانے کے ہیں۔ آسان صوت رکنوں کے لیے پہلے سے نشانات موجود ہیں لیکن اگر کوئی صوت رکن ایسا ہو جس کا نشان موجود نہ ہو تو وہ فان پح الیہ کے صوتی اصول سے لکھ دیا جاتا ہے مثلاً منگ کو لکھنا ہو تو فان پح الیہ کی ابتدائی علامات سے میں ’ mi ‘ کی علامت لے لی جائے اور آخری علامات میں سے ’ eng ‘ کی۔ ان دونوں کو یکے بعد دیگرے بنا دیا جائے تو خالص صوتی بنیاد پر منگ پڑھا جائے گا۔ فان پح الیہ کی علامت مختصر کیے ہوئے نشانات ہیں۔

چینی زبان میں 24 مصمتے اور 6 مصوتے ہیں۔ ان کے لیے ترمیم شدہ رومن خط دینے کی کوشش کی گئی لیکن وہ مقبول نہ ہوئی۔ بیسویں صدی میں چینی نقوش کو سہل بنانے کی کئی کوششیں کی گئیں لیکن ان میں سے کوئی متداول نقوش کی جگہ نہ لے سکی۔ متداول چینی خط کی بقا کے دو راز ہیں (1) چینیوں کی قدامت پسندی (2) مفہوم کے نشان کا صوتی نام سے بے تعلق ہونا۔ دوسری وجہ سے بہت سے فائدے ہیں۔ چین میں کہنے کے لیے ایک زبان ہے جس کی متعدد بولیاں ہیں لیکن دراصل ان بولیوں میں باہم اتنا اختلاف ہے جتنا جدا جدا زبانوں میں ہوتا ہے۔ ان سب بولیوں میں ایک مفہوم کے لیے مختلف الفاظ ہیں لیکن ہر زبان میں ایک ہی نقشے (grapheme) سے لکھے جاتے ہیں جس کا فائدہ یہ ہے کہ چین کے مختلف علاقوں اور مختلف زبانوں (بولیوں) والے ایک دوسرے کی زبان تو نہیں سمجھ سکتے لیکن تحریر میں ہر زبان والا اپنے طور پر پڑھ لیتا ہے اور یکساں معنی اخذ کرتا ہے مثلاً ’人‘ کے معنی ہیں ’آدمی‘ اور ’火‘ کے معنی ہیں ’آگ‘، اب مختلف بولیوں میں ان کے تلفظ ملاحظہ ہوں

	پیکنگ	کینٹن	ہکا	سچاؤ	فچاؤ	امائے	تانگ ین
人	آن	یاپ	ژن	نین	ننگ	لانگ	شین
火	خوؤ	خو	فو	ہاؤ	ہوئ	ہے	ہوَ

سو فی صدی ایسا نہیں کہ ہر بولی میں ہر نشان کے لیے یکساں مارفیم ہو۔ بعض اوقات خفیف سا فرق بھی ہو جائے مثلاً کیلا لکھنے کے لیے منڈارین میں دو رکنی لفظ اور دو نشانات لکھے جاتے ہیں جب کہ کینٹن کی زبان میں یک رکنی لفظ ہے جس کے لیے منڈارین کا صرف

دوسرا نشان کافی سمجھا جاتا ہے بالفاظِ دیگر جب کہ ایک نشان کینٹن کی زبان میں 'کیلا' کے معنی دیتا ہے پیکنگ کی منڈاری میں اس کے قبل ایک اور نشان کا اضافہ کیا جائے تو کیلا پڑھا جائے گا۔

ایک نشان کو مختلف زبانوں میں مختلف طور پر پڑھ لینا ایسی محیرّ العقول بات نہیں مثلاً 5 = 3 + 2 کو ہم اردو میں دو جمع تین برابر پانچ پڑھتے ہیں انگریزی میں Two plus three is five جرمن میں Zwei und drei ist fünf اور اطالوی میں due e tre fanno cinque

جس طرح دوسری زبانوں کے ناموں کو چینی خط میں لکھنے پر ان کی آواز میں تبدیلی ہو جاتی ہے اسی طرح چینی لفظوں کو دوسرے خطوں میں لکھنے میں صوتی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اُنھیں دوسری پیسیوں میں لکھنے کے کئی طریقے وضع کیے گئے۔ Wade اور Giles کا وضع کردہ نظام سب سے مقبول ہے۔ اس میں بھی چین مقامات کے نام کافی بدل کر لکھے گئے ہیں مثلاً 'پیکنگ' کا اصل تلفظ بے ین یا بے ینگ، جیسا ہے جو ردمن میں آکر پیکنگ ہوگیا ہے۔

چینی زبان کی لغت کس ترتیب پر درج کی جائے یہاں حروفِ تہجی تو ہوتے ہی نہیں۔ ان لغات کو تخصیصوں کے حساب سے مرتب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے لکھا تخصیصیے محض 214 ہیں۔ ان کے بعد کے نشانات کو ان کی لکیروں کی تعداد کی ترتیب کے اعتبار سے درج کیا جاتا ہے۔ یعنی پہلے ایک لکیر والے، پھر دو لکیر والے، علیٰ ہذا القیاس۔

چینی خط کے آغاز کے بارے میں کئی نظریے ہیں کچھ تو اس کو مقامی اُپج مانتے ہیں۔ دوسرے لوگ مصر کے ہیروغلیفی، سمیری، کسی ایرانی تصویری خط یا وادی سندھ کے خط سے ماخوذ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب قیاس محض ہیں۔

میکسکو کے خطوط

کولمبس سے پہلے وسطی اور جنوبی امریکہ میں بڑی بالیدہ تہذیبیں ہوئی ہیں۔ میکسکو اور گوائیمالا وغیرہ کے علاقے میں 600 ق م سے 900 تک مایا تہذیب پھلی پھولی۔ انھوں نے آرٹ اور ریاضی میں اتنی ترقی کی تھی کہ صفر تک کی ایجاد کرلی تھی۔ ان تصویری رسمِ خط دریافت ہوا ہے جسے عام طور سے سمجھا نہیں جاتا لیکن ایک روسی عالم نے اسے پڑھنے کا دعویٰ

کیا ہے۔ اس کے مطابق اس خط میں 270 نشانات کام آتے تھے جو لفظ نقش تھے۔
مایا تہذیب کو تالیتق لوگوں نے برباد کیا اور تالیتق کے بعد ازتیق (Aztec) آئے۔
جب کولمبس امریکہ پہنچا تو سولہویں صدی کی ابتدا میں ازتیق قوم کا راج تھا۔ ان کا بھی ایک خط ہے لیکن وہ مایا خط کی بگڑی ہوئی صورت معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی لفظ نقش ہے۔ وہ غیر مرئی تصورات کو رمز یہ نشانوں کے ذریعے پیش کرتے تھے نیز مقامات کے نام لکھنے کے لیے Rebus کا اصول کام میں لاتے تھے۔ ان کے خط کی بہت سی علامات پڑھ لی گئی ہیں - یہ دونوں خط لفظ نقشی ہیں ان میں رکن کا تصور نہیں معلوم ہوتا۔ دونوں خط اعداد کے اظہار پر خاص توجہ کرتے ہیں۔

جزیرۂ ایسٹر کا خط

بحرالکاہل کے بیچ میں ایک چھوٹا سا جزیرہ ایسٹر ہے۔ یہاں کے باشندے غالباً تیرھویں چودھویں عیسوی میں پالی نیشیا کے سوسائٹی جزائر سے ہجرت کر کے آئے اور اپنے ساتھ ایک تصویری خط لائے جسے وہ رونگو رونگو، کہتے تھے۔ اب اس خط کی 15 تختیاں محفوظ ہیں۔ یہ خط پڑھا نہیں جا سکا ہے لیکن بعض علما کو جزوی کامیابی ہوئی ہے۔ بعض نشانات کی آوازیں مقرر ہیں اور بعض معاون نشانات صامت لیکن مفہوم متعین کرنے کے لیے ہیں۔ اس خط میں پورے جملوں کی بجائے محض چند الفاظ یادداشت کے طور پر لکھ لیے جاتے تھے۔ جب تک پہلے سے ان کے تہہ نشیں بھجن یا گیت معلوم نہ ہوں ان اشاروں کو نہیں پڑھا جا سکتا۔ ایک بشپ جاسین نے ایک دیسی باشندے کی مدد سے بعض لوحوں کا ترجمہ کیا تھا۔
یہ خط غالباً سوسائٹی جزیرے ہی میں ایجاد ہوا اور باہر کے کسی خط سے ماخوذ نہیں
مندرجہ بالا لفظی رکنی خطوط کے علاوہ اور کوئی خط قابلِ ذکر نہیں۔ ذیل میں ان پر کچھ عمومی مشاہدات پیش کیے جاتے ہیں۔

مندرجہ بالا خطوط کے تین اجزا ہیں

1- وہ تصویریں جنھیں دیکھ کر کوئی بھی بآسانی شناخت کر سکتا ہے کہ یہ کس چیز کی تصویر ہے۔ بیانی ترجمانی طریقے میں زیادہ تر ایسی ہی تصویریں ہوتی ہیں۔ اس طرح کی تصویروں سے خیالات کی ترسیل کی جائے تو اسے تصویر نگاری Pictography یا Picture Writing کہنا بہتر ہے۔

ب۔ وہ نقوش جو تصویروں سے ماخوذ ہیں لیکن اتنے سکڑ گئے ہیں اور سادہ و مختصر ہو گئے ہیں کہ بادی النظر میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس تصور کی تصویر ہیں۔ ان نقوش کو علامت سمجھنا چاہیے ان کے نقوش اور مفہوم کے بیچ روایت کا شمول ہو جاتا ہے یعنی لکھنے والا پڑھنے والا روایت کی وجہ سے انھیں شناخت کر لیتا ہے۔ بعض نے ایسے نشانات کو تصور نگاری - Ideo-graphy) کہا ہے۔ لیکن اب لفظ نقش Logograph کو ترجیح دی جاتی ہے۔ بالکل ابتدائی منزلوں کے بعد تصویری خط لفظ نقش ہی ہو جاتے ہیں یعنی نشانات پورے تصور کی رمزیہ علامت بھر رہ جاتی ہیں۔ علامتوں میں روایت کی وجہ سے صوت کا عنصر داخل ہو جاتا ہے مثلاً پانچ بھیڑوں کے لیے صرف دو نشانات سے کام چل جاتا ہے پانچ کی ضرورت نہیں، ایک نشان پانچ کو ظاہر کرنے والا ہوگا دوسرا بھیڑ کو۔

7۔ کچھ نقش صوت رکنوں کو ادا کرنے لگتے ہیں۔

جس طرح اشارے کو صوتی زبان پر یہ فوقیت ہے کہ پورا تصور ایک بار آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے اسی طرح تصویر نگاری کو تحریر پر یہ فوقیت ہے کہ وہ شے کے حیاتی معنی کی ترسیل کرتی ہے۔ اس کا شے سے براہِ راست تعلق ہوتا ہے صوت کا وسیلہ بیچ میں حارج نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک تصویری خط کو کسی بھی زبان کا بولنے والا پڑھ سکتا ہے۔ حتیٰ قوم نے بابل والوں سے میخی خط مستعار لیا تو پورے لفظوں کے لیے جو علامتیں تھیں انھیں مختلف زبان والوں کے لیے یکساں قابلِ فہم ہے لیکن اس فوقیت کے علاوہ تصویر نگاری میں جملہ دقتیں ہی دقتیں ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

1۔ تصویر بنانا دیر طلب ہے۔ 2۔ ہر شخص میں تصویر بنانے کی صلاحیت نہیں ہوتی

3۔ ٹھوس اشیا کے علاوہ دوسری اشیا (مثلاً شراب، دودھ) اور غیر مرئی تصورات کی واضح تصاویر نہیں بنائی جا سکتیں۔ ان کے لیے طرح طرح کی ترکیبیں کی جاتی ہیں جیسا کہ پیچھے مختلف خطوط کے سلسلے میں لکھا گیا مثلاً ریڈ انڈین سامان کے تبادلے کو دو کاٹنے والے خطوط × کی علامت سے ادا کرتے تھے۔ اوجیبوا ریڈ انڈین بدشگونی کو الو کی تصویر سے پیش کرتے تھے۔ مصری ایک لاکھ کی گنتی ظاہر کرنے کے لیے مینڈک بناتے تھے کیونکہ یہ بے نہایت ہوتے ہیں۔ چینی میں اچھا کے اظہار کے لیے عورت اور بچے کا نقش بناتے ہیں اس علامتی طریقے کے علاوہ دوسرا طریقہ rebens کا تھا یعنی مفہوم سے مماثل

ہم صوت کی تصویر بنا دینا مثلاً مصری میں کر [? ک] س اور گلوئی بند شے کی آواز کے معنی پرندہ بھی ہیں بیٹا بھی۔ اس لیے بیٹا لکھنے کے لیے "ہنس" کی تصویر بنا دی جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ تمام تصویریں روایتی، معینہ اور مختصر ہو گئیں۔ جن قوموں نے پوری تصویریں بنانے اور انھیں خوبصورت رکھنے کی پابندی کی وہ تحریر میں ارتقا نہ کر سکیں مثلاً ریڈ انڈین مایا اور ازتیک ر Az teo) لوگوں کی تصویر نگاری جس میں آرٹ پر زور رہتا۔ یہ خط بیانی ترجمانی منزل سے نہ نکل سکے۔ بیشتر خطوط تصویروں کو مختصر کر کے علامات پر لے آئے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ کوئی بھی مکمل خط خالص لفظ نقش نہیں بلکہ کسی نہ کسی صورت میں لفظ کی صوت کی بھی ترجمانی کرتا ہے۔ اس لیے بیشتر لفظ نقشی خطوط میں کچھ رکنی علامات بھی ہیں۔ ان خطوط کی علامتیں مصورانہ نہیں بلکہ کفایت کے اصول پر جزئیات کو نظرانداز کرتی ہیں۔ بعض علامتیں بالکل من مانی ہیں جیسے اقلیدسی شکلیں، دائرے، قوس یا ریاضی کے نشان مثلاً

▭ △ ○ ( ) × + ÷ % ◇

چاروں قدیم خطوط کے لفظ نقش بعد میں اتنے مختصر ہو گئے کہ ان کے پیچھے ان کی اصل شناخت نہیں کی جا سکتی۔ جب خط روایت کے ذریعے مستحکم ہو جاتا ہے تو اس میں مزید علامات کی تخلیق بند ہو جاتی ہے خلاصے کے طور پر ہم ان خطوں کے نشانات کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(1) لفظ نقش (2) رکنی نشان جو اکثر Rebus طریقے سے اور شاذ اکیروفونی سے نکلے (3) امدادی نشان مثلاً رموز واوقاف یا معنوی تحقیقی نشانات۔

لفظ نقش میں چھ اصول تھے جن میں سے تین زیادہ عام تھے

(1) ٹھوس شے اور فعل کو ان کی براہ راست تصویروں سے ادا کرتے تھے (2) دوسرے تصورات کے لیے نسبتی علامات سے کام چلاتے تھے مثلاً سورج سے دن کو ظاہر کرنا (3) بعض شکلیں اقلیدس سے لیں بالخصوص اعداد کے لیے (4) جہاں علامت مفہوم کو واضح نہیں کرتی تھی وہاں امدادی نشان کا اضافہ کرتے تھے مثلاً مصری خط میں عمومی و خصوصی امدادی علامتیں ہوتی تھیں جن سے ظاہر کیا جاتا تھا کہ بنیادی نقش دیوتا کا یا مرد کا یا پھول کا یا عمارت کا ہے (5) ری بس اصول سے صوتی اظہار (6) چینی کی طرح امداد کے لیے بعض اوقات صوتی لیکن غیر

معنوی شکل کا اضافہ کیا جاتا تھا۔

لفظ نقش سے تحریر کی تبدیلی کس خاص نقطے پر متعین کی جائے۔ اس کے بارے میں دو رائیں ملتی ہیں۔ (1) بعض کے نزدیک جب ناقابلِ تصویر خیالات کو نسبتی علامات سے ظاہر کیا گیا تو تحریر کی داغ بیل پڑی (2) دوسروں کے نزدیک جب لفظ نقش میں صوت کو نقش سے جدا کر دیا گیا اور نقش کو محض ایک صوت رکن کے لیے استعمال کیا گیا تو تحریر کی جانب پہلا بڑا قدم اٹھا۔

یہی رائے زیادہ صحیح ہے۔ تصویر نگاری کو تحریر کی بجائے ترسیم کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ تحریر شے یا تصور کے اوصاف نہیں پیش کرتی بلکہ وہ کاتب کی زبان کے الفاظ کی کوڈ ہوتی ہے۔ جب نشانات تصور سے بالکل منقطع ہو کر صرف صوتی ہیئت کی نمائندگی کرنے لگتے ہیں تب تصور کی ہیئت سے مماثلت رفتہ رفتہ ختم ہو جاتی ہے۔ اور نشانات کو حرف کہتے لگتے ہیں۔

لفظ نقش کی علامات کتنی بھی مختصر ہو جائیں لیکن دیر طلب ہوتی ہیں اس لیے آخر کار صوت رکن کو ادا کرنے والے نشانات کا سہارا لینا پڑتا ہے اور پورے لفظ کی ترجمانی سے ہاتھ دھونا ہوتا ہے۔ کوئی معیاری رکنیہ (syllabary) نہیں۔ مختلف خطوں میں صوت ارکان والے نقوش کی تعداد مختلف ہے اور مختلف ادوار اور مختلف علاقوں میں مختلف نشانات سے مختلف ارکان ادا کیے گئے لیکن یہ ضرور ہے کہ ایک علاقے اور ایک دور میں ایک نشان سے ایک ہی رکن ادا کیا گیا۔ رکنی نشانات کیسے بنے اس سلسلے میں دو نظریے ہیں۔

1- جن چیزوں کے نام ایک رکن کے تھے ان کے نقش کو متعلقہ رکن کا نقش مان لیا گیا۔ لفظی نشان آہستہ آہستہ مختصر ہو گیا۔

2- رکنی نشانات ایکروفونی کے ذریعے حاصل کیے گئے یعنی کسی بھی لمبے لفظ کے نشان کو اس کی پہلی آواز یا پہلے رکن کا نشان مان لیا گیا۔

گیلب کی رائے میں پہلا نظریہ صحیح ہے۔ اس کے نزدیک سمیریا یا میکسکو کے خطوط میں ایکروفونی نہیں۔ مصری خط میں بھی ایکروفونی کا اصول بعد کے دور میں کار فرما ہوا۔ ابتدائی چاروں خطوط میں لفظ نقش اور رکنی علامات کا تناسب یہ ہے۔

خط	کل علامات	رکنی علامات
سمیری	قریب چھ سو	سو سے ڈیڑھ سو تک
مصری	قریب سات سو	قریب سو

حتی	ساڑھے چار سو سے زیادہ	قریب 60
چینی	قریب پچاس ہزار	62۔ فان رچ الیہ میں

ان کے رکن چار قسم کے ہیں۔

(1) سمیری یک رکن جو مصوتے یا مصمتے پر ختم ہوتے ہیں۔ شاذ دوارکان کے لیے ایک علامت ہوتی ہے (2) سمیری ایک رکن جن کا پہلا مصمتہ معلوم ہے بعد کا مصوتہ واضح نہیں (3) حتی یک رکن مصوتے پر ختم (4) چینی یک رکن مصوتے یا مصمتے پر ختم ہوتے ہیں۔

رکنی خطوط

خالص رکنی خطوط بہت کم ہوتے ہیں بیشتر لفظی رکنی ہوتے ہیں جن میں زیادہ تر نشانات لفظ نقش اور کم تر علامات اکنواری ہوتی ہیں۔ بعض خطوط کی علامات کو کچھ علما مفرد آوازیں مانتے ہیں تو کچھ صوت رکن۔ رکنی خطوط میں ذیل کے قابلِ ذکر ہیں۔

(1) میسوپٹامیہ کا آشوری خط۔

سمیری خط سے بابلی خط نکلا اور بابلی میں خفیف ترمیم کرکے آشوری۔ اس خط کا پیچھے ذکر آچکا ہے۔ یہ میخی خط تھا۔ اس میں 570 نشانات تھے جن میں سے 300 عام طور سے استعمال میں آتے تھے۔ ان میں لفظ نقش کی بجائے رکنی نشانات زیادہ تھے۔ یہ رکن دو قسم کے تھے۔ ا۔ ایک مصمتے اور ایک مصوتے پر مشتمل ب۔ دو مصمتوں کے بیچ ایک مصوتے پر مشتمل

(2) بائبلس کا خط

بیروت کے شمال میں ایک قصبہ تھا جس کا فینقی نام جبیل اور یونانی نام بائبلس تھا۔ یہاں فرانسیسی عالم دیوناں کو نو کتبے ملے۔ اس خط میں 100 سے اوپر نشانات کام میں آتے تھے۔ ان کی آوازیں یک رکنی ہیں اور بعض نشانات مفرد آواز کو ظاہر کرتے ہیں۔ دیوناں کے نزدیک یہ ہیروغلیفی سے متاثر ہوکر 2200 ق م میں وجود میں آیا۔ اس کی 25 علامتیں مصری خط سے ماخوذ ہیں۔ 25 ان کی تقلید میں بنائی گئی ہیں بقیہ دوسرے خطوط کی علامتوں سے مشابہ ہیں۔ بعد میں ایک مشرق Dhorme نے ان کتبوں کو پڑھ دیا۔ اس کی رائے میں یہ خط چودھویں صدی ق م کا ہے اور اس کی زبان فینقی ہے۔

(3) قبرصی کریٹی خط (Cypro Minoan)۔ یہ خط کریٹ کے خط سے ماخوذ

ہے اس خط کے سو کتبے ملے ہیں جو 1500 ق م سے 1100 ق م کے ہیں۔ اس میں 63 نشانات تھے جو یک رکنی ہیں۔

(4) قبرصی خط

یہ خط چھٹی صدی ق م سے تیسری صدی ق م تک قبرص (سائپرس) میں رائج تھا۔ یہ مندرجہ بالا قبرصی کریٹی خط سے نکلا ہے۔ اس کے کتبوں کی زبان یونانی ہے۔ اس میں 56 نشانات تھے جن میں پانچ مصوتے تھے اور 51 ایسے صوت رکن جن کی پہلی آواز مصمتہ ہوتی تھی اور بعد میں کوئی مصوتہ تیسری صدی ق م میں اس کی جگہ یونانی خط نے لے لی۔

(5) نیا ایلمی خط۔

اس میخی خط کا پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے۔ ساتویں یا چھٹی صدی ق م میں ایلم والوں نے یہ میخی خط اختیار کیا۔ اس کے 113 نشانات میں 80 کے قریب رکنی نشانات تھے۔

(6) قدیم فارسی خط

فارس میں چھٹی اور چوتھی صدی ق م کے بیچ ایک میخی خط مستعمل تھا۔ اس میں کل 41 نشانات تھے جن میں سے چار لفظ نقش تھے 36 رکنی نشان تھے اور ایک لفظوں کو جدا کرنے والا نشان تھا۔ اس خط کا مشہور ترین نمونہ بے ستون یا بشتون کا کتبہ ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ خط آشوری میخی سے ماخوذ ہے۔ دوسرے یہ کہتے ہیں کہ میخ کے استعمال کا تخیل آشوریہ سے لیا ہوگا لیکن خط کو مقامی طور پر وضع کیا گیا ہو۔ لیدمان کی رائے میں یہ خط تقریباً ہجائی تھا۔

(7) جاپانی خط

چینی زبان غیر ترکیبی ہے جس میں ہر لفظ مکمل اور جامد ہے۔ یہاں مشتق اور چسپیوں کا سوال ہی نہیں۔ جاپانی زبان تصریفی ہے جس میں کثرت سے چسپیے ہیں۔ غالباً پانچویں صدی میں چینی رسم خط جاپان پہنچا۔ اہلِ جاپان نے حسبِ ضرورت چینی نشان منتخب کر لیے جنھیں وہ اپنی زبان کی اصوات سے پکارتے تھے۔ ان لفظ نقشوں کو کانجی کہتے ہیں۔ یہ خط جاپانی زبان کی ضروریات کے لیے کافی نہیں تھا کیونکہ اس میں جاپانی کے چسپیوں کو ظاہر کرنے کی کوئی ترکیب نہ تھی، اس لیے نویں صدی میں اہلِ جاپان نے دو اسالیب خط ایجاد کیے جنھیں کاٹا کانا اور ہیرا گانا کہتے ہیں۔ یہ دونوں اسالیب 47 رکنی نشانات پر مشتمل ہیں اور یہ نشانات بنیادی طور پر ایک دوسرے اسلوب میں مختلف نہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ لفظ کا مادہ چینی نشان سے یعنی کانجی

میں لکھا جاتا ہے اور اس کے پیچھے دو جاپانی خطوط ہے۔ معمولی پڑھے لکھے آدمی کو 1200 کانجی نشان جاننا ضروری ہے۔

کاٹاکانا خط چین کی آدرش لپی (Model script) سے ماخوذ ہے اور یہ علمی تصانیف اور سرکاری احکام کے لیے مخصوص ہے۔ ہیراگانا خط چینی کے خطِ شکستہ سے ماخوذ ہے اور اخبار ناول اور انشائیے اسی میں شائع ہوئے ہیں۔ اس کے 47 نشانات متعدد طریقوں سے بنائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے طباعت میں ان کی سو شکلیں اور دستی تحریر میں 300 قسمیں ہو جاتی ہیں۔ اس طرح یہ خط خاصا پیچیدہ ہے۔ کاناکی 47 بنیادی علامات کے علاوہ صوتی خصائص ظاہر کرنے کے لیے کچھ نشانات بنائے گئے۔

چینی کی طرح جاپانی خط بھی اوپر سے نیچے کو لکھا جاتا تھا لیکن اب دائیں سے بائیں سے دائیں طرف کو افقی سطروں میں لکھنے لگے ہیں۔

قرص فیسطس

کریٹ میں ایک مقام فیسطس (Phaestus) ہے۔ وہاں سے مٹی کی ایک گول تختی برآمد ہوئی ہے جس کے ایک طرف 123 نقوش ہیں اور دوسری طرف 118۔ یہ تختی 1700 ق م کی ہے۔ اس کے نقوش کو ابھی تک پڑھا نہیں جا سکا ہے۔ قیاس ہے کہ اس کے نقوش رکنی نشانات ہو سکتے ہیں۔

گیلب کے نزدیک سامی خط بھی اصلاً رکنی تھا لیکن دوسرے علما اسے عام طور پر ہجائی مانتے ہیں۔ بعض کے نزدیک مصری خط میں بھی بعض نشانات مفرد آوازوں کے تھے۔ دوسری طرف کچھ لوگ دیوناگری کو بھی رکنی قرار دیتے ہیں۔ رکنی خط میں لفظ نقشی خط سے ماخوذ ہوتا ہے اس کے نشانات اسی کے لفظ نقشوں کو مختصر اور سادہ کر کے بنائے جاتے ہیں۔ مندرجہ بالا خطوط میں چار خطوط لفظ رکنی ہیں یعنی آشوری، نیا ایلمی، قدیم فارسی اور جاپانی۔ ان کے زیادہ تر نشانات رکنی ہیں لیکن چند نقش ہیں۔ انھیں پہلی بڑی نوع لفظ رکنی کے تحت اس لیے نہیں رکھا گیا کہ اول الذکر میں لفظ نقشوں کی اکثریت ہوتی تھی۔ رکنی نقش معدودے چند ہوتے تھے۔ موجودہ شق میں زیادہ تر نقش رکنی ہیں صرف چند ہی لفظ نقش ہیں۔ ان خطوط کا مزاج رکنی ہے لفظ نقشی نہیں۔

بائبلس کا خط نیز قبرصی کریٹی اور قبرصی خط میں ظاہراً کوئی لفظ نقش نہیں۔ چند کو مفرد آواز کے نقش مانا جاسکتا ہے لیکن بقیہ اکثریت رکنی ہے۔ صحیح معنی میں رکنی کا اطلاق ان تین خطوں ہی پر کرنا چاہیے۔ ان خطوں میں ایلمی رکن مصوتے یا مصمتے کسی پر ختم ہو سکتے ہیں لیکن قبرص کریٹی قبرص اور جاپانی رکن مصوتے ہی پر ختم ہوتے ہیں۔

اگر کسی زبان میں رکنوں کی تعداد زیادہ نہ ہو تو اس کے لیے رکنی تحریر بری نہیں رہتی 1821ء میں چیروکی ریڈ انڈینوں کے لیے سیکویا (Sequoya) نامی عالم نے ایک رکنی خط ایجاد کیا جو ان کا کام بخوبی چلاتا تھا۔ حال میں کچھ مشنریوں نے دوسری ریڈ انڈین زبانوں کے لیے رکنی خط اختراع کیے لیکن ان کی اہمیت نہیں۔

ہجائی خط Alphabetical

مندرجہ بالا رکنی خطوط سے ہجائی یا الف بائی خط کی طرف بڑھنا مشکل نہیں۔ ہم ہجائی خط انھیں کہتے ہیں جن کے نشان مفرد آواز کو ظاہر کریں۔ تحریر میں یہ منزل ارتقا نہایت اہم ہے۔ یہ متفقہ ہے کہ سب سے پہلے الف با شمالی سامی رسم الخط میں ملتے ہیں اس لیے حروف کے آغاز کی تلاش دراصل شمالی سامی خط کے ماخذ کی تعیین ہے۔ مشرقی بحر روم کے جنوب، مشرق اور شمال میں جتنے قدیم لفظ رکنی خط ملتے ہیں ان سب کو شمالی سامی کے ماخذ کے طور پر قیاس کیا گیا ہے۔ ذیل میں مختلف نظریوں کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

(1) مصری ظروف کے نشانات

پیتے (Pietta) نے کچھ گھسے پتھروں پر سیدھی لکیریں، سانپ، کیچوے، درخت اور پودوں سے مماثل نشان دریافت کیے اور انھیں سامی حروف کا سرچشمہ قرار دیا۔ پیٹری (Flinders petrie) کو مصری برتنوں پر ملکیت ظاہر کرنے والے نشانات ملے۔ یہ ہیروغلیفی خط سے بھی قدیم تر ہیں۔ ایسے نشانات کریٹ، سائپرس، اسپین وغیرہ میں بھی ملتے ہیں۔ ان کی تعداد سامی فینقی حروف سے زیادہ ہے اور اُن میں سے بعض نشانات حروف سے مشابہ ہیں۔ پیٹری نے انھیں اقلیدسی نشانات کو سامی حروف کا ماخذ ٹھہرایا لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان صامت نشانات سے آواز کیونکر منسوب کی گئی۔ محض ہیئت اہم نہیں۔

(2) مصری خط کا نظریہ

فرانسیسی عالم روژرد (Rouge) نے 1859 میں خیال ظاہر کیا کہ سامی حروف مصر کے ہیراطیقی سے بنے لیکن چونکہ ان دونوں کے نشانات میں کافی فرق ہے۔ اس لیے اس نظریے کو رد کر دیا گیا۔

(3) سینائی خط کا نظریہ

1904 میں فلنڈرس پیٹری نے جزیرہ نما سینا کے ایک مندر میں کچھ کتبوں کو دیکھا ان کا زمانہ 1800 ق م اور 1600 ق م کے بیچ ہے۔ 1916 میں ایلن گارڈنر نے کچھ الفاظ پڑھے جن میں بعلت سب سے اہم تھا۔ یہ سامی دیوی کا نام تھا۔ دوسرے ماہرین نے بھی اس کا مطالعہ کیا اور یہ نتیجہ نکالا کہ یہ الف بائی خط ہے جس میں کل 32 نشانات ہیں، 24 بنیادی ہیں اور آٹھ اُن میں سے بعض کی متبادل شکلیں۔ چونکہ کئی نشانات ہیروغلیفی سے مشابہ ہیں اس لیے طے کیا گیا کہ یہ خط ہیروغلیفی سے ماخوذ ہے۔ انگریزی عالم گارڈنر نے اس خط سے سامی حروف کو ماخوذ کیا۔ اس کے نزدیک سینا کے 32 نشانات سامی حروف سے مماثل ہیں۔ سینا کا علاقہ شمالی سامی اور مصری خط دونوں کے نزدیک ہے۔ سینائی خط کو عام طور سے مصری خط سے ماخوذ کہا جاتا ہے لیکن فرانسیسی عالم دیوناں (Dunand) اور ڈاکٹر ڈرنگر دونوں کا خیال ہے کہ سینائی خط میں دو چار کتبوں کے سوا باقی کو نہیں پڑھا گیا۔ موس دیوناں کی رائے میں نہ سینائی خط ابجدی تحریر ہے نہ اس سے شمالی سامی ماخوذ ہے۔ جب تک سینائی خط کی نوعیت معلوم نہ ہو اسے کیونکر سامی کی اصل قرار دیا جائے۔

(4) بائبلس کے خط کا نظریہ

دیوناں نے بائبلس کے خط سے سامی کو ماخوذ کیا لیکن Dhrome کی رائے میں یہ خط سامی سے بعد کا ہے یعنی 1375 ق م کا ہے۔

(5) کریٹ کے خط کا نظریہ

سر آرتھر ایونس نے کریٹ کے خط کو ماخذ قرار دیا۔ کریٹ کی تہذیب یونانی تہذیب کا ماخذ تھی۔ اہلِ یونان کا رسم الخط سامی فنیقی سے ماخوذ ہے۔ اگر کریٹ کا خط سامی سے قدیم تر ہوتا تو یونان والے نزدیک کے کریٹ کو چھوڑ کر دور کے سامی خط سے کیوں استفادہ کرتے اس کے علاوہ ابھی تک کریٹ کے تصویری خط کو پڑھا نہیں جا سکا ہے۔

(6) راشں شامرہ کے میخی خط کا نظریہ

شام کے گاؤں راشں شامرہ کے پاس ایک قدیم شہر اُگارِت کے آثارِ قدیمہ دریافت کیے گئے۔ ان میں میخی خط سے لکھی لوحوں پر 32 حروف لکھے ہیں۔ ان میں سے بعض آوازوں مثلاً الف کے لیے ایک سے زیادہ حرفی نقش ہیں۔ اس کے چھ نشانات سامی سے مشابہ ہیں۔ یہ خط چودھویں سے لے کر سولہویں صدی ق م کے بیچ میں ایجاد ہوا تھا۔ صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کے موجد نے شمالی سامی سے استفادہ کیا نہ کہ سامی خط اس سے نکلا۔

(7) قدیم کنعانی کتبے

کنعان فلسطین کا قدیم نام ہے۔ یہاں برتنوں اور ٹھیکروں پر ایک درجن سے کچھ کم مختصر کتبے ملے جن میں سے بعض سینائی خط سے اور بعض سامی سے مشابہ ہیں۔ ان کا زمانہ 1600 ق م سے 1200 ق م تک کا ہے۔ انھیں بعض لوگوں نے فینقی اور سینائی خط کے درمیان کی کڑی مانا ہے لیکن ان کتبوں کی تحریر کے بارے میں ابھی کچھ معلوم ہی نہیں کہ ان میں کیا لکھا ہے۔

(8) تنجیمی نظریہ

1957 میں موروں نے یہ نظریہ پیش کیا کہ سامی حروف چینیوں کے آسمانی بُرجوں اور منازلِ قمر کی علامتوں سے ماخوذ ہیں۔ یہ نظریہ اس لیے قابلِ قبول نہیں کہ چین سامی علاقے سے بہت دور ہے۔

مندرجہ بالا تمام خطوط ترقی یافتہ لفظ نقشوں اور رکنوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے کچھ کے نشانات کی سامی حروف سے مماثلت اتفاقی ہو سکتی ہے کیونکہ انسان کہیں بھی بہت سے نشانات تخلیق کرے تو مختلف علاقوں میں بھی کچھ نشانات یکساں ہو جائیں گے اور جن نشانات کو مماثل قرار دیا جاتا ہے وہ بھی جزوی طور سے مماثل ہوتے ہیں۔ پھر صرف ہیئتی مماثلت کافی نہیں ان کی صوتی قیمت بھی یکساں ہو تبھی وہ قابلِ لحاظ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سامی خط مصری خط سے یقیناً کچھ نہ کچھ تعلق رکھتا ہے اور قوی امکان ہے کہ ان کے بیچ کا وسیلہ سینائی حروف رہے ہوں۔ سامیوں نے 1730 ق م اور 1580 ق م کے بیچ مصر پر حکومت کی ہے۔ سامی حروف کی ایجاد کا زمانہ یہی ہو سکتا ہے۔ مصری زبان حامی خاندان کی تھی جو سامی سے بہت

مماثل ہے۔ لیہ مان[1] نے حامی اور سامی کو اصلاً ایک خاندان قرار دیا ہے۔
گیلب کی رائے میں سامیوں نے مصری خط کی تصویروں اور کئی مصمتوں کے نشانوں کو چھوڑ کر واحد مصمتوں کا اصول اخذ کیا۔ اس طرح مصری خط کی 24 سادہ علامتیں سامی کی 22 تا 30 نشانوں سے ملتی ہیں۔ سامیوں نے مصوتوں کو حذف کرنے کا تصور بھی مصری خط سے لیا۔ اس کے باوجود گیلب سامی خط کو مصری سے اخذ کرنے کو تیار نہیں۔ اس کے نزدیک محض ہیئت کا میل اتفاقی اور گمراہ کن ہوتا ہے۔ فنیقیہ اور مصر کے بیچ کئی تصویری اور لکیری خطوط وضع ہوئے اور آپس میں رل مل گئے۔ عربی خط کے سلسلے میں ہم سامی اور مصری کے تعلق پر ایک بار پھر غور کریں گے۔

سامی خطوط

کچھ پہلے تک سب سے قدیم سامی تحریر سنگِ معابی تھا جو نویں صدی ق م کے وسط کا تھا۔ بعد میں بائبلس میں اہیرام کے مقبرے کی دیوار پر تیرھویں صدی ق م کا کتبہ ملا جو فنیقی زبان میں بتایا جاتا ہے۔ اس سے بھی قدیم ابتدائی کنعانی خط کے کتبے ہیں۔ فلسطین میں کچھ برتنوں اور ٹھیکروں پر کچھ کتبے ملے جن کے بعض نشانات سینائی خط سے اور بعض شمالی سامی سے ملتے ہیں۔ یہ 1600 ق م اور 1200 ق م کے درمیان کے ہیں۔ ان کتبوں کے خط کو سینائی اور فنیقی کے درمیان کی کڑی کہا جاتا ہے لیکن ڈرنگر کے نزدیک سینائی اور راس شامرہ کے خط کی طرح یہ بھی ہجائی تحریر کی ایجاد کی کوشش ہے خود ہجائی تحریر نہیں۔ اس طرح سامی خط 1500 ق م میں یا اس سے پہلے وجود میں آ گیا۔ اس کی دو شاخیں تھیں شمالی سامی اور جنوبی سامی۔ شمالی سامی شاخ فلسطین (کنعان) اور شام وغیرہ میں رائج تھی اور جنوبی شاخ جزیرہ نما عرب میں جہاں سے وہ حبشہ پہنچی۔ سامی خطوط بہت سی غیر سامی اقوام میں بھی پہنچا ہے۔ ہم فی الوقت صرف سامی اقوام کو مدِ نظر رکھ کر اس کی شاخیں درج کرتے ہیں۔

شمالی سامی خط

یہ 22 مصمتی حروف پر مشتمل تھا جن میں سے بعض مصوتوں کا بھی کام دیتے تھے۔ سامی

---

1 Lehman: Historical Linguistics P41

زبانوں میں لفظ کا مادہ محض مصمتوں پر مشتمل ہوتا ہے اس لیے اس خط میں مصوتوں کو نظر انداز کیا گیا۔ شمالی سامی کی تین شاخیں ہیں (1) ابتدائی (2) فنیقی (3) آرامی

ابتدائی عبرانی کے کتبے گیارھویں صدی ق م سے ملتے ہیں۔ بعد میں قدیم عبرانی سے دو خط نکلے

ا۔ یہودی سکوں کا ب۔ سماری خط۔

فنیقی خط فنیقیہ میں رائج تھا جو فلسطین کے شمال میں واقع تھا۔ اس رسم خط کی دو قسمیں ہیں

ا۔ صوری خط جو شہر صور (Tyre) میں دسویں صدی ق م میں وجود میں آیا۔ ب۔ صیدونی خط جو صوری اور دوسرے کتبوں سے چھٹی صدی ق م میں نکلا۔ بعد میں فنیقی خط وادی دجلہ و فرات کار تھیج (شمالی افریقہ)، لیبا اور اسپین و پرتگال میں پھیل گیا جہاں ان سب میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔

آرامی (Aramaeus) خط آرامی قوم (Aramaus) کا ہے جو شام کے علاقے میں آباد تھی۔ اس خط کے قدیم ترین کتبے 800 ق م کے ہیں۔ مختلف ادوار میں اس خط کی مختلف شکلیں ارتقا پائیں جن میں سے چار قابل ذکر ہیں۔

(1) عبرانی چھٹی صدی ق م میں۔ اس کو عبری مربع (Square Hebrew) کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ عبرانی لکھنے کے اور بھی اسالیب ہیں۔ واضح ہو کہ عبری مربع یا جدید عبرانی خط ابتدائی عبرانی خط سے نہیں نکلا۔ (2) تدمری 250 ق م سے جو مصری آرامی سے ماخوذ تھا۔ (3) سُریانی (Syrae)۔ یہ سریانی عیسائیوں میں دوسری اور ساتویں صدی کے بیچ رائج تھا۔ (4) نبطی۔ شمالی عرب، مشرقی اردن اور سینا میں نبطی قوم آباد تھی۔ دوسری صدی ق م میں ان کا خط آرامی سے ارتقا پایا۔ نبطی کی ایک شاخ جدید سینائی ہے جس کا رواج پہلی صدی عیسوی میں ہوا۔ اس سے عربی خط پیدا ہوا لیکن اس کی تفصیل میں جانے سے قبل جنوبی سامی کا ذکر کیا جائے گا۔

جنوبی سامی خط

اس کے صرف 9 حروف شمالی سامی سے مشابہ ہیں جس سے یہ یقینی ہو جاتا ہے کہ جنوبی سامی خط شمالی سامی سے نہیں نکلا۔ دونوں کے یکساں ناموں سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ دونوں کے آغاز سے پہلے کوئی خط محض سامی کے نام سے موجود تھا لیکن ایسا نہیں جنوبی سامی خط کے ماخذ کے بارے میں تین نظریے ہیں۔

1۔ ڈاکٹر گارڈنر کے نزدیک جنوبی و شمالی دونوں سامی خط سینائی خط سے ماخوذ تھے۔
2۔ دیونان کی رائے میں جنوبی سامی خط بائبلس کے نیم تصویری خط سے ماخوذ تھا۔
3۔ ڈاکٹر ڈانگر کے مطابق جنوبی سامیوں نے شمالی سامی خط سے اور بعض امتیازی نشانات کی مدد سے اپنا رسم الخط وضع کیا۔

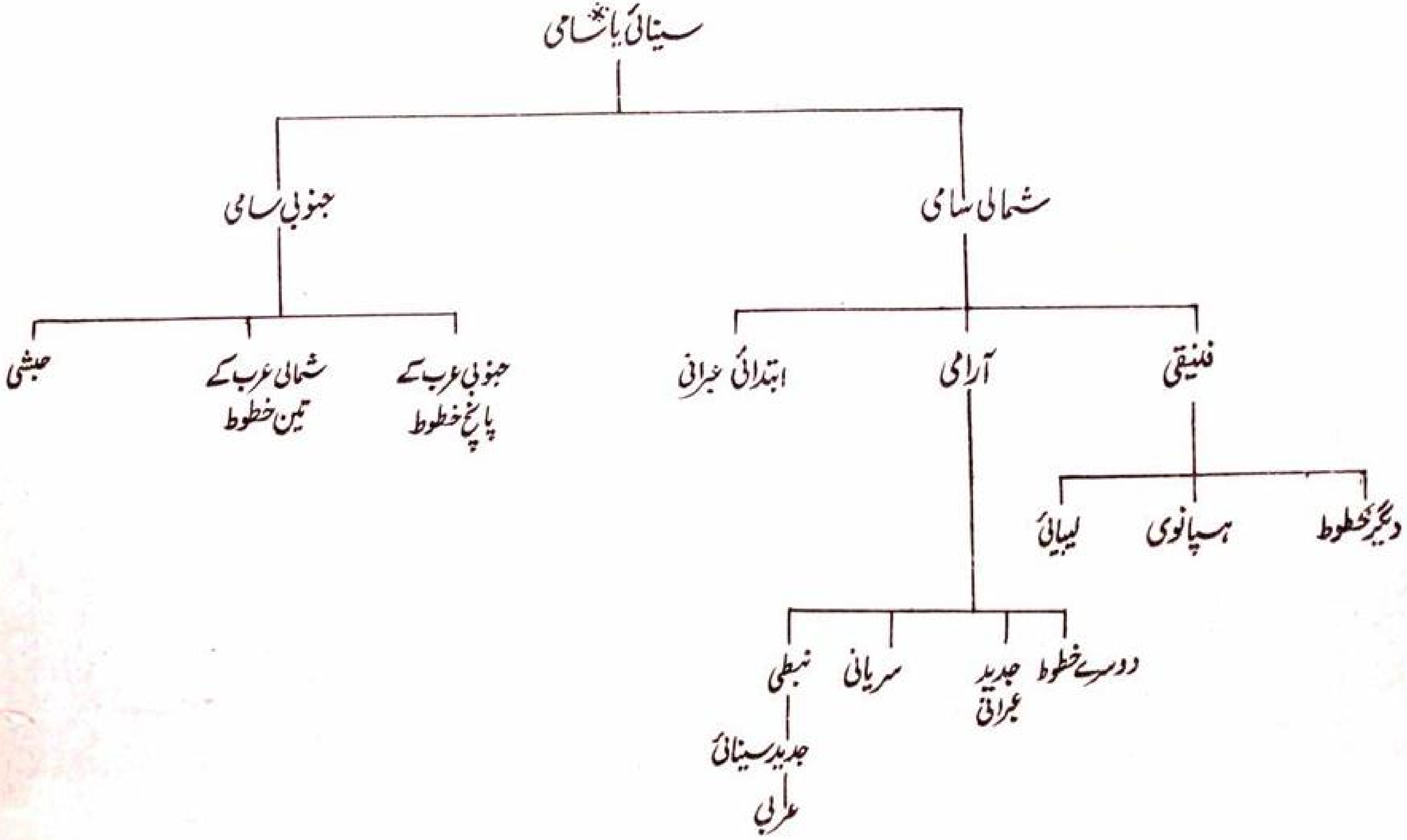
پہلا نظریہ زیادہ مقبول ہے گو بقیہ دو میں بھی کسی قدر صحت ہوسکتی ہے۔ جنوبی سامی کے کتبے پانچ قسم کے ہیں اور 29 حروف پر مشتمل ہیں۔ دائیں سے بائیں کو اور شاذ دورُخی بھی لکھے گئے ہیں۔ پانچویں صدی ق م میں جنوبی عرب کے بعض قبائلی حبشہ میں گئے۔ وہاں ان کا رسم الخط مختلف ہوتا گیا جسے حبشی رسم الخط کہتے ہیں۔ اس طرح سامی خطوط کی اہم قسموں کو ہم نقشے میں یوں ظاہر کر سکتے ہیں۔ واضح ہو کہ ایک اصل سے نکلنے والی فروعات ہم عصر نہیں۔

عربی خط

شمالی عرب، مشرقی اُردن اور سینا میں نبطی قوم آباد ہے۔ اُنھوں نے دوسری صدی ق م میں آرامی خط اختیار کر لیا۔ اور یہ لکھائی نبطی خط کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس سے پہلی صدی عیسوی میں جدید سینائی خط نکلا۔ تیسری صدی میں عربوں نے نبطی خط کی اس شاخ کو اختیار کر لیا۔ اس کی دو شاخیں ہوئیں۔ کوفی اور نسخ۔ کوفی خط کوفہ اور بصرہ میں رائج ہوا اور نسخ مکّہ اور مدینہ میں۔ بعض کا خیال ہے کہ نسخ کوفی ہی سے نکلا ہے۔ پہلی صدی ہجری تک یہ دونوں خط وجود میں آچکے تھے۔ کوفی خط کسی حد تک آرائشی تھا۔ اس میں اعراب اور نقطوں کا رواج نہ تھا۔ 50ھ میں خطِ نسخ میں اعراب کا کام نقطوں سے لیا جانے لگا۔ جب یہ خط مصر اور ایران میں پہنچا تو ہم شکل حروف میں امتیاز کے لیے 65ھ میں نقطوں کی ایجاد کی گئی۔ منقوط حروف کے لیے سیاہ نقطے اور اعراب کے لیے سرخ نقطے۔ خلیل بن احمد موجدِ عروض نے دوسری صدی ہجری میں اعراب کی موجودہ شکل وضع کی جس کے بعد سرخ نقطوں کا رواج ختم ہوگیا۔

عربی میں ابتداً صرف 22 حروف تھے ابجد سے قرشت تک۔ بعد میں ان میں نقطوں کی مدد سے 6 حروف ثخذ ضظغ کا اضافہ کیا گیا۔ چوتھی صدی عیسوی میں 'لا' کا اضافہ ہوا اور ہمزہ سمیت عربی میں 29 حروف قرار پائے۔ ظاہر ہے کہ 'لا' مفرد حروف نہیں مرکب ہے۔ عربی حروف کو یاد رکھنے کے لیے ذیل کے گروہوں میں اکٹھا کر دیا گیا ہے۔

ابجد ۔ ہوز ۔ حطی ۔ کلمن ۔ سعفص ۔ قرشت ۔ ثخذ ۔ ضظغ


سینائی یا سامی*
جنوبی سامی
شمالی سامی
حبشی
شمالی عرب کے تین خطوط
جنوبی عرب کے پانچ خطوط
ابتدائی عبرانی
آرامی
فنیقی
لیبائی
ہسپانوی
دیگر خطوط
نبطی
سریانی
جدید عبرانی
دوسرے خطوط
جدید سینائی
عربی

یہ قدیم ترتیب ہے جو ابتدائی نیز عبرانی میں بھی موجود ہے۔ عربی حروف کے نام عبرانی میں زیادہ بہتر طریقے سے محفوظ ہیں اور وہاں ان سب کے ناموں کے کچھ معنی ہیں۔ یہ معانی حرف کی اصل تصویر شکل کی یاد دلاتے ہیں۔ یہی نام قدرے ترمیم کے ساتھ یونانی میں لیے گئے۔ ذیل میں عبرانی اور یونانی نام نیز ان کے معنی درج کیے جاتے ہیں[1]

نمبر شمار	عبرانی	یونانی	معنی	نمبر شمار	عبرانی	یونانی	معنی
1	الف	الفا	بیل	12	لامڈ	لامڈا	انکس، کوڑا
2	بیط	بیٹا	گھر	13	میم	مو	پانی
3	گیمل (عربی جمل)	گاما	اونٹ	14	نون	نو	مچھلی
4	دالط	ڈیلٹا	دروازہ	15	سامک	سی	مچھلی
5	ہے	ایپ سلائی لان	خوشی یا صدمے کی آواز	16	عین	او مائکرون	آنکھ
6	واؤ	واؤ	کھونٹی	17	نے	پائی	دہانہ
7	زین	زیٹا	ہتھیار۔ زیتون	18	صادے	سان	جال، نیزہ
8	حیط	ایٹا	جنگلہ	19	قوف	کوپا	گدی، بندر، گرہ
9	طیط	تھیٹا	روٹی	20	ریش	رہو	سر
10	یود	ایوٹا	ہاتھ	21	شین	سگما	دانت، چوٹی
11	کاف	کاپا	ہتھیلی	22	تاؤ	تاؤ	نشان

بعد میں بچوں کی سہولت کے لیے حرفوں کو ان کی صوری یکسانی کے اعتبار سے دوبارہ ترتیب دے دیا گیا۔ یہی ترتیب اردو میں برقرار ہے۔

[1] محمد اسحاق صدیقی : فنِ تحریر کی تاریخ ص 158

ہم عربی حروف سے ابجد ہوز وغیرہ کی وجہ سے شناسا ہیں۔ عبرانی میں ان حروف کے
پورے نام اور اُن کے معنی سے آشنا ہونے کے بعد ہم خطوں کی شاخوں کی تفصیل کو روک کر
سامی اور مصری کی نوعیت اور تعلق کے بارے میں مزید غور کرتے ہیں۔

بچوں کو شروع میں باقاعدہ پڑھایا جاتا ہے تو اس میں تصویروں کی مدد سے حروف یاد
کرائے جاتے ہیں الف سے انار، ب سے بکرا، پ سے پتنگ وغیرہ۔ یہ اصول ایکرو فونی یعنی
سر نقشی ہے۔ سامی حرفوں کے تصویری نام ایکرو فونی سے بھی کچھ زیادہ ہیں یہاں حرف کا صوری
نشان تصویر سے مماثل قرار دیا گیا ہے۔ گیلب کے نزدیک سامی خط کے حروف تصویروں کو
پیش نہیں کرتے۔ اس کے اعتراضات اور ان میں سے بعض کے جواب یہ ہیں۔

ا۔ پہلا حرف ا بیل سے مشابہ نہیں گو اس کے نام کے معنی بیل ہیں۔ جواب یہ ہے کہ
موجودہ عربی الف بیل سے مشابہ نہیں لیکن قدیم سینائی، فنیقی اور یونانی A ضرور
مشابہ ہیں۔ کچھ شکلیں ملاحظہ ہوں

ہیروغلیفی	قدیم سینائی	فنیقی	آرامی	مشرقی یونانی	نسخ	موجودہ
3000 ق م	1800 تا 1600 ق م	نویں صدی ق م	پانچویں اور چوتھی صدی ق م	560 ق م	ساتویں صدی عیسوی	



یونانیوں نے بیل کے منہ کا زاویہ گھما کر A اخذ کیا

ب۔ بعض علامتوں کے سامی زبانوں میں معنی نہیں مثلاً ہا، حا، ط، صاد یہ اعتراض غالباً
'ہا' کی حد تک واجب ہے۔ بقیہ علامات کے سامی زبان میں معنی ہیں جیسا کہ اوپر دکھایا
جا چکا ہے۔

ج۔ کئی کے نام مثلاً گیمل، لامدھ، سمکھ، قوف کے نام ان کی تصویروں سے نہیں ملتے۔
یہ اعتراض صرف موجودہ شکلوں کو دیکھ کر کیا جا سکتا ہے لیکن قدیم ارتقا مدِ نظر رکھا
جائے تو مشابہت دکھائی دے گی۔ ملاحظہ ہو محمد اسحاق صدیقی کی کتاب فنِ تحریر کا
ارتقا میں شکل 132 جو ص 204 کے بالمقابل ہے۔ فنیقی اور آرامی میں یہ مشابہت
واضح ہے۔

د۔ بعض علامات کے مختلف جگہ مختلف نام ہیں مثلاً کنعان میں نون : مچھلی ہے اور حبشہ میں نحامش بمعنی سانپ۔ زین بمعنی ہتھیار اصلاً زیت بمعنی زیتون تھا جس سے یونانی زیٹا نکلا۔ سین کے معنی کہیں دانت ہیں شین اصلاً شکم تھا جس سے یونانی سگما نکلا۔

ھ۔ بعض علامات ایک دوسرے سے ماخوذ ہیں مثلاً ہ، ح۔ ن، م۔ ز، س۔ ت، ط۔ یہ آزاد تخلیق نہیں بلکہ ایک دوسرے میں ترمیم ہیں۔

اگر یہ ثابت ہو جائے کہ قدیم فنیقی خط (سامی) تصویروں کو پیش نہیں کرتا اسے سامی سے ماخوذ کرنا مشکوک ہے گیلب کے نزدیک سامی نشانات اپنی تخلیق ہیں جو باہر سے نہیں لیے گئے اس نظریے سے عام طور پر اتفاق نہیں کیا جاتا۔

سامی خط ظاہرا ہجائی ہے لیکن گیلب کا اصرار ہے کہ یہ رکنی تھا۔ ہیروغلیفی خط کے غیر لفظ نقشی نشانات کو عام طور سے مفرد مصمتوں کا ترجمان مانا جاتا ہے لیکن گیلب انھیں رکن نقش مانتا ہے۔ آپ اپنے اس اصول پر شد و مد سے اصرار ہے کہ لفظ نقش کے بعد رکن نقش کی منزل آنی چاہیے اس کے بعد ہجائی کی۔ لفظ نقش سے براہ راست ہجائی منزل نہیں آ سکتی۔

scrip to plena سے scriptoplene اس تحریر کو کہتے ہیں جس میں مصوتوں کو کمزور مصمتوں مثلاً الف، ی وغیرہ سے ادا کیا جائے۔ سامی خط اس کی راکے ہیں ہے۔ ابتدائی عبرانی خط میں رکنی نشانات تھے جو مصمتے سے شروع ہو کر کسی بھی مصوتے پر ختم ہوتے تھے۔ بعد میں طویل مصوتوں کو صحت سے ظاہر کرنے کے لیے ماقبل رکن پر نشان لگائے گئے۔ چونکہ اعراب میں منجملہ دوسرے نشانات کے جزم میں سکون کی علامت بھی ایجاد کی گئی اس سے بقول گیلب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصمتوں میں اصلاً مصوتہ بھی شامل تھا۔ گیلب کی دوسری دلیل یہ ہے کہ عربی میں حرفوں کے نام دو قسم کے ہیں ایک تو الف، جیم جیسے ہیں دوسرے با، ہا، زا، حا، طا جیسے جو مصمتہ + مصوتہ جیسے نظام کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ گیلب کی یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ یہ نام بعد کے ہیں، عبرانی نام زیادہ قدیم ہیں۔ پھر یہ کہ خالص ہجائی ناموں میں مصمتے کو ادا کرنے کے لیے کوئی مصوتہ تو ساتھ میں لگا کر بولنا ہی ہوگا۔

اب اس بحث کو چھوڑ کر خطوں کی تاریخ پر آ جائیے۔ خطِ کوفی سے آرائشی خط برآمد ہوئے جو دراصل مختلف اسالیب ہیں۔ روایت کے مطابق یہ چھ ہیں: ثلث، نسخ، توقیع، رقاع،

محقق، ریحاں۔ لیکن نسخ غالباً کوفی سے برآمد نہیں ہوا۔ اس کے ساتھ کا خط ہے۔ بعد میں خطِ نسخ کی متعدد آرائشی وضعیں ہوئیں مثلاً خطِ گلزار، خطِ غبار، خطِ طغرا وغیرہ۔ دراصل یہ علیحدہ خط نہیں تھے بلکہ ایک ہی خط میں جمالیاتی مذاق کے اظہار کے اسالیب تھے۔

فارسی خط

عربی خط ایران میں پہنچا تو چوتھی صدی ہجری میں حسن بن حسین علی نے خطِ رقاع اور خطِ توقیع سے خطِ تعلیق برآمد کیا۔ نسخ اور تعلیق کو ملا کر شاید تیمور لنگ (771 تا 801) کے عہد میں خواجہ میر علی تبریزی نے نستعلیق ایجاد کیا لیکن ابوالفضل کہتا ہے کہ نستعلیق تیمور سے پہلے ہی وجود میں آچکا تھا۔ خواجہ ابوالمعالی بک نے فارسی کے مخصوص حروف کے لیے نقطے لگا کر پ، چ، ژ، گ ایجاد کیے۔ گ پر بھی اصلاً دو مرکز نہ تھے بلکہ ایک مرکز اور تین نقطے یعنی گ۔ مرتضیٰ قلی خاں شاملو حاکمِ ہرات نے 1100ھ میں خطِ شکستہ ایجاد کیا جو مختصر نویسی اور زود نویسی کی خاطر وجود میں آیا۔

عربی خط اسلام کے ساتھ ساتھ تمام مشرقِ وسطیٰ کے ممالک، شمالی افریقہ، جنوبی یورپ، ایران، ہند، ملیشیا اور انڈونیشیا گیا۔ ہندستان میں یہ اردو کے علاوہ سندھی، پنجابی (کم از کم مسلمانوں میں) اور کشمیری کے لیے بھی مستعمل ہے۔

سندھی خط

چونکہ سندھ کے مسلمان حملہ آور مغل یا افغان نہیں تھے بلکہ اہلِ عرب تھے اس لیے سندھی زبان نے جب عربی خط اختیار کیا تو نستعلیق کی بجائے نسخ لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی زبانوں میں سب سے پہلے سندھی نے عرب ایران کا خط اختیار کیا یہ خط نقطوں کا خط ہے۔ اس میں سندھی کی مزید آوازوں کو نقطوں کے اضافے سے ظاہر کیا ہے۔ اس خط میں کم از کم آٹھ حروف اردو خط سے مزید ہیں جن میں سے کچھ ب، ج، ڈ، گ کی مخصوص شکلیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک آواز انفی غشائی ہے جسے گ لکھا جاتا ہے۔ ایک انفی معکوسی ݨ ہے۔ اس میں دوسری معکوسی آوازوں کو بالائی ط کی بجائے نقطوں ہی سے ظاہر کیا گیا ہے مثلاً

ٽ (ٹ)، ٺ (ٹھ)، ڏ (ڈ) ڊ (دوسرا ڈ) ڍ (ڈھ) ڙ (ڑ)

گویا لفظوں کا کوئی ایک اصول نہیں ایک سے لے کر چار لفظوں تک سے معکوسیت ادا کی گئی

ہے۔ دس ہائیہ آوازوں میں بھی دو کو ھ کے اضافے سے اور بقیہ کو نقطوں سے ادا کیا ہے۔
ٻ (بھ) ٺ (تھ) ٿ (ٹھ) ڦ (پھ) ڄ ڃ (چھ) ڌ (دھ) ڍ (ڈھ)
ک (کھ) گھ
ک کی یہ صورت ہے کہ عام اردو ک کو نسخ کے انداز سے ک لکھا جاتا ہے اور کھ کو
ڪ،

اُردو خط

اردو میں بھی اصلاً معکوسی آوازوں کو چار بالائی نقطوں سے ظاہر کیا گیا یعنی ٿ ڈ ڑ لیکن انیسویں صدی میں کسی وقت بالائی چار نقطوں کی جگہ بالائی ط لکھی جانے لگی اور ٹ ڈ ڑ کی شکل وجود میں آئی۔ ہندی کے دس ہائیہ بندشیوں کو دوچشمی ھ کے اضافے سے لکھا گیا۔ یعنی بھ پھ تھ ٹھ جھ چھ دھ ڈھ کھ گھ۔ ان کے علاوہ پانچ مزید ھائیہ حروف ہیں جو بعض کے نزدیک مرکب آوازیں پیش کرتے ہیں بعض کے مطابق مفرد یعنی
مھ (کمھار) نھ (انھیں) لھ (کولھو) رھ (سرھانے) ڑھ (بڑھا)
دیوناگری میں بھی ان کے لیے علیحدہ نشان نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ محض بندشیوں (الیفرکیٹ سمیت) سے ھائیہ حروف بنائے جائیں۔

پنجابی کی یہ کیفیت رہی ہے کہ غیر منقسم ہندوستان میں پنجابی کو مسلمان اردو خط میں، سکھ گرمکھی میں اور ہندو کبھی اردو خط میں کبھی دیوناگری میں لکھتے رہے ہیں۔ اب ہندو پنجابی بہت کم لکھتے ہیں اور لکھتے ہیں تو دیوناگری خط میں۔ کشمیری کا خط اصلاً کچھ اور تھا اب اردو خط اختیار کیا گیا ہے لیکن یہ کشمیری کی آوازوں کو قابلِ تشفی انداز سے ظاہر نہیں کرتا۔
اِن سب زبانوں کا خط عربی ہی کی ترمیم شدہ شکل ہے۔ نظامِ تحریر اپنا اپنا ہے لیکن رسم الخط عربی ہی ہے جس طرح یورپ کی زبانوں کے خط کو حروف کے فرق کے باوجود رومن ہی کہا جاتا ہے فرنچ، جرمن یا انگریزی خط نہیں۔

اب سامی خط کے مزید غیر سامی مشتقات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ایرانی خطوط

فارسی زبان کے تین دور ہیں۔ پہلے دور میں اوستائی اور قدیم فارسی رائج تھیں۔ دوسرے دور میں متوسط فارسی ملتی ہے اور تیسرے میں جدید فارسی جو ساتویں صدی سے ہے۔

قدیم فارسی میخی خط میں لکھی جاتی تھی اور متوسط فارسی پہلوی خط میں۔ پہلوی خط تیسری یا دوسری صدی ق م میں آرامی خط سے ماخوذ ہوا اور نویں صدی عیسوی تک رائج رہا۔ اس میں آرامی زبان کے تقریباً ایک ہزار الفاظ مستعمل تھے۔ جنھیں آرامی لکھ کر فارسی مترادفات سے پڑھا جاتا تھا مثلاً 'بسرا' لکھ کر گوشت اور 'لہما' لکھ کر نان پڑھتے۔ ان الفاظ کو زوارشن یا زواشن یا ہزوارش کہتے تھے۔ ان کی وجہ سے پہلوی زبان معمہ جیسی ہوگئی تھی۔ یہ ایسا عجوبہ نہیں۔ انگریزی میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں مثلاً lb کو for example e.g

لو پاؤنڈ، viz کو namely پڑھتے ہیں۔ پہلوی خط میں محض 22 حروف تھے جو پہلوی کی آوازوں کے لیے ناکافی تھے اس لیے ایک حرف کو کئی آوازیں دے دی گئیں تھیں جس طرح رومن میں G کی آواز گ، ج اور C کی ک، س ہیں۔

پہلوی خطوں کی دو شاخیں تھیں۔

(۱) شمالی مغربی پہلوی یا اشکانی (2) جنوبی مغربی پہلوی یا پارسی یا ساسانی۔ دوسرے خطوط پہلے سے زیادہ شکستہ اور بعد کا ہے۔ پارسیوں کے صحیفے اوستا کا ابتدائی خط کیا تھا معلوم نہیں۔ چونکہ پہلوی خط کی 22 آوازیں اوستا کے لیے ناکافی تھیں اس لیے اوستا کے لیے ایک نیا خط اوستائی ایجاد کیا گیا جس میں تقریباً 50 حروف تھے اور جو پہلوی، پارسی اور یونانی خطوں سے استفادہ کر کے ترکیب دیا گیا تھا۔

آرامی سے کچھ اور خطوط بھی مختلف زمانوں اور مختلف علاقوں میں وجود میں آئے۔ ہندوستان میں کھروشٹھی۔ ایران میں تیسری صدی عیسوی میں مانوی۔ آرمینیا اور جارجیا کے خط۔ وسط ایشیا کے چند خطوط نیز منگول، مانچو اور قلماقی وغیرہ۔

یونانی خط

سامی کا نہایت اہم ارتقا یورپ میں ہوا۔ جس طرح انگریزی تحریر کو رومن لپی کہنے کا رواج ہے اس طرح یونانی روایت میں ہجا کو فنیقی تحریر کہا جاتا ہے۔ یونانیوں نے گیارھویں تا نویں صدی ق م میں فنیقیوں سے لکھنا شروع کیا۔ پہلے یہ بھی دائیں سے بائیں کو لکھتے تھے پھر دورخی انداز (Boustrophedon) میں ایک سطر دائیں سے بائیں اور دوسری بائیں سے دائیں لکھنے لگے۔ بعد میں صرف بائیں سے دائیں کا رواج ہوگیا۔

سامیوں نے مصری خطوط سے مصوتے حذف کرنے کا تصور لیا تھا۔ یونانیوں نے بڑی خدمت یہ کی کہ مصوتوں کا اضافہ کر دیا۔ انھوں نے سامیوں کے نحیف مصمتوں کو مصوتوں

کے لیے مخصوص کردیا۔ انھوں نے الف سے الفا A ۔ ہ یعنی ہائے ہوز سے Epsilon یعنی یونانی E، ی سے zeta یعنی یونانی ز، عین سے omicron یعنی یونانی O واؤ سے قدیم یونانی diagamma یعنی W ۔

اصلاً یونانی میں طویل و خفیف مصوتوں کے لیے یکساں علامات تھیں۔ بعد میں جب یہ پیدا ہوگئی تو alpha اور zeta تو چھوٹے بڑے دونوں مصوتوں کے لیے رہے لیکن epsilon کو چھوٹا مصوتہ مان لیا گیا اور بڑے مصوتے کے لیے سامی حیط کو لے کر eta کہنے لگے۔ اس طرح omicron کو خفیف مان کر طویل آو کے لیے omega یا Ω وضع کیا گیا۔ بعد میں جب یونانی اسپلان کے U کو U بولنے لگے تو U کے لیے اوماکرون اور ایپلان کے نشانات ملا لیے اور اسے upsilon کہنے لگے جو epsilon سے مختلف ہے۔ اپلسان کے علاوہ یونانیوں نے چار مرکب نشانات ایجاد کیے (φ) Phi، Khi، (ψ) Psi اور تھ θ ۔ ان کا ماخذ معلوم نہیں۔ ممکن ہے اپسلان اور کھی کو قبرصی خط سے ماخوذ کیا ہو۔ واضح ہو کہ پندرھویں صدی قبل مسیح میں یونانی قبرص کے لکیری خط الف میں لکھی جاتی تھی۔

ز۔ س۔ ش۔ ص سے ادل بدل کر یونانی میں چار سینیے زیٹا، شی، سان اور سگما بنائے گئے ہیں پانچویں صدی ق م میں فنیقی حروف و، ص، ق سے ماخوذ تین حروف ڈائی گاما، سان اور کوپا کو ترک کر دیا گیا۔ انھیں صرف اعداد ظاہر کرنے کے لیے مخصوص کر دیا۔

ایٹرسکی (Etruscan) خط

یہ یونانی کی کسی شاخ سے ماخوذ ہوا۔ ایٹرسکی لوگ دسویں یا گیارھویں صدی ق م میں اٹلی میں آئے۔ ایٹرسکی خط کا قدیم ترین کتبہ آٹھویں صدی ق م کا ہے۔ ایٹرسکی خط پڑھ لیا گیا ہے لیکن اس کی زبان نہیں سمجھی گئی ہے۔ اس میں شروع میں 26 حروف تھے۔ چوتھی صدی ق م تک یہ گھٹتے گھٹتے بیس رہ گئے۔ 16 مصمتے اور 4 مصوتے۔ اس خط میں مصیتی اور غیر مصیتی بندشیوں میں فرق نہیں کیا جاتا تھا۔

رومن یا لاطینی خط

ایٹرسکن خط کی خاص شاخیں Umbrian، Oscan، لیٹن اور چند دوسری تھیں۔ تیسری صدی ق م سے اٹلی میں صرف لیٹن یعنی رومن خط کا رواج ہوگیا۔ اس کے قدیم

ترین کتبے چھٹی صدی عیسوی کے ملتے ہیں۔ رومن خط کئی باتوں میں یونانی سے مختلف ہے۔ اتنی منزلوں کے باوجود اب تک رومن خط میں سامی کے آثار موجود ہیں مثلاً کلمن اور قرشت کے مقابلے میں KLMN اور QRST کی ترتیب موجود ہے۔ سامی میں اصلاً حروف قرشت پر ختم ہو جاتے تھے۔ یہی رومن خط میں تھا۔ ذیل میں رومن حروف کا فنیقی حروف سے تقابل درج کیا جاتا ہے۔ فنیقی۔ حروف کے لیے عبرانی نام اور اردو علامت درج کی جائے گی۔ جو رومن حروف بعد میں ایجاد ہوئے اُن کی تاریخ بھی درج کی جائے گی۔

A الف سے۔ B بیط باب سے G گیمل یا ج سے۔ D دالط یا د سے۔ E ہائے ہوز سے۔ F سامی کے چھٹے حرف واؤ سے ماخوذ ہے یونانی میں اسے ڈائی گاما کہتے تھے۔ بعد میں یونانی حروف ترک ہو گیا رومن میں باقی ہے جہاں اس کی آواز واؤ سے بدل کر ف ہو گئی ہے۔ G ایپسلن C سے ماخوذ ہوا جہاں یہ ک، گ دونوں کی آواز دیتا تھا بعد میں C کے سرے پر ایک چھوٹی سی لکیر بڑھا کر C کو ک کے لیے اور G کو گ کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ H حیط یعنی ح سے، یونانی کے برخلاف لیٹن میں طویل اور خفیف مصوتوں میں فرق نہ کیا جاتا تھا اس لیے لیٹن میں سامی ح کی آواز برقرار رکھی گئی جب کہ یونانی میں یہ بدل کر مصوتہ ہو گئی تھی۔ I یود یعنی ی سے۔ J بھی یود یعنی ی سے ماخوذ ہے۔ لاطینی میں I کو کبھی مصوتہ اور کبھی مصمتہ مانتے تھے۔ پندرھویں صدی عیسوی میں I جب لفظ کے شروع میں آتا تو اس کے نچلے حصے کو بائیں طرف موڑ دیتے تھے۔ بعد میں مُڑی ہوئی شکل J مصمتے کے لیے مخصوص ہو گئی۔ K کاف سے۔ L لامد یعنی لام سے۔ M میم سے۔ N نون سے۔ O یونانی کا اومائکرون ہے جو فنیقی ع سے ماخوذ ہے۔ P یونانی پائی اور سامی ف سے۔ Q سامی قوف یعنی ق سے۔ R رہو یعنی ر سے۔ S یونانی سگما سے ماخوذ ہے۔ اس حروف کی شکل اور آواز سامی شین سے ماخوذ ہے لیکن نام سامی سامیک سے لیا ہے۔ T سامی سامی تاؤ یعنی ت سے U اور V دونوں فنیقی واؤ سے ماخوذ ہیں۔ اس سے یونانی اپسلان نکلا جسے لاطینی میں V لکھتے تھے۔ یہ کبھی یو U کی آواز دیتا ہے کبھی V کی۔ عموماً اسے لفظ کے شروع میں V لکھتے اور درمیان میں زاویے کو گولائی دے کر U لکھتے۔ بعد میں ان کی آوازوں میں دوئی کا احساس ہوا اور مصمتے کے طور پر V اور مصوتے کے طور پر U لکھنے لگے۔

W - ٹیوٹانی یعنی جرمن خاندان کی مخصوص لب دنتی آواز کو ادا کرنے کے لیے V کو دو بار لکھا گیا W اور اسے ڈبل یو کہا گیا۔ یہ نام یونانی ڈائی گاما کی تقلید میں ہے۔

X - سامی کے سامخ ǂ (اردو س) سے یونانی میں دو حروف ≡ اور + اخذ کیے گئے۔ دوسرا نشان ک س کی مرکب آواز دیتا ہے۔ اسی کو ترچھا کر کے X بنا لیا گیا۔

Y - لاطینی میں پانچویں صدی ق م میں بہت سے الفاظ داخل ہو گئے۔ انھیں لکھنے کے لیے یونانی خط سے اپسلان Y مستعار لینا پڑا۔ یہ فنیقی واؤ کی بدلی ہوئی صورت ہے Y پہلے یُو کی آواز دیتا تھا چنانچہ اسے گریک یُو کہتے تھے۔ فرنچ میں اب تک اس کا یہی نام ہے۔

Z - بھی اسی طرح پانچویں صدی ق م میں یونانی زیٹا سے لیا گیا۔ زیٹا کا نشان سامی زین (اردو ز) سے ماخوذ ہے لیکن اس کا نام سامی صادے (اردو ص) سے لیا گیا ہے کیونکہ اسے کبھی ضادے بھی کہا جاتا تھا۔

لیٹن خط میں یونانی کے بعض حروف کو اعداد کے لیے بھی استعمال کیا گیا۔ ان میں سے کچھ کو ترمیم کے ساتھ ہم اب بھی رومن اعداد کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ بعض رومن اعداد مثلاً X، V، I ہاتھ کے اشاروں پر مبنی ہیں۔

رومن خط میں کم از کم تین طرح کے حروف کا رواج ہے (Capital) حروف، چھاپے کے چھوٹے حروف (Miniscule) اور لکھنے کے حروف مثلاً تینوں طرح کے چند حروف دیکھیے۔

Capital	A	B	D	G	F
Miniscule	a	b	d	g	f
Cursive	*a*	*b*	*d*	*g*	*f*

اور بعض اوقات لکھنے کے بڑے حروف ان تینوں سے مختلف ہوتے ہیں مثلاً ℒ، 𝒯

ابتدا رومن میں صرف بڑے حروف کا رواج تھا۔ یہ ستونوں اور چٹانوں کے کتبوں پر کندہ ملے۔ اس لیے انھیں Capital یا monumental حروف کہا گیا۔

قدیم ترین کتبہ چھٹی صدی ق م کا ہے لیکن موجودہ بڑے حروف روم کے ٹراجن کے کتبے (114) سے ماخوذ ہیں۔ دوسری صدی عیسوی کے آخر تک اُن حرفوں کو لکھنے میں رواں

اور ٹیڑھا کر دیا گیا جس سے لکھنے کے حروف (cursive) برآمد ہوئے۔
شہنشاہ شارلیمین (charlemagne) کے نام پر carolingian حروف
وضع کیے گئے۔ انھیں Miniscule کہتے تھے۔ انھیں شارلیمین کے حکم سے Alcuins
نے 796ء کے فوراً بعد وضع کیا جہاں سے یہ سارے یورپ میں پھیل گئے۔ 1450ء میں
چھاپے کی ایجاد کرنے پر جرمنی کے گوٹن برگ نے گوتھک حروف استعمال کیے لیکن بعد میں
وہ ترک ہو گئے اور کیرولائن حروف کا رواج ہو گیا۔ 1734ء میں ولیم کیسلن نے ان حروف
کی وہ صورتیں وضع کیں جو اب تک رائج ہیں۔

رومن خط یورپ کی مختلف زبانوں کے لیے استعمال کیا گیا اور ان میں اپنی اپنی آوازوں
کی خاطر تھوڑی سی ترمیم کر لی گئی۔ ان میں سے اہم ترین جرمنی کا گوتھک اور انگریزی کا رومن خط
ہے۔ رومن خط ہی ترکی، انڈونیشیا کی بھاشا انڈونیشیا اور دنیا کی بہت سی قبائلی زبانوں کے
لیے استعمال ہوتا ہے۔ ملائے زبان کو ملیشیا والے نسخ میں اور انڈونیشیا والے رومن میں
لکھتے ہیں۔

رونی خط (Runic)

یہ خط یورپ میں پہلی سے پندرھویں صدی تک رائج رہا۔ یہ خاص طور سے جرمنی میں
مقبول تھا۔ یہ ایٹرسکن سے ماخوذ ہے۔ اس میں 24 حروف تھے۔ جن کی ترتیب بدلی ہوئی ہے
اس خط کی ایک اہمیت یہ ہے کہ اس میں کئی جعل سازی کے کتبات ہیں۔ ان میں سب سے
اہم Kensington Stone ہے جس میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ وائکنگ
Viking لوگ کولمبس سے پہلے قرونِ وسطیٰ میں امریکہ کے منی سوٹا میں پہنچ چکے تھے۔

اوگم (ogam)

ابتدائی آئرش کے لیے استعمال کیا گیا۔ عمودی سطر پر دونوں طرف ایک سے لے کر
پانچ تک نقطے یا چھوٹے خط بنا دیے جاتے تھے جو مختلف آوازوں کو پیش کرتے تھے۔ اس میں
نشان مصمتوں کے اور پانچ مصوتوں کے تھے۔

لیٹن کے علاوہ یونانی خط سے ارتقا پانے والے دو سلاف خط ہیں۔ پہلا خط گلاگو لیک
(Glagolitic) ہے جو نویں صدی میں ایجاد ہوا اور سولھویں سترھویں صدی
میں زیادہ رائج ہوا۔ اسے جرمنی کے پروٹسٹنٹ پادریوں نے جنوبی سلافی میں استعمال کیا۔ اس

میں 40 حروف تھے۔

سرلک خط (Cyrillic)

اسے سینٹ سرل نے نویں صدی میں ایجاد کیا۔ نویں صدی کے یونانی کے بڑے حروف پر مبنی تھا کچھ نشانات گلاگولٹک سے لیے گئے تھے۔ سرلک خط کو ترمیم کے ساتھ روسی زبان کے لیے اختیار کر لیا گیا ہے۔ 1918 میں کرنسکی نے اس میں مزید اصلاحیں کیں۔ موجودہ روسی میں 32 حروف ہیں۔

ہندوستانی لپیاں

ہندوستان میں فنِ تحریر کب سے ملتا ہے اس کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ ہندوستانی علما سے بہت قدیم زمانے سے ثابت کرنا چاہتے ہیں لیکن مغربی علما بہت بعد کا مانتے ہیں۔ ہندوستانی علما جن سنسکرت متون میں فنِ تحریر کا ذکر ثابت کرتے ہیں اُن میں قباحت یہ ہے کہ سنسکرت میں ایک لفظ کے کئی معنی ہوتے تھے اس لیے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ ان سنسکرت اسناد میں فنِ تحریر ہی کا ذکر ہے۔ بہر حال چند[1] اسناد ملاحظہ ہوں۔

1- رِگ وید (1200 ق م کے قریب) میں لکھا ہے۔ کہ گایوں کے کانوں پر آٹھ کی گنتی لکھی جاتی تھی۔

2- چھاندوگیہ اپنشد میں ایک اشلوک میں صاف صاف اکشر کا ذکر ہے۔

3- تے تریہ اپنشد तैत्तिरीय اپنشد वर्णः स्वरः मात्रा बलम् آیا ہے اس میں صاف ورن، سور، ماترا کے الفاظ پائے جاتے ہیں جن سے یقینی ہو جاتا ہے کہ اس وقت تک تحریر کا فن وجود میں آچکا تھا۔ یہ اپنشد 800 ق م تا 600 ق م کی ترتیب ہیں۔

4- بودھ کتاب سُتّنت (سوترانت) میں اکھر کا کھیل کا ذکر ہے جس میں ہوا میں یا لڑکے کی کمر پر انگلی سے حروف بنائے جاتے تھے۔ یہ گرنتھ Rhys Davids کے مطابق 450 ق م اور ڈاکٹر راج بلی پانڈے کے مطابق چھٹی صدی ق م کا ہے۔

---

[1] بھولا ناتھ تواری : بھاشا گیان (ہندی) ص 49

براہمی خط کے اولین کتبے چوتھی بلکہ پانچویں صدی ق م تک کے ملتے ہیں۔ یہ خط ہندوستان کے نزدیک مشہور خط کھروشٹھی سے پرانا معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ کھروشٹھی کا سامی سے تعلق زیادہ قرینِ قیاس ہے اسی لیے اوّل اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

کھروشٹھی

اس خط کے قدیم ترین کتبے اشوک کے دو شلا لیکھ ہیں ایک شہباز گڑھی میں 251 ق م، دوسرا منصورہ میں۔ اس کے علاوہ یہ کچھ سکوں پر بھی ملتا ہے۔ تیسری صدی عیسوی میں یہ چینی ترکستان میں پھیل گیا جہاں اس کے کافی کتبے ملتے ہیں۔ ختن میں بودھوں کی مشہور کتاب دھمپد بھوج پتر پر لکھی ہوئی ملی۔ یہ دوسری یا تیسری صدی عیسوی کی ہے۔ خیال یہ ہے کہ کھروشٹھی خط چوتھی صدی ق م سے چوتھی صدی عیسوی تک رائج رہا۔ اس خط کے دوسرے نام باختری انڈ بیکٹرین وغیرہ بھی ہیں کھروشٹھی کی متعدد وجوہ تسمیہ کہی جاتی ہیں جن میں سے قابلِ ذکر یہ ہیں۔

1۔ کھروشٹھ کے معنی ہیں گدھے کے ہونٹ۔ ہندوستانی آریہ شمالی مغربی علاقے کے باشندوں کو تحقیر کی وجہ سے گدھے کے ہونٹ والا کہتے تھے۔ واضح ہو کہ عیسوی دور کے بعد ان لوگوں کو پشاچ اور اُن کی زبان کو پشاچی کہا گیا۔

2۔ ڈاکٹر راج بلی پانڈے کے مطابق اس لپی کے حروف گدھے کے ہونٹ کی طرح بے ڈھنگے ہیں۔

3۔ ڈاکٹر سنتی کمار چیٹر جی کے مطابق عبرانی میں 'کھروشیتھ' لکھاوٹ کو کہتے ہیں۔ اس لیے اس خط کا نام کھروشٹھی پڑا۔

جارج بولر کی رائے میں یہ خط آرامی سے ماخوذ ہے۔ ان کے اور بعض دوسرے علما کے دلائل یہ ہیں۔

1۔ یہ خط ہندوستان میں ایرانی حملے کے بعد ظاہر ہوا اور ہندوستان کے صرف اُن حصوں میں رائج تھا جو چھٹی سے چوتھی صدی ق م تک ایرانیوں کے زیرِ نگیں تھے۔ ایرانی بادشاہوں نے آرامی خط اختیار کر لیا تھا۔

2۔ اس خط کے گیارہ حروف پانچویں صدی ق م کی آرامی سے مشابہ ہیں۔

3۔ کھروشٹھی میں تحریر کا رخ دائیں سے بائیں ہے۔

4- ٹکشلا میں آرامی خط میں ایک شلا لیکھ ملا جس سے ظاہر ہے کہ شمالی مغربی ہند میں آرامی خط پہنچ چکا تھا۔

5- شہباز گڑھی اور منصورہ کے شِلا لیکھوں میں تحریر یا فرمان کے لیے 'دِپی' کا لفظ آیا ہے جو قدیم فارسی کا لفظ ہے۔

ڈرینجر اور ڈاکٹر گوری شنکر ہیرا چند اوجھا بھی کھروشٹھی کی آرامی اصل تسلیم کرتے ہیں لیکن بنارس یونیورسٹی کے ڈاکٹر راج بلی پانڈے کو اس پر سخت اعتراضات ہیں" اور وہ اس لپی کو ہندوستانی مانتے ہیں۔

اس خط میں 37 حروف تھے۔ پانچویں یا تیسری صدی ق م کی آرامی 19 یا 20[1] حروف ہی تھے کھروشٹھی کے ذیل کی 24 آوازوں کے حروف آرامی میں نہیں ملتے

आ ई उ ए औ अं

کھ۔گ۔گھ۔چ۔چھ۔جھ۔ ٹ۔ ٹھ۔ ڈ۔ ڈھ۔ تھ۔ دھ۔ پ۔ پھ۔ بھ۔

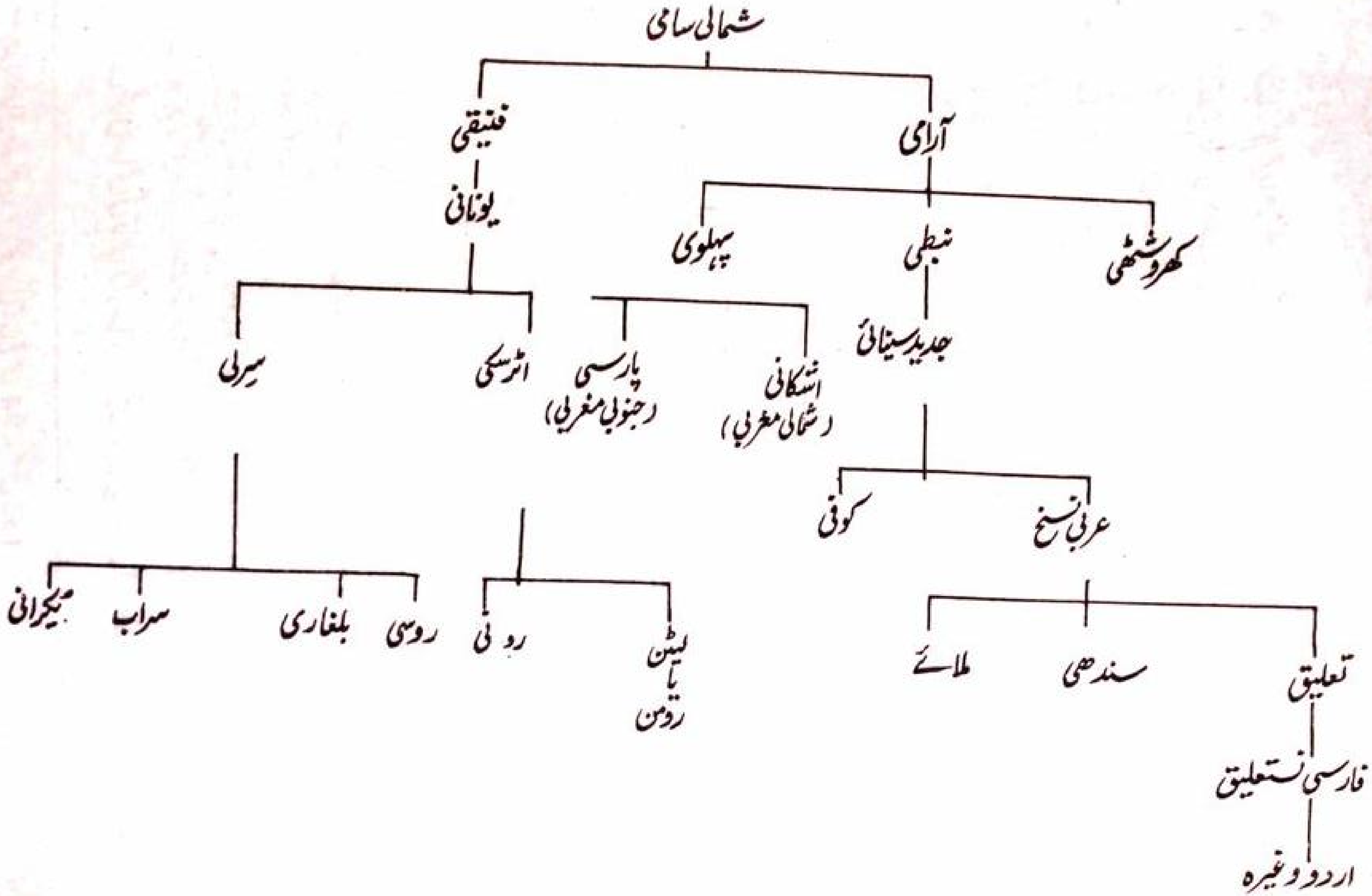
اور صرف 14 حروف مشترک ہیں۔ کھروشٹھی میں مصوتوں کے حروف بھی ہیں لیکن طویل مصوتوں میں ایک آ کے سوا اور کسی کا نہیں۔ معکوسی اور ھکار (منعوس) حروف بھی ہیں۔ بعد میں کھروشٹھی بائیں سے دائیں کو لکھی ملتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سب براہمی کے اثرات ہیں۔ اگر اس رسم الخط میں صرف 14 حروف آرامی سے مشترک تھے اور 23 براہمی سے لیے گئے تو اس خط کی آرامی اصل میں شبہ ہونے لگتا ہے۔ بوہلر نے جن 11 حروف کی شکل کو آرامی سے مماثل بتایا ہے ان میں بہ مشکل دو تین مماثل ہیں۔ اس خط کا صرف شمالی مغربی ہند میں رائج ہونا ضرور اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ خط مشرقِ وسطیٰ کا فیضان ہے لیکن یہ یاد رہے کہ چینی ترکستان میں بھی اس کے جو کتبے ملتے ہیں وہ سب ہندوستانی زبانوں ہی کے ہیں یعنی انھیں ہندوستانی وہاں لے گئے ہوں گے۔

اکثریت کی تقلید میں ہم آرامی کو اس خط کا سرچشمہ مان سکتے ہیں۔ اگر یہ براہ راست آرامی سے نہ نکلا ہو تو کسی نے اس سے متاثر ہو کر اس کی اختراع کی ہوگی۔

اب شمالی سامی کی قابلِ ذکر سامی شاخیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ ان کا باہمی رشتہ

---

[1] محمد اسحاق صدیقی: فنِ تحریر کی تاریخ ص 204 شکل 132



شمالی سامی
فنیقی
آرامی
یونانی
پہلوی
نبطی
کھروشٹھی
سیرلی
اٹرسکی
پارسی (جنوبی مغربی)
اشکانی (شمالی مغربی)
جدید سینائی
کوفی
عربی نسخ
میکرانی
سراب
بلغاری
روسی
رومی
لیٹن یا رومن
ملائے
سندھی
تعلیق
فارسی نستعلیق
اردو وغیرہ

ظاہر کرنے کے لیے شروع میں بعض سامی خطوط کا نام بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

براہمی رسم الخط

جس طرح یورپ کے تمام رسوم الخط یونانی سے ماخوذ ہیں اسی طرح ہندوستان کے تمام خطوط براہمی کی ذرّیات ہیں۔ اس خط کے قدیم ترین نمونے یہ ہیں۔

1- ضلع بستی یوپی کے گاؤں پپراوا کے استوپ کے ایک برتن میں اور ضلع اجمیر کے گاؤں بڑلی یا برلی کے شیلا لیکھ ہیں۔ ان کا زمانہ گوری شنکر اوجھا کے مطابق پانچویں صدی ق م کا ہے لیکن دوسروں کے نزدیک یہ مشتبہ ہے۔

2- ضلع گورکھپور کے سوگڑھ کی تانبے کی تختی جو چوتھی صدی ق م کے نصف دوم کی ہے۔

3- ضلع ساگر کے گاؤں ایرن کا ایک سکہ جو چوتھی یا تیسری صدی ق م کا ہے۔ اس کے بعد اشوک کی لاٹوں پر باقاعدہ کتبے ملتے ہیں۔

براہمی خط کا استعمال 350 تک ملتا ہے جیمس پرنسپ (Prinsap) 1834ء تا 1838 میں فیروز شاہ کوٹلے میں اشوک کی لاٹ پر اس خط کو پڑھنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس لاٹ پر برہمی خط میں پالی زبان لکھی تھی۔ اس وقت اس خط کو انڈو پالی، اشوکی، مگدھی وغیرہ نام دیے گئے، لیکن بعد میں قدیم تحریروں میں اس کے لیے برہمی نام ملا۔ اس نام کا تعلق برہم یا برہما سے ہے برہمن سے نہیں۔ برہمن سے نسبتی صیغہ برہمنی ہوتا۔ اس نام کی کچھ وجوہ تسمیہ یہ ہیں۔

1- یہ خط اتنا قدیم ہے کہ اس کے آغاز کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ چونکہ برہما تخلیق کا ذمہ دار ہے اس لیے خط کو بھی برہما کی تخلیق مان کر براہمی کہا گیا۔

2- ڈاکٹر راج بلی پانڈے کے مطابق آریوں نے برہم (= ویدیا گیان) کی حفاظت کے لیے اسے اختراع کیا اس لیے اسے براہمی کہا گیا۔

براہمی خط صوتی ہجائی ہے۔ ہجائی حروف یک بہ یک ایجاد نہیں ہو سکتے۔ وہ کسی رکن یا لفظ نقشی خط ہی سے برآمد ہو سکتے ہیں۔ کھروشٹھی کی طرح اس خط کے بارے میں بھی دو رائیں ہیں کہ یہ ہندوستان میں پیدا ہوا یا کسی بیرونی خط سے ارتقا پایا۔ ذیل میں قابلِ ذکر نظریات کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

(1) ایڈورڈ ٹامس کی رائے میں اس کے موجد دراوڑ تھے لیکن اس سے یہ مسئلہ تو حل نہیں ہوتا کہ اس خط کی ماخذ کیا ہے۔ ٹامس کے نظریے پر دو اعتراض کیے جا سکتے ہیں (1) جس زمانے میں براہمی کی ایجاد ہوئی اُس وقت دراوڑ شمالی ہند سے جنوب چلے گئے تھے (2) اس خط کی تمام ابتدائی تحریریں آریائی زبانوں میں ہیں دراوڑی زبان میں نہیں۔

(2) جگ موہن ورمانے رسالہ سرسوتی میں 15-1913 ایک سلسلہ وار مضمون میں لکھا کہ براہمی خط ویدک تصویری خط یا اس سے مماثل کسی خط سے ماخوذ ہے۔ لیکن وہ خط ہے کہاں۔ ویدک تصویری لپی محض فرضی اور خیالی ہے۔

(3) Lassen ، ٹامس، کنگھم، ڈاکٹر آسن اور ڈاسن کے نزدیک یہ ہندوستان کے کسی معدوم تصویری خط سے پیدا ہوا۔ لیکن ہندوستان میں لفظ نقشی خط تھا کہاں وادی سندھ کے خط کی دریافت کے بعد لینگڈن، ہنسٹر، ہٹن اور راج بلی پانڈے نے اسے براہمی کا ماخذ قرار دیا کیونکہ براہمی کے بعض نشانات وادیِ سندھ کے نشانات سے مشابہ ہیں۔ ڈرنگر نے اس نظریے پر یہ اعتراضات کیے۔

الف۔ وادیِ سندھ کے خط اور براہمی میں دو ہزار سال کا فصل ہے۔ انھیں جوڑنے والے کسی کتبے کا پتا نہیں چلا۔

ب۔ براہمی حروف کی بعض سندھ نشانات سے مطابقت اتفاقی ہو سکتی ہے کیونکہ سیکڑوں سندھی نشانات میں چند براہمی حروف سے ضرور مشابہ ہو سکتے ہیں۔

ج۔ وادیِ سندھ کے خط میں کئی سو نشانات تھے جن میں سے بیشتر لفظ نقش ہوں گے کچھ رکنی ہو سکتے ہیں۔ ان سے براہمی کا ہجائی خط براہِ راست ماخوذ نہیں ہو سکتا۔ درمیانی منزل کا کوئی پتا نہیں۔

اسحاق صدیقی کو یہ اعتراض ہیں۔

الف۔ ہم وادیِ سندھ کے نقوش کی آوازوں سے تو متعارف نہیں۔ ایک نامعلوم خط سے ایک ہجائی خط کو کیونکر برآمد کریں۔ ہیئت کے ساتھ صوت کی مطابقت بھی ضروری ہے۔

ب۔ تصویری خط سے صوتی خط برآمد ہوتا ہے تو اس کے نشانات کی تعداد رفتہ رفتہ گھٹ جاتی ہے۔ براہمی میں اس کے برعکس شروع میں حروف کی تعداد کم تھی جو بعد میں بڑھ گئی۔

(4) ڈاکٹر بھنڈارکر، تارالپوراوالاوغیرہ قبل تاریخ کے برتنوں کے نشانات سے براہمی کو ماخوذ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے ظروف دکن میں ملے تھے۔ پیٹری نے بحرروم کے ساحلی ممالک کے ظروفی نشانات سے فنیقی حروف کو مشابہ پاکر ایسا ہی نظریہ پیش کیا تھا لیکن دونوں پر یہ اعتراض ہے کہ ان ظروفی نشانات میں صوت کس اصول پر بسائی جا سکتی ہے۔

مندرجہ بالا تمام نظریات کے بموجب براہمی کی اصل ہندوستانی تھی۔ اب وہ نظریات ملاحظہ ہوں جن کی رو سے براہمی کسی بیرونی خط سے ماخوذ ہے۔

(5) فرنچ عالم کپیری کے مطابق براہمی خط چینی سے نکلا۔ چونکہ براہمی اور چینی میں کچھ بھی مشترک نہیں اس لیے اس نظریے کو غیر سنجیدہ کہا جائے گا۔

(6) پرنسیپ، مولر، سینارٹ اور ہیلفی کی رائے میں براہمی خط سے نکلا لیکن بوہلر اور ڈرنجر نے اس نظریے پر اعتراض کیا کہ ہندوستانیوں کا یونانیوں سے ربط سکندر کے حملے کے وقت سے ہوا لیکن براہمی خط اس سے کئی سو سال پہلے سے موجود تھا۔

(7) ہلوے کے مطابق براہمی خط ملغوبہ ہے۔ اس میں آٹھ مصمتے اور چوتھی صدی ق م کی آرامی سے چھ مصمتے دو اگلے مصوتے، تمام وسطی مصوتے اور انفی مصمتے کھروشٹھی سے اور پانچ مصمتے اور تین اگلے مصوتے یونانی سے لیے گئے۔ ان کی آمیزش اور تشکیل سکندر کے حملے کے بعد ہوئی۔ اس نظریے پر بھی یہی خاص اعتراض ہے کہ براہمی کی ابتدا سکندر کے حملے سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔ براہمی خط کروشٹھی سے قدیم تر بھی معلوم ہوتا ہے۔

(8) 1806 میں سر ولیم جونس نے خیال ظاہر کیا کہ براہمی خط سامی سے نکلا ہے۔ زیادہ علما اسی کے حق میں ہیں لیکن سامی کی کس شاخ سے نکلا اس پر اتفاق نہیں۔ مختلف نظریے یہ ہیں۔

(9) ویبر، کسٹ، بین نے، جین سن اور بوہلر نے براہمی کو شمالی سامی کی شاخ فنیقی سے ماخوذ کیا۔ بوہلر کے مطابق فنیقی کے ایک تہائی حروف براہمی سے بالکل مطابق اور دوسرے تہائی کسی قدر مشابہ ہیں۔ بقیہ میں جو فرق ہے اس کی تاویلیں کی جا سکتی ہیں۔ اس نظریے پر اعتراضات اور کچھ پر بوہلر کے جوابات یہ ہیں۔

الف۔ براہمی خط سامی کے برخلاف بائیں سے دائیں کو لکھا جاتا تھا۔ بوہلر نے اس کے جواب میں ایران کا سکہ پیش کیا اور کہا کہ جس طرح یونانیوں نے فنیقی خط کو اختیار کرتے ہوئے سطر

اور حروف کی جہت الٹ دی تھی ہندوستان میں بھی ایسا ہی ہوا ہوگا۔ اس طرح سمتِ تحریر کا اختلاف زیادہ وقیع نہیں۔

ب۔ سامی حروف کا اوپری حصہ موٹا اور نیچے کا باریک ہے۔ براہمی میں اس کے برعکس ہے۔ گوری شنکر ہیرا چند اوجھا کے مطابق براہمی اور فنیقی میں صرف ایک حرف ج مشابہ ہے۔ بوہلر نے فنیقی حروف کو الٹ پلٹ کر براہمی حروف سے مطابق کیا ہے۔ اس کے مطابق اہلِ ہند نے بھی اہلِ یونان کی طرح بعض فنیقی حروف کو الٹ دیا ہوگا۔

ج۔ بوہلر نے دونوں کے حروف کی ہیئتی مماثلت دکھاتے وقت ان کی صوتی مطابقت کو بعض اوقات نظر انداز کر دیا۔ بوہلر کہتا ہے کہ چونکہ سامی کی بعض آوازیں ہندوستانیوں کے لیے بے کار تھیں اس لیے ہندوستانیوں نے ان کی ہیئت لے لی اور صوت بدل دی۔

د۔ براہمی کے آغاز کے وقت ہندوستانیوں اور سامیوں میں تعلقات نہ تھے۔ بوہلر نے کہا فنیقی خط عراق تک پہنچ چکا تھا۔ اہلِ ہند ماہر جہاز راں تھے۔ انھوں نے عراق سے حاصل کیا ہوگا۔

(۱۰) ڈیکے (Decke) اور ٹیلر کے مطابق براہمی جنوبی سامی سے نکلی۔ ٹیلر کے مطابق کھروشٹھی لپی شمالی سامی کی شاخ آرامی سے نکلی اور خشکی کے راستے ہندوستان پہنچی جب کہ براہمی لپی جنوبی سامی سے نکلی اور براہِ بحر یہاں پہنچی چنانچہ براہمی کی ماترائیں جنوبی سامی سے ماخوذ حبشی خط کے اعراب سے مشابہ ہیں۔

اعتراض ہے کہ جنوبی سامی اور براہمی میں کوئی مماثلت ہی نہیں خصوصاً ہیئت اور صوت کی مطابقت نہیں۔ اس لیے جنوبی سامی کے نظریے کو عام طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا۔

(۱۱) ڈاکٹر ڈرنگر کی رائے ہے کہ براہمی آرامی خط سے ماخوذ ہوئی۔ ان کے دلائل ہیں ا۔ دونوں میں مماثلت ہے۔ ب۔ براہمی بھی قدیم زمانے میں دائیں سے بائیں کو لکھی جاتی تھی۔ ج۔ ہندوستان میں پانچویں صدی سے پہلے کوئی رسم الخط نہیں ملتا۔ جہاں تک وادیٔ سندھ کے تصویری خط کا سوال ہے تو اس سے کوئی صوتی خط برآمد نہیں ہو سکتا۔ اس نظریے پر یہ اعتراضات ہیں۔

ا۔ اگر براہمی بھی کھروشٹھی کی طرح آرامی سے نکلی تو دونوں میں اختلاف کیوں ہے۔

ب۔ براہمی کبھی باقاعدہ طور پر دائیں سے بائیں کو نہیں لکھی گئی۔ ایران کے سکے پر ٹھپہ الٹا لگ

گیا ہوگا۔

ج۔ یہ صحیح نہیں کہ تصویری خط سے صوتی خط نہیں نکل سکتا۔ مصر کی مثال سامنے ہے۔

د۔ ہندوستان میں پانچویں صدی ق م سے قبل کی تحریریں بھوج پتر جیسی ناپائدار چیزوں پر رہی ہوں گی اس لیے قدیم ترین نمونے محفوظ نہ رہ سکے۔

(12) رائٹر ڈیوڈ کی رائے میں براہمی خط شمالی اور جنوبی سامی کے مشترک ماخذ سے نکلا۔ ڈرنجر کو اس پر اعتراض ہے کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

(13) اسحاق صدیقی کا خیال ہے کہ براہمی خط کسی مخصوص سامی خط سے نہیں لیا گیا بلکہ ہندوستانیوں نے اُن کے حروف اور نشانات کو دیکھ کر رسم الخط کا تصور اور اصول وہاں سے لیا اور ان کی مماثلت پر اپنی ضرورت کے مطابق ایک نیا خط ایجاد کیا جس کے کچھ حروف اور اصوات سامی سے لیں بقیہ طبع زاد تھیں۔

یہ طے ہے کہ براہمی جیسا خط خود بخود کہیں سے کود کر نمودار نہیں ہو سکتا کسی دوسرے خط سے ماخوذ ہے۔ وادیِ سندھ کے خط براہمی کے بیچ بہت بڑا فصل ہے۔ براہمی کی ابتدائی شکلیں ناپید ہو گئی ہیں اور اُن کے نہ ہونے کی وجہ سے قطعیت سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بیشتر مغربی علما کا رجحان براہمی کو فنیقی سے ماخوذ کرنے کا ہے۔

براہمی لپی کی شاخیں

مختلف ادوار اور مختلف علاقوں میں براہمی خط کا ارتقا متعدد شکلوں میں ہوا۔ اشوک کے بعد مختلف خاندانوں میں لکھاوٹوں میں تھوڑی تھوڑی تبدیلی ہوتی رہی۔ گو قبلِ مسیح دور میں شمالی اور جنوبی براہمی میں مقامی فرق دکھائی دینے لگتا ہے۔ لیکن 350ء کے بعد واضح طور پر براہمی کی شمالی اور جنوبی شاخیں ہو گئیں۔ شمالی کے حروف گولائی لیے ہوتے تھے اور جنوبی کے زاویے دار۔ شمالی براہمی سے گپت خط کا ارتقا ہوا جو چوتھی سے چھٹی صدی رائج رہا۔ اس سے شمالی ہند کے بیشتر خطوط نکلے۔ گپت خط کی دو شاخیں مشرقی اور مغربی تھیں مغربی شاخ سے چھٹی صدی میں سدھ ماتر خط اور اس سے ساتویں صدی میں کٹل خط نکلا جو گیارھویں صدی تک مروّج تھا۔ اسی سے ناگری خط نکلا جو قدیم ترین شکل میں آٹھویں صدی میں ملتا ہے۔ دکن میں اسے نندی ناگری اور شمال میں دیوناگری وغیرہ کہا جاتا ہے۔ اس کی وجوہ تسمیہ حسبِ ذیل

قیاس کی گئی ہیں۔

الف۔ اسے گجرات کے ناگر برہمن استعمال کرتے تھے۔ ب۔ نگروں یعنی شہروں میں استعمال کی وجہ سے اسے ناگری کہا گیا۔ ج۔ یہ ناگا یا ناگ لوگوں میں رائج تھا۔ د۔ یہ تانترک علامتوں سے، جنھیں دیو نگر کہتے ہیں، منسلق تھا۔ ھ۔ کاشی کو دیو نگر کہتے تھے اور وہاں استعمال کی وجہ سے اسے دیو ناگری کہا گیا۔ ٹیلر کے نزدیک اس کے نام میں دیو کا اضافہ بہت بعد کا ہے۔ اس کے تسمیہ کے دوسرے نظریوں کی نسبت نگر یعنی شہر میں استعمال کا نظریہ زیادہ مقبول ہے

دیوناگری خط تمام مروجہ رسوم الخط میں جس صحت کے ساتھ آوازوں کو ظاہر کرتا ہے اتنا اور کوئی خط نہیں کرتا لیکن یہ بھی پوری طرح سائنسی نہیں اور اس میں نقائص ہیں لیکن ان کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

براہمی خط کی شاخوں اور اولادوں کے بارے میں اتفاق رائے نہیں پھر بھی ذیل میں اہم قسموں کو درج کیا جاتا ہے۔ پہلے شمالی شاخ لیجیے

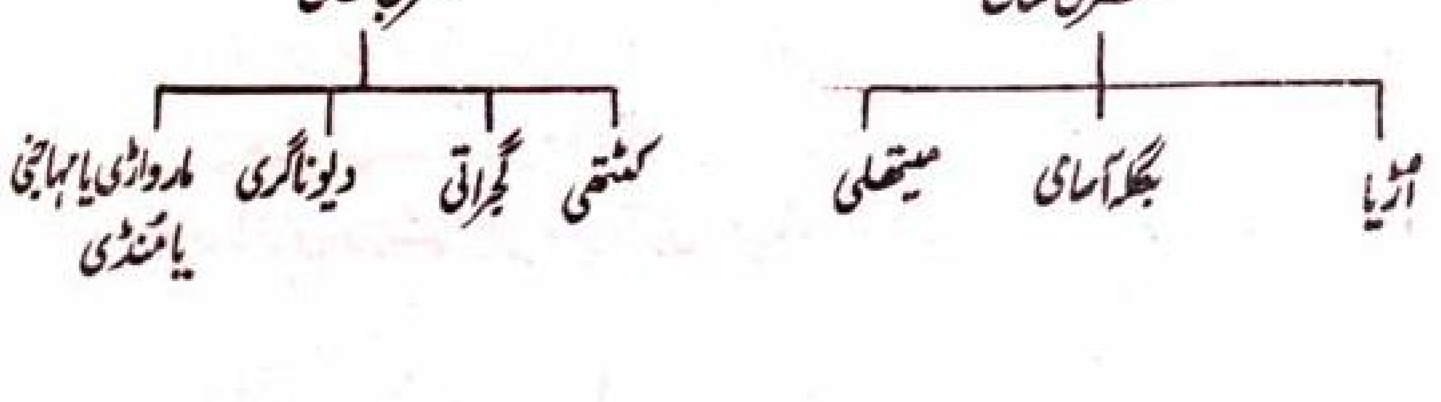
بنگلہ خط۔ اس کے آغاز کے بارے میں تین نظریے ہیں۔

ا۔ ایس این چکرورتی کے مطابق ساتویں صدی میں گپت خط کی دو شاخیں مشرقی اور مغربی ہوئیں۔ مشرقی سے دسویں صدی میں ماقبل بنگلہ لپی جس سے جدید بنگلہ برآمد ہوئی۔ پندرھویں سولھویں صدی سے یہ لپی مکمل ہو گئی۔

ب بوہلر کے نزدیک ابتدائی ناگری کی دو شاخیں مشرقی اور مغربی تھیں۔ مشرقی ناگری سے گیارھویں صدی کے آخر میں بنگلہ لپی نکلی۔

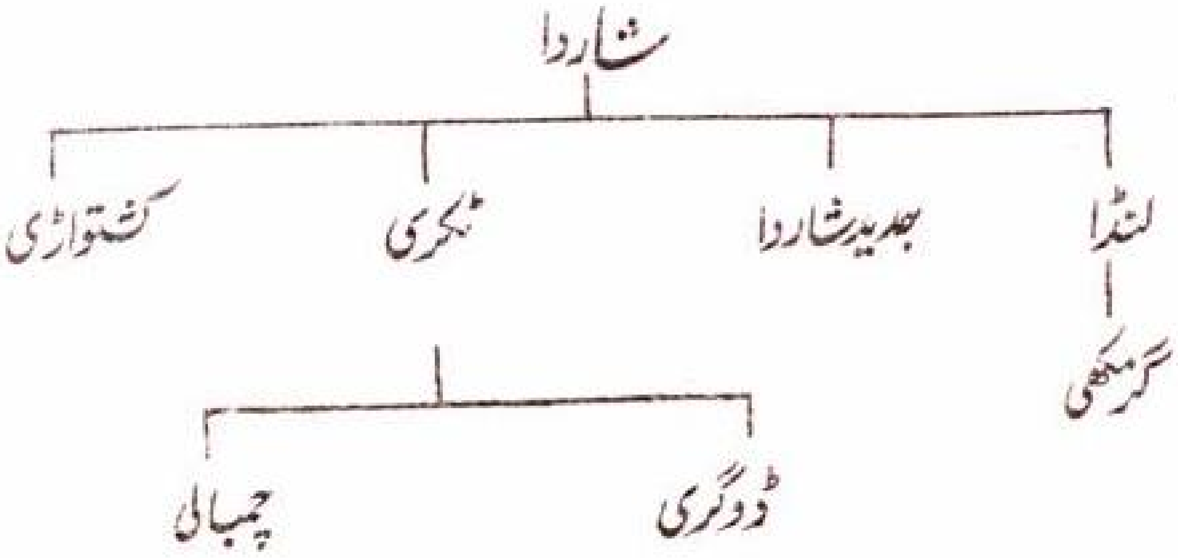
ج۔ جان بیمز کی رائے میں کٹل سے گیارھویں صدی کے آخر میں بنگلہ خط نکلا۔

بنگلہ اور آسامی کا ایک ہی خط ہے۔ ابتدائی بنگلہ ہی سے نیپالی خط نکلا۔ قدیم ناگری کی دو شاخیں یہ ہیں۔



بعض مہاجنی کو کشتھی کی اولاد قرار دیتے ہیں۔ کشتھی اور گجراتی میں بھی نزدیکی مماثلت ہے۔

شاردا لپی:۔ یہ کٹل لپی سے آٹھویں یا دسویں صدی میں نکلی اور شمالی مغربی ہند میں رائج رہی۔ اس کی ذیل کی قسمیں ہیں۔



شاردا لپی بنیادی حیثیت سے کشمیری زبان کی قدیم لپی ہے جو کشمیری پنڈتوں میں رائج رہی ہے۔ لنڈا خط پنجابی دکانداروں کا خط ہے اس میں لہندا لکھی جاتی تھی۔ ڈوگری خط ڈوگری سے متعلق ہے اور چمبالی ہماچل کی ریاست چمبا میں مستعمل ہے۔ کشتواڑی جموں کے شمال میں کشتوار کی بولی کا خط ہے۔

گرمکھی خط کی اصل کے بارے میں اختلافِ رائے ہے۔

ا۔ عام طور سے مانا جاتا ہے کہ سولہویں صدی میں گرو انگد دیو نے لنڈا خط میں اصطلاح کر کے اس کی تشکیل کی۔

ب۔ ٹیلر کے نزدیک یہ گجراتی اور دیوناگری کے درمیان کی منزل ہے۔

ج۔ بیمز نے کٹل خط کو اس کا ماخذ قرار دیا ہے لیکن اس کے بعض حروف کٹل سے قدیم تر لپی سے مماثل ہیں۔

دکھنی شاخ۔ تقریباً 300 ق م ہی سے دکن میں براہمی کے کتبے ملنے لگتے ہیں۔ گو براہمی کی دکھنی شاخ باقاعدہ طور پر 350 کے قریب الگ ہوئی تھی لیکن عیسیٰ سے قبل دکن میں کئی خط ملتے ہیں جو دکھنی خطوط کے ماخذ ہیں۔ ان میں اڑیسہ اور اس کے جنوب کے کلنگ علاقے کا ابتدائی کلنگ خط (150 ق م) اور ابتدائی اندھیرا خط (دوسری صدی ق م سے پہلی صدی عیسوی) اہم ہیں۔ ان سے جنوب کے خطوط ارتقا پائے۔

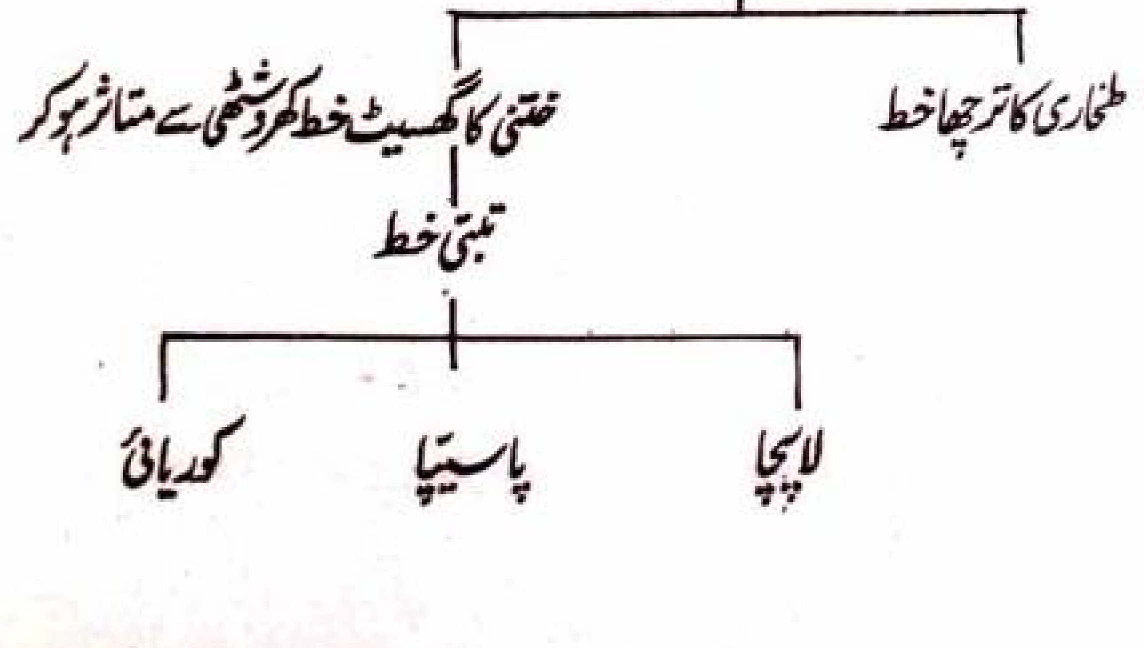
تیلگو کنڑ خط :۔ واضح ہو کہ ان دونوں زبانوں کا خط یکساں ہے۔ پانچویں صدی عیسوی میں مغربی براہمی سے کاٹھیاواڑ میں ولبھی خط پیدا ہوا۔ چھٹی صدی عیسوی میں آخر میں دکن میں چالوکیہ خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ اس کے عہد کے کتبے ولبھی کی ترقی یافتہ صورت ہیں۔ بعد میں آندھرا علاقے کا خط کہلایا جس سے موجودہ تیلگو کنڑ خط نکلا۔

گرنتھ خط :۔ اس میں تامل برہمن اپنے گرنتھ لکھتے تھے۔ اس کے چار دور ہوئے ہیں۔

تامل خط :۔ بوہلر کے مطابق یہ براہِ راست چوتھی یا پانچویں صدی کے براہمی خط سے نکلا اور بعد میں گرنتھ خط سے متاثر ہوا لیکن برنیل کے مطابق یہ گرنتھ خط ہی سے نکلا اور اس کے آخری چار حروف وٹے لتو خط سے نکلے ہیں۔ موجودہ تامل خط پندرھویں صدی تک مکمل ہو چکا تھا۔

تولو ملیالم خط :۔ گرنتھ لپی سے نویں صدی عیسوی تک دو خط نکلے (۱) تولو خط (2) ملیالم خط۔ سترھویں صدی عیسوی تک ملیالم وٹے لتو خط میں لکھی جاتی تھی۔ سترھویں صدی سے موجودہ ملیالم خط کا رواج ہوا۔ ہند کے باہر بھی براہمی سے کچھ خط نکلے۔ ان کی تفصیل یہ ہے مغربی گپت سے چینی ترکستان یعنی وسط ایشیا کے دو خط نکلے ا۔ طخاری کا خط ترچھا خط چوتھی صدی میں ب۔ ختنی کا گھسیٹ خط چھٹی صدی میں۔ اس پر کھروشٹھی کا بھی اثر ہے موخر الذکر سے ساتویں صدی سے پہلے تبتی خط نکلا۔ تبتی خط میں تبتی کے علاوہ سکم، بھوٹان، نیپال، لداخ، بالستان کی زبانیں بھی لکھی گئیں۔ تبتی خط کی دو خاص شاخیں ہیں۔

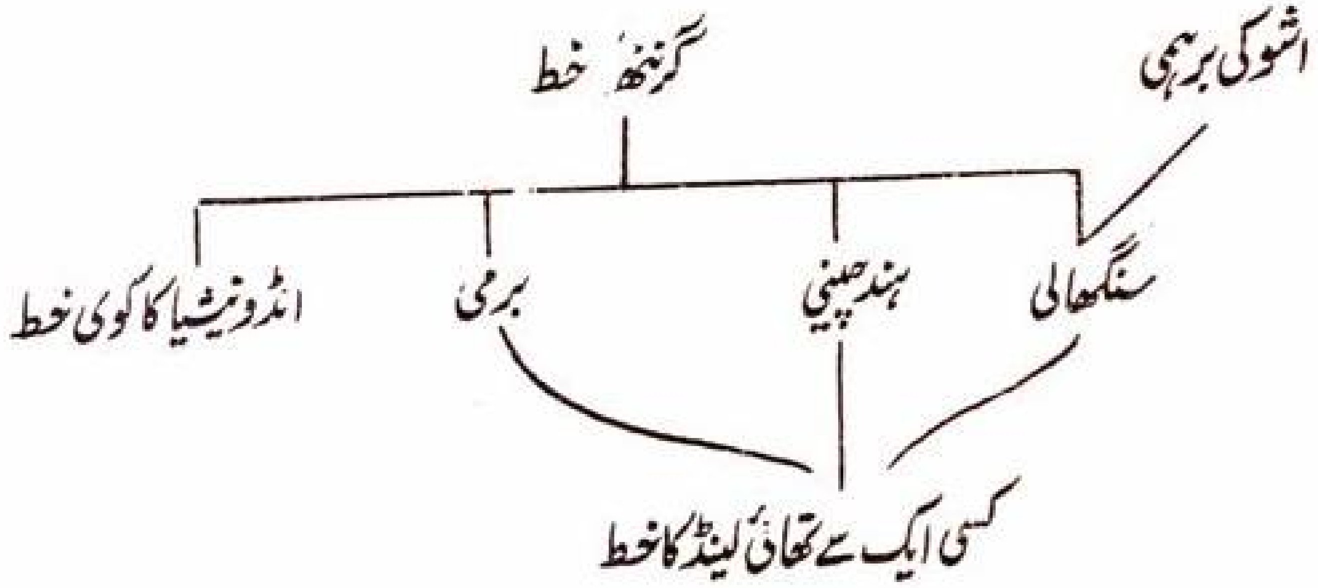
ا۔ لاپچا خط جو سکم میں مستعمل ہے ب۔ پاسیپا خط جو تیرھویں صدی میں اس کے نام کے دلائی لامانے ایجاد کیا تھا اور تبتی ہی سے کوریا کا خط نکلا۔ خلاصہ یہ ہے۔



جنوبی مشرقی ایشیا کی یہ کیفیت ہے۔

سنگھالی خط :۔ تیسری صدی ق م میں اشوکی براہمی خط لنکا گیا۔ آٹھویں سے گیارھویں صدی تک وہ جنوب کے گرنتھ سے متاثر ہوا جس سے تیرھویں صدی میں موجودہ سنگھالی خط نکلا۔

گرنتھ سے ہند چینی (ویت نام، کمبوڈیا وغیرہ) کے، برمی کے اور انڈونیشیا کا کوی خط نکلے۔ کوی خط سے فلپائن کا خط نکلا۔ تھائی لینڈ کے خط کو بعض سنگھالی سے بعض ہند چینی کے کمبوڈیائی سے اور بعض برمی سے ماخوذ کرتے ہیں۔ موٹے طور پر ہم یہ نقشہ پیش کر سکتے ہیں۔



مذکورہ بالا تفصیلات سے واضح ہو جاتا ہے کہ زبانوں کے خاندان اور رسم الخط کے خاندان بالکل مختلف ہیں۔ ہند یورپی خاندان نیز زبانیں سامی خط سے ماخوذ خطوں میں لکھی جاتی ہیں اور تبت چینی خاندان نیز بحرالکاہل کے خاندان کی بعض زبانیں ہندوستانی خط میں لکھی جاتی ہیں۔

ہجائی خط کے ارتقا کی تکمیل مصوتوں کو صحیح طور سے ادا کرنے میں ہے۔ مصمتوں کا شعور آسان ہوتا ہے، مصوتوں کا مشکل۔ مصمتوں کا اندازہ تحریر کے ابتدائی مشق کاروں کو بھی تھا۔ مصوتوں کا ادراک آج کل کے پڑھے لکھے کو بھی نہیں ہوتا۔ کسی سے پوچھیے کہ انگریزی زبان میں کتنے مصوتے ہیں تو وہ A. E. I. O. U پانچ مصوتے بتا دے گا۔ حالانکہ یہ تو پانچ مصوتی علامات ہیں۔ انگریزی میں مصوتوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ یہی وجہ ہے

کہ ابتدائی ترسیم کار مصوتوں کے معاملے میں التباس کیا گیے۔ رکنی تحریر میں مصمتے واضح ہوتے ہیں مصوتے مشکوک رہتے ہیں۔ ان کی وجہ سے مصری تحریر کے بعض مفرد نمانشانوں، سامی خط اور دیوناگری کے بارے میں یہ اتفاق نہیں کہ ان کے نشانات مصمتہ + مصوتہ کو پیش کرتے ہیں یا محض مصمتہ کو۔

فنِ تحریر میں مصوتوں کی پیش کشی کا ارتقا دراصل تحریر کے ارتقا کا پیمانہ ہے۔ ابتدائی عبرانی خط میں رکنی نشانات تھے جو کسی بھی مصوتے پر ختم ہوتے تھے۔ اس میں طویل اور خفیف مصوتوں کا فرق نہ کیا جاتا تھا۔ اسے ناقص طریقہ scripto defectiva کہیں گے۔ بعد میں طویل مصوتوں کو صحت سے ظاہر کرنے کے لیے ما قبل رکن پر نشان لگائے گئے۔ ان نشانات (اعراب) کو mates lections : قرأت کی مائیں کہتے ہیں چنانچہ عبرانی کے پانچ طویل مصوتے مادر اور پانچ چھوٹے مصوتے دختر کہلاتے ہیں۔

مصوتوں کو ادا کرنے کے دو طریقے سامنے آئے۔ کبھی انھیں کمزور مصمتوں مثلاً ا، ی، و، سے ادا کیا گیا اور کبھی نشانات یا اعراب سے۔ میخی خط میں بھی یہ دونوں طریقے دکھائی دیتے ہیں۔ قدیم فارسی میخی خط چھٹی سے چوتھی صدی قبل مسیح کے بیچ رائج تھا۔ اکثر لکھنے والوں کی رائے میں اس میں مصوتوں کے تین یا پانچ نشانات تھے۔ گویا یہ خط رکنی ہجائی تھا۔

سمیری، مصری اور سامی تینوں خطوں میں مصوتوں کے صحیح اظہار کو نظر انداز کیا گیا۔ سامی میں مصمتے اور مصوتے کے بیچ التباس کیا گیا۔ یونانیوں نے مصوتوں کو علیحدہ حروف سے ادا کر کے ہجائی تحریر کی طرف تاریخ ساز قدم اٹھایا۔ بعد میں سامیوں نے بھی مصوتوں کی طرف توجہ کی۔ پانچویں چھٹی صدی عیسوی میں اعراب ایجاد کیے گئے۔ مصوتوں کی ادائیگی کی بنا پر خطوط کو تین قسموں میں بانٹ سکتے ہیں۔

(1) یونانی لاطینی قسم :- اس میں مصوتے مصمتوں کے برابر کی حیثیت سے حروف سے ادا کیے جاتے ہیں۔ تمام مغربی خطوط میں یہی ہے۔ چند مشرقی خطوط میں بھی ایسا ہے۔

(2) مصوتے اوپر یا نیچے لکھے جانے والے اعراب (diacritical marks) سے ادا کیے جاتے ہیں۔ یہ نشان چھوٹے خط، دائرے یا نقطے ہوتے ہیں جیسے عربی اور عبرانی میں۔

(3) ہندوستانی اور ایتھوپیائی طریقہ جس میں مصوتے مصمتوں کے ساتھ ماتراؤں سے لکھے

جاتے ہیں۔ براہمی میں ابتدائی مصوتے نئی علامتوں سے ظاہر کیے گئے۔ دیوناگری میں بھی ابتدائی مصوتے پورے حروف ہوتے ہیں لیکن درمیانی اور آخری صورت میں اُن کی مختصر صورت لے لی جاتی ہے جسے ماترا کہتے ہیں۔ جنوبی سامی خط کی ایک قسم اتھوپیائی خط ہے۔ اس کی علامتیں جنوبی عربی سے ماخوذ ہیں جہاں 350 کے قریب کھروشٹھی کی طرح مصوتوں کے نشانات آ گئے۔ یہ غالباً کھروشٹھی سے لیے گئے۔

بیشتر خطوط میں طویل اور خفیف مصوتوں کی مقدار واضح کرنے کی طرف اب بھی توجہ نہیں کی جاتی۔ یونانی میں پہلے تو اسے بالکل ہی نظر انداز کیا گیا تھا بعد میں طویل e اور طویل o کے لیے علیحدہ نشان ایجاد کیے گئے۔ رومن اب بھی ادھر بے توجہی ہے۔ عربی اور اردو وغیرہ میں طویل مصوتے اعراب + حرف سے اور خفیف مصوتے محض اعراب سے ادا کیے جاتے ہیں۔

رسم الخط کے ارتقا میں ذیل کی اہم منزلیں ہیں۔

1. تصویر کے ذریعے خیال کو ادا کرنا۔ اس میں ایک بڑی یا چھوٹی تصویر ایک بڑے یا چھوٹے خیال کو ظاہر کرتی تھی۔ بسا اوقات پورا واقعہ، پورا پیغام، پوری کہاوت ایک مرکب تصویر میں سما دیا جاتا تھا۔
2. لفظ نقش کا خط۔ اس میں ایک تصویر کو ایک تصویر کے ذریعے ادا کیا گیا۔
3. ان لفظ نقشوں کا مختصر ہو کر رمزی علامت بن جانا جیسا کہ مصر کے ہراطیقی، دیموطیقی خط میں اور میخی اور چینی خط میں ہوا۔ تصویر کا اختصار زود نویسی کی خاطر تھا۔ بعض حضرات نے اس منزل کو تصور نگاری کہا ہے جو صحیح نام نہیں۔
4. لفظ نقشوں میں سے کچھ کو صوتیانا۔ یہ سمیریوں اور مصریوں دونوں نے اس کی دو ترکیبیں ریبس اور ایکروفونی تھیں پیچھے ان کی تفصیل آ چکی ہے۔ اس طرح نشان کو تصور سے منقطع کر کے محض صوت کا ترجمان کر دیا گیا۔
5. سامیوں نے مصری نشانات میں سے پورے لفظوں کو ادا کرنے والے نقش ترک کر دیے اور رکنوں یا واحد آوازوں کو ادا کرنے والے نشانات کے لیے، یہ نہایت اہم قدم تھا۔
6. یونانیوں نے مصمتوں اور مصوتوں کو علیحدہ کر کے نشانات کو مفرد آواز سے وابستہ کر دیا۔
7. دیوناگری میں طویل اور خفیف مصوتوں کو وضاحت سے ادا کیا گیا تیز بہت بڑی حد تک ایک نشان سے ایک آواز کو اور ایک آواز کو ایک نشان سے ظاہر کیا گیا۔

ان میں مصریوں کے صوتنیانے اور میخی خط (مثلاً قدیم فارسی) یا ابتدائی عبرانی کے رکنیانے نیز یونانیوں کے مصوتنیانے کی خاص اہمیت ہے۔ حرف یا نشان جس آواز کی ترجمانی کرتا ہے اُس آواز کو اس حرف کی دلالت (Reference) کہتے ہیں۔ دلالت تین قسم کی ہوتی ہیں۔

(1) مارفیمی (2) صوتی اور شاذ (3) صرف صوتی

اگر نشان پورے مارفیم کو ظاہر کرے تو یہ مارفیمی دلالت ہوئی۔ لفظ نقش کی دلالت مارفیمی ہوتی ہے۔ چینی رسم الخط اس کی بہترین مثال ہے۔ یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ہمارے ہجائی خطوں میں بھی بعض نشانات مارفیمی دلالت رکھتے ہیں مثلاً انگریزی میں Apostrophe کے نشان کی مارفیمی دلالت ہے۔

boys, boy's, boys'

تینوں کا تلفظ یکساں ہے لیکن مفہوم مختلف۔ تحریر میں جو فرق ہے وہ مارفیمی دلالت کا فرق ہے۔ انگریزی میں & کے بھی مارفیمی معنی ہیں۔ + کے نشان کی دو مارفیمی دلالت ہیں

3+4=7 (Three plus four is equal to 7)

16+ (Sixteen plus is more than sixteen)

تمام اعداد لفظ نقشی تحریر ہیں اور اُن کی مارفیمی دلالت ہوتی ہے۔ ریاضی کے نشانات + – قوسین وغیرہ کی نیز رموز واوقاف کی مارفیمی دلالت ہوتی ہے۔

حرف کو گرافیم کہتے ہیں۔ بعض خطوں میں ایک گرافیم کو کئی طرح لکھا جاتا ہے۔ ان صورتوں کو ایلوگراف کہتے ہیں۔ گرافیم کو زاویے دار قوسین < a > کے بیچ لکھتے ہیں۔ انگریزی میں (a) کے مختلف ایلوگراف A, a, A, a وغیرہ ہیں۔ دیوناگری میں بعض ایلوگراف ملاحظہ ہوں

झ झ / ल ल / ण ण / अ अ /

کے چار ایلوگراف یہ ہیں۔

श्रम , ट्राम , ग्राम , रस्म

اردو میں س/س - ش/ش - ے/ر مثلاً ہے ہے۔ اس کے علاوہ مختلف لفظوں میں جوڑ کی شکل میں متعدد ایلوگراف بن جاتے ہیں مثلاً ب کے ایلوگراف ذیل کے الفاظ میں

اب ۔ باد ۔ بر ۔ بہتر ۔ بس

ہر زبان میں کئی ذیلی نظام ہوتے ہیں۔ کوئی رسم خط زبان کے تمام ذیلی نظاموں کو پیش نہیں کرتا۔ فنیقی خط میں محض مصمتوں کے نشان تھے مصوتوں کے لیے کوئی نشان نہ تھا۔ یونانی میں مصوتے شامل کیے گئے لیکن سُر اور طول کا اظہار نہیں کیا گیا۔ حالانکہ یونانی میں مصوتے کا طول مارفیمی تھا۔ اسپینی خط میں اکثر بل کا اظہار کیا جاتا ہے۔ انگریزی میں نہیں کیا جاتا۔ انگریزی زبان میں بل اور مصوتے کا طول دونوں صوتیاتی ہیں لیکن رومن خط ان کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ دیوناگری میں مصوتے کے طول کا باقاعدگی سے اظہار ہوتا ہے۔ اردو فارسی میں مصوتوں کو کم ہی لکھا جاتا ہے۔ اعراب بھی بالعموم نہیں لگائے جاتے۔ مختلف زبانوں کے ذیلی نظام یہ ہیں۔

مصوتے ۔ مصوتے کا طول ۔ لفظ کا بل ۔ جملے کی سُر لہر ۔ تان زبانوں میں لفظ کا سُر

صحیح رسم الخط وہی ہے جو سب کو ظاہر کرے لیکن سارے ذیلی نظاموں کو ظاہر کیا جائے تو تحریر کا لکھنا اور پڑھنا دونوں بار دہ ہو جائیں گے۔ ان میں سے کچھ کو حذف کرنا ضروری ہے۔ کیونکر فیصلہ کیا جائے کہ کون سا ذیلی نظام ضروری اور کون سا غیر ضروری ہے۔

دیوناگری یا رومن کا استعمال کرنے والا یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ مصوتوں کے بغیر کچھ صحیح لکھا یا پڑھا جا سکتا ہے لیکن عربی فارسی اردو میں مختصر مصوتے نہیں لکھے جاتے۔ ان کے لیے جو اعراب ہیں اُنھیں غیر ضروری سمجھ کر حذف کر دیا جاتا ہے۔ طویل مصوتے بھی اعراب کی مدد ہی سے واضح ہوتے ہیں مثلاً سَیر، شِیر (ضیغم)، شیر (دودھ) اور دَور، چوَر، غور۔ کیونکہ یہاں بھی اعراب کو حذف کر دیا جاتا ہے اس لیے ان کی نوعیت بھی غیر واضح رہتی ہے۔ شیر (ضیغم) اور شیر (دودھ) کے مختلف مصوتوں کو اعراب کی امداد کے باوجود بھی ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ اردو خط میں ذیل کے ضروری اوصاف کو حذف کر دیتے ہیں۔

ا ۔ مختصر مصوتے ب ۔ مصمتے کا طول یعنی تشدید (gemination)

ان کے باوجود اردو پڑھے لکھے شخص کو اردو لکھائی کو صحت کے ساتھ پڑھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ ریاضی کے اطلاعی نظریے سے معلوم ہوا ہے کہ زبان میں بہت سے عناصر غیر ضروری ہوتے ہیں۔ ذیل کے دو جملے دیکھیے

وہ گھوڑا گاڑی پر سوار ہو گر گیا

بار نیچ کر دو پلٹ ہوا ہں

ظاہرا یہ مہمل جملے ہیں لیکن ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ پہلے جملے میں کہا گیا ہے -

وہ گھوڑا گاڑی پر سوار ہو کر گیا

دوسرے جملے میں کہا ہے

'بارہ بج کر دو منٹ ہوئے ہیں

اگر اتنے مصمتوں اور مصوتوں کے فقدان اور ان کے بدلے دوسری غلط آوازوں کے ہوتے بات سمجھ میں آجاتی ہے تو ظاہر ہوا کہ ترسیل کے لیے مرکزی عنصر کم ہوتا ہے حشویات زیادہ تار میں ہم کتنے سارے لفظ چھوڑ دیتے ہیں پھر بھی بات پوری سمجھ میں آتی ہے۔ تحریر میں بھی بعض ذیلی نظاموں کو حشو سمجھ لیا جاتا ہے ہوتا یہ ہے کہ جو عناصر زیادہ پڑھے لکھوں کے لیے حشو ہیں وہ کم پڑھے لکھوں کے لیے حشو نہیں ہوتے اس کے علاوہ بہت سے ضروری عناصر بھی نظر انداز کر دیے جاتے ہیں۔ مثلاً اردو میں دیوناگری کی طرح دس کے دس مصوتوں کو اظہار کا انتظام ہوتا ہے صحت کا حق ادا ہو جاتا۔ ان کے فقدان سے مبتدی کو بڑی دقت ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ تحریر کے معنی صرف ہجا کے لیے حروف کا لکھنا ہی نہیں حسب ضرورت ذیل کے نشانات بھی تحریر کا جزو ہوتے ہیں۔

(1) اعراب (2) مصوتوں اور مصمتوں کے طول کے نشانات (3) بل کے نشانات (4) سُر کے نشانات (5) اوقاف (6) ریاضی کی علامتیں بالخصوص جمع، نفی، ضرب، تقسیم، برابر کی (7) کچھ دوسری علامتیں مثلاً

'چونکہ' کے لیے (∵) 'اس لیے' کے لیے (∴) - صحیح کا صاد یا ✓ (Tick mark) - بالائی یا زیریں خط کھینچنا (Under line)۔

فی صدی کے لیے %

(8) اعداد مثلاً 1، 2، 3

انگریزی میں جملے کے شروع کے حرف کو یا اسم معرفہ کے پہلے حرف کو بڑا لکھنا ایک طرح کا بین قطعاتی فونیم (Intra - segmental Phoneme) ہے۔

مکمل صوتی خط وہ ہے جس میں ایک حرف ایک فونیم کو پیش کرے اور ایک فونیم کے لیے ایک حرف ہو لیکن کوئی رسم خط اتنا مکمل نہیں ہوتا سوائے بین الاقوامی صوتیاتی ہجا کے، لیکن یہ روزانہ کے استعمال کے لیے زیادہ پیچیدہ ہے۔ اسپینی اور دیوناگری بڑی حد تک صحت

کا تقاضا پورا کرتے ہیں لیکن اسپینی میں [KA] کو <ca> سے اور [KI] کو <qui> سے لکھتے ہیں جب کہ <ci> کی آواز بالکل مختلف ہے۔ دیوناگری میں ش کے لیے دو حروف ہیں اور ہمارے دو مصوتوں خفیف اِے اور خفیف اُو کے لیے حرف نہیں جس کی وجہ سے کہرام اور سہرا جیسے لفظوں کا پہلا مصوتہ دیوناگری میں ادا نہیں کیا جاسکتا۔

مروجہ رسوم الخط اور اس کے تحت مروجہ تحریر میں ذیل کے عیوب میں سے ایک یا کئی ہوتے ہیں۔

(1) **حذف:** بعض فونیم تحریر میں حذف کر دیے جاتے ہیں مثلاً عربی اور فارسی اردو وغیرہ میں مختصر مصوتے حذف کر دیے جاتے ہیں۔ اعراب لکھنے کا رواج کم ہی ہے۔
رحمٰن، لہٰذا، الٰہی، اللہ، میں الف، فی نفسہٖ میں ی اور طول العمرہٗ میں و محذوف ہیں۔ انگریزی میں Lieutenant میں f فونیم تحریر میں غائب ہے۔

(2) بعض اوقات موہوم فونیموں کو نشان سے ادا کیا جاتا ہے مثلاً انگریزی boy's میں apostrophe کی کوئی آواز نہیں۔ اس کے علاوہ متعدد صامت حروف بھی فونیموں کو ظاہر کرتے ہیں۔ فرنچ میں صامت حروف کی بھرمار ہے۔ انگریزی میں اس سے کچھ کم ہیں۔ حیرت یہ ہے کہ اردو میں بھی صامت حروف لکھے جاتے ہیں مثلاً عربی کے ذیل کے الفاظ میں الف صامت ہے۔

نور اللہ، بالکل

اور شمس الرحمان اور والشمس جیسے الفاظ میں ال دو حروف صامت ہیں۔

(3) بعض اوقات ایک فونیم کا نقش بنا کر دوسرے فونیم کی آواز پڑھی جاتی ہے مثلاً women میں o سے ﹺ (ِ) کی آواز لیتے ہیں۔ colonel میں o سے (ر) کی آواز۔ اردو میں اللہ میں دال لکھ کر ہ کی آواز پڑھی جاتی ہے۔ ہندی میں 3 کو ادم پڑھنا بھی روایت ہی کی وجہ سے ہے۔ حروف سے یہ آواز ظاہر نہیں ہوتی نقش اور آواز کی ادلا بدلی پہلی اور دوسری شق کا اجتماع ہے مثلاً colonel میں h کا نقش حذف کر دیا گیا اور l کے نقش کی آواز نہیں یا rough میں gh کو حذف کرکے f کی آواز بڑھا دی گئی۔

(4) بعض فونیموں کو ایک سے زیادہ گرافیم دیے جاتے ہیں مثلاً اردو میں /ز/ کے صوتیے کی

آواز کو ز، ذ، ض، ظ سے س کو ث، س، ص سے، انگریزی میں ک کو K، C سے اور گ کو G، J سے لکھتے ہیں فرنچ میں مصوتہ [O] کو 30 طریقوں سے [ɛ] کو 52 طرح سے اور [E] کو 55 طریقوں سے لکھا جاتا ہے۔

(5) بعض اوقات کئی فونیموں کو ایک نشان سے ادا کیا جاتا ہے بالفاظ دیگر ایک حرف سے کئی آوازیں مراد لی جاتی ہیں مثلاً انگریزی میں G کو ج، گ کے لیے C کو س، ک کے لیے th کو this، This اور Thus کے مختلف مصمتوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔
sing، case، sugar میں S کی آواز س، ز، ش کی ہے۔
مصوتوں کے معاملے میں تو انگریزی میں افراتفری کا عالم ہے۔ اردو میں ابتدائی یا درمیانی ے کی تین آوازیں یاد، شیر (ضیغم)، شیر (دودھ) میں ملاحظہ ہوں۔ یعنی ے نے تین فونیموں /y/ /e:/ /ɛ:/ کو ادا کیا۔ اور ع کا مصمتی حرف متعدد مصوتوں کی آواز دیتا ہے مثلاً عہد، بعد، تتبع، سامع، عید، عوق، عہدہ، شعرا، شعر وغیرہ میں۔

(6) بعض اوقات مفرد فونیم یا مارفیم (لفظ نقشی خط میں) کو ایک سے زیادہ نشانوں کے مجموعے سے ادا کیا جاتا ہے مثلاً ہجائی خط میں انگریزی میں ش کو sh سے، چ کو ch سے، θ کو th سے اور ف کو gh (rough) سے۔ اردو میں ہندی کے دس ہائیہ حروف ख، घ وغیرہ کو بھ، تھ لکھنے میں دو نقشوں کا مجموعہ استعمال کرتے ہیں۔
چینی خط میں ہر مارفیم کے لیے ایک نشان ہوتا ہے لیکن بعض اوقات استثنا ہوتا ہے مثلاً shaha بمعنی مونگا کے مارفیم کو دو نشانوں سے لکھا جاتا ہے۔

(7) بعض اوقات دو مبہم فونیموں یا مارفیموں (لفظ نقشی خط میں) کو ایک نشان سے ادا کیا جاتا ہے بالفاظ دیگر ایک حرف دو آوازوں کا مرکب ہوتا ہے مثلاً عربی میں لا، انگریزی میں X، دیوناگری میں क्ष त्र ज्ञ چینی میں لائبریری کا مترادف tushuwan تین مارفیموں پر مشتمل لیکن ایک ہی نشان سے لکھا جاتا ہے۔

(8) بعض اوقات تحریر میں صوتی اور مارفیمی بنیادوں کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ رسم الخط ایک ہی بنا پر قائم ہو۔ مصری اور میخی خط میں کچھ نشانات مارفیمی تھے اور کچھ رکنی یا فونیمی۔ اردو میں نذیر، نظیر کا صوتی تلفظ یکساں ہے لیکن یہ دو مختلف مارفیم ہیں۔

اُنھیں مختلف طریقوں سے لکھنا صوتی بنیاد کے خلاف مارفیمی بنیاد کو دخل دینا ہے۔ عربی کے مخصوص حروف کئی موقعوں پر مارفیمی امتیاز کا کام دیتے ہیں اُنھیں بصری مارفیم کہنا چاہیے۔
انگریزی میں bee، be اور sow، so، sew میں صوتی یکسانیت ہے لیکن مارفیموں کا فرق ہے۔ جاپانی خط میں بیشتر نشانات رکنی (صوتی) ہیں لیکن کانجی نشانات مارفیمی ہیں۔ انگریزی میں & جیسے نشان مارفیمی ہیں۔
تحریر کی ان خامیوں کے اسباب پر غور کرتے چلیں۔ یہ واضح ہو کہ اگر یہ خامیاں غلط املائی روایت کے باعث ہیں تو ان کا سرچشمہ بھی رسم الخط کی خامی میں ہے۔ اسٹرٹے وانٹ نے پانچ اسباب تجویز کیے ہیں۔

(1) ہجا لفظ نقشی خط سے ارتقا پاتے ہیں اس لیے ابتدائی منزل میں ایک آواز کے لیے کئی نشان ناگزیر ہیں مثلاً مصری میں م ن کی آواز کو ادا کرنے کے لیے کم از کم چار نشان تھے  یا  وغیرہ

(2) ہجا اس وقت وجود میں آتے ہیں جب اہلِ زبان کو صوتی شعور نہیں ہوتا کون کون سے اوصاف کو ظاہر کریں اور کن کو مقدر رہنے دیں۔ ہجا کی خامی کی یہ سب سے بڑی وجہ ہے رسم الخط جیسا نظام اختراع کرنا ماہرین صوتیات کا کام ہونا چاہیے لیکن اسے لسانی شعور کی شُدبُد رکھنے والے لوگ ترتیب دیتے ہیں۔ ماضی کی مہذب اقوام سے بھی ہم صوتیات کے صحیح اور مکمل شعور کی توقع نہیں کرسکتے۔ مثلاً یونانیوں نے مصوتوں کے لیے حروف بنائے تو ان کے طول کو نظر انداز کر دیا۔ یا تو اُنھیں مصوتے کے طول کا ادراک ہی نہ تھا اور اگر تھا تو اُنھوں نے اس امتیاز کو غیر اہم سمجھا۔

(3) تقریباً تمام ہجائی نظام بیرونی ذرائع سے مستعار لیے گئے ہیں اور چونکہ دو زبانوں کی جملہ آوازیں یکساں نہیں ہوتیں اس لیے ایک زبان کا خط دوسری زبان کے لیے سو فی صدی موزوں نہیں ہوتا۔ جو آوازیں حصولی زبان میں نہیں ہوتیں اور دائن زبان میں ہوتی ہیں حصولی زبان ان کے نشانات کو بھی برقرار رکھتی ہے مثلاً فارسی اور اردو میں ث ص ض ط ظ ذ ح ع وغیرہ کی آوازیں نہیں لیکن ان مردہ لاشوں کو فارسی اور اردو خط پر لاد دیا گیا ہے۔
ہندی سنسکرت ष کی آواز نہیں بولی جاتی وہ श جیسی ہی ہے لیکن اس کے علیحدہ وجود کو برقرار رکھا گیا ہے۔

حصولی زبان میں کچھ آوازیں دائن زبان سے مزید ہوتی ہیں تو انھیں کبھی نئے نشانات سے لکھا جاتا ہے مثلاً فارسی میں پ، چ، ژ، گ اور اردو میں ٹ، ڈ، ڑ۔ یہ بہترین ترکیب ہے۔ کبھی نئی آواز کو حصولی خط کے دو حروف کے اجتماع سے ادا کیا جاتا ہے مثلاً اردو میں ہکاری بندشیے۔ کبھی مستعار خط کے ایک ہی حروف کو حصولی زبان کی دو آوازوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اُن میں امتیازی نشان یا اعراب بھی نہیں لگائے جاتے مثلاً اٹلی میں Oscans نے اپنے پڑوسی Ethuscans سے جو رسم الخط لیا اس میں مصوتہ [O] نہیں تھا۔ اوسکنوں نے نشان <V> کو [O] نیز [u] کے لیے استعمال کر لیا۔ بعد میں <O> کے لیے <V> لکھنے لگے۔ سنسکرت میں دوہرے مصوتے ائ اور اؤ تھے لیکن یائے لین [اے] اور واؤ لین [آو] نہیں تھے۔ ہندی میں یہ آوازیں ہیں لیکن دیوناگری میں دونوں کو انھیں حروف یعنی ऐ، औ سے لکھا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ औरत वैद کو خواہ وَید عورت پڑھیے یا وَیَد، عَوَرت پڑھ لیجیے۔

ان تینوں اسباب کی وجہ سے کسی بھی زبان کا رسم الخط شروع ہی سے ناقص ہو جاتا ہے۔

(4) فنِ تحریر استاد سے سیکھا جاتا ہے۔ جب خط مانوس ہو جاتا ہے تو اس سے چپٹے رہنے کا رجحان ہو جاتا ہے۔ زبانیں ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ لپی میں مسلسل اصلاحیں ہوتی رہتی ہیں مثلاً لاطینی میں 150 ق م میں دوہرا مصوتہ [ei] بدل کر طویل ای [i:] ہو گیا لیکن مولود مسیح تک اسے تحریر میں ei ہی لکھتے رہے۔ فرنچ اور انگریزی میں متعدد الفاظ میں ایسے حروف لکھے جاتے ہیں جنھیں کئی سو سال سے بولا نہیں جاتا لیکن قدامت پسندی کے باعث انھیں حذف نہیں کیا جاتا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض الفاظ کے ہجّے میں ایسے صامت حروف بھی شامل ہو گئے ہیں کسی بھی زمانے میں نہیں بولے جاتے تھے یا لفظ میں کبھی تھے ہی نہیں مثلاً انگریزی الفاظ doubt، subtle، debt میں b صامت ہے۔ یہ الفاظ قدیم فرنچ سے لیے گئے ہیں۔ فرنچ اور قدیم انگریزی دونوں میں ان الفاظ کا املا یہ تھا dette، doute، sutil کسی ماسٹر صاحب نے دیکھا کہ ان دونوں زبانوں کے ماخذ لیٹن میں یہ الفاظ

debitum ، dubito ، mbtilis تھے اس لیے انھوں نے انگریزی میں بھی b کا اضافہ کر دیا یا لیٹن Insula قدیم فرنچ میں Isle ہوا اور جدید فرنچ میں ile ۔ انگریزی میں جب اسے مستعار لیا گیا تو فرنچ میں اس میں سے s غائب ہو چکی تھی لیکن انگریزی میں s برقرار رکھی گئی۔ لطف یہ ہے کہ اس سے مماثل ایک لفظ قدیم انگریزی میں igland تھا۔ اس سے Island بنایا تو اس میں بھی s ڈال دی گئی۔ اس طرح Isle اور Island دونوں کا ماخذ مختلف ہے۔

یہ یقینی ہے کہ بالکل میں ی کی آواز کبھی بھی نہیں بولی جاتی تھی لیکن اسے لکھا جاتا ہے۔ زبان کی تبدیلی کے دوش بہ دوش ہجوں میں اصلاح نہ کرنے سے تحریر نادرست ہو جاتی ہے یعنی رسم الخط اپنے مقصد میں ناقص ہو کر رہ جاتا ہے۔

(5) ایک غیر معمولی صورت یہ ہے کہ بعض اوقات بیرونی زبان کے الفاظ حصولی زبان میں برقرار رکھے جاتے ہیں لیکن انھیں ترجمہ کر کے پڑھا جاتا ہے مثلاً انگریزی میں

etc (etc. cetra)	کو	and so forth
eg (exempli gratia)	کو	for Example
ie (id est)	کو	That is
Viz (Videlicet)	کو	namely
lb (libra)	کو	Pound

اس کی انتہائی شکل پہلوی رسم الخط تھا جس میں آرامی زبان کے تقریباً ایک ہزار الفاظ کو آرامی املا سے لکھ کر فارسی ناموں سے پڑھا جاتا تھا مثلاً بسرا لکھ کر گوشت اور لہما لکھ کر نان پڑھتے۔ اس قسم کے الفاظ کو زوارشن یا ہز وارشن کہتے تھے اور ان کی وجہ سے پہلوی خط اور پہلوی زبان معمہ ہو گئی تھی۔

خوش قسمتی سے اس کی مثالیں بہت کم ہیں۔

موجودہ صورتِ حال میں تحریر کے ناقص ہونے کا سب سے بڑا ذمہ دار چو تھا سبب ہے جسے ہم ماضی پرستی یا اصلاح سے پرہیز کہہ سکتے ہیں۔ یہ ذہنیت زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی جاری و ساری ہے۔ جغرافیے کا برہمن پروفیسر سورج کی حقیقت جانتے ہوئے بھی اسے

لوٹے سے پانی دیتا ہے۔ اردو لکھنے والا ث، س، ص کو ہم صوت جانتے ہوئے بھی ثمر، سال، صبر کو مختلف حروف سے لکھتا ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ کما حقہ، فی نفسہ، فوراً، اللہ کی آخری آواز کی تحریر اردو رسم الخط کے مطابق ہے لیکن اسے ترمیم کی توفیق اور ہمت نہیں جو ترمیم کرنا بھی چاہتے ہیں وہ ماضی پرستوں کی ہیبت سے ایسا نہیں کر سکتے۔ ذرا اصلاح کا ذکر کرنے سے وہ عربی باز ہو نیرے مصمتے اور مصوتے کا فرق بھی نہیں جانتے سیف بہ کف اور کف بہ دہان ہو جاتے ہیں۔ انگریز Know کی ابتدا کا K نہیں نکال سکتا۔ امریکیوں نے انگریزی ہجے میں اصلاح کی لیکن کیا کی ! مشکل سے 1% غلطی کا ازالہ کیا۔

عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ تحریر زبان کے صوتی روپ کو سو فی صدی صحت کے ساتھ پیش نہیں کرتی۔ تقریر میں جس قدر وضاحت ہوتی ہے تحریر میں نہیں ہوتی۔ لیکن یہ جان کر حیرت ہوگی کہ بعض معاملوں میں تحریر تقریر سے زیادہ وضاحت کی صلاحیت رکھتی ہے مثلاً

(1) اس سے بصری مارفیم بھی بہ خوبی ادا ہو جاتے ہیں۔ بصری مارفیم وہ ہیں جو سننے میں یکساں ہیں لیکن اُن کے ہجے مختلف ہوتے ہیں مثلاً 'حیات النذیر، ڈاکٹر نذیر احمد کی سوانح ہے نظیر اکبر آبادی کی نہیں۔ یا انگریزی کا یہ لطیفہ نما سوال دیکھیے

How much wood would a woodchuck
chuck if a woodchuck would chuck wood

تقریر میں کتنے التباس ہوتے ہیں۔ تحریر میں آئینہ ہو جاتا ہے کہ کہاں wood ہے اور کہاں would۔ نیز کہاں woodchuck ایک مرکب لفظ ہے اور کہاں would chuck دو الفاظ ہیں۔

(2) 'چالاک لڑکا اور لڑکی'، اس فقرے سے واقف نہیں ہوتا کہ چالاک کا موصوف محض لڑکا ہے یا لڑکی بھی۔ تحریر میں ہم یوں لکھ کر دو مفاہیم واضح کر سکتے ہیں۔

چالاک لڑکا اور لڑکی   یا   چالاک لڑکا اور لڑکی

اگر ہم "دو ضرب پانچ نفی تین جمع پانچ" کہیں تو اس کے معنی واضح نہیں ہوتے۔ تحریر میں بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

$$2 \times (5-3) + 7$$

$$2 \times (5-3+7)$$

(2×5) - 3+7

(3) الجبرے، اقلیدس اور ریاضی کی علامات واقف کاروں کے لیے بہت کچھ ترسیل کرتی ہیں۔

(4) تقریر میں ایک جہت ہوتی ہے جب کہ تحریر سطح کاغذ کی وجہ سے دو جہاتی ہوتی ہے۔

ہم صوتی تبدیلی کے ذیل میں مصمتہ یا مصوتے کے حذف کو ذیل کے چارٹ میں بآسانی دکھا سکتے ہیں۔

	ابتدا	وسط	انتہا
مصمتہ	ستھان سے تھان	متزادف سے مرادف	فہرست سے فہرس
مصوتہ	احاطہ سے حاطہ	عَرَبی سے عرُبی	گنِتی سے گنپت

بولنے میں ہم اس اختصار سے ادا نہیں کر سکتے۔ بہت سے جملوں میں بیان کر سکیں گے۔

(5) بہت سے ایسے اوصاف ہیں جو تحریر میں بآسانی ادا ہوتے ہیں لیکن بولنے میں ممکن نہیں یا لمبے بیان سے ادا کیا جا سکتا ہے مثلاً انگریزی میں بڑے اور چھوٹے حروف کا استعمال لفظ یا لفظوں کو italicise کرنا، اردو اور انگریزی دونوں میں واوین سے مقولے کا اظہار، قوسین سے معترضہ بات کہنا؛ لفظ یا فقرے کو خط کشیدہ کرنا، نظم میں بند کی تقسیم کا اظہار وغیرہ

فنِ تحریر سے مزید افادے کی خاطر گزشتہ صدی میں لکھائی کی کچھ مزید روشیں ایجاد کی گئیں۔ ذیل میں اُن کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

بریل :- لوئی بریل جو 1809 میں فرانس میں پیدا ہوا اندھا تھا۔ اس نے چھ ابھرے ہوئے نقطوں کی مختلف ترتیبوں سے مختلف حروف، حروف کے مشہور خوشوں یعنی gh و th , sh , ch نیز چند الفاظ یعنی with , the , of , for , and کو ادا کرنے کا طریقہ وضع کیا۔ نقطوں کی ترتیب ان اصولوں پر ہے کہ انھیں سیکھنے میں دو ہفتے کافی ہوتے ہیں۔ اندھے انھیں ٹٹول کر پڑھتے ہیں۔ ان کے لکھنے کے لیے اندھے مخصوص کاغذ میں مخصوص قلم سے گڑھے کرتے ہیں۔ انھیں بھی ٹٹول کر پڑھا جا سکتا ہے۔ اس تحریر کو اس کے

موجد کے نام پر بریل کہتے ہیں

شارٹ ہینڈ

مصر کا دیموطیقی خط شارٹ ہینڈ تھا۔ روم میں سسرو کے ایک دوست نے مختصر نویسی ایجاد کی۔ جدید مختصر نویسی سر اسحاق پٹ مین Sir Isaac Pitman کی ایجاد ہے۔ انھوں نے صرف 24 سال کی عمر میں صوتی شارٹ ہینڈ وضع کیا۔ اس میں رکنوں کے لیے نشانات ہیں لیکن مشہور الفاظ کے لیے بھی مختصر لفظ نقش ہیں۔ ہر استعمال کرنے والے کو اپنی اپنی پسند کے مطابق نشانات میں ترمیم کی اجازت ہے اس لیے ایک شخص کا لکھا شارٹ ہینڈ وہ خود ہی پوری صحت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ شارٹ ہینڈ کا ریکارڈ ایک منٹ میں تین سو الفاظ تک لکھنے کا ہے۔ ہم عموماً ایک منٹ میں 80 یا 90 الفاظ بولتے ہیں۔

کوڈ

حکومتیں اور فوجیں خفیہ نویسی کے لیے کسی رسم الخط کی کوڈ بنا لیتی ہیں۔ ان میں ایک حرف کی بجائے دوسرا حرف یا عدد لکھا جاتا ہے اور طرح طرح کے کھڑاگ کیے جاتے ہیں تاکہ دوسرے انھیں پڑھ نہ سکیں۔ ہر کوڈ کی ایک کنجی ہوتی ہے۔ بریل اور یہ کوڈ دراصل تحریر کی ثانوی کوڈ ہیں۔ ایک مشہور کوڈ مورس کوڈ Morse code ہے جو تار دینے میں کام آتی ہے یہ کوڈ صوتی بھی ہے تحریری یعنی بصری بھی۔ مختلف حروف دو صوتی اصوات کی ترتیب سے تشکیل دی جاتی ہیں۔

بین الاقوامی صوتیاتی خط

پیرس میں 1888 میں بین الاقوامی صوتی انجمن L. Association-Phonetique-Internationale قائم ہوئی جس نے ہر ممیز انسانی آواز کے لیے ایک حرف قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ انھوں نے رومن کو بنیاد بنا کر بین الاقوامی صوتی ہجا I.P.A. ترتیب دیا۔ اس وقت تک فونیم کا نظریہ دریافت نہیں ہوا تھا اس لیے انھوں نے نازک صوتی فرق کو بھی ظاہر کرنا چاہا۔ ان کے رسالے

Le maitre Phonetique میں ہمیشہ مختلف آوازوں کے لیے مختلف نشانات کے بارے میں بحث رہتی ہے۔ انھوں نے یہ اصول قائم کیا ہے کہ ہر آواز کے لیے الگ حرف ہوگا۔ امتیازی نشانات (diacritics) یا اعراب کی مدد سے حرفوں میں ترمیم نہیں کی جائے گی۔ صرف الفرکیٹ دو حرفوں سے ادا کیے جائیں گے۔

بعد میں جب نشانات کی تعداد زیادہ ہوگئی تو اعراب کا استعمال کرنا پڑا۔ اس خط میں مصمتوں اور مصوتوں کے لیے الگ چارٹ ہیں۔ ہر زبان کا لکھنے والا ان میں سے اپنی اپنی ضرورت کے نشان استعمال کرسکتا ہے۔ اس کے بعد بھی یہ اجازت ہے کہ اگر کسی زبان میں ایسی آواز ہو جس کے لیے I.P.A میں حرف نہیں تو نیا حرف ایجاد کیا جاسکتا ہے مقالے یا کتاب کی ابتدا میں اس کی صراحت کردینی ہوگی۔

امریکہ میں ریڈانڈینوں کی زبانیں دریافت ہونے کے بعد مزید نشانات کی ضرورت پڑی بالخصوص مصوتوں کے لیے۔ اس لیے امریکیوں نے ایسے حرف منتخب کیے جو آسانی سے چھاپے کے لیے مل سکیں۔ ان کا مصوتوں کا چارٹ بہت مفصّل اور I.P.A سے مختلف ہے۔ چونکہ امریکیوں کی کئی کتابیں اور مضامین ٹائپ رائٹر کے مسودے سے چھاپے گئے ہیں اس لیے انھوں نے ایسے نشانات کو ترجیح دی جو ٹائپ رائٹر میں موجود ہیں۔ اس طرح امریکی طریقہ I.P.A سے کافی مختلف ہوگیا۔ واضح ہو کہ تمام امریکی بھی یکساں علامات استعمال نہیں کرتے۔

ابتدائی تدریسی ہجا۔ ITA[1] یعنی Initial Teaching Alphabet

انگریزی زبان کے لیے موجودہ رومن خط ناکافی ہوتا ہے۔ انگریزی زبان میں 40 سے زیادہ فونیم ہیں اور اُنھیں صرف 24 حروف سے ادا کیا جاتا ہے۔ 15 سے زیادہ مصوتوں کو صرف پانچ مصوتی حروف کے ذمّے کردیا گیا ہے۔ انگریزی لفظوں کا ہجّوں کا موجودہ طریقہ اٹھارویں صدی کے وسط میں تشکیل پذیر ہوا۔ اس میں قصداً طرح طرح کی بے ترتیبیاں بسادی گئیں تاکہ تعلیم کے لیے فرصت درکار ہو جو صرف طبقۂ بالا کو میسّر ہے۔

---

[1] اس ہجا کی تفصیل حفیظ نورانی کے مضمون I.T.A. The break through in functional Literacy ہندوستان ٹائمز 17 فروری 1974 سے لی گئی ہیں۔

موجودہ دور میں انگریزی کی تعلیم اپنی ملکی سرحدوں سے باہر نکل گئی ہے۔ متعدد ممالک میں یہ دوسری زبان کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ وہاں موجودہ ہجاے پڑھانے میں بہت وقت لگتا ہے۔ صرف تدریس کی سہولت کی خاطر شارٹ ہینڈ والے پٹ مین کے پوتے سر جیمز پٹ مین نے 1961 میں ITA کو رائج کیا۔ اس میں 44 حروف ہیں جن میں بعض دو حروف کے خوشے ہیں۔ موجودہ 24 حروف میں سے دو یعنی q و x کو حذف کر دیا گیا ہے۔ بقیہ نئی شکلیں پرانے حروف ہی سے ملتی جلتی ہیں۔ ان میں ایک طرف صوتی تقاضوں اور دوسری طرف روایتی حروف کے بیچ سمجھوتہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ان حروف کی مدد سے انگریزی کی تدریس بہت آسان ہو جاتی ہے۔ جب زبان آ جائے تو روایتی حروف پر واپس جا سکتے ہیں۔ انگلینڈ کے کئی ماہر اداروں نے ان کا تجربہ کیا اور اُنھیں کامیاب پایا چنانچہ 1974 میں یہ حروف چار ہزار سے زیادہ ابتدائی اسکولوں میں استعمال کیے جا رہے تھے۔

اکیسواں باب

زبانوں کی نوعیاتی گروہ بندی

دنیا میں زبانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری نے بھاشا وگیان میں 2796 لکھی ہے۔ لیکن اس قطعیت کا تو کوئی مقام ہی نہیں۔ بہت سی صورتوں میں یہ طے نہیں ہو پاتا کہ یہ زبان ہے یا کسی دوسری زبان کی بولی مثلاً ہندوستان ہی میں ڈوگری، بھوج پوری، میتھلی، راجستھانی اور کونکنی کے بارے میں یہ طے نہیں کہ یہ علیحدہ زبانیں ہیں یا پنجابی ہندی اور مراٹھی کی بولیاں۔ خود اردو اور ہندی کو لیجیے۔ لسانیات کھڑی بولی سے آگے نہیں جاتی۔ اور اردو ہندی کا آزاد وجود تسلیم نہیں کرتی۔ اس طرح زبانوں کی تعداد تقریبی ہو سکتی ہے۔ زندہ زبانوں پر مردہ زبانوں کو مستزاد کر لیجیے تو یہ تعداد اور بھی زیادہ ہو جائے گی۔ مردہ زبانوں کی تعداد زندہ زبانوں سے کہیں زیادہ ہے۔ چھ سات ہزار سال سے قبل کے دور میں دنیا کا لسانی نقشہ کیا تھا کسی کو علم نہیں۔ یہ تک معلوم نہیں کہ یورپ میں ہند یورپیوں کے جانے سے قبل کون سی زبانیں بولی جاتی تھیں۔ تاریخی دور میں بھی معدوم ہونے والی زبانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ بعض زبانیں بالکل حال کی صدیوں میں ختم ہوئی ہیں۔ قدیم پرشن
د (Old Prussian) کا آخری بولنے والا 1677 میں اور Dalmatian
کا 1898 میں ختم ہوا۔ بعض ریڈ انڈین زبانیں بیسویں صدی میں ختم ہو رہی ہیں۔

زبانوں کی اس کثرت کو گروہ بند کرنے کی بہت سی کوششیں کی گئیں۔ چند طریقے یہ ہیں۔

1۔ عدم وجود کی بنا پر یعنی مردہ اور زندہ زبانیں۔

2۔ زمانے کی بنا پر: قدیم، وسطی اور جدید یا کلاسیکل اور جدید زبانیں۔

3- برِاعظم کی بنا پر: ایشیائی، افریقی، یورپی، امریکی زبانیں یا یوریشیائی، افریقی اور امریکی

4- خاندان کی بنا پر تاریخی اعتبار سے

5- لسانی نوعیات (Typology) کی بنا پر۔ نوع کی تقسیم کئی بنیادوں پر ہو سکتی ہے جس میں قواعد یعنی صرف و نحو سب سے اہم ہے۔

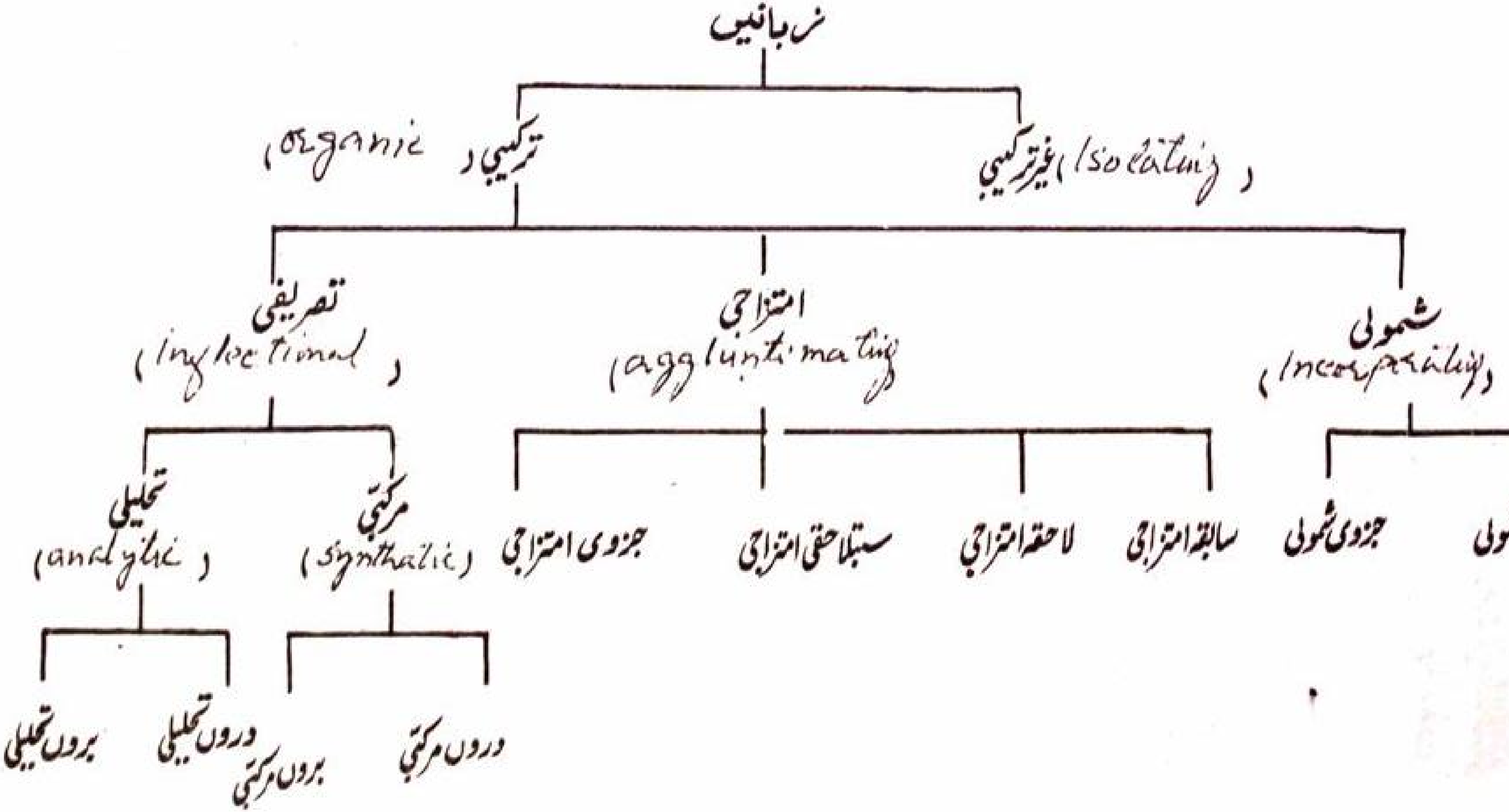
6- حلقۂ اثر کی بنا پر مثلاً لاطینی اثر کی زبانیں، سنسکرت اثر کی، عربی اثر کی، چینی اثر کی وغیرہ دائرۂ اثر میں بعض اوقات خاندان کی حدیں مسمار ہو جاتی ہیں مثلاً عربی سامی زبان ہے لیکن اس کے حلقۂ اثر میں آریائی فارسی، پشتو، بلوچی، سندھی، کشمیری اور اردو نیز التائی زبان ترکی بھی آتی ہے۔ اس طریقے کو زیادہ نہیں بڑھایا گیا ہے۔ جرمن زبان میں اسے Speech band کہتے ہیں۔ دقت یہ ہے کہ اثر کے لفظ کی سیاسی تعلیقات بھی ہیں اس لیے اس نقطۂ نظر سے کام کرنے میں سیاست سے ملوث ہونے کا اندیشہ ہے۔

7- ماضی میں زبانوں کی تقسیم کا ایک طریقہ نفسیاتی خیال تھا کہ مماثل حالات میں یعنی تہذیب کی ایک سطح پر انسان اظہار کے یکساں طریقے سوچتا ہے۔ یہ تقسیم غلط ہے کیونکہ دور دراز علاقوں میں مماثل اسالیبِ اظہار پیدا ہوئے۔ اس طریقے کو قبول نہیں کیا گیا۔

ہم فی الحال لسانی نوعیات کو لیں گے۔ سب سے پہلے اس کی اہم ترین تقسیم کو لیا جائے گا اور بعد میں دوسرے امکانات پر غور کیا جائے گا۔

1818 میں جرمن ماہر لسانیات شلیگل (Schlegel) نے سنسکرت کے مطالعے کے بعد دنیا کی، یا یہ کہیے کہ یوریشیا کی، زبانوں کو دو گروہوں مرکبی اور تحلیلی میں تقسیم کیا۔ دوسرے گروہ میں ایک ذیلی نوع بھی تھی۔ اس طرح اس نے دراصل تین گروہ کر دیے تھے۔ اس گروہ بندی کو انیسویں صدی میں اور آگے بڑھا دیا گیا جس سے زبانوں کی مندرجہ قسمیں طے پائیں۔ تارا پور والا کی کتاب سے انھیں ایک چارٹ کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔ انگریزی میں بھی بعض قسموں کے ایک سے زیادہ نام ہیں۔ اردو میں اُن کے متراجم میں اور بھی بوقلمونی ہے۔ 'ہندوستانی لسانیات کا خاکہ'، کے مقدمے میں احتشام حسین جس نو کو ترکیبی کہتے ہیں 'زبان اور علمِ زبان' میں سروری صاحب اسی کو غیر ترکیبی کہتے ہیں اور یہی زیادہ درست ہے چونکہ سروری صاحب کی اصطلاحیں زیادہ رائج ہو گئی ہیں اس لیے بیشتر انھیں کو استعمال

۱۲۷۶


زبانیں
ترکیبی (organic)
غیر ترکیبی (isolating)
تصریفی (inflectional)
امتزاجی (agglutinating)
شمولی (incorporating)
تحلیلی (analytic)
مرکبی (synthetic)
جزوی امتزاجی
سبلاحقی امتزاجی
لاحقہ امتزاجی
سابقہ امتزاجی
جزوی شمولی
مکمل شمولی
بروں تحلیلی
دروں تحلیلی
بروں مرکبی
دروں مرکبی

کیا جائے گا۔ سہولت کے لیے ساتھ میں انگریزی اصطلاح بھی لکھ دی جائے گی۔

واضح ہو کہ زبانوں کی یہ تقسیم اُن کے غالب نظام کی بنا پر کی گئی ہے۔ ورنہ بیشتر زبانوں میں ایک سے زیادہ خصائص پائے جاتے ہیں۔ خود ہماری ہندوستانی میں مندرجہ بالا تمام خصائص کی کچھ نہ کچھ مثالیں مل جاتی ہیں۔ ذیل میں ان قسموں کی تفصیل کی جاتی ہے۔

غیر ترکیبی (Isolating)

انگریزی میں اس نوع کو Inorganic یا Positional بھی کہتے ہیں۔ ان زبانوں میں جملے میں لفظ کی نحوی حیثیت محض اس کے مقام سے ظاہر ہوتی ہے تصریفی چپیوں یا امدادی الفاظ (حرفِ جار وغیرہ) سے نہیں۔ ان میں ہر لفظ اپنی جگہ مکمل اور جامد ہوتا ہے۔ اسے لم یلد ولم یولد کہہ سکتے ہیں۔ اس قسم کی بہترین مثال چینی زبان ہے۔ مثال

تالین : بڑا آدمی

لین تا : آدمی بڑا (ہے)

اس قسم کی زبانوں میں مادّہ، اصل اور چپیوں کا سوال ہی نہیں نہ ان میں قواعد ہوتی ہے ظاہر ہے کہ اس سے بڑی دقت ہوتی ہوگی۔ ہم تصریف کے ذریعے زمانہ، جنس، تعداد وغیرہ کو بآسانی ظاہر کر لیتے ہیں۔ ایک مادّے کو یاد کر کے متعدد مشتقات اخذ کر سکتے ہیں۔ اگر ہم سے چپیے چھین لیے جائیں تو ہم لسانی اعتبار سے بے دست و پا ہو جائیں گے۔ اب چینی میں دیکھیے تسین (tsen : چلنا)۔ اب چلا کو کس طرح ظاہر کیا جائے۔ اس کے لیے "liaw : ختم" کا اضافہ کرتے ہیں۔

tsen-liaw : چلنا ختم یعنی چلا

مقام کے اعتبار سے معنی بدلنے کی مثالیں تو ہماری زبانوں میں بھی مل جاتی ہیں مثلاً

ک۔ college girls
girls' college

ب۔ زید نے بیل کو مارا
بیل نے زید کو مارا

الفاظ وہی ہیں۔ مقام اور ترتیب بدلنے سے مفہوم بدل گیا۔ لیکن ہماری زبان میں اور غیر ترکیبی

میں خاص فرق یہ ہے کہ ہم بالعموم نحوی رشتے کا اظہار چیپیوں اور حروف ربط کی مدد سے کرتے ہیں۔
چینی کے علاوہ اس نوع کی دوسری زبانیں یہ ہیں
تبتی، برمی، انامی، سیامی، سودانی

ترکیبی

organic

جیساکہ اس کے نام سے ظاہر ہے یہ فصل کی بجائے وصل کی عادی ہے۔ اس میں نحوی رشتے چیپیوں کی مدد سے ظاہر کیے جاتے ہیں۔ یہ چیپیے سابقے، لاحقے، وسطیے (infix) کچھ بھی ہوسکتے ہیں۔ کبھی کبھار نحوی رشتہ محض مقام سے ظاہر ہوسکتا ہے لیکن یہ عام نہیں بالخصوص فعل تو کسی نہ کسی چیپیے کو اپنے اندر لیے ہی ہوتا ہے۔ ایسے جملے بہ مشکل بن سکتے ہیں جن میں ہر لفظ محض مادہ ہو۔ چند مثالیں

موہن ! ذرا باہر آ
ہر روز صبح کو گھاس پر چل

Do not goal
Do as I say

ان جملوں میں کہیں تصریف یا ترکیب کا عمل نہیں۔ اس قسم کے جملے مستثنیات میں سے ہیں۔ دنیا کی بیشتر زبانیں ترکیبی ہیں۔ ترکیب کی مختلف منزلوں کے اعتبار سے ان کی تین قسمیں کی جاتی ہیں: شمولی، امتزاجی اور تصریفی۔ ایک ایک کو لیجیے

شمولی (incorporating)

اسے انگریزی میں (Polysynthetic) (incorporating) (کثیر مرکبی) یا (کل فقروی) بھی کہا گیا ہے لیکن زیادہ مشہور اور مستند اصطلاح یہی ہے۔
شمولی زبانوں میں لفظ کے کچھ صوت رکن حذف کرکے ایک لفظ کے جزو کو دوسرے لفظ کے جزو میں اس طرح مدغم کر دیتے ہیں کہ دونوں کا علیحدہ وجود نہیں رہتا۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

1۔ مکمل شمولی (، یہی زیادہ مستند اور معیاری شکل ہے۔ اس میں ہر لفظ کے ایک ایک جزو کو لے کر اس طرح جوڑ دیا جاتا ہے کہ پورے

جملے کی جگہ ایک طویل لفظ بولا جاتا ہے۔ گرین لینڈ کے اسکیموؤں اور شمالی و جنوبی امریکہ کے ریڈ انڈینوں کی زبانیں اسی قسم کی ہیں۔ مثالوں سے واضح ہوگا۔

 l. گرین لینڈ کی اسکیمو زبان میں

مشغول ہونا : Pear tor مچھلی مارنا aulisar

وہ جلدی کرتا ہے : Pinnesuarpok

ان تینوں کو یوں ملایا گیا

وہ مچھلی مارنے کو جا رہا ہے : aulisariartorasuarpok

ب۔ جنوبی امریکہ کی چیرو کی زبان میں

ناتین ، لاؤ ، اموکھول : کشتی ، نن : ہم

انھیں ملا کر فقرری لفظ بنا۔ نادھولی نن : ہمارے پاس کشتی لاؤ

'کھول' بدل کر 'دھولی' ہوگیا۔ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ فقرری لفظ کے اجزا کی پوری شکل محض تصوری ہوتی ہے۔ وہ واقعتاً کبھی پورا استعمال نہیں ہوتا۔ اس نوع کی بعض ترقی یافتہ زبانوں ہی میں پورے لفظ پیدا ہوگئے ہیں۔

جزوی شمولی (Partially incorporating) معیاری شمولی میں ہر جزو کلام مدغم ہو جاتا ہے لیکن بعض زبانوں میں جملے میں بیشتر الفاظ مکمل استعمال ہوتے ہیں لیکن چند الفاظ کا جز دے کر انضمام کر دیتے ہیں۔ یہ بالعموم فعل اور ضمیر میں ہوتا ہے مثلاً فرانس اور اسپین کی سرحد پر واقع باسک (Lakarkoit) زبان میں۔ اس میں ضمیر کے علیحدہ فعل کا کوئی آزاد وجود ہی نہیں مثال

میں اس کو لے جاتا ہوں : makarsu

تو مجھے لے جاتا ہے : hakart

میں تجھے لے جاتا ہوں : seintukda

یا بانتو خاندان میں ضمیر مفعول فعل میں شامل رہتا ہے

ہم اسے پیار کرتے ہیں siba tanda

ہم انھیں پیار کرتے ہیں

فارسی میں گفتم، گفتش، کتابش میں بھی یہی کیفیت ہے۔ فرق یہ ہے کہ یہاں فعل اور ضمیر کا یا

اسم اور ضمیر کا وجود صاف اور الگ ہے۔ شمولی زبانوں میں دونوں گڈ مڈ ہوئے رہتے ہیں۔ الفاظ کے اجزا ہماری زبانوں میں بھی ملا لیے جاتے ہیں مثلاً

ضلع بجنور کی خالص دیہاتی بولی میں 'میں نے کہا'، سے 'من کیا'، 'من کا'، 'مکا'۔

'ارے میاں'، سے 'اماں'۔ دکنی میں 'لے جائے گی' سے 'لجاگی'

فارسی: 'از ایں' سے 'زیں'، 'از آں' سے 'زاں'، 'کہ آں' سے 'کاں'

انگریزی

اس قسم کے مختلف فقرے بنگالی، گجراتی، فرنچ وغیرہ میں مل جاتے ہیں۔

امتزاجی (Agglutinating)

اس کے لفظی معنی ہیں 'گوند سے چپکی ہوئی' یعنی اس میں لفظ کا ایک عنصر دوسرے سے ملا ہوتا ہے لیکن اس میں اور شمولی میں یہ فرق ہے کہ امتزاجی زبانوں کے ہر لفظ کا ہر جزو اپنی جگہ مکمل با معنی مانا جاتا ہے۔ اگر وہ مکمل لفظ کے طور پر استعمال نہ بھی ہوتا ہو تو بھی اس کی آزاد معنوی حیثیت ہوتی ہے۔ مشتق میں مادّہ ہمیشہ سالم موجود رہتا ہے۔ ضروری نہیں کہ امتزاج کا عمل ہر لفظ میں ہو۔

امتزاجی زبانیں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں جنوبی افریقہ اور جزائرِ بحرالکاہل کی زبانیں نیز یورال التائی اور دراوڑی زبانیں اسی قسم کی ہیں۔ امتزاجی زبانوں میں بڑے تنوعات پائے جاتے ہیں۔ مادّے کی سالمیت اور چسپیے کی باترتیبی کے باعث یہ زبانیں بہت باقاعدہ ہوتی ہیں۔ اس نوع کی بہترین نمائندہ زبان ترکی ہے جو قاعدے کے اعتبار سے دنیا کی سب سے سلجھی ہوئی اور باضابطہ زبان ہے۔ اس کے ہر جزو کے ہر لفظ کے معنی میں استحکام ہوتا ہے مثال ملاحظہ ہو۔

سیومیک : پیار کرنا   سیومے میک : پیار نہ کرنا

سیوان میک : خود کو پیار کرنا   سیو اِل میک : پیار کروانا

سیواش میک : ایک دوسرے کو پیار کرنا

مصنوعی بین الاقوامی زبان اسپرنتو بنائی گئی تو وہ بھی امتزاجی ہے۔ اس کے کچھ صیغے ملاحظہ ہوں

kat : بلی   in : مونث   id : اولاد، بچہ   et : چھوٹا   O (او): مادی وجود کا نشان

kat-id-o : مادہ بلی   kat-id-o : بلی کا بچہ   kat-id-et-o : بلی کا چھوٹا بچہ

Kat. in et ld. o: چھوٹی مادہ بلی کا بچہ

ہماری زبان میں بھی بہت سے الفاظ کے اجزا امتزاجی ڈھنگ سے دکھائی دیتے ہیں۔

خوشگوار ، ناگوار ، بد گوار دوربین ، عاقبت بین

بد بودار ، خوشبودار ، سمجھدار

چسپیوں کے مقام کے لحاظ سے امتزاجی زبانوں کی چار پانچ ذیلی قسمیں کی جاتی ہیں۔ واضح ہو کہ ایک قسم میں چسپیوں کا ایک ہی جگہ آنا ضروری نہیں۔ بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی دوسرے مقامات کے چسپیے بھی مل جاتے ہیں۔ یہ قسمیں حسب ذیل ہیں۔

1۔ سابقہ امتزاجی:۔ ان زبانوں میں تصریف و اشتقاق کا عمل ابتدا میں چسپیے لگا کر ہوتا ہے۔ افریقہ میں خطِ استوا کے جنوب میں پھیلی زبانیں اس کی بہترین مثال ہیں۔ انھیں بانتو کہتے ہیں۔ ان میں تعداد اور جنس کی مطابقت بھی چسپیوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ مثال کافر زبان میں

اُم : واحد کا سابقہ اب : جمع کا سابقہ ن تو : آدمی نگ : سے

اُمنتو : ایک آدمی اُبنتو : کئی آدمی نگ اُمنتو : آدمی سے

نگ اُبنتو : آدمیوں سے

کچھ نہ کچھ سابقے اردو اور انگریزی میں بھی ہیں، اردو میں کم انگریزی میں زیادہ۔ اردو کے سابقے عربی اور فارسی سے آئے ہیں مثلاً غیر، خوش، بد وغیرہ۔ ہندی میں سابقے بہت ہی کم ہیں۔ یہ اکثر نفی کے فائدے کے لیے آتے ہیں مثلاً، انجان، انمیل، نکما، نکھٹو۔ سُہاگ، سُگندھ، سُگھڑ۔

ب۔ لاحقہ امتزاجی۔ ان زبانوں میں لاحقہ جوڑا جاتا ہے۔ یہ تین خاندانوں کی زبانوں میں ملتا ہے۔ یورال، التائی اور دراوڑی۔ التائی خاندان کی اہم ترین نمائندہ ترکی زبان ہے۔ دراوڑی زبانیں ہمارے ملک کی ہیں۔ ان میں بہت سے لاحقے اتنے گھس گئے ہیں۔ کہ وہ آگے ذکر کیے جانے والی تصریفی زبانوں کے لاحقوں کی طرح ہو گئے ہیں۔ یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ کبھی سالم لفظ تھے۔ اس کے باوجود دراوڑی زبانیں امتزاجی ہیں کیونکہ ان میں یکے بعد دیگرے کئی لاحقوں کو جوڑا جاتا ہے جو امتزاجی زبانوں سے مخصوص ہے۔ ہندی، سنسکرت جیسی تصریفی زبانوں میں اسم کی حالت جنس اور تعداد اکثر ایک ہی لاحقے میں جمع رہتے ہیں مثلاً

لڑکا آیا ، لڑکوں نے کہا

لڑکیاں آئیں ، لڑکیوں کو کہو

لیکن دراوڑی زبانوں میں تعداد کا لاحقہ الگ ہوتا ہے اور جنس کا الگ لاحقہ امتزاجی کی مثالیں:

یورال خاندان کی مگھار (ہنگری) سے

زار : بند کرنا زارت : بند کرواتا ہے زارت گت : بیشتر بند کرواتا ہے

التائی خاندان کی ترکی سے

آیو : گھر آیولیر : کئی گھر ایو لیرام : میرے گھر

ج۔ سبقلاحقی امتزاجی :۔ زبانوں کی یہ قسم بحرالکاہل کے جزیروں کی زبانوں میں ملتی ہے۔ بحر ہند کے جزیرہ مدغاسکر کی زبان بھی اسی خاندان سے ہے۔ سبقلاحقی زبانوں میں کئی قسم کے گروہ پائے جاتے ہیں جن کی مختلف خصوصیات ہوتی ہیں۔ ان کی مرکزی قسم وہ ہے جس میں مادہ دو رکنی ہوتا ہے اور اس کے دونوں طرف سابقے اور لاحقے دونوں لگائے جاتے ہیں مثلاً جزیرۂ نیوگنی کی مغور زبان میں :

منف : سننا ج منف : میں سنتا ہوں ج منف اُو : میں تیری بات سنتا ہوں

س منف : وہ سنتے ہیں س منف اُو : وہ اس کی بات سنتے ہیں

اگر بعض مادّے یک رکنی ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ایک رکن تحتِ صوتی سے ضائع ہوگیا ہے

ملیشیائی گروہ کی زبانوں میں سابقے اور لاحقے کے ساتھ وسطیے بھی ملتے ہیں لیکن سب سے بڑی تعداد سابقوں کی ہوتی ہے۔ وسطیوں کا استعمال ایسی ناگزیر اور مستحکم خصوصیت نہیں جس کی بنا پر وسطا امتزاجی کی کوئی علیحدہ قسم کی جائے کیونکہ وسطیوں کا جستہ جستہ استعمال امتزاجی کی دوسری انواع میں بھی ملتا ہے مثلاً ملیشیائی سبقلاحقی میں اس کی موجودگی کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ سابقہ امتزاجی بانتو وسطیے دیکھیے

ستندا : ہم پیار کرتے ہیں سِم تندا : ہم اسے پیار کرتے ہیں

سِب تندا : ہم انھیں پیار کرتے ہیں

لاحقہ امتزاجی ترکی میں : سیومیک : پیار کرنا سیوان میک : خود کو پیار کرنا

ہندوستان میں منڈا خاندان کی سنتھالی میں جمع کا چسپیہ وسطیے کی شکل آتا ہے

منجھی : مکھیا یا چودھری مپنجھی : کئی مکھیا

دل : مارنا   ڈپل : آپس میں مارنا

د۔ جزوی امتزاجی :۔ گزشتہ گروہ کی طرح اس میں بھی کئی اقسام کی زبانیں شامل ہیں جن کا گہرا مطالعہ نہیں کیا گیا۔ چند یہ ہیں

پہلی قسم امتزاجی اور غیر ترکیبی کے درمیان آتی ہے جیسے سوڈانی خاندان کی ہوسا (Haussa) دوسری قسم امتزاجی اور شمولی کے بین بین ہے مثلاً باسک زبان جسے ہم نے جزوی شمولی کہا ہے۔ یہ ضمیر اور فعل کے معاملے میں شمولی ہے اور بقیہ موقعوں پر امتزاجی تیسری قسم امتزاجی اور تصریفی کے بیچ عبوری ہے۔ اس کی مثال پولی نیشیائی گروہ کی زبانیں ہیں یہ گروہ ماضی میں امتزاجی تھا اور ملیشیائی گروہ سے مماثل تھا لیکن اب اس میں نحوی رشتوں کے لیے تصریفی تحلیلی زبانوں کی طرح پورے امدادی الفاظ سے مدد لی جاتی ہے۔ اب انھیں امتزاجی کہنا مشکل ہے اس لیے انھیں جزوی امتزاجی کی ذیل میں رکھ سکتے ہیں۔

تصریفی (inflectional) ۔ اس گروہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نحوی رشتے کچھ ایسے مختصر چپیوں کے اضافے سے ظاہر کیے جاتے ہیں جو کتنا ہی پیچھے جائیے سالم لفظ کی شکل میں نہیں ملتے۔ امتزاجی زبانوں کے چپیے بامعنی سالم لفظ ہوتے ہیں اور اگر اب سالم لفظ نہیں ہیں تو بھی نظریاتی طور پر وہ کبھی نہ کبھی سالم لفظ رہے ہوں گے اس کے مقابلے میں تصریفی زبانوں کے چپیے مختصر، کم حیثیت ہوتے ہیں۔ ان کے علیحدہ سے کوئی مستقل معنی نہیں ہوتے۔ وہ مادّے کے ساتھ جزو لانیفک بن کر مدغم ہو جاتے ہیں۔

تصریفی زبانیں دنیا کی اہم ترین زبانوں میں سے ہیں۔ اس کے ذیل میں تین خاندان آتے ہیں۔ (1) ہندیورپی (2) سامی (3) حامی

ان زبانوں کو دو مختلف بنیادوں پر دو قسموں میں بانٹا جاتا ہے

ا۔ چپیوں کے مقام کی بنا پر

(1) دروں تصریفی :۔ ان میں تصریف کا عمل وسطیے کے ذریعے ہوتا ہے۔ سامی زبانیں اسی قسم کی ہیں جن کی بہترین نمائندہ عربی سے ہم سب واقف ہیں۔ یہ نہیں کہ ان زبانوں میں سابقوں اور لاحقوں کا وجود نہیں ہوتا بلکہ یہ ہے کہ نحوی تعلق کا بار وسطیوں کے کندھوں پر ہے۔ ان میں مادہ تین مصمتوں پر مشتمل ہوتا ہے اور اس میں مصوتوں کے وسطیوں کی مدد سے تصریف کی جاتی ہے۔ وسطیوں کے ساتھ ساتھ سابقے اور لاحقے بھی آسکتے ہیں لیکن وسطیے

ضرور آتے ہیں مثلاً

ق ت ل سے قاتل، قتیل، مقتل، مقتول

آخری دو صیغوں میں وسطیے کے ساتھ ساتھ سابقے کا بھی استعمال ہے۔ مجادلہ، مشاعرہ جیسے روپوں میں سابقے، وسطیے اور لاحقے تینوں ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اس نوع میں بنیادی لغوی عنصر مصمتوں کا ہوتا ہے اور قواعدی عنصر خاص طور سے مصوتوں کا ہوتا ہے گو اس میں سابقہ م (مقتل) اور لاحقہ ت (فطرت) بھی لایا جاتا ہے

انگریزی میں بھی شاذ وسطیے مل جاتے ہیں مثلاً ring سے rang لیکن ان کی نوعیت وہ نہیں۔ یہاں ایک مصوتے کو بدل کر دوسرا مصوتہ لایا گیا ہے محض اضافہ نہیں کیا گیا۔

(2) چسپیوں کی نوعیت کی بنا پر دوسری قسم بروں تصریفی کی ہے۔ اس میں تصریف کا عمل خارجی ہوتا ہے۔ ہند یورپی زبانیں اسی قسم کی ہیں۔ یہ دعویٰ کرنے میں بھی کوئی ہرج نہیں کہ تصریف کے عمل کی ذمہ داری محض لاحقوں پر عائد ہوتی ہے مثلاً

لڑکا، لڑکے، لڑکوں، لڑکی، لڑکیوں

اچھا، اچھی، اچھے

آنا، آیا، آئے، آئیں، آئے گا، آتا

گو ان زبانوں میں سابقے بھی ملتے ہیں لیکن وہ استخراج کا کام دیتے ہیں نحوی رشتوں کا نہیں یعنی تصریف کا عمل لاحقوں کے ذمے ہے۔ سابقوں کی کچھ مثالیں imperfect mistake prenatal

خوبرو، غیر جانبدار، انمیل، سُہاگ، سُگندھ، ذی روح، بے جان، ناہموار، ہمراہ۔

ب۔ تصریفی زبانوں کی دوسری کہیں زیادہ اہم تقسیم مرکبی (synthetic) اور تحلیلی (analytic) کی ہے۔ یہ وہ تقسیم ہے جس سے 1888 میں شلیگل کے ہاتھوں نوعیاتی گروہ بندی کی ابتدا ہوئی۔ جب تاریخی ارتقا میں لفظ کے تصریفی چسپیے جاتے رہتے ہیں اور اُن کی جگہ حروفِ جار یا امدادی الفاظ سے کام لیا جاتا ہے تو لفظ کی اس شکل کو deflexion کہتے ہیں

وہ مجھے مارتا ہے   کی جگہ وہ مجھ کو مارتا ہے

مرکبی سے تحلیلی کی تبدیلی میں یہی ہوتا ہے

قدیم زبانیں مرکبی تھیں یعنی ان میں نحوی رشتے چسپیوں کے ذریعے ادا کیے جاتے تھے۔

یہ چسپیے لفظ کا جزوِ لاینفک ہوتے تھے اور زمانہ، طور، حالت وغیرہ کو ادا کرنے کے کام آتے تھے مثلاً سنسکرت 'سپٹھت' کے معنی ہیں 'وہ پڑھتا ہے'۔ ایک ہی مرکب لفظ میں سب کچھ ادا ہو گیا لیکن کلاسکی زبانوں میں طور، زمانے وغیرہ کے اختلافات قطعیت اور وضاحت سے ادا نہیں ہوتے۔ بعض اوقات یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ طور یا یہ حالت کیوں استعمال کی گئی ہے دوسری کیوں نہیں۔ اس خلفشار کی وجہ سے ان چپیوں کی معنویت کم ہوتی گئی ہے امتدادِ زمانہ سے یہ چسپیے گھستے گئے اور اپنا اصل مفہوم ادا کرنے کے ناقابل ہو گئے۔ ان کے تدارک کے لیے علیحدہ سے امدادی الفاظ یعنی حروفِ جار وغیرہ لگانے کی ضرورت آئی تاکہ مفہوم واضح ہو سکے۔ اب 'سپٹھت' کی جگہ 'وہ پڑھتا ہے' لایا گیا۔ سنسکرت میں اسم کی حالتیں محض ایک حرفی لاحقے سے ادا ہوتی تھیں۔ ہندی میں اُنھیں 'نے'، 'سے'، 'کو'، 'تک'، وغیرہ کے اضافے سے ادا کیا جاتا ہے۔ گویا موجودہ منزل تحلیل کی ہے۔ کلاسکی زبانیں مرکبی تھیں اور اُنھوں نے تحلیلی کو جنم دیا۔

مرکبی زبانوں کی خوبی یہ ہے کہ ان میں مرکب بنانے کی صلاحیت خوب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصطلاحیں بناتے وقت کلاسکی زبانوں سے مدد لینی پڑتی ہے، لیکن مرکبی زبانوں میں وضاحت کی کمی ہوتی ہے۔

تحلیلی زبانوں میں بات بہت واضح ہوتی ہے لیکن زیادہ لفظوں کے اندر۔ ان میں مرکب بنانے کی صلاحیت کم ہوتی ہے۔ سنسکرت کے سوبھاگیہ کو ہم ہندی میں 'اچھا بھاگ' کہیں گے۔ ہندی اردو تو انگریزی کے بھی مقابلے میں زیادہ تحلیلی ہیں۔ یہاں مرکب بنانے کی صلاحیت بہت ہی کم ہے۔ 'کالج گرل' کا اردو ترجمہ 'کالج کی لڑکی' ہوتا ہے۔ تحلیلی کی مماثلت غیر ترکیبی سے ہے۔ فرنچ انگریزی، ہندی سب میں دونوں قسموں کے تھوڑے تھوڑے عناصر ملتے ہیں مثلاً 'مجھے'، 'اسے'، 'انھیں' مرکبی انداز کے ہیں اور 'مجھ کو'، 'اس کو'، 'ان کو' تحلیلی۔

جدید تصریفی زبانوں میں صرف لتھونیائی مرکبی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ پچھلے دو تین ہزار سال میں اس زبان میں بڑی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس کا سبب اس علاقے کی جغرافیائی حالت میں مضمر ہے۔ یہ مقام دلدلوں اور جنگلوں پر مشتمل ہے۔ آب و ہوا صحت کو راس نہیں آتی سمندر چھ مہینے منجمد رہتا ہے۔ قدرتی وسائل زیادہ نہیں جس کی وجہ سے یہاں باہر والے زیادہ نہیں پہنچ پاتے اور یہ زبان پوری طرح مرکبی منزل میں رُکی ہوئی ہے۔

اب دروں تصریفی اور بروں تصریفی کی تقسیم کو مرکبی اور تحلیلی سے ملالیا جائے تو تصریفی کی یہ چار قسمیں برآمد ہوتی ہیں۔

1۔ **دروں مرکبی تصریفی**:۔ یہ قدیم عربی اور عبرانی تھیں

2۔ **دروں تحلیلی تصریفی**:۔ یہ جدید عربی اور جدید عبرانی ہیں۔ جدید عبرانی جدید عربی کی نسبت زیادہ تصریفی ہے۔ چونکہ یہودی کسی ایک مقام پر نہ رہ سکے اور دنیا بھر کے ممالک میں منتشر رہے اس لیے ان کی زبان دوسری زبانوں کے اثر سے تصریفی ہو گئی۔

3۔ **بروں مرکبی تصریفی**:۔ کلاسکی ہند آریائی زبانیں یعنی سنسکرت، اوستا وغیرہ مرکبی تھیں۔

4۔ **بروں تحلیلی تصریفی**:۔ انگریزی، جدید یورپی زبانیں، فارسی، ہندی، بنگالی وغیرہ۔ ان میں ہندی، انگریزی اور فارسی سے زیادہ تحلیلی ہے اور بنگالی شاید ہندی سے بھی زیادہ تحلیلی۔ ہندی اردو فعل کو دیکھیے کئی کئی امدادی الفاظ کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے۔ آرہا ہوں۔ آتا ہوگا۔ آتا ہوا۔ آچکا تھا۔ کھایا ہوا تھا۔ جانا پڑا۔

فعل کے یہ اجزا محض لاحقے نہیں بلکہ آزاد امدادی الفاظ ہیں اور اسی بات سے زبان کی تحلیلیت ظاہر ہوتی ہے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ ڈاکٹر بابو رام[43] سکسینہ لکھ گئے ہیں

"انگریزی اور ہندی خاص طور سے غیر ترکیبی زبانیں ہیں۔ چینی اُن سے بھی زیادہ غیر ترکیبی ہے۔"

ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری بھی ہندی (اردو) میں غیر ترکیبی عناصر کا وجود مانتے ہیں مثلاً مقام سے مفہوم کا متعین ہونا یا امدادی الفاظ کا الگ سے موجود ہونا۔ سنسکرت الاصل ہونے کی وجہ سے یہ ترکیبی ہے لیکن بقول تواری غالب رجحان غیر ترکیبیت کی طرف ہے۔ پھر بھی یہ چینی سے کم غیر ترکیبی ہے[44]۔

تواری مزید کہتے ہیں کہ "کچھ لوگ سنسکرت، یونانی، لاطینی کو مرکبی اور ہندی یا انگریزی کو تحلیلی کہتے ہیں۔ یہ اصطلاحیں ترکیبی اور غیر ترکیبی ہی کے دوسرے نام ہیں۔"

اِن کے اس بیان سے افشا ہو گیا کہ سکسینہ اور وہ کیوں ہندی کو چینی کے گروہ میں رکھ دے

---

[43] سامانیہ بھاشا وگیان۔ طبع ششم ص 198

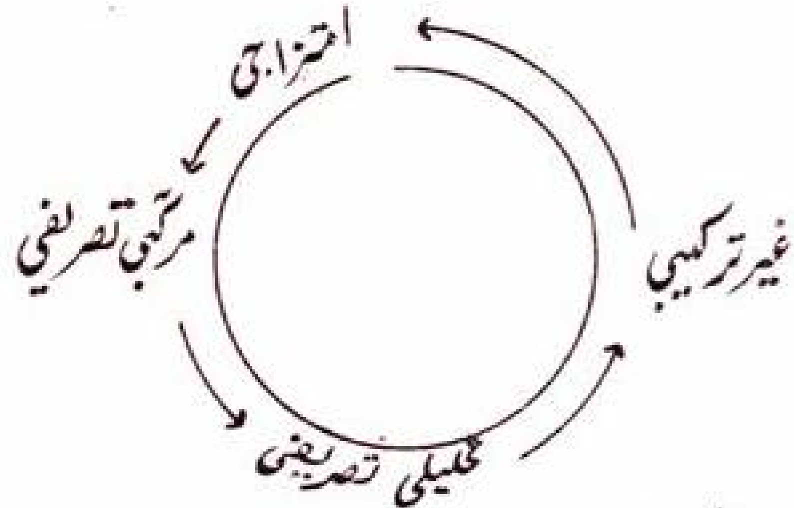
[44] بھاشا وگیان ص 88

رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مقام کی بنا پر معنی کا تعین ہوتا ہے۔ زید نے بیل کو مارا۔ بیل نے زید کو مارا میں مقام کی وجہ سے معنی بدل گئے۔ لیکن ان سے پوچھیے کہ یہ کس زبان میں نہیں ہوتا۔ فارسی، عربی، انگریزی، ترکی کسی میں بھی مفعول اور فاعل کا مقام بدل دیجیے اسی طرح معنی بدل جائیں گے۔ کیا یہ سب زبانیں غیر ترکیبی ہیں۔ ان دونوں بزرگوں نے چند موقعوں پر مقام کی تبدیلی کو تو اہمیت دی لیکن تصریفی لاحقوں، فعل کے طور، زمانہ اور اسم و ضمیر کی حالت وغیرہ کو نظر انداز ہی کر گئے۔ انگریزی اور ہندی محض تصریفی زبانیں ہیں کسی طرح غیر ترکیبی نہیں۔

بعض حضرات نے زبان کی ان قواعدی قسموں کو ارتقا کے مدارج قرار دیا ہے۔ جون بیمز نے 'ہندوستانی لسانیات کا خاکہ' میں یہی کیا ہے۔ وہ شمولی نوع کو نظر انداز کر دیتا ہے اور اس کے بعد زبانوں کا ارتقا اس طرح قرار دیتا ہے۔

غیر ترکیبی > امتزاجی > مرکبی تصریفی > تحلیلی تعریقی

لسانیات کے قدیم علما غیر ترکیبی، امتزاجی اور تصریفی کو ایک دائرے کی شکل میں گام زن مانتے تھے



یعنی تصریفی کے بعد پھر غیر ترکیبی کی نوبت آجاتی ہے۔ ظاہراً ان کا نظریہ مدلل تھا۔ تفصیل یہ ہے چینی جیسی غیر ترکیبی زبان میں بعض لفظ خالی ہوتے ہیں۔ خیال یہ ہے کہ زبان کی ابتدائی صورت غیر ترکیبی تھی۔ پھر بعض خالی اور امدادی الفاظ جو دوسرے لفظوں کے مصاحب کے طور پر ساتھ آتے تھے امتزاجی سابقے اور لاحقے بن گئے۔ ان کی حیثیت چیپیوں کی تھی لیکن اُن میں مکمل لفظ کی آن بان موجود تھی۔ گویا زبان غیر ترکیبی سے امتزاجی بن گئی۔ بعد میں یہ باحیثیت چیپیے کسی قدر گھس گئے تو تصریفی زبانوں کی مرکبی منزل آگئی۔

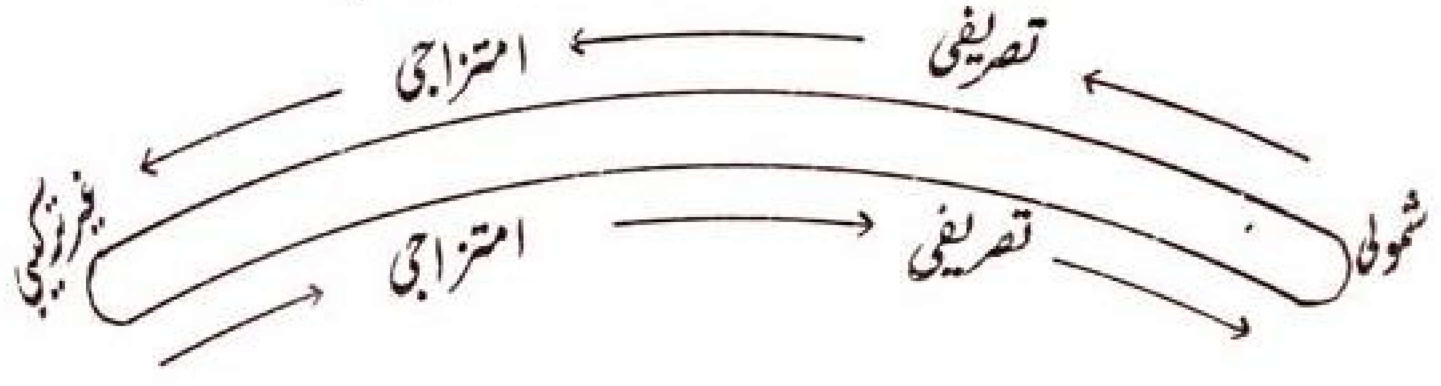
اس کا ایک مزید ثبوت یہ ملا کہ گو لاطینی (تصریفی) اور ترکی (امتزاجی) میں اسم کی

گردان د Paradigm مختلف طریقوں سے ہوتی ہے لیکن قدیم ہند یورپی (تصریفی) میں لفظ کے لاحقوں کا نظام ترکی سے مماثل ہے جس کی بنا پر اس خیال کو اور تقویت ہوئی کہ تصریفی زبانیں امتزاجی[1] سے نکلی ہیں۔

مرکبی منزل کے چپیپے پھر اور گھس گئے تو تصریفی زبانوں کی تحلیلی منزل آگئی۔ تحلیلی منزل کے بعد چپیپے بے کار اور بے معنی ہو کر غائب ہو گئے اور ان کی جگہ پورے امدادی لفظوں نے لے لی اور اس طرح جملے میں سبھی پورے لفظ ہو گئے یعنی از سر نو غیر ترکیبی منزل آگئی۔

کہنے کو تو یہ نظریہ دلکش ہے لیکن تاریخ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ماضی میں ہم کسی زبان کا کتنے ہی پیچھے تک تعاقب کریں اس کی نوع میں کوئی تبدیلی نہیں دکھائی دیتی۔ جو زبان جو کچھ تھی وہی ہے۔

ڈاکٹر بابو رام سکسینہ نے بغیر کسی دلیل کے اس چکر کو یوں قرار دیا ہے۔



شمولی سے تصریفی اور امتزاجی اور آخر میں غیر ترکیبی۔ پھر واپس غیر ترکیبی > امتزاجی > تصریفی > شمولی

ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری لکھتے ہیں[1]

" شمولی سے غیر ترکیبی کی طرف تو سبھی زبانیں جاتی ہیں۔ سنسکرت سے ہندی اسی طرح بنی لیکن اس کے برعکس غیر ترکیبی سے شمولی کی طرف جانے کا ثبوت دیکھنے میں نہیں آتا۔"

معلوم ہوتا ہے کہ ہندی کے یہ علما ذہنی حیثیت سے کچھ الجھے ہوئے ہیں۔ نہ سنسکرت شمولی زبان ہے نہ ہندی غیر ترکیبی۔ تواری تو غیر ترکیبی اور تحلیلی کو ہم معنی سمجھ بیٹھے ہیں۔

بہر حال حقیقت یہ ہے کہ زبانوں کی ان اقسام کو ارتقائے لسان کے مدارج قرار دینا بالکل لغو ہے کیونکہ اس نظریے کی تائید میں ایک بھی ثبوت نہیں ملتا۔ تحلیلی کو ارتقا کا اعلیٰ ترین نقطہ

---

[1] بھاشا وگیان ص 88

قرار دینے والے علما وہ ہیں جو خود تحلیلی زبان سے تعلق رکھتے ہیں

مندرجہ بالا تقسیم خاص طور سے مارفیمیات اور کسی حد تک نحو کو نظر میں رکھ کر کی گئی ہے۔ اس گروہ بندی کی افادیت مشکوک ہے کیونکہ ایک گروہ کی خصوصیات دوسرے گروہ میں بہ کثرت مل جاتی ہیں۔ تحلیلی اور امتزاجی زبانوں میں جملے میں لفظ کا مقام بڑی حد تک اس کے معنی کا تعین کرتا ہے۔ التائی خاندان کی زبانیں امتزاجی ہیں لیکن اس خاندان کی زبان یاقوت میں جو شمالی مشرقی سائبیریا میں دریائے لینا کے ساتھ ساتھ بولی جاتی ہے امتزاجیت کے علاوہ تحلیلی عناصر بھی بکثرت ہیں، انگریزی سے زیادہ۔ اور انگریزی فارسی اور ہندی میں کیا ایسے چیپیوں کی کمی ہے جو اپنے مادّہ سے الگ حیثیت رکھتے ہیں اور جن میں سے سبھوں میں بامعنی لفظ کی خوبو ہے۔ اردو سے مثالیں دیکھیے

خوش فہم، خوب رو، بدگوار، دور ستہ، کوتوال، سرپنچ، آرہا ہے، آیا تھا

ان میں سے بیشتر استخراجی (derivational) ترکیبیں ہیں لیکن آرہا ہے، آیا تھا کا تعلق فعل کی گردان سے ہے۔

بعد والوں نے زبان کی گروہ بندی کے لیے قواعدی کے علاوہ دوسری سطحوں یعنی فونیمی اور معنیاتی کو بھی پیش نظر رکھنے کا سجھاؤ دیا۔

سپیر نے تجویز کی کہ زبانوں کو تصورات کے طریقِ اظہار کی بنا پر چار قسموں میں بانٹا جائے اور اس کے بعد صوری اظہار کو پیشِ نظر رکھ کر مزید ذیلی قسمیں کی جائیں۔ اس کی یہ تقسیم واضح نہیں تھی۔

ذیل میں چند اور متبادل گروہ بندیاں پیش کی جاتی ہیں۔

فنک (Finck) نے کہا کہ زبان کے استعمال میں دو خاص عمل ہوتے ہیں اوّل تو ہم کسی وقوعے (situation) کو دیکھ کر اسے اجزا میں تحلیل کرتے ہیں، پھر ہم ان اجزا کو الفاظ کے ذریعے ایک سالم اکائی میں ڈھال دیتے ہیں مثلاً اگر کوئی آرہا ہے تو اس صورتِ حال کو دو تصورات میں تقسیم کیا جائے گا : فاعل اور آنے کا فعل۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کسی زبان میں یہ دو تصورات کتنے الفاظ میں ادا کیے جاتے ہیں۔ تصورات اور الفاظ کا باہمی تناسب زبانوں کی گروہ بندی کی بنیاد بنے گا۔

چینی زبان میں کہیں گے

تا : وہ   لائی : آرہا ہے

انگریزی میں he is coming میں تین الفاظ ہیں۔ اردو میں "وہ آرہا ہے" میں دو سے لے کر چار تک الفاظ مانے جاسکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسکیمو یا باسک زبان میں یہ بات ایک ہی لفظ میں ادا ہو جائے گی۔ گویا چینی اس لحاظ سے مثالی ہے کہ وہاں جتنے تصورات ہیں اتنے ہی لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ بعض زبانوں میں لفظوں کی تعداد تصورات سے کم ہوتی ہے اور انگریزی اور اردو جیسی زبانوں میں الفاظ تصورات سے زیادہ ہوتے ہیں یعنی ایک لفظ ایک تصور سے کم کو پیش کرتا ہے۔ اس بنا پر فینک[1] نے زبانوں کو آٹھ درجوں میں محصور کیا جن کی نمائندہ زبانیں یہ ہیں۔

اسکیمو (ایک لفظ وقوعے کے کئی عناصر کو پیش کرتا ہے)

ترکی

جارجیائی

عربی

چینی (ہر لفظ وقوعے کے ایک عنصر کے مطابق ہوتا ہے)

یونانی

ساموائی (Samoan)

(Subiya) (ایک لفظ وقوعے کے ایک سے کم عنصر کے مطابق ہوتا ہے)

فنک نے کہا کہ ممکن ہے مستقبل میں ان آٹھ کے علاوہ مزید ٹائپ معلوم کیے جا سکیں۔ ترکیب کی قربت اور گھلاوٹ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ان زبانوں کی ترتیب مختلف طرح کی جائے گی۔ ایک سرے پر چینی ہوگی اور دوسرے پر اسکیمو۔

صوتیاتی بنا پر بھی زبانوں کی گروہ بندی کی کوشش کی گئی اور ان میں خاص طور سے مصوتی فونیموں کو پیشِ نظر رکھا گیا۔ بعض زبانوں میں تین مصوتوں کا نظام ہوتا ہے مثلاً عربی میں زبر، زیر، پیش (حالانکہ یہ رسم الخط کے بہکاوے کے سوا کچھ نہیں) کلاسکی لاطینی میں پانچ مصوتوں کا،

---

[1] Lehman : Historical Linguistics P54

ترکی میں آٹھ کا، انگریزی کی بعض بولیوں میں نو کا ہے۔

طرح طرح کی صوتیاتی بنیادیں سوچی جا سکتی ہیں جو مقامِ تلفظ، طریقِ تلفظ اور انفیت کو سامنے رکھ سکتی ہیں۔ مصوتی نظاموں کو دہن کی کشادگی کی مقدار اور آگے پیچھے کے مقامات کی تعداد کو ملحوظ رکھا جا سکتا ہے۔ مصمتوں کو بھی ان کی تعداد اور وقوع کی بنا پر پیشِ نظر رکھا جا سکتا ہے مثلاً بندشیوں کی تعداد، جھنکار آوازوں اور گلوبند آوازوں کا وجود یا فقدان، بندشیوں صفیریوں اور انفیوں زبانیں، دنتی اور تالوئی آوازوں کا باہمی تناسب۔ اس تناسب کی دریافت کی ایک صورت یہ ہے کہ دو تین تحریر صفحات میں مختلف قسم کی آوازوں کا وقوع شمار کیا جائے اور پھر گروہ بندی کی جائے مثلاً (1) بندشیوں کو زیادہ استعمال کرنے والی (2) صفیریوں کو زیادہ استعمال کرنے والی وغیرہ۔

یاکوبسن نے اوصافِ ترکیبی کی بنا پر آوازوں کا تجزیہ کیا تھا۔ فونیمات کے باب میں ان اوصاف ترکیبی کی تفصیل درج کی جا چکی ہے۔ ان امتیازی اوصاف کے وقوع کی بنا پر زبانوں کی گروہ بندی کی جا سکتی ہے۔

گرین برگ (Greenberg) نے زبانوں کی گروہ بندی کے کئی پیمانے سجھائے جو یہ ہیں۔

(1) **ترکیبی پیمانہ**:۔ ایک لفظ میں کتنے مارف آتے ہیں۔ گرین برگ نے کچھ مثالیں لے کر مقابلہ کیا تو انامی میں 1.06 انگریزی میں 1.68 اور اسکیمو میں 3.72 مارف تھے۔

(2) **چسپائیت کا پیمانہ**:۔ مادّے میں چسپیے شامل ہونے پر یکساں رہتے ہیں یا مختلف مادّوں میں بدلتے رہتے ہیں مثلاً انگریزی میں (ing) کا چسپیہ ہر اصل (ing) کے ساتھ ایک ہی شکل میں آتا ہے لیکن زمانۂ ماضی کا stem بدل جاتا ہے مثلاً ed سے sleep ۔ اردو میں تعداد اور جنس کے چسپیے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ چسپیوں میں استحکام اور عدمِ استحکام کی بنا پر زبانوں کی گروہ بندی کی جا سکتی ہے۔

(3) **فی لفظ مارفیم گروہ کا تعین**:۔ ہر لفظ میں کتنے مادّے آتے ہیں۔ بالعموم ایک لفظ میں ایک ہی مادہ ہوتا ہے لیکن بعض الفاظ میں ایک سے زیادہ بھی ہوتے ہیں مثلاً نکٹا میں ناک اور کٹ دو مادّے ہیں۔ پھر مزید نفاست کے لیے یہ شمار کیا جائے گا کہ لفظ میں استخراجی اور تصریفی مارفیموں کی تعداد کتنی ہے۔

(4) چوتھا پیمانہ چسپیوں کا ہے۔ کتنے الفاظ میں چسپیے آئے؟ کیا سابقوں کی تعداد زیادہ ہے یا لاحقوں کی یا کسی اور کی؟ لاحقوں کی کثرت کی بنا پر اردو، ترکی، انگریزی ایک گروہ میں رکھی جائیں گی۔ اور سامی حامی دوسرے گروہ میں۔

(5) پانچواں پیمانہ جملے کے اندرونی رشتے کا ہے۔ مختلف اجزا کا رشتہ ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے یا محض تصریف سے یہ مطابقت (agreement) سے؟ انگریزی جملے میں زیادہ تر ترتیب سے، اس کے بعد تصریف سے اور سب سے کم مطابقت سے اظہار ہوتا ہے۔

ان پانچوں پیمانوں پر زبانوں کو کس کر گروہ بندی کی جائے تو فنک ہی کے سے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

بعضوں نے خالص نحوی بنیادوں پر گروہ بندی کی کوشش کی مثلاً ہاؤس ہولڈر نے پورے لفظوں اور حروفِ تعریف (Particles) کے تناسب پر۔ یا یہ کہ ساخت (construction) میں مرکزہ (head) سے پہلے کتنے لفظ آتے ہیں اور بعد میں کتنے۔

نحوی اعتبار سے ہم دیکھتے ہیں کہ اردو فارسی میں فاعل مفعول فعل کی ترتیب ہے، انگریزی میں فاعل فعل مفعول کی، عربی میں فعل مفعول فاعل کی۔ انگریزی، فارسی اور عربی میں حروفِ جار مجرور سے پہلے آتے ہیں تو ہندی میں بعد میں۔ انگریزی ہندی میں صفت کے بعد موصوف اور مضاف الیہ کے بعد مضاف آتا ہے، عربی فارسی میں موصوف صفت اور مضاف مضاف الیہ کی ترتیب ہے۔

غرض یہ ہے کہ زبانوں کی گروہ بندی محض مارفیمی بنا ہی پر نہیں دوسری کئی بنیادوں پر بھی ممکن ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ مارفیمی یا قواعدی گروہ بندی جتنی واضح ہے اتنی اور کوئی نہیں۔

اور اس سے بھی بڑی حقیقت یہ ہے کہ نوعیاتی گروہ بندی سے زیادہ مفید اور نمایاں نسلی گروہ بندی ہے۔ خاندانی اعتبار سے زبانیں جتنی نزدیک ہوں گی نوعی اعتبار سے بھی اُن میں اسی قدر مماثلت ہوگی۔ آئندہ باب میں اسی کو لیا جائے گا۔

بائیسواں باب

زبانوں کی خاندانی گروہ بندی

دنیا کی تمام اہم زبانوں (جاپانی اور کوریائی کو چھوڑ کر) کے خاندانوں اور نسلوں کی تعیین ہو چکی ہے لیکن افریقہ، امریکہ اور جزائر بحرالکاہل کے قبائل کی بہت سی زبانوں کا ابھی خاطر خواہ مطالعہ نہیں ہوا۔ کسی زبان کی ماضی کی تاریخ جتنی پیچھے تک معلوم ہو اس کا شجرہ اتنی ہی صحت سے مرتب کیا جا سکتا ہے۔ تحریری رکارڈ نہ ہوں تو تاریخی لسانیات کے طریقوں کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ گزشتہ ابواب میں زبانوں کے رشتے قائم کرنے کے قاعدوں کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔

نسلی رشتے قائم کرنے میں سب سے اہم صوتی اور صرفی مطابقتیں ہیں۔ ان کے بعد نحوی مطابقت یعنی فقروں اور جملوں میں لفظوں کی ترتیب اور سب سے آخر میں ذخیرۂ الفاظ کی مشابہت یا مطابقت آتی ہے۔ کھڑی بولی کا نحو انگریزی کی نسبت فارسی سے زیادہ مماثل ہے اور دوسری ہند آریائی زبانوں کے صرف و نحو کے ساتھ تو کیا کہنا۔ من تو شدم تو من شدی کی کیفیت ہے۔ تصریف کے قاعدوں کے ساتھ تصریفی چھپیے بھی ہم آہنگ ہوں تو یہ مزید شہادت ہے۔

فونیموں کی مماثلت بھی قابلِ غور ہے گو قطعی نہیں۔ بعض اوقات ایک زبان میں دوسرے خاندان کی زبان کے فونیم بھی در آتے ہیں۔ ان کی بنا پر غلط فہمی نہ ہونی چاہیے۔ دراوڑی خاندان کے معکوسی مصمتے ٹ، ڈ، ڑ، ہند آریائی میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح ہند آریائی زبان اردو میں سامی زبانوں سے خ، غ، ق، ز، ف وغیرہ آ گئے۔ ان سرابی مماثلتوں سے بچنا

ذخیرۂ الفاظ میں عاریت کے سبب دھوکے کا امکان زیادہ ہے۔ وہاں صرف بنیادی ذخیرے ہی کا مقابلہ کرنا چاہیے جو بنیادی رشتوں، ابتدائی اعداد، خاص خاص اعضائے جسم، ضمائر، بنیادی افعال اور گھریلو پالتو جانوروں کے الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اگر وسیع مماثلت پائی جائے تو اس کا جائزہ لینا چاہیے۔ رشتوں کی تعیین میں دو اسباب سے شکوک پیدا ہوتے ہیں۔

(1) بعض قدیم زبانوں کا مواد بہت کم اور غیر قطعی ہوتا ہے مثلاً بعض زبانوں کا علم چند الفاظ سے ہے جن کی تحریر بہت صحیح اور قطعی نہیں۔ بعض کا علم مسخ شدہ یا مبہم کتبات یا چٹانوں کے کندات سے ہے بعض کا علم سکوں سے ہوتا ہے۔ بعض کا کسی دوسری زبان کے ذخیرۂ الفاظ سے۔ اسی قلتِ مواد کی وجہ سے بعض زبانیں ابھی واضح نہیں مثلاً اٹلی کی ایٹرسکن کو پڑھا جاسکتا ہے لیکن اس کے الفاظ کے معنی روشن نہیں۔

(2) دوسری دقت یہ ہے کہ زبانوں کی قدیم تاریخ بہت ناہموار طریقے سے معلوم ہے: سمیریائی 4000 ق م، قدیم مصری 3500 ق م، ہند یورپی تقریباً 2000 تا 1850 ق م، چینی تقریباً 2000 تا 1500 ق م، دراوڑی دوسری صدی عیسوی، جنوبی قافی یا جارجی پانچویں صدی ق م، التائی آٹھویں صدی، تبت برمی نویں صدی، یورالی تیرھویں صدی عیسوی سے۔ ایک گروہ کے اندر بھی تاریخیں بہت ناہموار ہیں مثلاً ہند یورپی میں ہند ایرانی دو ہزار تا 1500 ق م سے، سلاف نویں صدی عیسوی سے، البانوی پندرھویں صدی سے اور بالٹک خاندان سولھویں صدی عیسوی سے معلوم ہے۔ اب اگر ہند ایرانی کی بالٹک سے مماثلت تلاش کریں تو تین ہزار سال کا فرق ہے۔ الفاظ کیا سے کیا ہو گئے ہوں گے۔

خاندانی رشتوں کی تلاش ہند یورپی خاندان کے مطالعے سے شروع ہوئی ہے۔ اسی مطالعے کے سلسلے میں تاریخی اور تقابلی طریقے وضع کیے گئے۔ ہند یورپی خاندان کے قواعد کو لے کر دوسرے خاندانوں کا مطالعہ کیا گیا لیکن تفصیلی مطالعہ صرف ترقی یافتہ زبانوں کا ہوا ہے۔ سوال پوچھا جاتا ہے کہ دنیا میں کتنی زبانیں ہیں۔ اس کے جواب میں یہ دشواریاں ہیں۔

1۔ زبان اور بولی کی تعیین مشکل ہوتی ہے۔

2۔ بعض زبانوں کا نام یا چند الفاظ ہی باقی ہیں۔

3۔ افریقہ اور امریکہ کی متعدد زبانوں کی قابلِ اعتماد گروہ بندی نہیں ہوئی۔

1822 میں جرمن عالم ہمبولٹ نے طے کیا کہ دنیا میں زبانوں کے کل 13 خاندان ہیں۔ پارٹ رنے دس ہی مانے۔ فریڈرک مُلر اور بعض دوسرے علما کے مطابق تقریباً 100 خاندان ہیں لیکن جے۔ ڈبلو۔ پاول (Powell) نے 1891 میں امریکہ ہی میں 54 خاندان قرار دیے تھے۔ سپیر نے 1929 میں انھیں صرف چھ بڑے خاندانوں میں اسیر کیا۔ جب ایک علاقے کی زبانوں کے بارے میں اتنا اختلاف ہو تو پوری دنیا کے خاندانوں کی کس طرح قطعی حد بندی کی جائے۔ بیسویں صدی کے نصف اوّل میں فرنچ اکیڈمی نے طے کیا کہ دنیا میں 2796 زبانیں ہیں۔ گرے بھی اس سے متفق ہیں۔ انھوں نے خاندانوں اور غیر متعلق زبانوں کو لے کر 26 گروہوں میں محصور کیا۔ ذیل میں یہ سب درج کیے جاتے ہیں۔ ہر ایک کے آگے اس میں شمول زبان کی تعداد لکھی جائے گی۔ نمبر شمار قوسین میں ہے۔

(1) ہندیورپی 132 زبانیں۔ (2) حامی سامی 46۔ (3) یورالی 32۔ (4) التائی 34۔ (5) جاپانی، کوریائی 2۔ (6) Eskimo-Aleutian 24۔
(7) کاکیشی 26۔ (8) Ibero-Basque 2۔ (9) مشرقِ قریب اور ایشیائی معدوم زبانیں 29۔ (10) ہائپر بوری اور عتیق ایشیائی 12۔ (11) بروشاسکی 1۔
(12) دراوڑی 26۔ (13) انڈومانی 12۔ (14) چینی تبتی 115۔ (15) لائی 1۔
(16) آسٹرو ایشیاٹک 52۔ (17) ملایا پولینیشیائی 263۔ (18) پاپوائی 132۔
(19) آسٹریلیائی 96۔ (20) ٹسمانیائی 5۔ (21) سوڈان گنی 435۔ (22) بانتو 83۔ (23) ہاٹن ٹاٹ، بش مین یا Khoisan 6۔ (24) شمالی امریکہ 351
(25) میکسیکو اور وسطی امریکہ 96۔ (26) جنوبی امریکہ 783۔ میزان 2796

ہم تفصیل کے ساتھ عالمی نقشے پر نظر کرتے ہیں۔ سہولت کی خاطر دنیا بھر کی زبانوں کو چار بڑے خطوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ ایک خطے کے مختلف خاندانوں میں کچھ نہ کچھ مشترک ہے۔ صرف جغرافیائی قرب کے پیشِ نظر علاقائی گروہ کیے گئے ہیں گو یہ ضروری ہے کہ آس پاس کے اجنبی خاندان بھی ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ لیتے اور ایک دوسرے کو کچھ نہ کچھ دیتے ہیں۔

چار لسانی علاقے یہ ہیں

(1) امریکی خطہ (2) جزائر بحرالکاہل کا خطہ (3) افریقی خطہ (4) یوریشیا۔

ہم ان کا سرسری جائزہ لیتے چلیں گے۔ جیوں جیوں ہم اپنے خاندان اور اپنی زبان سے نزدیک
آتے جائیں گے اتنی ہی تفصیلات بڑھاتے جائیں گے۔

امریکی خطّہ

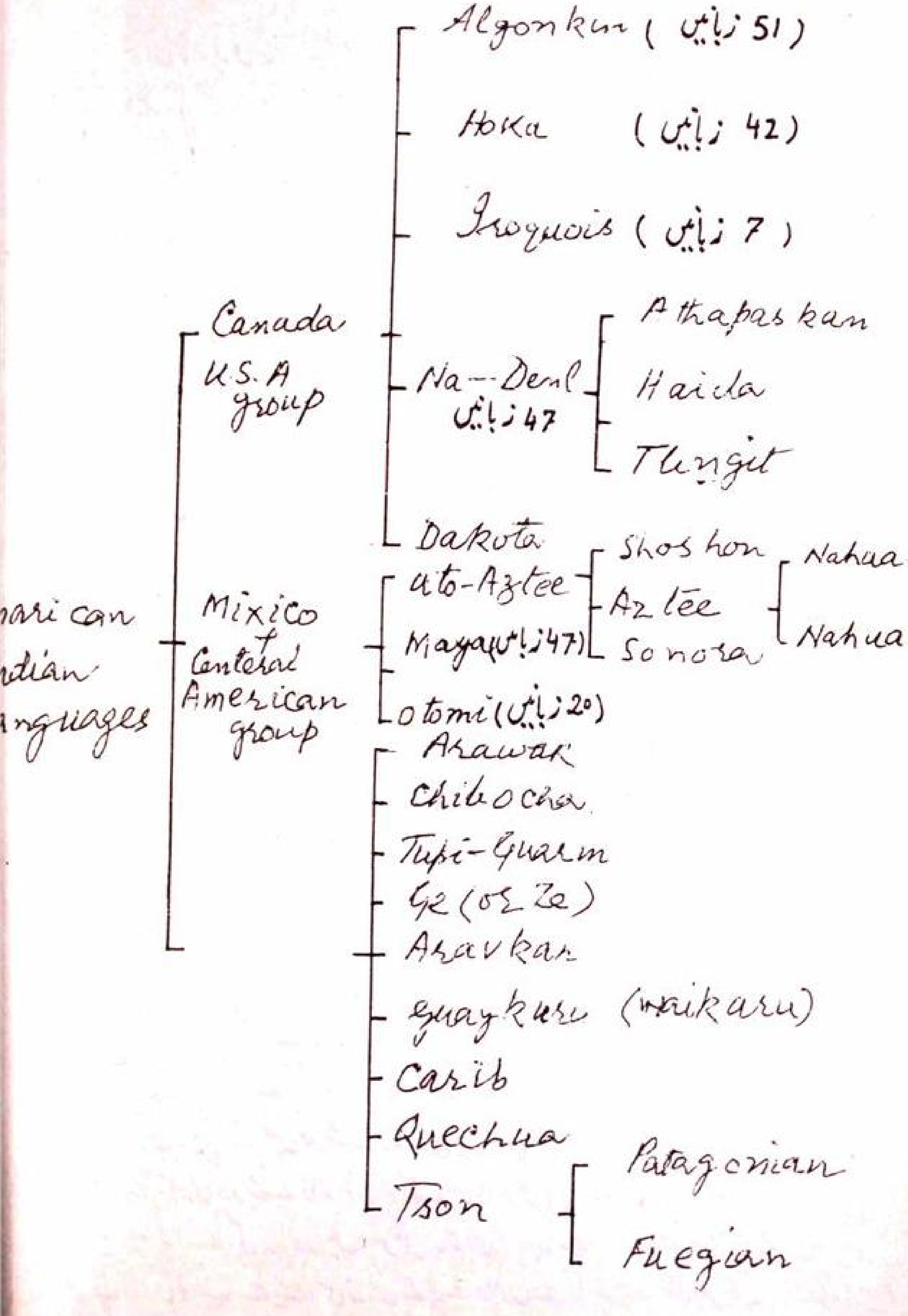
اس کے تحت شمالی، وسطی اور جنوبی امریکہ آتے ہیں۔ واضح ہو کہ امریکی خطے کے تحت ہم
ریڈ انڈین باشندوں کی زبانوں ہی کا جائزہ لیں گے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ شمالی امریکہ میں انگریزی
اور وسطی جنوبی امریکہ میں اسپینی اور پرتگالی بولی جاتی ہے۔

امریکی ہندیوں کی زبانیں مکمل شمولی ہیں۔ ان میں بیشتر علیحدہ لفظ کا وجود ہی نہیں لیکن
بعض میں لفظ بھی مل جاتا ہے۔ مثلاً میکسکن میں پھول کے لیے لفظ sctsi ہے جو مکمل بھی
استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض جملوں میں کچھ حصہ لفظوں کے اجزا کے ادغام پر مشتمل ہوتا ہے تو
کچھ حصہ سالم لفظ پر۔

امریکی زبانوں کا نقشہ تاراپور والا کی کتاب سے درج کیا جاتا ہے۔ اس میں گرین لینڈ
کی اسکیمو زبانیں شامل نہیں ہیں۔ انھیں یوریشیا کی شمالی زبانوں کے سلسلے میں لیا جائے گا۔

ان زبانوں کے رشتے طے نہیں اس لیے ان کی گروہ بندی پر اتفاق نہیں
کے مطابق شمالی امریکہ میں 25 خاندان ہیں جن میں سے تین معدوم ہو گئے۔ زیادہ بڑے یہ ہیں۔
(1) الگونکین خاندان 51 زبانیں۔ (2) ہوکا 42 زبانیں۔ (3) Penutian 16
زبانیں۔ (4) نادین 47۔ (5) Muskhogi 31۔ (6) Solish 16
(7) Sioux 24 (8) Uto-Azler 65

Powell نے 1891 میں شمالی امریکہ میں زبانوں کے 54 خاندان قائم کیے
تھے۔ Kicekem نے اسکیمو زبانوں کو چھوڑ کر 22 خاندان طے کیے یعنی اسکیمو سمیت
23 خاندان۔ سپیر نے انھیں چھ بڑے خاندانوں میں سمادیا ہے۔ ٹریگر (Thagen) نے
ان میں سے آخری دو بڑے خاندانوں کو ایک میں ملا کر کل پانچ خاندان ہی کر دیے ہیں۔ کناڈا
اور یو۔ایس۔اے۔ کی زبانوں میں الگونکین خاندان کا سب سے زیادہ مطالعہ کیا گیا چوں کہ
یورپ والوں کو سب سے پہلے اسی زبان کے بولنے والوں سے سابقہ پڑا۔ شمالی امریکہ کی زبانوں



Algonkin (زبانیں 51)
Hoka (زبانیں 42)
Iroquois (زبانیں 7)
Canada
U.S.A group
Athapaskan
Na-Dene
زبانیں 47
Haida
Tlingit
Dakota
Shoshon
Nahua
uto-Aztec
Aztec
ameri can
Mixico + Centeral American group
Maya (زبانیں 47)
Sonora
Nahua
ndian
anguages
otomi (زبانیں 20)
Arawak
Chibocha
Tupi-Guarani
Ge (or Ze)
Aravkan
guaykuru (waikaru)
Carib
Quechua
Patagonian
Tson
Fuegian

ہیں نادین خاندان کی اتھ پکن سب سے زیادہ علاقے پر یعنی پورے کناڈا اور شمالی یو۔ ایس۔ اے۔ پر پھیلی ہوئی ہے۔

میکسکو اور وسطی امریکہ میں گرے کے مطابق بیس خاندان ہیں جن میں مایا اور Otom. سب سے بڑے ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں شمالی امریکہ کے Uto-Az tee نادین اور ہوکا خاندانوں کی کچھ زبانیں بھی بولی جاتی ہیں۔ Kreckers کے مطابق میکسکو اور وسطی امریکہ میں 17 خاندان ہیں جب کہ lehmann نے 23 خاندانوں کا ذکر کیا ہے۔ یہاں دو زبانیں یا خاندان زیادہ اہم ہیں۔

(۱) قبل جیم اذتیق :۔ ان کی شہنشاہیت سولھویں صدی میں ختم ہوئی۔ ازتیق دو زبانوں پر مشتمل ہے۔ اس میں تحریر بھی ملتی ہے۔ پورے امریکہ میں صرف وسطی امریکہ ہی ایسا مقام ہے جہاں کے قبائلیوں میں فنِ تحریر موجود ہے۔ دوسری اہم زبان مایا ہے۔ مایا تہذیب بہت پرانی ہے۔ اب بھی اس علاقے میں مایا بولیاں مستعمل ہیں۔

جنوبی امریکہ کی زبان کا اور بھی کم مطالعہ ہوا ہے۔ فادر شمِٹ نے یہاں 36 خاندان قرار دیے، کیکرس نے 45، لیمہ مان نے 75 یا اس سے بھی زیادہ قرار دے گئے ہیں۔ گرے کم سے کم 77 مانتا ہے جن میں زیادہ اہم یہ ہیں۔

(1) اراوک خاندان۔ اس میں 130 زبانیں ہیں جن میں 29 معدوم ہوگئی ہیں۔ اس خاندان میں سات ذیلی گروہ کیے جاسکتے ہیں۔

(2) Chapakura خاندان میں ~~180~~ زبانیں (3) chibcha میں 73 زبانیں۔

(4) Chon میں 39 (5) کریب میں 74 جن میں سے 17 اب معدوم ہوگئے ہیں۔

(6) Pano میں 43 (7) Sanuku میں 16 (8) Ti. kano یا

Beloya میں 39 (9) Tupi-Gurani میں 68

(10) Vilela-Chulupi 19۔ Zee یا Ge یا Kean میں 50

صرف آخرالذکر کا تفصیلی مطالعہ ہوا ہے جنوبی امریکی خاندانوں میں دو قابلِ ذکر ہیں۔

اراوک خاندان جنوبی امریکہ میں سب سے اہم ہے اور بہت بڑے علاقے میں پھیلا ہوا ہے یہ برّاعظم کے علاوہ Antilles جزیروں میں بھی رائج ہے۔ اسپینیوں کی آمد سے پہلے کریب قبیلے نے ان جزیروں کو فتح کر کے تمام اراوک مردوں کو مار دیا اور اُن کی عورتوں

اور بچوں کو غلام بنالیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب عورتیں اور بچے اراوک زبان بولتے تھے اور مرد کریب۔ یہ روایت کئی نسلوں تک چلی چنانچہ Dominique کے کریبوں میں یہ اب تک رائج ہے کریب زبان بہت پچھڑی ہوئی ہے۔

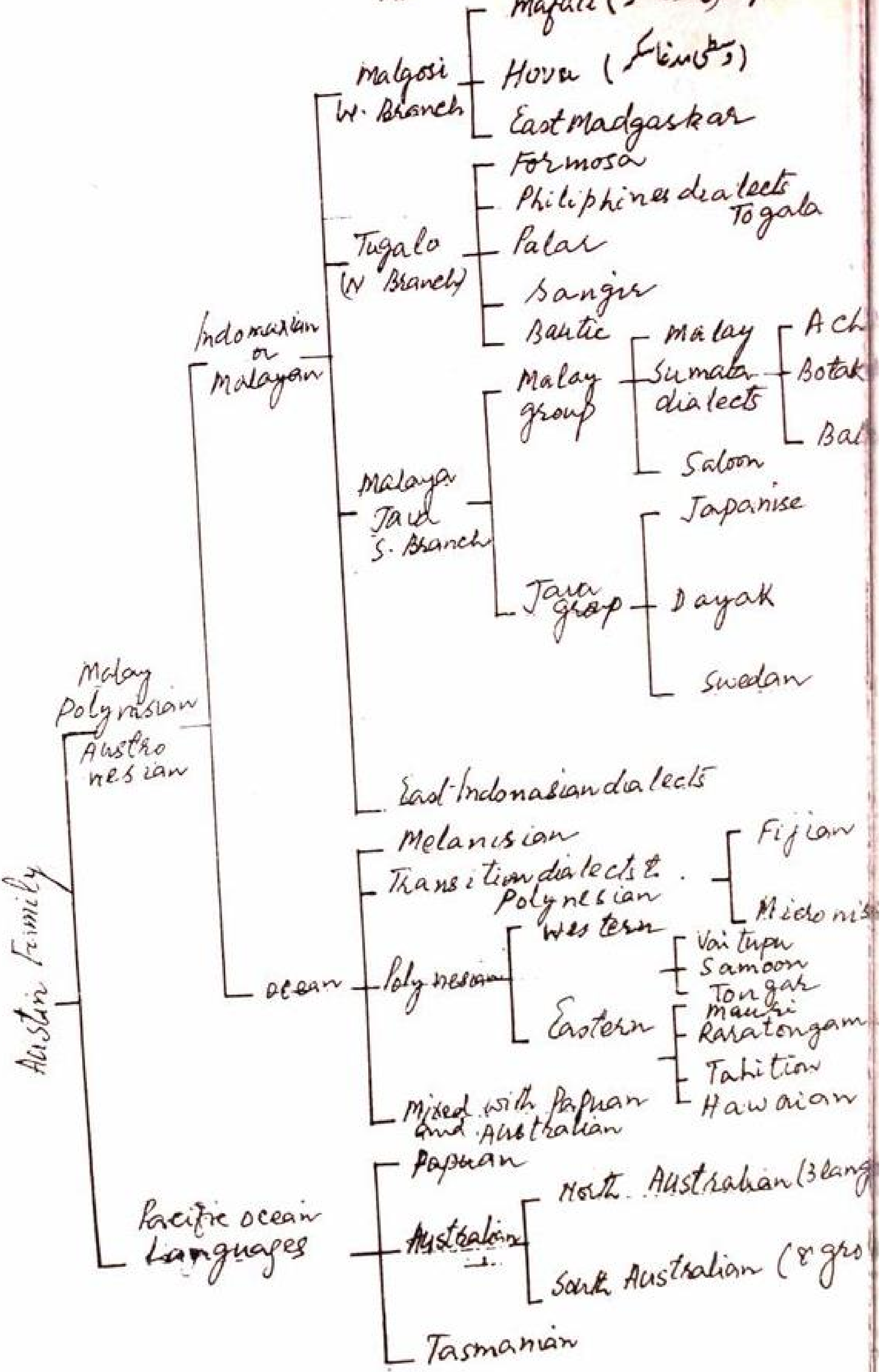
دوسری اہم زبان Kechuan یا Quechua ہے۔ یہ طے نہیں کہ یہ واحد زبان ہے یا مماثل زبانوں کا خاندان۔ یہ پیرو کی مہذب قوم Incas کی زبان تھی۔ یہ اب بھی پیرو میں اسپینی کے ساتھ بکثرت بولی جاتی تھی۔ جنوبی امریکہ زبانوں میں یہ واحد زبان ہے جو کولمبس کی آمد سے پہلے ایک تہذیب کا ذریعۂ اظہار تھی۔

Kreckres کے مطابق امریکہ میں اسکیمو خاندان کے علاوہ شمالی امریکہ کے 22 خاندان، وسطی امریکہ کے 22 اور جنوبی کے 45 یعنی کل 85 خاندان ہیں جب کہ لیہمان کے مطابق شمال میں 54 'وسط کے 23 اور جنوب کے 75 یعنی کل 152 خاندان ہیں۔ کتنا فرق ہے۔

ریڈ انڈینوں کی زبانیں مائل بہ زوال ہیں۔ پانسو سال پہلے ان قبائلیوں کی تعداد چار پانچ کروڑ تھی تو اب بہ مشکل ڈیڑھ کروڑ رہ گئی ہے۔ بہر حال ماہرینِ لسانیات کے لیے یہ زبانیں بڑی دلچسپ ہیں۔ امریکیوں کو استطاعت ہے کہ ان کے مطالعے پر زر اور وقت صرف کر سکیں۔

آسٹرک یا جزائر بحرالکاہل کا خاندان

یہ خاندان بحرالکاہل اور بحر ہند کے جزیروں پر پھیلا ہوا ہے۔ اب ہند یورپی خاندان کی زبانیں دنیا میں متعدد ممالک میں پھیل گئی ہیں۔ ان کو چھوڑ کر جزائرِ بحرالکاہل کی زبانیں دنیا میں جتنی دور دور تک پھیلی ہیں اتنی کسی اور خاندان کی نہیں۔ یہ ہوائی جزیرے، فارموسا، فلپائن، انڈونیشیا کے آس پاس کے تمام جزیروں، ملیشیا، نیوگنی، آسٹریلیا، ٹسمانیہ اور انتہا یہ ہے کہ بحرالکاہل کے ایسٹر جزیرے اور افریقہ کے مشرق کے مدغاسکر جزیرے تک میں بولی جاتی ہیں۔ ملایا اور انڈونیشیا کی زبانوں کو چھوڑ کر بقیہ میں سے بیشتر پچھڑی ہوئی زبانیں ہیں۔ ان کا ابھی پورا مطالعہ نہیں ہوا اس لیے انھیں علاقائی بنا پر بانٹ دیا گیا ہے۔ ان زبانوں کا نادر شمٹ نے تفصیلی مطالعہ کیا تھا۔ یہ امتزاجی اور ان کا مادّہ دو رکنی ہوتا ہے جس کے پہلے رکن پر بل ہوتا ہے لیکن تجزیے

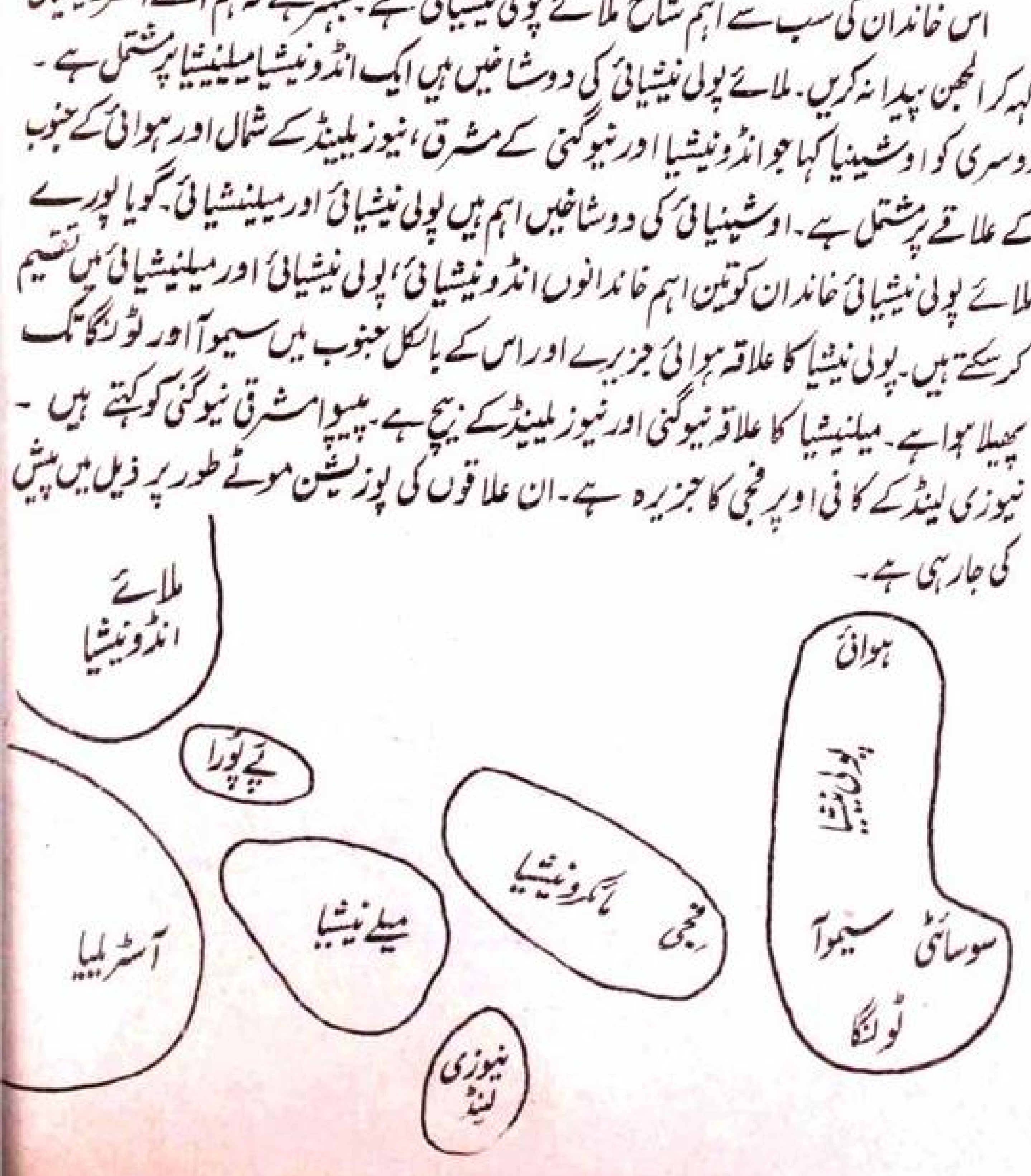

Austin Family
Malay Polynesian Austro nesian
Indomaxian or Malayan
Malgosi W. Branch
Mafali (مغربی مدغاسکر)
Hova (وسطی مدغاسکر)
East Madgaskar
Tugalo (W Branch)
Formosa
Philiphines dialects Togala
Palar
Sangir
Bautic
Malaya Jaid S. Branch
Malay group
Malay
Sumatar dialects
A Ch
Botak
Bal
Saloon
Jaia group
Japanise
Dayak
Swedan
East Indonasian dialects
ocean
Melanesian
Transition dialects & Polynesian
Fijian
Micronis
Polynesian
Western
Vai tupu
Samoon
Tongak
Eastern
Mauri
Raratongam
Tahitian
Hawaian
Mixed with Papuan and Australian
Pacific ocean Languages
Papuan
Australian
North Australian (3 lang
South Australian (8 gro
Tasmanian

سے معلوم ہوا کہ دراصل مادہ یک رکنی ہے جو صوت صرفی طور پر توسیع پا گیا ہے۔

ہندوستان میں منڈا خاندان کی اور برما اور تھائی لینڈ وغیرہ میں مون کھمیر خاندان کی بہت سی زبانیں ہیں۔ انھیں آسٹرو ایشیاٹک کہا گیا۔ فادر شمٹ نے انھیں اور بحر الکاہل کی زبانوں کو ایک خاندان کی قرار دیا ہے اور انھیں ملاکر آسٹرک خاندان کہا ہے لیکن اس کی بہت کم شہادت ہے اور یہ امر بہت مشتبہ ہے۔ بہر حال آسٹرو ایشیاٹک زبانوں پر یوریشیا کے سلسلے میں غور کیا جائے گا۔ فی الحال بقیہ زبانوں کو ایک چارٹ کے ذریعے پیش کیا جا رہا ہے۔

اس خاندان کی زبانوں کے سلسلے میں پولینیشیا، میلینیشیا اور مائکرونیشیا جیسے نام آتے ہیں جو اٹلس میں نہیں ملتے۔ دراصل یہ جزائر کے علاقوں کے نام ہیں۔ شاید ذیل کی تفصیل سے بات واضح ہو جائے گی۔ یہ تقسیم لسانی سے زیادہ علاقائی ہے۔

اس خاندان کی سب سے اہم شاخ ملائے پولی نیشیائی ہے۔ بہتر ہے کہ ہم اسے آسٹرونیشیائی کہہ کر الجھن پیدا نہ کریں۔ ملائے پولی نیشیائی کی دو شاخیں ہیں ایک انڈونیشیا میلینیشیا پر مشتمل ہے۔ دوسری کو اوشینیا کہا جو انڈونیشیا اور نیوگنی کے مشرق، نیوزیلینڈ کے شمال اور ہوائی کے جنوب کے علاقے پر مشتمل ہے۔ اوشینیائی کی دو شاخیں اہم ہیں پولی نیشیائی اور میلینشیائی۔ گویا پورے ملائے پولی نیشیائی خاندان کو تین اہم خاندانوں انڈونیشیائی، پولی نیشیائی اور میلینیشیائی میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پولی نیشیا کا علاقہ ہوائی جزیرے اور اس کے بالکل جنوب میں سیموآ اور ٹونگا تک پھیلا ہوا ہے۔ میلینیشیا کا علاقہ نیوگنی اور نیوزیلینڈ کے بیچ ہے۔ پپوا مشرقی نیوگنی کو کہتے ہیں۔ نیوزی لینڈ کے کافی اوپر فجی کا جزیرہ ہے۔ ان علاقوں کی پوزیشن موٹے طور پر ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔



انڈونیشیائی خاندان کی تین شاخیں شمالی، جنوبی اور مغربی ہیں۔ شمالی شاخ فارموسا اور فلپائن جزیروں پر مشتمل ہے۔ فارموسا میں مغربی حصے میں چینی زبان اور مشرقی حصے میں فارموسائی بولی جاتی ہے۔ فارموسائی پر چینی کا شدید اثر ہے۔ فلپائن میں تگالگ سب سے اہم زبان ہے۔ جنوبی شاخ ملیشیا، انڈونیشیا پر مشتمل ہے۔ اس میں ملیشیا، سماترا اور بورنیو کے ساحل کی زبان ملائے ہے اور یہ پورے آسٹرک خاندان کی سب سے اہم زبان ہے۔ اس میں چودھویں صدی کی ابتداء ادب بھی ملتا ہے۔ یہ زبان ملایا میں عربی خط میں اور انڈونیشیا میں رومن خط میں لکھی جاتی ہے جہاں اسے بھاشا انڈونیشیا کہتے ہیں۔ یہ انڈونیشیا کی سرکاری زبان ہے۔ اس زبان پر عربی، ڈچ، اور سنسکرت تینوں کا اثر ہے، سنسکرت اثر ہندوستان کے قرب کی وجہ سے، عربی اثر یہاں کے باشندوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اور ڈچ اثر ہالینڈ کی انڈونیشیا پر حکومت کی وجہ سے یہاں کے بہت سے مشہور ناموں کی سنسکرت تاویل کی جاتی ہے: سُکارنو (سُس کرن) — جکارتا یا جوگ جکارتا (ایودھیا کرت)

جاوا کے تین چوتھائی حصے میں جاوائی زبان بولی جاتی ہے جسے 'کوی' کہتے ہیں۔ کوی کے معنی ہیں 'شاعری کی زبان'، پورے ملائے پولی نیشیائی گروہ کی تقریباً دو سو زبانوں اور بولیوں میں صرف جاوائی کا قدیم ادب ہے جو 800 سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے بولنے والے دو کروڑ سے زیادہ ہیں۔ جاوا اور اس کے قریب کے بالی جزیرے پر قدیم ہندو تہذیب بالخصوص رامائن کا گہرا اثر ہے۔ جاوائی ادب میں بھی یہ اثرات ہیں۔ جاوا کے بقیہ ایک چوتھائی لوگوں کی زبان سُندی اُن ہے۔ بورنیو کی زبان دیک ہے۔

سب سے حیرت کی بات یہ ہے کہ جزیرۂ مدغاسکر کی زبان بحرالکاہل سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ جزیرۂ افریقہ کے ساحل سے تین سو میل بھی پرے نہیں جب کہ سماترا سے تین ہزار میل دور ہے اور بیچ میں کوئی جزیرہ نہیں۔ مدغاسکر کو اب ملگاسی ریپبلک کہتے ہیں۔ یہاں کی خاص زبان ہووا ہے۔

اوشینیا کے دو اہم حصے میلے نیشیا اور پولی نیشیا ہیں۔ ان کے بیچ عبوری خاندان مائکرونیشیا ہے۔ میلے نیشیا پپوا اور نیوزی لینڈ کے درمیان چھوٹے جزیروں پر مشتمل ہے۔ میلے نیشیائی گروپ میں تقریباً 35 زبانیں ہیں جو سالومن، سینٹا کروز وغیرہ میں بولی جاتی ہیں میلے نیشیا کے شمال میں مائکرونیشیا اور فجی جزیرے آتے ہیں۔ مائکرونیشیا پپوا کے مشرق کے بہت چھوٹے

جزیروں کو کہتے ہیں جن میں گلبرٹ یا کنگسل مِل، مارشل، کیرولین، میریانا اور یاپ جزیرے خاص ہیں۔ اس میں تقریباً آٹھ زبانیں ہیں۔ بعض لوگ مائکرونیشیا کا علیحدہ خطہ قرار نہیں دیتے بلکہ اسے میلے نیشیائی ہی کا جزیر مانتے ہیں۔

پولی نیشیائی میں تقریباً 20 زبانیں ہیں۔ یہ میلے نیشیائی کے شمال مشرق اور جنوب مشرق میں ہے یعنی ہوائی سیموا، کوک، سوسائٹی (تاہتی)، ٹونگا اور ایسٹر جزیرے کے علاوہ نیوزی لینڈ کی ماؤری (Maori) بھی اسی میں ہے۔ بعض ایسے جزیرے جو جغرافیائی طور پر میلے نیشیا کا حصہ ہیں لسانی اعتبار سے پولی نیشیائی گروہ میں ہیں۔ پولی نیشیا کے باشندے نسبتاً مہذب ہیں۔

اس پورے علاقے کو تین اہم خاندانوں میں تقسیم کرسکتے ہیں (1) ملائے (2) میلے نیشیا جس میں مائکرونیشیا کو شامل سمجھیے (3) پولی نیشیا

ملائے سبقلاحقی امتزاجی زبان ہے۔ اس میں مادّہ دو رکنی ہوتا ہے جس کے بیچ وسطیہ بھی لگایا جاسکتا ہے مثلاً سُلَت : لکھائی۔ سُ اُن اُلت : لکھنا۔

میلے نیشیائی میں چند سابقے اور اُن سے زیادہ ضمیری لاحقے ہیں جو فعل کے ساتھ امتزاج کرتے ہیں۔ ضمیر متکلم میں شمولی (clusive) اور اخراجی (Exclusive) شکلیں ہوتی ہیں۔ ان میں تعداد میں واحد، تثنیہ، تثلثہ اور جمع چار چار صیغے ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی زبان میں گنتی چار چار پر منحصر ہے تو کسی میں دس پر اور کسی میں بیس پر۔ مائکرونیشیا اور فجی کی زبان میلے نیشیا اور پپوا دونوں کی خصوصیات لیے ہوتی ہے۔ زیادہ تر میلے نیشیائی سے مشابہ ہے لیکن اس کے ضمیر میلے نیشیائی سے زیادہ پیچیدہ ہیں۔ میلے نیشیائی کے زیادہ تر نحوی رشتے امدادی الفاظ سے ادا ہوتے ہیں گویا یہ زبانیں امتزاجی کی بجائے تحلیلی کی جانب چل پڑی ہیں۔ پولی نیشیائی تو اس حد تک تحلیلی ہیں کہ انھیں بہ مشکل امتزاجی کہا جاسکتا ہے۔ ان میں دوہرے مصوتے اور مصمتی غوشے نہیں ہوتے اور مصمتوں کو گرانے کا رجحان ہے جس کی وجہ سے ہم صورت و مختلف المعنی الفاظ کے جوڑے بن جاتے ہیں۔

ان تینوں خاندانوں میں تکرار (Reduplication) سے کام لیا جاتا ہے مثلاً ملائے میں راجا کی جمع راجا راجا ہے۔ ملائے میں اسم، صفت، فعل، متعلق فعل، ضمیر، اعداد اور عطف سب میں تکرار کی جاسکتی ہے۔ ہوائی زبان میں مُلی : ڈھونڈھنا۔ مُلی مُلی : بہت تفصیل سے ڈھونڈھنا۔

ملائے پولی نیشیائی کے بعد آسٹرک خاندان کی دوسری شاخ لیجیے جو جنوبی بحرالکاہل سے تعلق رکھتی ہے۔

پیپوائی:۔ یہ خاندان نیوگنی کے مشرقی حصے، آس پاس کے جزائر اور جزیرۂ نیو برٹن کے بعض حصوں میں بولی جاتی ہے۔ ان میں بھی سابقے اور لاحقے دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ نیوگنی کی خاص زبان مغور ہے اور اسی کا مطالعہ کیا گیا ہے۔

آسٹریلیائی:۔ یہ گروہ جغرافیائی ہے لسانی نہیں۔ اس میں سو سے زیادہ زبانیں ہیں جنھیں شمالی و جنوبی میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ان کے بیچ کوئی نسلی رشتہ طے نہ ہو سکا۔ کسی زمانے میں اُنھیں دراوڑی خاندان کی زبان سمجھا گیا تھا لیکن یہ صحیح نہ تھا۔ آسٹریلیائی کو دراوڑی کے علاوہ افریقہ کے بعض خاندانوں، ملایا پولی نیشیائی، پیپوائی اور انڈمانی سے ملانے کی کوشش کی گئی لیکن بے سود۔ گرے کے مطابق ملائے پولی نیشیائی اور آسٹریلیائی میں کوئی تعلق نہیں۔ ہم ان دونوں کو آسٹرک خاندان کی شاخیں جو قرار دیتے ہیں وہ علاقائی بنا پر سمجھیے۔ اُن کے بولنے والے بہت پچھڑے ہوئے قبائلی ہیں اور روز بروز کم ہوتے جارہے ہیں۔ اُنھیں کے ساتھ یہ زبانیں بھی ختم ہوتی جارہی ہیں۔ 36 میں ان زبانوں کے بولنے والے محض 76000 تھے اب اور بھی کم ہوں گے۔

ان کی شمالی زبانوں کا باہمی رشتہ معلوم نہیں۔ لفظوں کی ابتدائی آواز کی بنا پر تین ذیلی گروہ کیے جاسکتے ہیں۔ جنوبی میں کسی قدر یکسانی ہے۔ اس کے آٹھ گروہوں میں وکٹوریائی گروپ قدیم ترین ہے۔

ان زبانوں کے اولین بولنے والے نیوگنی پیپوا کے جنوب میں واقع، آسٹریلیا کی شمالی نوک راس یارک (cap york) کے راستے داخل ہوئے ہوں گے لیکن ابھی آسٹریلیائی اور پیپوائی کا رشتہ ہی معلوم نہیں۔ آسٹریلیائی زبانیں زیادہ تر لاحقہ امتزاجی ہیں۔ بعض زبانوں میں گنتی محض تین تک ہے۔ اس کے آگے اُنھیں کو جوڑ کر ادا کی جاتی ہے۔ تثنیہ بھی عام ہے اکثر زبانوں میں ضمیر متکلم میں شمولی اور اخراجی روپ عام ہیں۔ sybal gal میں متکلم میں مذکر اور مونث کے لیے علیحدہ ضمیر ہیں۔ daly River کی زبان میں ضمیر غائب میں مذکر، مونث، ذی روح اور غیر ذی روح کی چار شکلیں ہیں۔

تسمانیائی خاندان جزیرۂ تسمانیہ میں تھا۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں اس کا آخری بولنے

والا ختم ہو گیا۔ اس کی پانچ زبانیں تھیں تین مشرق میں اور دو مغرب میں۔ ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جنوبی آسٹریلیا کے وکٹوریہ گروہ کے ذیلی گروہ Kulin-Kurnai سے ٹسمانیائی کا کوئی رشتہ ہو۔

افریقی خطہ

اس خطے کی زبانوں کا بھی کما حقہٗ مطالعہ نہیں ہوا۔ انھیں پانچ گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جن میں سے بعض میں نسلی رشتہ ہے یعنی وہ لسانی خاندان ہیں لیکن بعض دوسروں میں ایسا رشتہ نہیں یعنی وہ محض علاقائی گروہ ہیں۔ وہ پانچ گروہ یہ ہیں۔

(1) بش مین ہاٹن ٹاٹ گروہ (2) بانتو خاندان۔ (3) سودان گروہ (4) حامی خاندان (5) سامی خاندان۔

حامی اور سامی کو ایک خاندان ماننے والوں کی کمی نہیں لیکن چونکہ ابھی یہ ثابت نہیں اس لیے ہم انھیں علیحدہ ہی لیں گے۔ ذیل میں ایک ایک کو لے کر غور کیا جاتا ہے۔

بش مین ہاٹن ٹاٹ گروہ

یہ لوگ افریقہ کے سب سے پچھڑے ہوئے قبیلوں میں سے ہیں۔ ان کی بہت سی زبانیں ہیں جن کے رشتے واضح نہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ کئی خاندان ہیں، اس لیے انھیں خاندان نہ کہہ کر گروہ کہا گیا ہے۔ ان کے تین حصے کیے جاتے ہیں۔

(1) بش مین یا سان (San) 2 بولیاں۔ (2) ہاٹن ٹاٹ یا ناما، 4 بولیاں (3) کانگو کے بونوں کی زبانیں۔

یہ لاحقہ امتزاجی زبانیں ہیں لیکن اب غیر ترکیبی ہوئی جا رہی ہیں۔ ان کی تین اہم خصوصیات ہیں جو یہ ہیں۔

1- ان زبانوں میں چٹکار آوازیں ہوتی ہیں یعنی ان کو ادا کرتے وقت سانس اندر سے باہر کو نہیں چھوڑا جاتا بلکہ باہر سے اندر کو کھینچا جاتا ہے۔ یہ چٹکار آوازیں چھ قسم کی ہوتی ہیں۔ سان میں سات اور ناما میں چار چٹکار آوازیں ہیں۔

2- جنس تذکیر و تانیث پر نہیں بلکہ ذی روح اور غیر ذی روح پر مبنی ہے۔

3- جمع کے متعدد اور بے ضابطہ قاعدے ہیں۔ ایک عالم بلیک نے پچاس سے لے کر ساٹھ تک قاعدے شمار کیے ہیں۔ ان میں سے ایک قاعدہ اسم کی تکرار کا ہے۔

4- ان میں تین سُر ہوتے ہیں۔

5- اس گروہ کی زبانوں میں لوک گیت اور لوک کہانیوں کا ادب ملتا ہے۔

بانتو خاندان

یہ خاندان جنوبی اور مرکزی افریقہ کے بڑے حصے پر پھیلا ہوا ہے۔ اس خاندان کا سوڈانی سے نسبی رشتہ ہو سکتا ہے۔ روایت یہ ہے کہ بانتو شمالی نیل سے آئے اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس خاندان کی زبانوں میں آدمی کے لیے 'انتو' کا لفظ ہے اور 'ب' جمع کا لاحقہ ہے۔ 'بانتو' کے معنی ہیں 'کئی آدمی'۔ اس خاندان کی قسمیں اختصار کے ساتھ ذیل کے چارٹ میں دی جاتی ہیں۔

Bantu Languages
- Ganda (N.W. of Victoria Nyanza
- Ruanda
- Swahil (Zanzibar and East Coast)
- Northern group E. Africa group (South of Victoria Nyanza
- Portuguese Africa (S. E. group)
- Zulu
  - Kafir (Xosa)
  - Zala
  - Tabala
  - Ngami
- Central group (North of Zanzibar)
- Western group - Herero
- Congo group
- N.W. group (Camerouns)
- W. African Bantu group

اس خاندان کی زبانیں اور اُن کی گروہ بندی طے نہیں۔ اوپر کا چارٹ تقریباً میڈموزیل ہوم بربجر کا ہے وہ 83 زبانوں کے مندرجہ بالا گیارہ گروہ بناتی ہے۔ فادر شمٹ 93 زبانوں کے سات گروہ قائم کرتے ہیں۔ سر جونس کے نزدیک اس خاندان میں 360 بانتو اور 87 نیم بانتو زبانیں ہیں۔ میڈم ہوم بربجر نے بانتو اور قدیم مصری خاندان میں رشتہ قائم کرنا چاہا۔ چونکہ قدیم مصری حامی خاندان کی زبان تھی اس طرح بانتو اور حامی میں تعلق ہو سکتا ہے۔

یہ زبانیں بیشتر سابقہ امتزاجی ہیں۔ ان کے جملے اکثر یکساں آواز سے شروع ہوتے ہیں اور یہ سابقوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ان زبانوں میں تذکیر و تانیث کا کوئی امتیاز نہیں۔ فعل ہوں یا ضمیر کہیں جنس کی بنا پر فرق نہیں۔ یہ زبانیں نرم و شیریں ہوتی ہیں۔ ان کا ہر صوت رکن مصوتے پر ختم ہوتا ہے۔ بعض زبانوں میں سُر بھی ہیں لیکن اُن کی معنوی قدر نہیں۔

اس خاندان کی سب سے اہم زبان سواحلی ہے جو وسطی افریقہ کے پورے ساحل پر سمجھی جاتی ہے۔ اس میں ادب بھی ہے اور یہ اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ حکومتِ ہند کے سفارتی افسر اس زبان کو سیکھتے ہیں۔ پہلے یہ عربی خط میں لکھی جاتی تھی، اب رومن میں لکھی جانے لگی ہے۔ قدیم بانتو لوک گیتوں اور لوک کہانیوں کے مجموعے تیار کیے گئے ہیں۔

جنوبی مشرقی گروہ (پرتگالی افریقہ) کی زبانوں میں ہونٹ ٹاٹ سے چٹکار آوازیں در آگئی ہیں۔ یورپیوں نے سب سے پہلے کافر یا خوسا زبان کا مطالعہ کیا۔ اسی سے ملتی جلتی زولو زبان ہے۔ زولو جنگ جوؤں کی وجہ سے زولو زبان کی بھی اہمیت ہے۔ مغربی افریقی بانتو گروہ بحرِ اوقیانوس کی خلیج گنی سے لے کر مشرق میں سودان تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ ایک ملا جلا گروہ ہے۔ یہ یا تو کسی اور زبان پر بانتو زبان کی فوق سطح ہے یا زیر سطح ہے کچھ واضح نہیں۔ اس لیے اس علاقے کی زبانوں کو بانتو کی جگہ بانتوئی (Bantuid) کہتے ہیں۔

سودان گروہ

یہ گروہ خطِ استوا کے اوپر مغرب سے مشرق تک پھیلا ہوا ہے۔ اس گروہ میں بھی زبانوں کی گروہ بندی میں بہت سے اختلافات ہیں۔ ڈیل فوس (Delfosse) کے مطابق سودانی گنی خاندان اور بانتو خاندان مل کر ایک بڑا حبشی افریقی خاندان ہیں جب کہ

حامی خاندان حبشی نہیں۔ ان میں کچھ مماثلتیں ہیں۔ سوڈانی گنی خاندان کا خلفشار بھی دائرہ تنظیم میں آسکتا ہے اگر اس میں 16 خاندان مانے جائیں جو 435 زبانوں پر مشتمل ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

(1) نیل چاڈ 30 زبانیں۔ (2) نیل ابی سینیائی 15۔ (3) نیل استوائی 26۔
(4) Kalodoganzan 10۔ (5) نیل کانگوئی 19۔ (6) Bangi 25
(7) شاری وادی 12۔ (8) شاری 15۔ (9) نائجر چاڈ 31۔ (10) نائجر کیمرون 36۔
(11) نشیبی نائجر 1۔ (12) وولٹائی 53۔ (13) Coast Dahom 48۔
(14) نائجر سینی گال 36 (15) Ivory Coast Libyan 34 (16) سینی گال گنی 24۔

ان کی میزان 415 آتی ہے۔ کہیں کوئی فرق رہ گیا۔ ان میں ہوسا کو نویں خاندان نائجر چاڈ میں رکھا ہے لیکن بعض کے نزدیک یہ الگ ہے یا بانتو یا حامی اکادی سے ہم نسب ہے۔ Drexel کے مطابق سوڈانی گروہ میں صرف 175 زبانیں ہیں۔ بعض دوسرے ہوسا کے علاوہ محض چھ خاندان مانتے ہیں۔ ہوسا کسی خاندان کی نہیں گویا اس سمیت کُل سات خاندان ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

(1) ڈِلے زبانیں (2) مان فو زبانیں جن میں ایو رد Surhil بھی شامل ہے۔
(3) Ngo Nke زبانیں۔ (4) کنوری زبانیں (5) نلوئی زبانیں (6) بانتوئی زبانیں (7) ہوسا۔

اِن میں سب سے اہم زبان ایو ہے جو مرکزی گروہ کی ہے۔ اس میں حال میں تحریر کا رواج ہوا ہے اور ادب کی تخلیق بھی ہوئی۔ اسی کے ذریعے تجارتی کاروبار بھی ہوتا ہے۔ اس کے تمام الفاظ یک رکنی مادّوں سے ماخوذ ہیں۔ یہ خطی مادّے ایک مصمتے اور اس کے بعد مصوتے پر مشتمل ہوتے ہیں۔ نلوئی خاندان میں دو زبانیں قابل ذکر ہیں پہلی Nubian جو آٹھویں اور گیارھویں صدی عیسوی کے بیچ پیدا ہوئی اور اہم ہے۔ دوسری مسائی کچھ ایسی ملی جُلی ہے کہ بعض علما اسے حامی قرار دیتے ہیں۔ بان توئی زبانیں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے بانتو زبانوں سے متعلق ہیں اور غالباً بانتو زبانوں کی کوئی قدیم منزل پیش کرتی ہے یہیں سے بانتو لوگ انتقال کرکے جنوب مشرق گئے ہوں گے۔ ہوسا وسطی افریقہ کی عام زبان ہے۔ اس کی بھی صحیح شناخت نہیں ہو سکی۔ بعض نے اسے مخلوط حامی زبان سمجھا تھا۔ تجارت کی زبان ہونے کی وجہ سے یہ مغربی اور وسطی سوڈان کے علاوہ عرب افریقہ کے تمام شہروں میں بھی سننے میں آتی ہے۔

یہ زبانیں غیر ترکیبی ہیں۔ مگر انھیں بہت بھدی قسم کی امتزاجی منزل کا نمونہ قرار دیا تھا جن میں لاحقوں کی بجائے امدادی الفاظ ہیں جو برابر ہی رکھ دیے جاتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ انھیں امتزاجی کی بجائے غیر ترکیبی ہی مانا جائے۔ ان کی خصوصیات یہ ہیں۔

1- مادے یک رکنی ہوتے ہیں۔

2- چینی زبان کی طرح سر کی مدد سے الفاظ کی تعداد بڑھائی جاتی ہے۔

3- جنس نہیں ہوتی۔ جنس ظاہر کرنے کے لیے تذکیر یا تانیث ظاہر کرنے والے الفاظ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

4- جمع کا اظہار کرنے کے لیے ضمیر 'یہ'، 'یا'، 'لوگ'، وغیرہ کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات مصوتے کو کھینچ کر بھی جمع کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

5- حرفِ جار نہ ہونے کی وجہ سے مفہوم کئی چھوٹے چھوٹے جملوں میں ادا کیا جاتا ہے مثلاً یہ کہنا ہو کہ 'میں شہر کو جا رہا ہوں'، تو ذیل کے جملوں میں کہیں گے

'میں جاتا ہوں، شہر (اندر) پہنچتا ہوں'

6- اس زبان کا ایک اہم عنصر صوت نما یا تصویر نما مادے ہیں۔ یہاں کی مشہور زبان ایوی میں ان کی بڑی کثرت ہے مثلاً 'زو' کے معنی ہیں چلنا۔ اس مادے کے ساتھ متعدد تکراری فقرے لگائے جا سکتے ہیں جو اپنی اصوات ہی سے چلنے کی قسم کی صراحت کر دیتے ہیں مثلاً

زو کاکا : سیدھا سینہ تان کر چلنا

زو تیاتیا : تیز تیز چلنا

زو سی سی : چھوٹے آدمیوں کا ہلکے ہلکے قدم رکھ کر چلنا۔

حامی خاندان

حضرت نوح کے دو بیٹے سام اور حام تھے جن کے نام پر سامی اور حامی خاندان موسوم ہوئے۔ حامی خاندان سارے شمالی افریقہ میں پھیلا ہوا ہے۔ اصلاً یہ بحر روم کے ساحل کے ساتھ ساتھ تھا لیکن بعد میں اسے سامی نے پیچھے کی طرف دھکیل دیا۔ اس خاندان کی زبانیں خاص طور سے لیبیا، اتھوپیا، شمالیہ، شمالی کینیا اور چاڈ میں بولی جاتی ہیں لیکن کچھ قبیلے الجیریا، سوڈی ٹینیا اور سینیگال میں بھی حامی زبانیں بولتے ہیں۔ ان زبانوں نے وسط اور جنوب کی زبانوں کو بھی

متاثر کیا ہے۔ حامی خاندان کو گرین برگ نے سامی کا بھائی قرار دیا ہے اور دونوں کو ملا کر ایفریشیائی نام دیا ہے۔ گرے بھی انھیں ایک خاندان مانتا ہے۔

حامی خاندان کی کچھ زبانیں مرچکی ہیں کچھ زندہ ہیں۔ ذیل کے چارٹوں میں انھیں مختصراً درج کیا جاتا ہے۔

- معدوم حامی زبانیں
  - قدیم مصری — وسطی مصری — قبطی
  - قدیم لیبیائی
  - میریوتی
- جدید حامی زبانیں
  - لیبیائی یا بربر — پانچ زبانیں
  - کشتی یا اتھوپیائی
    - فرازی — تین گروہ
    - نشیبی — شمالی اور دوسری چار زبانیں

قدیم مصری حامی زبانوں میں سب سے اہم تھی۔ اس کا ادب ساڑھے تین ہزار برسوں پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے تین دور تھے۔

ا۔ قدیم 3400 ق م تا 2200 ق م۔ ب۔ وسطی 2200 ق م تا 1580 ق م۔ ج۔ جدید 1580 ق م تیسری صدی عیسوی۔ اس کے بعد اسے قبطی کہتے ہیں۔ اس کی کئی بولیاں تھیں اس کا ادب محض قبطی (Coptic) عیسائیوں کا دینی ادب ہے۔ تیسری صدی عیسوی میں قبطی زبان میں انجیل کا ترجمہ ہوا۔ دسویں صدی عیسوی کے قریب یہ ختم ہوگئی اور اس کی جگہ عربی نے لے لی لیکن قبطی عیسائیوں کے مذہبی صحیفوں میں اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ بعض علما نے قدیم مصری کو حامی کی بجائے سامی قرار دیا ہے۔ زیادہ صحیح یہ ہوگا کہ اسے حامی اور سامی کے بیچ کا پُل کہا جائے۔

قدیم لیبیائی کسی سو چٹانوں کے کتبات پر ملی ہے جو سب کے سب نہیں پڑھے جاسکے۔ سب سے قدیم چوتھی صدی ق م کے ہیں۔ قدیم لیبیائی کے الفاظ جدید بربر زبانوں میں ملتے ہیں جو الجیریا، تیونس، مراقش، ریگستانِ صحرا، موری ٹینیا اور سینی گال میں بولی جاتی ہیں۔ مغرب کے کناری جزیروں

میں بھی ایک حامی زبان بولی جاتی تھی جو سترھویں صدی میں ختم ہوگئی۔

جدید بربر بولیاں دراصل زبانیں ہیں جو ایک دوسری کے بولنے والے کے لیے ناقابل فہم ہیں۔ یہ دو گروہوں میں ہیں۔ بربر گروہ میں صرف ایک زبان شلوح بارھویں صدی عیسوی میں تحریر کی منزل تک پہنچی۔ اب اس کے اٹھارویں صدی ہی کے متون ملتے ہیں۔ کشتی زبانوں میں نشیبی اور فرازی علاقوں کے گروہ ہیں۔ نشیبی کی سب سے اہم زبان شمالی ہے جو شمالیہ کے مشرق زاویے میں بولی جاتی ہے۔ فرازی کی سب سے اہم زبان کھامیر ہے جو ابی سینیا کے پہاڑوں میں رائج ہے۔ انیسویں صدی کے نصف آخر سے پہلے ان زبانوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ حامی زبانوں کی خصوصیات یہ ہیں۔

1۔ یہ سب تصریفی زبانیں ہیں۔ ان میں سابقے اور لاحقے دونوں آتے ہیں۔ اسم میں عموماً لاحقے جب کہ فعل میں دونوں۔ سامی کی طرح بعض اوقات وسطیے کے اضافے سے تصریف کی جاتی ہے۔ کبھی تکرار سے بھی مشتق صیغہ بناتے ہیں۔

2۔ زمانے (Aspect) میں زیادہ تر تمام اور ناتمام کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

3۔ جنس سچ مچ کی تذکیر و تانیث پر مبنی نہیں بلکہ قواعدی ہے یعنی جانوروں اور بے جان چیزوں میں بڑے اور مضبوط ارکان مذکر ہیں اور چھوٹے اور نرم مونث مثلاً تلوار، لمبی کھردری گھاس، بڑی چٹان، ہاتھی مذکر ہیں اور چاقو، چھوٹی نرم گھاس، پتھر، خرگوش مونث ہیں۔ جنس ظاہر کرنے والے چپیوں میں مذکر چپیے عموماً ک سے اور مونث ت سے شروع ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ عربی میں آخری ت تانیث کی نشانی ہے۔

4۔ جمع بنانے کے کئی قاعدے ہیں جن میں ایک خاص قسم کی جمع بھی شامل ہے جس میں انبوہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اصل مادہ جمع کا ہوتا ہے۔ اس میں لاحقہ لگا کر واحد حاصل کرتے ہیں۔ کسی اور لاحقے سے انبوہ، ڈھیر والی جمع بنتی ہے مثلاً اتھوپیائی کی کھامیر میں

لس : کئی آنسو (جمع) ۔ لِسا : آنسو (واحد)۔ لِسے : آنسوؤں کا سیلاب

بل : پتنگے (جمع) ۔ بلا : پتنگا (واحد)۔ بلے : پتنگوں کا دَل

5۔ سب سے عجیب خاصہ انتہائیت کا قانون (law of Polarity) ہے جو سوڈانی خاندان کی بانتوئی زبان فل یا پلا میں بھی ملتا ہے۔ لفظ کی جمع بنانے پر جنس بھی بدل

جاتی ہے۔ اصلاً یہاں دو جنسیں رہی ہوں گی: اشخاص اور اشیا یعنی مشترک جنس اور غیر ذی روح جنس۔ بعد میں ایک دوسرا فرق داخل ہوا۔ ایک طرف قوی اور فعال شے ہے اس کے بالمقابل کمزور اور انفعالی۔ آخر میں جنس مذکر اور مونث کی شکل اختیار کر گئی۔ اس طرح جب واحد سے جمع بنائی جاتی ہے تو قبائلی ذہن قوت، عمل اور جنس کا فرق بھی ساتھ لے آتا ہے۔ شمالی زبان سے یہ مثالیں ملاحظہ ہوں

ہویودی : ماں (واحد مونث) ہویو ان کِ : مائیں (جمع مذکر)

لیاہسر : شیر (واحد مذکر) لیاہیودی : کئی شیر (جمع مونث)

عربی میں بھی تو مونث لفظ جمع بننے پر مذکر ہو جاتا ہے۔ اردو میں خصوصیات، افواج وغیرہ کو مذکر لکھنے والوں کی کمی نہیں۔

افریقی زبانوں کے خاندانوں کی صحیح حد بندی نہیں ہو سکی ہے۔ کئی زبانیں ایسی ہیں جنھیں بعض علما ایک گروہ میں رکھتے ہیں بعض دوسرے میں خاص طور سے چار زبانوں کی صورتِ حال غیر واضح ہے (1) ہائیں ٹاٹ یا 'ناما' (2) مسائی (3) ہوسا (4) فُل یا پُلا

ناما بولنے والے قدیم زمانے میں بہت شمال سے جنوب گئے۔ مسائی بولنے والے قبیلے اپنے مویشیوں کو لیے دور دور تک پھرتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے اُن کی زبانیں بہت مخلوط ہو گئی ہیں۔ یہ سوڈانی خاندان کی ہے لیکن بعض علما اسے حامی قرار دیتے ہیں۔ سوڈانی ہی کے تحت فُلا زبان ہے جو بانتوئی ہے اور ہوسا سب سے الگ ہے۔ لوک ادب کا مطالعہ کیا جائے تو ان زبانوں کے بولنے والوں کے ایک مقام سے دوسرے پر انتقال کی تفصیلات معلوم ہو سکتی ہیں۔

افریقہ کی سامی زبانیں:۔ یہ شمالی افریقہ کے ممالک میں بولی جاتی ہیں۔ اتھوپیا کی زبان امری بھی سامی ہے۔ اس خاندان کی تفصیلات یوریشیائی کے تحت درج کی جائیں گی جہاں یہ دوسرا اہم لسانی خاندان ہے۔

یوریشیائی خطّہ

یورپ اور ایشیا میں زبانوں کے 9 خاندان ہیں اور ان کے علاوہ کچھ غیر متعین یا

ناوابستہ زبانیں ہیں۔ ہم اُن پر اس ترتیب سے نظر کریں گے۔
(1) سامی خاندان (2) شمالی خطے کی زبانیں (3) یورال خاندان (4) التائی خاندان (5) کاکیشی یا قافی خاندان (6) تبت چینی خاندان (7) آسٹرک خاندان (8) دراوڑی خاندان (9) ہند حتی یا ہند یورپی خاندان (10) غیر متعین اور ناوابستہ زبانیں۔

(1) خاندان

چونکہ افریقی خطے کے سلسلے میں سامی خاندان کا نام آچکا ہے اس لیے یوریشیا میں سب سے پہلے ہم اسی کو لیتے ہیں۔
روایتاً حضرت نوح کے دو بیٹے سام اور حام تھے جن کے نام پر زبانوں کے یہ خاندان سامی اور حامی رائج ہوئے۔ اس روایت کے مطابق یہ دونوں زبانیں ہم ماخذ ہو جاتی ہیں لیکن اس کی تردید خود اس روایت میں موجود ہے۔ دو بھائیوں کی زبانیں مختلف نہیں ہوا کرتیں۔ سامی زبانوں کی تقابلی قواعد کا مصنف" اولیری (O'leary) کہتا ہے کہ سامی گروہ ایک بہت بڑے حامی خاندان کا فرد ہے۔ پیرس میں 1931 میں ایک حامی سامی لسانیاتی سوسائٹی
Groupe linguistique d'etudes Chamito
- semitiques.
قائم کی گئی ہے جو ان زبانوں کا مطالعہ کرتی ہے۔
حامی زبانوں میں سامی کی سب سے بڑی خصوصیت سہ مصمتی مادّے مفقود ہیں۔ اس اختلاف کے ساتھ ساتھ کچھ مشابہتیں بھی ہیں۔

1. دونوں دروں تصریفی ہیں گو اُن میں ابتدا اور آخر میں بھی چسپیے لگتے ہیں۔
2. دونوں کے فعل میں زمانے کا فرق بنیادی طور سے تمام و ناتمام کا ہے۔
3. دونوں میں اسم کی جمع کے لاحقے ایک ماخذ کے معلوم ہوتے ہیں۔
4. دونوں میں جنس کا فرق نر مادہ پر مبنی نہیں بلکہ بسا اوقات قواعدی ہے۔
5. دونوں میں کسی نہ کسی شکل میں (ت) تانیث کی نشانی ہے۔
6. دونوں کے ضمائر بالیقین ایک ہی اصل کے ہیں۔

ضمیر کسی زبان کے بنیادی اور مستحکم اجزا میں ہوتے ہیں اس لیے ان کی مماثلت کو نظرانداز

نہیں کیا جاسکتا۔

ممکن ہے افریقی بانتو گروہ قدیم مصری سے متعلق رہا ہو اور اس کی معرفت حامی سامی سے تعلق رکھتا ہو۔ بعض نے حامی سامی کا باسک (Basque) سے رشتہ جوڑنا چاہا ہے لیکن یہ بعید از امکان ہے 1924 میں پیرس میں A. Cuny نے حامی سامی اور ہند یورپی خاندانوں کے تعلق پر ایک کتاب لکھی۔ سامی اور ہند یورپی خاندانوں میں گہرا رابطہ ہے۔ دونوں کی اقوام اور افراد نے ایک دوسرے کو کافی متاثر کیا ہے۔ اگر یہ دونوں ایک ہی ماخذ سے نکلے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ قبلِ تاریخی دور میں ہوا ہوگا اور اس کا مقام مغربی ایشیا میں رہا ہوگا۔ فی الحال سامی اور ہند یورپی میں ایسے بنیادی اختلافات ہیں جن کی بنا پر ان کا مشترک ماخذ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ سامی زبان کی خصوصیات سے ان اختلافات کا اندازہ ہوگا۔

سامیوں کے اصل وطن کے بارے میں آریوں کے وطن کی طرح اختلافِ رائے ہے۔ حامی سامی کے تعلق کو دیکھ کر سوچتا ہے کہ ان کا اصل وطن شمالی افریقہ بالخصوص مصر رہا ہوگا لیکن اب بیشتر علماء عرب کو ان کا وطن ماننے لگے ہیں۔ وہاں سے وہ موج در موج باہر گئے۔ سب سے پہلے اکادی تھے جو 3000 ق م میں دجلہ و فرات کے سنگم تک پہنچ گئے۔ ان کے بعد 2500 ق م میں آرامی شام تک گئے۔ 1400 ق م میں کنعانی فلسطین گئے اور عیسوی دور سے کچھ صدیاں قبل ابی سینیائی حبشہ میں گئے۔

سامی زبانوں کی اہم خصوصیات یہ ہیں۔

1۔ مادّے تین مصمتوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔

2۔ تصریف داخلی ہے یعنی اس میں مصوتی وسطیے اہم ہیں۔ اس سے انکار نہیں کہ سابقے اور لاحقے بھی آتے ہیں لیکن وسطیوں کا وجود سامی کی منفرد خصوصیت ہے۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ عربی مشتق کے مصمتوں یا مصوتوں کو ہر جگہ وسطیے سابقے اور لاحقے میں نہ توڑا جائے بلکہ ان سب کو ایک مکسر مارفیم مانا جائے مثلاً ''متقابلہ'' میں بظاہر مادّہ ق ب ل پر ایک سابقہ م (، دو وسطیے آ اور ِ اور ایک لاحقہ آ لگایا گیا ہے۔

mu qa bi la

حقیقت یہ ہے کہ / mu -a-i-a / ایک مکسر یا شکستہ مارفیم ہے اور بس۔ اس کو

تین چسپیوں میں توڑنے کی بجائے ایک ہی چسپیہ کیوں نہ قرار دیا جائے۔

3- سابقوں اور لاحقوں کا فائدہ محض صرفی نہیں نحوی بھی ہوتا ہے۔ فعل کے اتمام کو لاحقے سے اور نا تمام کو سابقے سے ظاہر کرتے ہیں مثلاً

کَتَبَتَ : اس (عورت) نے لکھا　　　تکتبُ : وہ لکھتی ہے

کتبنا : ہم نے لکھا　　　نکتبُ : ہم لکھتے ہیں

ہند یورپی سابقے سے کسی قسم کا قواعدی روپ منصرف نہیں ہوتا

4- حامی اور ہند یورپی کی طرح سامی میں بھی قواعدی جنس ملتی ہے۔ قواعدی جنس اسے کہتے ہیں جس کا نر اور مادہ سے کوئی تعلق نہ ہو مثلاً عربی میں فوج مونث اور افواج مذکر ہے۔

ہند یورپی میں قواعدی جنس کی مثالیں دیکھیے

مذکر : طوطا، چیتا، گینڈا، بچھو، بھونرا، تخت، غصہ، رنج، آسمان، پیشاب، تھوک وغیرہ۔

مونث : چیل، کوئل، مکھی، کرسی، خوشی، نفرت، زمین، قے۔

ایک ہی شے کی مختلف جنس ملاحظہ ہوں۔

ا- ٹٹی پڑی ہوئی ہے ، پا خانہ پڑا ہوا ہے۔

ب- شوہر کا پیار، شوہر کا عشق، شوہر کی چاہ، شوہر کی محبت، شوہر کی الفت۔

ج- میرا کرتا، میری قمیض

د- میرا تہمد، میری لنگی

ھ- لکڑی کا تخت، لکڑی کی چوکی

یہ قواعدی جنس نہیں تو اور کیا ہے۔ بعض مفکرین قواعدی جنس کو حامی، سامی اور ہند یورپی کے مشترک ماخذ کی دلیل مانتے ہیں۔

5- سامی میں اسم کی محض تین حالتیں ہیں جو لاحقوں سے واضح طور پر ادا کر دی جاتی ہیں۔

6- ضمیر اضافی اور ضمیرِ مفعولی کو فعل میں ملا دیا جاتا ہے مثلاً

محترمی : میرے محترم　　　الٰہی : میرا اِلٰہ

ضربنی : اس نے مجھے مارا

7- اس میں سچے مرکب نہیں ہوتے۔ اضافت وغیرہ کی بات دوسری ہے۔ دو الفاظ کو پاس

پاس رکھ کر گہرا اور قریبی مرکب نہیں بنتا۔ ہند یورپی کے نکھٹو، ادھمرا، کنکٹا، ذلتی والی بات عربی میں کہاں۔

صورت ظاہر کرنے والے لاحقوں کے ساتھ قدیم الایام ہی سے سامی میں کچھ امدادی اجزا اور جوڑے جاتے تھے تاکہ نحوی رشتہ واضح ہو سکے۔ صورت کے یہ لاحقے امتدادِ زمانہ سے گھس گئے۔ اس طرح زبان تحلیلی ہوتی جا رہی ہے۔ عربی کے مقابلے میں جدید عبرانی میں یہ زیادہ ہوا ہے۔

سامی خاندان کی زبانوں کا اصول یہ ہے کہ لفظ میں مصمتے بنیادی خیال اور مصوتے نحوی رشتہ فراہم کرتے ہیں۔ اس اصول اور مختلف صیغوں کے مقررہ اوزان نے ان زبانوں کو بڑا استحکام عطا کیا ہے۔ اس کی وجہ سے مختلف سامی زبانوں میں کافی قرب اور مشابہت ہے۔

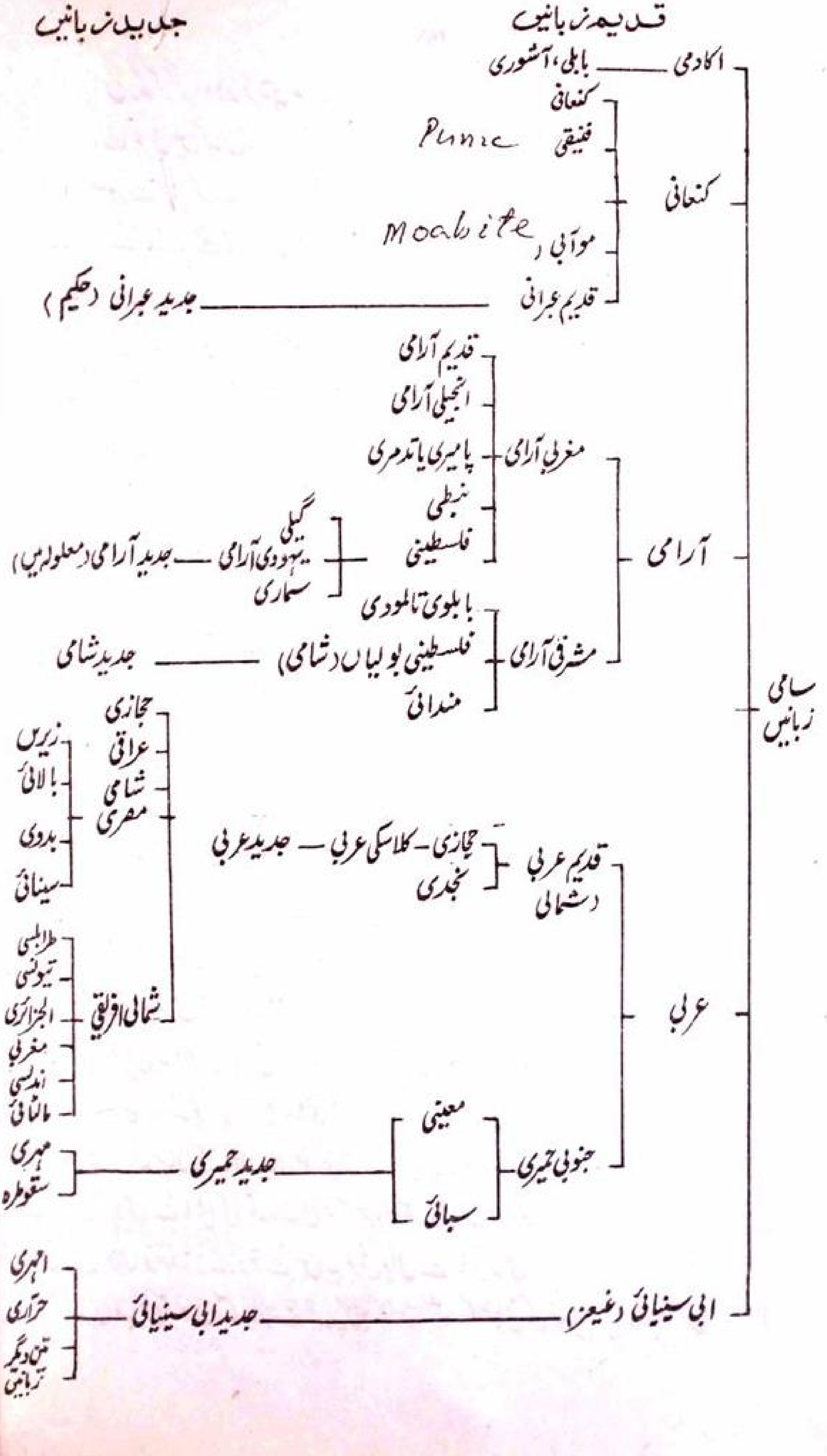
سامی خط میں مصوتوں کی نمائندگی نہایت ناقص ہے۔ اعراب کو نہ لکھنے کی وجہ سے قدیم سامی الفاظ کے مصوتوں کی جان کاری مشکل ہے۔

سامی زبانوں کی تقسیم اگلے صفحے کے چارٹ میں پیش کی جاتی ہے۔

موجودہ عراق کے علاقے میں 4000 ق م کے قریب سمیری قوم آباد تھی جو غیر سامی تھی۔ شمالی عراق کو اکاد کہتے تھے۔ وہاں ایک سامی قوم آباد ہوئی جسے اکادی کہا جاتا ہے۔ بعد میں اکادیوں نے سمیریوں کو تسخیر کر لیا۔ اکادی زبان کا تحریروں میں بہت سے نقش سمیری کے ہوتے ہیں۔ جنھیں اکادی نام سے پڑھا جاتا ہے۔ پھر وسطی عرب سے کوئی قبیلے آئے اور انھوں نے اکادیوں کو فتح کر کے بابل حکومت اور بابل شہر کی بنا ڈالی۔ بابل بھی شمالی عراق میں تھا بعد میں عرب سے کوئی اور قبیلے آئے اور انھوں نے بابلیوں کو تسخیر کر لیا۔ یہ لوگ وادیِ دجلہ و فرات کے اور شمال میں چلے گئے اور آشوری (Assyrian) حکومت کی بنا ڈالی۔ اس حکومت کا مرکزی شہر نینوا تھا۔

قدیم ترین سامی زبان اکادی ہے جس کے کتبے 2800 ق م کے ملتے ہیں 2400 ق م کے بعد سے یہ علاقہ پوری طرح سامی ہو گیا۔ گو سمیری زبان بھی مذہبی کاموں کے لیے باقی رہی۔ 1900 ق م میں یہاں کی زبان بابلی ہو گئی اور ان کے شمال میں آشوری تھے۔ آٹھویں صدی ق م میں آرامی نے بابلی کی جگہ لے لی گو آخرالذکر دارائے اعظم کے عہد تک تجارت میں استعمال ہوتی رہی۔ دارا و سکندر کے وقت میں یہ بول چال سے جاتی رہی۔

سامی قبائل کنعان کے علاقے میں پہنچ کر بس گئے۔ کنعانی کی قدیم ترین تحریر تل الامرنا


قدیم زبانیں
جدید زبانیں
سامی زبانیں
اکادی
بابلی، آشوری
کنعانی
کنعانی
فنیقی
Phoenic
موآبی
Moabite
قدیم عبرانی
جدید عبرانی (حکیم)
آرامی
مغربی آرامی
قدیم آرامی
انجیلی آرامی
پامیری یا تدمری
نبطی
فلسطینی
گیلی
یہودی آرامی
سماری
جدید آرامی (معلولا میں)
مشرقی آرامی
بابلوی تالمودی
فلسطینی بولیاں (شامی)
جدید شامی
مندائی
عرب
قدیم عرب (شمالی)
حجازی - کلاسکی عرب
جدید عرب
نجدی
حجازی
عراقی
شامی
مصری
زیریں
بالائی
بدوی
سینائی
شمالی افریقی
طرابلسی
تیونسی
الجزائری
مغربی
اندلسی
مالٹائی
جنوبی حمیری
معینی
سبائی
جدید حمیری
مہری
سقوطرہ
ابی سینیائی (غیعز)
جدید ابی سینیائی
امہری
حراری
تین دیگر زبانیں

کے خط ہیں جو پندرھویں صدی ق م کے ہیں۔ اس کے بعد راش شامرہ کے کتبے شمالی شام کے ساحل سے ملے۔ یہ چودھویں صدی ق م کے ہیں بعض کا خیال ہے کہ فنیقی زبان کنعانی سے نکلی۔ یہ لوگ جزیرۂ کریٹ سے آ کر مصر کے علاقے میں بسے اور مشہور شہر قرطاجن (carthage) کی بنا ڈالی۔ فنیقی کے کتبے تیرھویں صدی ق م سے ملتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر متون پانچویں اور دوسری صدی ق م کے ہیں یہ عبرانی سے مماثل ہے۔ فنیقی کی مشرقی شاخ اصل فنیقی ہے جس کے تین دور ہیں۔
(1) قدیم تیرھویں تا نویں صدی ق م (2) وسطی آٹھویں تا چھٹی صدی ق م (3) جدید پانچویں صدی ق م تا مولودِ مسیح۔

مغربی شاخ پیونی ہے جو مصر کے شہر قرطاجن میں ارتقا پذیر ہوئی۔ اس پر حامی کا بھی اثر تھا۔ اس کے دو ادوار ہیں (1) قدیم پیونی پانچویں صدی ق م تا 146 (2) جدید 146 سے چھٹی عیسوی تک

موآبی کا محض ایک 34 سطری کتبہ ہے جو 930 ق م کے قریب کا ہے۔ کنعانی زبانوں میں عبرانی سب سے اہم ہے۔ یہ غالباً 1100 ق م یا اس سے پہلے رائج ہوئی توریت عبرانی زبان ہی میں ہے اور اس کی ترتیب کا زمانہ 800 ق م کے قریب کا ہے۔ کلاسکی عبرانی کا رواج 600 ق م یا چوتھی صدی ق م کے قریب تک رہا۔ ادھر حضرت ابراہیم یہودیوں کے کچھ خانہ بدوش قبیلوں کو 536 ق م میں فلسطین لے آئے لیکن وہاں کی زبان آرامی ہو گئی تھی۔ کلاسکی عبرانی آرامی کے اثر سے بہت ادبی ہو گئی یہاں تک کہ فلسطین کی زبان اس سے بالکل مختلف ہو گئی۔ قدیم عبرانی پہلی صدی عیسوی کے آخر تک کتابوں میں رائج رہی۔ جدید عبرانی کو حکیم کہتے ہیں جس کے معنی ہیں حکیموں کی زبان'۔ یہ کم از کم دوسری صدی عیسوی تک صورت پذیر ہو چکی تھی۔ عبرانی 'تالمودی عبرانی' کے طور پر ساتویں صدی تک زندہ رہی۔ اس صدی میں اسلام کے ظہور کے بعد یہ بالکل ختم ہو گئی۔ یہودیوں نے دنیا بھر میں منتشر ہونے کے باوجود عبرانی کو فراموش نہیں کیا۔ جرمنی میں عبرانی اور جرمن کے اختلاط سے ایک زبان Yiddish ظہور پذیر ہوئی جو بنیادی حیثیت سے جرمن ہی ہے۔ حکومت اسرائیل قائم ہونے کے بعد عبرانی بہت ترقی کر رہی ہے۔ یہ اسرائیل کی سرکاری زبان ہے لیکن کسی کی مادری زبان نہیں۔

آرامی:۔ آرامی اور عبرانی ملتی جلتی ہیں کہ قدیم زبانوں اور بولیوں کے لیے یہ طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ انھیں عبرانی کی شاخ قرار دیا جائے یا آرام کی۔ آرامی لوگ پہلے سامی ہیں

جو شام و فلسطین میں اسرائیلیوں سے بھی پہلے آباد ہوگئے تھے۔ بعد میں اسرائیلی دباؤ کی وجہ سے وہ شمالی کے پہاڑوں کی طرف بڑھ گئے۔ اس علاقے کو 'آرام' یا 'ارام' کہتے ہیں۔ فنیقی کے زوال کے بعد آرامی زبان سارے مغربی ایشیا اور مصر میں سیاست و تجارت کی زبان ہوگئی۔ آرامی کی دو شاخیں مغربی اور مشرقی ہیں۔

قدیم آرامی کتبے حمار اور سنجرلی کے ہیں جو آٹھویں صدی ق م کے اوائل کے ہیں۔ انجیل کے بعض حصے آرامی میں لکھے گئے۔ ان غیر عبرانی ابواب کی زبان کو انجیلی آرامی کہتے ہیں۔ تدمر یا پامیرا شام کا ایک شہر تھا۔ وہاں کا رسم خط تدمری کہلاتا ہے اور اُن کی بولی تدمری۔ اس کے کتبے پہلی صدی ق م تا تیسری صدی کے ملتے ہیں۔ نبطی کے کتبے آٹھویں صدی ق م تا چوتھی صدی عیسوی کے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کے وقت میں فلسطین اور گیلی لی شہر میں آرامی بولی جاتی تھی۔ خود حضرت عیسیٰ کی زبان گیلی لی تھی۔ عبرانی کے زوال کے بعد فلسطین میں آرامی ہی کا بول بالا تھا۔ بعد میں عربوں نے وہاں عربی رائج کر دی۔ یہودیوں میں جو آرامی رائج تھی اسے یہودی آرامی کہتے ہیں بعد میں اُن کی مذہبی کتاب تالمود اسی بولی میں لکھی گئی۔ ساتویں صدی میں عربوں نے فلسطین کے علاقے کو فتح کر لیا جس کے بعد آرامی بالکل ختم ہوگئی۔ لبنان کے چند دیہات میں سترھویں صدی تک باقی رہی۔ اب بھی مغربی آرامی لبنان کے ایک دو گاؤں (معلولہ) میں باقی ہے۔ سماری شاید اسرائیل کی اصل بولی تھی جو آرامی اثرات سے مسخ ہوگئی تھی۔ یہ تیسری چوتھی صدی عیسوی میں رائج تھی۔

مغربی آرامی زیادہ تر یہودیوں کی زبان ہے مشرقی آرامی عیسائیوں کی۔ اس کے کتبے اکادی علاقے میں نویں صدی ق م سے ملنے لگتے ہیں۔ اس کی بولیوں میں بابلی تالمودی یہودی بولی ہے جو چوتھی صدی عیسوی تا چھٹی صدی رائج تھی۔ شامی بولیوں کا ادب دوسری صدی عیسوی سے تیرھویں صدی تک ملتا ہے۔ پانچویں صدی میں یہ یعقوبی اور نسطوری میں بٹ گئی۔ جب یہ بول چال کی زبان نہیں رہی تو بھی ادب میں استعمال ہوتی رہی۔ مشرقی شامی کی تین بولیاں اب بھی بولی جاتی ہیں جن میں سے فلاحی موصل کے قریب رائج ہے۔ منداری فرات کے کنارے ساتویں سے نویں صدی تک بولی جاتی تھی۔ نحوی اعتبار تمام غیر یہودی آرامی بولیوں میں یہ سب سے اہم ہے۔

عربی:۔ عربوں کا دوسری زبان اور تہذیبوں سے رابطہ رہا ہے لیکن خود عربی باہر کے اثرات سے بہت کچھ مبرا رہی ہے۔ قرآن کی وجہ سے زبان خالص شکل میں رہ گئی۔ عربی کی دو

خاص نشانیں شمالی یا کلاسکی عربی اور صجری جمیدی ہیں شمالی عربی کے قدیم ترین کتبے لحیانی خط میں دوسری صدی ق م اور چھٹی صدی عیسوی کے بیچ کے ہیں۔ عربی کی قدیم بولیوں میں سے صرف مکّہ کی بولی حجازی باقی ہے لیکن نجد کی بولی زیادہ خالص اور بیرونی اثرات سے پاک ہے۔اب بھی یہ بدویوں کی زبان ہے۔

عراق کی عربی میں فرانسیسی، ترکی، فارسی اور اردو سے بہت الفاظ دخیل ہو گئے ہیں ۔ شام کی زبان میں بھی ترکی اور یونانی کے الفاظ ہیں لیکن یہاں کے فلّاحین (کسانوں) کی زبان عراقی سے نزدیک تر ہے۔ مصر کی عربی بقیہ ملکوں کی زبان سے مختلف ہے۔اسے مصری لہجہ کہتے ہیں۔شمالی افریقی بولیاں حامی بربر یا لیبیائی زبانوں سے متاثر ہیں اس لیے وہ شام اور مصر کی عربی سے بہت مختلف ہیں۔ان میں اندلسی معدوم بولی ہے جو آٹھویں صدی سے سولھویں صدی تک رائج رہی۔

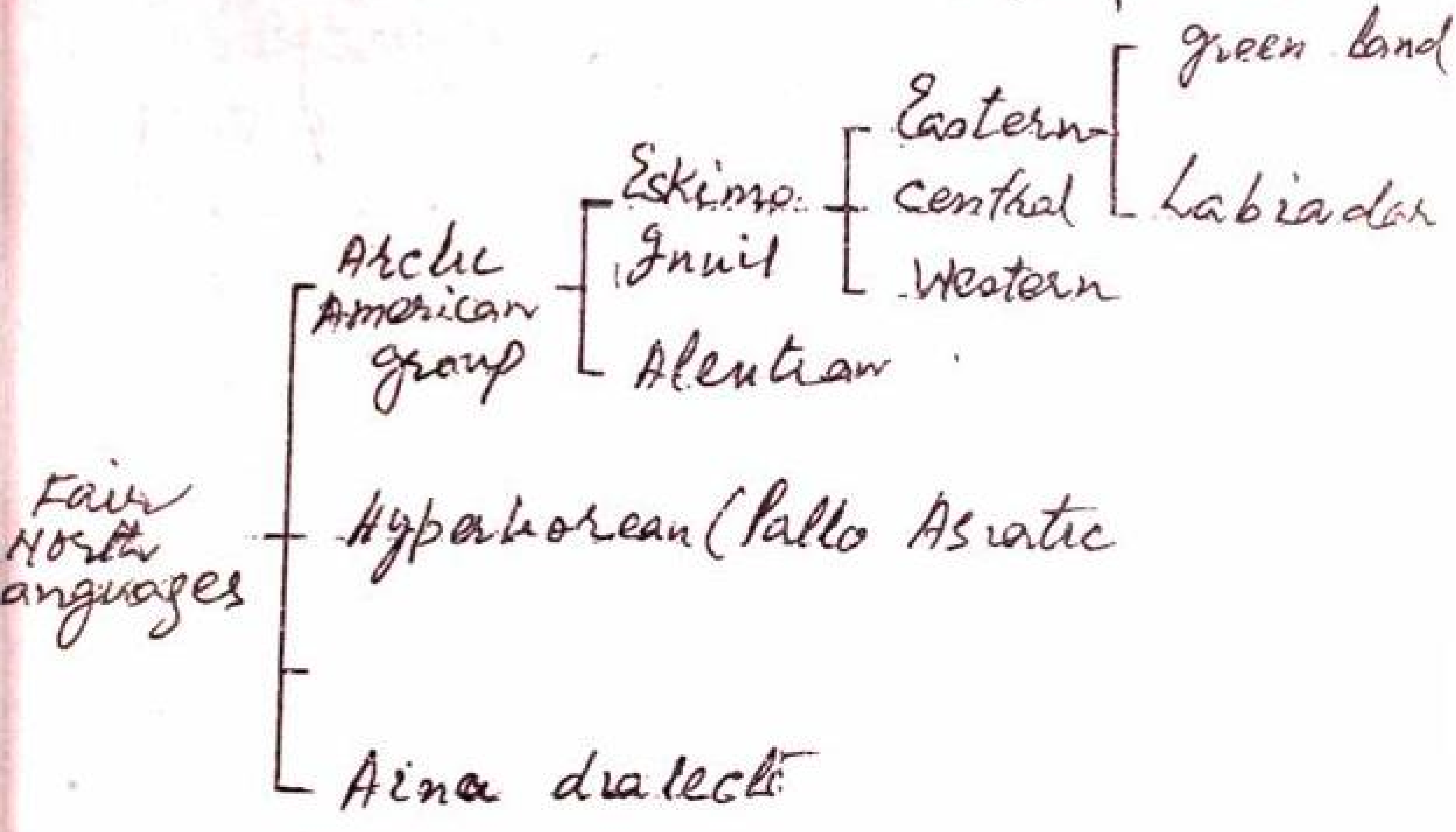
جنوبی عرب میں یمن میں تیرھویں صدی ق م میں معینی اور آٹھویں صدی ق م میں سبائی حکومت قائم ہوئی۔ 115 ق م میں حمیر والوں نے اہلِ سبا کو شکست دے کر حمیری حکومت قائم کی جو چوتھی صدی عیسوی تک رہی۔حمیری، معینی، سبائی ایک ہی زبان کی مختلف منزلیں یا بولیاں ہیں۔جنوبی عربی چھٹی صدی عیسوی تک رہی اس کی جدید بولیوں میں مہری اور سقوطری باقی ہیں۔

سامی لوگ چوتھی صدی ق م میں ابی سینیا میں داخل ہوئے۔ یہ لوگ شمال کے زرخیز میدانوں میں بس گئے۔چوتھی صدی عیسوی میں اُنھوں نے مسیحیت قبول کرلی چنانچہ ان کی زبان میں بہت سے قبطی اور یونانی الفاظ ہیں۔ابی سینیا کی قدیم زبان کو غیعز کہتے تھے۔ موجودہ زبانوں میں امہری معیاری ادبی ہے۔ یہ 1270 سے حکومت کی زبان رہی ہے۔ یہ بقیہ سامی زبانوں سے مختلف ہے کیونکہ یہ حامی زبان کے ڈھانچے پر قائم کی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

شمالی خطّے کی زبانیں

اسکیمو کناڈا کے شمال میں گرین لینڈ سے الاسکا تک پھیلے ہوئے ہیں۔یہیں سے وہ آبنائے بہرنگ پار کر کے سائبیریا کے شمال مشرق میں داخل ہوئے۔ان کی زبانوں میں گرین لینڈ کی اسکیمو زبان اہم ہے۔ یہ زیادہ تر مکمل شمولی ہے لیکن اب اس میں کچھ لاحقے بھی پیدا ہو گئے ہیں۔گرین لینڈ

ان کی تقسیم اس طرح ہے۔



میں علمی زبان ڈنمارک کی Damish ہے۔ دوسری اسکیمو زبان کناڈا کے شمال مشرقی جزیرہ نما لبراڈر کی ہے۔ اس کو رسم الخط دے دیا گیا ہے اور اس میں ادب کی تخلیق بھی ہونے لگی ہے۔

الاسکا کی جنوب مشرقی نوک سے سائبیریا کی طرف کو چھوٹے چھوٹے جزیروں کی ایک لائن چلی گئی ہے۔ انھیں Alentian جزیرے کہتے ہیں۔ ان کی زبان اسکیمو زبانوں کی دوسری شاخ ہے۔

ہائپر بوری زبانوں کو عتیق ایشیائی گروہ بھی کہتے ہیں۔ یہ سائبیریا کے شمالی مشرقی ساحل کے ساتھ بولی جاتی ہیں۔ معلوم نہیں ان میں آپس میں کوئی تعلق ہے یا یہ محض ایک جغرافیائی علاقہ ہے۔ اینو بولیاں جاپان کے شمال، شمالی جزیرہ سکھالین اور اس کے نواح میں بولی جاتی ہیں شاید یہ کبھی جاپان کی دیسی زبان تھی۔ جس طرح اینو اور ہائپر بوری کا تعلق واضح نہیں ہے اسی طرح ان دونوں کا اسکیموں زبانوں کا تعلق بھی مبہم ہے۔ گرے ان دونوں کو اسکیمو خاندان سے الگ مانتا ہے۔ بہت سے علما نے اسکیمو الیوت زبانوں کو التائی زبانوں سے ہم نسب مانا ہے لیکن نہ ان کا رشتہ ثابت کیا جاسکا ہے نہ اسے اب صحیح مانا جاتا ہے۔

یورال اور التائی خاندان

پہلے ان دونوں خاندانوں کو ایک سمجھا جاتا تھا اور تورانی یا Scythian نام دیا گیا تھا۔ اب انھیں الگ تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کا رشتہ حامی و سامی جیسا ہے۔ دونوں میں یہ باتیں مشترک ہیں۔

1۔ دونوں لاحقہ امتزاجی ہیں یعنی دونوں میں مادّے کے آخر میں کتنے ہی لاحقے جوڑے جاسکتے ہیں۔

2۔ دونوں خاندانوں کی ہر زبان میں ایک خصوصیت مصوتی ہم آہنگی "Vowel harmony" ہے یعنی مادّے میں جو مصوتہ ہوتا ہے لاحقہ اپنے مصوتے کو بدل کر اسی کے مطابق کر لیتا ہے مثلاً ترکی میں

اُد : مکان (واحد)	اُدکر : مکانات (جمع)
اَت : گھوڑا	آت لا : گھوڑے
تج ، تج مک : لکھنا	سیو ، سیومیک : پیار کرنا

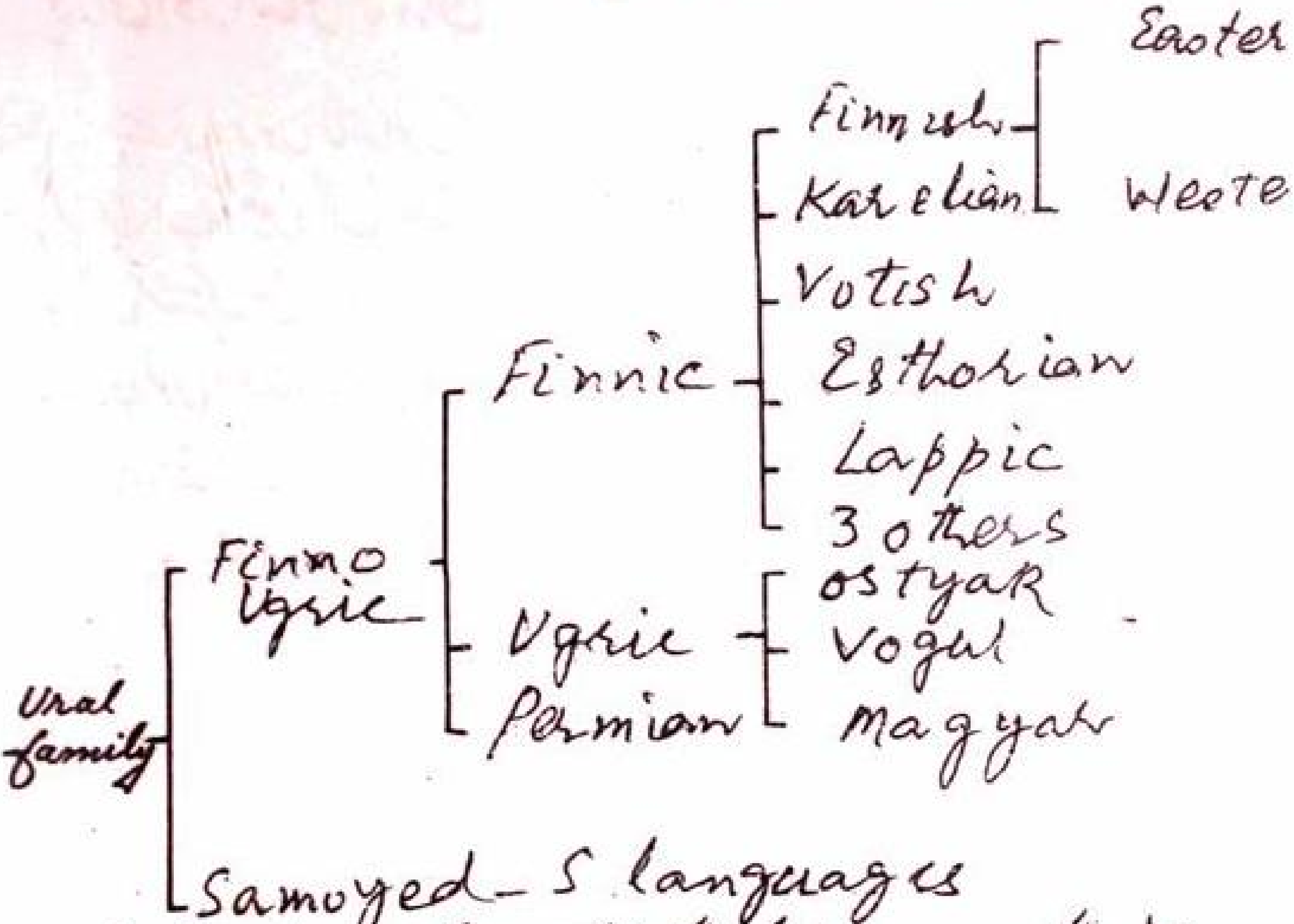
مصوتی ہم آہنگی کا یہ اشتراک دونوں خاندانوں کے ایک ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے لیکن یہ بعد کی پیداوار ہے۔

اشتراک کے ساتھ ساتھ دونوں خاندانوں کی زبانوں میں اہم فرق ہیں۔ دونوں کی تعریف بالکل مختلف ہے یورالی میں مشدد مصوتے بہ کثرت ہوتے ہیں جب کہ التائی میں بالکل نہیں ہوتے۔ دونوں خاندانوں میں خانہ بدوش قسم کے لوگ بہ کثرت ہیں۔ گھومتے پھرتے قبیلوں میں کافی میل جول ہوا جس کی وجہ سے دونوں کی زبانوں نے ایک دوسرے سے اثر لیا لیکن ہیں دونوں مختلف خاندان جنھوں نے یورال التائی کا سمیری سے تعلق قیاس کیا وہ بالکل بعید از امکان تھا۔ ذیل میں دونوں پر الگ الگ غور کیا جاتا ہے۔

یورال خاندان

ظاہر ہے کہ اس خاندان کا نام یورال پہاڑ کی وجہ سے پڑا ہے۔ اس لسانی خاندان کا وطن قاف کے شمال میں ہو سکتا ہے اور اس سے بھی زیادہ امکان وسطی والگا علاقے میں۔ بعض ماہرین نے یورالی کو ہند یورپی سے ملانا چاہا ہے اور بعض نے منڈا خاندان سے۔ دونوں تعلق بعید ہیں۔

ذیل کے چارٹ میں اس کی شاخیں دکھائی جاتی ہیں۔



وسطی والگا سے سب سے پہلے اگری لوگ نکل کر یورال گئے۔ مسیحی عہد کی ابتدا تک فنس (Finns) بالٹک کے کنارے پہنچ چکے تھے 900ء کے قریب یورال سے مگیار لوگ ہنگری پہنچے۔ ہنگری کی زبان اور ملک کو مگیار کہتے ہیں۔ اس کا قدیم ترین کتبہ ہنگری میں تیرھویں صدی کے اوائل کا ہے۔

فنواگری کی تین شاخیں ہیں۔ فن لینڈ کی زبان فنش کو 40 لاکھ آدمی بولتے ہیں۔ اس کا ادب تیرھویں صدی سے ملتا ہے۔ اس میں ایک قومی رزمیہ نظم کلے وَلا ہے۔

ایستھونیا کا ادب سولھویں صدی سے شروع ہوتا ہے۔ لیپ لینڈ کے lapp نسلی اعتبار سے مختلف ہیں۔ اصلاً وہ کوئی اور زبان بولتے تھے۔ بعد میں فن لینڈ والوں کے پڑوس کی وجہ سے ان کے خاندان کی زبان اختیار کرلی۔ یورال خاندان کی زبان میں مصوتی ہم آہنگی اب محض فنش اور لیپ زبانوں میں بچی ہے۔

اگری گروپ کی مگیار ہنگری میں ایک کروڑ تیس لاکھ آدمیوں کی زبان ہے۔ اگری کی دوسری زبانیں سائبیریا میں بولی جاتی ہیں۔ سیموئڈ زبانیں بھی سائبیریا کے شمالی حصے میں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔

اس خاندان میں اسم وضمیر کی حالتوں کی کثرت ہے۔ گمیار زبان میں 22 حالتیں ملتی ہیں جب کہ

لیپ میں محض آٹھ ہیں

التائی خاندان :۔ التائی پہاڑ منگولیا یعنی وسط ایشیا میں ہے جس کے نام پر ان زبانوں کو التائی کہا گیا۔ اس کی شاخیں ملاحظہ ہوں۔

- التائی زبانیں
  - ترکی
    - مغربی
      - کرغیز
      - چواش
      - دوسری دو زبانیں
    - جنوبی
      - عثمان لی (ترکی)
      - ترکمان
      - آذربائی جانی بولیاں
      - اناطولی
    - وسطی
      - کاشغری بولیاں
      - یارقندی بولیاں
      - ازبک
      - چغتائی وغیرہ
    - مشرقی
      - التائی ترکی
      - مزید چھ زبانیں
  - منگول
    - یاقوت
    - کالموک (مغربی منگول)
    - افغان منگول
    - بُریات (شمالی منگول)
    - مشرقی منگول
      - خانی
      - شارا
      - تنگوت
  - مانچو یا تنگز
    - مانچو
    - تنگزی بولیاں

چونکہ التائی زبانوں کے بولنے والے بہت گھومتے پھرتے رہے ہیں اس لیے ان کی زبان میں بہت تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ اُن کی زبانوں کی قدیم تاریخ معلوم نہیں۔ اس لیے پورے وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تینوں گروہ واقعی ایک خاندان ہیں۔ یہ زبانیں لاحقہ امتزاجی ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان میں سابقے یا وسطیے مفقود ہیں۔ اس خاندان کے سب سے پرانے کتبے جھیل بیکال کے جنوب ہیں کوک ترکی (834ء) کے ہیں سب قدیم ادبی تحریر 1069ء کی چغتائی میں ہے۔

مغربی شاخ کی چُواش باقی سب سے بہت مختلف ہے۔

منگول زبانوں میں عثمان لی سب سے اہم ہے۔ اس کو ترکی کہا جاتا ہے۔ اس کا ادب آٹھویں صدی سے ملتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری کسی منگول زبان کی تاریخ موجودہ ہزارے سے قبل نہیں ملتی۔

منگول گروہ کا قدیم ترین کتبہ بارھویں تیرھویں صدی کا ہے۔ یاقوت زبانیں شمالی مشرقی سائبیریا میں دریائے لینا کے کنارے بولی جاتی ہیں۔ یاقوت کو اکثر علما منگول گروہ میں شامل کرتے ہیں لیکن بعض ترکی خاندان میں رکھتے ہیں۔ یاقوت میں امتزاج سے ہٹ کر تصریفی عناصر اس کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ یہ ترکی سے ہٹ کر عبوری زبان معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہ ترکی خاندان سے متعلق ہو تو یاقوت اور چُواش جن میں کچھ مشابہت ہے ترکی گروہ کی نواحی بولیاں مانی جاسکتی ہیں۔ منگول زبان میں کالموک بہت بہت بڑے علاقے پر پھیلی ہوئی ہے یعنی جنوب میں تبت تک اور مغرب میں والگا تک۔ افغان منگول کابل اور ہرات کے بیچ بولی جاتی ہے۔ گرے اسے مشرقی منگول کی شاخ مانتا ہے، تارا پور والا اسے مشرقی سے الگ قرار دیتا ہے۔

منگول زبانوں کے بولنے والے بہت کم ہیں یعنی تیس لاکھ کے قریب۔ ان کا ادب اہم نہیں تیرھویں صدی سے چنگیز خاں کے بعد کچھ ترقی ہوئی۔

مانچو شاخ منچوریا سے متعلق ہے۔ اس کے بولنے والے بھی بہت کم ہیں۔ منگولی اور مانچو زبانیں چینی اور روسی کے دباؤ میں آرہی ہیں اس لیے اُن کا ارتقا نہیں ہو رہا ہے۔

بعض علما کوریائی کو اور کبھی کبھی جاپانی کو بھی التائی خاندان میں شامل کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ ان دونوں زبانوں کا رشتہ اور نسب دریافت نہیں ہوسکا ہے۔ بعض نے اسکیمو اور الیوت کو بھی ان سے متعلق کیا وہ بھی درست نہیں۔

کاکیشیائی یا قافی خاندان

اس خاندان کا تعلق کوہ قاف کے علاقے سے ہے جو روس کے جنوبی سرے پر بحرِ خزر (کیسپین) اور بحر اسود کے بیچ ہے۔ یہ پہاڑی علاقہ ہے جہاں مختلف حملہ آوروں سے بچ کر بھاگے ہوئے لوگ پناہ لیتے رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے یہاں زبانوں کی کثرت ہے اور ان زبانوں میں خاصا فرق بھی پایا جاتا ہے۔

روسی اسکالر M. J. Marr اور ایف بران نے ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے کہ قافی زبانیں ایک جافےٹک (Japhetic) خاندان کی باقیات ہیں۔ یہ خاندان ہند یورپی سے بہت پہلے یوریشیا میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ ایران کی ایلمی، عراق کی سمیری، اٹلی کی ایٹرسکن، فرانس و اسپین کی سرحد کی باسک نیز دوسری بحر رومی زبانوں سے ہم نسب تھا۔ اس خاندان کی بعض خصوصیات باسک، سامی زبانوں، ہند یورپی بالخصوص آرمینیائی شاخ میں ملتی ہیں۔ اس نظریے کی اشاعت کے لیے پیٹروگریڈ (اسٹالن گراڈ) میں 1922 میں جافےٹک سوسائٹی قائم کی گئی تھی۔ اس کے وکلا کے بیانات اتنے واضح اور مدلل نہیں کہ انھیں تسلیم کیا جا سکے۔ ان کے نظریے میں مارکسی عقیدے کا بھی رنگ ہے۔

قافی زبانوں کو ایک زمانے میں تصریفی سمجھ لیا گیا تھا لیکن یہ بالیقین امتزاجی ہیں جن میں سابقے اور لاحقے دونوں ملتے ہیں۔ بعض زبانوں میں امتزاجی لاحقے ایسے گھسے ہوئے ہیں کہ کم از کم فعل کی حد تک مادّے کی شناخت بھی مشکل ہوتی ہے۔ بعض بولیوں میں مفعولی ضمیر فعل میں شامل ہو کر آتا ہے جو جزوی شمولی کی خصوصیت ہے۔

اس خاندان کی دو شاخیں شمالی اور جنوبی ہیں۔ ان دونوں شاخوں کا نسبی تعلق قیاسی ہے ابھی تک دلائل سے ثابت نہیں ہو سکا ہے۔ ان زبانوں کی مشترک مورثِ اعلیٰ زبان کی تشکیل نہیں ہو پاتی۔ یہ اتنی مشکل زبانیں ہیں کہ انھیں خالص امتزاجی نہیں کہا جا سکتا مثلاً ایک زبان یا بولی کا نام کھسی کمک ہے۔ اس میں ایک مادہ ہے 'ائ': بنانا۔ اس کے حسب ذیل مشتقات ہیں۔

آر ، أو ، ائ سر ، أوند ، آند

---

1 Bloomfield Language P551

ان میں "ائی سر" کے علاوہ دوسرے روپوں میں مادہ 'ائی' کا کہیں پتہ ہی نہیں۔ سچی امتزاجی زبانوں کا یہ شیوہ نہیں ہوتا۔

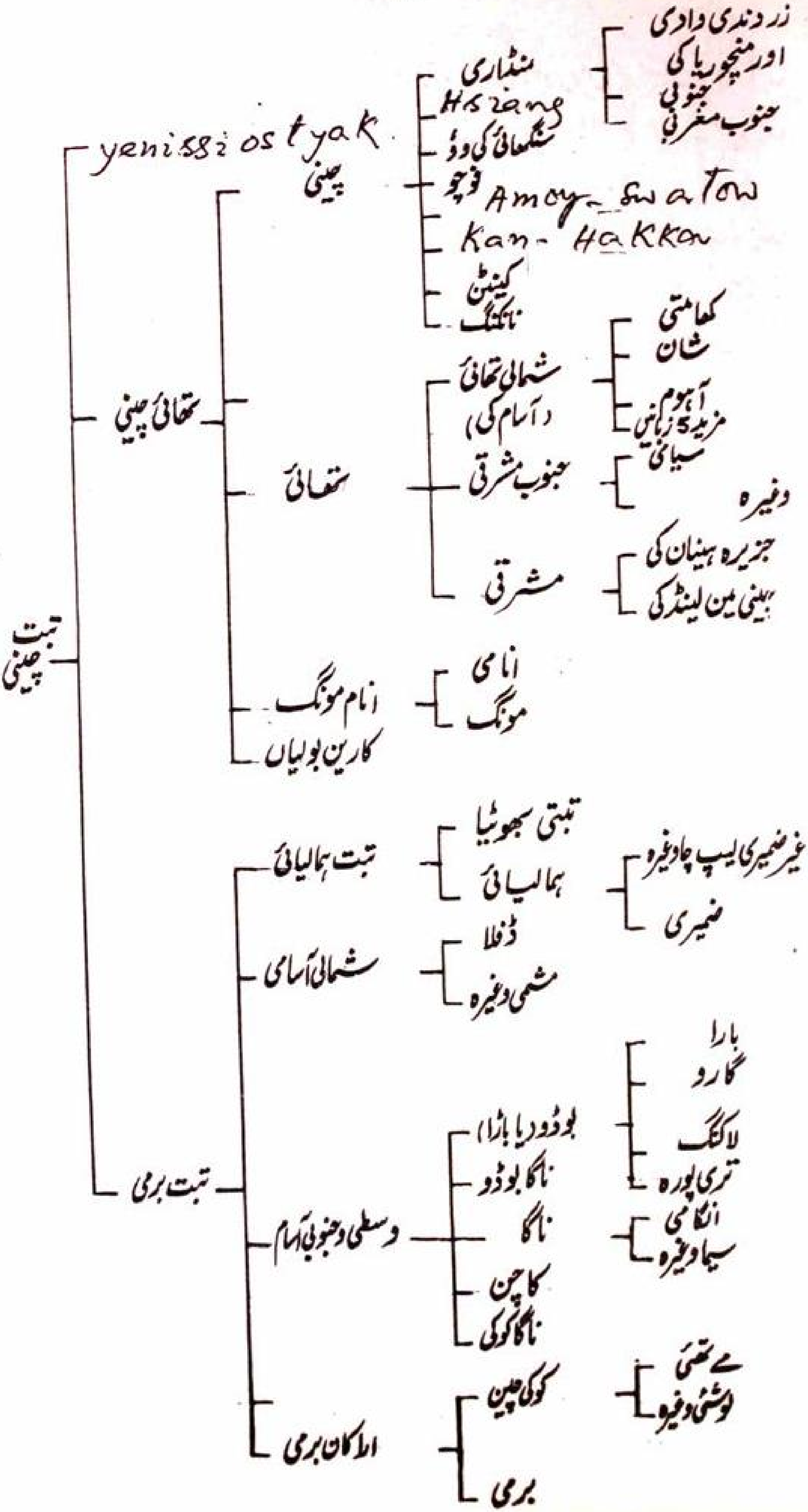
شمالی قافی کے پانچ لاکھ بولنے والے ہیں اور جنوبی قافی کے پندرہ لاکھ۔ شمالی شاخ کی زبانوں میں نہ تحریر ہے نہ ادب۔ ان کی بعض بولیوں کے بولنے والے روسی تسخیر کے بعد ترکی چلے گئے۔ شمالی شاخ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں مصمتے بہت زیادہ ہیں مصوتے کم مثلاً Avar زبان میں 43 مصمتے ہیں۔ ایک بولی chechenish میں جنس کی تعداد چھ تک ہے۔

جنوبی قافی میں سب سے اہم زبان جارجیائی ہے۔ یہ مشہور شہر تفلس کی بولی ہے۔ اس کا ادب پانچویں صدی سے ملتا ہے۔ اس زمانے میں بائبل کا ایک ترجمہ کیا گیا اس کے کچھ حصے موجود ہیں۔

تبت چینی خاندان

اس خاندان کے بولنے والے ہند یورپی کے بعد سب سے زیادہ ہیں۔ یہ چین، تبت، میگھالیا، ناگالینڈ، تری پورہ، برما، تھائی لینڈ پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کا بٹوارہ اگلے صفحے کے چارٹ سے واضح ہوگا۔

بعض علما نے قیاس کیا ہے کہ پورا تبت چینی گروہ التائی خاندان اور کسی جنوب مشرقی ایشیائی زبان کے میل سے بنا ہے لیکن یہ قیاس ابھی ثابت نہیں ہوا۔ اصل تبت چینی بلکہ اصل قدیم چینی تک کی باز تشکیل مشکل ہے۔ تبت چینی خاندان کی ایک چھوٹی شاخ ینی سی بولیاں اور دو بڑی شاخیں تھائی چینی اور تبت برمی ہیں۔ ینی سی اوسٹیاک زبان شمالی سائبیریا میں بولی جاتی ہے واضح ہو کہ یورال خاندان کی اُگرک شاخ کی ایک زبان کا نام بھی اوسٹیاک ہے۔ نیز یورال خاندان کی Samoyed کی ایک زبان کا نام ینی سی ہے جو اس علاقے کے پاس بولی جاتی ہے اور امتیاز کرنے کے لیے اسے ینی سی سیموائڈ کہتے ہیں۔ اتنے شمال میں تبت چینی زبان کا بولا جانا اس نظریے کو تقویت دیتا ہے کہ تھائی چینی اور تبت برمی دونوں گروہوں کا اصلی وطن شمال تھا جہاں سے وہ نیچے گئے ہیں۔


تبت چینی
yenissi ostyak
تھائی چینی
چینی
منڈاری
Hsiang
سنگھائی کی وو
فوچو
Amoy-swatow
Kan-Hakka
کینٹن
نانکنگ
زرد ندی وادی
اور منچوریا کی
جنوبی
جنوب مغربی
تھائی
شمالی تھائی
(آسام کی)
جنوب مشرقی
مشرقی
کھامتی
شان
آہوم
مزید زبانیں
سیامی
وغیرہ
جزیرہ ہینان کی
ہینی مین لینڈ کی
انام مونگ
انامی
مونگ
کارین بولیاں
تبت برمی
تبت ہمالیائی
تبتی بھوٹیا
ہمالیائی
غیر ضمیری لیپ چا وغیرہ
ضمیری
شمالی آسامی
ڈفلا
مشمی وغیرہ
وسطی و جنوبی آسام
بوڈو (یا بارا)
ناگا بوڈو
ناگا
کاچن
ناگا کوکی
بارا
گارو
لالنگ
تری پورہ
انگامی
سیما وغیرہ
اراکان برمی
کوکی چین
برمی
مے تھی
لوشئی وغیرہ

تھائی چینی اور تبت برمی کا علاقہ ان کے نام سے واضح ہو۔ آسام کے قبیلوں میں کچھ تھائی چینی زبانیں بولتے ہیں کچھ تبت برمی۔ انامی کو بعض منڈا میں اور موونگ (Muong) کو مون کھمیر میں شامل کرتے ہیں۔

یہ زبانیں یک رکنی مادوں پر مشتمل غیر ترکیبی ہیں۔ ان کی بہترین نمائندہ چینی ہے۔ ابتدا میں غالباً چینی لفظ زیادہ طویل تھے اور اُن میں چسپیے اور تصریف دونوں تھے لیکن نحت صوتی نے یہ غائب کر دیے۔ آہوم میں غیر صوت رکنی سابقے تھے اور بعض تبتی بولیوں میں صوت رکنی سابقے ہیں۔ معیاری تبتی میں غیر صوت رکنی سابقے ب، و وغیرہ ہیں۔ بعض تبتی لفظوں میں زمانے کا امتیاز ظاہر کیا جاتا ہے۔

تھائی چینی خاندان کی پانچ شاخیں ہیں لیکن ان میں مادے اتنے مختلف ہیں کہ بعض لوگ شک کرنے لگتے ہیں کہ یہ ایک ہی خاندان کی شاخیں ہیں کہ نہیں۔ خود چینی کی مختلف بولیوں میں مادے اسی طرح مختلف معلوم ہوتے ہیں لیکن جب پیچھے کو ان کی تاریخ دیکھی جائے تو ان کا ربط دکھائی دے جاتا ہے۔ یہی ان پانچ شاخوں میں رہا ہوگا۔ مشکل یہ ہے کہ ماضی کا تلفظ معلوم نہیں۔ چینی رسم الخط سے تلفظ کا مفصل اظہار نہیں ہوتا۔

چینی زبان

اس کی مختلف بولیوں میں اتنا فرق ہے کہ ایک بولی کا بولنے والا دوسری کو سمجھ نہیں سکتا۔ تلفظ کا اختلاف محض علاقائی نہیں بلکہ تاریخی ادوار میں بھی رہا ہے لیکن بعض دوسرے ماخذ سے چینی لفظوں کے تاریخی تلفظ کا اندازہ ہوتا ہے مثلاً جاپانی نے تیسری صدی عیسوی میں چینی رسم الخط اختیار کیا۔ جاپانی زبان میں چینی الفاظ کا وہی تلفظ ہے جو تیسری صدی میں تھا۔ تاریخی اعتبار سے ادبی چینی کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1 عہدِ عتیق۔ 300 ق م سے چھٹی صدی قبل مسیح تک
2۔ قدیم چینی۔ چھٹی صدی ق م سے دسویں صدی عیسوی تک
3۔ وسطی چینی۔ دسویں سے تیرھویں تک
4۔ جدید چینی۔ تیرھویں کے بعد

چینی کی معیاری بولی گوان ہوا (Kuan-Hua) ہے جسے باہر منڈارین

کے نام سے جانا جاتا ہے اور جو پیکنگ کی بولی ہے۔ اب چینی میں دو ادبی اسلوب ہیں۔ (1) اونچا اسلوب یا قدیم زبان (2) نیچا اسلوب یا جدید زبان۔

اونچا اسلوب پیچیدہ اور مرصع ہے جو تلمیحات و رمزیات کی وجہ سے بعید الفہم ہے۔ نیچا اسلوب سہل تر ہے اور اس میں بہت کچھ ادب پیدا ہو رہا ہے۔ چینی زبان کا عظیم ادب ہے۔ اس زبان میں بڑا استحکام رہا ہے جسے اس کے مخصوص طرز تحریر نے مدد دی ہے۔

بعض علما کو گمان ہے کہ چینی نے کسی طرح کی تصریفی زبان سے ارتقا کیا ہے اور قدیم تحریروں میں کچھ لاحقوں یا سابقوں کا پتا چلتا ہے۔ کوریائی اور جاپانی زبان میں جو چینی لفظ مستعار لیے گئے ان کا اصل قدیم تلفظ معلوم ہو جاتا ہے۔ نیز قافیوں کی قدیم لغات سے لفظوں کے اختتام کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان سے عہد عتیق کے بعد چینی الفاظ کا تلفظ دریافت ہوا۔ معلوم ہوا کہ ان میں ایک سے زیادہ صوت رکن تھے۔ موجودہ یک رکنیت تحت صوتی کی وجہ سے ہے۔ بعض علما کا کہنا ہے کہ قدیم لفظ کا دوسرا رکن تصریفی سابقہ تھا جو اب زائل ہو گیا ہے۔ یہ امر متنازع فیہ ہے۔ چینی زبان کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

1- یہ مکمل غیر ترکیبی یا الگاوی زبان ہے۔

2- اس کا ہر لفظ ایک صوت رکن کا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ واحد صوت رکنوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہو سکتی۔ منڈاری میں یہ 420 ہیں۔ جنوبی چینی کی سب سے اہم بولی کینٹن میں سو اور نو سو کے بیچ ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ منڈاری میں مصمتی آوازیں ب، د، گ وغیرہ مفقود ہیں نیز، ر، صرف ایک رکن یا لفظ 'ارھ' میں آتا ہے۔ چینی لغت میں   ہزار الفاظ ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک لفظی صورت دس مفاہیم یا دس لفظوں کی نمائندگی کرتی ہے۔

3- چینی زبان کی ایک خصوصیت لفظوں کو سُر کے ساتھ ادا کرنا ہے۔ ایک ہی لفظ کو مختلف سروں میں بولنے سے معنی بدل جاتے ہیں۔ معیاری سُر چار ہیں لیکن بعض کا کہنا ہے کہ یہ آٹھ ہیں چاروں سروں کے دو دو مزید صوت درجے ہیں۔ منڈاری میں چار یا پانچ سر ہیں اور کھوکن میں آٹھ۔ اگر چار سر مانے جائیں تو منڈاری کا ایک لفظ اوسطاً ڈھائی لفظوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ ہماری زبان میں بھی ہم صوت و مختلف المعنی الفاظ ہوتے ہیں مثلاً بار کے معنی مرتبہ، بوجھ وغیرہ۔ ہمیں سیاق سے مفہوم کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

چینی بھی سیاق سے اندازہ کر لیتے ہیں۔

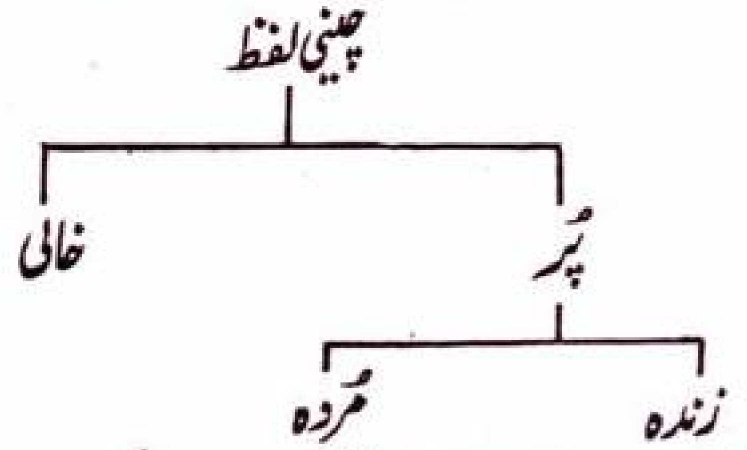
4۔ ہو سکتا ہے بولنے سننے میں بعض لوگوں کو سروں کی شناخت نہ ہو اس لیے وہاں ایک اور ترکیب کی جاتی ہے کہ دو مترادف الفاظ کو جوڑے میں بول دیتے ہیں مثلاً

تاؤ کے معنی ہیں سڑک، جھنڈا، گلا، ڈھکن وغیرہ

لُو کے معنی ہیں سڑک، اوس، جواہر، گھماؤ وغیرہ

اب تاؤ لو کو ساتھ بول کر بالیقین سڑک کا مفہوم لے لیا جاتا ہے لیکن جوڑے کے الفاظ ہمیشہ مترادف نہیں ہوتے بلکہ متعلق مفہوم والے بھی ہوتے ہیں مثلاً ین کے معنی ہیں آنکھ، نمک، دھواں، ہنس۔ ایک دوسرے الفاظ چنگ کے معنی ہیں آنکھ کا ڈھیلا۔ ین سے مراد آنکھ مراد لینا ہو تو تنہا ین، نہیں بولتے بلکہ ین چنگ۔ اسی طرح اگر ین، سے نمک مراد لینا ہو تو پائی (باریک)، یا ہیئی (موٹا) کو شروع میں جوڑ کر پائی ین یا ہیئی ین بولتے ہیں اس طرح مرکب لفظ سے ایک مفہوم لیا جاتا ہے۔

5۔ اس زبان میں قواعد نہیں ہے۔ جامد الفاظ میں 'قواعد' کا کام بھی کیا۔ دراصل چین میں قواعد کے لیے کوئی لفظ ہی نہیں۔ پھر بھی ان کے الفاظ دو قسم کے ہیں۔ پُر اور خالی۔ اوّل الذکر کی بھی دو قسمیں ہیں زندہ اور مُردہ۔ گویا یہ صورت ہوئی۔



اگر چینی میں کہنا ہو "وہ آیا"، تو ماضی کو کس طرح ادا کیا جائے۔ اس کی حسب ذیل ترکیب ہے۔

لیاؤ : تکمیل   تا : وہ   لائی : آنا

تالائی : وہ آتا ہے

تالائی لیاؤ : وہ آنا مکمل یعنی وہ آیا۔

اس طرح لیاؤ یہاں خالی لفظ ہے۔ کسی لفظ کا خالی یا بھرا ہونا متعین نہیں۔ ایک لفظ ایک موقع پر خالی ہوتا ہے اور دوسرے موقع پر وہی پُر ہو سکتا ہے۔

اب لیجیے زندہ اور مردہ کو۔ زندہ لفظ کسی قسم کا فعل یا عمل ظاہر کرتے ہیں اور مردہ لفظ اُن اشیا کو جن پر عمل ہو، گویا زندہ لفظ فعل ہیں مردہ لفظ اسم۔ لیکن یہ بات بالکل اسی طرح سے سیدھی سادی با قاعدہ نہیں۔ بہر حال تمام لفظوں کا صحیح مفہوم سیاق سے معلوم ہو جاتا ہے اور چینی ذہن اس کی گرفت کرنے میں بہت تیز ہوتا ہے۔

چینی زبان میں انفی آوازوں کی کثرت ہوتی ہے خصوصاً ک، گ، ج، چ سے پہلے انفی مصوتے کی۔

چینی تحریری لفظ نقش ہے۔ اس کی تفصیلات پیچھے دی جا چکی ہیں۔ سُروں کی وجہ سے شاید ابجدی خط میں الجھن ہوتی۔ باہر والوں کو چینی خط دیکھنے میں نہایت مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن خود چینی اس میں ہر بات بڑی صحت سے ادا کر لیتے ہیں۔ جاپانیوں نے بھی یہی خط اختیار کر رکھا ہے اور دونوں نے ہنوز اسے چھوڑ کر رومن کو اختیار نہیں کیا۔

سی لو مو بولیاں یانگ ٹسی کیانگ کی وادی میں بولی جاتی ہیں۔ ان میں ادب نہیں۔

تھائی

ابھی تک تھائی اور چینی کے تعلق کے بہت سے مسائل بغیر حل شدہ ہیں۔ بعضوں کو تو اس میں بھی شک ہے کہ تھائی شاخ چینی سے متعلق ہے۔ وہ تھائی کو لاؤ سی اور شان کو ساتھ لے کر ایک علیحدہ خاندان Kadai قائم کرنا چاہتے ہیں اور اسے ملایا پولی نیشیائی کے ساتھ ملانا چاہتے ہیں۔ ان کے مطابق تھائی اور چینی کی مماثلت عاریت کا نتیجہ ہے۔ فی الوقت تھائی کو چینی ہی کے ذیل میں رکھنا صحیح ہے۔

تھائی یا سیامی گروہ کی سب سے اہم زبان تھائی ہے۔ اس کے بولنے والوں کو تائی Tai یا شان کہا جاتا ہے اس کی اپنی تحریر بھی ہے اور قدیم ترین کتبہ 1293 کا ہے۔

شمالی تھائی کی بولیاں شمالی مشرقی آسام (نیفا یا اُرناچل) اور شمالی برما میں بولی جاتی ہیں۔ شان شمالی برما کی زبان ہے۔ آہوم اسی سے نکلی ہے۔ 1228 میں آہوم لوگ وادی برہم پتر میں داخل ہوئے۔ اصلاً یہ لفظ آشان یا آشام تھا۔ اسی سے آسام ماخوذ ہوا۔ شان کی دوسری شاخ کھامتی بولی تھی۔ اُنھوں نے مشرقی آسام سے آہوموں کو نکال دیا۔ اب ہندوستان میں تھائی خاندان کی صرف یہی ایک زبان کھامتی بچی ہے۔ آہوم زبان آسام

میں تیرھویں سے اٹھارویں صدی تک رہی جس کے بعد معدوم ہو گئی۔ اب یہ آسام کے پروہتوں کی مذہبی کتابوں میں مل جاتی ہے۔

تھائی کی مشرقی شاخ چین کے جزیرے ہینان اور اس کے سامنے کے برِّ صغیر میں بولی جاتی ہے۔

انامی زبان کمبودیا، کوچین چائنا اور ٹونکن میں بولی جاتی ہے۔ غالباً کوچین چائنا سے جنوبی ویت نام اور ٹونکن سے شمالی ویت نام مراد ہے۔ اس زبان کو تھائی آسٹروایشیائی کے بیچ کی بھی مانا جاتا ہے لیکن ہیں چینی زبان کی خصوصیات غیر ترکیبی ہونا، یک رکنی ہونا اور سر کا وجود پائے جاتے ہیں۔ اس کا ذخیرۂ الفاظ ضرور چینی سے مختلف ہے۔ اس کے لیے چودھویں صدی سے چینی رسم الخط استعمال ہوتا ہے۔ بعد میں عیسائی پادریوں نے رومن کا استعمال بھی کیا جو حال میں زیادہ مقبول ہو گیا ہے۔

کارینی بولیاں شمالی برما کے علاقے کارین میں بولی جاتی ہیں۔ ایک زمانے میں خیال تھا کہ یہ قبل چینی ہیں جن پر چینی جامہ چڑھا دیا گیا ہے۔ لیکن ان میں چینی عنصر اتنا زیادہ ہے کہ انھیں چینی میں شامل کرنا ہی بہتر ہے۔

تبت برمی شاخ

اس کی خاص زبان تبتی ہے جسے بھوٹیا بھی کہتے ہیں۔ اس پر سنسکرت کا کافی اثر ہے۔ اس کا رسم الخط بھی براہمی کی شاخ ہے۔ اس میں چھٹی صدی سے سنسکرت اور پالی کتابوں کے ترجمے شروع ہو گئے۔

ہمالیائی بولیوں کے بولنے والے مغرب سے آئے اور آکر جن علاقوں میں بسے اُن کی زبان وہاں کی زبان سے خلط ملط ہو گئی۔ چنانچہ ان میں کئی ایسی خصوصیات ہیں جو تبت چینی کے خلاف ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

1. ذی روح اور غیر ذی روح میں شدید امتیاز
2. گنتی بیشتر بیس بیس میں ہے دہائی میں نہیں
3. شخصی ضمائر میں واحد اور جمع کے علاوہ تثنیہ کا صیغہ بھی ہے۔
4. متکلم ضمیر میں شمولی اور اخراجی تثنیہ اور جمع بھی ہیں مثلاً

میں اور میرے ساتھی

میں اور دوسرے لوگ وغیرہ

یہ خصوصیات منڈا زبانوں کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہمالیائی بولیاں منڈا سے متاثر ہوئی ہیں۔ غیر ضمیری بولیوں میں لیپ چا (Lepcha) یا رونگ سکم اور دارجلنگ کی زبان ہے۔

آسام کی بوڈو زبانوں کا علاقہ اب آریائی زبانوں کے زیر اثر آ گیا ہے۔ ان میں مرکزی ریاست تری پورہ کی زبان بھی شامل ہے۔ آسامی بولیوں کا قدیم ترین کتبہ چودھویں صدی کا ہے ناگا زبانیں آپس میں بہت مختلف ہیں۔ ارکان برمی کی ایک زبان مے تھئی منی پور کی زبان ہے۔ اس میں 1432 سے ادب ملتا ہے۔ اس زبان میں فعل یا مصدر بالکل ہی نہیں ہیں۔ حاصل مصدر وغیرہ سے کام چلایا جاتا ہے۔

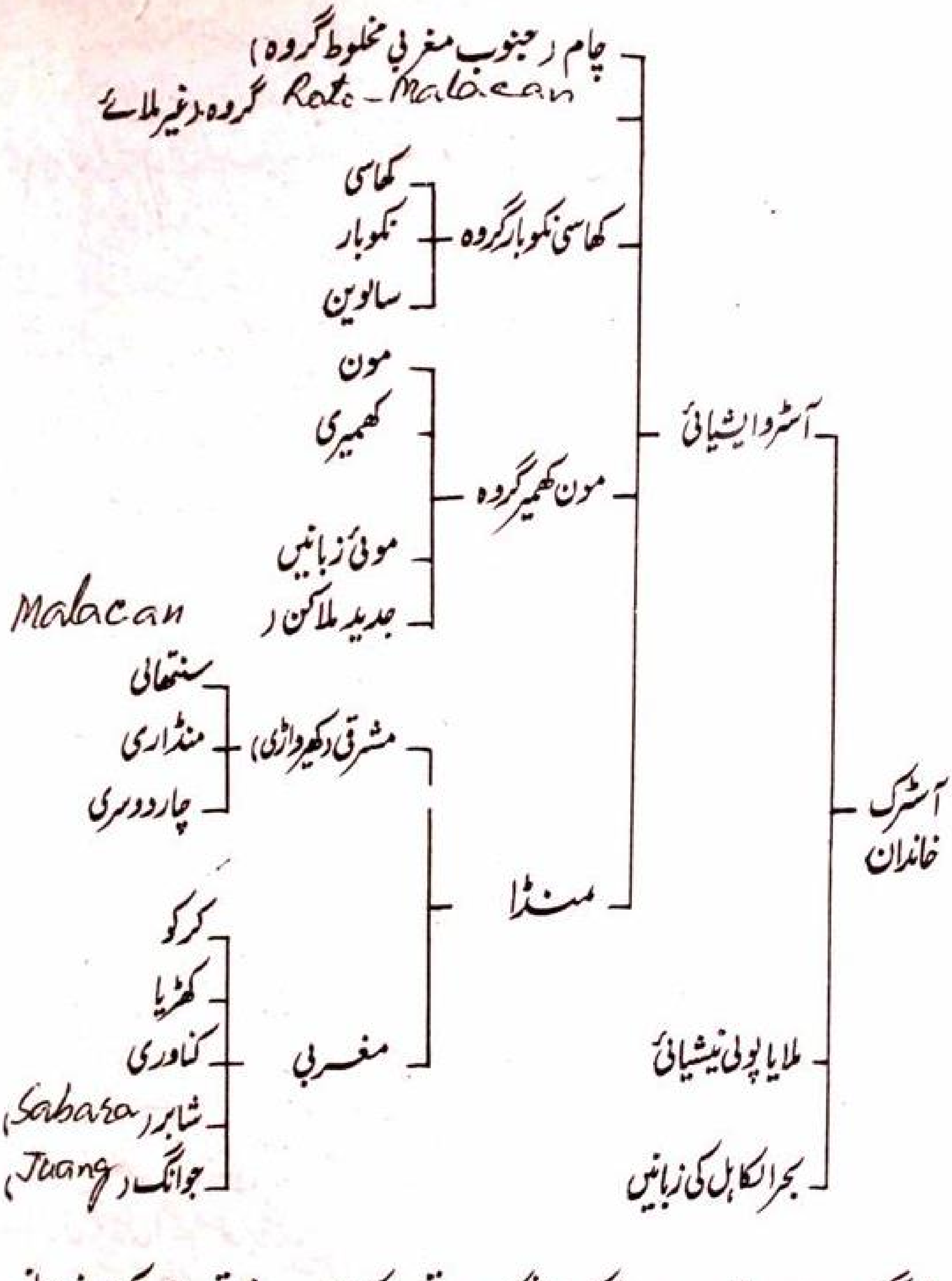
برما میں کئی زبانیں ہیں لیکن معیاری زبان برمی ہے۔ اس کے ادب پر پالی کا گہرا اثر ہے۔ کیونکہ برمی ادب زیادہ تر مذہبی ہے۔ برمی کی ادبی اور بول چال کی بولی میں بہت فرق ہے۔ برمی کا قدیم ترین کتبہ 1084 کا ہے۔ برمی کو دور افتادہ سمیری زبان سے جوڑنے کی ناکام کوشش بھی کی گئی۔

آسٹرو ایشیائی خاندان

فادر شمٹ نے ہندوستان کی منڈا زبانوں، آس پاس کی بعض زبانوں نیز بحر الکاہل کے جزیروں کی زبانوں کو ملا کر ایک خاندان آسٹرک قرار دیا ہے۔ بعض علما کے نزدیک یہ مشکوک ہے لیکن شمٹ سے زیادہ ان زبانوں کا مطالعہ اور کس نے کیا ہے۔ پیچھے اس خاندان کی بڑی شاخوں ملائے پولی نیشیائی اور بحر الکاہلی کی تفصیل دی جا چکی ہے۔ اب تیسری شاخ آسٹرو ایشیائی کی تفصیل اگلے صفحہ پر پیش کی جاتی ہے۔

شمٹ کے آسٹرک خاندان کو کسی نے تبت چینی سے ملایا تو کسی نے پاکستان کے صوبہ سرحد کے شمالی کی بروشاسکی سے۔ کسی نے منڈا زبانوں کا آسٹریلیائی سے خاص تعلق قرار دیا۔ ان میں سے کسی بھی دعوے کو قبول کرنا خلافِ احتیاط ہے۔

آسٹرو ایشیائی زبانوں کا تاریخی مواد نہیں۔ ممکن ہے ان سے پہلے یہاں کوئی اور زبانیں بولنے والے رہتے ہوں۔ ان کی زبانوں کے بقیات زیر سطح کے طور پر آسٹرو ایشیائی زبانوں میں



مل گئے ہوں۔ ان وجوہ سے یہ طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ جنوب مشرقی ایشیا کی زبانیں ہم نسبی ہیں کہ نہیں۔ ان زبانوں میں آپس میں کافی فرق ہیں۔

اس خاندان کی زبانیں امتزاجی ہیں جن میں چسپیے ابتدا، وسط اور آخر میں کہیں بھی لگائے جاسکتے ہیں۔ مادّے دو رکنی ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض کا تحلیلیت کی طرف کو رجحان ہے۔

مون کھمیر لوگ ایک زمانے میں ہند چینی کے حاکم تھے۔ کمبودیا میں ان کی عمارتوں کے آثار—

دکھائی دیتے ہیں۔ اب اُن کی زبانیں تھائی لینڈ، برما اور ہندوستان میں کچھ پچھڑے ہوئے قبائلی بولتے ہیں۔ مون زبان پہلے ادبی زبان تھی۔ اس کے 1084ء کے کتبے ملتے ہیں۔ اب اسے برما میں خلیج مرتبان کے ساحل پر اور پیگوں میں نیز تھائی لینڈ کے بعض حصّوں میں بولتے ہیں۔

کھمیر لوگ کمبوڈیائی تھے۔ ان کی زبان کے کتبے ساتویں صدی کی ابتدا سے ملتے ہیں۔ اب یہ زبان برما اور تھائی لینڈ کی سرحدوں پر بولی جاتی ہے۔

کھاسی زبان آسام کی کھاسی پہاڑیوں میں بولی جاتی ہے۔ یہ علاقہ تبت ہمالیائی میں محصور ایک لسانی جزیرہ ہے جس کی وجہ سے یہ بہت بدل گئی ہے۔ اس کا ذخیرۂ الفاظ برما کی مون زبان سے مماثل ہے۔ کھاسی زبان غالباً مون کھمیر ہی سے نکلی ہے۔ نکوباری کو کوئی کھمیر سے کوئی انڈونیشیائی سے مماثل مانتا ہے۔

گرسے نے انامی اور مونگ کو بھی آسٹرو ایشیائی خاندان کے تحت رکھا ہے لیکن انامی مونگ کو تبت چینی کے ساتھ رکھنا بہتر ہے کیونکہ انامی زبان غیر ترکیبی جیسی ہے اور انامی اور مونگ دونوں میں سُر بھی ہیں۔

منڈا زبانیں

پہلے ان زبانوں کو 'کول' کہتے تھے۔ ان زبانوں میں 'کول' کے معنی آدمی ہیں لیکن سنسکرت میں 'کول' کے معنی 'سُور' ہیں اس لیے گریرسن نے ان کا نام بدل کر منڈا رکھ دیا۔ منڈا اسی خاندان کی ایک زبان 'منڈاری' کا لفظ ہے جس کے معنی 'سردار' ہیں۔ ہندوستان میں آریوں سے پہلے دراوڑی بستے تھے اور دراوڑیوں سے بھی پہلے آسٹرو ایشیائی یا منڈا۔ یہ لوگ ہاتھی کو پالتے تھے چنانچہ شمالی ہند میں مہاوت ہاتھی کو جن الفاظ میں حکم دیتے ہیں وہ منڈا زبانوں ہی کے ہیں۔ 'گنگا' ندی کا نام بھی منڈا زبان کا ہے۔

منڈا زبانوں کا مرکز چھوٹا ناگپور ہے یعنی بنگال، بہار، اُڑیسہ اور مدھیہ پردیش کے سنگم کا علاقہ۔ اسے جھارکھنڈ کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ آندھرا پردیش کے ضلع گنجام اور مدھیہ پردیش اور ہماچل کے بعض حصّوں میں بولی جاتی ہیں۔ ان کے بولنے والوں کی مجموعی تعداد معتدبہ ہے جس کی وجہ سے جھارکھنڈ پارٹی علیحدہ سے جھارکھنڈ ریاست کی مانگ کرتی ہے۔ جھارکھنڈ پارٹی کے مرحوم لیڈر جے پال سنگھ کے مطابق منڈاری بولنے والوں کی تعداد کشمیری

آسامی اور اُڑیا بولنے والوں سے زیادہ ہے لیکن یہ دعویٰ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اکسٹھ عیسوی کی مردم شماری میں اُڑیا بولنے والوں کی تعداد ایک کروڑ 57 لاکھ تھی۔

ان کی خاص زبانیں سنتھالی اور منڈاری ہیں۔ سنتھالی کے بولنے والے تقریباً 25 لاکھ ہیں۔ اس کے کسی لفظ کے شروع میں مصمتی خوشہ نہیں آتا۔ کھڑیا رانچی کے آس پاس کی ہے۔ شابر اور جوانگ آندھرا کی سرحد پر بولی جاتی ہیں۔ ان کے بولنے والے بہت پچھڑے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض ابھی تک ننگے رہتے ہیں۔ بعض منڈا زبانیں ہمالیہ کی تلی میں جابجا دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ کناوری شملہ کے آس پاس بولی جاتی ہے۔ کرکو میواڑ (راجستھان) تیز مالوہ میں بولی جاتی ہے۔

منڈا زبانوں کی خصوصیات

(1) شمٹ اور گریرسن دونوں کا کہنا ہے کہ یہ زبانیں امتزاج میں ترکی سے مشابہ ہیں۔ ان میں یکے بعد دیگرے چسپیے لگائے جاسکتے ہیں۔ ان کی کثرت اور تنوع کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ Shrapsrud نے اپنی سنتھالی گرامر میں فعل دائی : مارنا واحد غائب کی جو گردان دی ہے وہ تقریباً سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ ان زبانوں میں عموماً سابقے اور لاحقے لگائے جاتے ہیں اور نہایت شاذ وسطیے جیسے منجھی کی جمع مپنجھی۔ مادّے اکثر دو رکنی ہوتے ہیں۔

(2) ان کی ھکاری آوازوں میں ہماری زبانوں کی نسبت ھکاریت زیادہ ہوتی ہے۔ ان زبانوں میں ایک قسم کے نیم مصمتے ہوتے ہیں جن کے ادا کرنے کے لیے پہلے سانس پچکار کی طرح باہر سے اندر کو کھینچا جاتا ہے اور پھر اسپھوٹ کرتے ہیں۔ کبھی کبھی ہوا ناک کے راستے خارج ہوتی ہے جس سے انفیت شامل ہو جاتی ہے۔

(3) ایک ہی لفظ مقام کے اعتبار سے اسم، فعل، صفت وغیرہ ہو سکتا ہے۔

(4) تعداد میں تثنیے کا صیغہ بھی ہوتا ہے۔

(5) ضمیر متکلم کی جمع کے دو روپ شمولی اور اخراجی منڈا زبانوں کی خصوصیت ہے۔ شمولی روپ میں مخاطب کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے مثلاً ہم (میں اور تم)۔ اخراجی

روپ میں مخاطب کو خارج رکھا جاتا ہے۔

(6) جنس کے اظہار کے لیے عموماً مذکر اور مونث کے معنی کے لفظ کا اضافہ کیا جاتا ہے مثلاً

آڈیا کل : شیر ایںگا کل : شیرنی

شاذ و نادر لاحقوں سے بھی تبدیلی جنس ظاہر کی جاتی ہے۔

(7) ان زبانوں میں گنتی دس پر مبنی ہے لیکن بعض میں بیس کے لیے ایک مخصوص لفظ ہوتا ہے۔ بیس کے لیے 'کوڑی' بھی منڈا زبان کا لفظ ہے۔ اسی میں جمع تفریق کر کے دس کے آگے کی گنتیاں ادا کی جاتی ہیں مثلاً

بارے آ : دو پونے آ : چار گیل : دس اِسی : بیس

گیل کھن پونے آ = 10 + 4 = 14

بارے آ کم اِسی = دو کم بیس = 18

(8) زور دینے کے لیے لفظ کو یا اس کے آخری جزو کو دہرا دیا جاتا ہے مثلاً

دَل : مارنا دَل دَل : بار بار مارنا دَ دَل : خوب مارنا

مصوتوں سے شروع ہونے والے لفظوں میں تاکید کے لیے ک کا وسطیہ جوڑ دیا جاتا ہے مثلاً

اگو : لے جانا اک گو : بار بار لے جانا

(9) ان کے چسپیے لفظ کے ساتھ استعمال ہونے کے علاوہ آزاد لفظ کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں۔

منڈا زبانوں کا آریائی زبانوں پر بھی اثر پڑا ہے۔ ہماری زبان کے فعل کی بہت پیچیدہ گردان کو منڈا کا اثر بتایا جاتا ہے۔ بعض زبانوں میں ضمیر متکلم کے لیے دو الفاظ انھیں کا اثر ہے مثلاً گجراتی میں

اے گیا ہتا : ہم (تمھیں خارج کرتے ہوئے) گئے تھے۔

آپڑنے گیا ہتا : ہم (میں اور تم) گئے تھے۔

بھوپال اور مالوے میں 'اپن' کا لفظ 'منڈا' ہی کا اثر ہو سکتا ہے۔ بعض اشیا کو بیس بیس میں گننا بھی منڈا کی یادگار ہے مثلاً برتنوں پر قلعی کرنے والے کوڑی یعنی بیس کا نرخ بتاتے ہیں۔

دراوڑ خاندان

اس خاندان کی زبانوں کے بولنے والے جنوبی ہند کے علاوہ بہار، اڑیسہ، مدھیہ پردیش اور دور افتادہ بلوچستان میں بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ تاملوں کی بہت بڑی تعداد لنکا اور ملیشیا میں بسی ہوئی ہے۔ دراوڑی زبانیں امتزاجی ہیں۔ ان میں بہت سی خصوصیات دوسرے لسانی خاندانوں سے ملتی ہیں جس کی وجہ سے انھیں کسی نے اس خاندان کے ساتھ اور کسی نے اس خاندان کے ساتھ ملحق کرنا چاہا۔

دراوڑی زبانوں کے سب سے بڑے ماہر بشپ کاڈویل تھے جنھوں نے انیسویں صدی میں دراوڑی زبانوں کی تقابلی قواعد لکھی۔ ان کا خیال ہے کہ یہ یورال التائی اور ہند یورپی خاندانوں کے بیچ کی ہیں۔ ان میں بھی یورال التائی سے بہت نزدیک ہیں۔ انیسویں صدی میں یورال التائی کو تورانی خاندان کہا جاتا تھا۔ جون بیمز نے دراوڑی کو بھی تورانی زبان کہا ہے۔ پروفیسر شریڈر نے بھی دراوڑ اور یورال خاندان کی مماثلتوں پر زور دیا ہے۔ فادر شمٹ نے دراوڑی اور آسٹریلیائی آسٹرک زبانوں کا تعلق دکھایا ہے۔ موہن جوداڑو اور ہڑپا کی تہذیب کو بالعموم دراوڑی قیاس کیا جاتا ہے۔ اس تہذیب کا تعلق سمیریا سے بھی تھا۔ اس رشتے سے بعض حضرات دراوڑی اور سمیری کے تعلق کی بات سوچنے لگے ہیں۔

دراوڑی زبانوں کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

1۔ ان میں معکوسی مصمتوں کی افراط ہے۔ ان کا تنوع بھی ہند یورپی سے زیادہ ہے۔

2۔ ان میں مختصر اِے، مختصر اُو بھی ملتے ہیں۔

3۔ مصیتی مصمتے کم استعمال ہوتے ہیں۔ قدیم دراوڑی میں لفظ کی ابتدا میں مصیتی بندشیے نہیں ملتے اور اگر کہیں ہیں تو وہ فونیمی نہیں۔

4۔ جنس کا نظام دوسری ہندوستانی زبانوں سے مختلف ہے۔ بنیادی طور سے جنس کی تقسیم جاندار اور بے جان کی ہے۔ صرف ضمیر غائب میں مذکر اور مونث ہے اور انھیں صفت کے آخر میں بھی لاحقے کے طور پر جوڑ دیا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ حسب ضرورت نر اور مادہ ظاہر کرنے والے الفاظ کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

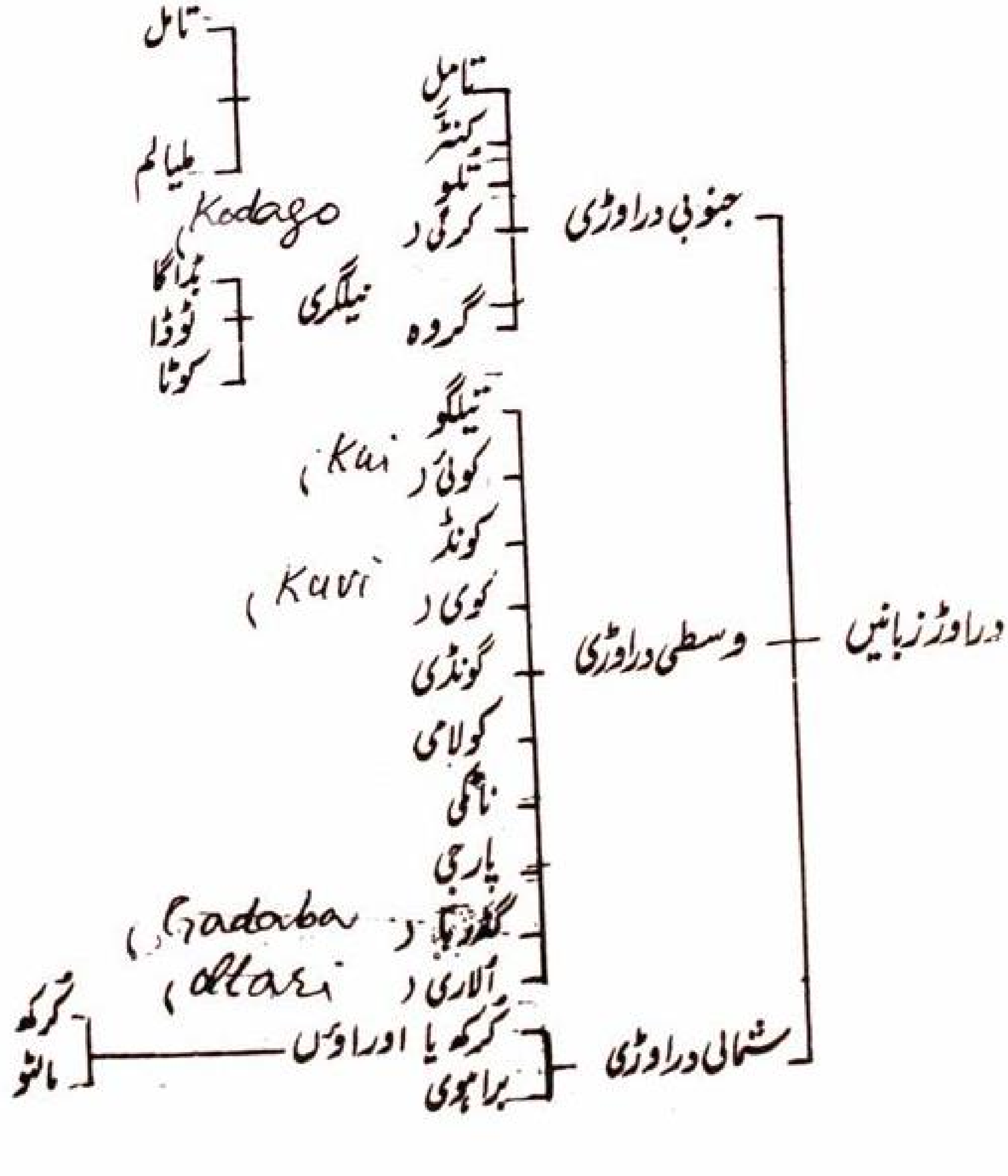
5- تعداد کے صیغے دو ہوتے ہیں واحد اور جمع لیکن غیر ذی روح الفاظ کی جمع نہیں ہوتی۔ تامل، تیلگو، کوئی اور کرکھ میں ضمیر متکلم کی شمولی اور اخراجی دو قسم کی جمع ہوتی ہیں۔ شمولی میں مخاطب بھی شامل رہتا ہے۔ اخراجی میں خارج رہتا ہے۔ کنٹر، گونڈی اور براہوی میں یہ دو قسمیں نہیں۔

6- اسموں کے دو درجے یا طبقے ہوتے ہیں ایک اونچا یا سگیانی، دوسرا نیچا یا اگیانی۔ ہند

7- اگیانی آریائی کے برخلاف صفت کی تصریف نہیں ہوتی۔

8- فعل کا طورِ مجہول (Passive voice) نہیں ہوتا۔ ایک منفی طور (Negative voice) مزید ہوتی ہے۔

ذیل میں دراوڑی زبانوں کا چارٹ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ گروہ بندی جغرافیائی نیز لسانی ہے۔



تامل زبان تامل ناڈو اور لنکا کے شمالی حصے میں بولی جاتی ہے۔ یہ دراوڑ زبانوں میں سب سے پرانی ہے۔ تاملوں کا دعویٰ ہے کہ یہ دنیا کی موجود زبانوں میں سب سے قدیم ہے یعنی اس کی پرانی اور نئی منزل میں کوئی بڑا فرق نہیں۔ تامل کی سب سے پرانی تک کاپیم ہے جو دوسری صدی ق م کی ہے۔ دنیا میں نظم متھرا کا یہ سب سے پرانا نمونہ ہونا چاہیے۔ بنگالی کے ساتھ تامل ادب ہندوستان کی زبانوں میں سب سے زیادہ وقیع ہے۔ تامل کے دو روپ ہیں شین (مکمل) مرصع اور ادبی اسلوب ہے کوڈن (دیہاتی) کس قدر غیر ثقہ ہے اس کے ادبی اسلوب منی پروال میں سنسکرت لفظ کافی ہوتے ہیں۔ ویسے ہندوستان کی تمام زبانوں میں سب سے کم سنسکرت الفاظ ہیں۔ تامل کی کئی بولیاں بھی ہیں

ملیالم نویں صدی میں تامل سے الگ ہوئی۔ یہ کیرلا کی زبان ہے۔ اس میں سنسکرت الاصل الفاظ تقریباً اسی فی صدی ہیں لیکن ملابار کے موپلا مسلمانوں کی بولی سنسکرت اثرات سے مبرا ہے مالدیو اور لکا دیو جزیروں میں بھی ملیالم رائج ہے۔

کنڑ کرناٹک کی زبان ہے۔ یہ تامل سے ملتی جلتی ہے لیکن اس کا رسم الخط تیلگو کا ہے۔ دراوڑی کا سب سے پرانا کتبہ ہالمیدی کتبہ (450 ق م) ہے۔ جو کنڑ کا ہے۔ مصر میں oxyephyncus میں دوسری صدی عیسوی کا ایک پیپرس دریافت ہوا جس میں ایک یونانی ڈرامہ ہے۔ اس میں کچھ ہندوستانی الفاظ ہیں جو Hultzsch[1] کے مطابق کنڑ کے ہیں۔ اس زبان کے تین دور ہیں۔

قدیم کنڑ ابتدا سے 1250 تک۔ وسطی کنڑ 1250 تا 1500 - جدید کنڑ 1500 کے بعد۔ اس کا ادب چوتھی صدی سے ملتا ہے۔ کنڑ کی کئی بولیاں بھی ہیں۔ اس کا ہر لفظ مصوتے پر ختم ہوتا ہے۔

تلو کرگ اور مہاراشٹر کی سرحد پر منگلور میں بولی جانے والی ایک چھوٹی سی زبان ہے۔ اس میں ادب نہیں ہے لیکن کالڈویل تمام دراوڑی زبانوں میں اسے سب سے ترقی یافتہ قرار دیتا ہے۔ یہ کنڑ سے اس قدر ملتی ہے کہ بعض کے نزدیک یہ کنڑ ہی کی بولی ہے۔ کرگ کی زبان کرگ لسانی اعتبار سے کنڑ اور تلو کے بیچ آتی ہے۔ بعض علما اسے بھی کنڑ کی بولی مانتے ہیں

---

[1] Mysore Archeological Report بحوالہ تارا پور والا ص 176

نیلگری کی زبانیں بہت پچھڑے ہوئے قبیلے بولتے ہیں جو روز بروز کم ہوتے جا رہے ہیں۔ ٹوڈا قبیلے میں مادری نظام وراثت باقی ہے۔ ان کی تعداد ایک ہزار سے بھی کم ہے۔ بشریات کے علما کو ان میں بڑی دلچسپی ہوتی ہے۔ کوٹا کے بولنے والے بھی بہت کم ہیں۔ دونوں زبانوں کے بولنے والے دو ہزار سے کم رہتے ہیں۔ ٹوڈا خاص طور سے ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ بڑاگا بولنے والوں کی تعداد کچھ زیادہ ہے۔

دراوڑی زبانوں میں تیلگو کے بولنے والے سب سے زیادہ ہیں۔ اس میں سنسکرت الفاظ کافی ہیں۔ لفظوں کے آخر میں مصوتہ ہوتا ہے۔ اس میں یورال التائی زبانوں کی طرح مصوتی ہم آہنگی (vowel harmony) پائی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ زبان کافی شیریں ہے۔ اسے مشرقی اطالوی کہا جاتا ہے۔ اس کا ادب گیارھویں صدی سے ملتا ہے۔ قدیم ترین کتابیں ایک قواعد اور سنسکرت مہابھارت کا ایک ترجمہ ہے۔

کوئی یا کاندھی اڑیسہ کے جنگلوں میں مہاندی کے کنارے بہت ہی پچھڑے ہوئے قبیلے بولتے ہیں۔ یہ تیلگو سے بہت نزدیک ہے لیکن اس کی فعل کی گردان تیلگو سے بہت سہل ہے۔ کونڈ کے بولنے والے اڑیسہ کی پہاڑیوں پر ہیں۔ کچھ لوگ اسے کوئی ہی کی بولی مانتے ہیں۔

گونڈی بولنے والے وندھیا پردیش کے بندیل کھنڈ علاقے میں بکھرے ہوئے ہیں۔ گونڈ زبان تامل سے ملتی ہے۔ اس کی کئی بولیاں ہیں۔ یہ وسطی علاقے کی اہم دراوڑی زبان ہے۔ اس کے بولنے والوں میں سے بہتوں نے اب ہند آریائی زبانیں بولنی شروع کر دی ہیں۔

برار کے مغربی اضلاع میں کولامی بولی جاتی ہے۔ اس پر آریائی زبان بھیلی کا اثر ہے۔ یہ تیلگو سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ بھی رفتہ رفتہ ختم ہوتی جا رہی ہے۔

کرکھ زبان بہار، اڑیسہ اور مدھیہ پردیش کے نقطۂ اتصال کے قریب بولی جاتی ہے۔ روایتاً یہ کرناٹک سے آئی ہے۔ اس کے بولنے والے تقریباً نو لاکھ ہیں۔ کرکھ کی ایک بولی مالٹو ہے جو بہار اور شمالی بنگال کی سرحد پر ضلع راج محل میں بولی جاتی ہے۔ اس پر ہند یورپی اور سنتھالی کا بہت اثر ہے۔ کرکھ اور مالٹو زبانیں منڈا زبانوں کے ساتھ کے علاقے میں ہیں جس کی وجہ سے ان پر منڈا کا کافی اثر ہے۔

بلوچستان میں دور افتادہ براہوی بھی دراوڑی زبان ہے۔ اس کے ڈیڑھ لاکھ بولنے

والے ہیں۔ یہ سب مسلمان ہیں اور دو لسانی ہیں یعنی بلوچی بھی جانتے ہیں۔ اس پر بلوچی، پشتو سندھی اور فارسی کا اثر ہے۔ اس زبان کا اغیار کے بیچ زندہ رہنا اسی طرح حیرت ناک ہے جیسے اسپین اور فرانس کی سرحد پر باسک کا۔

دراوڑ زبانوں نے ہند آریائی کو بھی متاثر کیا ہے۔ آریائی زبانوں میں معکوسی آوازیں یہیں سے آئی ہیں۔ مراٹھی میں جنس کے تین صیغے دراوڑی کے زیر اثر ہی ہو سکتے ہیں۔ دراوڑی کے بہت سے الفاظ ہماری زبانوں میں آگئے ہیں اور ہمیں اُن کا علم بھی نہیں۔ انگریزی لفظ Race ایک تامل لفظ اُرسو سے بنا ہے۔

ہند یورپی خاندان

یہ خاندان ہندوستان، افغانستان، ایران، کوہ قاف کے پاس آرمینیا، پورے یورپ، دونوں امریکہ، جنوبی افریقہ کے بالکل جنوبی حصے، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ پر محیط ہے۔ اس خاندان کی وسعت کی طرح اس کے بولنے والے بھی سیاسی، معاشی اور تہذیبی اعتبار سے اہم ترین ہیں۔

تاریخی لسانیات کے مطالعے کو سر ولیم جونس اس دریافت سے تقویت ملی کہ سنسکرت اور یورپی کلاسکی زبانیں ایک ہی مورث کی اولاد ہیں۔ جرمنوں نے اس مطالعے کو آگے بڑھایا جس سے تاریخی لسانیات کے تقابلی قاعدے اور صوتی قوانین مرتب ہوئے۔ جرمن ماہرین نے سوچا کہ اس خاندان کے ایک سرے پر ہندوستان کی زبانیں ہیں اور دوسرے پر انگریزی یا آئس لینڈی جو جرمن خاندان کی ہیں اس لیے دونوں انتہاؤں کو محصور کر کے ہند جرمن خاندان نام رکھ دیا۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ آئرلینڈ کی زبان آئرش کیلٹک خاندان کی ہے اور کیلٹک بھی ہند یورپی کی شاخ ہے اس لیے اس خاندان کا نام انڈو کیلٹک ہونا چاہیے لیکن یہ نام نہ چلا۔ زبانوں کے نام روز روز نہیں بدلے جا سکتے۔ پھر کوئی شاخ دریافت ہو جائے تو کیلٹک کی جگہ کچھ اور کرنا پڑے گا اس سے بچنے کے لیے ہند یورپی نام رکھ دیا گیا تاکہ دونوں بڑے بڑے علاقے ظاہر ہو جائیں۔ جرمن علما کو محسوس ہوا کہ ہند جرمن (Indo-Germanic) نام کو بدلنا جرمن بیزاری کا نتیجہ ہے۔ یہ خیال اس سے بھی ہوا کہ ہند یورپی نام فرانسیسیوں کا

کا دیا ہوا ہے جو جرمنی سے کئی بار لڑ چکے تھے۔ اس لیے جرمن اب بھی اس خاندان کو ہند جرمن کہتے ہیں بقیہ سب اسے ہند یورپی کہتے ہیں۔

میکس مُلر اور بعض دوسرے علما نے اسے آریہ خاندان کہنا پسند کیا لیکن اس میں دو قباحتیں تھیں۔ (۱) 'آریہ' کی اصطلاح ایک نسل کے لیے مخصوص ہے اور رائج ہے۔ بہتر ہے کہ نسل اور لسانی خاندان کا نام خلط ملط نہ کیا جائے۔ بیسویں صدی میں نازیوں نے جس طرح آریائی نسل کے تفوق کی بنا پر سامیوں یعنی یہودیوں پر ظلم کیے تھے اس کی وجہ سے آریہ لفظ کو بھلا دینا ہی زیادہ مناسب تھا۔ (۲) آریہ کا استعمال 'ہند ایرانی' شاخ کے لیے ہوتا ہے اس لیے پورے خاندان کے لیے یہ نام مناسب نہیں۔

بعض اوقات کسی نے سنسکرتی، کاکیشین یا Japhetic نام سجھائے لیکن وہ اتنے نامعقول تھے کہ انھیں قابلِ اعتنا بھی نہ سمجھا گیا۔

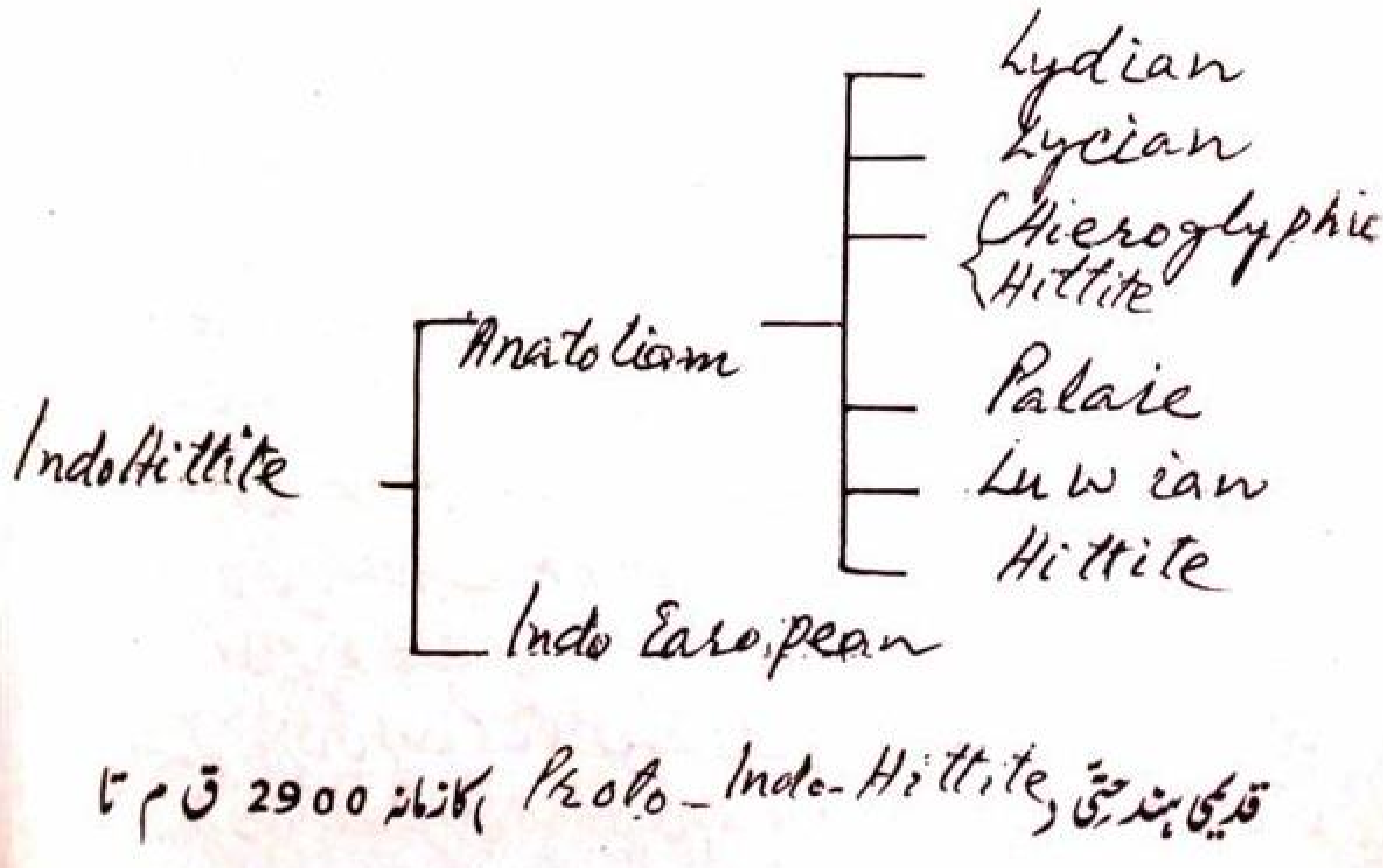
حتّی (Hittite):- حتّی زبان کی دریافت کے بعد پھر مسئلہ ٹیڑھا ہو گیا ہے۔ اس کی کہانی یوں ہے۔

انیسویں صدی کے خاتمے تک توریت سے حتّی قوم کا نام تو معلوم تھا لیکن تفصیلات معلوم نہ تھیں۔ یہ لوگ ترکی میں 3000 ق م سے آباد تھے لیکن ان کا عروج 1900 ق م تا 1200 ق م میں ہوا۔ ترکی سے نکل کر یہ شام پر بھی قابض ہو گئے۔ وہاں انھیں آشوری اور مصری حکمرانوں سے جنگ کرنی پڑی یہاں تک کہ 717 ق م میں آشوری حکمرانوں سارگون دوم نے انہیں شکست دی اور ان کا سیاسی اقتدار ختم کر دیا۔ ان کے دارالسلطنت کے شہر کا قدیم ترین معلوم نام حتّی Hatti ہے اس لیے قوم اور زبان کو حتّی کہا گیا۔ اس زبان کے مخطوطات کی ایک عبارت میں Kanes کے گانے والے کا ذکر ہے اس لیے بعض نے زبان کو Kanesian کہنا پسند کیا۔

1888 میں مصر میں تل الامرنا کے خطوط سے پندرھویں اور چودھویں صدی قبل مسیح کی دوسری حتّی شہنشاہیت کا علم ہوا۔ 1893 میں ہیوگو ونکلر (Winckler) کو بوغاز کوئی میں کچھ کتبے ملے جن سے اسے حتّی زبان کا علم ہوا۔ بوغاز کوئی ترکی میں انقرہ سے نوّے میل مشرق کی طرف ایک گاؤں ہے۔ وہاں 1905 سے 1907 تک کھدائی ہوئی تو حتّی زبان کی متعدد تحریریں 1900 ق م تا 1300 ق م کی ملیں۔ ان سے پہلی حتّی

شہنشاہیت (1900 ق م تا 1650 ق م) کے بارے میں علم ہوا۔ بہت سے حتی کتبے ان دستاویزات کی نقل ہیں جو پہلی حتی شہنشاہیت کے عہد کی تصنیف تھے۔ ان میں سے بیشتر میخی رسم الخط میں اور چند تصویری ہیروغلیفی خط میں ہیں۔ میخی خط کے بہت سے لفظ نقش سمیری اور اکادی زبانوں کے لفظ نقشوں سے مشترک ہیں گو انھیں حتی زبان میں ہی پڑھا گیا ہے۔ اس وجہ سے ایک بحث یہ چلی تھی کہ کیا (1) حتی سامی زبان ہے جس پر ہند یورپی زیر سطح ہے یا فوق سطح ہے یا (2) یہ ہند یورپی زبان ہے جس پر سامی اکادی کا شدید اثر ہے۔ 1915 میں Hrozny نے شناخت کیا کہ یہ ہند یورپی زبان ہے۔ 1917 میں اس نے حتی کے بارے میں اپنی کتاب شائع کر دی۔ 12 سال بعد J. Kurylowicz نے اس کی کچھ آوازوں کی شناخت کی جن کی بنا پر ماہرین لسانیات نے یہ نظریہ پیش کیا کہ حتی ہند یورپی کی بہن ہے بیٹی نہیں۔ استرتے وانت اسی نظریے کا حامی ہے۔ وہ ہند یورپی اور حتی کو ملا کر ہند حتی کہتا ہے۔

بوغاز کوئی کی کھدائی میں بعض مذہبی رسوم سے متعلق چند عبارتیں ملیں۔ ان سے حتی سے مماثل ایک اور زبان یا بولی Luwian دریافت ہوئی۔ کچھ اور بھولی بھٹکی زبانیں بھی اسی کے رشتے میں منسلک کی جا رہی ہیں۔ ان کا نتیجہ ذیل کے چارٹ میں دیکھیے



قدیمی ہند حتی (Proto - Indo - Hittite) کا زمانہ 2900 ق م تا

2400 ق م طے کیا گیا ہے۔ اس وقت اس کی دو شاخیں ہو گئیں جن میں ایک کو ہند یورپی اور دوسری کو اناطولی کہیں گے۔ اناطولی شاخ ایشیائے کوچک سے متعلق ہے۔ لیڈین 1500 ق م کے قریب اسی علاقے میں بولی جاتی تھی۔ اس کی 53 تختیاں ملی ہیں۔ پہلے اسے کسی بھی خاندان سے متعلق نہیں کیا جاتا تھا۔ استرتے وانت نے اسے حتی خاندان میں رکھا ہے لیسین (Lycian) زبان جنوبی مغربی ایشیائے کوچک میں بولی جاتی تھی۔ مولودِ مسیح تک یہ بھی ختم ہو گئی۔ اس کے ڈیڑھ سو کتبے اور سکے ملے ہیں۔ بعض اسے لوین سے ارتقایافتہ مانتے ہیں۔ حتی سے ایک مختلف رسم الخط میں 1400 ق م تا 500 ق م کے کچھ کتبات ملے۔ ان کی زبان کو ہیرو غلیفی حتی کہا گیا ہے۔ پلائی کا تعلق وہاں کے مقام 'پلا' سے ہے۔ لووین کا بھی حتی سے نزدیکی تعلق ہے۔ اِن سب زبانوں کو اناطولی کہا گیا۔ علمائے اور بہت سے مردہ زبانوں کو اناطولی سے ملا کر ایشیائی (Asianic) نام دیا لیکن وہ رائج نہیں ہوا یہ ایک نقطۂ نظر ہے لیکن دوسرا نقطۂ نظر بھی اس سے کم اہم نہیں۔

1952 میں کریٹ کے لکیری خط ب (Minoan linear یا Mycenean) میں لکھے بعض کتبات پڑھے گئے تو معلوم ہوا کہ ان کی زبان 1500 ق م کی یونانی ہے۔ ان سے حتی کا معاصر یونانی مواد سامنے آیا جس کی وجہ سے ہند یورپی[2] کے ماہرین کا خیال ہے کہ حتی ہند یورپی کی شاخ ہی تھی۔ اس میں اور ہند یورپی میں بڑے اختلافات کی توجیہ یوں کی جاتی ہے کہ حتی بولنے والے سب سے پہلے ہند یورپیوں سے جدا ہوئے اور عرصے تک جدا رہے جس کی وجہ سے اتنے اختلافات اُبھر آئے ہیں۔

راقم الحروف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا کہ حقیقت کیا ہے۔ جہاں تک نام کا تعلق ہے اس خاندان کو اب بھی ہند یورپی کہنے کا رواج ہے۔

قدیم ہند یورپی بولنے والے لوگوں کو آریہ کہنے میں ہم کسی ہچکچاہٹ کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ان کا اصل مقام کیا تھا جہاں سے وہ مختلف سمتوں میں پھیلے، اس مسئلے میں علما میں شدید اختلافات ہیں۔ بعض نے اس میں وطنی عصبیت کا بھی ثبوت دیا ہے۔ چونکہ اس سوال کا تعلق لسانیات سے نہیں بلکہ تاریخ سے ہے اس لیے اس پر اجمال کے ساتھ نظر ڈالی جائے

---

2 Lehman:- Historical Linguistics P30

گی۔ اس سلسلے میں چار نقطۂ ہائے نظر ہیں۔

ا۔ ان کا وطن ہندوستان تھا۔

ب۔ ان کا وطن ایشیا میں ہندوستان کے علاوہ کہیں اور تھا۔

ج۔ ان کا سرچشمہ یورپ میں تھا۔

د۔ ان کی ابتدائی سرزمین ایشیا اور یورپ کی سرحد پہ تھی۔

الف:۔ ہندوستان کو وطن قرار دینے والے زیادہ تر وہ ہندوستانی پنڈت ہیں جو قدیم بھارتی تہذیب کے شیدائی ہیں۔ ان میں مہامہو پادھیائے ڈاکٹر گنگا ناتھ جھا، ڈاکٹر سمپورنانند، اوناش چندر داس، ایل ڈی کلا اور ڈی ایس ترویدی وغیرہ ہیں۔ یہ سرسوتی ندی کے دہانے، ہمالیہ یا ملتان وغیرہ کو آریوں کا مرکز قرار دیتے ہیں۔ لطیفہ یہ ہے کہ ملتان کی لفظ اصل (ethymology) "مول ستھان" بہ معنی اصل مقام قرار دیتے ہیں اور یہ مول استھان آریوں کا مول استھان تھا۔ کیا ایجادِ بندہ منطق ہے۔

ان کا وطن ہندوستان ہونے کے خلاف حسب ذیل دلائل ہیں۔

1۔ اس خاندان کی زیادہ تر زبانیں مغرب میں بولی جاتی ہیں۔ ہندوستان محض ایک سرے پر ہے۔ زیادہ امکان یہ ہے کہ کوئی وسطی علاقہ وطن رہا ہو گا۔

2۔ وادی سندھ کی تہذیب کے نقوش اب تقسیم شدہ ہندوستان میں بھی بعض جگہ دریافت ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ آریوں سے پہلے کے، غالباً دراوڑ نسل والے تھے۔ اگر یہ شمالی اور وسطی ہند میں کسی جگہ آباد تھے تو آریہ بعد میں کہیں باہر سے آئے ہوں گے۔ یوں بھی ہندوستان میں دوسری نسل والے منڈا اور دراوڑ آباد ہیں اور کسی کی ہمت نہیں کہ انھیں آریوں کے بعد آنے والا قرار دے۔

3۔ حتی زبان کی دریافت کے بعد ہند یورپی کا مرکز ایشیائے کوچک کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ یہ بھی اندازہ ہوا ہے کہ ہند یورپی کی قدیم ترین آوازیں حتی میں اور کسی حد تک تخونیائی میں موجود ہیں۔ حتی آوازیں بہر حال سنسکرت سے فرسودہ تر ہیں۔

ب:۔ ہندوستان کے باہر ایشیا میں وطن قرار دینے والے نظریات یہ ہیں۔

1۔ میکس مُلر کے مطابق ان کا وطن ہندوستان کے شمال میں پامیر پلیٹو تھا۔

2۔ مشہور ہندوستانی مورخ سردیسائی کے مطابق ایشیائی روس میں جھیل بال کل

(بیکال ؟) آریوں کا وطن تھا۔ وہاں اب بھی سات ندیوں کا دیش (سپت سندھو) نامی صوبہ ہے۔

3۔ اطالوی ماہر بشریات سر جی (Sergi) نے ایشیائے کوچک کے پلیٹو کو وطن قرار دیا۔ حتیٰ زبان سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

ج۔ یورپ کو مندرجہ ذیل نے آریوں کا مولد و منشا مانا۔

1۔ نرنگ نے مٹی کے برتنوں کی بنا پر جنوبی روس کو وطن قرار دیا۔

2۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا میں ڈاکٹر گائلز نے جنوب مشرقی اور جنوب وسطی یورپ کو وطن اوّل مانا ہے۔ انھوں نے مختلف ہند یورپی زبانوں کے الفاظ کا مقابلہ کر کے نتیجہ نکالا کہ آریہ لوگ ہاتھی، گدھے اونٹ اور شیر سے آشنا نہیں تھے لیکن گائے، بیل، سور، ریچھ، ہرن اور بھیڑ وغیرہ سے واقف تھے۔ پیڑوں میں willow، elm، birch اور beech سے واقف ہونے کا امکان ہے۔ یہ خانہ بدوش نہیں تھے بلکہ ایک جگہ رہ کر کھیتی کرتے تھے۔ اس طرح ہنگری، بلقان، آسٹریا وغیرہ میں اُن کا وطن اصلی ہونے کا امکان ہے۔

3۔ گرے نے مختلف قدیم ہند یورپی زبانوں کے مطالعے سے اخذ کیا کہ اصل باشندے برف، birch، اور beech کے پیڑوں گھوڑے، تانبے اور لوہے سے واقف تھے۔ سمندر کے لیے کوئی مشترک لفظ نہیں ملتا۔ تانبے اور لوہے کے الفاظ میں خلط ہے۔ گرے نے تانبے کے عہد کو قدیم آریوں کے منتشر ہونے کا زمانہ قرار دیا ہے۔ ان تمام شہادتوں کو دیکھ کر فیصلہ کیا ہے کہ آریوں کا اصل وطن کہیں مرکزی یورپ میں تھا جہاں سے وہ موجودہ گروہوں میں 2500 ق م کے قریب پھٹ چکے تھے۔

4۔ تاریخی لسانیات کے کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ لتھونیا کی زبان قدیمی ہند یورپی سے سب سے نزدیک ہے۔ اس لیے لتھونیا ہی اُن کا وطن ہو سکتا ہے۔

5۔ ہرٹ نے پولینڈ میں وسچولاندی کو مولدِ اوّل قرار دے کر کہا کہ مشرق کی طرف ستم زبانوں والے تھے اور مغرب کی طرف کنیٹم والے۔ لیکن اب ایشیا میں کنیٹم خاندان کی طخاری (اور شاید حتی) کی دریافت کے بعد اُن کی دلیل کی تغلیط ہو گئی ہے۔

6۔ کچھ ماہرین بشریات نے جرمنی کو اُن کا وطن قرار دیا۔ نازیوں کا تو یہ مسلک تھا ہی کہ

نارڈک نسل کا بہترین خون جرمنوں ہی میں ہیں گویا جرمنی ہی آریوں کا مولدِ اوّل ہے۔

7۔ ماہرِ آثارِ قدیمہ پچ اور چند دوسرے علمانے بحیرۂ بالٹک کے مغربی کنارے کو وطن مانا۔

8۔ 1860 میں اسکینڈی نیویائی زبانوں کے ماہر ڈاکٹر نے اسکینڈی نیویا کو وسط ایشیا پر ترجیح دی۔ پینکا (Penka) نے بشریات کی بنا پر یہی نتیجہ نکالا۔

د۔ مندرجہ ذیل نے یورپ اور ایشیا کی سرحد کو وطن قرار دیا اور یہی سب سے زیادہ پسندیدہ نظریے ہیں۔

1۔ سلاف زبانوں کے ماہر ڈاکٹر شریڈر (DR Schreader) نے بحرِ اخضر (کیسپین سمندر) کے شمال اور والگا ندی کے دہانے کے بیچ کے علاقے کو آریوں کا وطن ٹھہرایا۔

2۔ ڈاکٹر برینڈیسٹائن (Brandenstein) نے تقابلی معنیات کی بنا پر یورال کے دکن کو وطن قرار دیا ہے۔ انھوں نے معنیات کا مقابلہ کر کے بتایا کہ پہلے آریہ ایک مقام پر تھے بعد میں ہند ایرانی ان سے الگ ہو گئے۔ اس کے بعد اصل گروہ بھی اپنے مقام سے منتقل ہو گیا۔ اصلاً آریہ کسی خشک مقام پر پہاڑ کے نیچے کی ترائی میں رہتے تھے اور جنگلوں سے دور تھے۔ یہ منجملہ دوسرے جانوروں کے بھیڑیے، لومڑی، بھیڑ، سور، ہرن، خرگوش اور اود بلاؤ وغیرہ سے واقف تھے۔ سب کچھ دیکھتے ہوئے یہ مقام کوہِ یورال کے جنوب مشرق میں کرغیز کا میدان تھا۔

ڈاکٹر سنتی کمار چیٹر جی بھی اسی نظریے کے حامی ہیں۔ مرکزی مقام ہونے کی وجہ سے یہی علاقہ امکانی وطن معلوم ہوتا ہے۔

ہند یورپی زبانوں کی خصوصیات

1۔ ان زبانوں میں تصریف کا عمل لاحقوں سے ہوتا ہے۔ چند مستثنیات کے علاوہ ان لاحقوں کی ہم جتنی بھی پیچھے تک تلاش و تحقیق کریں وہ کبھی مکمل با معنی لفظ کے روپ میں نہیں ملتے۔ چند استثنائیں گے مثلاً manly میں ly مخفف ہے like کا۔

لیکن ایسی چند مثالیں کی بنا پر ہم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ تصریفی لاحقے کبھی آزاد روپ تھے بعض اہم مفاہیم کو ادا کرنے والے لاحقے محض ایک آواز بھر کے ہوتے ہیں مثلاً کرو۔ کرے۔ مرا۔ walked کتابم۔

2- ان زبانوں میں سابقے بھی ہیں جو لفظوں کے معنی میں ترمیم کرتے ہیں لیکن نحوی رشتوں کا اظہار کبھی نہیں کرتے۔

3- مادّے عموماً یک رکنی ہوتے ہیں جن میں حسب ضرورت ایک، دو، تین لاحقے جوڑ کر تصریف کی جاتی ہے۔ یہ لاحقے ابتدائی اور ثانوی ہوتے ہیں جیسے آیئے گا، کھا رہے ہیں، میں کئی لاحقے ہیں۔

4- سامی کی طرح یہ زبانیں بھی مرکبی سے تحلیلی ہوتی جا رہی ہیں۔ does اصلاً do.eth یعنی do + he تھا۔ اب اس میں علیحدہ سے ضمیر لگا کر hedoes کہتے ہیں تب بات مکمل ہوتی ہے۔

5- ہند یورپی میں سچے مرکبات بنانے کی صلاحیت ہے۔ سامی زبانوں میں محض دو لفظوں کو پاس پاس رکھ کر ہی مرکب بنایا جاتا ہے لیکن ہند یورپی میں مرکب سازی کے امکانات بے نہایت ہیں مثلاً ملاحظہ ہوں

جلنساہٹ۔ تیگڈا۔ نکتا Psycho-analysis - Afrasian وغیرہ

اصل مرکب وہ ہے جو دونوں اجزا کے انفرادی مفہوم کا جوڑ ہی نہیں ہوتا بلکہ کچھ مزید ہوتا ہے اور اگر دونوں اجزا مل کر ایک مفرد مفہوم دیں تب تو مرکب بہت ہی کامیاب ہے مثلاً غلام گردش بمعنی برآمدہ۔ breakfast بہ معنی ناشتہ۔ سبز قدم بہ معنی منحوس۔ ایک انتہائی مثال دیکھیے۔ انگلستان میں ویلز کے پاس ایک جزیرے میں ایک مقام کا نام حروف کا مرکب ہے جس کے معنی ہیں

"سینٹ میری کا گرجا، سفید ہیزل (ایک درخت) کے کھوکھے ہیں، تیز گرداب کے پاس، نیز سینٹ Tisilio کے گرجا (متصل سرخ غار) کے قریب"

6- Varied gradation یعنی مصوتی تدریج (کیفیتی ابلاؤٹ) بھی ہند یورپی زبانوں کی خصوصیت ہے۔ تحت صوتی سے بعض الفاظ کے تصریفی لاحقے جاتے رہے تو مشتق شکل میں مصوتے کا معمولی سا اختلاف ہی تصریف کی نشانی رہ گیا مثلاً انگریزی میں drink سے drank۔

7- چونکہ اس خاندان کی زبانیں بہت دور دراز کے مقامات تک پھیلی ہیں اس لیے مختلف شاخوں نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق تصریفی چھیپے لے لیے۔ پھر ہر زبان میں کچھ نئے

چسپیے پیدا ہو گئے۔ اس لیے اس خاندان کو مختلف شاخوں میں مختلف قسم کے چسپیے ملتے ہیں۔ چسپیوں کا یہ تنوع اور افراط بھی اس خاندان کی خصوصیت ہے۔

انیسویں صدی میں شلے چر (S-chleicher) نے قدیم ہند یورپی میں ایک حکایت لکھی تھی۔ ہرٹ نے اپنے نظریوں کے مطابق اس حکایت کو پھر سے لکھا حتی اور Myceanaan یونانی کی دریافت کے بعد ان باز تعمیرات پر نظر ثانی کرنی پڑے گی۔ اب ہند یورپی کی 3000 قدیم شکلوں کی باز تعمیر بھی ممکن ہے۔

ہند یورپی خاندان کی شاخیں

ہند یورپی کی نسلی تقسیم کرتے ہوئے پہلے ہمارے سامنے حتی کا مسئلہ آتا ہے کہ اسے ہند یورپی کے تحت رکھا جائے یا برابر۔ دراصل دونوں طرح کوئی بڑا فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ عام طور سے مانا جاتا ہے کہ اگر حتی ہند یورپی سے نکلی بھی تو یہ سب سے پہلے کٹ چکی تھی، بقیہ شاخیں بعد میں جدا ہوئیں۔ گویا کچھ نہ کچھ صدیاں ایسی آئیں جن میں ایک طرف حتی زبان کا علیحدہ وجود تھا دوسری طرف غیر حتی ہند یورپی کا۔ سہولت کے لیے ہم حتی کو ہند یورپی کے تحت ہی مان کر چلتے ہیں۔

1870ء میں ایسکولی (Ascoli) نے ہند یورپی کو دو شاخوں میں تقسیم کیا۔ اس نے بتایا کہ قدیم ہند یورپی میں کچھ تالوئی آوازیں تھیں جنھیں [K - Kh - g - gh] سے پیش کیا جاتا ہے۔ ایک شاخ میں یہ آواز ک میں بدل گئی دوسری میں س، ش میں۔ ایسکولی کے اصولوں کو لے کر فان بریڈکے، نے کینٹم (Centum) اور ستم (Satam) گروہ بنائے۔ کینٹم لیٹن میں اور ستم اوستا میں سو کے عدد کو کہتے ہیں۔ مختلف ہند یورپی زبانوں میں سو کے عدد کے لیے جو لفظ ہے وہ ہند یورپی کے تالوئی K کی مختلف زبانوں میں ک یا س میں تبدیلی کو بہترین طرح پیش کرتا ہے۔ چنانچہ ان زبانوں میں سو کے لیے یہ الفاظ ہیں۔

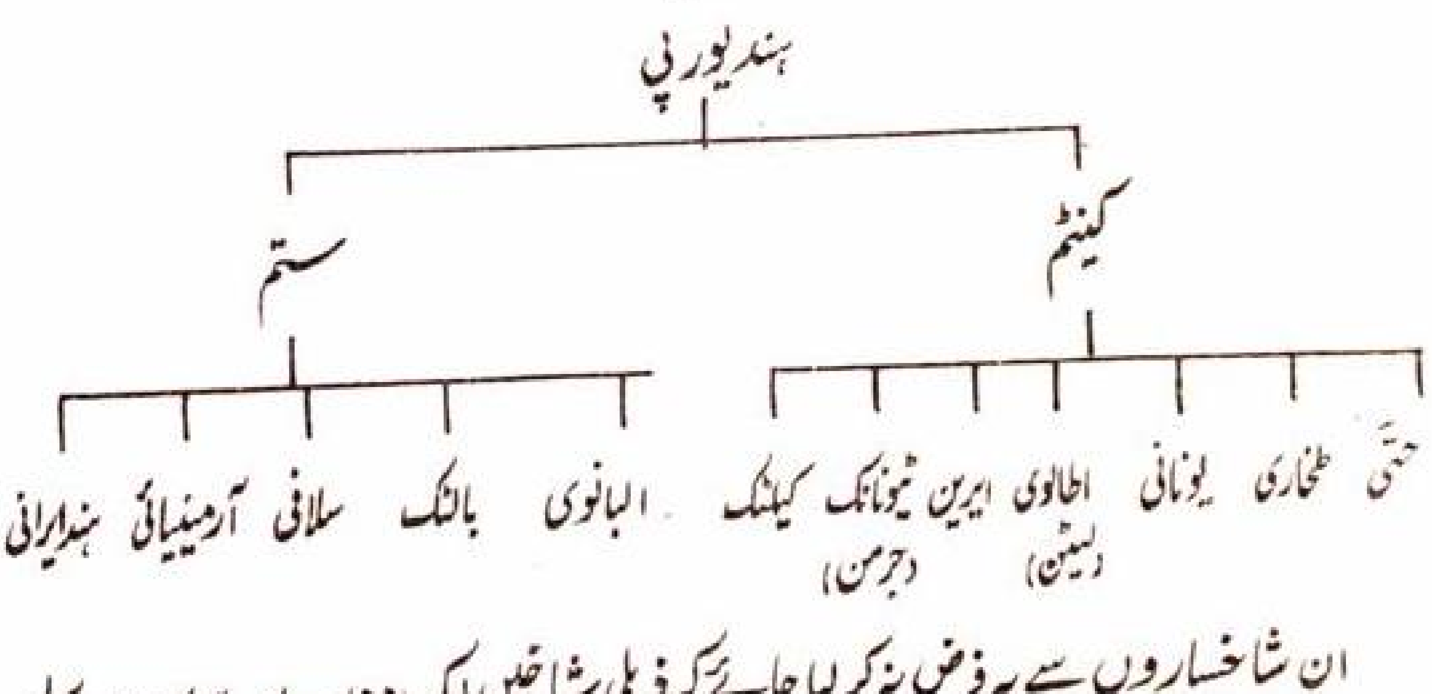
ابتدائی ہند یورپی کا قیاسی تشکیل شدہ لفظ k̂mtom

کنٹم خاندان		ستم خاندان	
طخاری	کندھ	اوستا	ستم

یونانی	ہیکٹون	فارسی	صد
لیٹن	کینٹم	سنسکرت	شتم
اطالوی	کینٹو	ہندی	سو
گیلک	کیوڈ	روسی	ستو (Sto)
فرنچ	کینت	بلغاری	شتو
برٹن	کینٹ	لتھونیائی	(Szimtas)

ایسکولی نے جب یہ نظریہ پیش کیا اس وقت تک حتی اور طخاری دریافت نہیں ہوئی تھیں اس لیے اس نے یہ خیال پیش کیا کہ ستم زبانیں مشرقی ہیں اور کینٹم مغربی لیکن حتی اور طخاری دونوں کینٹم تھیں اور ایشیا میں تھیں۔ اس طرح یہ بعد مشرقین جاتا رہا۔ اس دو شاخہ تقسیم کے بارے میں بعض اوقات کسی قدر شک کا اظہار کیا گیا ہے۔ محض ایک صوتی تبدیلی کی بنا پر زبانوں کی تقسیم کچھ زیادہ محتاط کام نہیں۔ اگر دونوں شاخیں اس طرح پھٹتیں کہ کچھ عرصے تک دونوں کے علیحدہ علیحدہ مورث اعلیٰ ہوتے تو ان میں ک اور س کے علاوہ اور بہت سے اختلافات بھی ہونے چاہئیں تھے۔ شاید ایک صوتی تبدیلی سے ہند یورپی تالوی مصمتے مشرق میں س اور مغرب میں ک ہو گئے۔ یہ حتی اور طخاری میں اس لیے در نہ آسکے کہ یہ بہت عرصہ قبل جدا ہو چکی تھیں یا یہ دور کے علاقوں میں واقع تھیں۔ بہرحال بالٹک زبان میں ہند یورپی کی تمام تالوی آوازیں سینیوں میں نہیں بدلیں۔

ہند یورپی کی شاخیں موٹے طور پر یہ ہیں۔



ان شاخساروں سے یہ فرض نہ کر لیا جائے کہ ذیلی شاخیں ایک دوسرے سے بہت پہلے

منقسم ہونے کی وجہ سے بہت مختلف ہیں۔ دراصل یہ شاخیں ایک دوسرے سے جغرافیائی قربت کی وجہ سے ہمیشہ ایک دوسرے کو متاثر کرتی رہی ہیں۔ اس لیے اُن کے رشتے کسی قدر پیچیدہ ہوگئے ہیں مثلاً جرمن خاندان کی زبان انگریزی میں لیٹن خاندان کی زبان فرنچ کے الفاظ اکثریت میں ہیں۔

یہ یقینی ہے کہ ایک زمانے میں ہندیورپی خاندان میں کہیں زیادہ زبانیں تھیں۔ ہمارے سامنے بعض معدوم زبانوں کی کچھ نشانیاں ہیں مثلاً قدیم Sarmation، فریجین، ایرین وغیرہ۔ بعض ایسی نابود ہوئی ہوں گی کہ اُن کے آثار بھی موجود نہیں۔ گرے نے موجودہ ہندیورپی زبانوں کو یوں بارہ گروہوں میں تقسیم کیا

ہندایرانی، طخاری، حتی، آرمینی، Thra aco_ Friqian، یونانی، البانوی، ایرین، اطالوی، کیلٹک، ٹیوٹانک، بالٹوسلافی۔

ہندیورپی کا بہترین مطالعہ کرنے والے حسب ذیل ہیں۔

برگمان، شریڈر، ہرٹ، Fiest، A. Meillet

اب کینٹم اور ستم کو بنیاد بنا کر مختلف ذیلی خاندانوں کا جائزہ لیا جاتا ہے

کینٹم گروہ

حتی:۔ اس کی تفصیل پہلے درج کی جا چکی ہے۔ یہ زبان ایشیائے کوچک میں 1900 ق م سے 1500 ق م تک بولی جاتی تھی۔ اس کی کچھ خصوصیات یہ ہیں۔

1۔ یہ لیٹن سے بہت ملتی جلتی ہے۔ ضمائر میں خاص طور سے لیٹن سے مماثلت ہے جس کی وجہ سے اسے کینٹم خاندان میں رکھا گیا ہے۔

2۔ اس میں ایک مخصوص آواز ہے جسے [ہ] سے ظاہر کیا جاتا ہے یہ غالباً صفیری حلقی خ ہے۔

3۔ اس میں دو جنس ہیں مذکر اور غیر ذی روح۔ مونث جنس کا نہ ہونا حتی کا ہندیورپی سے سب سے بڑا اختلاف ہے۔

4۔ اس میں ہندیورپی کی سات حالتوں میں سے چھ ہیں

5۔ فعل کا نظام ہندیورپی کی دوسری زبانوں کے مقابلے میں بہت سادہ ہے۔ زمانے صرف دو ہیں حال اور ماضی اور دو طور (mood) ہیں۔

6 اسم اور فعل دونوں میں بعض الفاظ میں تکرار سے بھی کام لیا جاتا ہے مثلاً
آگ آگس : مینڈک - کال کال ٹرے : ایک باجا - کاٹ کاٹ اینو : بہانا
استرتے وانت نے حتی گرامر مرتب کی ہے۔

طخاری :- بیسویں صدی عیسوی ابتدا میں ایک جرمن فرانچ مہم چینی ترکستان کے مقام تُرفان گئی۔ یہ علاقہ اب چینی سِن کیانگ کا حصہ ہے۔ وہاں ایک قدیم براہمی نژاد رسم الخط Central Asian slanting script میں بہت سے مخطوطات ملے۔ پروفیسر سیگ (Sieg) نے اُنھیں پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ ہند یورپی خاندان کی ایک گمشدہ زبان طخاری میں ہیں۔ یہ ادب قدیم طب اور بدھ مذہب سے متعلق تھا۔ گریرسن کے مطابق مہابھارت میں تشارا (तुषारा) اور یونانی کتابوں میں تو خارونی قوم کا ذکر ملتا ہے۔ ممکن ہے یہی طخاری لوگ ہوں۔ انھوں نے وسط ایشیا میں اپنی سلطنت دوسری صدی قبل مسیح سے ساتویں صدی عیسوی تک قائم کی۔ یہی طخاری زبان کا زمانہ ہے۔

اس زبان کو یہ نام شاید کسی غلط فہمی کے تحت دے دیا گیا ہے۔ اس زبان میں دو بولیاں ہیں جنھیں فی الحال A اور B کہتے ہیں۔ ماہرین نے چاہا کہ ان کے نام بدل کر A کو Agnean یا ترفانین یا Agnean یا مشرقی طخاری کہا جائے اور B کو Karashahian یا مغربی طخاری کہیں لیکن یہ نام قبول نہیں کیے گئے۔ مشرقی طخاری میں اس زبان کا نام Kuchean دیا ہوا ہے اس لیے پوری زبان کو طخاری کہہ دیا گیا۔ ابھی بولی ہی کا مطالعہ ہوا ہے دوسری کا اتنا زیادہ نہیں۔ طخاری پر پڑوس کی التائی زبانوں کا خاصہ اثر ہے۔

طخاری میں حتی کے مقابلے میں نحتِ صوتی بہت زیادہ ہوا ہے لیکن اس کے باوجود طخاری کے روپ حتی سے زیادہ فرسودہ ہیں۔ طخاری دوسری ہند یورپی زبانوں سے مماثل نہیں۔ اس کی چند خصوصیات یہ ہیں۔

1- اس میں ہند یورپی کے مصوتے سہل اور کم کر دیے گئے۔ طویل اور خفیف مصوتوں کا فرق نظر انداز کر دیا گیا۔ بندشیوں میں محض پ، ت، ک برقرار رہے۔ بعد میں سنسکرت اور دوسرے ماخذوں سے لے کر مزید بندشیے شامل کر دیے گئے۔

2- اس میں نو حالتیں ہیں تین پہلے کی ہیں چھ بعد میں شامل کی گئیں۔ بعض حالتوں میں جمع کا صیغہ

امتزاجی انداز سے لاحقے شامل کر کے بنتا ہے۔

3- ضمیر اور اعداد بالکل ہند یورپی ہیں۔

4- فعل کا نظام حتی کے مقابلے میں زیادہ پیچیدہ ہے۔ اس میں اصل ہند یورپی کے بہت سے روپ باقی رہ گئے ہیں۔

یونانی یا ہیلنک (Helenic) خاندان

2000 ق م میں یونان کے علاقے میں غیر ہند یورپی لوگ رہتے تھے۔ دو ہزار ق م کے قریب ہلینوں (ہند یورپی یونانیوں) نے جنوب کی طرف کو حملے کیے اور لہروں میں جنوب کی طرف کو بڑھتے اور بستے گئے۔ آخری لہر 1200 ق م میں Dorics کی تھی۔ یونان جس طرح سیاسی حیثیت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا رہا ہے اسی طرح لسانی حیثیت سے بھی یونانی زبان میں بہت سی بولیاں رہی ہیں۔ ان سے نواحی بولیوں کو غیر مہذب سمجھا جاتا تھا چنانچہ مقدونیہ تک کی بولیوں کو غیر سمجھتے تھے اور وحشیانہ قرار دیتے تھے۔

یونانی اور ویدک سنسکرت کا مقابلہ کیا جائے تو یہ نکات ابھرتے ہیں

1- دونوں میں قواعدی ڈھانچہ بہت مفصل ہے۔

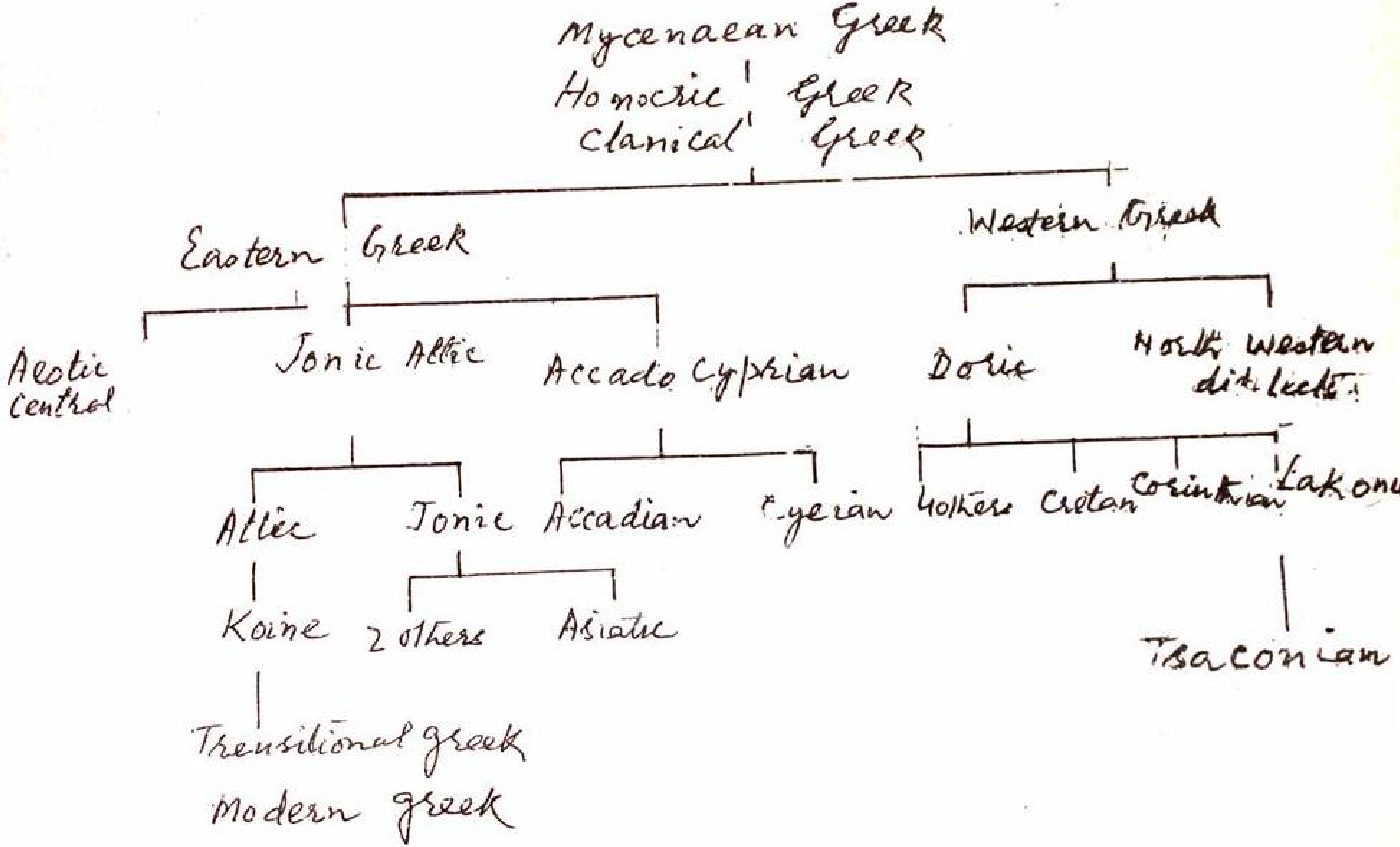
2- اصل ہند یورپی کے مصوتے یونانی میں اور مصمتے ویدک میں بہتر طریقے پر محفوظ ہیں۔ یونانی میں دوہرے مصوتے بہت ہیں۔

3- دونوں زبانوں میں سُر کی طرف رجحان ہے۔ یونانی میں چوتھی صدی تک سُر تھا جس کے بعد جاتا رہا۔

4- اسم و ضمیر کی حالتیں یونانی میں سنسکرت سے کم ہیں۔

5- دونوں میں تثنیہ پایا جاتا ہے۔

یونانی زبان کے چار دور کیے جاتے ہیں (1) قدیم یا ہومری (2) کلاسکی (3) عبوری (4) جدید۔ ایلیڈ اور اوڈیسی برائے نام ہومر کی تصانیف ہیں۔ یہ سیکڑوں سال کے عرصے میں مختلف لوگوں نے تصنیف کیں۔ ہومر ان کا مدون ہو سکتا ہے۔ ان کی تاریخ 1000 ق م سے شروع کی جاتی ہے لیکن یونانی زبان ان سے قدیم تر ہے۔ ٹرائے کی فتح 1200 ق م کے قریب مانی جاتی ہے لیکن اب یونانی زبان کے اس سے بھی پہلے کے نقوش ملے ہیں۔ جزیرہ کریٹ میں لکیری خط ب B


Mycenaean Greek
Homeric Greek
Classical Greek
Eastern Greek
Western Greek
Aeolic central
Ionic Attic
Accado Cyprian
Doric
North western dialects
Attic
Ionic
Accadian
Cyprian
4 others
Cretan
Corinthian
Lakonian
Koine
2 others
Asiatic
Tsaconian
Transitional greek
Modern greek

میں لکھی مٹی کی تختیاں ملیں۔ اس خط میں 73 نشانات ہیں جو 1450 ق م اور Linear 1200 ق م کے بیچ کے ہیں۔ 1952ء میں مائکل وینٹریز (Myceanean) انھیں پڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ ایک صوت رکنی خط ہے جس میں Ventries زبان لکھی ہوئی ہے۔ اس سے قبل یونانی کے کتبے 750 ق م کے قریب سے ملتے تھے۔ اب مزید 700 سال کا اضافہ ہو گیا ہے۔ زبان کی یہ منزل یعنی 1500 ق م تا 1200 ق م یا 1000 ق م ہومری سے بھی پہلے کی قرار دی جائے گی۔ اب ہم یونانی زبان کی شاخوں کو موٹے طور پر یوں بیان کر سکتے ہیں۔

ہومری نظموں میں دو بولیاں دکھائی دیتی ہیں ایونک (Jonic) اور ایولک (Aeolic)۔ ہومری یونانی خاص طور سے ایونک کی قدیم منزل ہے لیکن اس میں کسی حد تک ایولک بھی ملی ہوئی ہے یعنی ہومری زبان قدیم ایونک ایولک بولی ہے۔ کلاسکی یونانی کا زمانہ 500 ق م تا 300 ق م سمجھنا چاہیے۔ اس وقت زبان کے دو بڑے گروہ مشرقی اور مغربی ہو گئے مغربی کی Doric شاخ زیادہ پرانی ہے۔ ڈورکوں نے ایجین اور کریٹ کی قبل یونانی تہذیب کو ختم کیا۔ مندرجہ بالا نقشے کی کریٹی بولی ان سے پہلے کے کریٹیوں کی زبان نہیں بلکہ ڈورکوں ہی کی کریٹی بولی ہے۔

مشرقی یونانی کی تیسری شاخ سے Myceneaean کو متعلق کیا جاتا ہے۔ مشرقی یونانی بلکہ کلاسکی یونانی میں سب سے اہم بولی ایٹک ہے۔ یہی یونانی کی معیاری زبان بن گئی۔ 400 ق م میں یہ یونان کی عام اور سرکاری زبان ہو گئی۔ فتح مقدونیہ کے بعد اسے (the common language) he Koine dialecto. کہنے لگے جو مخفف ہو کر محض Koine کہلائی۔ اسی سے جدید یونانی نے ارتقا پایا ہے۔ ایتھنز کی آزادی ختم ہونے پر کلاسکی دور ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد یونانی کے ارتقا کی سات واضح اور ایک عبوری منزل نظر آتی ہیں۔ ان سب ادوار میں اہلِ قلم ایٹک الفاظ پر رجوع کرنے کا رجحان رکھتے ہیں۔ 1450 کے قریب جدید یونانی رونما ہوتی ہے۔ جدید بولیوں میں تقریباً آٹھ گروہ نظر آتے ہیں جنھیں شمالی اور جنوبی میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ شمالی بولیوں میں بل زیادہ ہے جس کی وجہ سے بغیر بل کے صوت رکنوں میں مصوتے حذف ہو جاتے ہیں۔

زکونین کے علاوہ کوئی بولی اپنے ضلع کی قدیمی بولی سے نہیں نکلی۔ سب کی سب ایٹک کے روپ Koine سے نکلی ہیں۔ زکونین واحد ڈورک بولی ہے جو آج بھی قدیم ڈورِک علاقے

میں بولی جاتی ہے۔ آج یونانی زبان کی بولیاں یونان کے علاوہ کریٹ، سائپرس اور ترکی کے بعض علاقوں میں بولی جاتی ہیں۔

کلاسکی اور جدید یونانی میں بہت سے اختلافات ہیں۔ جدید یونانی میں مصوتے کے طول کو نظر انداز کیا جاتا ہے، سُر کے لہجے کی بجائے شدید بل کا لہجہ آگیا ہے اور تحلیلی رجحان کے طور پر فعل کی گردان میں تصریفی چسپیوں کی جگہ امدادی الفاظ نے لے لی ہے۔

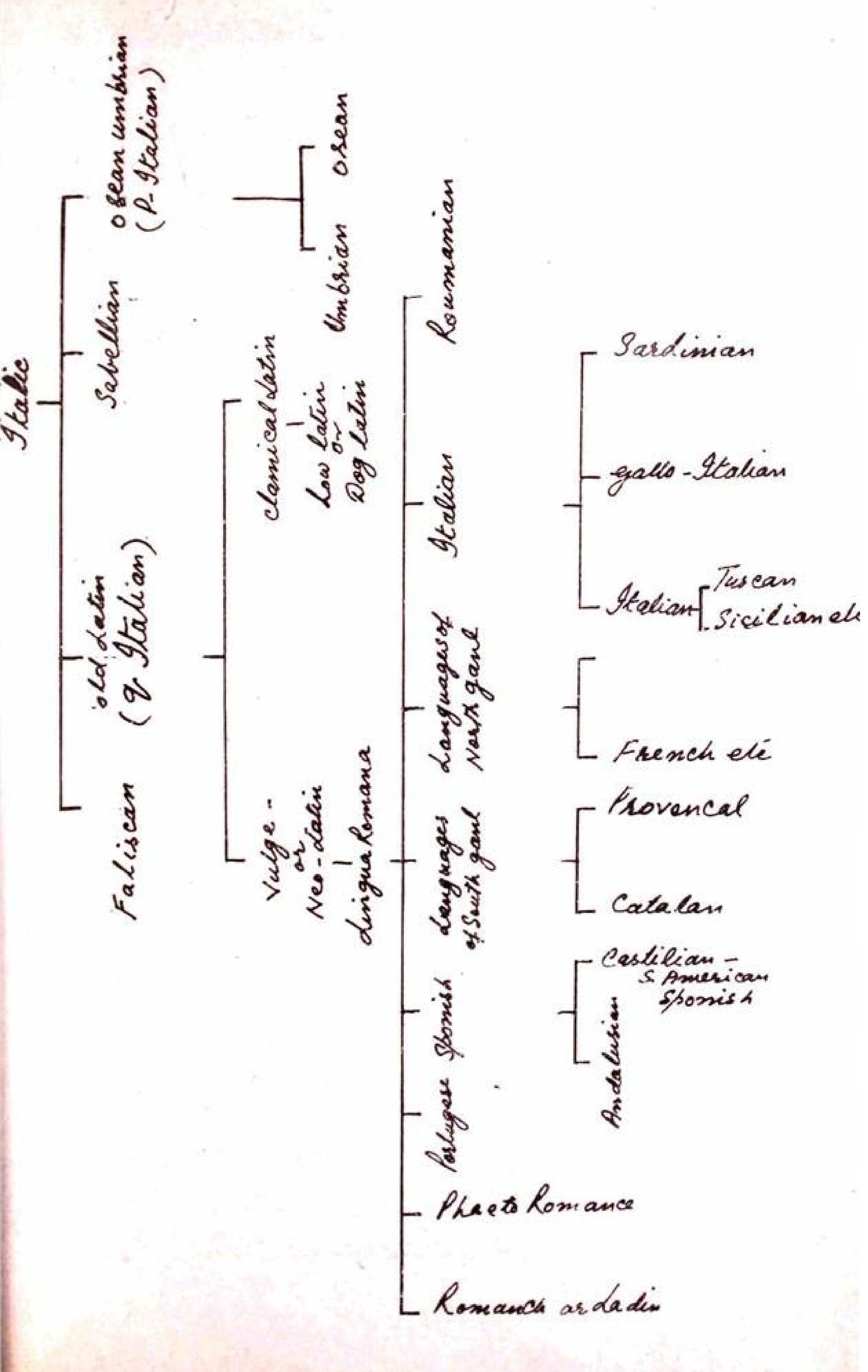
مقدونین (Macedonian) کا یونانی سے تعلق غیر واضح ہے۔ کچھ لوگ اسے یونانی بولی کہتے ہیں اور کچھ ایلیرین کی بولی۔ اس کے کچھ glosses (الفاظ جو مشکل لغات کے معنی کے طور پر مسودے میں لکھ دیے جاتے ہیں) اور کچھ اعلام ملے ہیں جو کے منقدونین ہونے کا پورا یقین نہیں۔ اس زبان میں قدیم ہکاری بندشیوں کو غیر ہکاری کر دیا جاتا ہے۔ یہ کینٹم گروہ ہی کی معلوم ہوتی ہے۔ ہوف مان نے 1906 میں اس زبان کے بارے میں کتاب شائع کی۔

اطالوی خاندان

اطالوی اور کلتی خاندان میں اتنی مماثلت ہے کہ بعض علما نے قبل تاریخ کے اطالوی کلتی اتحاد کا تصور کیا ہے۔ ان دونوں کے بیچ کا ایک خاندان Liguerian تھا جس کی محض ایک زبان Lepontine کے کتبے شمالی اٹلی میں ملتے ہیں۔

اطالوی زبانیں جزیرہ نما اٹلی میں ایک ہزار قبل مسیح سے پہلے کئی لہروں میں پہنچیں۔ ان کا زمانہ یونانیوں کے یونان پہنچنے کے بعد کا ہے۔ ساتویں صدی قبل مسیح سے پہلے اٹلی کا کیا لسانی نقشہ تھا ہمیں معلوم نہیں۔ تفصیل سے 250 ق م ہی سے معلوم ہے۔ قدیم اطالوی زبانیں دو حصوں میں تقسیم کی جاتی ہیں۔ ایک میں ابتدائی ہند یورپی کا [پ] پ رہتا ہے جب کہ دوسری میں (q) ہو جاتا ہے۔ پہلی شاخ کو آسکن امبرین کہہ سکتے ہیں۔ دوسری کو قدیم لیٹن۔ لیٹن زبانوں کا پھیلاؤ رومن حکومت کے عروج کے ساتھ وابستہ ہے۔ اطالوی زبانوں کی تقسیم کو ہم چارٹ کے ذریعہ یوں پیش کر سکتے ہیں۔

آسکن امبرین معدوم زبانیں ہیں۔ آسکن جنوبی اٹلی زبان تھی۔ اس کے تقریباً دو سو کتبے تقریباً دو صدی قبل مسیح سے ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ سکوں اور لیٹن تحریروں وغیرہ میں ملتی ہے۔ آسکن میں یونانی اور لتھونیائی کی طرح ابتدائی ہند یورپی کے مصوتے موجود ہیں۔ امبرین زبان پورے شمالی اٹلی میں رائج تھی۔ اس کی سات لوحیں دریافت ہوئی ہیں ان میں سے کچھ امبرین تحریریں 200 ق م اور 120 ق م



Italic
Faliscan
old Latin (q Italian)
Sabellian
Oscan Umbrian (P. Italian)
Vulgar or Neo-Latin
Lingua Romana
Classical Latin
Low Latin or Dog Latin
Umbrian
Oscan
Roumanian
Italian
Languages of North Gaul
Languages of South Gaul
Spanish
Portugese
Phaeto Romance
Romanch or Ladin
Sardinian
Gallo-Italian
Italian
Tuscan
Sicilian etc
French etc
Provencal
Catalan
Castilian - S. American Spanish
Andalusian

کی ہیں اور کچھ لیٹن تحریریں 150 ق م اور 70 ق م کے بیچ کی ہیں۔ ان میں چار سے پانچ ہزار الفاظ اور قواعدی شکلیں ہیں۔ یہ دونوں پ والی زبانیں ہیں۔ ان میں لیٹن سے کافی مختلف ہے۔ اب اُن کی جگہ لیٹن خاندان کی زبانیں بولی جاتی ہیں۔

سابیلین گروپ آسکن اور امبرین کے بیچ کا ہے لیکن اس کے نمونے بہت کم ہیں۔ آٹھ کتبے جنھیں سابیلین کہا جاتا ہے اطالوی ہی ہی نہیں شاید الیرین زبان کے ہوں۔ آسکن امبرین اور سابیلین دونوں میں ابتدائی ہند یورپی کی جو آواز پ بن کر آتی ہے وہ لیٹن میں ک ہو جاتی ہے۔

قدیم لیٹن کے نمونے 600 ق م سے ملتے ہیں۔ ابتدا میں یہ وسطی اٹلی یعنی روم اور اس کے آس پاس کی زبان تھی۔ کلاسیکل نہیں تحریری اور ادبی زبان تھی اس کا ادب تیسری صدی ق م سے شروع ہو کر چار سو سال تک رہا۔ کلاسکی لاطینیوں نے یونانیوں اور دوسرے پرانے مصنفوں کی نقل میں اپنے ادب کو مشکل بنا لیا۔ اُنھوں نے اپنی زبان کا نحو بھی یونانی جیسا کرنا چاہا۔ ام لیٹن کو نیم خواندہ پادریوں نے مسخ کر کے استعمال کیا تو اسے پست لیٹن یا کلبی لیٹن (dog latin) کہا گیا۔

رومن حکومت کے زمانے میں عوام کی زبان کو سوتیانہ لیٹن یا ئی لیٹن کہتے تھے۔ لیٹن کے بیشتر قدیم نمونے ادبی ہیں لیکن اس مصنوعی زبان کے علاوہ ایک تقریری بولی بھی تھی جس کا پہلی صدی ق م کا نمونہ satyricon میں محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ رومن سلطنت کے ہزاروں کتبوں میں تقریری زبان کے نمونے ملتے ہیں۔ ان سب میں ایک بولی ہے۔

گرے نے لیٹن کے مختلف ادوار بڑی قطعیت کے ساتھ دیے ہیں۔ زبانوں میں سال کی یہ قطعیت نہیں ہوا کرتی۔ ممکن ہے یہ مخصوص کتبات کا سال ہو۔ بہر حال وہ ادوار[1] یہ ہیں۔

قدیم لیٹن ابتدا سے 82 ق م تک۔ کلاسکی لیٹن 81 ق م سے 14 تک۔ سلور لیٹن 14 سے 117 تک۔ فرسودہ (Archaic) لیٹن 117 سے 180 تک۔ سوتیانہ لیٹن 180 سے اس کے اختتام تک۔

لیٹن میں ابتدائی ہند یورپی کے بہت سے دوہرے مصوتے اکہرے ہو جاتے ہیں۔ لیٹن خاندان کی دوسری ذیلی شاخ Faliscan ہے جس کے کچھ لغات، اعلام اور کتبے ملتے ہیں۔

جب رومن فاتح دوسرے ممالک میں پہنچے تو وہ اپنی سونیانہ لیٹن لے گئے جہاں اسے رومی زبان (Lingua Romana) کہا گیا۔ مختلف ملکوں میں اس کا مختلف طور پر ارتقا ہوا جس

---

[1] Gray:- Foundation of Language - P. 333

سے مختلف زبانیں پیدا ہوگئیں۔ اس پر اتفاق نہیں کہ کب سوتیانہ لیٹن ختم ہوئی اور رومانس زبانیں پیدا ہوئیں۔ درمیانی کڑی گم ہوگئی ہے۔ پھر بھی رومانس زبانوں کے اُبھرنے کا تقریبی زمانہ قیاس کیا جاتا ہے۔ ان کے قدیم ترین کتبے ذیل کی تاریخوں کے ملتے ہیں۔

فرنچ، اسٹراسبرگ کی قسم 848۔ اطالوی 964۔ پراونکال گیارھویں صدی کی ابتدا۔ اسپینی 1142۔ Catalan 1171۔ پرتگالی 1192۔ رومانیں سولھویں صدی عیسوی۔

رومانین کا قدیم ترین ادبی نمونہ 1482 کا ہے۔ یہ زبان پوری طرح سولھویں صدی میں تشکیل پذیر ہوئی۔ یہ رومانیہ، ٹرانس سلوینیا نیز یونان کے کچھ حصوں میں بولی جاتی ہے۔ اس کی ایک بولی مقدونیہ یونان میں بولی جاتی ہے۔ اس میں دخیل الفاظ بہت زیادہ ہیں 40% سلافی، 25% یونانی اور ترکی۔ صرف 35% خالص لیٹن ماخذوں سے ہیں۔

اطالوی ادب 964 سے ملتا ہے۔ اطالوی زبان میں دسویں صدی تک تشکیل پا چکی تھی۔ اس کی بولیوں کے تین واضح گروہ ہیں۔ ا سارڈینیائی دو جزیروں کارسیکا اور سارڈینیا میں بولی جاتی ہے۔ 2 گیلو اٹالین شمالی اٹلی میں بولی جاتی ہے۔ 3 خاص اطالوی کی کئی بولیاں ہیں جن میں ٹسکن سب سے اہم ہے کیونکہ اسی سے اطالوی کی معیاری بولی نکلی۔ ڈانٹے کی شاعری ٹسکن بولی ہی میں ہے۔ اطالوی زبان اٹلی کے باہر بھی بولی جاتی ہے مثلاً مالٹا میں مالٹی جو عربی کے اوپر اطالوی کے چڑھا دینے سے بنی ہے۔ اسے ہم نے سامی کے ذیل میں لیا ہے لیکن یہ سامی اور اطالوی کی مخلوط بولی ہے۔

ایٹورومانس کا ادب بہت کم ہے۔ یہ 1380 سے ملتا جلتا ہے اس زبان میں بہت سی بولیاں ہیں جو فرانس اور اٹلی کی سرحد پر کوہ ایلپس میں بولی جاتی ہیں۔ اسی سے ملتی ہوئی Rumanch یا Ladini ہے جسے سوئٹزرلینڈ میں تقریباً ایک لاکھ آدمی بولتے ہیں۔ یہ سوئٹزرلینڈ کی تین زبانوں میں سے ہے۔

تمام رومانس زبانوں میں فرنچ میں سب سے زیادہ یک رنگی رہی ہے۔ سوقیانہ لیٹن سے شمالی گال میں Langu-ed'oil اور جنوبی گال میں Langue d'oc نکلیں۔ عجیب نام ہیں۔ فرنچ میں oil اور oc دونوں کے معنی ہیں 'ہاں'۔ اس ایک لفظ کی بنا پر دونوں زبانوں کی تقسیم کی گئی۔ شمالی شاخ کی چار بولیاں ہیں جن میں پیرس کی بولی Ile-de-France فرنچ کی معیاری بولی بن گئی اور تیرھویں صدی کے بعد وہ بقیہ تین بولیوں پر غالب ہوگئی۔ شمالی شاخ میں لثوی ل، ر نرم ہو کر دیتی ت، د ہو جاتی ہیں۔ فرنچ بہت شیریں اور مترنم زبان ہے۔ بیرونی ممالک میں فرنچ کی بہت سی شکلیں ہیں۔ کناڈا کے صوبہ کیوبک کی فرنچ اور Nova-Scotia

اور لوسینیائی بولیاں سترھویں صدی کی فرنچ پر مبنی ہیں چنانچہ کیوبک کی زبان میں اس عہد کی بعض خصوصیات محفوظ ہیں۔ ویسٹ انڈیز کے Haiti اور ماریشس وغیرہ میں بہت مخلوط قسم کی حبشی فرنچ بولیاں ابھر آئی ہیں۔

پراں وے کال دسویں صدی میں ظہور پذیر ہوئی۔ اس کا قدیم ترین نمونہ دسویں صدی کے آخر یا گیارھویں صدی کے شروع کا ہے۔ دسویں صدی سے تیرھویں صدی تک یہ جنوبی فرانس کی خاص زبان تھی جس کے بعد فرنچ نے اُسے ختم کردیا۔ اب اس کے چند ہی بولنے والے رہ گئے ہیں۔ اس کی ایک بولی Catalan اسپین میں بولی جاتی ہے۔ یہ بولی بارھویں صدی میں شکل پذیر ہوئی۔ پراں وے کال اطالوی اور فرنچ کے بیچ کڑی معلوم ہوتی ہے۔

اسپین کے اصل باشندے باسک (Basque) تھے۔ بعد میں وہاں اسپینی بولنے والے لاطینی پہنچے۔ ایک زمانے میں اسپین عربوں کے زیرِ نگیں آگیا۔ اس طرح اسپینی زبان بہت کچھ رل مل گئی ہے اور تمام رومانس زبانوں میں یہ لیٹن سے سب سے دور ہے۔ اس کا قدیم ترین ادبی نمونہ 1192 کا ملتا ہے۔ سولھویں صدی میں اسپینی زبان وسطی اور جنوبی امریکہ میں اور مشرق میں جزیرہ فلپائن میں پہنچی۔ برازیل کے علاوہ یہ جنوبی امریکہ کے سبھی ملکوں میں بولی جاتی ہے اور وہاں یہ سولھویں صدی کی خالص اسپینی ہے۔ اسپینی کی بولیوں میں Castilian معیاری زبان ہے۔ بعض کے نزدیک جنوبی امریکہ کی اسپینی کیس ٹیلین سے نکلی اور دوسروں کی رائے میں اندلسی بولی ہے۔

پرتگالی زبان کا قدیم ترین ادبی نمونہ 1192 کا ہے۔ اسپینی کی طرح ایک زمانے میں یہ بھی باہر کے ممالک میں کافی پھیلی۔ اب پرتگال کے علاوہ برازیل کی قومی زبان ہے۔ بعض ممالک میں اس کی مخلوط بولیاں بولی جاتی ہیں۔ گوا میں کونکنی کے ساتھ مل کر گوآئی پرتگالی تیار ہوئی۔

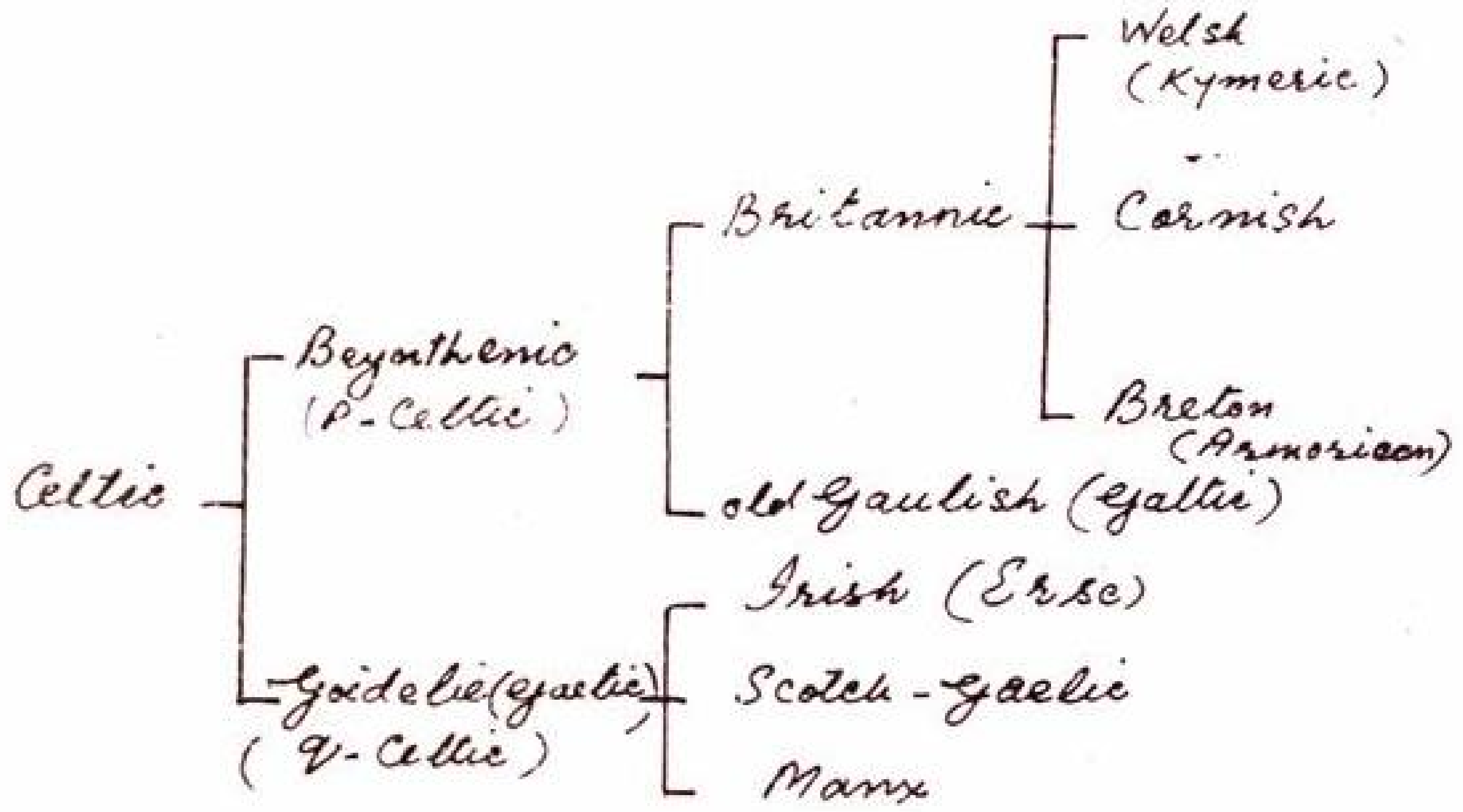
کیلٹِک خاندان

ایک زمانے میں یہ زبانیں پورے مغربی یورپ اور جزائر برطانیہ میں پھیلی ہوئی تھیں۔ مولودِ مسیح سے قبل کی پانچ صدیوں میں یہ اسپین اور شمالی اٹلی میں رائج تھیں۔ چوتھی صدی عیسوی میں ترکی کے شہر انقرہ تک ان کا تسلط تھا۔ اب یہ ختم ہوتی جارہی ہے۔ اطالوی اور جرمن خاندانوں کی زبانوں نے انھیں جزائر برطان کے بالکل مغرب میں پہنچادیا ہے۔

اس خاندان کی اطالوی خاندان کے ساتھ حیرت ناک مماثلت ہے۔ یہاں بھی وہی پ زبانوں

اورک زبانوں کی تقسیم ہے جو لیٹن میں تھی۔ ہند یورپی پنک (پانچ) ویلش زبان میں پمپ اور آئرش میں کوئنک (Stream subs) ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے بعض نے اطالوی کلٹی خاندان کا تصور کیا۔ کلٹی زبانیں تمام ہند یورپی زبانوں میں سب سے مشکل ہیں کیونکہ ان کی فونیمات بہت پیچیدہ ہے۔ بعض کلٹی زبانوں میں شدید بل کا لہجہ ہے جس کی وجہ سے مصوتے گر گئے ہیں اور موجودہ روپ کو ہند یورپی قرار دینا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اسم کی حالت کے چسپیے تقریباً ختم ہو گئے اور اُن کی جگہ حروفِ جار سے کام لیا جانے لگا۔ ان خصوصیات کی وجہ سے شروع میں ان زبانوں کو ہند یورپی خاندان سے الگ سمجھا گیا تھا بعض کا خیال ہے کہ کلی زبانوں میں ایک غیر ہند یورپی زیر سطح ہے

اس کی زبانوں کا چارٹ یہ ہے۔



گالک یا اولڈ گالش ایک زمانے میں بہت پھیلی ہوئی تھی۔ پہلی دوسری صدی قبل مسیح میں گال نسل کے لوگ پورے مغربی اور جنوب مغربی یورپ پر پھیلے ہوئے تھے۔ اُنھیں کی وجہ سے فرانس کا پرانا نام 'گال' ہو گیا تھا۔ جنرل ڈی گال جیسا نام اسی کی یادگار ہے۔ 280 میں گال لوگ بحرِ اسود کو پار کر کے ایشیائے کوچک گئے جہاں اُنھوں نے اپنے نام پر صوبہ Galatea قائم کیا۔
چوتھی صدی عیسوی میں گالی زبان انقرہ کے پاس بولی جاتی تھی۔ اب اس زبان کے نمونے کچھ ناموں، تشریحی فرہنگوں، سکوں اور کتبوں وغیرہ میں ملتے ہیں۔
طلبہ کتابوں میں مشکل الفاظ کے معنی لکھ دیتے ہیں۔ انھیں glosses کہتے ہیں۔ بعض مردہ

کیلٹک زبانوں کے الفاظ اسی طرح جمع ہوئے ہیں۔ 800 سے ویلش اور برٹین زبانوں کے لیے ایسی تشریحی فرہنگیں ملتی ہیں۔ ویلش پ کلٹی زبان ہے اور کلٹی زبانوں میں سب سے اہم۔ اسے انگلستان کے صوبہ ویلز میں دس لاکھ سے زیادہ آدمی بولتے ہیں۔ اس کے قدیم ترین کتبے آٹھویں صدی کے ہیں لیکن اس کے ادب کا عروج 1000 اور 1300 کے بیچ ہوا۔ جدید دور سولھویں صدی سے شروع ہوتا ہے آج بھی اس میں کچھ نہ کچھ ادبی تخلیقات ہوتی ہیں۔

کارنش کارنوال کی زبان تھی۔ اس کا آخری بولنے والا 1770 میں ختم ہو گیا۔ اس کا پرانا ادب ملتا ہے جس میں پندرھویں صدی کی ایک ڈراموں کی کتاب ہے۔ برٹین کارنش کی بولی معلوم ہوتی ہے۔ جب سیکسنوں نے برطانیہ میں کلٹی لوگوں پر دباؤ ڈالا تو یہ پانچویں صدی کے قریب شمالی مغربی فرانس چلے گئے جہاں اُن کے نام پر صوبہ Brittan ہے۔ اس کے پرانے نمونے دسویں صدی تک کے ملتے ہیں۔ بارھویں صدی کا بھی کچھ ادب ملتا ہے۔

آئرش زبان میں کافی پرانا ادب ملتا ہے جس کی مدد سے قدیم آئرش گرام کی تشکیل کی جا سکتی ہے۔ آئرش زبان کے تین دور ہیں۔

(1) قدیم دور ابتدا سے بارھویں صدی تک (2) وسطی دور بارھویں صدی سے سترھویں کی ابتدا تک (3) جدید دور سترھویں صدی سے تا حال۔

قدیم آئرش میں پانچویں صدی کے مبلغوں کی تحریریں ملتی ہیں اور اس کے بعد آٹھویں صدی کے کچھ تشریحی الفاظ ملتے ہیں۔ انیسویں صدی کی ابتدا میں آئرش آئرلینڈ کی آبادی کے 4/5 کی زبان تھی لیکن اس کے بعد رفتہ رفتہ انگریزی اس کی جگہ لیتی گئی۔ اب آئرش کچھ دیہاتوں میں بولی جاتی ہے نیز مغربی ساحل پر Comack میں۔ بیسویں صدی میں آئرش نے قومی جذبے کے تحت انگریزوں سے آزادی حاصل کی اور آئرش زبان کو فروغ دینا چاہا لیکن انگریزی کے عملی فائدوں کی وجہ سے آئرش مقبول نہیں ہو رہی ہے۔ جدید آئرش کی چار بولیاں ہیں Ulster اور Munster شمالی آئرلینڈ میں اور Leinster جنوبی آئرلینڈ میں رائج ہیں۔ منسٹر آئرلینڈ کی سرکاری زبان ہے۔ پانچویں صدی میں آئرش زبان اسکاٹ لینڈ گئی جہاں اسے اسکاچ گیلی کہتے ہیں۔ یہ تقریباً ختم ہو گئی ہے صرف کچھ اسکولوں میں مذہبی دعاؤں کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ اس میں کچھ پرانی نظمیں بھی ہیں۔

Manx ایک جزیرے Isle of Man کی زبان تھی جو اب ختم ہو گئی ہے۔

Brythons ایک زمانے میں برطانیہ کے بیشتر حصے میں آباد تھے لیکن بعد میں Goidels اور انگریزوں نے فتح کر لیا جس کے بعد اُن کی زبان ختم ہو گئی۔ معلوم ہوتا ہے کلٹی خاندان رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گا۔ یہ انگریزی کے شدید دباؤ میں ہے۔

ٹیوٹاک خاندان

اسے جرمن خاندان کہنے کی بجائے ٹیوٹاک کہنا بہتر ہے کیونکہ جرمن کہنے سے علاقے کا محدود ہوتا ہے۔ ٹیوٹانی خاندان میں اطالوی کلٹی اور سلافی خاندان سے کئی مماثلتیں ہیں۔ لیکن وہ ایسی نہیں کہ ان سب کے کسی قدیمی اتحاد کو ثابت کر سکیں۔ ٹیوٹانک زبانوں کے ذخیرۂ الفاظ میں نصف سے بھی کم یعنی محض 43% خالص ٹیوٹانی ہے۔ بقیہ دوسری ہندیورپی زبانوں کے ساتھ مشترک ہے۔

یہ ہندیورپی کی سب سے اہم اور سب سے پھیلی ہوئی شاخ ہے۔ اس کی زبان انگریزی کے بولنے والے شاید چینی زبان کے بعد سب سے زیادہ ہوں گے۔ تاریخی دور میں اس کے بولنے والے جس طرح امریکہ، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں جاکر آباد ہو گئے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قبلِ تاریخ دور میں ابتدائی ہندیورپی، تبتی چینی یا سامی بولنے والے اپنے اوطان سے نکل کر دوسرے ممالک پر قابض ہوئے ہوں گے

اہلِ روم کلٹیوں اور جرمنوں میں امتیاز نہ کر سکے۔ جرمن شاید ایک چھوٹے کلٹک قبیلے کا نام تھا۔ رمیوں نے یہی نام ٹیوٹانیوں کو دے دیا۔ مقامات اور افراد کے ناموں کے سوا چوتھی صدی سے قبل ہمارے پاس اس خاندان کی زبانوں کا کوئی رکارڈ نہیں۔ اس خاندان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دو بار کچھ آوازوں کا انتقال (khonetic shift) ہوا ہے۔ پہلا انتقال قبل تاریخ دور میں ہوا جس سے ہندیورپی سے ابتدائی ٹیوٹانک علیحدہ ہوئی۔ دوسرا انتقال ساتویں صدی میں ہوا جس سے ٹیوٹانک دو شاخوں نشیبی جرمن اور بالائی جرمن میں بٹ گئی۔ صوتی قوانین کے باب میں اس انتقال کی تفصیل دی جا چکی ہیں۔ یہ انتقال کیوں ہوا اس کے تین نظریے ہیں۔

1۔ جو پہاڑی مقامات زیادہ بلندی پر تھے وہاں مصوتوں کے ادا کرنے میں زیادہ زوردار کوشش کرنی پڑی۔

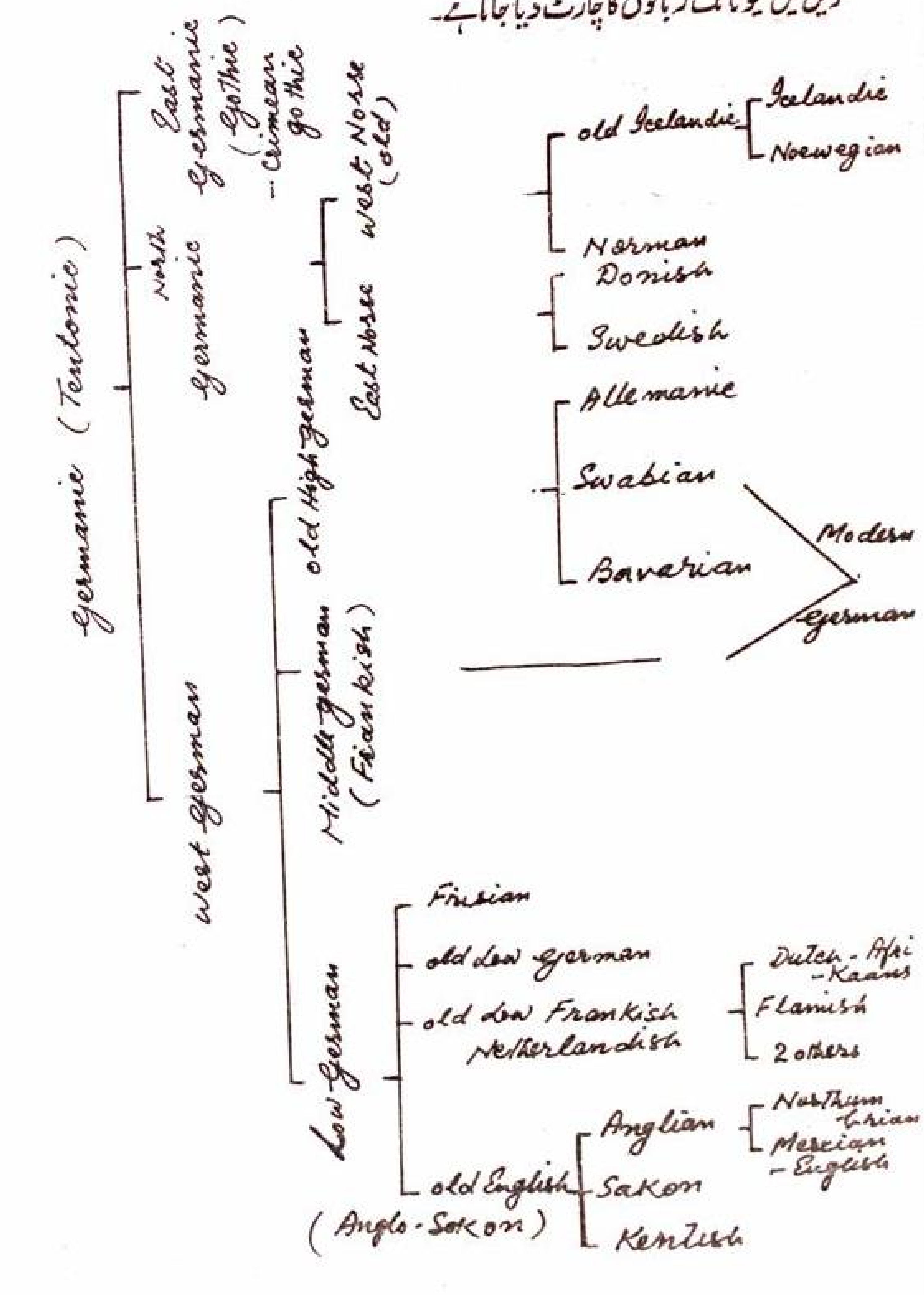
2۔ اس انتقال کی وجوہ محض جسمانی تھیں۔

3۔ آریوں کی آمد سے پہلے یورپ میں کوئی دوسری زبان بولنے والے لوگ رہتے تھے۔ ان کی زیرِ سطح پر

ہند یورپی تھوپی گئی تو بیجتہً صوتی کھسکاؤ رونما ہوگیا۔

اب پہلا نظریہ بالکل مسترد کیا جاتا ہے اور تیسرا سب سے زیادہ مقبول ہے۔ ممکن ہے دوسرا بھی کسی قدر صحیح ہو۔

ذیل میں ٹیوٹانک زبانوں کا چارٹ دیا جاتا ہے۔



ٹیوٹانک خاندان کی تین شاخیں مشرقی، شمالی اور مغربی ہیں۔ مشرقی اور شمالی جرمن میں کچھ مماثلت ہے۔ ان دونوں میں قدیم [ww] بدل کر [ggw] ہوگیا جب کہ مغربی جرمن میں وہ [ww] ہی رہا۔ جرمن خاندان کے قدیم ترین نمونے گاتھک میں ملتے ہیں۔ بشپ Wulfila (311 تا 383) نے بائبل کا گوتھک میں ترجمہ کیا۔ اس کا مخطوطہ پانچویں صدی کے آخر یا چھٹی صدی کا مکتوبہ دستیاب ہے۔ گاتھک زبان کے نحو پر یونانی کا اثر ہے کیونکہ بشپ ولفلا یونانی چرچ سے متعلق تھا۔ گاتھک سادہ اور مرکبی زبان ہے۔ اسپین اور اٹلی میں یہ زبان ختم ہوگئی۔ 1560 کے قریب ایک یورپی سفیر نے ترکی میں کریمیا کے لوگوں میں ایک گوتھک بولی دریافت کی اور اس کے 60 الفاظ قلم بند کر لیے۔ یہ بولی بھی جلد ہی ختم ہوگئی۔

شمالی ٹیوٹانک کا مواد ناروے اور ڈنمارک میں چوتھی صدی سے رونی (Runie) خط ملتا ہے۔ نویں صدی تک شمالی جرمن یعنی فارس زبان میں یکسانیت تھی۔ دسویں صدی کے قریب دو شاخیں ہوگئیں مغربی فارس اور مشرقی فارس۔ مغربی فارس سے آئس لینڈ اور ناروے کی زبانیں نکلیں اور مشرقی سے ڈنمارک (ڈینش) اور سویڈن کی۔ آئس لینڈی میں بارھویں صدی سے اچھا ادب ملتا ہے۔ اس کی کچھ قدیم قواعدیں بھی موجود ہیں جن سے وسطی آئس لینڈی کی تفصیلات معلوم ہوتی ہیں۔ آئس لینڈی زبان ابھی تک مرکبی ہے۔ بقیہ تین اسکینڈینیوین زبانیں آپس میں بہت ملتی جلتی ہیں۔ ناروے اور سویڈن کی زبانوں کے بولنے والے ایک دوسرے کی زبان سمجھ سکتے ہیں۔ ڈینش بولنے والا ان دونوں کو سمجھ سکتا ہے لیکن ناروے اور سویڈن والوں کو ڈینش سمجھنے میں قدرے دقت ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ ناروے، سویڈن اور ڈنمارک تینوں کی زبانیں ایک زبان کی بولیاں ہیں۔ انھیں زبان کا درجہ اس لیے دے دیا گیا ہے کہ ان کے بولنے والے علیحدہ علیحدہ ملکوں میں رہتے ہیں۔

سویڈش زبان میں سُر کا لہجہ ہے۔ غالباً اصل شمالی جرمن یعنی اولڈ فارس میں بھی رہا ہوگا۔ قدیم مغربی فارس کو نارمن لوگ فرانس میں لے گئے۔ نارمن لفظ کی اصل ہے North - man۔ یہ لوگ فرانس جا کر بس گئے۔ یہ زبان مقامی رومن خاندان کی زبان سے مل گئی اور اُن سے نارمن فرنچ متشکل ہوئی۔ جب نارمن لوگ حملہ کرکے انگلستان پہنچ گئے تو اُن کی زبان نے انگریزی پر گہرا اثر ڈالا۔

مغربی جرمن کے دو خاص گروہ ہیں نشیبی جرمن اور بالائی جرمن۔ جرمنی کا شمالی حصہ نیچا اور میدانی ہے۔ جنوبی حصہ پہاڑی اور اونچا ہے۔ ان گروہوں کے نام نشیبی اور بالائی ان کا جغرافیائی سطح کی وجہ سے ہیں لسانی سطح کی وجہ سے نہیں۔

مغربی جرمنی گروہ کے بارے میں دو یا تین قابل ذکر ہیں۔

1۔ ان سب میں تین دور ملتے ہیں قدیم، وسطی اور جدید۔ ہر زبان کے ارتقا میں یہ متوازی نہیں چلتے موٹے طور پر قدیم دور 1100 تک ہے، وسطی دور 1100 سے 1500 تک اور جدید دور 1500 کے بعد۔

2۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان میں کئی زبانوں کی بولیاں رل مل گئی ہیں۔ چارٹ میں انگریزی یا جدید جرمن کو جن بولیوں سے ماخوذ دکھایا ہے وہ صرف انہیں سے نہیں نکلیں بلکہ دوسری بولیوں کے ملغوبے سے بھی جس میں مندرجۂ چارٹ بولی کا اثر غالب تھا۔

قدیم بالائی جرمن کے کتبے ساتویں صدی کے آخر سے ملنے لگتے ہیں۔ اس میں ابتدا ہی سے بولیاں دکھائی دیتی ہیں۔ سوابین سوابیا کے دربار میں بولی جاتی تھی اس سے وسطی بالائی جرمن کا ارتقا ہوا مشہور رزمیہ نظم Niebelungen Lied اسی زبان میں ہے۔ المانی مغرب کی اور بیویریائی مشرق کی بولیاں ہیں۔ ان میں ملاکر اوپری زبانیں بھی کہا جاتا ہے۔

جدید جرمن سولھویں صدی سے شروع ہوتی ہے جب کہ مارٹن لوتھر نے اس میں اپنی بائبل لکھی۔ جدید جرمن پرانی زبان سے نزدیک ہے۔ اس کی خصوصیت مرکب بنانے والے نیز استخراجی لاحقوں کی کثرت ہے۔

قدیم فریزین (Frisian) زبان اینگلو سیکسن سے اتنی مماثل ہوگئی تھی کہ اینگلو سیکسن اور فریزین کو ملاکر اینگلو فریزین کو ایک گروپ سمجھا گیا تھا۔ ٹیوٹانک حملہ آور انگلستان میں تین علاقوں سے آئے لیکن ان کی نسل اور زبان یورپ ہی میں مخلوط بلکہ متحد ہوچکی تھیں۔ فریزین ہالینڈ کے ساحل اور ہالینڈ اور مغربی جرمنی کے قریب کے کچھ جزیروں میں تیرھویں صدی سے ملتی ہے۔ اس میں کئی بولیاں ہیں اور اب اس کے بولنے والے زیادہ نہیں۔

نشیبی فرینک بولیاں ہالینڈ میں پیدا ہوئیں اور بڑھیں۔ ان کی یادگار کئی زبانیں اور بولیاں ہیں جن میں سب سے اہم ڈچ ہے۔ فلیمش Flander لوگوں کی بولی ہے۔ یہ تلفظ میں ڈچ سے تھوڑی مختلف ہے۔ اسے ڈچ کی بولی ہی سمجھنا چاہیے۔ جرمن خاندان سے دو مخلوط زبانیں ہوئیں۔

1۔ افریقن (Afrikeans)۔ یہ جنوبی افریقہ کی ڈچ ہے جو مقامی افریقی الفاظ کے اثر سے بدل گئی ہے۔ اس پر انگریزی، فرنچ اور ملایا پولینیشیائی کا بھی اثر ہے۔

2۔ یہودی جرمن (Yiddish یا Judaeo German)۔ یہ چوتھی صدی کی فرینکونین بولی پر مبنی ہے اور اس میں عبرانی کے کافی الفاظ ہیں۔ اسے جرمنی کے یہودی بولتے ہیں۔

وسطی جرمن (Middle German) کو Frankisch یا Frankomian کہتے ہیں۔ اس کے تین روپ نیچا، وسطی اور بالائی ہیں۔ یہ تین روپ ٹیوٹانک صوتی انتقال سے مختلف درجات میں متاثر ہونے سے ظہور پذیر ہوئے۔ گرے کے مطابق جدید ادبی جرمن اس وسطی جرمن سے بنی ہے۔

نشیبی جرمن بولنے والے اینگل اور سیکسن لوگوں نے برطانیہ پر حملہ کیا۔ وہاں اُن کی زبانیں ملیں۔ جس کے نتیجے میں اینگلو سیکسن یا قدیم انگریزی ظہور میں آئی۔ یہ ساتویں صدی سے شروع ہوتی ہے۔ ادبی تخلیقات مثلاً بیوولف 750 سے کچھ پہلے کی ہیں۔ ابتدائی ادب شمالی میں پیدا ہوا لیکن غالب بولی مغربی سیکسن ہی کے نمونے ملتے ہیں جو نویں صدی کے آخر کے ہیں۔ قدیم انگریزی کی تین بولیاں تھیں۔

اینگلین، سیکسن، کینٹش۔ کینٹش سیکسن سے مشابہ تھی۔ اینگلین کی دو بولیاں ہوئیں نارتھمبرین اور مرسین۔ نارمن فتح کے بعد مرسین بولی زیادہ اہم ہوگئی۔ وسطی انگریزی (1150 تا 1400) ان سب بولیوں سے بنی ہے لیکن اس میں مرسین بولی کا زیادہ اثر ہے۔ وسطی انگریزی سے جدید انگریزی بنی۔ جرمن زبان کی طرح انگریزی بھی کئی بولیوں کے اتحاد کا نتیجہ ہے۔ انگریزی میں نارمنوں کے اثرات کے تحت کثرت سے فرنچ الفاظ داخل ہوگئے۔

اب انگریزی جزائر برطانیہ کے علاوہ کناڈا، یو ایس اے، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں بھی بولی جاتی ہے۔ امریکہ کی انگریزی کو امریکی انگلش کہہ سکتے ہیں۔ اس کے تین ٹائپ ہیں۔

(1) نیو انگلینڈ (Yankee) (2) جنوبی (3) General American

آخر الذکر یو۔ ایس۔ اے کے 4/5 رقبے میں اور دو تہائی آبادی کی زبان ہے۔ اس میں r باقی ہے جب کہ بقیہ دو میں بطور مصمتے کے غائب ہو رہا ہے۔ امریکہ میں بہت سے وہ الفاظ محفوظ ہیں جو برطانیہ کی انگریزی میں فرسودہ ہوگئے۔ برطانوی اور امریکی انگریزی میں بَل کا بھی فرق ہے۔

انیسویں صدی تک یورپ میں فرنچ کی اہمیت تھی اب انگریزی بین الاقوامی زبان ہوگئی ہے اور یہ انگریزوں اور امریکیوں کی بدولت ہوا۔

الیرین (Illyrian) ۔ یہ ایک معدوم زبان یا خاندان کا نام ہے۔ ایک زمانے میں بڑے علاقے میں بولی جاتی تھی۔ اب محض تین لفظوں کا ایک کتبہ البانیہ میں ملا۔ اس کے علاوہ بہت سے شخصوں اور مقامات کے نام ہیں۔ یہ کنتم زبان تھی اور اطالوی خاندان کی حسب ذیل زبانوں سے مماثل تھی۔

1۔ وینیٹی (Venetic) جو جدید Venezia کے قریب ہے۔

2۔ Messapic جو اٹلی کے جنوب میں تھی اور جس کے 180 مختصر کتبے ملتے ہیں۔

3۔ شاید Raetic سے بھی مشابہ تھی۔ ایٹک کے 60 کتبے ملتے ہیں۔

ان تینوں کنٹم زبانوں کے نمونے بھی بہت قلیل ہیں۔ جو لوگ البانوی کو الیرین کی لقیہ سمجھتے ہیں وہ صحیح نہیں کیونکہ الیرین کنٹم نوع کی تھی البانوی ستم ہے۔

کنٹم شاخ کی تفصیلات تمام ہوئیں۔ اب ستم شاخ کا جائزہ کیا جاتا ہے۔

ستم شاخ

اس میں بالٹک، سلافی، البانوی اور ہند ایرانی خاندان شامل ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یورپ میں پورا ستم گروہ کمیونسٹ ہو گیا ہے اور کنٹم گروہ مشرقی جرمنی کے استثنا کے ساتھ غیر کمیونسٹ ہے۔ اس نکتے پر اتفاق نہیں کہ بالٹک اور سلافی دو گروہ ہیں یا ایک۔ دقت یہ ہے کہ دونوں کے کتبات بہت بعد کے ملتے ہیں جن کی وجہ سے یہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ دونوں کے مشترک مقامات ہم نسبی کی وجہ سے ہیں یا پڑوس کے باہمی اثرات کے باعث۔ تاراپور والا نے ان کو ایک گروہ میں رکھا ہے۔ لیہمان نے دو میں۔ ساتھ میں اس دبدھا کا اظہار کیا ہے کہ انھیں ایک مانا جائے یا دو۔ ہم سہولت کے لیے دو مان کر چلتے ہیں۔

بالٹک خاندان

اسے ملک لیتھوانیا کی زبان کی بنا پر لیتھک بھی کہتے ہیں۔ اس میں کل تین زبانیں ہیں۔

Baltic or Lettic
- Old Prussian
- Lithuanian
- Latvian or Lettish

قدیم پرشن سترھویں صدی میں ختم ہو گئی۔ اس کا علاقہ بحیرۂ بالٹک کے ساحل پر وسچولا اور نیمین ندی کے بیچ تھا۔ اس میں پندرھویں اور سولھویں صدی کی تحریریں ملتی ہیں جن میں ایک جرمن پرشن لغت اور کچھ مذہبی سوالات و جوابات شامل ہیں۔ سترھویں صدی کے بعد اس زبان کے کچھ علاقے میں لتھونین اور کچھ میں جرمن بولی جانے لگی۔ اس کے بعد اس خطّے کے جرمن بولنے والوں کو

پرشن کہنے لگے۔ قدیم پرشن اپنی قدامت بالخصوص مصوتی نظام کی وجہ سے ہند یورپی مطالعے کے لیے اہم ہے۔

لتھونین اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ یہ لتھونیا کی زبان ہے۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد لتھونیا کی آزاد مملکت قائم ہوئی۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد روس نے اسے اپنے اندر ملا لیا۔ لتھونین کی بھی پہلی تحریر قدیم پرشن کی طرح لوتھر کا ایک سوال جواب نامہ ہے جو 1547 کی تصنیف ہے۔ ایک اور مشہور کتاب ایک شعری مجموعہ Blesons ہے جو 1570 کے قریب کا ہے۔ ہند یورپی کے ماہر لتھونین کو بہت اہمیت دیتے ہیں کیونکہ اس میں جو قدیم روپ باقی ہیں وہ ویدک سنسکرت میں بھی نہیں۔ اس کے مصوتے ویدک سنسکرت کے مقابلے میں ابتدائی ہند یورپی سے نزدیک تر ہیں۔ اس میں ایک سُر لہجہ برقرار ہے جو ویدک سنسکرت اور قدیم یونانی میں پایا جاتا تھا۔ اس میں اسم کی حالتوں اور تصریف وغیرہ میں بڑے فرسودہ روپ باقی ہیں۔ اس کے بعض روپ ویدک سنسکرت سے مماثلت رکھتے ہیں۔

لیٹوین:۔ یہ لیٹویا کی زبان ہے۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد اس مملکت کو بھی روس نے اپنے اندر ضم کر لیا۔ لیٹوین زبان کے نمونے سولھویں صدی سے ملتے ہیں۔ اس میں زیادہ تبدیلیاں نہیں ہوئی ہیں۔ لتھونین کے برعکس اس میں سُر لہجہ نہیں ہے۔

سلافی خاندان

رومیوں کے زمانے میں سلاف بولیاں بولنے والے جنوب مشرقی پولینڈ اور مغربی روس میں رہتے تھے۔ اس کے بعد وہ پھیلنے بڑھنے شروع ہوئے اور چھٹی ساتویں صدی میں بلغاریہ تک پہنچ کر رومیوں سے جا ملے۔ نویں صدی تک وہ جرمنی کے بیشتر حصے اور آسٹریا تک میں جا بسے تھے۔ چودھویں صدی تک جرمنی میں ساحلِ ایلب پر سلاف زبانوں کا بول بالا تھا۔ اب سلاف لوگ جرمنی سے ہٹ چکے ہیں۔ ان کی زبانوں کا رشتہ ذیل کے چارٹ سے واضح ہوگا۔

سلاف خاندان کی سب سے قدیم زبان جنوبی شاخ کی کلیسائی سلافی یعنی قدیم بلغاریائی ہے۔ 850ء کے فوراً بعد دو مسیحی مبلغ سلاف علاقے میں مسیحیت لے کر گئے اور ان کی زبان میں بائبل کا ترجمہ کیا۔ اس ترجمے کی زبان کو قدیم کلیسائی سلافی کہتے ہیں۔ روسی کلیسا نے اسے اپنی دینی زبان کے طور پر باقی رکھا ہے۔ یہ زبان کلاسکی ہند یورپی زبانوں مثلاً سنسکرت اور یونانی کے بہت قریب ہے۔ اس سے ارتقا پانے والی بلغاریائی بقیہ سلافی زبانوں سے مختلف ہے کیونکہ یہ ساخت میں بالکل

- Slavic
  - South Slavic
    - Church Slavic – Bulgarian
    - Serbo – Croantian
    - Slovenian
  - North Slavic
    - Great Russian
    - Byelo – Russian or white Russian
    - Ukranian or little Russian or Ruthemian
  - West Slavic
    - Chzech (Bohemian)
    - Slovakian
    - Moravian
    - Sora – luian (Wendish)
    - Polish

تحلیلی ہے اور اس کے ذخیرۂ الفاظ میں ترکی، یونانی، رومانیائی اور البانوی عناصر داخل ہوگئے ہیں۔

سلوفینین زبان بحیرۂ ایڈریاٹک کے ساحل پر جنوبی یوگوسلاویہ میں بولی جاتی ہے۔ یہ دسویں صدی سے شروع ہوتی ہے۔ سربوکروئین زبان یوگوسلاویہ کے بقیہ علاقے کی بولیوں کا مجموعہ ہے۔ اس کے کچھ بولنے والے جنوبی ہنگری میں ہیں۔ یہ زبان بارھویں صدی میں آغاز ہوتی ہے۔

شمالی سلاف کی مرکزی زبان عظیم روسی ہے۔ اس کا ادب گیارھویں صدی سے ملتا ہے۔ اٹھارویں صدی میں یہ روس کی معیاری زبان ہوگئی۔ یہ ماسکو کی بولی کی نمائندہ ہے۔ روس کی سرکاری زبان ہونے کے علاوہ یہ ایشیائی روس میں بھی ثانوی زبان کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ سفید روسی یا بائلورشن مغربی روس کی زبان ہے اور لٹل رشن یوکرین کی۔ اس کا ایک نام رتھینین بھی ہے۔ یوکرین کے علاوہ اس کے کچھ بولنے والے آسٹریا کے صوبے گلیشیا میں بھی ہیں۔

مغربی سلاف میں چیک یا بوہیمین چیکوسلواکیہ کے چیک حصے کی زبان ہے۔ اس کا ادب بارھویں صدی سے ملتا ہے۔ سلوویکین اور موریوین محض بولیاں ہیں۔ سورابین یا وینڈک پرشا اور سیکسنی میں بولی جاتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل اس کے بولنے والے محض ایک لاکھ تھے۔ یہ رفتہ رفتہ ختم ہوتی جارہی ہے۔ اس کا قدیم ترین نمونہ سولھویں صدی کی ایک مناجاتی کتاب میں ملتا ہے۔

پولس بہت ترقی یافتہ ہے۔ اس کے قدیم ترین ادبی نمونے 1290 کے ہیں۔ ایک زمانے میں جرمنوں نے پولینڈ پر قبضہ کر کے اس زبان کے استعمال پر ممانعت کر دی تھی جس کی وجہ سے ان لوگوں نے بڑے خوش کے ساتھ اپنی زبان کو زندہ رکھا۔ اب یہ اچھی طرح ترقی کرتی جا رہی ہے۔ اسی کے ساتھ کی ایک زبان پولابش تھی جو اب ختم ہو گئی ہے۔

سلاف زبانوں میں آپس میں اختلافات کم ہیں جن سے نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ زیادہ عرصہ پہلے منقسم نہیں ہوئیں۔ ابتدائی سلاف کی جو باز تعمیر کی جاتی ہے وہ چرچ سلافی سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔

البانین :- یہ واضح نہیں کہ البانوی کس خاندان کی زبان ہے۔ شروع میں تو اسے ایک علیحدہ شاخ ہی نہ سمجھا گیا تھا لیکن اب اس کی ساخت اور صوتیات کی بنا پر اسے علیحدہ خاندان سے متعلق سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ اس کا کوئی پرانا نمونہ موجود نہیں اس لیے اس خاندان کے ماضی کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ اکثر لوگ اسے الیرین کا نمائندہ مانتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ الیرین کنٹم زبان تھی اور البانوی ستم۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ تھریسی فریجین سے نزدیک ہے۔

البانوی زبان کے اولین کتبے بائبل کے باب میتھو کے ترجمے ہیں جو چودھویں صدی سے ملتے ہیں۔ 1462 کی ایک تحریر بپتسمہ کی رسم سے متعلق ہے۔ 1685 میں ایک لیٹن البانوی لغت ملتی ہے اور اس کے بعد دوسرے مذہبی تراجم ہیں۔ انیسویں صدی میں لوک کہانیاں ملتی ہیں۔ اس کی دو بولیاں ہیں شمال میں Gheg اور جنوب میں Tosk جو یونان اور اٹلی تک چلی گئی ہے۔

البانوی میں دخیل الفاظ کی کثرت ہے۔ اطالوی اصل کے الفاظ اتنے زیادہ ہیں کہ پہلے اسے اطالوی خاندان کی زبان سمجھ لیا گیا۔ بعد میں طے ہوا کہ اس کا دور مان مختلف ہے۔ گستاف میر (GUSTAV. MEYER) نے 1891 میں البانوی زبان کی لفظ اصلیات شائع کی۔ اس کے 5140 الفاظ کی تفصیل یہ ہے۔

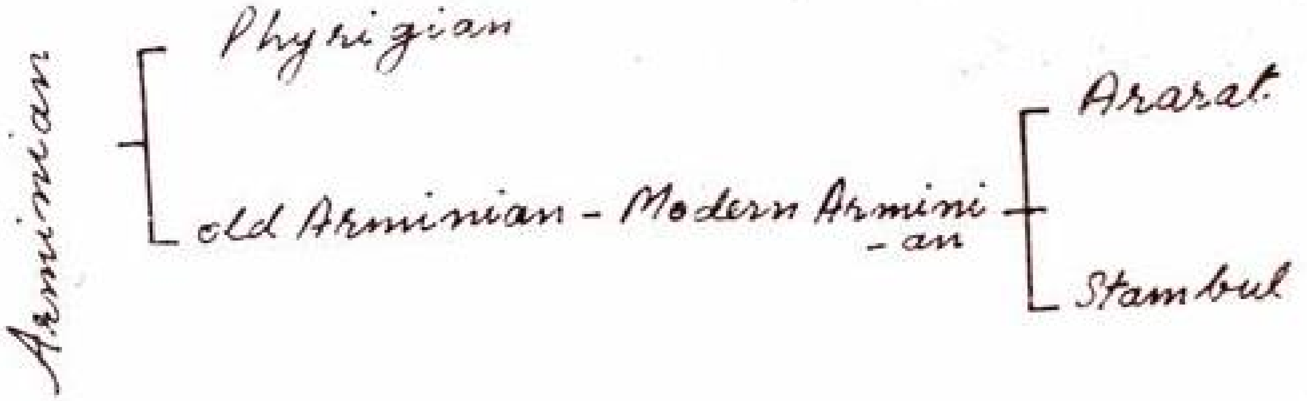
اصل البانوی 430 ۔ رومانس 1420 ۔ ترکی 1180 ۔ جدید یونانی 840 ۔ سلاف 540 ۔
نامعلوم 730 میزان 5140 ۔

دقت یہ ہے کہ البانوی زبان میں اصل دیسی الفاظ کو پہچاننا بھی مشکل ہے

آرمینی خاندان

اصل آرمینی لوگ قبل مسیح دور میں کیسپین سمندر کے مشرق سے چلے اور بحر اسود کے شمال

سے گزر کر ایشیائے کوچک میں حتی حکومت میں جا بسے۔ راستے میں فریجین تھریسین بستیاں نشان کے طور پر چھوڑ گئے۔ اکادی اور یونانی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آرمینی لوگ ولادتِ مسیح سے چند صدیوں قبل آرمینیا میں آ چکے تھے۔ اب یہ زبان جنوبی قاف میں کیپسین اور بحرِ اسود کے بیچ بولی جاتی ہے۔ اس کی ایک شاخ یورپی ترکی میں ہے۔ اس کی تقسیم یوں ہے۔



فریجین زبان سے اس کا تعلق غیر واضح ہے۔ یونانی روایات آرمینیائی کو فریجین کی شاخ قرار دیتی ہیں لیکن شاید اس کے برعکس زیادہ صحیح ہو۔

آرمینیائی کے قدیم ترین کتبے میخی رسمِ خط میں ہیں۔ چوتھی صدی میں عیسائیوں نے اس کا ادب ختم کر دیا۔ چوتھی سے گیارھویں صدی تک عیسائی مذہبی ادب اور تاریخی ادب ملتا ہے۔ پانچویں صدی کا انجیل کا ترجمہ دستیاب ہے۔

کلاسکی آرمینی کی ایک بولی [illegible] کا نام معلوم ہے۔ یہ جھیل [illegible] کے کنارے ضلع تاراوان میں بولی جاتی تھی۔ آرمینی پادری اب بھی کلاسکی آرمینی کو مذہبی کاموں میں استعمال کرتے ہیں۔ بارھویں صدی سے اس کی جدید بولیاں ظاہر ہوئیں۔ انیسویں صدی تک ان میں کوئی خاص تبدیلیاں نہیں ہوئیں۔ اس صدی میں موجودہ آرمینی زبان کی تشکیل ہوئی۔ اس کی دو بولیاں ہیں۔ ارارٹ بولی خاص آرمینیا میں بولی جاتی ہے اور استنبولی قسطنطنیہ کے آس پاس اور بحرِ اسود کے ساحل پر۔ یہ بولی زیادہ اہم ہے۔ اس میں ادب بھی ہے۔ کچھ آرمینی لبنان، یورپ اور امریکہ میں بھی بس گئے ہیں۔

428 تک آرمینیا کا ایران سے گہرا تعلق تھا۔ آرمینیا کا بادشاہ ایران کے شاہی خاندان کا کوئی فرد ہوتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس میں ایرانی زبان کی پارتھین بولی کے الفاظ بھر گئے اور ایرانی چھپیے بھی استعمال ہونے لگے۔ بعض کے نزدیک اس میں خالص ایرانی الفاظ تقریباً دو ہزار ہیں۔ انیسویں صدی میں اسے ایرانی زبان سمجھا گیا لیکن اب طے ہو گیا ہے کہ یہ علیحدہ ہے اس پر کاکیشیائی زبانوں کا بھی اثر ہے اور سامی کا بھی۔ سامی اثرات پہلے سُریانی ([illegible]) کے ذریعے آئے۔

بعد میں عربی کے ذریعے عربی اور ترکی دونوں کے اس الفاظ ملتے ہیں۔ 1897 میں ہیش مان نے آرمینی گرامر شائع کی۔ اس نے 1940 الفاظ کی اصل زبان یوں قرار دی۔

اصل آرمینی 438۔ وسطی پارتھی (ایرانی) 686۔ جدید فارسی عربی 171۔ سریانی Syriac 133۔ یونانی 512۔ میزان 1940۔

اس کے مصمتے سنسکرت سے ملتے ہیں اور مصوتے یونانی سے۔ اس زبان میں مصوتوں کا نظام پیچیدہ ہے۔ اس کی تاریخ میں ایک اہم مصمتی انتقال ہوا جو ٹیوٹانک خاندان کے صوتی انتقال سے بھی زیادہ مکمل تھا۔

کچھ قدیم مردہ زبانیں ایسی ہیں جن کا تھوڑا تھوڑا پتا چلتا ہے اور جو ہند یورپی کے تحت رکھی جاتی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

فریجین Phrygian

قدیم فریجین کے آٹھویں صدی ق م کے 19 کتبے ہیں اور جدید فریجین کے 88۔ ان کے علاوہ چند متفرق الفاظ ملتے ہیں۔ ہیروڈوٹس نے لکھا ہے کہ آرمینیائی سے متعلق تھی۔ اس پر یونانی اثرات تھے۔

قدیم تھریسین Thracian

اس کے کچھ اعلام، کچھ درختوں وغیرہ کے نام اور محض ایک کتبہ ملتا ہے۔ کتبہ بلغاریہ میں 1912 ایک سونے کی انگوٹھی پر ملا لیکن ابھی تک صحیح نہیں پڑھا جا سکا۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے یہ زبان یونان میں بولی جاتی تھی۔ اس کا اور فریجین کا تعلق ہو سکتا ہے۔ دونوں مل کر ایک خاندان Thracian - Phrygian کی شاخیں ہو سکتی ہیں۔ البانوی زبان بھی اسی خاندان سے متعلق ہو سکتی ہے۔ فی الوقت ان سب کا مواد اتنا قلیل ہے کہ کچھ قطعیت کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔

کچھ اور غیر معروف ہند یورپی زبانیں مقدونین Macedonian، وینیسی اور Illyrian وغیرہ تھیں۔

ہند ایرانی یا آریائی شاخ

اب یہ طے ہوگیا ہے کہ آریہ کا اطلاق انھیں لوگوں پر کیا جائے جو خود کو آریہ کہتے تھے چنانچہ آریائی شاخ ہند ایرانی ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس شاخ کی موٹی تقسیم یوں ہے۔



یہ ہند یورپی خاندان کی قدیم ترین شاخ ہے۔ وِنٹرنز نے رِگ وید کے قدیم ترین حصّوں کو تین اور ڈھائی ہزار ق م کے بیچ کا مانا ہے۔ اتنے قدیم نہ بھی ہوں تو دو ہزار قبل مسیح کے ضرور ہوں گے۔ اس کے آخری حصّے ڈیڑھ ہزار قبل مسیح کے ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے چند اجزا اس سے کچھ بعد کے بھی ہوں۔ دوسری زبانوں (مثلاً مائی سینین یونانی) کے قدیم ترین نمونے چند ٹوٹی پھوٹی سطور یا نقوش کی شکل میں ملتے ہیں لیکن آریائی شاخ میں پوری ترقی یافتہ کتاب رگ وید ملتی ہے۔ حتی زبان میں بعض آریہ دیوتاؤں مثلاً ورن، اندر وغیرہ کا ذکر ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ حتی اور طخاری زبانوں کے کتبوں کو تاریخ سے پہلے ہی ہند ایرانی ہند یورپی سے جدا ہو چکی تھی۔ چونکہ ایرانی اور ہند آریائی شاخ میں بہت کچھ مشترک ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہند یورپی سے چھوٹنے کے بعد ان دونوں شاخوں کے بولنے والے کچھ عرصے تک یک جا رہے۔ اس کے بعد ان کی تقسیم عمل میں آئی یعنی ایک گروہ ہندوستانی میں منتقل ہوگیا۔ ہندوستان میں آریہ 1500 ق م تک پہنچ چکے تھے۔

ہند ایرانی شاخ کی چند خصوصیات حسب ذیل ہیں جو دونوں ذیلی شاخوں میں مشترک ہیں لیکن یورپی ہند یورپی میں نہیں۔

1۔ ابتدائی ہند یورپی کے تین مصوتے اَ، اِے، اُو (طویل نیز خفیف) آریائی میں اَ، آ ہو جاتے ہیں۔

2۔ ہند یورپی اَ آریائی میں اِ ہو جاتا ہے۔

3۔ دونوں میں ہند یورپی کے ر، ل (اور ڑ، ڑ) میں خلط والتباس ہے یعنی ر، ل، ڑ، ڑ

بالترتیب ل، ر، ڈ، ڑ میں بدل جاتے ہیں۔ لْ سے مراد معکوسی ل ہے جیسے سنسکرت میں ळ
لکھا جاتا ہے۔

4۔ ہند یورپی میں إ، اُ، ک، ر کے بعد آنے والا س بدل کر ایرانی میں ش اور ہند آریائی میں
ﺷٹ (ष) ہو جاتا ہے۔

ہند ایرانی کی دونوں شاخوں میں اتنی مماثلت ہے کہ بہت سے الفاظ مشترک ہیں یہاں تک کہ ویدک سنسکرت کے جملے برائے نام ترمیم سے اوستائی ہو جاتے ہیں۔ اردو رسم الخط میں انھیں دینا مشکل ہے لیکن پھر بھی ایک ایک جملہ پیش کیا جاتا ہے۔

سنسکرت : یو یتھا، پترم، سومَم وندیت، مریتَم

اوستا : یو تھا پو تھم تَ اُرَ نم ہَ اُومَم بندِتا مشیو

دونوں شاخوں کے چند اختلافات یہ ہیں۔

1۔ لفظ کی ابتدا میں سنسکرت س اوستا میں ہ (ہائے ہوز) ہو جاتا ہے مثلاً سنسکرت سپت، سپتہ، سِندھ، اوستا میں ہپت، ہفتہ، ہند ہے یہ سب اہم فرق ہے۔

2۔ ایرانی میں ھ کاری مصمتے نہیں ہیں۔

3۔ ایرانی میں معکوس مصمتے بھی نہیں۔

4۔ ایرانی میں مصوتے بہت ہیں۔ وہاں آٹھ مصوتے ایسے ہیں جن کی جگہ ہند آریائی میں اُ یا آ کا استعمال ہوتا ہے۔

5۔ قدیم ایرانی میں ل بالکل نہیں

ان کے علاوہ اور بہت سے صوتی اختلافات ہیں۔

اب دونوں شاخوں پر فرداً فرداً غور کیا جاتا ہے۔

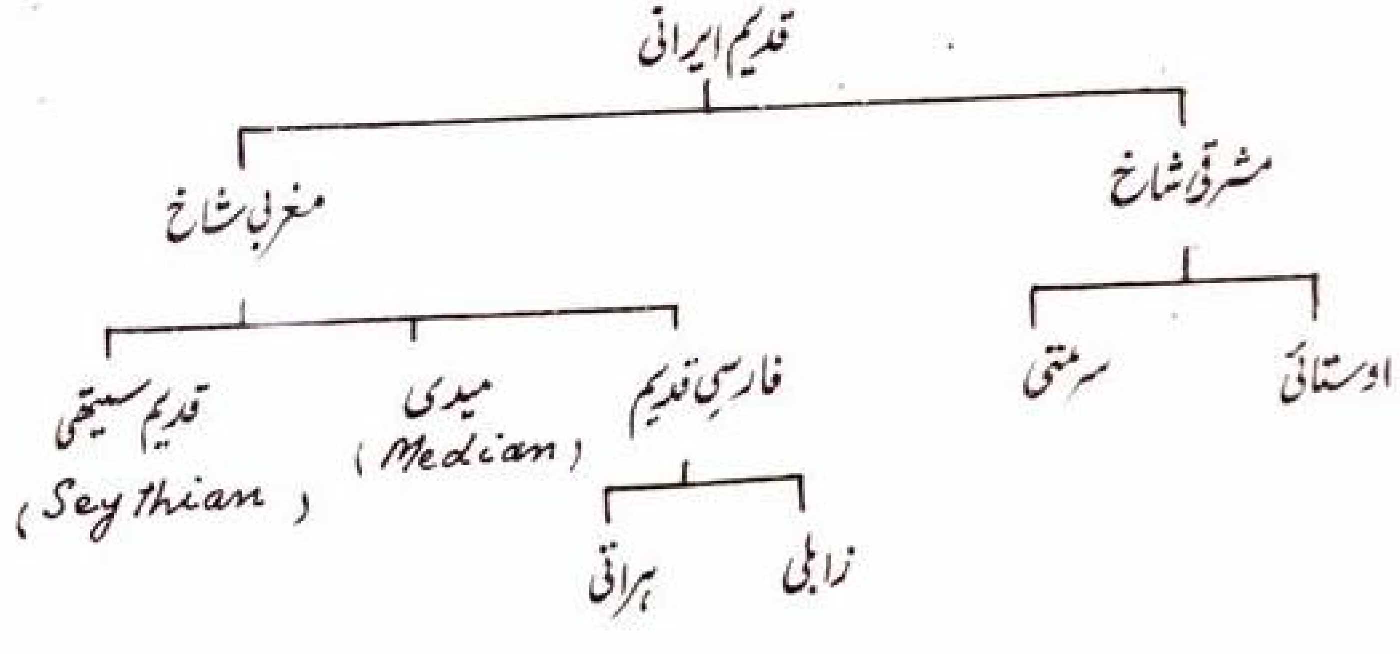
ایرانی شاخ

یہ شاخ کافی قدیم ہے لیکن اس کا قدیم ترین مواد دستیاب نہیں کیونکہ 331 ق م میں جب سکندر نے اصطخر ([illegible]) کو جلایا تو کافی مواد تباہ ہو گیا۔ پانچ صدیوں بعد جب اس نقصان کی تلافی ہوئی تو نویں صدی میں عربوں نے پھر تباہ کر دیا۔ جو کچھ بچا ہے وہ پارسیوں کی مقدس کتاب اوستا کی شکل میں ہے۔ اس کے علاوہ کوروش ([illegible] یا [illegible] یا خسرو) اور داریوش

اعظم کے چھٹی صدی ق م کے شلالیکھ ہیں جو قدیم فارسی میں ہیں۔

ایرانی زبانوں کی تاریخ کے تین دور کیے جاتے ہیں، قدیم، وسطی اور جدید۔ قدیم دور تین سو قبل مسیح پر ختم ہوتا ہے۔ وسطی دور 300 ق م سے تقریباً 900 تک اور جدید اس کے بعد ہے۔ چونکہ بیچ کا بہت مواد ضائع ہو چکا ہے اس لیے موجودہ ایرانی زبانوں اور بولیوں کا وسطی اور قدیم بولیوں کلے رشتہ قائم کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ ایک دو بولی کے بارے میں اندازہ ہے کہ وہ کس قدیمی بولی سے نکلی ہے، زیادہ تر کے بارے میں معلوم نہیں۔ اس لیے ایرانی زبانوں کو چارٹ کے طور پر دینے کی بجائے علیحدہ علیحدہ ادوار کے حساب سے درج کیا جائے۔

قدیم دور:۔ اس کا شجرہ یوں دیا جا سکتا ہے۔



پارسیوں کے پیغمبر زرتشت کا صحیفہ اوستا ہے۔ اس کی زبان کو اوستائی یا اوستا کہتے ہیں۔ زرتشت باختر کے بادشاہ گشتاسپ کے عہد میں ہوئے ہیں۔ گشتاسپ کی مملکت کی سرکاری زبان اوستائی تھی۔ پارسی صحیفے 21 جلدوں میں تھے جنھیں نسک کہتے تھے۔ یہ دارائے اعظم (اوّل) کے عہد میں مدوّن ہوئے۔ جب سکندر نے اصطخر کو جلایا تو یہ معدوم ہو گئے۔ ان کی کسی کاپی کا پتا نہ چل سکا۔ بعد میں پارسی دستوروں نے انھیں حافظے کی مدد سے لکھ دیا اور یہ پہلی صدی عیسوی تک قلم بند ہو چکے تھے۔ تیسری صدی تک اُن کی مزید تہذیب و ترتیب کی گئی۔ نویں صدی میں عربوں نے انھیں تاراج کر دیا اور بارھویں صدی میں ایران پر منگول حملے نے بچا کھچا ذخیرہ بھی تلف کر دیا۔ اب اوستا کے کچھ ہی منتشر اجزا باقی ہیں جو قبل مسیح دور کے ایک غیر مصوتی ناقص رسم خط سے ترتیب دیے گئے ہیں۔ اس لیے اوستائی لفظوں کے تلفظ کی صحت کا یقین نہیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ مکمل اوستا کی ضخامت کیا تھی۔ اب گاتھا اور وندیداد موجود ہیں۔ گاتھا

خود زرتشت کی مصنفہ ہے۔ یہ اوستا کا قدیم ترین حصہ ہے اور 600 ق م کے قریب کا فرض کیا جاتا ہے۔ وندیداد پہلی سے تیسری صدی عسوی تک کی ہے۔ اوستائی زبان کی کوئی وارث نہیں۔

سرمتی بھی غالباً مشرقی ایران کی بولی تھی۔ اس کے الفاظ یونانی اور لاطینی مصنفوں کی تحریروں میں ملتے ہیں۔

فارسی قدیم ہنحامنشی دور میں جنوب مغربی ایران میں رائج تھی۔ اس علاقے کو پارس کہتے تھے۔ یہ چھٹی اور پانچویں صدی ق م کے کچھ شلالیکھوں پر ملی ہے جو میخی خط میں ہیں۔ سب سے اہم کتبہ بہشتون یا بوستون یا باغستان کی چٹان پر ہے اور سہ زبانی ہے اکادی، ایلمی اور فارسی قدیم میں۔ اس میں دارا یوش کے کارناموں کا بیان ہے۔ یہ ہند یورپی کی قدیم ترین تحریروں میں سے ہے۔ اس کتبے سے میخی خط کو پڑھنے میں مدد ملی۔ حال میں فارسیِ قدیم کی کچھ لوحیں بھی دریافت ہوئی ہیں۔ علیحدہ سے اس کا ادب نہیں ملتا۔ چٹانی کتبوں سے اس کے چار سو الفاظ معلوم ہوئے۔ فارسی قدیم میں پہلوی کے مقابلے میں حروف کا نظام سہل ہے۔ اس کی بولیاں بھی تھیں زابلی، ہراتی وغیرہ لیکن ان کی تفصیل معلوم نہیں۔

میدی کے کچھ الفاظ یونانی مصنفوں کی تحریروں میں ملتے ہیں جن میں سے ایک لفظ Spaka کتا ہے۔

وسطی دور:۔ ہمیں اس دور کے بارے میں زیادہ معلوم ہے۔ اس دور میں مشرق میں سفدی یا سفدیائی بولی ملتی ہے اور مغرب میں پہلوی، ترفان اور شک یعنی ختنی (Sakian)۔

سفدی شمالی مشرقی ایران میں سفدیانہ کی بولی تھی۔ اس کی دریافت بیسویں صدی میں ہوئی ہے۔ اس میں کچھ ابتدائی مسیحی کتابیں اور کچھ بودھ کتابیں ملی ہیں۔

پہلوی ساسانی ایران (224 تا 651) کی عام بول چال کی اور ادبی بولی تھی۔ پارتھیا کے باشندوں کو پارتھوا کہتے تھے اور یہی پہلوی کی اصل ہے۔ اس کی مختلف صورتیں یہ ہیں۔

پارتھوا > پرہو > پلھو > پہلو > پہلوی

اہلِ پارتھیا نے 250 ق م سے 224 تک حکومت کی۔ اسے اشکانی دور کہتے ہیں۔ اس زمانے میں اس علاقے کی بولی سفدی سے مشابہ تھی۔ وہی ارتقا پاکر پہلوی بن گئی۔ پہلوی کا قدیم ترین نمونہ تیسری صدی کے کچھ سکوں میں ملتا ہے۔ اس کے آرامی خط کی وجہ سے کتابی پہلوی کو پڑھنا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ اس میں 27 آوازوں کو محض 13 نشانات سے ادا کیا گیا ہے۔ کتبات کی پہلوی میں زیادہ حروف ہیں اور اسے اچھی طرح پڑھا جاتا ہے۔ پہلوی میں عربی الفاظ اتنے زیادہ ہیں اور نحو پر بھی عربی اثر ہے کہ ایک زمانے میں یہ بحث ہوتی تھی کہ پہلوی سامی زبان ہے کہ آریائی۔ اب

یقینی طور پر آریائی مان لی گئی ہے۔

ساسانی دور ہی میں پہلوی سے سامی الفاظ نکال کر آریائی الفاظ داخل کرنے کی تحریک چلی۔ اس میں ایک لطیفہ یہ ہوا کہ سامی لفظ لکھتے تھے لیکن اسے پہلوی ترجمہ میں پڑھتے تھے جیسے ہم انگریزی لیٹن lb لکھ کر اس کا انگریزی مترادف pound پڑھتے ہیں۔ ان الفاظ کو ہزوارش کہا گیا۔ مثلاً روٹی کے لیے لحمہ لکھتے تھے اور نان پڑھتے تھے۔ ہزورش میں لکھے مذہبی گیتوں کو اگر سامی لفظوں میں پڑھا جائے تو وزن ہی نہیں رہتا۔ اگر پہلوی میں پڑھیے تو اچھی خاصی شاعری ہے۔ بعد میں پہلوی ایک معقول رسم خط میں لکھی جانے لگی جس میں ایک حرف سے ایک آواز مراد لی جاتی تھی اور زبان آریائی تھی۔ اسے پازند یا پارسی کہا گیا۔ ہندوستان کے پارسیوں کی یہی زبان ہے۔

ترفان بولیاں کچھ پرزوں پر ملتی ہیں۔ ان میں مانوی مذہب کا بیان ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ چینی ترکستان کے شہر ترفان کے علاقے میں بولی جاتی ہوں گی۔ ان کا رسم خط بھی اہم ہے۔ ایران کے شمال میں قدیم پارتھائی تھی جس کے بہت سے الفاظ آرمینیائی میں داخل ہو گئے ہیں۔

ختنی یا وسطی سکی (Sc. K ian) بیسویں صدی میں بعض بودھ مخطوطات سے دریافت کی گئی۔ یہ شمال کی بولی تھی۔ اس نے قدیم سیتھین سے ارتقا پایا۔

جدید دور: اس دور کی زبانوں میں فارسی سب سے اہم ہے۔ یہ پہلوی (یا وسطی فارسی) سے ارتقا پاتی ہے۔ گو اب پورے ایران۔ نیز افغانستان کے شہروں کی زبان ہے۔ اس کا پہلا شاہکار فردوسی (940 تا 1020) کا شاہ نامہ ہے۔ کلاسکی فارسی میں عربی الفاظ کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ بیسویں صدی میں رضا شاہ پہلوی کے عہد میں عربی الفاظ نکال کر آریائی الفاظ رکھنے کی مہم چلی۔ اس دور میں یورپی بالخصوص فرانسیسی الفاظ فارسی میں مفرس کر کے داخل کیے گئے۔ جدید فارسی بہت تحلیلی زبان ہے۔ اس کے علاوہ دوسری ایرانی بولیاں یا زبانیں یہ ہیں۔

مغربی ایرانی میں: کردی یا کردستانی، بحیرۂ خزر کی بولیاں مازندرانی، تالی وغیرہ

مرکز میں: دری وغیرہ

مشرق میں: اوسیتی (Ossetic)، غلچہ یا پامیر کی بولیاں، پشتو، پختو، ارمری یا برگستہ، بلوچی۔

کردستان ایران کے مغرب میں ہے۔ کچھ کرد لوگ عراق میں بھی ہیں۔ ان کا قومی شعور اور باغیانہ جوش مشہور ہے۔ کردی زبان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں لفظوں کو مختصر کر لیا گیا ہے

مثلاً فارسی کے برادر کو بیرا، سپید کو رسپی۔

بحیرۂ خزر کی چار بولیاں بحیرۂ خزر (کیسپین سمندر) کے پاس بولی جاتی ہیں۔ ان میں مازندرانی میں کچھ ادب ہے۔ دوسری بولی تالی آذر بائجان تک پہنچ گئی ہے۔

چار مرکزی بولیوں میں دری یا گبری یزد اور کرمان کے پارسیوں کی بلکہ پورے ضلع کی بولی ہے۔ اس میں کچھ ادب بھی ملتا ہے چنانچہ بابا طاہر کی رباعیاں اسی بولی میں ہیں۔ پارسیوں نے اس زبان کو بہت کچھ مخلوط کر کے استعمال کیا ہے۔

اوسیتی (Ossetic) مشرقی ایران کی بولی ہے لیکن اب قاف کے علاقے میں ملتی ہے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ یہ سمرتی سے نکلی ہے۔ ممکن ہے اس کا صحیح نام اوسطی ہو۔ پامیر کی آٹھ بولیوں (غلچہ) میں سے دو واخی اور یدگاہ (Yidghah) پاکستان میں چترال کے شمال مغرب میں بولی جاتی ہیں۔ یہ تمام بولیاں غیر ادبی ہیں۔

پشتو اور پختو ایک زبان کی دو بولیاں ہیں۔ یہ افغانستان اور پاکستان کے صوبۂ سرحد میں بولی جاتی ہیں۔ شمال مغرب میں پختو اور جنوب مشرق میں پشتو۔ دونوں میں کچھ صوتی اختلافات ہیں۔ عموماً دونوں کو پشتو ہی کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ زبان قدرے کرخت ہے اور اس نے ہندوستان کی زبانوں سے کچھ آوازیں اور الفاظ مستعار لیے ہیں۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ایرانی زبان ہونے کے باوجود اس میں معکوسی مصمتے پائے جاتے ہیں۔ پشتو میں بارھویں صدی سے کچھ ادب ملتا ہے۔

بلوچی بلوچستان اور مغربی سندھ میں بولی جاتی ہے۔ واضح ہو کہ مشرقی ایران میں بھی کچھ بلوچ موجود ہیں۔ یہ بہت پچھڑی ہوئی اور فرسودہ زبان ہے۔ ایرانی زبانوں میں یہ سب سے کم تحلیلی ہو پائی ہے۔ اس میں فارسی اور عربی الفاظ بھی ہیں۔ لیکن عربی الفاظ کا تلفظ عجیب عجیب طرح سے بدل گیا ہے۔ اس کی دو بولیاں ہیں۔ مشرقی بلوچی اور مکرانی۔ مشرقی بولی پر سندھی اور لہندا کا اثر ہے۔ اس کی دونوں بولیوں کے بیچ دراوڑی خاندان کی براہوی آجاتی ہے۔

دردی زبانیں

یہ زبانیں کشمیر کے شمالی اور شمال مغربی حصے میں بولی جاتی ہیں۔ نیز ان کی کچھ بولیاں افغانستان کی سرحد کے پار بھی ہیں۔ قدیم سنسکرت ادب، پرانوں اور مہابھارت میں دَرَد یا دَرَد لوگوں کا ذکر ہے۔ اس قوم کی نوعیت پوری طرح واضح نہیں۔ روایت اور دیومالا کو تاریخ کا سچا نمائندہ نہیں کہا جاسکتا۔

دردی زبانوں کے بارے میں گریرسن نے لسانیاتی جائزہ ہند جلد اوّل حصہ اوّل باب دہم ص 108 تا 114 میں بحث کی ہے اور اس کے بعد جلد 8 حصہ دوم پوری کی پوری اسی خاندان کے بارے میں ہے۔ اس کے علاوہ ایک مفید کتاب ڈاکٹر محمد شجاع ناموس کی "گلگت اور شینا زبان" ہے جسے 1961 میں اردو اکادمی بہاولپور پاکستان نے شائع کیا۔ ان میں گریرسن زیادہ معتبر ہے۔ روایات میں نیلمت پران اور چندر شیکھر کی راج ترنگنی قابلِ ذکر ہیں۔

پاکستانی کشمیر کے شمال مقام ہنزا اور نگر میں بروشسکی زبان بولی جاتی ہے۔ یہ غیر ہند آریائی ہے۔ دنیا کی کسی زبان سے اس کا تعلق قائم نہ ہو سکا گریرسن کو شبہ ہے کہ ممکن ہے یہ کوئی قدیم منڈا قبیلے کی زبان ہو۔ ڈاکٹر ناموس کا خیال ہے کہ وسط ایشیا سے ہن لوگ آ کر اس علاقے میں بس گئے تھے انھیں کے نام پر ہنزا کہلایا۔ بروشسکی انھیں کی زبان ہے جو اصلاً تورانی ہے۔ یہ غیر آریہ جو بھی ہوں یہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ شمال مغربی ہند میں بسے ہوئے تھے۔ اس کے بعد آریوں کا کوئی قبیلہ آ کر وہاں بسا۔ ممکن ہے یہ قبیلہ شمال سے ہندوکش کو پار کر کے آیا ہو۔ ان کی زبان میں اس غیر آریائی بروشسکی کی آمیزش ہوئی۔ ان قبیلوں کو بہت پچھڑا ہوا اور پست سمجھا جاتا تھا۔ دوسرے آریہ انھیں پشاچ کہتے تھے۔ پشاچ کے معنی کچا گوشت کھانے والا یا بھوت ہیں)۔ ان قبائل پر اعتراض تھا کہ وہ مردار خور ہیں یا کچا گوشت کھاتے ہیں۔ بعد میں دریائے سندھ کے راستے شین آریہ اس علاقے میں گئے۔ اب وہاں جو زبانیں بولی جاتی ہیں انھیں دردی کہا جاتا ہے۔

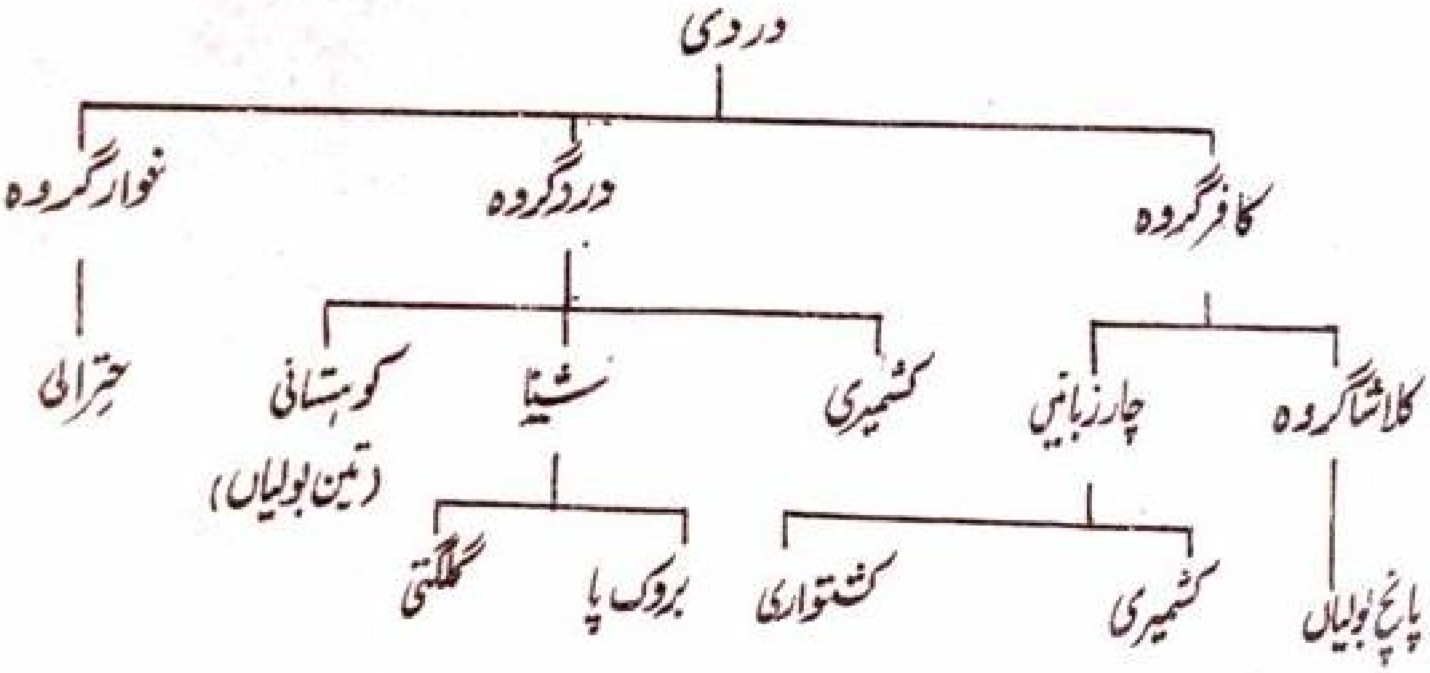
ان کا صحیح نام پشاچی ہونا چاہیے لیکن ان کی موجودہ زبانوں کو بولنے والے اس نام پر معترض ہیں اس لیے گریرسن نے انھیں دردی کہا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دردی پشاچی زبانوں کے ایک گروہ کا نام ہے۔ گریرسن نے پورے خاندان کو Dardic اور ذیلی گروہ کو درد Dard کہا ہے اور نام کا یہ امتیاز برقرار رکھا ہے۔

جیسا کہ ہم ہند آریائی کے سلسلے میں دیکھیں گے پشاچی ایک پراکرت کا بھی نام ہے لیکن یہ اس معنی میں پراکرت نہیں جس معنی میں دوسری پراکرتیں ہیں۔ یہ سنسکرت کی بیٹی نہیں بہن ہے۔ سنسکرت ہی کے زمانے میں یہ بول چال کی ایک پست بولی تھی جو بعد میں ارتقا پا کر پشاچی اپ بھرنش کہلائی۔

بروشسکی یا دردستانی زبانوں کے اثرات اپنے حلقے سے دور تک پائے جاتے ہیں۔ لہندا اور سندھی میں ان کے واضح اثر ہیں۔ اس کے علاوہ دور افتادہ کونکنی اور ہماچل کی پہاڑی بولیوں میں بھی ان کے نقوش ملتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں دردی یا پشاچ

زبانیں پورے شمال مغرب ہند (بہ شمولِ پنجاب و سندھ) میں بولی جاتی تھیں۔ اور ظاہر ہے کہ آریوں سے قبل وہاں کوئی غیر قبیلے تو رہتے ہی ہوں گے۔

دردی زبانوں کا پھیلاؤ یہ ہے۔



کافر گروہ کی زبانیں بالکل شمال مغرب میں ہیں۔ ان میں سے کلاشا گروہ کی بولیاں افغانستان کے اندر پہنچ جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض پر پشتو کا اثر ہے تو بعض دیگر پر خوار زبانوں کا۔ کافر زبانوں کے شمال مشرق میں خوار گروہ ہے جو چترال میں بولا جاتا ہے۔ یہ درد گروہ سے پہاڑوں کے سبب کٹ گیا ہے۔ اس پر پامیر کی ایرانی زبان غلچہ کا شدید اثر ہے۔

کافر زبانوں کے مشرق اور خوار زبانوں کے جنوب میں کوہستانی بولیاں ہیں شمال مشرق میں شینا زبان ہے جو گلگستان کی زبان ہے۔ یہ کشمیری کے شمال میں پڑتی ہے۔ یہی اصل درد ملک ہے شینا زبان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مصوتوں کے طول کے چار درجے ہیں۔ شنا کو معیاری دردی ماننا چاہیے۔ بروک پا وہ بولی ہے جو دراس وغیرہ کے علاقے میں بولی جاتی ہے۔ اس کا یہ نام تبت چینی زبانوں کا ہے۔ تبت چینی میں 'بروک' کے معنی اونچے مرغزار اور 'پا' کے معنی رہنے والا انسان ہے 'بروک پا' کے معنی کوہستانی مرغزار کا رہنے والا۔

درد زبانوں میں صرف کشمیری میں ادب ملتا ہے جو کم از کم چودھویں صدی سے شروع ہوتا ہے۔ اس پر سنسکرت کا اثر ہے۔ آزادی کے بعد کشمیری زبان و ادب ترقی کر رہے ہیں۔ کشمیری کے علاقے کی سرکاری زبان اردو ہے۔

کشمیری کی ایک اور بولی کشتواری جموں کے ضلع ڈوڈا میں تحصیل کشتوار اور بھدروا میں

بولی جاتی ہے۔

یوریشیا کی غیر متعین زبانیں

ہند یورپی کی شاخ ہند آریائی پر تفصیل سے اگلے باب میں غور کیا جائے گا۔ اب اپنے عالمی لسانی جائزے کے آخر میں ہم یوریشیا کی کچھ ایسی زبانوں کا ذکر کرتے ہیں جو کسی خاندان کے ساتھ وابستہ نہیں کی جاسکی ہیں۔ ان کو دو گروہوں میں دیکھتے ہیں۔

الف : غیر وابستہ مردہ زبانیں

1۔ سمیری

عراق میں سمیری زبان کے کتبے 4000 ق م سے ملتے ہیں۔ اس کے بولنے والے غیر سامی تھے جنھیں بعد میں اکادیوں نے اور اکادیوں کا بابلیوں نے زیر کر لیا۔ یہ دونوں سامی اقوام تھیں۔ انھوں نے سمیری زبان کو متبرک سمجھ کر اس کا مطالعہ جاری رکھا۔ یہ زبان 2000 ق م میں بول چال سے جاتی رہی لیکن مقدس زبان کے طور پر 300 ق م تک استعمال میں رہی۔ یہ زبان امتزاجی تھی۔ اس اسم میں سابقے بھی ملتے تھے۔ فعل میں صرف دو زمانے ہیں تمام اور ناتمام۔ اس میں دو بولیاں ہیں۔ سمیری کا رشتہ مختلف خاندانوں سے جوڑنے کی کوشش کی گئی لیکن بے سود۔

2۔ ایلمی

خلیج فارس کا شمالی مشرقی حصہ جو اب خواستان کہلاتا ہے قدیم زمانے میں ایلم کہلاتا تھا۔ اس کا دارالحکومت سوسا یا شوشان تھا۔ اس کی وجہ سے ایلمی کو سوسانی ر) بھی کہتے ہیں۔

یہ زبان کئی کتبوں کی معرفت ہم تک پہنچی ہے۔ سب سے پہلا کتبہ 2500 ق م کا ہے۔ کتبوں کا دوسرا سلسلہ سولھویں صدی ق م تا آٹھویں صدی ق م کا ہے۔ آخری کتبہ چھٹی صدی ق م کا سہ لسانی ہے۔ ان سب کی زبان میں فرق ہے جس کے معنی ہیں کہ اس کے ارتقا کی تین منزلیں ہیں۔ یہ زبان لاحقہ امتزاجی تھی۔ فعل کی گردان بہت پیچیدہ ہے اور ابھی پوری طرح واضح نہیں۔

3۔ خطّی

یہ ایشیائے کوچک کے اصل باشندے تھے جنھیں بعد میں حتّیوں نے ہٹادیا۔ یہ لوگ حتّیوں سے مختلف تھے۔ ان کی زبان میں قواعدی سابقے ہیں لاحقے نہیں۔

4- متانی

مصر میں تل العمرنہ کے مقام پر مٹی کی 320 لوحیں برآمد ہوئی ہیں جو میخی خط میں ہیں۔ ان میں کچھ شاہی خطوط ہیں جو تقریباً 1400 ق م کے ہیں۔ ان میں سے کچھ متانی بادشاہ کی طرف سے شاہِ مصر کو لکھے گئے۔ متانی آریہ تھے اور انھوں نے وادی دجلہ و فرات میں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ ان کے دیوتا سوریہ، ورن اور اندر تھے۔ ان کا آخری بادشاہ دشرت تھا۔ متانی زبان کا واحد کتبہ اسی سے متعلق ہے اس زبان کی زیادہ تفصیلات معلوم نہیں۔ یہ زبان امتزاجی معلوم ہوتی ہے بعد میں آرمینیا میں جو کھری (Khurrian) زبان ملی ہے وہ متانی کی بولی معلوم ہوتی ہے۔

5- کسّی (Kassites)

یہ لوگ بابل میں سترھویں صدی ق م سے سکندر کے عہد تک ملتے ہیں۔ ان کی زبان کی محض ایک چھوٹی سی فرہنگ ملتی ہے۔

6- ونّی (Karian)

یہ آٹھویں نویں صدی ق م کے ایک دو میخی کتبوں میں پائی جاتی ہے جس سے اس زبان کے چند الفاظ اور روپ معلوم ہوتے ہیں۔

7- کاری (Basque)

ساتویں صدی ق م کے تقریباً 80 کتبوں میں ملی ہے۔ یہ یونانی رسم الخط میں ہیں۔

8- ایٹرسکن

ایٹرسکن لوگ شاید پندرھویں صدی ق م کے قریب اٹلی میں آئے۔ اس زبان کے نو ہزار کتبے ملتے ہیں۔ قدیم ترین کتبہ آٹھویں صدی ق م کا ہے لیکن بیشتر بعد مسیح کے ہیں۔ یہ زبان اٹلی کے وسطی اور شمالی حصے میں رائج تھی۔ پہلے پہلے اسے ہندیورپی سمجھ لیا گیا تھا۔ اب طے ہو گیا ہے کہ یہ ہندیورپی نہ تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ ایشیا کی آسٹرک زبانوں سے متعلق ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ شاید ایشیائے کوچک سے آئے۔

ب- غیر وابستہ زندہ زبانیں

1- باسک

باسک کے بولنے والے اسے ایوسکارا یا ایکوارا کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اسپین پرتگال وغیرہ میں ایک زبان Iberian بولی جاتی تھی۔ اس کا نسب واضح نہیں۔ اس سے Aquitanian

زبان تھی جس کے تقریباً دو سوا علام (دیوتاؤں اور انسانوں کے نام) ملتے ہیں۔ اسی سے باسک نکلی۔ فرانس کے صوبے Gascony کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ شمال میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اب یہ فرانس اور اسپین کی سرحد پر پیرینیز پہاڑ کے مغربی ضلع میں بولی جاتی ہے۔ بولنے والے دو لاکھ سے کچھ ہی زیادہ ہیں۔ اس کے قدیم ترین رکارڈ آٹھویں صدی کے مقاموں کے نام ہیں لیکن سب سے پرانی کتاب 1545 کی ہے جس کے بعد باقاعدہ تحریریں ملنے لگتی ہیں۔ اس میں بہت سی بولیاں ہیں جنھیں دو گروہوں میں بانٹ سکتے ہیں (1) مغربی اور (2) مشرقی مرکزی۔

یہ زبان امتزاجی ہے لیکن اس کے فعل میں ضمیر شامل رہتا ہے جس کی وجہ سے جزوی شمولی رنگ آگیا ہے۔ اس طرح یہ زبان اگری اور امریکی ہندی زبانوں کے بیچ کی معلوم ہوتی ہے۔ یہ بہت عجیب زبان ہے جس کی خصوصیات یہ ہیں۔

1۔ اس میں حرفِ تعریف (Article) لفظ کے شروع کی بجائے آخر میں لگایا جاتا ہے۔

2۔ ضمیر سامی اور حامی سے مشابہ ہیں۔

3۔ جنس کا فرق محض فعل میں ہوتا ہے۔ سب سے انوکھی بات یہ ہے کہ فعل کی جنس مخاطب کی جنس کو ملحوظ رکھ کر بدل جاتی ہے مثلاً eztakit کے معنی ہیں "میں نہیں جانتا"، اب یہ چار شکلیں ملاحظہ ہوں۔

مرد سے خطاب کرتے ہوئے	ez ta ki-a-t
عورت سے خطاب کرتے ہوئے	ez takina-t
تعظیمی انداز میں خطاب کرتے ہوئے	ez ta kizut
بچّے سے خطاب کرتے ہوئے	ez ta ki-chu-t

4۔ فعل کا نظام بہت پیچیدہ ہے۔ فعل میں ضمیر بھی ضم ہوتا ہے اور مفعول بھی۔ اس طرح ہر فعل کے 24 صیغے ہوتے ہیں۔ خالص فعل کا وجود نہیں ہوتا۔

5۔ زمانے دو ہیں تمام اور ناتمام۔ تمام کو فاعل سے پہلے لاتے ہیں ناتمام کو فاعل کے بعد۔

6۔ مرکب شمولی زبانوں کے طریقے سے بنتے ہیں یعنی الفاظ کا محض ایک ایک جزو لے کر ملا دیا جاتا ہے۔

7۔ ذخیرۂ الفاظ کم ہے۔ مجرّد تصورات بہت کم ہیں۔ بعض خصوصیات تو بالکل قبائلی زبانوں جیسی ہیں۔ مثلاً arreba : ایک عورت کی بہن۔ ahizpa : ایک مرد کی بہن۔ لیکن محض بہن کے لیے کوئی لفظ نہیں۔

نحو بہت سادہ ہے۔ فعل جملے کے آخر میں آتا ہے۔

2۔ کوریائی

یہ امتزاجی زبان ہے۔ اس پر منگول اور مانچو زبانوں کا اثر ہے جس کی وجہ سے پہلے اسے الٹائی خاندان میں رکھ دیا گیا تھا لیکن الٹائی سے اس کا رشتہ ثابت نہیں۔ 372 میں بودھ دھرم کے آنے پر کوریا میں چینی کلچر اور چینی رسم الخط آ گیا لیکن 1442 میں براہمی کی ایک شاخ سے کوریائی رسم خط بنایا گیا۔ جدید کوریائی اسی خط میں لکھی جاتی ہے اور اس میں کچھ ادب بھی پیدا ہو رہا ہے۔

کوریائی زبان صرف و نحو میں جاپانی سے بہت ملتی ہے لیکن حالتوں کو ظاہر کرنے والے حروف جار (Post-position) جاپانی سے بہت مختلف ہیں۔

3۔ جاپانی

اس کے بارے میں بحث ہے کہ یہ غیر متعلق زبان ہے یا الٹائی کی شاخ۔ اب جاپانی علما اسے الٹائی شاخ میں شامل کرنے کا رجحان رکھتے ہیں۔ یہ زبان ایشیا کے اصل علاقے (mainland) سے آئی ہوگی۔ اس کی واثق رشتہ داری جزیرہ Riu Kiu کی زبان سے ہے۔

جاپانی بہت ترقی یافتہ زبان اور ترقی یافتہ ادب ہے۔ اس میں پانچویں صدی کی فرسودہ شاعری بھی موجود ہے۔ ادب کی ابتدا کوسیکی (712) اور سہونگی (720) کتابوں سے ہوتی ہے۔

اس کے تین دور ہیں۔

1۔ کلاسکی دور 794 سے 1186 تک جب کہ اس پر چینی کا بہت اثر تھا۔

2۔ 1186 تا 1600 دورِ زوال

3۔ 1600 تا 1868 ادبی نشاۃ ثانیہ

اس کے بعد جدید دور آتا ہے۔

جاپانی زبان کا رسم الخط چینی ہے۔ جیسا کہ ترسیمیات کے باب میں دکھایا گیا اس میں دو اسلوبِ خط رائج ہیں۔

جاپانی کی تحریری اور تقریری زبان میں کسی قدر فرق ہوتا ہے۔ تحریری زبان کو بنڑو اور بول چال کی زبان کو ڈو کہتے ہیں۔ آخر الذکر کا صوتی نظام پیچیدہ ہے لیکن خیالات ادا کرنے کی سہولت ہے۔ اس زبان میں جتنے تکلفات و آداب ہیں اتنے اردو میں بھی نہ ہوں گے مثلاً شہنشاہ کی بولی، اُمرا کی بولی، عوام کی بولی اور عورتوں کی بولی میں کچھ فرق ہیں۔ جاپانی میں اپنے والد کے لیے ایک لفظ ہے تو

دوسروں کے والد کے لیے ایک دوسرا لفظ ہے جیسے اردو میں غریب خانہ اور دولت خانہ جیسے الفاظ ہیں۔

جمع بنانے کے لیے تکرار سے کام لیا جاتا ہے۔

4۔ لائی یا لٹ چی' - La-ti

زبان چین میں جنوبی مشرقی صوبے ین نان Yun-nan اور ٹونکنگ کی سرحد پر چند لوگ بولتے ہیں۔ یہ زبان تبت چینی کے بیچ ایک لسانی جزیرہ ہے لیکن ان میں سے کسی سے متعلق نہیں 1906 میں اس کے بولنے والے تقریباً ساڑھے چار سو تھے۔

5۔ مان Man

یہ برما کے شمال میں چین کی سرحد کے ساتھ اور پڑوس کے ہند چینی کے جنگلوں میں بولی جاتی ہے۔ چینی زبان میں 'مان' کے معنی 'جنوبی وحشی' ہیں۔ اس زبان کے بولنے والے جنگلی ہیں۔

6۔ انڈومانی

ماہرینِ بشریات ان لوگوں کو نیگرٹو (حبشی) نسل سے مانتے ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کی زبان کا افریقہ کی کسی زبان سے تعلق ہو۔ اس کی بولیاں یہ ہیں۔



اس زبان کا ذخیرۂ الفاظ بہت محدود ہے۔ اس میں کوئی صغیری آواز نہیں۔ سابقے لاحقے مفصل ہیں جن کی وجہ سے یہ امتزاجی زبان ہے بعض اوقات مادہ غائب ہو جاتا ہے محض سابقہ باقی رہ جاتا ہے۔ جنس دو ہیں ذی روح اور غیر ذی روح۔ ذی روح کو مذکر اور مونث میں بانٹا جاتا ہے۔ دس کے آگے گنتی ممکن نہیں کیونکہ ہاتھ کی انگلیوں کی مدد سے گنا جاتا ہے۔

7۔ بروشاسکی یا کھجونہ

یہ پاکستان میں صوبۂ سرحد کی شمالی مشرقی جدید بولی جاتی ہے۔ گریرسن کا قیاس ہے کہ یہ منڈا

خاندان کی دور کی رشتہ دار ہے جس پر دراوڑی اثر آ گیا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ کسی قدیم خاندان کی تنہا نشانی ہو۔ یہ ضمیر شمولی زبان ہے اور اس میں اپنے برابر والے، اپنے سے برتر اور اپنے سے برتر خاتون کو خطاب کرنے کے علیحدہ علیحدہ روپ ہیں۔

تاراپور والا نے قدیم کریٹی کو بھی غیر متعلق زبانوں میں رکھا تھا لیکن اب اس کا خط پڑھنے پر معلوم ہو گیا کہ یہ یونانی کی ابتدائی شکل ہے۔ تاراپور والا نے Lydian اور Lycian کو بھی ناوابستہ سمجھا تھا۔ اب ان کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے کہ یہ ہند حتی کے اناطولی خاندان کی بولیاں ہیں۔

بھولا ناتھ تواری[۱] نے اینو اور ہائپر بوری بولیوں کو بھی غیر متعلق کہا ہے۔ تاراپور والا[۲] نے انھیں شمالی خطے کی زبانوں کے ذیل میں جگہ دی ہے۔ ویسے یہ صحیح ہے کہ ان کا نسب پوری طرح واضح نہیں۔ ان کو جغرافیائی بنا پر شمالی زبانوں کے تحت رکھ دیا گیا ہے۔

---

[۱] بھاشا وگیان (ہندی)، ص 122، 123

[۲] تاراپور والا کی انگریزی کتاب ص 247

تینتسواں باب

ہند آریائی خاندان

لسانیات میں برِ صغیر ہند کی زبانوں کا ایک ساتھ مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس برِ صغیر میں زبانوں کے چار خاندان پائے جاتے ہیں۔

ہند یورپی، دراوڑی، تبت چینی اور آسٹرو ایشیائی۔

تینوں ملکوں میں صورتِ حال یہ ہے۔

پاکستان : ہند یورپی (ہند آریائی، دردی اور ایرانی)، دراوڑی (محض براہوی)

ہندوستان : ہند یورپی (ہند آریائی اور دردی)، تبت چینی، آسٹرو ایشیائی، دراوڑی۔

بنگلہ دیش : ہند یورپی، تبت چینی۔

ہند آریائی کے علاوہ بقیہ میں خاندانوں اور ذیلی خاندانوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس باب میں ہند آریائی کا ذکر مقصود ہے۔ اس کا ارتقا دیکھتے وقت ہم مملکتوں کی تقسیم کو نظر انداز کر دیں گے اور پورے برصغیر کو مجموعی طور پر پیشِ نظر رکھ کر جائزہ لیں گے۔ کسی اور خاندان کے بارے میں اتنی قدیم تحریریں اور مسلسل ریکارڈ نہیں جیسے ہند آریائی کے ہیں۔ اس کے نمونوں کا نہ صرف اٹوٹ سلسلہ ملتا ہے بلکہ قبل مسیح دور ہی میں اس کی مفصّل تجزیاتی قواعدیں ملتی ہیں جن میں لسانیاتی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے۔ یہ لسانی تجزیات دستیاب ہیں۔ اس کثرتِ مواد کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ کچھ الجھاوے پیدا ہو گئے۔ اتنے قدیم دور کے بارے میں ایک تو مختلف علما میں کچھ اختلافات ہیں۔ دوسرے اصطلاحوں کا فرق بڑا پریشان کن ہے۔ لفظ پراکرت ہی کو لیجیے۔ تارا پوروالا اس کا اطلاق ہند آریائی کی قدیم ترین زبان سے لے کر جدید ترین زبان تک پر کرتا ہے۔ کچھ لوگ پالی سے اپ بھرنش تک کو پراکرت کے حصار

ہیں لے لیتے ہیں لیکن بیشتر علما مسیحی سنہ کے آغاز سے چھٹی صدی تک کی زبانوں ہی کو پراکرت کہتے ہیں۔ ہم اہلِ اردو کو یہ اختلافی اصطلاح بہت پریشان کرتی ہیں کیونکہ ہمیں ان زبانوں یا بولیوں سے براہِ راست کوئی شناسائی نہیں۔ بہر حال کوشش کی جائے کہ ذیل میں تمام مشکلات کو سلجھا کر پیش کیا جائے یعنی جہاں الجھن ہے وہاں یہ کھول کر پیش کر دیا جائے کہ کہاں کہاں الجھن ہے۔

ہندوستان میں آریہ کئی گروہوں میں آئے۔ اندازہ ہے کہ 1500 ق م اور 1200 ق م کے بیچ مغربی ہندوستان میں بس چکے تھے۔ انھیں ایرانی آریوں نے دھکیلا ہوگا اور یہ جہاں جاتے ہوں گے وہاں سے رفتہ رفتہ دراوڑ ہٹتے جاتے ہوں گے اور مزید آریہ آتے جاتے ہوں گے۔ ہندوستان میں ہند آریائی کے ارتقا کو موٹے طور پر یوں ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

ہند آریائی
- قدیم ہند آریائی 1500 ق م تا 500 ق م
  - ویدک سنسکرت 1500 ق م تا 1000 ق م
  - کلاسکی سنسکرت 1000 ق م تا 500 ق م
- وسطی ہند آریائی 500 ق م تا 1000
  - پالی 500 ق م تا مولودِ مسیح
  - پراکرت مولودِ مسیح تا 500
  - اپ بھرنش 500 تا 1000
- جدید ہند آریائی 1000 تا حال

بعض لوگ ان تاریخوں کو سو سال اِدھر اُدھر کر کے پیش کرتے ہیں یعنی کلاسکی سنسکرت اور پالی کی حد 500 ق م کی بجائے 600 ق م پر اور پراکرت اور اپ بھرنش کا ڈانڈا 500 کی بجائے 600 قرار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ زبانیں سو پچاس سال میں نہیں بدلی جاتیں۔ ان میں عبوری دور سو دو سو سال کا ہوتا ہے اس لیے 500 اور 600 میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے ان زمانی حدود کے بارے میں کافی اختلاف رائے ہے۔ یہ حد بندی محض ایک سہولت معلوم ہوتی ہے ورنہ دو دو منزلیں بہ یک وقت کئی سو سال تک ملی جلی چلتی ہیں۔ بعض اوقات تو یہ زمانی تعین محض دھوکا معلوم ہونے لگتی ہے۔ ایسے مشکوک مقامات کی حسب موقع نشان دہی کی جائے گی۔

قدیم ہند آریائی

اس کے دو دور ہیں۔ پہلے دور کو ویدک سنسکرت یا ویدک زبان کہتے ہیں دوسرے دور کی زبان کو عوامی (لوکک) سنسکرت یا کلاسکل سنسکرت کہتے ہیں۔ کبھی کبھی سنسکرت کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ویدک زبان سنسکرت کی قدیم شکل ہے علیحدہ زبان نہیں۔

ویدک سنسکرت میں ذیل کی کتابیں شامل ہیں۔

ا۔ چار وید یعنی رگ وید، سام وید، یجر وید، اتھروید۔

ب۔ برہمن گرنتھ۔ واضح ہو کہ برہمن سے مراد برہمن فرقہ نہیں بلکہ بعض ہندو صحیفے ہیں۔

ج۔ قدیم اُپنشد، دسوتر یا منتر گرنتھ۔

رگ وید کی تاریخ تصنیف میں اختلاف ہے۔ ونٹر نز نے تو اس کے قدیم ترین حصّوں کو ڈھائی تین ہزار قبل مسیح تک ٹھہرایا ہے لیکن دوسرے مغربی علما اسے 1500 ق م کے قریب شروع کر کے ہزار بارہ سو ق م پر ختم کرتے ہیں۔ اس کی تصنیف مختلف مقامات میں مختلف ادوار میں ہوئی کہیں اس میں گندھار کے راجہ کا ذکر ہے تو کہیں دریائے سندھ کے کنارے بسنے والے راجہ کا۔ اس کتاب کے مختلف حصوں میں بولی کا فرق ہے۔ اس کے پہلے اور دسویں منڈل کی زبان بعد کی ہے بقیہ کی قدیم ہے۔ یجُر وید میں بھی زبانوں کا فرق ہے لیکن یہ بھی کافی قدیم ہے۔ بقیہ وید 1000 ق م تک یا اس کے کچھ بعد تک تصنیف ہو گئے تھے۔ قدیم اپنشد 800 ق م کے قریب کے ہو سکتے ہیں۔ ویدوں کے مقابلے میں برہمنوں اور اپنشدوں کی زبان ارتقا یافتہ ہے۔

ویدک سنسکرت میں بولیوں کے تین روپ ہیں۔ قدیم ترین روپ اس وقت کا ہے جب آریہ محض پنجاب تک پہنچے تھے۔ اسے شمالی بولی کہہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد وسطی بولی ہے۔ یعنی جب آریہ مدھیہ دیش تک جا بسے تھے۔ واضح ہو کہ مدھیہ دیش سے مراد دلّی سے الہ آباد تک کا علاقہ ہوتا ہے۔ آخری منزل مشرقی بولی ہے۔ یہ آٹھویں نویں صدی ق م تک کی ہو سکتی ہے۔ اس وقت آریہ مشرقی ہند تک پہنچ چکے تھے۔ وید کی یہ بولیاں کسی حد تک کتابی روپ ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے کی بول چال کی زبان میں بھی یہ مقامی اور زمانی فرق رہے ہوں گے۔

ابتدائی ہند یورپی اور ویدک زبان کی آوازوں میں کافی اختلافات ہیں جن میں سے قابل ذکر یہ ہیں۔

1۔ ابتدائی ہند یورپی میں غشائی بند شیے (ک، کھ، گ، گھ) تین قسم کے تھے۔ ویدک میں ایک قسم ہی رہ گئی۔

2۔ بندشیوں کے دو نئے گروہ چ، چھ، ج، جھ اور ٹ، ٹھ، ڈ، ڈھ شامل ہوئے۔ خیال ہے کہ معکوسی آوازیں دراوڑی سے آئی ہے۔ رگ وید کے زیادہ قدیم حصّوں میں یہ کم سے کم ہیں۔

3۔ وغیرہ کچھ مزید آوازیں شامل ہوئیں۔

ویدک سنسکرت کے لیے میکڈانل کی ویدک گرامر مشہور رہے۔

کلاسکل سنسکرت

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ادب میں زبانوں کا جو نقشہ سامنے آتا ہے۔ بول چال میں بالکل ویسا نہیں ہوتا مثلاً اگر آج شمالی ہند میں بہار سے راجستھان تک صرف کھڑی بولی کا ادب تخلیق ہو رہا ہے تو بعد کے کسی زمانے میں یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ اس پورے علاقے میں کھڑی بولی ہی بولی جاتی تھی۔ یا کسی کو ہندو پاک کے ہر صوبے سے اردو ادب کے وافر نمونے مل جائیں تو یہ نتیجہ صحیح نہ ہوگا کہ پورے برّ صغیر میں اردو بولی جاتی ہے۔ اسی طرح ہم سنسکرت گرنتھوں کو دیکھ کر یہ اخذ کرتے میں حق بجانب نہ ہوں گے کہ اس دور میں شمالی ہند میں سنسکرت ہی کا بول بالا تھا۔ ادبی زبان اور ہوتی ہے بول چال کی زبان اور۔ بول چال کی زبان کے نمونے محفوظ نہیں رہتے۔

کلاسکی سنسکرت بعد کے برہمنوں، اپنشدوں نیز رامائن اور مہابھارت کی زبان ہے لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ اس وقت میں کم سے کم تین اور شاید چار بولیاں مختلف علاقوں میں رائج رہی ہوں گی۔ اُن کے نام یہ ہیں۔

(1) اُدیچیہ (شمالی) (2) مدھیہ دیشی (3) پراچیہ (مشرقی)

چوتھی بولی اگر تھی تو وہ دکشنی (جنوبی) ہے۔ ایک بار پھر واضح ہو کہ مدھیہ دیش سے مراد موجودہ صوبہ مدھیہ پردیش نہیں بلکہ دلّی اور الہ آباد کے بیچ کا علاقہ جو ہندوستان کا دل ہے۔

یہ بولیاں سنسکرت ہی تھیں کوئی مختلف زبان نہیں لیکن سنسکرت ادبی اور مرصّع زبان ہے سنسکرت کے معنی ہی ہیں تہذیب کی ہوئی۔ بولیاں اپنے فطری رنگ میں ہوتی ہیں۔ سنسکرت خاص طور سے شمالی بولی پر مبنی رہی ہوگی کیونکہ یہ آریوں کے ماخذ سے قریب تھی اس لیے زیادہ وقیع ہوگی۔

یہ بھی یاد رہے کہ زبان کی ادبی عمر لسانی عمر سے چھوٹی ہوتی ہے۔ سنسکرت زبان کو ہم ہزار یا دو سو

قبل مسیح کے قریب شروع کر سکتے ہیں لیکن ادب میں اس کا استعمال 800 ق م سے شروع ہوا۔ پانچویں صدی ق م کے قریب پانینی نے اسے قواعد میں جکڑ بند کر دیا جس کے بعد زبان کا ارتقا بالکل رک گیا اور بول چال کی زبان اس سے مختلف ہو گئی۔ خیال ہے کہ سنسکرت 500 ق م تک ہی بول چال میں استعمال ہوتی تھی۔ یوں تو اس میں ہی اختلاف ہے کہ سنسکرت کبھی بھی بولی جاتی تھی کہ نہیں۔ ہارنلے اگریرسن اور ویبر سنسکرت کو بول چال کی زبان نہیں مانتے جبکہ ہندوستانی علما ڈاکٹر بھنڈارکر اور ڈاکٹر گنے مانتے ہیں۔ نقطۂ نظر کا فرق ہے۔ مستشرقین نے کتابی زبان کو نظر میں رکھ کر فیصلہ کر لیا کہ سنسکرت کبھی نہ بولی جاتی تھی۔ ہندوستانی علمانے وسیع معنی میں لے کر اس کے بول چال کے روپ کو بھی پیشِ نظر رکھا۔ کوئی ہندی یا اردو ادب کی زبان کو یہ کہے کہ یہ بول چال میں نہیں آتی تو اس کی بات ٹھیک بھی ہے غلط بھی۔

سنسکرت ہندو راجاؤں کے عہد یعنی 1200 کے قریب تک راج درباروں میں استعمال ہوتی رہی ادب کی تخلیق اس سے بعد تک جاری رہی۔

ویدک بھاشا اور سنسکرت میں صوتی اور قواعدی اختلافات تھے۔ ڈاکٹر بابورام سکسینہ نے اپنی کتاب[1] میں ایسے 129 اختلافات کی فہرست دی ہے۔ ہم انھیں حذف کرتے ہیں۔ ویدک زبان میں تصریفی شکلیں بہت زیادہ اور پیچیدہ تھیں۔ سنسکرت میں نسبتاً کم اور باقاعدہ ہو گئیں۔ انھیں منظم کرنے میں پانینی کا ہاتھ ہے۔ ویدک سنسکرت میں سُر لہجہ غالب تھا بل کا لہجہ بہت کم زور تھا۔ سنسکرت میں اس کے برعکس ہو گیا۔

ویدک اور کلاسکل سنسکرت میں الفاظ کی ذیل کی قسمیں ہیں۔

1. تت سم الفاظ یعنی اصل ذخیرے کے صحیح تلفظ والے الفاظ۔ زیادہ تر یہی تھے۔
2. تدبھو۔ وہ سنسکرت الاصل الفاظ جو بول چال کی زبانوں کے زیر اثر بدل گئے تھے مثلاً تیتریہ سمہتا میں سورگ کی جگہ سُورگ یعنی س ساکن کی بجائے س مضموم۔
3. دیسی۔ جو بول چال کی زبانوں سے لیے گئے۔
4. بدیسی۔ باہر کی زبانوں کے۔

ویدک سنسکرت میں ہزاروں آسٹرو ایشیائی اور دراوڑی الفاظ ہیں مثلاً نیر، ناگ، دنڈ، تنبول۔

---

[1] ڈاکٹر بابورام سکسینہ: بھاشا وگیان (ہندی) طبع دوم ص 354

کلاسکل سنسکرت کے لیے وھٹنے (Whitney) کی سنسکرت گرامر مشہور ہے۔

وسطی ہند آریائی

اس کے تین دور ہیں۔

1۔ پالی دور 500 ق م سے مولودِ مسیح تک

2۔ پراکرت دور مولودِ مسیح سے 500 تک

3۔ اب بھرنش دور 500 سے 1000 تک

اصطلاحوں اور زمانوں کا فرق اس دور میں آکر سب سے زیادہ پریشان کرتا ہے گریرسن اور دوسرے مستشرقین کے لیے یہ عام ہے کہ تینوں کو ملا کر پراکرت کہہ دیتے ہیں پالی کو پہلی پراکرت، پراکرت کو دوسری پراکرت اور اب بھرنش کو تیسری پراکرت۔ تاراپور روالا نے ڈاکٹر سنتی کمار چٹرجی کی مشہور کتاب 'بنگالی کا آغاز و ارتقائ' سے ایک نقشہ لے کر اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ ان زعمانے قدیم ہند آریائی کو پہلی پراکرت، وسطی ہند آریائی کو دوسری پراکرت اور جدید ہند آریائی کو تیسری پراکرت کہا ہے۔ گویا ان کے نزدیک سنسکرت اور اردو دونوں پراکرت ہیں۔

ع خرد کا نام جنون پڑ گیا جنون کا خرد

ایسا مان لیا جائے پراکرت کے معنی محض 'زبان' کے رہ جائیں گے۔ ہم اس سے اتفاق نہیں کرسکتے ہم پراکرت کو وسطی ہند آریائی کی وسطی دور کی زبانوں کے معنی ہی میں لیں گے۔ وسطی ہند آریائی کے پہلے دور میں دو زبانیں ملتی ہیں۔

(1) پالی (2) اشوکی پراکرت

دونوں پر الگ الگ غور کیا جاتا ہے

پالی:۔ بھگوان بدھ اور مہابیر سوامی نے اپنے مذہب کی تلقین کے لیے سنسکرت کا استعمال نہیں کیا۔ مہاتما بدھ کے اپدیش پالی میں ملتے ہیں جس سے کم از کم یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ پانچویں صدی ق م کے قریب مگدھ میں سنسکرت کا اثر ختم ہو چکا تھا۔ پالی کا تقریباً تمام ادب بودھ مذہب سے متعلق ہے۔ اس میں جاتک، دھمّ پد، تری پٹک، بدھ گھوش کی اٹھ کتھا، مہاونش وغیرہ ہیں۔ اس کے علاوہ بدھ سے متعلق شاعری اور کہانیاں نیز لغت اور قواعد وغیرہ بھی ہیں۔ اشوک کا بیٹا مہندرا جین سے پالی کتب لنکا لے گیا تھا۔ اس کے بعد ہندوستان میں اصل کتابیں نور ہیں لیکن ان کی تفسیر و تشریحات نہیں ملتی

تھیں۔ انھیں پانچویں صدی عیسوی میں بدھ گھوش وہاں سے لایا۔ اس کے بعد ہندوستان پالی زبان کو بھلا بیٹھا 38 - 1834 میں ایک انگریز جیمس پرنسیپ (Prinsep) نے اس زبان کو پڑھا اور مستشرقین کے فیض ہی سے ہم از سر نو پالی سے واقف ہوئے۔ اس زبان کو پالی نام بھی انھیں کا دیا ہوا ہے۔ لنکا میں اسے ماگدھی کہتے ہیں۔ ہم چونکہ ماگدھی ایک پراکرت کے لیے مخصوص کر چکے ہیں اس لیے بودھی زبان کو پالی کہنا ہی مناسب ہے۔

پالی کی وجہ تسمیہ:۔ ماضی قدیم میں کبھی کبھی اس زبان کو پالی نہیں کہا گیا۔ اس لفظ کا قدیم ترین استعمال چوتھی صدی عیسوی میں لنکا میں لکھی کتاب 'دیپ ونس' میں ہے۔ وہاں یہ 'مہاتما بدھ کے قول' کے معنی میں آیا ہے۔ بعد میں آچاریہ بدھ گھوش نے بھی اسی معنی میں استعمال کیا۔ زبان کے معنی میں اس کے استعمال کی متعدد تاویلیں کی جاتی ہیں جن میں سے اہم یہ ہیں۔

1۔ سب سے مقبول نظریہ بھکشو جگدیش کشیپ کا ہے۔ بودھ ادب میں مہاتما بدھ کے اپدیش کو 'پریائے' کہتے ہیں۔ سنسکرت پریائے > پالی پریاے > پلیائے > پالیائے > پالی

2۔ پالی سنسکرت لفظ پنکتی (سطر) سے ماخوذ ہے۔ ابتداً اسے بودھ گرنتھوں کی سطر کے لیے کہا گیا بعد میں ان کی زبان کو۔ بعض کے مطابق (پالی، سنسکرت لفظ ہے جس کے معنی سطر ہیں)۔

3۔ یہ لفظ پلی: گاؤں کی بھاشا ہے۔ چونکہ یہ سنسکرت کے مقابلے میں دیہاتی زبان ہے اس لیے اسے پلی کہا گیا۔

4۔ بھنڈارکر وغیرہ کے نزدیک اسے پراکرت کہا گیا اور پراکرت مسخ ہو کر پالی ہو گیا۔

5۔ بودھ عالم 'کوسامبی' کے نزدیک یہ 'پالنے والی' یعنی محافظ کے معنی میں ہے۔

6۔ ڈاکٹر میکس ولیسر نے پالی کو 'پاٹلی' (پاٹلی پتر کی زبان) سے ماخوذ کیا ہے۔

یہ امر بھی نہایت متنازع فیہ ہے کہ پالی اصلاً کہاں کی زبان تھی! اہم نظریات یہ ہیں۔

1۔ لنکا والے، گریرسن اور دوسرے مستشرقین اسے مگدھ کی زبان مانتے ہیں موخر الذکر میں سے دو ونڈش اور گائگر اسے اس زمانے کی بین الصوبائی زبان بھی مانتے ہیں۔ اس میں ماگدھی سے مختلف شکلیں ملنے کی یہی وجہ ہے۔

2۔ چونکہ اشوک کا بیٹا مہندر اُجین سے لنکا گیا تھا اس لیے کچھ مستشرقین پالی کو اونتکا (اجین) یا آس پاس کی کسی بولی پر مبنی مانتے ہیں۔

3۔ اولڈن برگ اور سولہ اسے خاص طور سے کلنگ (اڑیسہ) کی بھاشا قرار دیتے ہیں۔

4۔ کوییز ڈیوڈز اسے کوسل (اودھ) کی بولی پر مبنی کہتے ہیں۔

5۔ ڈاکٹر سنتی کمار چیٹرجی کی رائے میں یہ مدھیہ دیش کی زبان تھی۔ یہی ڈاکٹر بابورام سکسینہ کی رائے ہے۔ انھوں[1] نے دو باتیں کہی ہیں۔

الف۔ اس کی ساخت پر غور کیا جائے تو یہ کسی مشرقی صوبے کی زبان نہیں ٹھہرتی۔ یہ کسی مغربی صوبے کی زبان ثابت ہوتی ہے۔

ب۔ ساخت کے اعتبار سے یہ تیسری صدی ق م سے پیشتر کی نہیں۔ اشوکی پراکرت سے مقابلہ کرنے سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے۔ مہاتما بدھ نے کسی مشرقی بولی میں اُپدیش دیے ہوں گے لیکن ان کی تمام کتابوں کو سو دو سو سال بعد کسی نے مدھیہ دیشی (پالی) میں ترجمہ کر دیا جو اس وقت تک اسٹینڈرڈ ہو چکی ہوگی۔

واضح ہو کہ روایتاً پالی جاتک خود مہاتما بدھ کی زبان سے ہیں۔ گوتم بدھ یہ پسند کرتے تھے کہ اُن کے اپدیش سب لوگ اپنی اپنی زبان میں پڑھیں۔ حقیقت یہی ہوگی کہ اُنھوں نے اُپدیش مگدھ کی بولی میں دیے ہوں گے۔ جو بعد میں شمالی ہند کی بین صوبائی زبان میں منتقل کر دیے گئے۔ پالی میں تھوڑا بہت اثر دوسری بولیوں کا ہو سکتا ہے۔ لیکن بنیادی حیثیت سے یہ اس عہد کی مدھیہ دیشی زبان کی ادبی شکل ہوگی۔ پالی کے بارے میں یہ پُراسرار بات ہے کہ اس میں بودھ مذہب سے ہٹ کر کوئی ادب کیوں نہیں؟ کیا یہ عوامی زبان نہ تھی؟

ڈاکٹر بابورام سکسینہ کی رائے ہے کہ پالی کا ارتقا سنسکرت سے نہیں بلکہ ویدک سنسکرت اور اپنے عہد کی بولیوں سے ہوا ہوگا کیونکہ اس کی قواعد کی بعض باتیں سنسکرت کے مقابلے میں ویدک زبان سے زیادہ مماثل ہیں۔

پالی کے ارتقا میں کم از کم چار منزلیں دکھائی دیتی ہیں۔

1۔ پہلی منزل ترِی پٹک کی گاتھاؤں میں ملتی ہے۔ یہ قدیم ترین زبان ہے اور ویدک سنسکرت سے قریب ہے۔ اس میں صرفی روپ بہت ہیں۔

2۔ دوسری منزل ترِی پٹک کے نثری حصوں کی ہے۔ اس میں صرفی روپ کم ہیں نیز کچھ نئے روپ بھی ہیں۔

---

[1] ڈاکٹر بابورام سکسینہ : بھاشا وگیان (ہندی)، ص 361

3۔ تیسری منزل اور بعد کی نثری تصانیف مثلاً ملند پنھو یا بدھ گھوش کی اٹھ کتھا میں ہے۔

4۔ چوتھی منزل آخری منظوم کتابوں مثلاً مہاونس، دیپ ونس کی ہے۔ان کی زبان مصنوعی ہے اور اس پر سنسکرت کا اثر ہے۔

پالی کی چند خصوصیات یہ ہیں۔

1۔ اس میں سنسکرت کی دس آوازیں مثلاً ऋ، ऌ، ऐ، و औ و سرگ وغیرہ نہیں ہوتیں۔

2۔ دو نئے مصوتے خفیف اے اور خفیف اُو شامل ہو گئے ہیں۔

3۔ سنسکرت لفظوں کے مصمتوں کو مشدد کرنے کا رجحان کافی ہے۔

4۔ تدبھو الفاظ زیادہ ہیں۔

اشوکی پراکرت

اسے شِلا لیکھی پراکرت بھی کہتے ہیں۔ اشوک نے اپنی حکومت کے فرامین اور دینی اصول ملک میں جا بجا چٹانوں اور لاٹوں پر کندہ کرا دیے۔ یہ تعداد میں تیس سے زیادہ ہیں اور 250 ق م اور 262 ق م کے بیچ کی ہیں۔ ان میں تاریخ بھی دی ہے سنہ 8 جلوس میں، سنہ 9 جلوس میں یا سنہ 15 جلوس میں وغیرہ۔ یہ شمال مغرب میں شہباز گڑھی اور منصورہ (صوبہ سرحد) میں، مغرب میں گرنار (گجرات کاٹھیاواڑ) میں اور پورب میں کالسی، دھولی، جوگڑھ وغیرہ میں ہیں۔ سنسکرت کی تین چار بولیوں کا پیچھے ذکر کیا گیا تھا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ زیر بحث لیکھ مرکز سے اردھ ماگدھی میں بھیجے گئے اور انھیں مقامی زبان سے مخلوط کر کے کندہ کیا گیا۔ اس طرح اس دور کی مختلف علاقائی بولیوں کا کچھ اندازہ ہو جاتا ہے۔ ان شِلا لیکھوں میں کُل ملا کر کتنی بولیاں ہیں اس پر اتفاق نہیں۔ بعض کی رائے میں دو، بعض کی رائے میں تین، بعض دوسروں کی رائے میں چار اور بعض کے مطابق پانچ ہیں۔ تین بولیاں شمال مغربی، جنوب مغربی اور مشرقی تو یقیناً ہیں۔ ان کے علاوہ مدھیہ دیشی اور جنوبی کے بھی آثار ملتے ہیں۔

ان کی زبان میں پالی سے بہت کچھ مماثلت ہے۔ سنسکرت کے مقابلے میں آوازیں ترقی یافتہ ہیں۔ جنس تین ہیں لیکن تثنیہ بالکل غائب ہے۔ پالی میں یہ کسی قدر موجود تھا۔ شہباز گڑھی کے لیکھ میں ष، श، स تینوں ہیں لیکن جنوب مغربی میں پالی کی طرح صرف س ہی ہے۔

پراکرت دور: مسیحی سنہ کی ابتدا سے 500 تک

واضح ہو کہ پراکرت اپ بھرنش کسی ایک زبان کا نام نہیں بلکہ ایک انداز کی بہت سی زبانوں کے زمرے کا نام ہے۔ پراکرت نام کی دو وجوہ تسمیہ کہی جاتی ہیں۔

1۔ سنسکرتی تہذیب کو کہتے ہیں ''پرکرتی'' فطرت کو۔ سنسکرت مہذب زبان تھی پراکرتیں فطری یعنی غیر مرصّع' عوامی۔

2۔ پشیل نے لکھا ہے کہ بعض قواعدیئن اس لفظ کا تجزیہ ''پراک + کرت : پہلے بنی ہوئی، کرتے ہیں۔ اس مفہوم میں یہ سنسکرت سے بھی پہلے تھیں اور عوام میں بول چال کے طور پر رائج تھیں ہم نے پراکرت کی ابتدا مسیحی سنہ سے کی ہے لیکن یہ محض کتابی سہولت کی بات معلوم ہوتی ہے۔ جب پانسو چھ سو قبل مسیح کے قریب سنسکرت بول چال کی زبان نہیں رہی تو سارا ملک پالی میں تو بات چیت کرتا نہ ہوگا۔ پالی کے دور میں بھی تین چار یا پانچ بولیاں ضرور تھیں جیسا کہ اشوکی پراکرتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

پراکرتوں کی بہت سی قسمیں ہیں۔ پراکرتوں کے ماہر وُولنر نے کہا ہے کہ

''پڑھے لکھوں میں مختلف پراکرتیں ایک دوسرے کے لیے قابلِ فہم تھیں۔ سنسکرت سے واقف اور کسی ایک پراکرت کو مادری زبان کے طور پر جاننے والا دوسری ادبی پراکرتوں کو سمجھ سکتا تھا۔ ابتدا میں مختلف پراکرتوں کا فرق اور بھی کم تھا۔''[1]

پراکرتوں کا فرق زیادہ سے زیادہ اتنا ہوگا جتنا آج بہاری، مشرقی ہندی، مغربی ہندی، راجستھانی اور پنجابی میں ہے۔ پڑھا لکھا شخص ان میں سے ہر زبان کو سمجھ لیتا ہے۔

بہت سی پراکرتوں کا نام سننے میں آتا ہے۔ سب سے پہلے پراکرتوں کے ان تین نمونوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو بیرون ملک سے دستیاب ہوئے ہیں۔

100 کے قریب کے مصنف اشوگھوش کے دو سنسکرت ڈراموں کے ناقص اور منتشر مخطوطات وسط ایشیا سے ملے۔ انھیں ایک جرمن مستشرق لیوڑدس نے مرتب کر دیا۔ ان میں جو پراکرت استعمال ہوئی ہے وہ اشوکی پراکرت سے مشابہ ہے۔ اسے قدیم شورسینی کہا جا سکتا ہے گو بعض حصے قدیم ماگدھی اور قدیم اردھ ماگدھی میں بھی ہیں۔ ان کی زبان سنسکرت سے متاثر ہے۔

لے An Introduction to prakirts by Wolner

ص 9 - 9 بحوالہ تاراپوروالا ص 189

2- 1892 میں ایک فرانسیسی سیاح کو ختن سے کھروشٹی خط میں لکھے کچھ کتبات ملے۔ معلوم ہوا یہ دھمپد ہیں۔ ان کا زمانہ 200 کے قریب کا اندازا جاتا ہے۔ ان کی زبان شمالی مغربی علاقے جیسی ہے۔

3- 1900 اور 1914 کے بیچ سر آریل اسٹین (Aurel Stein) کو چینی ترکستان کے شہر نیئے سے کھروشٹی میں لکھے کئی مخطوطات ملے۔ یہ تیسری صدی کے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی زبان بھی شمالی مغربی علاقے کی پراکرت ہے جس پر ایرانی، منگولی اور طخاری کے اثرات ہیں۔ ان کی زبان کو نیئے پراکرت کہا جاتا ہے۔ غالباً اُن کی اور ختنی دھمپد کی بولی میں بڑا فرق نہ ہوگا۔

پراکرت کے یہ نمونے ہندوستان کے باہر کے ہیں اس لیے ان پر کسی قدر بیرونی اثرات ہیں۔ ماضی کے قواعد نگاروں نے مختلف پراکرتوں کے نام درج کیے ہیں۔ ان میں سے بعض میں ناموں کا فرق ہے۔ ان کو چھوڑ دیا جائے تو اس عہد کی مشہور پراکرتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ وَرَرُوچی نے چار پراکرتوں ــــ مہاراشٹری، پیشاچی، ماگدھی اور شورسینی کا ذکر کیا ہے۔ ہیم چندر نے تین اور نام دیے ہیں۔

آرش، چولیکا پیشاچی اور اپ بھرنش

آرش سے مراد اردھ ماگدھی ہی ہے۔ چولکا پیشاچی کو پیشاچی کی بولی ماننا چاہیے۔ اپ بھرنش بعد کی زبانیں ہیں۔ اس طرح ذیل کی پانچ ہی مستند پراکرتیں ہیں۔

شورسینی، مہاراشٹری، اردھ ماگدھی، ماگدھی، پیشاچی۔

پہلے ان پر غور کیا جاتا ہے۔ بعد میں دوسری پراکرتوں کے نام بھی لیے جائیں گے۔

شورسینی:۔ یہ مدھیہ دیس کی پراکرت ہے گو اس کا مرکز شورسین یعنی متھرا کا علاقہ تھا اس کے قدیم ترین نمونے اشوگھوش کے سنسکرت ناٹکوں میں ہیں۔ اس میں دگامبر جینیو کی بعض مذہبی کتابیں بھی ہیں۔ پشیل کے مطابق یہ کتب دکن میں لکھی گئیں۔ ان کی زبان شورسینی کے دوسرے نمونوں سے قدرے مختلف ہے۔ ان کے علاوہ شورسینی میں مستقل کتابیں نہیں ملتیں۔ سنسکرت ناٹکوں میں طبقۂ متوسط کے مرد اور ہر طبقے کی عورتیں شورسینی میں گفتگو کرتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس پراکرت کا استعمال وسیع تھا۔ خیال ہے کہ یہ شمالی ہند میں اپنے علاقے سے باہر بھی استعمال ہوتی تھی۔ مدھیہ پردیش کی زبان ہونے کی وجہ سے اس پر سنسکرت کا اثر زیادہ ہے۔ اس کی دو بولیاں آبھیری (راہیری) اور اونتی کا ذکر ملتا ہے۔ اونتی اجین کے پاس کی شورسینی تھی جس پر مہاراشٹری کا اثر تھا۔ شورسینی کی سب سے بڑی صوتی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سنسکرت الفاظ کے بین المصوتین غیر مصیتی ت، تھ بالترتیب مصیتی د، دھ میں بدل جاتے ہیں۔ نیز क्ष مشدد کھ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

مہاراشٹری:۔ اس کے نام سے ایسا لگتا ہے کہ یہ مہاراشٹر یعنی جنوب کی پراکرت رہی ہوگی چنانچہ ژوال بلاک نے مراٹھی کو اسی سے ماخوذ کیا ہے لیکن ڈاکٹر من موہن گھوش اور سکمار سین، مہاراشٹر کے معنی "بڑا ملک" لے کر اسے پورے ملک کی زبان مانتے ہیں۔ من موہن گھوش کی رائے ہے کہ یہ شورسینی کی بعد کی شاخ ہے جو شمال سے دکن چلی گئی۔

یہ شاعری اور موسیقی کی زبان ہے۔ سنسکرت ڈراموں کے گیت اسی میں ملتے ہیں جس ملک کی وجہ سے بعض لوگوں نے اسے ایک تصنع آمیز زبان سمجھا لیکن اسی کی وجہ سے اس کی ملک گیر مقبولیت ہوئی۔ اب یہ رائے صحیح نہیں مانی جاتی۔

یہ قواعد نگاروں کی محبوب بولی ہے۔ وہ ساری پراکرتوں میں سب سے پہلے مہاراشٹری کے قواعد درج کرتے ہیں پھر دوسری پراکرتوں کا اس سے اختلاف ظاہر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس میں ہر قسم کی نظموں کا ذخیرہ ادب ہے لیکن یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اس میں نثر نہیں۔ سوتیامبر جینیوں نے اس میں اپنی مذہبی کتب لکھیں۔ ان کی زبان کو جین مہاراشٹری کہا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے دگامبر جینیوں کی جین شورسینی ہے۔ مہاراشٹری میں کچھ بودھ گرنتھ بھی ملتے ہیں۔

اس پراکرت کی صوتی خصوصیت یہ ہے کہ مصوتوں کے بیچ آنے والے غیر ھکاری بندشیے حذف کر دیے جاتے ہیں جس کی وجہ سے لفظ میں مصمتوں سے مصوّتے زیادہ ہوجاتے ہیں مثلاً "واک پتی راجا" کو वप्पइराआ اور "اُتیرنٹ" کو ओइरण बनادیا جائے گا۔ یہ کیفیت تھی غیر ھکاری بندشیوں کی۔ سنسکرت کے بین المصوتیں ھکاری بندشیوں کی محض ھ باقی رہتی ہے۔ س، ش بھی عموماً ھ میں بدل جاتے ہیں۔

ان صوتی تبدیلیوں کی وجہ سے بعض نے اس کا مصنوعی زبان قرار دیا۔

اردھ ماگدھی:۔ اس کے لغوی معنی ہیں آدھی ماگدھی۔ جغرافیائی اور لسانی اعتبار سے یہ شورسینی اور ماگدھی کے بیچ کی ہے۔ اس کا مقام کوشل یعنی اودھ اور مشرقی یوپی تھا۔ یہ تمام پراکرتوں میں سب سے قدیم ہے۔ اس کے سب سے پرانے نمونے دو ہیں اوّل تو یہ اشوکی پراکرتوں کی تہہ میں دکھائی دیتی ہے دوسرے اس میں سوتیامبر جینیوں کے 45 گرنتھ ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اُنھیں پہلے حافظے میں محفوظ رکھا گیا اور سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل کیا گیا۔ اس کے بعد ان کو چندر گپت موریہ کے عہد میں (چوتھی صدی قبل مسیح) پاٹلی پتر جمع کیا گیا۔ یہ جینیوں کا دعویٰ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی زبان کسی طرح چوتھی صدی قبل مسیح کی نہیں۔ ان کی باقاعدہ تدوین پانچویں صدی عیسوی

میں ہوئی۔ جین اپنی اردھ ماگدھی کو آرش (بہ رائے ساکن) کہتے ہیں۔

گریرسن کا خیال ہے کہ اردھ ماگدھی شورسینی اور ماگدھی کے بیچ ایک عبوری شکل ہے۔ وولنر کہتا ہے کہ ابتدائی منزل میں شورسینی اور ماگدھی میں صوتی اختلافات ضرور نمایاں تھے لیکن یہ دو زباں کہاں سے تھیں۔ ماگدھی شورسینی سے مختلف ہو کہ نہ ہو جہاں تک آرش یعنی جین اردھ ماگدھی کا سوال ہے وہ شورسینی سے بالکل مختلف ہے۔ اس میں نظم و نثر دونوں ملتی ہیں۔ یہ اشوگھوش کے ڈراموں، مُدرا راکشس اور پربودھ چندرودے میں بھی استعمال ہوئی ہے۔ اس کی کچھ خصوصیات یہ ہیں۔

1۔ ش اور معکوسی ش (ष) کی جگہ س ملتا ہے۔

2۔ دنتی بندشیے معکوسی ہو گئے ہیں۔

3۔ کہیں کہیں چ کی جگہ ت ہو گیا ہے مثلاً چکتسا کی جگہ "تے اِچھا"

4۔ بین المصوتیں ماحول میں بعض مصمتے ی میں بدل جاتے ہیں۔

ماگدھی:۔ یہ پورے مشرقی ہندوستان کی بولی تھی گو اس کا مرکز مگدھ (د والی ساکن) یعنی جنوبی بہار تھا۔ چونکہ یہ آریوں کے مرکز سے دور رہی ہوئی تھی اس لیے اس پر غیر آریائی بولیوں کا شدید اثر ہے۔ آریہ اس پراکرت کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ سنسکرت ڈراموں میں نیچے طبقے کے افراد اسی پراکرت کا استعمال کرتے ہیں۔ وررُوچی اسے شورسینی سے نکلی ہوئی مانتا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ دونوں اپنے اپنے علاقے کی بولیاں ہیں۔

اس کے قدیم ترین نمونے بھی اشوگھوش کے ڈراموں میں ملتے ہیں۔ اس میں علیحدہ سے کوئی کتاب نہیں۔ صرف سنسکرت ڈراموں ہی میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ لنکا میں پالی کو بھی ماگدھی کہا جاتا ہے لیکن اس ماگدھی پراکرت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کی پانچ بولیوں کے نام بھی دیکھنے میں آئے ہیں۔

باہ ٹوکی، شاکاری، ڈھکی، شابری، چانڈالی

اس کی دو صوتی خصوصیات یہ ہیں۔

1۔ س اور معکوسی ش (ष) نہیں ہے۔ ان دونوں کی جگہ ش ہی ہے۔

2۔ ر بدل کر ل ہو جاتا ہے مثلاً راجا سے لاجا

پیشاچی:۔ سنسکرت میں پشاچ بھوت کو کہتے ہیں لیکن یہ بھوتوں کی زبان نہیں گو دنڈی اور راج شیکھر نے اسے بھوت بھاشا بھی کہا ہے۔ مہابھارت میں ایک پشاچ قوم کا ذکر ہے۔ یہ شمال مشرق میں کشمیر اور اس کے آس پاس تھی۔ شاید یہ آریاؤں کی کوئی علیحدہ شاخ تھی جو پہلے آئی تھی۔ پشاچ کے معنی

"مردم خور" یا کچّا گوشت کھانے والا بھی، بتائے گئے ہیں۔ گریرسن لکھتا ہے کہ پشاچی عام معنی میں پراکرت نہیں۔ یہ سنسکرت کی ہم عصر ایک قدیم بولی ہے۔ یہ سنسکرت کی دختر نہیں غوا ہر ہے۔ یہ بول چال کی پست زبان رہی۔ سنسکرت ادبی زبان بن گئی۔ پشاچی ہی سے دردی زبانیں بنیں۔

ہارنلے اسے دراوڑوں کی پراکرت کہتا ہے جو کسی طرح صحیح نہیں۔ ورُوچی اسے سنسکرت پر مبنی مانتا ہے۔ پرشوتم دیو اسے سنسکرت اور شورسینی کا مسخ روپ قرار دیتا ہے۔ کچھ بھی ہو یہ ظاہر ہے کہ یہ بہت حقیر سمجھی جاتی تھی۔

اس میں گہناڈھیہ نے برہت کتھا جیسی عظیم کتاب لکھی۔ اب وہ گم ہو گئی ہے لیکن اس کے ایک جزو کے سنسکرت تراجم کتھا سرت ساگر اور برہت کتھا منجری وغیرہ ملتے ہیں۔ کتھا سرت ساگر خود الف لیلہ کی طرح ایک ضخیم کتاب ہے۔ اب اس پراکرت کے نمونے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ہمیر مردن اور کچھ اور ناٹکوں میں بعض کرداروں نے اس کا استعمال کیا ہے۔

ہیم چندر نے پیشاچی کے علاوہ "چوُلکا پیشاچی" کا بھی ذکر کیا ہے جو ایک مختلف بولی ہو سکتی ہے۔ مارکنڈے نے پیشاچی کے تین روپ کیکئی، پانچال اور شورسینی درج کیے ہیں۔ یہ نام تین علاقوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ ماضی میں کیکئی پنجاب کے علاقے کو، پانچال روہیل کھنڈ اور قنوج کے علاقے کو اور شورسین برج کے علاقے کو کہتے تھے۔ پراکرت سروسو نامی کتاب میں اس کی گیارہ بولیاں درج ہیں۔ یورپی مستشرق نے ستین اس کے تین روپ ماگدھ، براچڈا اور پیشاچی مانتے ہیں۔ ان بیانات سے ظاہر ہے کہ ان سب علما کے نزدیک پیشاچی کی علاقائی بولیاں پنجاب، سندھ، شورسین، قنوج اور مگدھ وغیرہ میں بھی رائج تھیں یعنی یہ اپنے علاقے کے باہر بھی نیچے طبقے میں استعمال ہوتی ہوگی۔

اس کی چند صوتی خصوصیات یہ ہیں۔

1۔ بین المصوتین مصمتی بندشیے غیر مصمتی ہو جاتے ہیں۔

2۔ ل اور ر میں کہیں کہیں ادل بدل ہے۔

3۔ معکوسی ش (ष) کی جگہ کہیں ش تو کہیں س ہے۔

ان پراکرتوں کے علاوہ 'گاتھا' کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس میں بودھوں اور جینیوں کی کئی کتابیں ہیں۔

---

a Linguistic Survey of India vol VIII part II P.3. Motilal Banarsi Dass. 2nd Edition Published by

میکس ملر اور ویبر اسے سنسکرت اور پالی کے بیچ کی زبان مانتے تھے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ اسے سنسکرت اور پراکرت سے مخلوط زبان کہنا چاہیے۔ اس کا ارتقا نہیں ہوا۔

پراکرتوں کے بعد جو متعدد اپ بھرنشیں ملتی ہیں بعض نے ان سب کے تعلق سے ایک ایک پراکرت بھی فرض کی ہے۔ اس طرح کھس، براچڑ، ناگر، پہاڑی، ٹکّی وغیرہ نام کی پراکرتوں کا قیاس کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مختلف مقامات پر مختلف پراکرتیں ضرور رہی ہوں گی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ادب میں ان پانچ ہی کا استعمال ہوا جن کی تفصیل درج کی گئی۔ یعنی یہ زیادہ اہم اور وسیع پراکرتیں تھیں۔

پراکرتوں کی چند خصوصیات یہ ہیں۔

پراکرتیں پالی سے مماثل ہیں لیکن بعض امور میں ان سے مختلف ہیں۔ سنسکرت کی طرح یہ ابھی مرکبّی دور میں ہیں لیکن سنسکرت کے مقابلے میں کسی قدر تحلیل ہونے لگی ہیں۔ فعل کے روپ اور اسم کی حالتیں کم ہوتی جا رہی ہیں۔ پیجۓ پراکرت کے علاوہ اور کسی پراکرت میں تثنیہ کا صیغہ نہیں ملتا۔ الفاظ عموماً مصمتوں پر ختم نہیں ہوتے۔ تشدید کا رجحان جو پالی میں شدید تھا پراکرت میں بھی ہے لیکن آخری دور میں بہت کم ہو جاتا ہے۔ ن کی جگہ معکوسی ٹ (ण) مستعمل ہے۔ سب سے عجیب بات یہ ہے کہ بعض پراکرتوں میں غیر ہند آریائی آوازیں ز۔ع۔ پائی جاتی ہیں۔

اپ بھرنش

موٹے طور پر ان کا زمانہ 500 سے 1000 تک کہا جاتا ہے گو بعض نے 500 کی بجائے 600 کہا ہے۔

اپ بھرنش کے معنی بھرشٹ یا مسخ شدہ کے ہیں۔ پنڈتوں کے اس لفظ کا استعمال پتنجلی کے مہا بھاشیہ (150 ق م کے قریب) اور اس کے پیش رو ویاڈی (व्याडि) کے یہاں ملتا ہے لیکن وہاں زبان کے معنی میں نہیں بلکہ "سنسکرت تت سم کا بگڑا ہوا روپ" کے معنی میں ہے۔ زبان کے معنی میں اس کا پہلا استعمال بھامہ کے کاویا لنکار اور چنڈ کے پراکرت لکشنم میں چھٹی صدی عیسوی میں ملتا ہے۔

اپ بھرنشی الفاظ پہلی بار بھرت کے نائیہ شاستر (300) میں ملتے ہیں۔ اس کے بعد کالی داس کے وِکرم اُروشی میں نظر آتے ہیں لیکن اپ بھرنش نے بول چال میں پراکرت کی جگہ 500 کے قریب ہی حاصل کی ہو گی۔ چھٹی صدی بلکہ ساتویں صدی سے اس کا شاعری میں استعمال ہونے لگا جو تقریباً پندرھویں

صدی تک رہا۔ خیال ہے کہ بول چال میں یہ دسویں گیارھویں صدی تک باقی رہی جس کے بعد جدید زبانیں اُبھرنے لگیں۔ گیارھویں بارھویں صدیاں ایک قسم کا عبوری دور ہیں۔

اپ بھرنش سب سے پہلے شمال مغرب کی زبان میں ظاہر ہوتی ہے۔ کیتھ نے اپ بھرنش کو بنیادی طور سے اہیروں اور گوجروں سے متعلق کیا ہے۔ ڈاکٹر رام بلاس شرما نے بھاشا اور سماج میں اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ اپ بھرنش شمال مغرب کی زبان ہے لیکن اس کی قواعد پورب کی ہے۔

اپ بھرنشوں کی تعداد کے بارے میں بہت اختلاف ہے۔ ذیل میں کچھ قدیم و جدید ماہرین کے خیال پیش کیے جاتے ہیں۔

1۔ نمی سادھو نے اُپ ناگر، آبھیر (اہیری) اور گرامیہ (دیہاتی) تین قسمیں بتائی ہیں۔

2۔ مارکنڈے نے پراکرت سروسو میں لکھا ہے کہ ان کے عہد میں لوگ ذیل کی 27 اپ بھرنشوں کا وجود تسلیم کرتے تھے۔

براچڈ (یا براچڑ)، لاٹ، وِدربھی، اُپ ناگر، ناگر، باربر، اونتی، پانچال (میرٹھ کے علاقے کی)، ٹاک، مالوی، کیکئی، گوڑ (مگدھ کی)، اوڈھ (اُڑیسہ کی)، وَیٔوپش چاتیہ، پانڈیہ، کونتل، سینگھل، کلنگیہ (اُڑیسہ کی)، پراچیہ، کارناٹ، کانچیہ، دراوڑ، گوربجر، آبھیر، مدھیہ دیشی بیتال وغیرہ۔

لیکن ان میں تین خاص ہیں (1) گجرات کی ناگر (2) سندھ کی براچڈ (3) اُپ ناگر اُپ ناگر بقیہ دو کے بیچ کی اور ان کا مخلوط روپ ہے۔ نمی سادھو کی اُپ ناگر اور مارکنڈے کی ناگر ایک ہی ہیں۔

3۔ پراکرت انوشاسن کے مصنف پرشوتم دیو نے بھی ان میں سے چند کے نام دہرائے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا ناموں میں زبانیں اور بولیاں ہی نہیں ذیلی بولیاں بھی لے لی گئی ہیں۔ موجودہ محققین ان کی تعداد بہت کم مانتے ہیں۔ ڈاکٹر یاکوبی نے علاقائی اعتبار سے چار اپ بھرنش مانی ہیں۔ مشرقی، مغربی، دکنی، شمالی۔ ڈاکٹر تگارے نے "اپ بھرنش کی تاریخی قواعد" میں یاکوبی کی تقسیم پر غور کرکے محض تین مانی ہیں اور شمالی کو نکال دیا ہے۔ ڈاکٹر نامور سنگھ نے "ہندی کے ارتقا میں اپ بھرنش کا حصہ" نامی کتاب میں دکنی کو بھی عشو مان کر محض مشرقی اور مغربی پر اکتفا کی ہے۔

ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری نے بھاشا وگیان میں اس مسئلے پر غور کیا ہے۔ ان کا نظریہ حسب ذیل ہے۔[45]

---

[45] بھولا ناتھ تواری: بھاشا وگیان (ہندی)، ص 187

سنسکرت کے آخری دور ہی میں بھاشا کے مقامی روپ ابھر چکے تھے چنانچہ اشوکی پراکرت سے مختلف مقامی روپوں کا پتا چلتا ہے۔ پراکرتوں میں کم از کم پانچ ضرور اہم تھیں۔ مہاراشٹری، شورسینی، اردھ ماگدھی، ماگدھی، پشاچی۔ اُدھر 1400 تا 1500 تک۔ ذیل کی کم از کم 13 جدید ہند آریائی زبانیں ظاہر ہو چکی تھیں۔

پنجابی، لہندا، سندھی، راجستھانی، گجراتی، مراٹھی، کھڑی بولی، برج، اودھی، چھتیس گڑھی، پہاڑی، بھوجپوری، مگھئی، میتھلی، اڑیا، آسامی، بنگلہ۔

پانچ پراکرتوں اور 13 جدید زبانوں کو ملانے والی سیڑھی دو نہیں ہو سکتی وہ پانچ اور 13 کے بیچ کی ہونی چاہیے۔ اتنا لسانی ارتقا ہونے کے بعد چھٹی، ساتویں یا دسویں صدی میں شمالی اور وسطی ہند میں صرف دو تین زبانوں کا دور دورہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہمارے علما نے شاید اپ بھرنش کے موجود ادبی نمونوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا ہے جو گمراہ کن ہے۔ اگر آج راجستھان، ہریانہ، دلّی، یوپی، مدھیہ پردیش اور بہار میں صرف کھڑی بولی کا ادب تخلیق ہو رہا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ یہاں صرف کھڑی بولی بولی جاتی ہے۔

جدید زبانوں کو پیشِ نظر رکھ کر تواری نے ذیل کی سات اپ بھرنشیں فرض کی ہیں۔

شورسینی، پیشاچی، براچڈ کھس، مہاراشٹری، اردھ ماگدھی، ماگدھی۔

ناگر اپ بھرنش شورسینی ہی کا مغربی روپ تھی۔ کچھ لوگوں نے کھس کی جگہ دردَ کہا ہے۔ دوسری صدی ق م میں پالی لنکا گئی تھی۔ اس سے لنکا میں سنگھل پراکرت نکلی جس سے سنگھل یا ایلو اپ بھرنش کا ارتقا ہوا۔ سنگھلی کے ابتدائی روپ کو ایلو کہتے ہیں۔

ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری کے نظریے کا خلاصہ ختم ہوا۔

تارا پور والا نے اپنی انگریزی کتاب میں سوراشٹری پراکرت کی اطلاع دی ہے۔ اس کے بہت سے کتبات ملے ہیں۔ اس پر شورسینی کا زبردست اثر ہوا جس سے سوراشٹر کی اپ بھرنش بدل گئی۔ اس بدلے ہوئے روپ کو ناگر اپ بھرنش کہتے ہیں۔

چونکہ اپ بھرنش بول چال کی زبانیں بولیاں تھیں اس لیے ان کی صحیح تعداد کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ یقینی ہے کہ ان میں شورسینی اپ بھرنش ممتاز تھی۔ یہ ادب میں بھی استعمال ہوئی۔

ڈاکٹر رام بلاس شرما نے اپنی ہندی کتاب بھاشا اور سماج میں دعویٰ کیا ہے کہ اپ بھرنش بول چال کی زبان نہیں تھیں بلکہ مصنوعی زبانیں تھیں۔ ان کے مطابق اپ بھرنش کے ویاکرنی سویمبھو نے نرکو نڑر (रगार) اور ناری کو ناری (रगारे) لکھا ہے۔ پورے مصمتوں کا حذف اور ٹ اور تشدید کی بھرمار اپ بھرنش کے مصنوعی ہونے کے غماز ہیں۔ ان میں لوگ کو ’لوآ‘ اور وید کو ’وے آ‘

کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے تدبھو سنسکرت کے تت سم سے زیادہ مشکل ہیں۔

اپ بھرنشوں کی چند خصوصیات یہ ہیں۔

1۔ اس کے ذخیرۂ الفاظ میں تدبھو الفاظ سب سے زیادہ ہیں، اس کے بعد دیسی اور پھر تت سم۔ ابتدا میں تو تت سم بہت ہی کم تھے۔ بعد کی اپ بھرنش میں تت سم بھی دخل پا گئے۔ کچھ فارسی اور ترکی الفاظ بھی مسخ ہو کر آ گئے ہیں۔

2۔ پراکرت میں لفظ کے آخری مصوتے کے اختصار کا رجحان تھا۔ اپ بھرنش میں یہ بہت بڑھ گیا۔

3۔ سنسکرت کی طرح پراکرتیں بھی مرکبی تھیں گو ان میں تحلیلیت رونما ہونے لگی تھی۔ اپ بھرنش مرکبی کم اور تحلیلی زیادہ ہیں۔

4 ان میں قواعدی روپ کم ہو گئے ہیں جس سے زبان سہل ہو گئی۔ سنسکرت میں اسم کی حالتوں اور تعداد کی وجہ سے 24 روپ بن جاتے تھے۔ پراکرت میں 12 رہ گئے اور اپ بھرنش میں محض چھ۔

5۔ جنس محض دو رہ گئیں۔

6۔ ڈ کا استعمال بڑھ گیا۔

اوہٹھ:۔ اپ بھرنشیں 1000 سے لے کر 1100 تک بول چال سے خارج ہو جاتی ہیں لیکن جدید زبانیں دو تین صدیوں کے بعد متشکل ہوتی ہیں۔ عبوری منزل کو کچھ لوگوں نے اوہٹھ نام دیا ہے۔ یہ لفظ 'اپ بھرنش'، ہی کی مزید ترمیم شدہ شکل ہے۔ بہت سے قدیمی ادیبوں نے اپ بھرنش کے لیے اوہٹھ کے ہی استعمال کیا ہے۔ اس میں پندرھویں صدی کے میتھلی شاعر ودیا پتی نے کیرتی لتا لکھی اور اپنی زبان کو اپ بھرنش نہ کہہ کر اوہٹھ ہی کہا۔

جدید ہند آریائی

ان کی گروہ بندی میں بہت سے اختلافات ہیں۔ مختلف علما کے مطابق ان کی تفصیل درج کی جاتی ہے:

ہارنلے نے پچھلی صدی میں Comparative grammer of the gaudian language لکھی۔ گوڑ بنگال کا پرانا نام ہے لیکن لسانیات میں گوڑی بالعموم ماگدھی کو کہا جاتا ہے۔ معلوم نہیں کیوں ہارنلے نے تمام ہند آریائی زبانوں پر گوڑی کا لقب چسپاں کیا۔ اُنھوں نے پہلی بار یہ نظریہ پیش کیا کہ ہندوستان میں آریہ دو گروہوں میں آئے۔ دوسرا گروہ جب آیا تو وہ مرکز میں گھس کر جا بسا اور وہاں پر پہلے سے بسے ہوئے آریوں

کو بے دخل کر دیا۔ وہ لوگ ہٹ کر مغرب جنوب اور مشرق میں پھیل گئے۔ اس طرح آریائی زبانوں کے دو گروہ بیرونی اور اندرونی ہیں۔ بیرونی گروہ قدیم تر اور اندرونی مابعد کا ہے۔ ہارنلے نے جدید ہند آریائی زبانوں کی اس طرح گروہ بندی کی۔

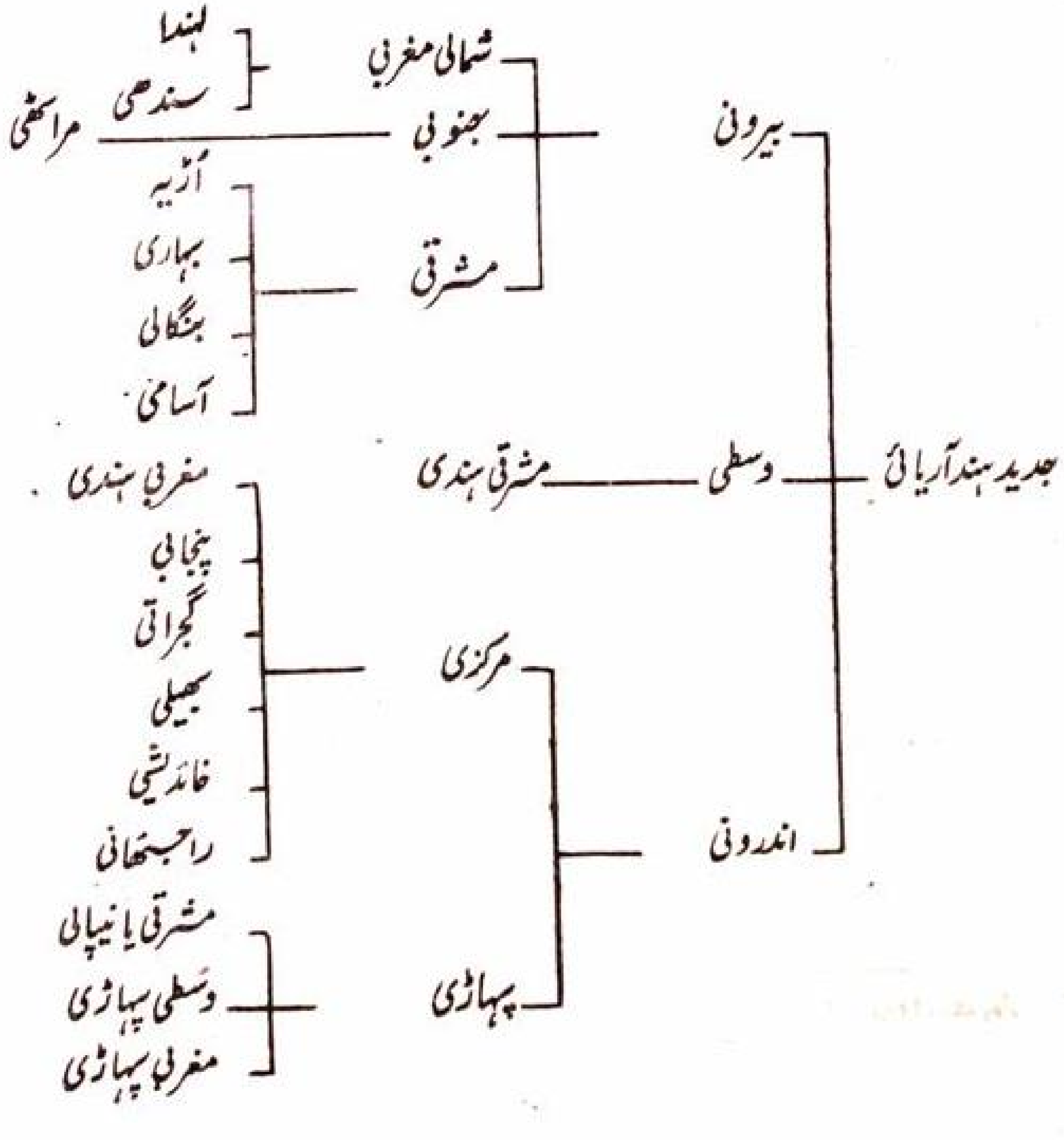
ا۔ مغربی گوڑی : مغربی ہندی (راجستھانی سمیت)، گجراتی، سندھی، پنجابی۔

ب۔ مشرقی گوڑی : مشرقی ہندی (بہاری سمیت)، بنگلہ، آسامی، اُڑیا۔

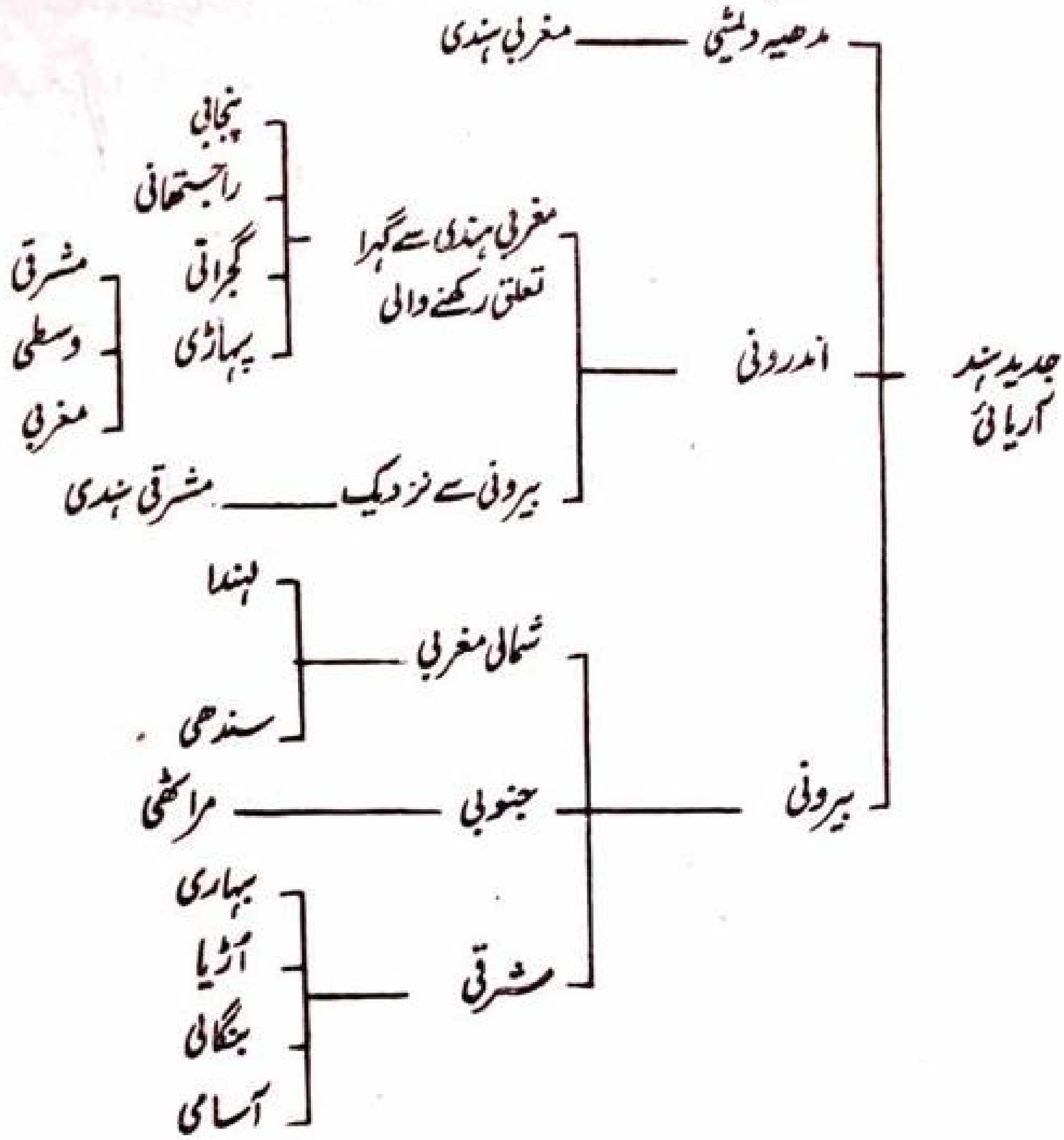
ج۔ شمالی گوڑی : گڑھوالی، نیپالی وغیرہ پہاڑی زبانیں۔

د۔ جنوبی گوڑی : مراٹھی۔

گریرسن نے ہارنلے کا نظریہ قدرے ترمیم کے ساتھ قبول کر لیا۔ اُنھوں نے اندرونی بیرونی کی بات مانی لیکن ان کے مطابق پہلا گروہ درمیان میں بسا رہا اور بعد کا گروہ تینوں طرف یعنی مغرب، جنوب اور مشرق میں بس گیا۔ گریرسن نے لسانیاتی جائزہ ہند جلد اوّل میں ص 120 پر ذیل کی گروہ بندی کی۔



بعد میں 1931ء[٭] میں گریرسن نے ایک اور گروہ بندی کی جو حسب ذیل ہے



اس بار بھیلی راجستھانی میں اور خاندیشی گجراتی میں شامل ہو گئی ہے۔

گریرسن نے اندرونی اور بیرونی گروہوں کی تقسیم کی تائید میں دونوں کی اصوات، قواعد اور ذخیرۂ الفاظ سے دلائل دیے۔ ڈاکٹر سنتی کمار چٹرجی نے ان دلائل کی تردید کی۔ چونکہ یہ دوہری تقسیم بہت اہم ہے اس لیے ان کی موید دلیلیں اور تردیدی نکات مختصراً درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ صوتی:۔ صوتیات کی بنا پر گریرسن نے اندرونی اور بیرونی گروہوں کے تقریباً پندرہ

٭ Indian Antiquary Supplement Feb 1931

بہ حوالہ بھاشا وگیان از بھولا ناتھ تواری ص 197

اختلافات درج کیے ہیں۔ ان میں سے خاص خاص پر نظر کی جاتی ہے۔

1- گریرسن کے مطابق "اصل ل یا ڑ کا 'ر' میں بدل جانا محض بیرونی زبانوں میں ہوتا ہے"، لیکن یہ صحیح نہیں۔ برج، کھڑی بولی اور اودھی میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ مثلاً گر، جلنا ے جرنا۔ ڑ کا 'ر' میں بدلنا برج میں عام ہے۔

2- "بیرونی زبانوں میں اصل د 'ڈ' میں بدل جاتا ہے"۔ لیکن اندرونی زبانوں سے مثال دیکھیے دنڈ > ڈنڈا۔ ڈورک > ڈورا۔ دولیکا > ڈولی۔

3- "م ب باہری زبانوں میں م میں اور اندرونی میں ب میں بدلتا ہے"۔ اس کے خلاف مثالیں مغربی ہندی میں جمبک > جامن، نمب > نیم لیکن بنگلہ میں نمبک > لیبو یا نیبو۔

4- "باہری زبانوں میں ھکاری مصمتے غیر ھکاری ہو جاتے ہیں"۔ اندرونی میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں۔ بھگنی > بہن۔ پراکرت اونٹھ > ہندی ہونٹ۔

ب- قواعد کی:

5- "بیرونی شاخ کی مغربی اور مشرقی دونوں زبانوں میں 'ای' لاحقۂ تانیث ہے"۔ لیکن یہ تو اندرونی زبانوں میں بھی ہے مثلاً میری چھوٹی لکڑی دوڑی۔

6- "ہند آریائی کا ارتقاء ترکیبی سے تحلیلی کی طرف ہوا لیکن باہری زبانیں اب واپس تحلیلی سے ترکیبی ہونے لگی ہیں"۔ اس کی تردید میں ڈاکٹر سنتی کمار چیٹرجی نے دکھایا ہے کہ اسم کی حالتوں میں ترکیبی روپوں کا استعمال اندرونی زبانوں میں بیرونی سے کم نہیں۔

7- "صفت کے لیے ل کا لاحقہ محض باہری زبانوں میں آتا ہے"۔ لیکن ہندی میں رنگیلا، رسیلا، خرچیلا وغیرہ میں ل موجود ہے۔

ج- ذخیرۂ الفاظ

8- گریرسن ذخیرۂ الفاظ کی رو سے بیرونی زبانوں میں مماثلت گردانتا ہے لیکن یہ صحیح نہیں بنگلہ اور سندھی کی لفظیات میں بنگلہ اور ہندی سے زیادہ مماثلت نہیں۔

راقم الحروف کو بیرونی اور اندرونی گروہ بندی کی تردید میں ایک نکتہ یہ سجھائی دیتا ہے کہ ہندوستان میں آریہ 1500 ق م میں آئے۔ جدید ہند آریائی زبانیں 1000 کے بعد ابھرتی ہیں۔ اگر ڈھائی ہزار سال تک یہ اختلافات رونما نہیں ہوئے تو بعد میں کیونکر ہو گئے۔ آریہ تو ہند آریائی زبانوں کے آغاز سے قبل ہی اپنے اپنے مقامات میں بس گئے تھے۔ اگر ویدک، سنسکرت اور پالی دور میں ان کے

دو میںنہ گروہوں کے اختلافات نہیں تھے تو بعد میں کہاں سے آ گئے۔ مراٹھی کو بیرونی زبان کہا جاتا ہے لیکن مہاراشٹری پراکرت کو سبھوں نے شورسینی ہی کا فصیح روپ قرار دیا ہے اسی طرح پالی کو بیرونی گروہ کے علاقہ بہار سے بھی منسوب کیا جاتا ہے اور اندرونی مدھیہ دیس سے بھی۔

ڈاکٹر سنتی کمار چٹرجی نے بیرونی اور اندرونی تقسیم کی تردید کر کے اپنی گروہ بندی دی جو یہ ہے۔

اُدیچیہ (شمالی) : سندھی، لہندا، پنجابی۔

پرتی چیہ (مغربی) : گجراتی، راجستھانی۔

مدھیہ دیشیہ : مغربی ہندی

پراچیہ (مشرقی) : مشرقی ہندی، بہاری، اُڑیہ، بنگلہ، آسامی

دکنی : مراٹھی

پہاڑی بولیوں کو ڈاکٹر چٹرجی نے راجستھانی کی قسم مانا ہے لیکن انھیں یقینی طور پر کسی گروہ میں نہیں رکھا جاسکتا اس کے لیے ان کا علیحدہ گروہ ماننا ہی ٹھیک ہوگا۔

ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری[1] ذیل کی گروہ بندی تجویز کرتے ہیں جو بنیادی حیثیت سے علاقائی ہے۔

1- وسطی ۔ مشرقی ہندی، مغربی ہندی

2- مشرقی ۔ بہاری، اُڑیہ، بنگالی، آسامی

3- جنوبی ۔ مراٹھی

4- مغربی ۔ سندھی، گجراتی، راجستھانی

5- شمالی ۔ لہندا، پنجابی، پہاڑی۔

آگے چل کر وہ اعتراف کرتے ہیں کہ اگر گروہ بندی کا منشا یہ ہے کہ اس سے زبانوں کی مشترک خصوصیات ظاہر ہو جائیں تو اوپر کی کسی گروہ بندی میں یہ بات نہیں اگر سختی سے لسانی خصوصیات کا اشتراک و اختلاف لیں تو کوئی گروہ قائم کرنا ممکن ہی نہ ہوگا۔ اس سے بہتر ہے کہ اپ بھرنشوں سے ارتقا کی بنا پر قائم بنائے جائیں لیکن واضح رہے کہ ان نسلی گروہوں میں لازماً مشترک خصوصیات پر ہوں گی پھر بھی نسلی زندگی اپنی اہمیت ہے۔ اس نقطہ نظر سے تواری ذیل کی تقسیم کرتے ہیں۔

1 مدھیہ : شورسینی > مغربی ہندی، راجستھانی، گجراتی

---

[1] بھاشا وگیان ص 199

2۔ مشرقی : ماگدھی > بہاری، بنگالی، آسامی، اُڑیا۔

3۔ مدھیہ پوربی : اردھ ماگدھی > مشرقی ہندی

4۔ جنوبی : مہاراشٹر > مراٹھی

5۔ شمال مغربی : براچڈ پیشاچی > سندھی، لہندا، پنجابی

راقم الحروف اس میں مزید تفصیل و ترمیم پسند کرے گا۔ راجستھانی کو اُپ ناگراپ بھرنش سے اور گجراتی کو ناگر سے برآمد کیا چاہیے حالانکہ اُپ ناگر اور ناگر شورسینی ہی کی مغربی شاخیں معلوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح سندھی کو براچڈ سے مخصوص کیا جائے لیکن لہندا اور پنجابی کو دو مختلف زبانیں ماننا صحیح نہیں۔ یہ ایک ہی زبان کی بولیاں ہیں۔ انھیں کیکئی اپ بھرنش سے ماخوذ کیا جاسکتا ہے۔ پہاڑی بولیاں کھس اپ بھرنش اور کھس پراکرت سے نکلی ہیں۔

جدید ہند آریائی کی کچھ خصوصیات یہ ہیں۔

1۔ کئی نئے مصوتے پیدا ہوگئے ہیں

2۔ باہر سے کئی نئے مصمتے مستعارے لیے گئے مثلاً ق، خ، غ، ز، ف

3۔ سنسکرت رِ ری ऋ کا تلفظ شمالی ہند میں رائے مکسور کا لیکن مراٹھی اور اڑیہ میں رائے مضموم کا ہوگیا ہے۔ اسی طرح क्ष کا تلفظ شمالی ہند میں محض ش رہ گیا ہے جب کہ مراٹھی میں برقرار ہے۔ مراٹھی میں ج کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ज्ञ کا اصل سنسکرت تلفظ تھا۔ اب محض گیہ (ग्य) رہ گیا ہے۔

4۔ لفظ کے آخر میں آنے والے مختصر مصوتے یا تو حذف کردیے گئے ہیں یا انھیں لمبا کرلیا گیا ہے مثلاً رام، کرشن، شاستر، بدھ وغیرہ کے آخر کا مصوتہ اُ حذف ہوگیا ہے۔ رشی، منی کا آخری مختصر مصوتہ طویل کردیا گیا ہے۔

5۔ پنجابی اور سندھی کے علاوہ بقیہ زبانوں میں لفظ کے آخر میں تشدید نہیں بولی جاتی۔ اسے اکہرا کرلیا گیا ہے۔

6۔ لہجہ سُر دبائو نہیں بل والا ہے۔

7۔ روپ بہت کم ہوگئے ہیں خصوصاً اسم کی حالتیں دیکھیے۔ سنسکرت میں 24 روپ تھے، پراکرت میں 12، اپ بھرنش میں چھ۔ جدید زبانوں میں صرف دو ہیں راست اور رجع۔ زیادہ سے زیادہ ایک اور مان لیجیے ندائیہ۔

8- جدید زبانیں پوری طرح تحلیلی ہیں۔

9- قدیم اور وسطی ہند آریائی میں تین جنسیں تھیں۔ جدید ہند آریائی میں دو ہیں۔ جدید مشرقی زبانوں میں جنس کا فرق کم ہو رہا ہے۔

10- ذخیرۂ الفاظ میں عربی فارسی، انگریزی اور دوسری غیر زبانوں کے ہزاروں الفاظ در آگئے ہیں۔ بنگالی اور مراٹھی جیسی زبانوں میں کئی ہزار عربی فارسی الفاظ ہیں۔

اب مختلف زبانوں اور بولیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

سندھی

سندھی پاکستان کی زبان ہے لیکن ہندوستان میں بھی سندھی بولنے والے مہاجر کثیر تعداد میں ہیں۔ یہ زبان براچڈ اپ بھرنش سے نکلی ہے۔ اس کی پانچ بولیاں ہیں۔

وچولی، سرائکی، لاڑی، تھریلی، کچھی

معیاری بولی وچولی ہے۔ تھریلی راجستھانی سے مماثل ہے اور کچھی گجراتی سے۔ سندھی عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔ ہندوستان میں اسے دیوناگری میں لکھنے کی کوشش بھی ہے لیکن یہ مقبول نہیں۔ سندھی کے الفاظ مصوتوں پر ختم ہو جاتے ہیں۔ سندھی ادب خاص طور پر صوفیانہ ہے۔ اس کی مشہور کتاب 'شاہ جی رِسالو' ہے۔ 31 میں سندھی بولنے والے 40 لاکھ تھے۔ 51 میں ہندوستان میں اُن کی تعداد ساڑھے سات لاکھ تھی۔

پنجابی

گریرسن نے لہندا اور پنجابی کو علیحدہ زبانیں مانا ہے لیکن پنجاب[1] کے ماہرین لسانیات اسے تسلیم نہیں کرتے گریرسن کا ایک عجیب نظریہ یہ ہے کہ ایک زمانے میں پورے پنجاب میں لہندا بولی جاتی تھی۔ بعد میں مغربی ہندی کی کسی بولی نے اسے مغرب کی طرف کو ہٹانا شروع کیا اور لاہور سے آگے تک دھکیلتی گئی۔ اس طرح پنجابی ایک ملواں زبان ہے جو لہندا پر ہندی کی تہہ چڑھا کر بنی ہے۔

اس نظریے کا کوئی جواز نہیں۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو تیرھویں چودھویں صدی عیسوی میں ہوتا۔ اس دور میں یا کسی اور دور میں دِلّی سے مغرب کی جانب آبادی کا انتقال نہیں ہوا۔ جدید ہند آریائی زبانیں تاریخی دور میں اُبھری ہیں۔ اس زمانے کے ریکارڈ موجود ہیں۔ کہیں کوئی ایسی تحریر نہیں ملتے جس سے ثابت ہو کر

---

[1] محمود شیرانی 'پنجاب میں اردو'، ص 80 عہد نو پبلیکیشن لکھنؤ 62

مشرقی اور وسطی پنجاب میں لہندا بولی جاتی تھی۔

ڈاکٹر کالا سنگھ بیدی[1] نے لکھا ہے کہ کسی عہد میں پنجاب دو مشہور علاقوں ٹک اور کیکی میں منقسم ہو گیا تھا۔ ٹک کی بولی ٹکی اور کیکی کی کیکئی کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ دونوں پیشاچی اب بھرنش کی بیٹیاں تھیں لیکن ٹکی شورسینی اپ بھرنش سے بھی بہ شدت متاثر ہوئی۔ ٹکی علاقے میں ماجھی پنجابی بولی رائج ہے، کیکئی علاقے میں لہندا۔

گریرسن نے ڈوگری کو پنجابی کی بولی قرار دیا ہے۔ جموں کے ڈوگرے اسے علیحدہ زبان قرار دینے پر معترض ہیں۔ فی الحال ہم ڈوگری کو پنجابی کے ذیل میں ہی رکھیں گے۔

ڈاکٹر بنارسی داس[2] پنجابی کی سات بولیاں مانتے ہیں۔

ماجھی، دوآبی، پوادھی، مالوی، مغربی پنجابی، بھٹیالی، ڈوگری

"ماجھا" مدھیہ سے بنا ہے جس کے معنی وسط کے ہیں۔ اس طرح ماجھی بہ معنی وسطی ہوا۔ یہ پاکستان میں ضلع لاہور اور ہندوستان میں ضلع امرتسر اور ضلع گرداس پور کی بولی ہے۔ یہی معیاری پنجابی ہے۔ دوآبی جالندھر کی بولی ہے۔ مالوی یا ملوی ضلع فیروز پور، بھٹنڈا میں بولی جاتی ہے۔

مغربی پنجابی کی دو بولیاں لہندا یا ملتانی اور پوٹھوہاری کر سکتے ہیں۔ لہندا یا ملتانی، ملتان، منٹگمری، مظفر گڑھ اور میانوالی میں بولی جاتی ہے۔ بابا فرید نے اسی زبان کو اپنایا تھا۔ جھنگی کو بھی اسی کی بولی ماننا چاہیے۔ غالباً پشاور کی لہندا کو ہندکو کہتے ہیں۔ پوٹھوہاری ضلع راولپنڈی کی بولی ہے جو مظفر پور تک چلی گئی ہے۔ بھٹیالی ضلع فیروز پور کی بولی ہے۔ وہاں مسلمان بھٹی راجپوت بس گئے تھے۔ ان کے نام پر بھٹیالی بولی کہلائی۔ ڈوگری جموں ڈویژن کی بولی ہے۔ پوردھی گھگھر کے مشرق کی بولی ہے۔ یہ غالباً ہریانہ کے ذیل میں آئے گی۔

پنجابی کو مسلمان اردو خط میں، سکھ گرمکھی میں اور ہندو بعض اوقات دیوناگری خط میں لکھتے رہے ہیں۔ لہندا کا رسم الخط لنڈا تھا۔

پنجابی زبان اور بولیاں بننے میں پیشاچی پر دردی کا بھی اثر رہا ہے۔ یہ غالباً شمال مغرب میں ہوا ہوگا۔

31 کی مردم شماری کے مطابق لہندا کے بولنے والے 86 لاکھ اور پوربی پنجاب کے بولنے والے

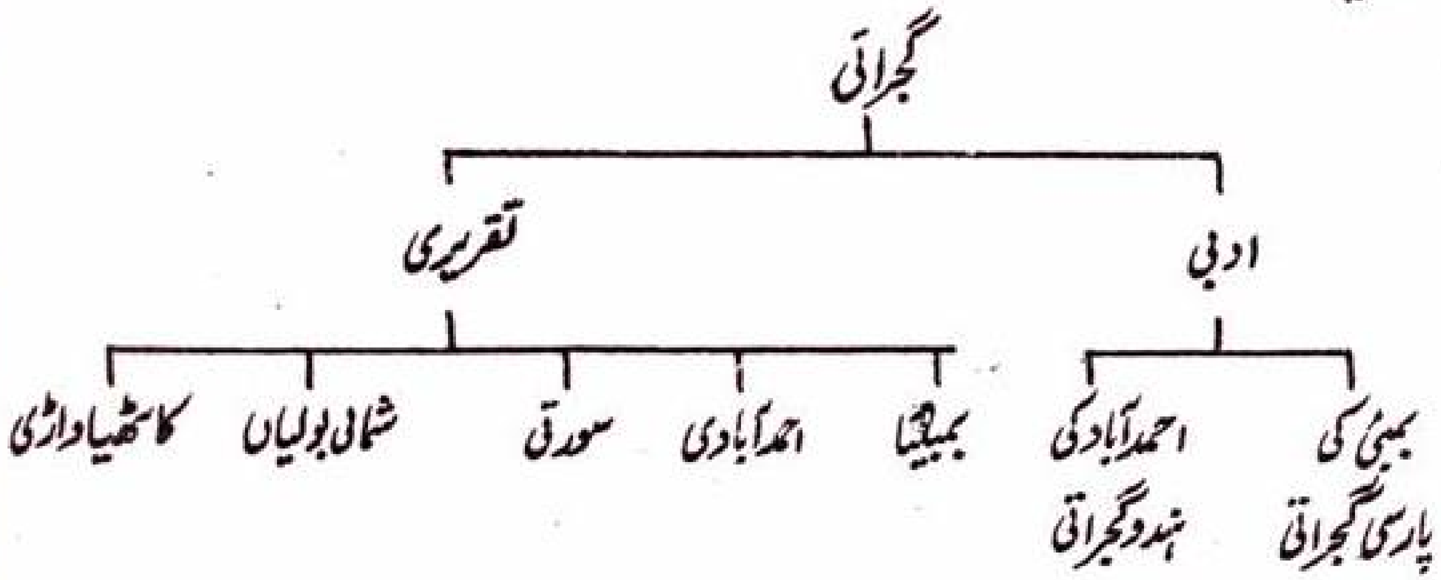
---

[1] تین ہندوستانی زبانیں، ص 62 [2] ایضاً ص 97

ایک کروڑ 39 لاکھ تھے۔ 1961 کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان میں پنجابی بولنے والے ایک کروڑ دس لاکھ تھے۔

گجراتی

یہ گجرات کاٹھیاواڑ اور کچھ کی زبان ہے۔ یہ ناگراپ بھرنش سے نکلی ہے جو شورسینی کا مغربی روپ تھی۔ قدیم راجستھانی اور قدیم گجراتی میں نہ ہونے کے برابر فرق ہے چنانچہ میرا کے گیتوں کو راجستھانی بھی کہا جاسکتا ہے گجراتی بھی۔ گجراتی زبان ہندی سے بہت نزدیک ہے۔ تارا پور والا نے اس کی یہ بولیاں دی ہیں۔



بمبئی کی پارسی گجراتی میں سنسکرت الفاظ کم اور قدیم فارسی الفاظ زیادہ ہیں۔ کاٹھیاواڑی بولی میں لوک ادب کا کافی ذخیرہ ہے۔ گجراتی ادب چودھویں صدی سے ملتا ہے۔ اس کا مشہور شاعر نرسی مہتا ہے۔

71 کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان میں گجراتی بولنے والے دو کروڑ 57 لاکھ تھے۔ اس کے علاوہ مشرقی افریقہ میں بھی کافی گجراتی آباد ہیں۔

مراٹھی

یہ مہاراشٹر اپ بھرنش سے نکلی ہے۔ اس میں تت سم الفاظ بہت کم ہیں زیادہ تر دیسی یا تدبھو ہیں۔ اس کی ابتدا تیرھویں صدی کے سنت گیانیشور کی گیانیشوری سے ہوتی ہے جو گیتا کی تفسیر ہے۔ دوسرے بڑے سنت کوی نام دیو، تکارام اور ایک ناتھ ہوئے ہیں۔

مشرق میں یہ آہستہ آہستہ اڑیا سے جا ملتی ہے۔ اس میں بولیوں کا فرق بہت کم ہے۔ معیاری اور بول چال کی بولیوں میں کسی قدر فرق ہے۔ معیاری بولی کو دیسی کہتے ہیں جو پونا کے علاقے کی ہے۔ دیسی کے علاوہ دوسری بولیاں پربھو، کونکی اور براری ہیں۔ پربھو بمبئی کے علاقے کی بولی ہے جس

میں گجراتی الفاظ کافی ملے ہوتے ہیں۔ کونکنی گوآ اور مغربی گھاٹوں کی بولی ہے۔ گوا کے کونکنی بولنے والے کونکنی کو مراٹھی سے علیحدہ زبان قرار دیتے ہیں لیکن ابھی ان کا دعوی تسلیم نہیں کیا گیا۔ براری یا مرد رگھی ددر بھ (ناگپور) کی بولی ہے۔

مراٹھی میں چ کی دو قسمیں ہیں نیز ایک قسم کا 'ز' بھی ہے جو اردو 'ز' سے کسی قدر مختلف ہے۔ 71 کی مردم شماری میں مراٹھی بولنے والے چار کروڑ 17 لاکھ تھے۔

سنگھالی

سنگھالی کا قدیم روپ 'ا ے لو' کہلاتا ہے۔ اس نام کے تسمیہ کی مختلف منزلیں یہ ہیں۔

ایلو > ہیلو > ہیالو > سیہالو > سنہالا یعنی سنہل یا سنگھل

قبل مسیح دور میں مہاراجہ اشوک کا بیٹا مہندر اجین سے پالی لے کر لنکا گیا۔ سنگھالی ایلو کی معرفت پالی سے نکلی ہے یا یہ ممکن ہے کہ سوراشٹری پراکرت سے نکلی ہو۔ اجین کی بولی کا سوراشٹری سے گہرا تعلق ہے۔

سنگھالی کی ایک بولی ماہی ہے جو جزیرہ مال دیپ کی زبان ہے۔ سنگھالی میں ھکاری آوازیں غیر ھکاری ہو جاتی ہیں۔

بنگلہ

ماگدھی اپ بھرنش کی یہ خاص جانشین ہے۔ جو 1000ء کے قریب نمودار ہو چکی تھی۔ ادبی اعتبار سے یہ ہندوستانی زبانوں میں سے سب اوپر ہے۔ قدیم شاعروں میں چنڈی داس اور جدید میں ٹیگور سے کون واقف نہیں۔ اس زبان میں ناول میں غیر معمولی ترقی کی۔ ادبی زبان میں سنسکرت الفاظ کی بھرمار ہے۔ لیکن بنگالی لوگ ان کا تلفظ اپنے ڈھنگ سے کرتے ہیں۔ بنگلہ میں 'س' کا تلفظ ش ہے اور ا کو مختصر اُو میں بدلنے کا رجحان ہے۔ لفظ کی ابتدا میں سنسکرت ی بدل کر ج اور و بدل کر عموماً ب ہو جاتا ہے۔ یہ زبان دوسری زبانوں سے زیادہ تحلیلی معلوم ہوتی ہے بول چال میں اس میں کئی بولیاں ہیں جنھیں تین گروہوں میں رکھ سکتے ہیں۔

1- رادھا یا مغربی بولیاں کلکتہ، پورنیا، مدنا پور وغیرہ کی

2- ورییندر - شمالی بولی　　　3- بنگا - بنگلہ دیش کی

چوتھی بولی کا مروپ آسامی سے ملتی ہے۔ 1971 کی مردم شماری میں ہندوستان میں بنگالی بولنے چار کروڑ 45 لاکھ تھے۔ بنگلہ دیش میں یہ سات کروڑ سے کم نہ ہوں گے۔

آسامی

اس زبان کا صحیح نام آسمیہ ہے۔ یہ بھی ماگدھی اپ بھرنش سے نکلی ہے۔ بنگالی سے بہت مماثل ہے دونوں کا رسم الخط ایک ہی ہے۔ یہ زبان بنگالی کے غلبہ سے دبی تھی۔ حال میں بنگالی کے خلاف شدید جذبہ پیدا ہوگیا ہے۔ اس کا ادب کم از کم چھ سو سال پرانا ہے۔ یہ زیادہ تر تاریخی ہے اور اہوم عہد کی یادگار ہے۔ 1961 میں اس کے بولنے والے 68 لاکھ تھے۔

اڑیا

یہ ماگدھی کی تیسری دختر ہے جو اڑیسہ میں بولی جاتی ہے۔ گو اس کا ادب کوئی چار سو سال پرانا ہے لیکن زبان کا قدیم ترین شلالیکھ 1266 کا ہے۔ اس میں بولیوں کا زیادہ فرق نہیں۔ شمالی حصے کی بولی بنگالی سے قریب ہے۔ چونکہ اڑیسہ پر مراٹھوں کی حکومت رہی ہے اس لیے اڑیہ میں مراٹھی الفاظ کافی ہیں۔ آندھرا پردیش کے جغرافیائی قرب کی وجہ سے تیلگو الفاظ بھی دخل پا گئے ہیں۔ 61 میں اڑیہ بولنے والے ایک کروڑ 57 لاکھ تھے۔

بہاری

ماگدھی سے ارتقا پانے والی یہ چوتھی زبان ہے۔ دراصل بہاری کے نام کی کوئی زبان نہیں بلکہ یہ تین بولیوں کا مجموعہ ہے جو حسب ذیل ہیں۔

1. میتھلی یا ترہتی:۔ یہ شمال مشرقی بہار کی بولی ہے۔ اس کا مرکز دربھنگہ ہے اور یہ خاص طور سے دربھنگہ کے برہمنوں کی زبان ہے۔ اس میں اچھا ادب ملتا ہے چنانچہ ودیاپتی میتھلی کا بہت بڑا شاعر ہوا ہے۔ ڈاکٹر جے کانت مشر نے "میتھلی ساہتیہ کا اتہاس" میں میتھلی کو ہندی سے علیحدہ زبان کہا ہے۔ انھوں نے یہ مبالغہ کیا ہے کہ بھوجپوری اور مگہی کو بہاری کی نہیں میتھلی کی بولی قرار دیا ہے۔ میتھلی کا اپنا رسم خط ہے۔ ڈاکٹر مشر کو اس کا افسوس ہے کہ میتھلی کو دیوناگری خط میں لکھنے کا رواج ہوا۔ میتھلی والے میتھلی کو آزاد زبان کے طور پر منوانے کی مہم چلا رہے ہیں چنانچہ ساہتیہ اکیڈیمی نے میتھلی کو ہندی سے الگ زبان تسلیم کر لیا ہے۔
2. مگہی:۔ یہ جنوبی بہار کی بولی ہے جو پٹنہ، گیا، ہزاری باغ وغیرہ میں رائج ہے۔ یہ خاص ماگدھی کا علاقہ ہے۔ مگہی میتھلی سے مماثل ہے۔
3. بھوجپوری:۔ اس بولی کا نام بہار کے ضلع شاہ آباد کے پرگنہ بھوجپور سے ماخوذ ہے۔ مالوے (اجین) کے راجہ بھوج کے خاندان کے کچھ راجپوت اس علاقے میں آکر بس گئے تھے۔ وہ بھوج

ونشی کہلاتے تھے۔ ان کی ریاست کو بھوج پور کہا گیا۔ ایک زمانے میں یہ علاقہ صوبے کی حیثیت بھی رکھتا تھا۔ اس بولی کا علاقہ مشرقی یوپی میں گورکھپور اور بنارس کی کمشنری اور بہار میں شاہ آباد اور چمپارن وغیرہ کے ضلع ہیں۔ گریرسن نے بھوج پوری بولی کو چار ذیلی بولیوں میں تقسیم کیا ہے۔

ا۔ شمالی بھوج پوری دریائے گھاگھرا کے شمال میں ب۔ نگ پوریا سون ندی کے جنوب میں

ج۔ جنوبی بھوج پوری بلیا، دیوریا، غازی پور، شاہ آباد وغیرہ میں د۔ مغربی بھوج پوری اعظم گڑھ، بنارس مشرقی جون پور، مرزاپور اور غازی پور کے مغربی حصہ میں

ڈاکٹر سنتی کمار چٹرجی بھوجپوری کو بہاری بولی نہیں مانتے۔ ڈاکٹر ادے نراین تواری نے اپنے تحقیقی مقالے، بھوج پوری، بھاشا اور ساہتیہ میں بھوج پوری کو ہندی سے الگ ثابت کیا ہے۔ اپنی بعد کی کتاب ہندی بھاشا کا اُدگم اور وکاس، میں لکھتے ہیں کہ جب یہ بی۔ اے کے طالب علم تھے تو گریرسن کی یہ بات کہ بھوج پوری بولی ہندی کے حصار سے باہر ہے غداری معلوم ہوتی تھی۔ اب مطالعہ کیا تو گریرسن کے آگے عقیدت سے سر جھکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ بہاری پوربی ہندی سے علیحدہ زبان ہے جس کا تعلق بنگلہ، آسامی اور اُڑیہ سے ہے۔ بھوج پوری میں ہے، کے لیے دیا، ہوں، کے لیے بائی، تھا، کے لیے ہل یا رہل، ہے۔ ہندی میں ان کا دور دور تک پتا نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کا دستور بننے کے وقت آئین ساز اسمبلی کے بھوج پوری ارکان چاہتے تھے کہ آٹھویں جدول میں بھوج پوری کو علیحدہ زبان کی حیثیت دی جائے لیکن ڈاکٹر راجندر پرشاد نے ان کے آگے ہاتھ جوڑ کر التماس کیا کہ سب سے بڑا بھوج پوریا میں ہوں۔ میری گذارش ہے کہ بھوج پوری کو ہندی سے علیحدہ کرنے پر زور نہ دو۔ سب نے اُن کے احترام میں بات مان لی۔

بہار کی سرکاری اور تہذیبی زبان ہندی ہے۔ اہل ہندی بہاری بولیوں کو ہندی کی بولیاں قرار دیتے ہیں لیکن اُدے نراین تواری لکھتے ہیں۔

بہار کی بولیاں جن باتوں میں مغربی ہندی سے مختلف ہیں انھیں بنگلہ سے مماثل ہیں۔ ایک بے پڑھا بہاری بنگال میں جا کر تھوڑی کوشش سے شدھ بنگلہ بول سکتا ہے لیکن ایک پڑھے لکھے بہاری کے لیے بھی شدھ ہندی بولنا آسان کام نہیں۔ یہ توقع کرنا کہ مستقبل قریب میں ہندی بول چال میں بھی بہاری بولیوں کا مقام لے لے گی محض دُرآشا ہے۔

---

[1] بحوالہ بھوج پوری ادب کا تعارف از ڈاکٹر فضل امام ص 15

مشرقی ہندی

یہ اردھ ماگدھی سے نکلی ہے۔ جس طرح اردھ ماگدھی شورسینی اور ماگدھی کے بین بین تھی اسی طرح مشرقی ہندی بعض خصوصیات میں مغربی ہندی سے ملتی ہے بعض میں بہاری سے۔ بہاری سے زیادہ مماثلت ہے۔ گریرسن نے اسے ایک زبان کی حیثیت دی۔ اس سے پہلے اُسے ہندی کی شاخ سمجھا جاتا تھا۔ اس کی تین بولیاں ہیں۔

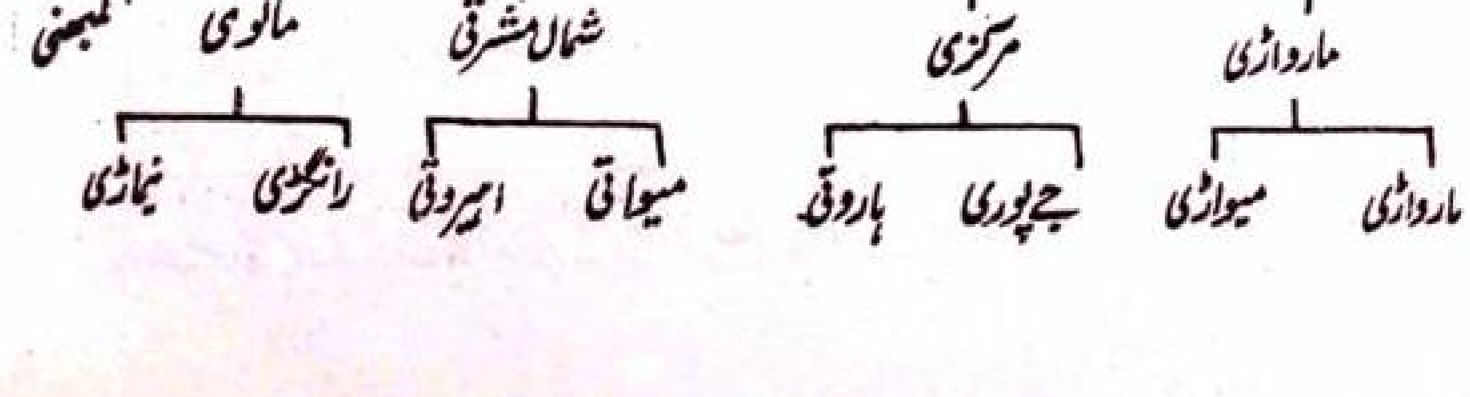
1۔ اودھی:۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ اودھ یعنی لکھنؤ اور فیض آباد کی کمشنریوں نیز الہ آباد کی کمشنری میں شمالی حصے کو چھوڑ کر بولی جاتی ہے۔ کسی زمانے میں اس بولی کی حیثیت باقاعدہ زبان کی تھی۔ اس کا ادب بہت وسیع ہے چنانچہ اس میں جائسی کی پدماوت اور تلسی داس کی رام چرت مانس یعنی رامائن جیسے شاہکار ملتے ہیں۔ اودھی کے جنوب مغربی روپ کو بیسواڑی کہتے ہیں۔

2۔ بگھیلی:۔ موجودہ مدھیہ پردیش بننے سے پہلے 1947 اور 1952 کے درمیان جو ریاست وندھیا پردیش تھی اس کا مغربی حصہ بندیل کھنڈ اور مشرقی حصہ باگھیل کھنڈ تھا۔ بگھیلی اسی حصے کی بولی ہے۔ اس کا مرکز ریوا، ستنا کا علاقہ ہے۔ ڈاکٹر بابورام سکسینہ اسے اودھی سے مختلف نہیں مانتے چنانچہ وہ مشرقی ہندی کی صرف دو بولیوں اودھی اور چھتیس گڑھی قرار دیتے ہیں۔ تارا پوروالا نے بھی اسے اودھی کی ذیلی بولی قرار دیا ہے۔

3۔ چھتیس گڑھی:۔ مشرقی مدھیہ پردیش میں رائے پور کمشنری کا علاقہ چھتیس گڑھ کہلاتا ہے وہیں کی بولی کو چھتیس گڑھی کہتے ہیں۔ اس پر مراٹھی اور اُڑیہ کا اثر ہے۔ مشرقی ہندی بولنے والوں کی تہذیبی زبان ہندی ہی ہے۔ انھیں اپنے ہندی سے الگ ہونے کا شعور نہیں۔

راجستھانی

یہ مدھیہ دیش کی زبان کا جنوب مغربی پھیلاؤ ہے۔ یہ شورسینی یا اس کے روپ اپ ناگر اپ بھرنش سے نکلی ہے۔ اس میں قدیم ادب کافی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ ہندی کے ویرگاتھا کال کے کئی راسو راجستھانی یا راجستھانی آمیز زبان میں۔ اس کی بولیوں کی تفصیل یہ ہے۔



اس نقشے کو اور سادہ کرنا چاہیے تو راجستھانی کی چار بولیاں قرار دے سکتے ہیں

مارواڑی - جے پوری - میواتی - مالوی

مارواڑی مغربی راجستھانی یعنی جودھپور، بیکانیر، جیسل میر اور اودے پور کی بولی ہے۔ پرانی مارواڑی اور گجراتی میں کم فرق ہے۔ جے پوری جے پور، بندی، کوٹہ کی بولی ہے۔ میواتی گڑگاؤں الور تک کے میواتوں کی بولی ہے۔ میوات اکثر مسلمان ہیں۔ ان کی سب سے مشہور ریاست پٹودی ہے۔ میواتی علاقہ ہریانہ نیز راجستھان دونوں میں بٹا ہوا ہے۔ مالوی اندور اور اجین کے علاقے کی بولی ہے۔ بھوپال مالوی اور بندیلی کی سرحد پر ہے۔ یہاں کی بولی بندیلی سے نزدیک ہے۔

میواتی اور مالوی میں ادب نہیں۔ مارواڑی کا قدیم ادب ڈنگل کہلاتا ہے۔ کبھی کبھی اس کی زبان کو بھی ڈنگل کہہ دیتے ہیں اس کے مقابلے میں برج کے قدیم ترین شعری ادب کی زبان پنگل کہلاتی ہے۔ یہ ڈنگل کے مقابلے میں زیادہ فصیح ہوتی ہے۔ مارواڑی اور جے پوری دونوں گجراتی سے مماثل ہیں۔ میواتی برج سے اور مالوی مغربی ہندی کی بولی بندیلی سے مشابہ ہے۔

بھیلی بولیاں راجستھان اور گجرات کی سرحد پر بولی جاتی ہیں۔ یہ راجستھانی کے ذیل میں آتی ہیں گو ان کی مشابہت گجراتی سے بھی ہے۔ خاندیشی بھی راجستھانی گجراتی کی بولی ہے۔

راجستھان کی تہذیبی زبان ہندی ہی ہے۔ راجستھان کے سابق وزیر اعلیٰ جے نراین ویاس نے ایک مضمون[1] میں راجستھانی اور ہندی کے مختلف ذخیرۂ الفاظ کے پیش نظر راجستھانی کو علیحدہ زبان قرار دیا۔ کبھی کبھی پارلیمنٹ میں آواز سنائی دے جاتی ہے کہ راجستھانی کو علیحدہ زبان کا درجہ دیا جائے لیکن یہ آواز ابھی نحیف ہے۔

پہاڑی بولیاں

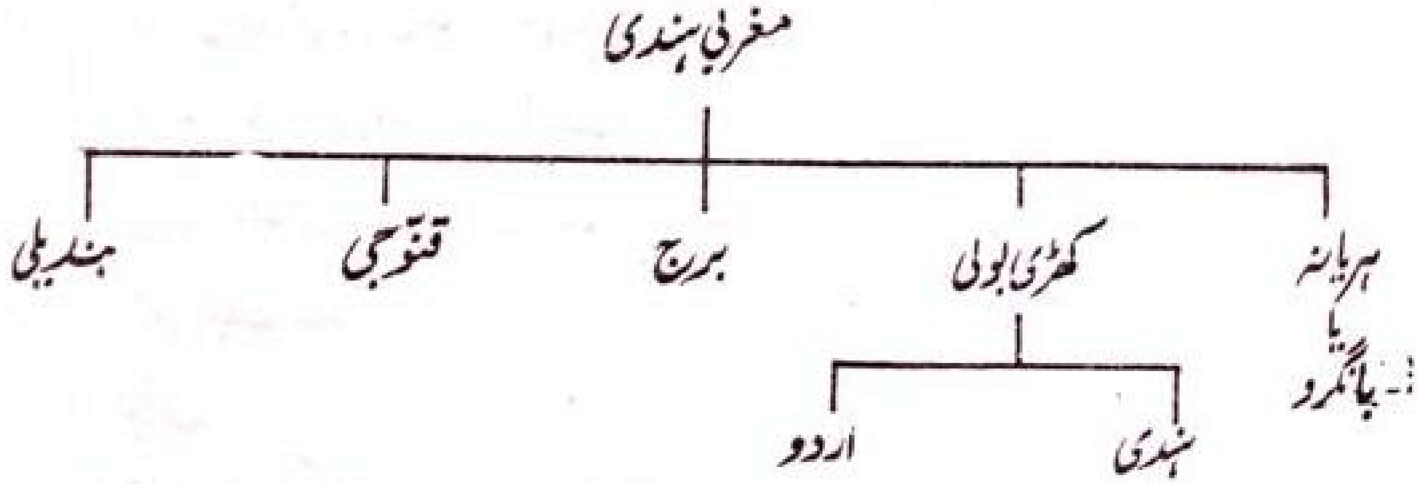
یہ کھس پراکرت اور کھس اپ بھرنش سے نکلی ہیں۔ پہاڑی بولیوں کی مغربی ہندی سے مماثلت کو دیکھتے ہوئے بعض لوگ پہاڑی کو شورسینی ہی سے ماخوذ کرتے ہیں۔ کھس اپ بھرنش پر شورسینی اپ بھرنش اور اس کے روپ ناگر کا قابل قدر اثر ہو سکتا ہے۔ پہاڑی بولیاں حسب ذیل ہیں۔

پہاڑی
- مشرقی پہاڑی
  - نیپالی یا گھرکھالی
- وسطی پہاڑی
  - کمایونی
  - گڑھوالی
- مغربی پہاڑی
  - چمبالی
  - جونساری
  - سرمودی
  - دیگر تقریباً ۵ بولیاں

پہاڑی بولیوں میں تبت چینی زبانوں کے کچھ الفاظ آگئے ہیں۔ ان بولیوں پر راجستھانی کا بھی اثر ہے کیونکہ بہت سے راجپوت پہاڑوں میں جاکر بس گئے تھے۔ نیپال کے راجا اور وزیر اعظم رانا راجپوت نسل ہی کے تھے۔ گرکھالی میں تھوڑا سا ادب ملتا ہے۔ وسطی پہاڑی یو پی کے پہاڑوں سے متعلق ہے۔ اس پر جے پوری کا اثر ہے۔ گڑھوالی بولی گڑھوال نینی تال میں بولی جاتی ہے اور کمایونی مسوری کے علاقے میں۔ وسطی پہاڑی میں بھی کچھ ادب موجود ہے۔ مغربی پہاڑی ہماچل پردیش کی بولی ہے۔ اس پر میواڑی کا اثر ہے۔ ہماچل میں بہت سی بولیاں ہیں۔ جموں کے ڈوگری علما ہماچل کی بولیوں کو ڈوگری کی شاخ قرار دیتے ہیں لیکن اہلِ ہماچل کو ڈوگری کے نام سے چڑھ ہے۔ وہ اپنی بولی کو پہاڑی کہتے ہیں۔

مغربی ہندی

یہ شورسینی کی سچی جانشین ہے۔ مغربی ہندی گریرسن کا دیا ہوا نام ہے۔ گیارھویں، بارھویں صدی میں مدھیہ دیش میں مغربی ہندی کی بولیاں ابھر کر نہیں آئی تھیں۔ اس وقت کی زبان کو ہم مغربی ہندی کہہ سکتے ہیں۔ اس کی پانچ بولیاں ہیں۔



ہریانی اور کھڑی میں آ کا لہجہ ہے بقیہ تین میں اُو کا یعنی پہلی دو کے بہت سے الفاظ کے آخر میں آ آتا ہے بعد کی تین کے الفاظ میں اُو۔

ہریانی کو انگریزی اور ہندی کی لسانیات کی کتابوں میں بانگرو کہا جاتا ہے۔ صرف اردو والے ہریانی کہتے ہیں۔ ہانسی کی ہریانی کو معیاری زبان مان سکتے ہیں۔ ہریانی پر پنجابی اور راجستھانی کا شدید

(حاشیہ صفحہ گزشتہ کا) جے نرائن ویاس : راجستھانی بھاشا اور بولیاں۔ رسالہ پریشد پترکا جون ۵۴ء ...

اثر ہے۔ شیرانی نے پنجاب میں اردو میں جو لکھا ہے کہ ہریانی قدیم اردو کے سوا کچھ نہیں یہ بات صحیح نہیں شیرانی نے ادبی نمونوں کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا ہے حالانکہ زبانوں کی نوعیت طے کرتے وقت اُن کی بول چال کے روپ کو پرکھنا چاہیے۔

کھڑی بولی کا علاقہ حسب ذیل ہے۔

ضلع انبالہ کی تحصیل انبالہ، دلی، یوپی میں ضلع دہرہ دون کا میدانی علاقہ، سہارنپور، مظفرنگر، میرٹھ، ضلع بلند شہر کا شمالی حصہ، بجنور، مرادآباد، رامپور۔

اِن مقامات میں یہ شہر اور دیہات کی عوامی بولی ہے۔ ان کے علاوہ یہ پورے ہندوستان کی مشترک زبان یا عام بول چال کی زبان ہے۔ "ہندوستانی" اسی کا دوسرا نام ہے۔ اس کا نام کھڑی ہونے کی کئی وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔

1۔ چونکہ اس میں برج کے اُو کے مقابلے میں آ کا لہجہ ہے اس لیے اسے کھڑی کہا گیا اردو میں ا یا آ اور ہندی میں آ کی ماترا دونوں کھڑے انسان کی طرح ہوتی ہیں۔ اس لیے آ کے لہجے کو ذہنی حیثیت سے کھڑا اور اُو کو پڑا سمجھا جاتا ہے۔

2۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ کھڑا سے مراد اکھڑ یا درست ہے۔ برج کے مقابلے میں کھڑی بولی میں تشدید کا رجحان بھی زیادہ ہے اور معکوسی مصمتے ڈ، ڑ کا استعمال بھی زیادہ۔ برج میں کھڑی کا "ڑ" کئی موقعوں پر "ڑ" اور "ڑ" "ر" ہو جاتا ہے۔ اس طرح کھڑی بولی ثقیل اور برج شیریں ہے۔

3۔ تیسری توجیہ کے مطابق کھڑی دراصل "کھری" ہے۔ کھرا کھیل فرخ آبادی جو کہاوت ہے اس میں بھی کھرا کے معنی کھرا بیان کیے جاتے ہیں۔ اسی کی مماثلت پر کھڑی بولی کھری بولی ہے یعنی صاف ستھری فصیح بولی۔

ہندی اور اردو اسی کے دو روپ ہیں جو بول چال میں کم اور تحریر میں زیادہ ظاہر ہوتے ہیں۔

برج شورسینی کے مرکزی علاقے کی بولی ہے۔ شورسین متھرا آگرہ کے علاقے کا قدیم نام ہے۔ برج کے معنی "جانوروں کا باڑا" ہیں۔ چونکہ اس علاقے میں گائے کی اہمیت تھی شاید اس کی وجہ سے برج کا لفظ وجود میں آیا۔ اس بولی کا علاقہ حسب ذیل ہے۔

آگرہ کمشنری (ضلع ایٹہ کو چھوڑ کر)، بدایوں، بریلی، راجستھان میں بھرت پور، دھول پور، کرولی اور مدھیہ پردیش میں گوالیر۔

فارسی میں اس زبان کو زبان گوالیاری کہا گیا ہے۔ یہ بولی چودھویں پندرھویں صدی تک نکھر کر سامنے آئی تھی گو اس کے ابتدائی نقوش بارھویں صدی ہی میں ملنے لگتے ہیں۔ پرتھوی راج راسو کے کچھ حصے بارھویں صدی کے ہیں اور وہ قدیم برج میں ہیں۔ یہ شاعری کی بولی ہے۔ گیت اور پکا گانا برج ہی میں کھلتا ہے کھڑی بولی میں نہیں۔ ماضی میں اس بولی کی حیثیت زبان کی تھی۔ کرشن بھگتی کے ادب کے لیے مخصوص تھی۔ ملک میں دور دراز کے علاقوں میں کرشن پریم کی شاعری برج میں کی جاتی تھی۔ اس بولی میں ہندی کے سب سے بڑے شاعر سور داس نے شاعری کی۔

سکندر لودھی کے وقت سے شاہجہاں کے عہد تک آگرہ ہندوستان کا دارالخلافہ رہا جس کی وجہ سے اس دور میں برج پورے شمالی ہند کی تہذیبی بولی بننے لگی تھی۔ کھڑی کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ شاہجہاں جب دارالسلطنت کو دلی لے آیا تو برج پسپا ہونے لگی اور کھڑی بولی غالب۔ اردو نے کھڑی بولی کو اپنا لیا لیکن ہندی نے صرف اٹھارویں صدی کے آخر یا انیسویں صدی کے ابتدا میں باکراہ کھڑی کی طرف توجہ کی۔ اس کے باوجود انیسویں صدی کے نصف آخر میں ہندی اخبار و رسائل میں زوروں میں یہ بحث ہوا کی کہ ہندی ادبیات کے لیے برج کو اپنایا جائے یا کھڑی بولی کو۔ برج بہ نام کھڑی بولی کے مقدمے میں برج کی شکست ہوئی اور انیسویں صدی کے آخر میں ہندی نے برج کو چھوڑ کر کھڑی بولی سے پیمانِ وفا باندھ لیا۔

قنوجی

قنوج شہر ضلع فرخ آباد میں ہے۔ یہاں کا چمیلی کا تیل اور عطر مشہور ہے۔ یہ ہندوستانی لفظ ہے جسے ہندی میں کنوج کہا جاتا ہے۔ کانیہ کبج (رب ساکن) برہمنوں کا اسی شہر سے تعلق ہے۔ اہلِ فارسی نے اس کے نام کو معرّب کرکے اس کے پہلے حرف ک کو بدل کر ق کر دیا ہے۔ اس کی بولی کا علاقہ حسب ذیل ہے۔

ضلع فرخ آباد میں قنوج، ضلع ایٹہ، ضلع شاہجہاں پور اور ضلع پیلی بھیت۔

یہ ہردوئی اور اناؤ کے کچھ حصوں میں بولی جاتی ہے۔ گریرسن اسے برج سے الگ ماننے میں ہچکچاتا ہے لیکن اس میں برج سے یہ فرق ہے کہ برج میں اَو کا لہجہ ہے تو قنوجی میں اَو کا۔ پرشوتم داس ٹنڈن کو پیش کیے گئے راج رشی ابھی نندن گرنتھ (ہندی) میں ایک مضمون نگار نے ثابت کیا ہے کہ یہ برج سے الگ بولی ہے۔

بندیلی

یہ یوپی میں جھانسی کمشنری اور سابق وندھیا پردیش کے مغربی حصے بندیل کھنڈ کی بولی ہے۔ یہ شمال

میں آگرہ تک اور جنوب میں بھوپال تک پھیلی ہوئی ہے۔ برج کی طرح اس میں بھی اَو کا لہجہ ہے۔ اس کا پرانا رزمیہ شاہکار آلھا اودل مشہور ہے۔ ہندی کے مشہور شاعر کیشو داس نے بندیلی میں شاعری کی ہے۔

گریرسن نے مغربی ہندی اور مشرقی ہندی نام رکھ کر ایک غلط فہمی عام کر دی ہے اگر یہ دونوں مختلف پراکرتوں اور اپ بھرنشوں سے نکلی ہیں تو انھیں ایک نام ہندی دینے کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے خواہ مخواہ یہ خیال پیدا ہوا کہ مشرقی ہندی اور مغربی ہندی ایک زبان ہندی کی بولیاں ہیں۔ ہندی کے مشہور عالم بابو شیام سندر داس[1] کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"کچھ لوگ ہندی کے دو بھید مانتے ہیں مغربی ہندی اور مشرقی ہندی لیکن جدید علما مغربی ہندی کو ہی ہندی کہنا سائنٹیفک سمجھتے ہیں اس لیے لسانیات کی رو سے پوربی ہندی بھی ہندی سے الگ بھاشا جانی جاتی ہے۔ تاریخی نقطۂ نظر سے بھی دیکھیں تو ہندی شورسینی کے خاندان سے ہے اور پوربی ہندی اردھ ماگدھی کے۔ اسی سے گریرسن چٹرجی وغیرہ نے ہندی لفظ کا مغربی ہندی کے معنی میں استعمال کیا ہے اور برج، قنوجی، بانگرو اور کھڑی بولی کو ہندی کی بولیاں مانا ہے، اودھی چھتیس گڑھی وغیرہ کو نہیں۔ ابھی ہندی کے لیکھکوں کے علاوہ انگریزی لیکھک بھی ہندی لفظ کا من مانا مطلب لیا کرتے ہیں۔"

کیا اودھی ہندی ہے؟ لسانیات کا جواب تو یہی ہوگا کہ نہیں ہے لیکن سمجھنے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو تلسی داس کی رامائن مغربی ہندی کے بولنے والوں کے لیے ناقابل فہم نہیں۔ اگر مدھیہ دیش (دلی آگرہ وغیرہ) کی زبان کوشل (اودھ) کی زبان سے کوئی سوا دو ہزار سال پہلے الگ ہو گئی تھی تو اس طویل عرصے میں اختلافات بہت ہی کم اُبھرے۔

یہ عام طور سے مانا جاتا ہے کہ کھڑی بولی شورسینی اب بھرنش سے پیدا ہوئی ہے۔ گیارھویں بارھویں صدی میں شورسینی اور کھڑی بولی کے بین بین کے نمونے ملتے ہیں۔ کچھ بعد کی صدیوں میں فارسی سفر ناموں، تاریخوں اور لغات میں بھی کھڑی بولی کے الفاظ ملتے ہیں۔ تیرھویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی کے کھڑی بولی کے بہتر نمونے ملنے لگے ہیں۔ شمالی ہند میں اس عہد میں اردو کے جامے میں کھڑی بولی کے نمونے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ تین صدیوں تک یہ دکنی روپ میں ملتے ہیں۔ شمال میں کھڑی بولی دیوناگری رسم خط میں ملتی ہے۔ اہلِ اردو اس سے واقف نہیں۔ ڈاکٹر سہیل بخاری[2] نے ادھر توجہ دلائی ہے۔

---

[1] شیام سندر داس: بھاشا وگیان (ہندی) ص 105

[2] سہیل بخاری: اردو کا قدیم ترین ادب۔ رسالہ نقوش شمارہ 102۔ بابت 65ء

دکنی کو کھڑی بولی کی ایک شاخ یا ذیلی بولی کہنا چاہیے یا پھر مغربی ہندی ہی کی ایک مزید بولی قرار دیا جائے۔ شمالی ہند میں اردو اور دیوناگری دونوں رسوم الخط میں ملا کر کھڑی بولی کا ارتقاء تلاش کرنا چاہیے کھڑی بولی کے بنا پر یں بولی اپنے سے خیال گزرتا ہے کہ یہ بولی ہے

دراصل یہ ایک زبان مغربی ہندی کی معیاری بولی ہے اور معیاری بولی اور زبان میں بڑا فرق نہیں ہوتا تو ڈاکٹر سہیل بخاری کا یہ نظریہ بالکل صحیح ہے کہ اردو ہندی دونوں ایک زبانیں ہیں۔ رسم الخط کے فرق کو نظر انداز کر کے ان کا ارتقا کھوجیے تو شمالی ہند میں کھڑی بولی کی مسلسل روایت ملتی ہے۔

اردو اور ہندی دونوں کھڑی بولی کے دو ادبی روپ ہیں۔ اردو والوں میں جنھوں نے اردو کے آغاز کے نظریے پیش کیے ہیں وہ بالعموم ہندوستان کے ماضی کے لسانی نقشے کا کوئی شعور نہ رکھتے تھے۔ ان معصوموں کے نزدیک کھڑی بولی محض اردو میں ظاہر ہوئی اس لیے وہ اردو کے آغاز ہی کو کھڑی بولی کا آغاز سمجھا کیے اور اسے دیسی ہندوؤں اور بدیسی مسلمانوں کے میل کا نتیجہ کہا گیا جہاں تک کھڑی بولی کا سوال ہے اس کے آغاز کے لیے ہندو مسلمان کا سوال بالکل غیر متعلق ہے۔ اردو کھڑی بولی کا وہ روپ ہے جس میں سنسکرت تت سم الفاظ نہ ہونے کے برابر ہیں اور عربی فارسی الفاظ زیادہ ہیں۔ چونکہ عربی فارسی الفاظ کی مقدار استعمال زیادہ ہے اس لیے اردو عبارت کا غالب اور اہم تر حصہ عربی فارسی اصل کا ہوتا ہے۔ حد یہ ہے کہ اردو نے بعض قواعدی روپ بھی عربی فارسی سے مستعار لیے ہیں مثلاً جمع بنانے کے قاعدے، حاصل مصدر کے لاحقے، حروفِ جار وغیرہ۔ اردو کے آغاز کا محض ایک ہی صحیح نظریہ ہو سکتا ہے کہ اردو کھڑی بولی ہے جس میں تت سم الفاظ تقریباً نہیں آتے اور عربی فارسی الفاظ زیادہ آتے ہیں۔

واضح ہو کہ دو زبانیں ملنے سے Pidgin اور Creole جیسی پچڑی ہوئی زبان ہی بن سکتی ہے (جو ایک استثنائی صورت ہے) اس کے علاوہ دو زبانیں مل کر تیسری زبان نہیں بنتی۔ بظاہر نو ساختہ زبان دراصل اپنی ماخذ زبانوں میں سے محض ایک کا ترقی یافتہ روپ ہوتی ہے۔ اس کا اصلی رشتہ اس ماخذ زبان سے قائم کیا جائے گا جس سے اس نے بنیادی مادّے، قواعدی لاحقے وغیرہ لیے ہوں۔ مجرّد الفاظ خواہ کہیں سے کتنے بھی زیادہ مستعار لیے جائیں زبان کی نسل اور شجرے پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ اردو نے مجرّد الفاظ کا قابلِ قدر ذخیرہ عربی فارسی سے لیا لیکن بنیادی الفاظ اور مادّے، بنیادی قواعدی اصول کھڑی بولی (مغربی ہندی) کے ہیں۔ اس لیے اردو کھڑی بولی ہی کا ترقی یافتہ

انگریزی میں تقریباً 60 فی صدی الفاظ نارمن فرنچ کے ہیں۔ ملیالم میں ستر اسی فی صدی الفاظ سنسکرت الاصل ہیں۔ البانوی ہیں چند سو کو چھوڑ کر بقیہ سب الفاظ بیرونی ہیں لیکن کوئی یہ نہیں کہتا کہ جرمن اور فرنچ کی آمیزش سے بنی ہے یا ملیالم تامل اور سنسکرت کے میل سے بنی ہے۔ پھر اردو ہی کو کیوں ہندی اور عربی فارسی کے میل کا نتیجہ قرار دیا جائے۔ حقیقت یہی ہے کہ اردو محض کھڑی بولی ہے جس میں بیرونی دخیل الفاظ زیادہ ہیں۔

اس لیے یہ کہنا درست نہیں کہ اردو سندھ میں یا پنجاب میں دکن میں یا پورب میں بنی۔ کھڑی بولی جہاں کی زبان ہے اردو وہیں بنی یعنی دلی اور مغربی یوپی میں۔

اردو کے آغاز کو دو منزلوں میں تلاش کرنا چاہیے۔

الف۔ کھڑی بولی کا آغاز ب۔ کھڑی بولی کا اردو روپ اختیار کرنا

راقم الحروف کی رائے میں کھڑی بولی گیارھویں سے تیرھویں صدی کے بیچ قدیم مدھیہ دیش کے علاقے میں شورسینی اپ بھرنش سے رونما ہوئی۔ اس نے اردو روپ چودھویں صدی سے دکن میں اور سترھویں صدی سے شمال میں اختیار کیا۔ یہ دراصل ادبی روپ ہے۔ واضح ہو کہ لسانیات میں تقریری روپ ہی معتبر ہوتا ہے۔ ادبی روپ ادبیات والوں میں چیز ہے لسانیات والوں کی نہیں۔ یہ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ بول چال کی حد تک اردو اور ہندی بولنے والے عوام کی بولی بالکل ایک ہے۔ شہروں کے پڑھے لکھوں کی مجلسی اور تہذیبی گفتگو چھوڑ دیجیے۔ گھریلو بول چال میں سب ایک ہی بولی بولتے ہیں۔

فورٹ ولیم کالج کی سنگھاسن بتیسی، بیتال پچیسی اور انشا کی رانی کیتکی کی کہانی اردو والے اردو زبان کا حال قرار دیتے ہیں ہندی والے ہندی زبان کا۔ جہاں "من تو شدم، تو من شدی" کی یہ کیفیت ہو تو انہیں دو زبانیں کہنا کہاں تک درست ہے۔ یہاں تو بول چال کی زبان ہی نہیں ادب میں بھی مکمل اشتراک ہو گیا ہے۔

چوبیسواں باب

علمِ زبان کے مطالعے کی تاریخ

توریت میں متعدد ناموں کی لفظ اصل ان کے مفہوم کی بنا پر واضح کی گئی ہے جو کہیں صحیح ہے کہیں نہیں لیکن ہندوستان میں زبان، بالخصوص صوتیات، کا جس قدیم دور میں اور جس صحت سے مطالعہ کیا گیا اس پر بجا طور پر فخر کیا جاسکتا ہے۔ ویدک بھاشا جیوں ہی فرسودہ ہونے لگی اس کی تشریح و توضیح کے لیے مستقل کتابیں تیار کی جانے لگیں۔ ویدی زبان میں سُر کی اہمیت تھی۔ ہون اور یگیہ میں اس کے منتروں کو صحیح تلفظ اور زیر و بم کے ساتھ پڑھنا ضروری تھا ورنہ وہ بے اثر ہو جاتے۔ اس مقصد سے صوتیات پر خصوصی توجہ کی گئی۔

ویدک ادب میں برہمن نام کے صحیفے بھی شامل ہیں۔ ان میں کہیں کہیں لفظوں کی اصل د بیان کی گئی ہے۔ بیشتر صورتوں میں یہ صحیح نہیں لیکن ان کی اہمیت مادروں کی کھوج کی کوشش میں ہے۔ ان سے اگلی منزل ان کے بعد کے پد پاٹھ تھے۔ ان میں ویدوں کے جملوں اور مرکبات کے اجزا الگ الگ کرکے لکھے جاتے تھے تاکہ وضاحت ہو جائے۔ ان کے بعد پراتی شاکھیہ نام کی کتابیں لکھی گئیں جن میں ویدوں کے زیر و بم یعنی سُر درجے کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا تھا۔ ان میں ویدک سنسکرت کی آوازوں کی گروہ بندی بھی کی گئی اور یہ کم و بیش آج بھی ٹھیک ہے۔ شکشا یا شکچھا نام کی کتابوں میں آوازوں کا مزید مطالعہ کیا گیا۔ اس طرح کی 40 کتابیں موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اور بہت سی لکھی گئی ہوں گی۔ کتابوں کا ایک اور گروہ نگھنٹو کے نام سے تھا۔ ان میں ویدوں کے فرسودہ الفاظ کی فہرست دی ہوئی تھی۔ آج ایک ہی نگھنٹو موجود ہے۔

یاسک کی نِرُکت :۔ قدیم ہندوستانی ماہرین لسانیات میں پہلا بڑا نام یاسک (س ساکن)

کا ہے اس زمانہ کا پانینی سے سو سال قبل کا ہے یعنی ساتویں یا چھٹی صدی ق م ہو سکتا ہے۔ اس نے نِرُکت (نِرک ساکن) نام کی کتاب لکھی جس میں نگھنٹو کے الفاظ کی شرح کی گئی ہے۔ اس نے لفظوں پر غور کرنے کے علاوہ زبان کے آغاز وارتقا، بولیوں، لفظوں کے مادّوں وغیرہ کی طرف بھی اشارے کیے ہیں۔ یہ کتاب سائنسی اور غیر سائنسی کے بیچ کی ہے لیکن اس کی غیر معمولی اہمیت میں کوئی شبہ نہیں۔

پانینی کی اشٹادھیائے:۔ پانینی (پہلا ٹ مکسور ہے دوسرا دی ن ہے) دنیا کا پہلا عظیم ماہر صوتیات و قواعد داں تھا۔ بلوم فیلڈ جیسے استادِ لسانیات نے اس کے کارنامے کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔[a]

This grammer which dates from somewhere round --350 to 250 B.C. in one of the greatest movements of human intelligence

اس کے عہد کے بارے میں اتفاق نہیں۔ 70 ق م سے 350 ق م تک کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ شاید پانچویں صدی ق م کے وسط میں ماننا غلط نہ ہوگا۔ اس کی منظوم قواعد کا نام اشٹادھیائے ہے جس میں آٹھ ابواب اور چار ہزار سوتر (شعری سطور) ہیں۔ یہ کتاب 14 کلیدی الفاظ پر مبنی ہے۔ یہ الفاظ چند بے معنی حروف کے مجموعے ہیں عروض کے ارکانِ افاعیل کی طرح۔ ان میں سنسکرت جیسی دقیق زبان کے قواعد کو سمادیا ہے۔

پانینی نے مختلف آوازوں کا صوتی تجزیہ کیا۔ وہ مصمتی، غیر مصمتی اور ھکاری، غیر ھکاری کی تفریق سے واقف تھا۔ اسے ہر آواز کا صحیح مقامِ تلفظ معلوم تھا۔ حیرت یہ ہے کہ آلات کے بغیر ہی وہ مصمتیت کی گرفت کرسکا اور تمام بندشیوں کے بارے میں صحیح صحیح طے کردیا کہ کون سے مصمتی ہیں اور کون سے غیر مصمتی۔ صوتیات کے علاوہ اس نے لفظوں کی ساخت کے بارے میں بھی تفصیل سے لکھا ہے۔ اس نے ویدک بھاشا اور عوامی سنسکرت کا تقابلی مطالعہ بھی کیا ہے۔ اس نے سنسکرت قواعد کے اصول اتنے گٹھے طریقے سے بیان کیے ہیں کہ بعد میں کوئی ان میں ترمیم نہ کرسکا۔ تارا پوروالا کی رائے میں پانینی کی جکڑبندیوں کی وجہ سے سنسکرت کا ارتقا بند ہوگیا اور وہ مردہ زبان ہوگئی۔

---

[a] Bloomfield : Language P 11

بعد کے قواعد نویس پانِنی ہی پر تبصرہ کرتے رہے۔

کاتیاین کی وارتک :۔ اس کا زمانہ پانِنی سے بعد کا ہے شاید دوسری صدی ق م کا ہو یہ غالباً قواعد کے ایندر (بہ یائے مجہول) اسکول سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ اسکول جنوب سے متعلق کہا جاتا ہے۔ وارتک میں پانِنی کی اشٹادھیائے پر تبصرہ ہے اور اصلاحوں کی تجویزیں ہیں۔

پتنجلی کی 'مہابھاشیہ' :۔ پتنجلی کا زمانہ 150 ق م کا ہے۔ مہابھاشیہ لکھنے کا منشا پانِنی کے کارنامے پر کاتیاین کے اعتراضات کا جواب دینا تھا۔ حسبِ ضرورت اس نے مزید اصول بھی پیش کیے ہیں۔ اس نے زبان پر فلسفیانہ انداز سے مفصل غور کیا ہے۔

پتنجلی کے بعد کئی صدیوں تک قواعد کا پانِنی اسکول پھولتا رہا۔ یہ لوگ اشٹادھیائے کی تفسیریں لکھا کیے۔ ان کے علاوہ بھی قواعد نگاروں کے کئی اور دبستان ظہور میں آئے۔ پالی قواعد نویسوں کی تین شاخیں سامنے آئیں۔ ہمارے لیے اس سے زیادہ دل چسپی کا مخزن پراکرت پر کام کرنے والے ہیں۔ پراکرت کے قواعد نگاروں کی دو شاخیں مغربی اور مشرقی مانی گئی ہیں۔

وررچی :۔ مشرقی شاخ میں سب سے اہم نام وررچی کا ہے۔ پراکرتوں کے بارے میں قدیم ترین قواعد وررچی کی پراکرت پرکاش ہے۔ اس کے پہلے نو ابواب میں مہاراشٹری پراکرت کا مفصل حال ہے۔ دسویں باب میں پیشاچی کا گیارھویں میں ماگدھی کا اور بارھویں میں شورسینی کا بیان ہے۔ شورسینی کا بیان مختصر ہے کیونکہ یہ مہاراشٹری سے زیادہ مختلف نہیں۔ وررچی کی قواعد پر تبصرے کے طور پر اور قواعدیں لکھی گئیں۔

ہیم چندر :۔ مغربی شاخ میں سب سے اہم نام گجرات کے جین سادھو ہیم چندر (1088 تا 1172) کا ہے۔ ان کی مشہور کتاب "سدھ ہیم چندر شبدانو شاسن" ہے۔ اس کے سات ابواب سنسکرت کے بارے میں ہیں جو کچھ زیادہ کامیاب نہیں لیکن آٹھواں باب جو کتاب کے ایک چوتھائی کو محیط ہے بول چال پر پراکرتوں یعنی اپ بھرنشوں کے بارے میں ہے۔ یہ بات بہت عالمانہ ہے۔ تاراپوروالا کا کہنا ہے کہ ہیم چند کا تقدس اور شہرت ایسی تھی کہ ان کی اصول بندی نے اپنی معاصر زبانوں کے ساتھ وہی کیا جو پانِنی نے سنسکرت کے ساتھ کیا تھا یعنی وہ بول چال سے پیچھے رہ کر مر گئیں۔

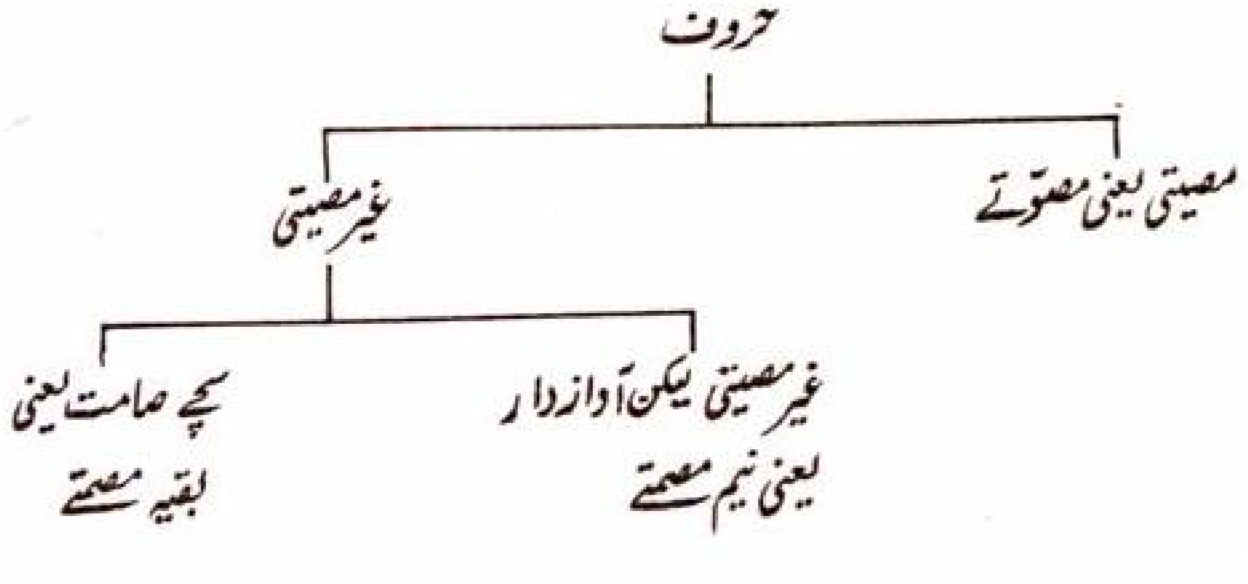
اپ بھرنش کے بارے میں آزاد حیثیت سے قواعدیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پراکرت کی قواعدوں ہی میں اپ بھرنش کے بارے میں کچھ درج کر دیا جاتا تھا۔ ایک اہم قواعد مارکنڈے کی پراکرت سرؔ وسُو ہے جس سے 27 اپ بھرنشوں کے نام معلوم ہوتے ہیں۔ ان 27 میں تین ہی زیادہ اہم ہیں۔

قواعدوں کے علاوہ بہت سی لغات بھی لکھی گئیں، ویدک لغت نگھنٹو ریاسک سے پہلے اکلاسکل سنسکرت کے لیے امرکاامرکوش 500 کے قریب اور پراکرت کے لیے ہیم چند کی "دیشی نام مالاوالا"

مغرب میں لسانیاتی مطالعہ

ہندوستان کی طرح لیکن ہندوستان سے بہت کم یونان میں بھی لسانیات کے موضوعات پر غور کیا گیا۔ ہندوستان کا لسانیاتی مطالعہ تجزیاتی اور توضیحی تھا جب کہ یونان کا مطالعہ زیادہ تر قیاسی اور فلسفیانہ تھا۔

سقراط نے یہ نظریہ پیش کیا کہ شے اور اس کے نام میں کوئی فطری تعلق نہیں ہوتا لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہہ گیا کہ ایسی زبان کی تخلیق ممکن ہے جس میں اسم اور موسوم میں فطری تعلق ہو۔ افلاطون ــــــ 429 ق م تا 347 ق م) نے زیادہ تر فلسفۂ زبان پر غور کیا۔ اس نے فیثا غورث اور Herakleitos کے نظریے سے اتفاق کیا کہ زبانیں فطرت کی کسی داخلی ضرورت کے تحت پیدا ہوئیں۔ اس نے Cratylus میں کچھ لفظوں کی اصل پیش کیں جو صحیح ہونے کی بجائے سادہ لوحانہ ہیں۔ اس کا اہم کام یہ ہے کہ اس نے آوازوں کی گروہ بندی کی۔ اس کی تقسیم کو مصیتی اور غیر مصیتی کہا گیا ہے لیکن ان اصطلاحوں کا اطلاق درست نہیں۔ ظاہرا افلاطون نے یونانی حروف کی یہ تقسیم کی۔



اصل یہ ہے کہ افلاطون کو نئی صوتیات یا پانی والے گھوش اگھوش کا علم نہ تھا۔ اس نے تو مصوتے، نیم مصمتے اور مصمتے کی تقسیم کی تھی چنانچہ اس کے بعد کے قواعد نگاروں نے سچے صامتوں کو تین قسموں میں بانٹا غیر مصیتی، مصیتی، ھ کار۔

ارسطو نے افلاطون وغیرہ کے برخلاف یہ خیال ظاہر کیا کہ زبانیں معاہدہ یا روایت سے پیدا ہوئیں۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ کلاسکی قواعد کی اصطلاحیں اسی کی اختراع ہیں۔ فاعل، مفعول، فعل ناقص اور لیٹن کے مشہور آٹھ اجزائے کلام (Parts of Speech) ارسطو ہی کی دین ہیں۔

بعد میں کئی صدیوں تک لسانی تحریروں پر افلاطون اور ارسطو کے اختلافات چھائے رہے اور قیئین (Sophists) افلاطون کے مقلد تھے اور اپی کیورین (Epicureans) ارسطو کے مزید الجھن پیدا کرنے کے لیے Anomalist اور Analogist تھے۔ اول الذکر کی انالوجی ہماری صوتی مطابقت کے معنی میں تھے۔ ان کے نمائندہ Aristarchos (تیسری یا دوسری صدی ق م) اور دوسرے قواعد نگار تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ زبانوں کا نظام اور زبانوں کے روپ بڑے باقاعدہ ہوتے ہیں۔ دوسری طرف انامسٹو کا سرغنہ رواقی Krates (120 ق م کے قریب) تھا۔ یہ کہتے تھے کہ زبان بے قاعدہ اور بے ترتیب ہے اور اس کا کوئی نظام نہیں۔ آخر میں (مماثلت پرستوں (اینالوجسٹ) کی جیت ہوئی۔

یونان کا ایک بہت بڑا ماہر لسانیات Dyskoles تھا جس نے علم زبان کے ہر اس پہلو پر لکھا جو اس وقت تک معلوم ہو چکا تھا۔ اس نے یونانی نحو کی بنیاد رکھی۔ ہندوستان میں نحو پر نہیں لکھا گیا۔ اس نے یونانی بولیوں Doric , Jonic , Aeolic , Attic کی خصوصیات واضح کیں۔ دوسری صدی ق م کے Thorax کی گرامر بھی بہت اہم ہے۔ قواعد کے علاوہ یونان میں لغات اور لفظ اصلیات کے بہت سے کام ہوئے۔

یونان کے بعد روم اور باز نطین میں یہ سلسلہ جاری رہا۔ مسیحت کے فروغ کے ساتھ مطالعۂ زبان میں بھی تیزی آئی۔ مختلف زبانوں میں انجیل کے ترجمے قدیم زبانوں کی قدیم ترین یادگار ہیں۔ توریت (عہد نامہ قدیم) کے مطالعے کے سلسلے میں عبرانی، یونانی اور لاطینی زبانوں کا تقابلی مطالعہ کیا گیا جس سے علما کو اندازہ ہوا کہ یونانی اور لاطینی ایک ہی خاندان کی زبانیں ہیں۔

پندرھویں اور سترھویں صدی کے بیچ دنیا کی متعدد زبانوں کی قواعدیں لکھی گئیں۔ ملاحوں اور تاجروں نے دنیا بھر میں سیاحت کے دوران بھانت بھانت کی زبانیں سنیں تو ان کے تقابلی مطالعے کی بات سوجھی چنانچہ سولھویں صدی میں نارمن پوسٹل (Postel) نے زبانوں کے خاندانی رشتوں کے بارے میں لکھنے کا ارادہ کیا لیکن اپنے ارادے کو عمل تک نہیں پہنچایا، بعد میں دوسروں نے اس قسم کے ابتدائی کام کیے۔ زبانوں کی گروہ بندی کے قیاس کیے گئے اور لفظ اصلیات

پر کام کیے گئے۔ ہابس (Hobbes) نے 1668 میں اپنے فلسفے کی کتاب کے دسویں باب میں زبان کے آغاز پر بحث کی۔ اس دور کا اہم نام لیب نٹز (Leibnitz) (1646 تا 1716) کا ہے۔ اس نے 1710 میں تمام زبانیں ایک ابتدائی مورثِ زبان سے ماخوذ کیں جس سے Japhetic اور آرامی زبان نکلیں۔ جافے ٹک سے .... اور کیلٹک نکلیں۔ لیب نٹز کی سیتھک تقریباً ہند یورپی ہے اور کیلٹک سے اس کی مراد یورال التائی تھی۔ وہ لسانی نقشوں اور آفاقی زبان کی اہمیت سے واقف تھا۔

زبان کے آغاز کے مسئلے پر بہت کچھ قوتیں ضائع کی گئیں۔ اس کے علاوہ تمام معلوم زبانوں کے نمونے اکٹھا کیے گئے۔ سولھویں صدی کے آخری ربع میں P. Sassetti نے کہا کہ سنسکرت اور اطالوی میں کچھ مشابہت معلوم ہوتی ہے۔ 1768 میں فرنچ پادری کورڈو نے سنسکرت، لیٹن اور یونانی کی مطابقتیں دکھائیں۔ اٹھارویں صدی کے آخر تک سنسکرت کی اہمیت ظاہر ہوگئی اور اس سے باقاعدہ لسانیاتی مطالعہ کی داغ بیل پڑی۔

سر ولیم جونز (1746 تا 1794) یہ کلکتہ ہائی کورٹ میں چیف جسٹس تھے۔ انھوں نے کالی داس کے شکنتلا ناٹک کا انگریزی میں ترجمہ کیا تو انھیں سنسکرت اور یورپی زبانوں کے اتحاد کا اندازہ ہوا۔ انھوں نے کلکتہ میں ایل ایشیاٹک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی اور اس کے تیسرے سالانہ خطبہ میں (1786) سنسکرت کے بارے میں یہ کہہ کر جدید لسانیات کی بنا رکھی۔

"سنسکرت کی قدامت جو کچھ بھی ہو یہ محیر العقل ساخت کی ہے، یونانی سے زیادہ مکمل، لاطینی سے زیادہ بھرپور اور دونوں سے کہیں زیادہ منزّہ"

انھوں نے دعویٰ کیا کہ سنسکرت، یونانی اور لیٹن یقیناً ایک ہی ماخذ سے نکلی ہیں بلکہ گوتھک اور کیلٹک بھی اسی ماخذ کی ہیں گو اب مختلف معلوم ہوتی ہیں۔ اٹھارہویں صدی کی آخر میں ولیم جونز نے کتنا صحیح اندازہ کر لیا تھا۔

ہنری ٹامس کول بروک (1765 تا 1837)۔ یہ سنسکرت، پراکرت، فارسی، عربی کے عالم تھے۔ انھوں نے سنسکرت کے ہر شعبے کے بارے میں تحقیق کی گو ان کی دلچسپی کا خاص موضوع ہمالیہ کے نباتات و جمادات و حیوانات تھے۔

فریڈرخ شلیگل (1772 تا 1829)۔ جرمنی میں لسانیات بالخصوص ہندوستانی لسانیات کے سلسلے میں جو بہت کچھ کام ہوا ہے اس کی شروعات شلیگل نے کی ایک۔ انگریز سپاہی الکزنڈر ہیملٹن نے ہندوستان

میں سنسکرت کا مطالعہ کیا تھا۔ نپولین کی لڑائیوں میں اسے فرانسیسیوں نے قید کر لیا۔ شلیگل۔ نے 1803 میں پیرس جا کر اس جنگی قیدی سے سنسکرت سیکھی اور اس کے بعد 1808 میں اپنی مشہور کتاب
On the language and Wisdom of Indians
لکھی۔ اس میں اس نے پہلی بار "تقابلی قواعد" کی اصطلاح استعمال کی اور اس کی افادیت پر زور دیا۔ اس نے ایسے بہت سے الفاظ کی فہرست جمع کی جو یونانی، لیٹن، جرمن اور سنسکرت میں معنی اور صوت کے لحاظ سے مماثل تھے۔ اس نے صوتی قانونوں کی بھی ابتدا کی مثلاً یہ دریافت کیا کہ لیٹن ف اسپینی پ میں بدلتا ہے اور جرمن ف لیٹن پ کے متوازی ہے۔ اس نے دنیا بھر کی زبانوں کو نسلی اور قواعدی اعتبار سے ملا کر دو تین شاخوں میں منقسم کیا (1) سنسکرت اور اس کے خاندان کی زبانیں (2) دیگر زبانیں۔ ان دو زمروں کے ساتھ ساتھ اس نے مانا کہ چینی ان سب سے مختلف زبان ہے۔

ایڈولف شلیگل (1767 - 1845)۔ یہ مندرجہ بالا شلیگل کے بڑے بھائی تھے۔ یہ بھی سنسکر کے ماہر تھے۔ ان کا کام سنسکرت اور دوسری زبانوں کو مرکبی اور تحلیلی میں تقسیم کرنا ہے۔ انھوں نے دونوں کے اختلافات بخوبی روشن کیے۔

فان ہمبولٹ (Wilhelm von - Humboldt 1767 تا 1835)

ان کو تقابلی لسانیات کا بانی مانا جاتا ہے۔ ان کی تحریروں سے متاثر ہو کر گرم جیسے ماہر کو اپنے خیالات بدلنے پڑے۔ ان کے تلامذہ میں اسٹین تھیل نے اُن کے دقیق خیالات کی تفسیر کی۔

ہمبولٹ کا ایک کارنامہ زبانوں کو شمولی، امتزاجی اور تصریفی میں بانٹنا ہے۔ نیز اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ چینی ان گروہوں سے مختلف قسم کی زبان ہے۔ وہ ہر زبان اور بولی کو مکمل مانتے ہیں۔ ان کا قول تھا کہ دوسری اشیا کی طرح زبان کے آغاز اور انجام کو بھی نہیں جانا جا سکتا اس لیے درمیانی منزلوں کے مطالعے پر اکتفا کرنی چاہیے۔ انھوں نے جاداؤ زبان (کوی) پر ایک عالمانہ کتاب لکھی۔

فرانسز باپ (Franz Bopp 1791 تا 1867)۔ یہ برلن اکیڈیمی میں سنسکرت کے معلم تھے۔ تقابلی قواعد پر سب سے پہلے انھوں نے لکھا۔ ان کی پہلی کتاب "سنسکرت فعل کی گردان کا نظام، یونانی، لیٹن، فارسی اور جرمن سے تقابلی مطالعہ" میں شائع ہوئی۔ پھر 1833 میں ان کا اور مفصل کارنامہ "سنسکرت" زند، یونانی، لیٹن، لتھوئین، گوتھک اور جرمن کا تقابلی مطالعہ" شائع ہوا۔ 1854 میں انھوں نے سنسکرت اور یونانی الفاظ کے بل کے نظام پر ایک مقالہ شائع کیا۔

انھوں نے صوتیات کی طرف توجہ نہیں کی۔ خصوصیت سے تصریفی چسپیوں کا مطالعہ کیا۔ وہ اس

نقطہ نظر کے حامی تھے کہ یہ چیپیے کسی زمانے میں مکمل لفظ تھے جو اب محض بے معنی اجزا ہو کر رہ گئے ہیں۔ چونکہ ان کے سامنے کافی مواد نہ تھا اس لیے انھوں نے یہ قاعدہ قائم کیا کہ لسانیات کے اصول صرف ایک حد تک صحیح ہوتے ہیں۔

وہ سنسکرت، یونانی اور لیٹن کو ایک ماخذ سے مانتے تھے۔ انھوں نے شلیگل کی زبانوں کی گروہ بندی میں ترمیم کر کے ذیل کے گروہ قائم کیے۔

(1) چینی جیسی بغیر قواعد کی زبانیں (2) ہند یورپی جیسی یک رکنی مادّے والی زبانیں (3) سہ حرفی یعنی دو رکنی مادّوں والی سامی زبانیں۔

باپ کے کاموں کو زیادہ گہرا اور عالمانہ نہیں سمجھا جاتا۔

ریزمس راسک (Rasmus Kristian Rask 1787 تا 1832)۔

تقابلی لسانیات میں ان کا بڑا نام ہے۔ انھوں نے 1814 میں "قدیم فارس (Old Norse) یا آئس لینڈی زبانوں کے آغاز کی کھوج" نام کا رسالہ لکھا اور 1818 میں شائع کیا۔ چونکہ انھوں نے اصلاً ڈینش میں لکھا تھا اس لیے یہ رسالہ غیر معروف رہا۔ انھوں نے ہند یورپی زبانوں کے صوتی قانون کی طرف پہلی بار اشارہ کیا۔ بعد میں گرم نے اس خیال کو لے کر متعین شکل دی۔ آئس لینڈی زبانوں کے سلسلے میں راسک نے فنو اُگری زبانوں کی بھی مدلل گروہ بندی کی۔ وہ لسانیاتی مواد کی کھوج میں سات سال تک یورپ، ترکی، ایران اور ہندوستان کا دورہ کرتے رہے۔ ایران سے وہ اوستا کا قدیم ترین اور بہترین مخطوطہ لائے۔

یاکوب گرم (Jacob Grimm 1785 1863) گرم کی پریوں کی کہانیاں (Grimms Fairy Tales) مشہور ہیں۔ دوسری طرف یہ بہت بڑے ماہر لسانیات تھے۔ 1819 میں اُن کی کتاب جرمن قواعد کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔ اس میں انھوں نے تاریخی اعتبار سے قواعد لکھی ہے۔ اس ایڈیشن میں ان کا مشہور صوتی قانون نہیں۔ انھوں نے راسک سے ان قوانین کا خیال لیا۔ 1822 میں جب اپنی قواعد کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا تو اس میں 600 صفحات میں اپنے قوانین پیش کیے۔ ان میں ٹیوٹانک زبانوں کے صوتی انتقال کی گرفت کی ہے۔ اُنھوں نے اپنی قواعد کی تین مزید جلدیں 1826، 1831 اور 1837 میں شائع کیں۔ اُنھوں نے املاؤٹ اور ابلاؤٹ جیسی اصطلاحیں پیش کیں جو آج تک مانی جاتی ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ کسی زبان کے مطالعے کے لیے اس کے بولنے والی قوم اور اس کے دروں کا بھی

گہرا عرفان ہونا چاہیے۔ جرمن قواعد کے دیباچے میں وہ لکھتے ہیں جیسے انھیں کسی اندرونی طاقت نے یہ قواعد لکھنے پر مجبور کیا ہو۔

انیسویں صدی کے ربع اوّل میں جدید لسانیات کا باقاعدہ مطالعہ شروع ہوتا ہے۔ اس دور کے عالموں کی خصوصیات یہ ہیں۔

1۔ کلاسکل زبانوں کے مطالعے پر زیادہ توجہ کی گئی اور موجودہ زبانوں کو نظرانداز کیا گیا۔ کلاسکل زبانوں میں بھی یہ لوگ سنسکرت سے خاص طور سے متاثر تھے۔

2۔ تقابلی اور تاریخی لسانیات کی ابتدا ہو گئی۔

3۔ زبانوں کی نسلی اور قواعدی گروہ بندی کی بھی ابتدا ہو گئی۔

4۔ مارفیمیات کے مطالعے میں پچیوں کے بارے میں یہ عقیدہ قائم کیا گیا کہ اصلاً یہ پورے لفظ تھے۔

اس کے بعد کے تیس چالیس برسوں میں مختلف زبانوں کا مواد اکٹھا کرنے میں بڑی محنت کی گئی۔

اب ہم اپنے سفر میں آگے بڑھ کر جائزہ لیتے ہیں۔

آگسٹ ایف پاٹ (Pott 1802 تا 1887) ان سے سائنسی لفظ اصلیات کا آغاز ہوتا ہے۔ انھوں نے 36-1833 میں ہند جرمن زبانوں کی لفظ اصل (Etymologische) شائع کی۔ ان کا طریق کار شدت سے سائنٹفک تھا۔ انھوں نے اس وقت کی مسلّمہ ہند یورپی زبانوں کی آوازوں کا تقابلی چارٹ بھی تیار کیا۔ ان کی کتاب کا نیا ایڈیشن 76-1859 میں دس جلدوں میں شائع ہوا۔

کے۔ ایم۔ ایپ۔ یہ راسک کے شاگرد تھے۔ ان کا قول تھا کہ کسی زبان کے ماضی کا مطالعہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے موجودہ روپ کا بھی مطالعہ نہ کیا جائے۔ انھوں نے صوتیات کا مطالعہ کر کے چار حصوں میں ایک کتاب شائع کی۔ انھوں نے گرم پر تنقید کی جس کی وجہ سے مقبول نہ ہو سکے۔ انھوں نے مردہ اور زندہ زبانوں کی صوتی ترسیم (Phonetic transcription) کی ہے۔

آگسٹ شلائخر (Schleicher 1823 تا 1868)۔ یہ متعدد زبانوں بالخصوص سلاف زبانوں اور لیتھونین کے عالم تھے۔ ان کی مشہور کتاب ہند جرمن زبانوں کی کمپنڈیم (1861) ہے۔ ان کا دلچسپ کام ہند یورپی کی بازتشکیل ہے چنانچہ کمپنڈیم میں انھوں نے دس سطروں کی ایک کہانی "بھیڑ اور گھوڑے" قیاسی ابتدائی ہند یورپی میں لکھ دی ہے۔ لسانیات میں اس قسم کے قیاسی کام مستحسن نہیں۔

انھوں نے ہندیورپی زبانوں کے اختلافات کی تصریح کے لیے شجرائی نظریہ (Pedigree theory)
پیش کیا جس کے مقابل شمٹ نے 1872 میں امواجی نظریہ (Wave - Theory)
رکھا۔ انھوں نے باپ (Bopp) کے کام کو آگے بڑھایا۔ بعد کے مطالعے سے ان کی تحقیقات میں
اغلاط دریافت ہوئی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کی اہمیت میں شک نہیں۔

اب تین ماہرین ترسیمیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

جارج فریڈرخ گروٹ فینڈ (1775 تا 1855)۔ انھوں نے 1802 میں اصطخر (Persepolis)
کے قدیم فارسی کے میخی کتبات کا مطالعہ کیا۔ انھوں نے قیاس کیا کہ نشانات کے دو مختلف گروہ دو مختلف
بادشاہوں کے نام ہوسکتے ہیں۔ یہ نام داریوش اور کوروش کے ہوسکتے ہیں۔ اس سے انھوں نے 13 نشانات
کی صوتی قیمت متعین کی۔ ان میں سے نو کی صحیح تھی۔ قیاس صحیح تھا

میجر جنرل سر ہنری رالسن (1810 تا 1895)۔ یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج میں افسر تھے اور
ایران میں متعین تھے۔ اس نے گروٹ فینڈ کے کارناموں کا حال سن کر میخی خط کے راز کو افشا کرنے کی
ٹھانی 1835 میں بہشتوں کے کتبات کی نقل لی اور مطالعہ شروع کیا لیکن اسی دوران کسی سفارتی
کام سے اُن کا تبادلہ کابل ہوگیا۔ 1843 میں وہ پھر ایران آئے۔ اس کے بعد اُنھوں نے میخی خط (بہشتوں
کا کتبہ نیز بابلی اور ایلمی متون) کو کشود کرلیا اور 1846 میں اپنی تحقیقات شائع کی جس کی صحت کو
تسلیم کرلیا گیا۔

جیمس پرنسیپ (1799 تا 1840)۔ یہ آئی سی ایس تھے۔ انھوں نے کچھ دو لسانی سکوں کی مدد
سے کھروشٹھی اور براہمی رسم خط کو دریافت کیا۔ ان کا نام خاص طور سے براہمی سے متعلق ہے۔ انھوں
نے 1837 میں براہمی کے پورے حروفِ تہجی لکھ دیے۔ انھوں نے فیروز شاہ کوٹلہ دلی میں اشوک
کی لاٹ کی تحریر کو پڑھ کر پالی زبان بھی دریافت کی۔

فریڈرخ میکس مُلر (1823 تا 1900)۔ یہ سنسکرت کے بہت بڑے عالم تھے چنانچہ ان
کی رگ وید کی تفسیر اور مشرق کی مقدس کتابوں کا 50 جلدوں کا سلسلہ ان کے شاہکار ہیں۔ ماہرِ
لسانیات کے طور پر ان کا مرتبہ اتنا بڑا نہیں۔ اُنھوں نے 1861 میں لسانیات پر کچھ خطبات دیے
جو 1861 اور 1864 میں مجموعے کی شکل میں شائع ہوئے۔ اُن سے عام آدمی کو بھی لسانیات میں

دلچسپی ہوگئی۔

یہ شلائخر کے مقلد تھے۔ زبان کو طبعی سائنس جانتے تھے۔ زبان کے آغاز کے سلسلے میں مادوؤں کے ڈِنگ ڈانگ نظریے کو مانتے تھے۔ اس وقت تک لسانیات میں معنیات کی طرف توجہ نہیں کی جاتی تھی انھوں نے مبذول کرائی۔ انھوں نے آریوں کے اصلی وطن کی بحث بھی کی اور پامیر پلیٹو کو یہ امتیاز دیا۔ انھوں نے دیوناگری لپی کی خوبیوں کی بھی اشاعت کی۔

ولیم ڈی وہٹنی (Whitney 1827 تا 1894)۔ یہ پہلے امریکی ماہر لسانیات ہیں۔ یہ ییل کالج میں سنسکرت اور تقابلی لسانیات کے پروفیسر تھے۔ یہ میکس مُلر کے حریف تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان سے زیادہ عالم بھی تھے۔ یہ فرینز باپ اور Roth کے شاگرد تھے۔ انھوں نے اتھرووید کو مرتب کیا اور 1879 میں سنسکرت اور ویدک زبان کی قواعد شائع کی جس میں پہلی بار ویدوں اور کلاسکی سنسکرت کی قواعد کو ایک اکائی بنا کر پیش کیا ہے۔ لسانیات میں اُن کی دو کتابیں ہیں "زبان اور زبان کا مطالعہ" (1867) "زبان کی زندگی اور نشوونما" (1874)۔ انھوں نے میکس مُلر کے شاعرانہ قسم کے نظریوں کی تنقید کی جس پر دونوں طرف سے معرکہ آرائی کا بازار گرم ہوا۔

1870 میں اسکولی نے دریافت کیا کہ صوتی تبدیلی کی وجہ سے ابتدائی ہند یورپی کی دو شاخیں ہوگئیں۔ اسی بنیاد پر برُگمے نے کنتم اور ستم کی تقسیم کی۔ اسی زمانے میں گراس مین نے گراس مین صوتی قانون پیش کیا جس سے گرم کے قانون کے کچھ استثناؤں کی تاویل ہوسکی۔ 1875 میں ورنر نے اپنا قانون پیش کر کے مزید اصلاح کی۔

نو قواعدیین۔ لیپزگ یونیورسٹی میں کچھ نو عمر علما نے دیکھا کہ زبانوں میں آوازوں کی تبدیلی بڑی باقاعدہ ہوتی ہے۔ ان میں دو نام خاص تھے۔ (1) سلاف زبانوں کا ماہر آگسٹ لیسکین (Leskien 1844 تا 1916) اور (2) کارل برگمان (Brugmann 1849 تا 1919)۔ انھوں نے 1876 میں بڑی قطعیت کے ساتھ یہ اصول پیش کیا کہ "صوتی قوانین میں کسی استثنا کی گنجائش نہیں۔" گراس مین اور ورنر کے ترمیمی قوانین کے بعد ان لوگوں کو یقین ہوگیا تھا کہ لسانیات میں بھی نیوٹن اور ڈارون کے سائنسی اصولوں کی سی قطعیت ہے۔ قدیم علما ان کی درشت زبان اور ان کے وفورِ اعتماد سے بھڑک اُٹھے اور ان کو تضحیک کے طور پر Junggrammatiker (Neo-grammarian یا young grammarian) کہنے لگے۔ شلائخر کا انتقال ہوچکا تھا لیکن پراگ یونیورسٹی کا ان کا رفیق کار George Curtius زندہ

تھا۔ یہ ماہر یونانیات تھا اور برگمان کا استاد بھی تھا۔ جس مقالے میں صوتی قوانین کی قطعیت کا ذکر تھا وہ برگمان نے اپنے استاد کی شرکت میں لکھا تھا لیکن کرٹیس اس وقت باہر گیا تھا اور اس نے یہ مقالہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ آزردہ ہوا کہ اس کے شاگرد نے اس سے مختلف نظریہ کیوں پیش کیا چنانچہ اس نے اس مقالے سے خود کو الگ کر لیا۔ پھر کچھ ذاتی جھگڑے چل پڑے۔ شلائخر کے رفیق کار ہونے کی وجہ سے کرٹیس کے اعتراض کو وقیع سمجھا گیا لیکن آخر میں نو قواعدئین سرخرو ہوئے۔ یہ لوگ پانچ نکات پر زور دیتے تھے۔

1۔ کلاسکی زبانوں میں علاوہ زندہ زبانوں کا مطالعہ بہت اہم ہے کیونکہ ہم ان کے بولنے والوں کا مشاہدہ کر کے زبان اور اس کے استعمال کرنے والوں کا تعلق دیکھ سکتے ہیں۔

2۔ ہمبولٹ کی طرح وہ مانتے تھے کہ کسی بھی شے کے اصل و آغاز کو جاننا مشکل ہے۔ اس کی وسطی یعنی قلم بند کی ہوئی منزل ہی کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

3۔ ان سے پہلی نسل والوں کا خیال تھا کہ آواز کی تخلیق محض عضویاتی فعل ہے۔ انھوں نے زور دیا کہ میکانکی اور نفسیاتی دونوں پہلو اہم ہیں۔ میکانکی پہلو کو ہم یقین کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں لیکن ذہنی اور نفسیاتی پہلو غیر یقینی ہے۔ اسی کی وجہ سے نطق انسانی میں بے ترتیبی آجاتی ہے۔

4۔ زبان کے ارتقا میں مماثلت کا بڑا رول ہے انسانی ذہن یکساں چیزوں کو ایک گروہ میں رکھ دیتا ہے۔

5۔ انسانی تاریخ میں مختلف نسلوں کی بہت کچھ آمیزش ہوئی ہے جس کی وجہ سے زبانوں میں بھی بہت کچھ خلط ملط ہوا ہے۔ اس لیے کوئی خالص زبان نہیں ہو سکتی۔ انھیں کے ذیل میں کچھ نکتہ یہ شامل کر لینا چاہیے کہ صوتی قوانین میں مکمل باقاعدگی ہوتی ہے۔

ان کے چند خاص لکھنے والوں پر نظر کی جاتی ہے۔

ہیمن اسٹین تھال (Steinthal 1825 تا 1899)۔ یہ نو قواعدئین کے دبستان کے استادِ اول تھے۔ یہ لسانیات کے علاوہ منطق و نفسیات کے بھی عالم تھے۔ انھوں نے 1855 میں اپنی پہلی کتاب شائع کی جس میں قواعد، نفسیات اور منطق کا باہمی تعلق دکھایا۔ بعد میں دو کتابیں اور لکھیں۔ لسانیات کے لیے نفسیات کی اہمیت پہلی بار اسٹین تھال ہی نے دکھائی لیکن اس وقت یورپ کی لسانیات پر شلائخر چھایا ہوا تھا۔ اس نے اس کا مذاق اڑایا جس کی وجہ سے اسٹین تھال کے خیالات زیادہ مقبول نہ ہو سکے لیکن آخرش اُنھیں مان لیا گیا۔

چونکہ ہند یورپی زبانوں کا کافی مطالعہ ہو چکا تھا اس لیے اسٹین تھال نے چینی اور افریقی زبانوں

مطالعہ کیا۔ ان زبانوں کو کمزور سمجھنے کے باعث اشٹین تھال کے مطالعے کو بھی کم دقیع سمجھا گیا۔

ہرمان استھوف، کارل برگمان اور ہرمان پال۔ اشٹین تھال کے بعد نو قواعدئین میں یہ تینوں نام اہم ہیں اور اُن میں برگمان مرکزی شخصیت ہے۔ برگمان اور اوستھوف نے مل کر چھ جلدوں میں مارفیمیات کی انسائکلوپیڈیا (1878 تا 1910) شائع کی۔ اسے نو قواعدئین کی انجیل کہا جاتا ہے اس کے مقدمے میں صوتی تبدیلی کو پوری طرح سے صوتی قوانین کے تابع کیا۔ لکھتے ہیں۔

"تمام صوتی تبدیلی، جہاں تک وہ میکانکی طور پر ہو، صوتی قوانین کے تحت ہوتی ہے جن میں کوئی استثنا نہیں ہوتا۔"

اس کے بعد برگمان نے 1886 تا 1900 میں پانچ جلدوں میں ہندجرمن (ہندیورپی) زبانوں کی قواعد شائع کی۔ اس کی آخری تین جلدیں Del-brueck کے اشتراک میں ہیں اور تقابلی نحو سے متعلق ہیں۔ برگمان کی دوسری کتابوں میں "تاریخ زبان کے اصول" مستند کام ہے جس میں اس نے زبان کے اصول اور فلسفے پر اپنے خیالات واضح کیے ہیں۔ برگمان کی Sonant Nasal Theory بھی مشہور ہے۔ اس سے گرم کے قوانین کے بعض شبہات کا ازالہ ہو گیا۔ برگمان کو ماہرین لسانیات کی نئی نسل میں سب سے عظیم تسلیم کیا گیا ہے۔ ہرمان پال کی "تاریخ زبان کے اصول" 1880 اہم کام ہے۔

ڈیل برک (B. Del brueck) کو تقابلی نحو کا بانی سمجھنا چاہیے۔ وہ یونانی زبان کا ماہر تھا۔ اس کے علاوہ سنسکرت اور لاطینی وغیرہ بھی بخوبی جانتا تھا۔

اوشریڈر (O Schraeder 1855 تا 1919)۔ بریسلا جرمنی کے رہنے والے تھے اور سلاف زبانوں کے پروفیسر تھے۔ انھوں نے آریوں کے وطن کے سلسلے میں اپنا مشہور نظریہ پیش کیا کہ وہ والگا کی وادی میں رہتے تھے۔ پیٹر گائلز کیمبرج یونیورسٹی میں تقابلی لسانیات کا ریڈر تھا۔ وہ نو قواعدئین کی تعلیمات سے متاثر تھا۔ اس نے "تقابلی لسانیات کا مختصر رسالہ" لکھا جو لیٹن اور یونانی پر مبنی ہے۔ اس نے کیمبرج تاریخ ہند میں آریوں پر مضمون لکھا اور اُن کے وطن کے بارے میں اپنا نظریہ پیش کیا۔

انیسویں صدی میں لسانیاتی مطالعہ تاریخی تھا۔ اس میں ہندیورپی زبانیں دل چسپی کا مرکز تھیں۔ ساتھ ہی زبانوں کے دوسرے خاندانوں مثلاً سامی، دراوڑی وغیرہ پر بھی توجہ کی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں ہندوستانی زبانوں کی طرف خاص دھیان دیا گیا۔ ابتدائی کام کرنے والے سب کے سب

یورپی مستشرق ہیں۔ بعد میں اہل ہند نے اس مطالعے کو سنبھال لیا۔ ذیل میں ہندوستانی زبانوں کے مطالعے کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

بشپ آر۔ رے۔ کالڈویل (Cald well 1814 تا 1891)۔ انھوں نے اپنی عمر جنوبی ہند میں گزاری۔ یہ دراوڑ زبانوں کے عالم تھے۔ انھوں نے 1856 میں اپنی مشہور کتاب "دراوڑی یا جنوبی ہندوستانی خاندانِ السنہ کی تقابلی قواعد" شائع کی۔ اس میں انھوں نے اپنا نظریہ پیش کیا کہ دراوڑی زبانیں آریائی زبانوں سے علیحدہ ہیں اور تورانی خاندان سے نزدیک ہیں۔

جان بیمز۔ یہ بنگال سول سروس کا ممبر تھا اور 1857 میں ہندوستان آیا۔ اس نے 1867 میں ہندوستانی لسانیات کا خاکہ' نامی رسالہ شائع کیا جس کو احتشام حسین نے اردو میں ترجمہ کردیا۔ موجودہ نقطۂ نظر سے اس کتاب میں کافی اغلاط ہیں مثلاً دراوڑی زبانوں کو تورانی خاندان سے متعلق کیا گیا ہے۔ اس رسالے میں کوئی ایسی خصوصیت نہ تھی کہ اسے اردو میں ترجمہ کرنے کے لیے منتخب کیا جائے۔ بیمز کا بہترین کام "ہندوستان کی آریائی زبانوں کی تقابلی قواعد" ہے جس کی تین جلدیں 1872 ' 1875 ' 1879 میں شائع ہوئیں۔ اس کی پہلی جلد کی مفصل تمہید بہت مفید ہے جس میں اصوات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسری جلد اسم ضمیر سے متعلق ہے اور تیسری فعل سے۔ اس میں ہند آریائی کی تمام اہم زبانوں کے قواعد کو سامنے رکھا گیا ہے۔

ڈاکٹر سر آر جی بھنڈارکر سنسکرت اور ہندیات کے عالم تھے۔ لسانیات میں اُن کے Wilson Philological lectures (1877) مشہور ہیں۔ کسی ہندوستانی کا یہ پہلا لسانیاتی کام تھا۔ یہ ساتویں لکچر 1914 میں شائع ہوئے۔ یہ لکچر ہند آریائی کے ارتقا سے متعلق ہیں۔

جارج بوہلر نے (1857 تا 1896) نے پونا میں پنڈاتوں سے سنسکرت سیکھی اور "ہند آریائی زبانوں اور عتیقیات کی انسائکلوپیڈیا' کا کام شروع کیا۔ اس میں اس نے قدیم ہندوستانی ترسیمات پر بھی ایک مضمون لکھا۔

ڈاکٹر اے آر ہارنلے (Hoernle 1841 تا 1918)۔ یہ بنارس کے جے نراین اسکول کے پرنسپل تھے۔ اُنھوں نے 1880 میں
Grammar of Eastern Hindi Compared with the other Gaudian Languages
شائع کی جو ایک کلاسیک کا مرتبہ رکھتی ہے۔ یہ کتاب خاص طور سے بھوج پوری کے بارے میں ہے۔

لیکن دوسری زبانوں کا بھی تقابلی مطالعہ کرتی ہے۔ گوڑ بنگال کو کہتے ہیں گوڑی زبان سے مراد ماگدھی بھی لیا گیا ہے لیکن ہارنلے نے گوڑی زبانوں کے تحت تمام ہند آریائی زبانوں کو لے لیا ہے۔ اس کتاب میں ہارنلے نے اپنا مشہور نظریہ پیش کیا کہ آریہ ہندوستان میں دو گروہوں میں آئے۔

سر جارج ابراہم گریرسن۔ یہ بہار میں افسر تھے۔ اُنھوں نے بہاری زبانوں کا مطالعہ کر کے بہاری زبانوں کی ایک مختصر سی تقابلی قواعد لکھی۔ اس کے بعد انھوں نے اپنا عظیم لسانیاتی جائزہ ہند شروع کیا جو 1894 سے شروع ہو کر 1927 میں ختم ہوا۔ یہ گیارہ حصوں میں ہے اور ہر حصے کی کئی جلدیں ہیں۔ اس طرح کل ملا کر 19 ضخیم جلدیں ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے کلکٹروں اور پٹواریوں سے تفصیلی معلومات لیں لیکن تدوین و ترتیب خود کی۔ اس کی پہلی جلد میں آریائی زبانوں کے بارے میں ایک مفصل عالمانہ مقدمہ ہے۔ پورا کام اتنا عظیم، وسیع اور دقیق ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اتنا بڑا کام ایک ادارے کے لیے بھی باعثِ فخر ہوتا۔ اُنھوں نے 1906 میں پشاچی بھاشا پر اور 1911 میں دو جلدوں میں کشمیری زبان پر کتابیں شائع کیں۔ 1924 میں چار جلدوں میں کشمیری لغت شائع کی۔

ڈاکٹر سنتی کمار چٹرجی ہمارے ملک کے سب سے بڑے ماہر لسانیات ہیں۔ اُن کا اصل میدان تاریخی لسانیات ہے چنانچہ وہ کلکتہ یونیورسٹی میں تقابلی لسانیات کے شعبے کے صدر رہے ہیں۔ ان کی دو کتابیں تاریخ ساز ہیں ’بنگالی زبان کا آغاز اور ارتقا‘ اور ’انڈو آرین اور ہندی‘۔ پہلی کتاب زیادہ عالمانہ ہے۔ انڈو آرین اور ہندی میں ہند آریائی کی تاریخ اور گروہ بندی ہے۔ اس کتاب میں ہندی کی تعریف اور اردو کی سخت تنقیص ہے لیکن اب وہ اردو سے کہیں زیادہ ہندی کے مخالف ہو گئے ہیں۔

اب ان کاموں کو لیا جاتا ہے جو ہند آریائی کی بجائے کسی ایک زبان سے متعلق ہیں۔ ان میں پرانے کام تاریخی نوعیت کے ہیں لیکن آزادی کے بعد کے کام زیادہ تر تجزیاتی و توضیحی ہیں۔

قدیم ہند آریائی یعنی ویدک اور سنسکرت پر کام کرنے والوں کی تعداد اور علم قابلِ احترام ہے۔ ویدوں پر میکس مُلر کا کام مشہور ہے۔ ویدک سنسکرت کے لیے میکڈانل کی ویدک گرامر مستند کتاب ہے۔ کلاسکل سنسکرت کے لیے وھٹنے کی گرامر کا وہی رتبہ ہے۔ اہلِ ہندی میں ڈاکٹر لکشمن سروپ، ڈاکٹر سدھیشور ورما، ڈاکٹر آر۔ این ڈانڈیکر، کلکارنی، ڈاکٹر کپل دیو دویدی، ڈاکٹر سوریہ کانت شاستری، ڈاکٹر سکمار سین اور بٹ کرشن گھوش وغیرہ نے ویدک اور کلاسکل سنسکرت پر لسانی کام کیے ہیں۔

وسطی ہند آریائی پر اہلِ مغرب میں، پشیل، وولنر اور یاکوبی قابلِ ذکر ہیں۔
(1856 یا 1909) وسطی ہند آریائی کا ماہر تھا۔ اس نے بوہلر کی ہند آریائی زبانوں کی انسائکلوپیڈیا میں پراکرتوں کی قواعد کے بارے میں مضمون لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اپ بھرنشوں پر ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ عمر کے آخری حصّے میں وہ ہندوستان میں پروفیسر ہو گیا تھا۔ ہرمان یاکوبی بھی وسطی ہند آریائی پر سند تھا۔ پراکرتوں میں وہ مہاراشٹری پراکرت اور مراٹھی زبان کا خاص طور سے عالم تھا۔ وولنر بھی پراکرت کا ماہر تھا۔ ان کے علاوہ منموہن گھوش، پی جی گُنے، سُکمار سین، ہیرالال جین، اُپادھیائے، بی پی پنڈت، بنارسی داس جین، شہید اللہ، بھکشو جگدیش وغیرہ نے عالمانہ کام کیے ہیں۔
بنگالی پر ڈاکٹر سنتی کمار چیٹرجی کی "بنگالی زبان کا آغاز و ارتقا" کا ذکر آچکا ہے۔ یہ کتاب صرف بنگالی ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام ہند آریائی زبانوں کے لیے مفید ہے کیونکہ اس کی ابتدا میں اُنھوں نے بیشتر ہند آریائی زبانوں پر غور کیا ہے۔ اس کے علاوہ چیٹرجی نے بنگالی اصوات پر علیحدہ سے کتاب بھی لکھی ہے۔ مجومدار نے بنگالی زبان کی تاریخ لکھی۔ سکمار سین نے منجملہ دوسرے کاموں کے بنگالی نحو پر بھی کام کیا۔ ہیمنت کمار سرکار، دھین بہاری بھٹاچاریہ اور رویندر ناتھ ٹیگور نے معنیات پر لکھا۔ گیانیندر موہن داس نے بنگالی کی لفظ اصلیاتی لغت لکھی۔ بنگالی کی بولیوں پر گوپال ہلدر، کرشن چندر گوسوامی پر پھول بھٹاچاریہ نے کتابیں لکھیں۔
اُڑیا:۔ اُڑیا زبان کی تاریخ پر بنایک مشر کی کتاب سب سے مشہور ہے۔ ان کے علاوہ گوپی ناتھ نند، گرجا شنکر رائے، گولوک بہاری دھل اور گرنڈی نے بھی اُڑیا کے مختلف پہلوؤں پر لکھا۔
آسامی:۔ آسامی زبان پر بانی کانت کاکاتی نے عالمانہ کام کیا جو 1941 میں شائع ہوا۔ بروا اور براؤن کی آسامی لغات قابلِ ذکر ہے۔
مراٹھی پر ژول بلاخ (Jules Bloch) کا نام سب سے پہلے لیا جائے گا۔ یہ یہودی تھے اور فرانس میں سنسکرت اور ہندیات کے پروفیسر تھے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے ان کی نگرانی میں ڈی لٹ کا کام شروع کیا تھا لیکن مکمل نہ کرسکے۔ دوسری جنگِ عظیم میں نازی سپاہی بلاخ کو گرفتار کرنے آئے لیکن یہ بال بال بچ گئے۔ مراٹھی پر ان کا کام فرنچ میں ہے لیکن اس کا مراٹھی میں ترجمہ ہو گیا ہے۔ یہ کسی جدید ہندوستانی زبان پر پہلا لسانیاتی کارنامہ ہے۔ گلکارنی نے "مراٹھی زبان، آغاز و ارتقا" لکھی۔ اُنھوں نے مراٹھی کی لفظ اصلیاتی لغت بھی تیار کی۔ سبنین نے جدید مراٹھی قواعد لکھی۔ ایس۔ ایم کترے نے کونکنی بولی پر اور اشوک کیلکر نے مراٹھی طفل بولی پر کام کیا۔ مراٹھی بولنے والوں میں کترے

پرانے انداز کے اور گھاٹگے اور کیلکر نئے انداز کے سب سے بڑے ماہر لسانیات ہیں۔

گجراتی :۔ ٹرنر نے گجراتی فونولاجی نام کی کتاب لکھی۔ گریرسن کے گجراتی کام کا گجراتی بھاشا کے نام سے ترجمہ کر لیا گیا۔ یہ غالباً لسانیاتی جائزے کے گجراتی سے متعلق حصے کا ترجمہ ہے۔ نرسنگھ راؤ بھولاناتھ ڈوائیا نے انگریزی میں گجراتی زبان کی تاریخ لکھی۔ ڈاکٹر پی بی پنڈت نے صوتیات اور مارفیمیات پر کام کیا۔ تیسڈال نے "گجراتی زبان و ادب" نام کی عالمانہ کتاب لکھی۔ دوشی جی اور دیاس جی نے بھی گجراتی بھاشا پر کتابیں لکھیں۔ ڈاکٹر سانڈیسرا نے معنیات پر کام کیا۔ ان کے علاوہ اور کئی لوگوں نے گجراتی پر کام کیا۔ اہل گجرات میں آج کل پی بی پنڈت سب سے بڑے عالم ہیں۔

جنوبی زبانیں :۔ دراوڑ زبانوں کے قدیم عالم بشپ کاڈویل تھے۔ فادر ہیراس نے قدیم دراوڑی نیز وادیٔ سندھ کی تحریر پر کام کیا ہے۔ تامل پر رام کرشن، امرت راؤ، نیل کنٹھ شاستری وغیرہ نے لکھا ہے۔ تیلگو زبان کے سب سے بڑے عالم بی ایچ کرشنا مورتی ہیں جو عثمانیہ یونیورسٹی میں لسانیات کے پروفیسر ہیں۔ کنڑ پر نرسنگھ چار نے لکھا ہے۔ ملیالم پر راماسوامی ایّر اور چندر شیکھر اور براہوی پر ڈی، ایس برے نے کام کیا۔ ایک قابلِ ذکر ماہرِ لسانیات سبرامنیم ہیں جو تامل ہیں لیکن کیرالا یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ حال میں K. Zvelebil نے تقابلی دراوڑی فونالوجی پر کتاب لکھی ہے۔

سندھی :۔ ڈاکٹر ارنسٹ ٹرمپ نے 1872 میں "سندھی زبان کی قواعد، سنسکرت، پالی اور دوسری ہم نسب ہندوستانی زبانوں کے تقابل کے ساتھ" شائع کی۔ ٹرنر نے بھی سندھی پر کچھ کام کیا ہے۔ بھیرومل مہرچند نے سندھی زبان کی تاریخ لکھی۔ سندھیوں میں خوب چندانی جدید ماہر لسانیات ہیں۔

پشتو پر ارنسٹ ٹرپ نے 1873 میں ایک قواعد شائع کی۔ اردو میں مولانا امتیاز علی عرشی نے اردو اور پشتو کے تعلق پر ایک رسالہ لکھا ہے۔

کشمیری پر گریرسن کی کتابوں کا ذکر آ چکا ہے جو سب سے عالمانہ کام ہیں۔ اشوک کیلکر نے کشمیری صوتیات پر ایک مضمون لکھا تھا۔ دردزبانوں پر گریرسن کے علاوہ ڈاکٹر سدھیشور ورما نے کام کیا ہے۔ گلگت اور شنا زبان پر ڈاکٹر فریدوں زماں ناموس نے اردو میں ضخیم کتاب لکھی۔

پنجابی پر کام کرنے والوں میں گریم بیلی، ڈاکٹر کھجوریہ اور ڈاکٹر بنارسی داس جین مشہور ہیں۔ پیارا سنگھ پدم اور پروفیسر پریم پرکاش سنگھ نے پنجابی زبان پر کتابیں لکھیں لہندا اور ملتانی کی اصوات پر ڈاکٹر ہردیو باہری اور ڈاکٹر پرمانند بہل نے کام کیا۔ پنجابی کے بارے میں اردو میں محمود شیرانی نے "پنجاب میں اردو" میں اور ڈاکٹر کالا سنگھ بیدی نے "تین ہندوستانی زبانیں" میں لسانی نقطۂ نظر سے غور کیا۔

نیپالی یعنی گرگھالی کے لیے رالف ٹرنر کی وہی اہمیت ہے جو دوسری ہند آریائی زبانوں کے لیے گریرسن کی۔ انھوں نے 30 - 35 سال کی محنتِ شاقہ کے بعد 1931 میں نیپالی ڈکشنری شائع کی۔ یہ معمولی لغت نہ تھی۔ اس میں ہر لفظ کی اصل دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ساتھ میں دوسری ہند آریائی زبانوں سے تقابل بھی کیا گیا ہے۔ یہ کتاب 212 زبانوں کی بنا پر لکھی گئی ہے۔ اس میں اصل ابتدائی ہند یورپی کے بھی دو سو الفاظ درج کیے گئے ہیں۔

ہندی، اس کی بولیوں اور اس سے متصل زبانوں پر تفصیل سے کام ہوا ہے۔ یہاں اہم نام شمار کرائے جاتے ہیں۔

راجستھانی پر تے سی توری اور چٹرجی نے کام کیا۔ بہاری پر ہارنلے، گریرسن اور سائیاں کے علاوہ مختلف علما نے مختلف بولیوں پر لکھا۔ ڈاکٹر جے کانت مشرا نے میتھلی پر کام کیا ہے۔ بھوج پوری پر ہارنلے، وشوناتھ پرشاد، اودے نرائن تواری اور واچسپتی اُپادھیائے نے لکھا۔ اودھی پر ڈاکٹر بابو رام سکسینہ اور راماگیہ دویدی کے علاوہ ہارنلے نے کام کیا۔ چھتیس گڑھی پر ہیرالال کاویہ دھیائے اور تیلنگ کے علاوہ کانتی کمار کا بھی سامنے آیا ہے۔ برج پر دھیریندر ورما کا مقالہ کلاسک کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ ان کے علاوہ ہری ہرنواس دویدی، کشوری داس باجپئی، شوپرشاد سنگھ اور رام سروپ چترویدی نے کام کیے۔ بندیلی کے لیے رامیشور پرشاد اگروال اور ایم پی جیسوال کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

خاص ہندی پر لکھنے والوں کی تعداد بہت ہے۔ مستشرقین میں بیمز اور گریرسن کے علاوہ گیلاگ قابلِ ذکر ہے۔ اس کی ہندی کی قواعد میں نہ صرف کھڑی بولی کے صیغے دیے ہیں بلکہ اُن کا مقابلہ برج، اودھی اور بھوجپوری صیغوں سے بھی کیا گیا ہے۔ اہلِ ہند میں کامتا پرشاد گرو کی ہندی قواعد مستند ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے کام کرنے والوں کے نام یہ ہیں۔ شیام سندر داس، پدم سنگھ شرما، سنتی کمار چٹرجی۔ دھیریندر ورما، وشوناتھ پرشاد، اودے نرائن تواری، ہر دیو باہری، بھولاناتھ تواری، کیلاش چندر بھاٹیا، رمیش چندر مہروترا، رویندر ناتھ شری واستو۔ آخر الذکر تین نام زیادہ ذہین نئے ماہرینِ لسانیات کے ہیں۔

اردو میں لسانیات کا کام زیادہ نہیں ہوا۔ اردو سے متعلق ذیل کی کتب قابلِ ذکر ہیں۔

محمود شیرانی: پنجاب میں اردو۔ ڈاکٹر زور: ہندوستانی لسانیات اور انگریزی میں ہندوستانی صوتیات، ڈاکٹر مسعود حسین خاں: تاریخ زبان اردو اور انگریزی میں اردو لفظ کا صوتی اور فونیمی مطالعہ، ڈاکٹر شوکت سبزواری: اردو زبان کا ارتقا اور داستانِ زبانِ اردو۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ:

انگریزی میں کرخنداری اردو۔ ڈاکٹر گیان چند: لسانی مطالعے۔ کے ایس بیدی: تین ہندوستانی زبانیں۔

ڈاکٹر عبدالستار دلوی نے 'اردو میں لسانیاتی تحقیق' کے نام سے مختلف لوگوں کے مضامین کا مجموعہ مرتب کیا۔ دلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے رسالہ اردوئے معلیٰ کا لسانیات نمبر بھی قابلِ ذکر ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے انگریزی میں اردو لسانیات پر کئی قابلِ قدر مضامین شائع کیے جو جیسے وقیع رسالے میں آ چکے ہیں۔ Language پاکستان میں ڈاکٹر شوکت سبزواری کے علاوہ ڈاکٹر سہیل بخاری نے لسانیات پر بہت سے مضامین لکھے جن میں اُن کے مخصوص بلکہ انوکھے نظریات سامنے آتے ہیں۔ ہندوستان میں مندرجہ بالا اصحاب کے علاوہ نعیم چودھری، ڈاکٹر عبدالغفار شکیل اور عصمت جاوید وغیرہ لسانیات پر لکھتے ہیں۔

عثمانیہ یونیورسٹی میں مہرالنسا نے 'دکنی اردو قواعد کا تجزیاتی مطالعہ' اچھا مقالہ لکھا۔ وہیں کا دوسرا مقالہ رشید حسن کا 'اردو اور برج قواعد کا تقابلی مطالعہ' ہے۔ دکنی پر ہندی میں ڈاکٹر بابورام سکسینہ اور شری رام شرما نے بھی لکھا ہے۔

ہندوستان کے ماہرین لسانیات کو دو زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1۔ قدیم انداز کے لکھنے والے

یہ علما بنیادی حیثیت سے تاریخی لسانیات کے پروردہ ہیں گو اُنھوں نے تجزیاتی لسانیات پر بھی کچھ کام کیا ہے۔ یہ انگلستان اور فرانس کی قدیم لسانیاتی روایات کے امین ہیں۔ ان میں سے کچھ باہر گئے ہیں اور کچھ نہیں گئے۔ ان میں ذیل کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی، ڈاکٹر سکمار سین، ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ کترے، ڈاکٹر سدھیشور ورما، ڈاکٹر بابورام سکسینہ، ڈاکٹر دھریندر ورما، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ڈاکٹر اودے نرائن تواری، ڈاکٹر وشواناتھ پرشاد، ڈاکٹر ہردیو باہری۔

2۔ جدید انداز کے لکھنے والے

یہ بنیادی حیثیت سے تجزیاتی لسانیات کے آدمی ہیں۔ ہندوستان میں 53 سے موسم گرما لسانیات اسکولوں کا سلسلہ شروع ہوا جو راک فیلر فاؤنڈیشن، دکن کالج پونا اور یو جی سی کے اشتراک سے

منعقد ہوتے تھے۔ ان اسکولوں میں کچھ برسوں تک مقتدر امریکی ماہرین مثلاً فرینکس ہے۔ لنگس واٹلڈ گلیسن، گمپرز اور کیلی وغیرہ پڑھانے آئے ہیں۔ ان کے اثر سے ہندوستانی اساتذہ جدید لسانیات سے آشنا ہوئے۔ مختلف زبانوں کے اساتذہ امریکہ گئے اور وہاں سے لسانیات میں پی ایچ ڈی کی۔ ادھر ہندوستان کی بعض یونیورسٹیوں میں لسانیات کے شعبے کھلے۔ ان میں دکن کالج پونا ممتاز ہے۔ موسم گرما اسکول اور یونیورسٹیوں کے شعبوں نے مل کر ملک میں لسانیات کو فروغ دیا۔ ان لکھنے والوں میں ذیل کے حضرات کا نام لیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر اے ایم گھاٹگے، ڈاکٹر پی بی پنڈت، ڈاکٹر اشوک کیلکر، بی ایچ۔ کرشنا مورتی، شنمگم پلے، وی۔ آئی۔ سبرامنیم، بہل، دھل، غوب چندانی، ڈاکٹر مسعود حسین، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، کیلاش چندر بھاٹیا، رمیش چندر مہروترا وغیرہ۔

رویندر ناتھ سری واستو نے روس میں جاکر لسانیات کا درس لیا۔ انھوں نے ہندی کے ابتدائی معنوی خوشوں اور اسلوبیات پر کام کیا ہے۔ اردو کے مشہور ماہرین لسانیات میں کوئی بھی لسانیات میں ایم۔ اے۔ نہیں۔ وہ سب بنیادی طور سے ادب کے استاد ہیں۔

متفرق زبانوں پر تاریخی نوعیت کے کاموں کا ذکر کرتے کرتے ہم بالکل جدید دور تک چلے آئے۔ ان زبانوں کی حالیہ تحقیق تاریخی نہیں تجزیاتی ہے۔ مغرب میں جدید لسانیاتی مطالعے کی داستان ہم نے ابھی بیان نہیں کی۔ یہ کچھ اس طرح ہے۔

انیسویں صدی میں لسانیاتی دلچسپی کا مرکز ہند یورپی زبانیں تھیں۔ ماہرین لسانیات زبانوں کے رشتے اور شجرے قائم کرتے تھے نیز قدیم زبانوں کی بازتشکیل کرتے تھے۔ گرم نے جب صوتی قوانین وضع کیے تو بیشتر یہ مطابقتوں پر چسپاں ہوتے تھے لیکن بعض مستثنیات رہ جاتے تھے۔ ان کی تاویل کے سلسلے میں معلوم ہوکہ آوازیں اپنے قریبی ماحول سے متاثر ہوکر بدل جاتی ہیں۔ اس کے باعث تلفیظی صوتیات میں دلچسپی بڑھی۔ گراس مین نے یہ دریافت کیا کہ آوازیں متصل آوازوں ہی کے زیر اثر نہیں بدلتیں بلکہ بعض اوقات غیر متصل آواز سے بھی ترمیم قبول کرلیتی ہیں۔ اس کے باوجود بھی ہند یورپی زبانوں کی مطابقتوں میں کچھ استثنا رہ جاتے تھے۔ ان کے لیے کارل ورنر نے تحقیق کی کہ یہ اصلی بل کے وقوع یا عدم وقوع کا کرشمہ ہے۔ ورنر نے یہ مضمون 1875 میں لکھا اور اگلے سال اسے شائع کیا۔ اس مضمون نے لسانیات کی دنیا میں جو مستقل اثر چھوڑا ہے ویسا کم تحریریں چھوڑتی ہیں۔ ورنر کے بعد فوق قطعاتی فونیموں پر خصوصی توجہ ہونے لگی۔ اس طرح انیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں

صوتیات کے میدان میں کافی کام کیا گیا۔ ان میں سوئٹ، Saemers اور یسپرسن کے کام قابل ذکر ہیں۔

تاریخی یا عصریاتی مطالعے سے عصری مطالعے تک لے جانے والی اہم ترین شخصیت ساسور کی بس کا چند سطور کے بعد ذکر کیا جائے گا۔ بیسویں صدی میں لسانیات کے کئی دبستان ہو گئے۔ ان میں چار زیادہ اہم ہیں لیکن بعد میں کچھ اور شامل ہو گئے۔ بھولا ناتھ تواری نے ان میں نزاکتیں پیدا کر کے کئی ذیلی دبستان قائم کیے ہیں۔ ذیل میں ان کا تعارف بھر درج کیا جاتا ہے۔

1۔ جنیوا اسکول اور فرڈی نینڈ ڈی ساسور (Saussure 1857 تا 1913)

یہ سوئٹزرلینڈ میں ایک فرنچ مہاجر گھرانے میں پیدا ہوا۔ لیپزگ جرمنی میں وہ کا شاگرد تھا۔ اس کے ہم سبقوں میں مستقبل کے نوقواعدئین لیسکین اور برگمان تھے۔ 22 سال کی عمر میں اس نے لسانیات پر ایک عالمانہ کتاب شائع کی جس کے بعد وہ پیرس یونیورسٹی میں معلم ہو گیا جہاں اس نے لسانیاتی سوسائٹی میں فعال رول ادا کیا۔ 1891 سے وہ جنیوا یونیورسٹی میں چلا گیا۔ 1913 میں اس کے انتقال کے بعد اس کے شاگردوں نے اس کے لکچروں کی یادداشتوں کو کتابی شکل میں مرتب کر دیا جو 1915 میں پیرس میں " عام لسانیات کا ایک نصاب " کے نام سے شائع ہوئی۔

ساسور جدید لسانیات کے ستونوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس پر نوقواعدئین کے علاوہ، ڈرخیم ماہر عمرانیات لسانی اٹلس والے گلروں اور امریکی اسکالر وہٹنے وغیرہ کا اثر تھا۔ اس نے نوقوانین کے اس نظریے کو چیلنج کیا کہ زبان کا سائنٹفک مطالعہ عصریاتی ہی ہو سکتا ہے۔ اس نے عصری مطالعے پر زور دیا۔ اس نے زبان کی تین مشہور اقسام کیں G. Curtius یعنی فرد کی بولی Language یعنی افراد کی بولیوں کا مجموعہ مثلاً فرنچ زبان اور Lang زبان کا مجموعی فلسفیانہ تصور مثلاً " زبان کے آغاز کے نظریے " میں لفظ زبان کا استعمال۔ اس کے مطابق لانگ لسانی علامتوں کا مجموعہ ہے۔ یہ علامت ایک تصور اور اس کے سماعی عکس کے بیچ ایک کڑی ہوتی ہے۔ زبان کے رمزی پہلو کے بارے میں اس نے تفصیل سے غور کیا۔

جنیوا اسکول کے سلسلے میں ساسور کے بعد اس کے دو شاگردوں چارلس بیلی اور echehaye کا نام لیا جا سکتا ہے۔ چارلس بیلی اسلوبیات کا ماہر ہے اور سکے ہیے نے نحوی مطالعے میں لسانیات اور نفسیات کے تعلق کی کھوج کی۔ ساسور کی اہمیت عصری مطالعے کے آغاز سے ہے لیکن اب جنیوا اسکول

اسلوبیات کی وجہ سے اہمیت رکھتا ہے۔

2۔ فرانسیسی اسکول

بعض لوگ سوئس فرنچ اسکول کو ملا کر ایک مانتے ہیں کیونکہ دونوں کی تحریک ساسور سے ہوئی۔ 1881 سے 1891 تک ساسور پیرس میں درس دیتا رہا ہے۔ اس کے زیر اثر پیرس میں صوتیات کا کام شروع ہوا۔ روسیلو Rousselot (1891 تا 1908) پہلا ماہر ہے جس نے لسانیات کے مطالعے کے لیے آلات اور مشینوں کی مدد لی۔ ساسور کے دو شاگردوں گرمیو اور میے (Meillet) نے نفسیات اور تشریح الابدان سے لسانیات میں استفادہ کیا۔ وینڈریے (Vendryes) نے بھی زبان کے نفسیاتی پہلو پر زور دیا۔ واندرے کی کتاب "زبان لسانی اور تاریخی تعارف" پیرس میں 1921 میں شائع ہوئی۔ پیرس کا ایک اہم نام بریل ہے جس نے انیسویں صدی کے آخر ہی میں معنیات پر عالمانہ کام کیا۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد پیرس میں ژول بلاخ نے ہند آریائی زبانوں اور مراٹھی کا مطالعہ کیا۔ اس طرح پیرس کے مرکز میں متنوع موضوعات پر کام کیے گئے ہیں۔

3۔ روسی اسکول

یہ اسکول اتنا اہم نہیں جتنا جنیوا اسکول گو تاریخی اعتبار سے اسے جنیوا اسکول پر سبقت ہے۔ اس اسکول کے تین ذیلی دبستان ہیں۔

الف۔ کزان اسکول:۔ روس کی کزان یونیورسٹی میں پولینڈ کے عالم کرتنے (Courtenay 1845 تا 1926) پروفیسر تھے اور کرزیسکی ان کے نائب تھے۔ ساسور اس اسکول بالخصوص کرتنے سے متاثر تھا۔ یہ اسکول جلد ہی ختم ہو گیا۔

ب۔ لینن گراد اسکول:۔ کرتنے کے شاگرد شیربا (1880 تا 1942) اس اسکول کے بانی ہیں۔ انھوں نے صوتیات پر بہت کام کیا۔ علم اللغات میں بھی شیربا کا کام ہے۔

ج۔ ماسکو اسکول:۔ اس اسکول کا اہم ترین نام فورشناف (1828 تا 1912) کا ہے۔ یہ تقابلی لسانیات کے آدمی ہیں لیکن انھوں نے بھی زبان کے عصریاتی اور عصری مطالعے کی دوہری شاخوں کا احساس کیا۔ روس کا کمیونسٹ ماہر لسانیات مار (Marr 1862 تا 1934) بھی

ماسکو سے متعلق ہے۔ اس نے زبان کے ارتقا کی مارکسی تاویل کی۔

4۔ پراگ اسکول

ساسور اور کرتنے سے متاثر ہو کر کچھ لوگوں نے چیکوسلواکیہ کے دارالسلطنت پراگ میں 1926 میں پُراگ کا حلقۂ لسانیات' قائم کیا۔ اس کی مرکزی شخصیت تربتسکی (Trubetzkoy 1890 تا 1938) کی تھی۔ اس کے دوسرے ساتھی کرسویسکی (1884 - 1955) اور رومن یاکوبسن تھے۔ اس اسکول کا شاہکار تربتسکی کی کتاب اصولِ لسانیات 1939 ہے۔ ان کے مطابق زبان جذبات و خیالات کا مجموعہ ہے جو ماحول سے متاثر ہوتی ہے اس لیے مختلف ماحولوں مثلاً دفتر، بازار، گھر کی بولی مختلف ہوتی ہے۔ یاکوبسن نے فونیم کے مقابلے میں امتیازی اوصاف کا تجزیہ وضع کیا۔ اس کے مطابق زبان کی جملہ آوازیں مختلف اوصاف کا مجموعہ ہیں اور ان اوصاف کو دو دو میں سے منتخب کرنا پڑتا ہے۔ اس تجزیے کی تفصیل فونیمیات کے باب میں دی جا چکی ہے۔

یاکوبسن کا کام پراگ کی بجائے امریکہ میں ظاہر ہوا۔ وہ ہارورڈ یونیورسٹی میں ہیں اور انھوں نے ماچسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی کے مورس ہالے (Hallet) اور رائل انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی کے گنار فانٹ (Gunnar Fant) کے ساتھ مل کر کام کیا۔ ان تینوں کی کتاب Preliminaries to Speech Analysis 1952 میں Mit سے شائع ہوئی اور یاکوبسن اور مورس ہالے کی Fundamental of Language 1956 میں آئی۔ ان کتابوں میں فونیم کے مقابلے کا ایک نیا نظریہ دیا گیا ہے۔ یہ کام آلات کی مدد سے کیا گیا ہے اور لسانیات کو طبعیات کے بالکل پاس لے جاتا ہے۔

تربتسکی کے انتقال اور یاکوبسن کے امریکہ چلے جانے کے بعد پراگ اسکول ختم ہو گیا۔ اب وہاں صوتیات کے علاوہ اسلوبیات پر بھی کام ہوا ہے۔

5۔ امریکی اسکول

امریکہ میں لسانیات کا اتنا متنوع کام ہوا ہے اور وہاں اتنے کارکن ہیں کہ ان سب کو ملا کر ایک امریکی اسکول کا نام دینا مناسب نہیں۔ پھر بھی یورپ کے مقابلے میں امریکی نقطۂ نظر اور لائحۂ کار مختلف رہا ہے۔ یورپ میں لسانی مطالعہ Philology سے ارتقا پاتا ہے۔ وہاں کے ماہرین ادبیات میں

بھی نظر رکھتے تھے۔ بعض بعض ادبی نقاد تھے اس لیے وہ لسانیات کو ادب کی طرح آرٹس (Arts) کا جز مانتے تھے۔ امریکہ میں اسے سماجی سائنس مانا جاتا ہے۔ امریکہ کے ابتدائی اساتذہ بشریات کے ماہر تھے۔ انھوں نے ریڈ انڈینوں کی زبانوں کا مطالعہ کیا اور ان سے لسانی نظریات قائم کیے۔ اس طرح یورپی اور امریکی ماہرین میں ذیل کے فرق دکھائی دیتے ہیں۔

1۔ یورپ کے ماہرین ہند یورپی زبانوں بالخصوص کلاسکی زبانوں کے ماہر ہوتے تھے جب کہ امریکیوں کا تعلق ریڈ انڈین زبانوں سے تھا۔ اس طرح یورپ کے ماہرین دنیا کے قدیم حصے (old world) کی زبانوں پر مرکوز تھے اور امریکی جدید حصے پر۔

2۔ یورپ کے ماہرین کا کام تاریخی اور تقابلی تھا امریکی ماہرین کا تجزیاتی اور ساختی۔

3۔ یورپ کے لکھنے والوں کے سامنے زبانوں کا بہت بڑا تحریری مواد موجود تھا امریکی ماہرین کے سامنے ایسی زبانیں تھیں جن میں رسم الخط بھی نہیں۔ اس کے لیے انھوں نے فیلڈ میں گھوم کر جائزہ لیا۔ اہلِ یورپ کتب خانوں میں بیٹھ کر اپنا کام مکمل کرتے تھے۔

امریکی لسانیات میں تین بہت اہم کلاسکی شاہکار لکھے گئے ہیں فرانز بوآس Franz Boas کی Handbook of American Indian languages 1911، Sapir کی Language 1921 اور بلوم فیلڈ کی Language 1933۔ ان تینوں کتب نے امریکی لسانیات پر بہت اثر ڈالا ہے۔

Boas (1858 تا 1942) بنیادی حیثیت سے بشریات کا ماہر تھا۔ ساسور نے اپنے کام کی تحریک ڈرخیم کی عمرانیات سے لی لیکن Sapir بشریات سے لسانیات میں آیا۔ اس نے ریڈ انڈین زبانوں کو صوتیات، قواعدی زمروں اور معنوی زمروں کے تحت تجزیہ کیا۔ بوآس کولمبیا یونیورسٹی میں پروفیسر تھا۔ سپیر (Language) اس کا شاگرد تھا۔ یہ ٹیوٹانک زبانوں کا ماہر تھا لیکن بوآس سے ملنے کے بعد اسے بھی ریڈ انڈین زبانوں سے دلچسپی ہوگئی۔ یہ بہت ذہین آدمی تھا۔ بشریات اور لسانیات کے علاوہ اس کی دلچسپیاں گوناگوں تھیں اس نے 1917 اور 1931 کے درمیان دو سو سے زیادہ نظمیں شائع کیں، موسیقی کی دھنیں ترتیب دیں اور فنونِ لطیفہ کے بارے میں تنقیدی مضامین لکھے۔ اس نے محض ایک کتاب Language لکھی اس کے علاوہ رسالوں میں بکثرت مقالے لکھے۔ ان کا ایک مجموعہ، سپیر کی منتخب نگارشات، کے نام سے 1949 میں شائع ہوا۔ سپیر کے شاگرد Whorf (1897 تا 1941) نے اس کے کام کو آگے بڑھایا۔ سپیر اور وھورف دونوں کے مطابق مختلف اقوام

کا برتاؤ اور تجربے ان کی زبان کی بنا پر تشکیل پاتے ہیں اور یہ کام زیادہ تر غیر شعوری اور وجدانی ہوتا ہے۔
بو آس سپیر اور وھورف کو ملا کر ایک اسکول کہہ سکتے ہیں۔

لیونارڈ بلوم فیلڈر 1887 تا 1946)۔ بلوم فیلڈ کا خاص مطالعہ جرمانی زبانوں کا تھا لیکن اس نے بھی ایک ریڈ انڈین زبان الگونکین Algonquian کا مطالعہ کیا اور اس کی دلچسپی بھی بشریاتی لسانیات سے ہو گئی۔ یورپیوں کے برخلاف اس کی کوشش تھی کہ لسانیات کو دوسرے علم سے آزاد سائنس بنا دیا جائے۔ اس نے 1914 Introduction to the Study of Language شائع کی جس میں معنی کی شرح کے لیے Wundt کی نفسیات پر تکیہ کیا تھا۔ ونٹ نے 1869 میں شعور کی تحقیق کے لیے ایک تجربہ گاہ قائم کی تھی۔ اسی کتاب پر نظر ثانی کر کے بلوم فیلڈ نے 1933 میں اپنی کلاسیک Language شائع کی۔ اب کی بار وہ شعور کے برخلاف Behaviourism سے متاثر تھا۔

میکڈوگل کی کلاسکی نفسیات میں ذہن اور روح پر زور دیا جاتا تھا۔ امریکہ کے پروفیسر J.B. Waston نے Behaviourist Pschology کی بنا ڈالی۔ اس نے 1914 اور 1919 میں اس موضوع پر دو کتب شائع کیں۔ اس کے مطابق انسان کا برتاؤ صرف تحریک (Stimulus) اور ردِّ عمل (Response) سے تشکیل پاتا ہے۔ ذہن کی کوئی اہمیت نہیں۔ ایک تحریک سے خود بخود انسان کے اعصاب میں ایک طبیعی ردِّ عمل ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ برتاؤ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ برتاؤی نفسیات پر اعتراض کیا گیا کہ یہ نفسیات نہیں علم البدن کی شاخ ہو سکتی ہے۔ بلوم فیلڈ نے اس نفسیات سے متاثر ہو کر طے کیا کہ زبان بھی اسی طرح غیر شعوری طور پر سیکھی جاتی تھی۔

بلوم فیلڈ کی کتاب 'زبان' امریکی لسانیات کی بائبل کہی جاتی ہے۔ اس میں بلوم فیلڈ نے معنی کو رد کیا اور زبان کے میکانکی پہلو یعنی صوت پر زور دیا۔ بو آس نے کہا تھا کہ صوتی ہیئت ہی کا صحیح مطالعہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ معنی ذہنوں میں رہتے ہیں اور استعمال میں بدلتے رہتے ہیں لیکن ہیئت دکھائی یا سنائی دیتی ہے اور مستقل ہے۔ بلوم فیلڈ نے بھی زبان کو علامات کا نظام قرار دیا۔ اس کے یہاں معنی اس صورتِ حال کا نام ہے جس میں قائل صوتی علامت کو استعمال کرتا ہے اور سامع پر جو ردِّ عمل ہوتا ہے۔

بلوم فیلڈ کو تجزیاتی لسانیات کا سب سے بڑا ستون کہہ سکتے ہیں۔ اس نے تجزیاتی لسانیات کے جملہ شعبوں صوتیات، فونیمیات صرف و نحو وغیرہ کا مطالعہ کیا لیکن اس کا خاص زور فونیمیات پر تھا۔ فونیم کا تعین اس کے بٹوارے کی بنا پر کیا جاتا تھا۔ بلوم فیلڈ اسکول کو فونیمی اسکول بھی کہہ دیا جاتا تھا۔ بلوم فیلڈ

Yale یونیورسٹی میں تھا۔ اس لیے اس کے دبستان کو ییل اسکول بھی کہتے ہیں)۔ اس اسکول سے متعلق دوسرے دانشمند ہیرس، مارٹن جوس، برنارڈ بلاک، ٹریگر ہاکیٹ اور گلیسن وغیرہ ہیں۔ ہاکیٹ بلوم فیلڈ کا شاگرد ہے۔

سپیر اسکول کا ایک ذیلی مرکز این آربر یونیورسٹی میں ہے۔ یہاں کے دو علما پائک اور Nida مشہور ہیں۔ پائک کی صوتیات اور فونیمیات اور نائڈا کی مارفالوجی مشہور ہے۔ پائک نے لسانی تجزیے کی اپنی وضع کو Tagmemics نام دیا۔ Tagmeme کی اصطلاح بلوم فیلڈ کی دی ہوئی ہے۔ قواعدی روپ کے سب سے چھوٹے بامعنی جزو کو ٹیگ میم کہہ سکتے ہیں۔ اس طرح Tagmemics ایک قسم کا مارفیمی تجزیہ ہوا۔ این آربر مرکز والوں اور بلوم فیلڈ اسکول میں یہ فرق ہے کہ یہ معنی کو اتنا بے معنی نہیں مانتے۔ اس مرکز میں اطلاقی لسانیات پر بھی کام ہوا ہے۔

ایک طرح سے مندرجہ بالا تمام امریکی ماہرین سپیر بلوم فیلڈ اسکول کو پیش کرتے ہیں جو تجزیاتی اور ساختی دبستان ہیں۔ ان کے مقابلے میں ہارورڈ اسکول جدید تر ہے۔

ہارورڈ اسکول

دوسری جنگِ عظیم کے بعد یاکوبسن ہارورڈ یونیورسٹی میں آگیا اور یہاں ہالے اور فانٹ کے ساتھ مل کر اس نے امتیازی اوصاف کے تجزیے کو رائج کیا۔ اس طرح یہ پراگ اسکول ہی کی توسیع ہے۔

ہارورڈ کے مساچوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی (MIT) میں نوآم چامسکی Noam Chomsky بھی ہے جس نے قواعد اور زبان کا ایک نیا نظریہ پیش کیا۔ بلوم فیلڈ behaviourist تھا جس کے یہاں انسانی برتاؤ ذہن کا تابع نہیں تھا اور لسانی مطالعے میں معنی کی اہمیت ثانوی تھی۔ چامسکی mentalist ہے اور معنی کی اہمیت تسلیم کرتا ہے۔ چامسکی نے Zellig Harris اور Willard Quine کے اثرات کا اعتراف کیا ہے۔ Harris کی مشہور کتاب Methods in Structural Linguistics ہے اور کوین نے کیمبرج مساچوسٹس میں منطق اور ریاضیاتی منطق پر کئی رسالے شائع کیے۔

چامسکی نے 1957 میں Linguistic Structures میں قواعد کا تشکیلی نظریہ پیش

---

[1] Bloomfield: Language P166

کیا۔ اس کو کیمبرج کے Katz اور Postal نے مزید تشریح کے ساتھ اپنی کتاب
An Integrated theory of linguistics discription
میں پیش کیا اپنے نظریے کی تکمیل چامسکی نے Aspects of the theory of Syntax
میں کی۔ چامسکی یہاں معنی غیر متعلق شے نہیں۔ اس نے نحو اور معنیات کو ملا دیا ہے۔ اس کی وضع کردہ
قواعد کو تشکیلی گرامر یا تخلیقی گرامر Generative grammar کہتے ہیں۔ اس گرامر کے
سہارے مشینی ترجمہ بھی ہو سکتا ہے۔

تخلیقی گرامر میں مبہم جملوں کی سطحی ساخت کو کھول کر ان کی عمیق ساخت (Deep structure)
پیش کی جاتی ہے۔ چامسکی جملوں کا تجزیہ اسمی فقرے + فعلی فقرے میں کرتا ہے۔ ان
کے اسکول کے ایک شخص فلمور (Filmore) کو اس سے غیر آسودگی ہوئی اور اس نے حالتوں
(Cases) کے بارے میں غور کر کے 1966 میں اپنا مضمون Towards a Modern
theory of Case شائع کیا اور 1968 میں دوسرا مضمون A Case for case لکھا
فلمور کے علاوہ اینڈرسن نے 1971 میں The grammar of Case شائع کی۔ انتہا یہ
ہے کہ اس جدید ترین قواعد کا ہندی پر بھی اطلاق ہو چکا ہے۔ کارنیل یونیورسٹی میں کے لکشمی بائی نے 1967
میں ذیل کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری لی
A case grammar of Hindi
with a special reference sentence

یہ مقالہ شائع ہو گیا ہے۔ جس طرح تاریخی لسانیات کے ماہرین کے مقابلے میں تجزیاتی لسانیات
والے جدید تھے اسی طرح بلوم فیلڈ اور ہاکیٹ وغیرہ کے مقابلے میں یاکوبسن اور چامسکی لسانیات کے جدید
ترین ذہن کو پیش کرتے ہیں اور فلمور چامسکی سے بھی اگلا قدم اٹھا رہا ہے۔

6۔ برطانوی اسکول

برطانیہ میں پہلا بڑا جدید ماہر لسانیات ہنری سویٹ (Sweet) جس کی کتابیں انیسویں صدی
کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں شائع ہوئیں۔ اس نے انیسویں صدی میں صوتیات پر کئی کتابیں
لکھیں۔ اس کی 'تاریخ زبان' 1900 میں شائع ہوئی۔ وہاں کا دوسرا مشہور ماہر ڈینیل جونز ہے جس کی
کلاسکی کتاب An outline of English Phonetics ہے۔ اس کا دوسرا

ایڈیشن 1922 میں شائع ہوا اور پہلا شاید 1917 میں۔ وہاں کا تیسرا قابلِ ذکر ماہر بی میلنوسکی Malinowski ہے جس نے عمر کا کثیر حصہ انگلینڈ میں گزارا۔ یہ بنیادی طور پر ماہر بشریات تھا۔ اس نے جنوبی سمندر کے جزیروں کی زبان کا مطالعہ کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ وہاں کے لوگوں کی زبان کا یورپی زبانوں میں لفظ بہ لفظ ترجمہ ممکن نہیں۔ اس کا مرغوب فقرہ صورتِ حال کا سیاق Context of situation ہے۔ یعنی زبان کے معنی اس کے استعمال، مخصوص سیاق ہی میں ظاہر ہوتے ہیں۔ کسی زبان کو سمجھنے کے لیے اس کے مخصوص ماحول اور معاشرتی حالات سے آگہی ضروری ہوتی ہے۔ اس نے 1935 میں
کتاب شائع کی جس میں زبان کے نظریے پر ایک مضمون تھا۔

میلنوسکی بہت بڑا ماہر لسانیات نہیں۔ اس کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ اس سے پروفیسر J.R. Firth نے تحریک لی۔ فرتھ 1920 سے 1928 تک لاہور میں انگریزی کے پروفیسر تھے۔ لندن میں اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز میں شعبۂ صوتیات و لسانیات کے صدر ہو گئے۔ وہاں انھوں نے 25 سال کے مطالعے کے بعد زبان کا ایک نیا نظریہ پیش کیا جو 1957 میں سامنے آیا۔ انھوں نے بلوم فیلڈ کے فونیمی نظریے پر اعتراض کر کے Coral Gardens & their magic کا نظریہ دیا۔
Prosodic Analysis سے مراد لسانی اوصاف ہیں مثلاً طول، بل، انفیت، معکوسیانا یہ بیانی اوصاف جملے، جملے کے چھوٹے اجزا، صوت رکن اور صوت سب میں ہوتے ہیں۔ فرتھ نے ان اوصاف کا تصور پانینی سے لیا۔

یہ نظریہ اتنا مبہم اور مشکل ہے کہ سمجھنا اور سمجھانا مشکل ہے لیکن یہ طے ہے کہ یہ فونیمیات کے مقابلے کا نظریہ ہے گو اتنا سلجھا ہوا اور مقبول نہیں۔ اصطلاحوں کے اختلاف کی وجہ سے امریکی ماہرین اس سے بخوبی واقف نہیں۔ فرتھ کے نظریے کو لے کر دوسرے لکھنے والے ہینڈرسن ہیں جنھوں نے سیامی زبان کے بیانی اوصاف تلاش کیے اور John Bendar Samuel جنھوں نے ایک پچھڑی ہوئی زبان Prosody پر اسی ڈھنگ سے کام کیا۔ چامسکی اور فرتھ کے نظریوں میں بھی فرق ہے۔ دونوں کے نظریات پوری طرح سے 1957 میں سامنے آئے۔ چامسکی نے ایسے اصولوں کی کھوج کی جو آفاقی ہوں جن کا مختلف زبانوں پر اطلاق ہو سکے۔ ایسے بین اللسانی اصولوں سے ایک زبان کا دوسری میں ترجمہ ممکن ہے۔ فرتھ کے مطابق ایک بار میں ایک ہی زبان کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ آفاقی اصولوں کا قائل نہ تھا۔

اس کے جانشین ہالڈے (Halliday) نے نظامی قواعد (Systematic grammar) کا نظریہ وضع کیا۔

لندن اسکول کو صوتی اسکول Phonetic school اور بلوم فیلڈ کے اسکول کو فونیمی اسکول کہہ دیا جاتا ہے۔ لندن اسکول کا اہم ترین فرد فرتھ ہے۔ دراصل اس پر اس کے گروہ پر لندن اسکول کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

7۔ کوپن ہیگن اسکول

اس دبستان کو ڈنمارک کے علما Brondal (1887 - 1942) اور ییم سلیو (Louis Hjelmslev) نے قائم کیا۔ ڈی ساسور نے اصول بنایا تھا کہ زبان ایک ہیئت ہے مواد نہیں۔ ییم سلیو کا نظریہ اس کی انتہائی شکل ہے۔ وہ منطق اور ریاضی سے متاثر تھا۔ اس نے اپنے مطالعے کو لسانیات کی بجائے Glossematics نام دیا۔ یونانی زبان میں glossa کے معنی زبان ہوتے ہیں اور mathe کے معنی مطالعہ۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ ییم سلیو کا نظریہ اپنے اندر ریاضی کو سموئے ہوئے ہے لیکن دراصل آخری جزو لاحقہ کا انگریزی روپ matics ہے۔

ییم سلیو کے نظریے کے تبصرے 1949 سے نظر آتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ ڈینش زبان میں وہ اپنے نظریے کو اس وقت تک لکھ چکا تھا۔ ویسے اس کی اور H.J Uldall کی شرکت میں لکھی ہوئی کتاب An outline of glossematics، کوپن ہیگن سے 1957 میں شائع ہوئی۔ یہ سال لسانیات کے لیے کتنا زرخیز تھا کہ اسی سال میں چامسکی اور فرتھ کی اہم کتابیں منظر عام پر آئیں۔ ییم سلیو کی دوسری اہم کتاب کا انگریزی ترجمہ Prolegomena to a theory of language 1961 میں شائع ہوا۔ 127 صفحات کی اس کتاب میں 108 اصطلاحوں کی تعریف ہے۔ یہ اصطلاحیں ییم سلیو سے مخصوص ہیں اور اس قدر فلسفیانہ ہیں کہ اس کے نظریے کو سمجھنا مشکل ہے۔

ییم سلیو کے نزدیک لسانی نظریے کو مختلف لسانی اکائیوں کے رشتے کا احاطہ کرنا چاہیے۔ وہ اکائیاں کیا ہیں اس سے سروکار نہیں۔ مکمل لسانی نظریے کو ایسا طریقۂ کار مہیا کرنا چاہیے جو ہر ممکن مواد اور متن پر صحت کے ساتھ چسپاں کیا جا سکے۔

دوسرے دبستانوں والے ییم سلیو کے نظریے کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ وہ اس قدر فلسفیانہ اور نظریاتی ہے کہ امریکیوں کو اس کی عملی افادیت میں شبہ ہے پھر بھی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ییم

سلیو نے جدید لسانیات میں گراں بہا اضافہ کیا۔

روایتی طور پر لسانیات کے چار اسکول مانے جاتے ہیں۔ پراگ اسکول، کوپن ہیگن اسکول، لندن اسکول اور امریکی اسکول۔ لیکن اسکول کا تصور مناسب نہیں۔ اسکول اُسے کہنا چاہیے جس کے سب لکھنے والے کسی مشترک دھارے کا حصہ ہوں لیکن مندرجہ بالا اسکولوں میں نمائندہ کا کام ایک دو شخصوں نے کیا ہے دوسرے لکھنے والے اُن سے بالکل مختلف ڈھنگ سے لکھتے رہے ہیں۔ یو اس، سپیر، بلوم فیلڈ اور ہاکیٹ وغیرہ کو ایک اسکول کہنا درست ہے لیکن روسی، سوئس یا برطانوی اسکول میں داخلی یکسانی نہیں۔ اسکولوں سے قطع نظر دیکھا جائے تو اس صدی کے اہم ترین ماہرین لسانیات یہ ہیں۔

ساسور، بلوم فیلڈ، چامسکی، یاکوبسن، فرتھ، ہیم سلیو

ممکن ہے سپیر کو بھی ان میں شامل کیا جائے۔ ان میں بھی پہلے تین نام زیادہ اہم ہیں۔ دورِ حاضر میں بلوم فیلڈ کے بعد چامسکی، فرتھ اور ہیم سلیو نے زبان کے نئے نئے نظریے پیش کیے ہیں جن کی اہمیت میں شبہ نہیں۔ ان میں چامسکی کا تشکیل یا قلب ہیئت کا نظریہ سب سے زیادہ وقیع ہے۔

یورپ اور ہند کے علاوہ چین، جاپان، عربی فارسی وغیرہ میں بھی لسانیات پر کام ہوا یا دوسروں نے ان کی زبان پر کچھ کیا۔ بین الاقوامی لسانیاتی ناشرین کی کتابوں کی فہرستیں دیکھیے تو دنیا بھر کی زبانوں پر نت نئی کتابیں نظر آتی ہیں۔ ہم مشرق کے دیگر ممالک کے لسانیاتی کاموں سے واقف نہیں۔ ذیل میں بھولا ناتھ تواری کی ہندی کتاب سے چین اور جاپان کے کاموں کے بارے میں مختصراً لکھا جاتا ہے۔ ان کے بیان میں دوسرے ذرائع سے بھی کچھ اضافہ کیا گیا ہے۔

چین:۔ چینی زبان میں قواعد نہیں اس لیے وہاں لسانیات کے کاموں کا رواج نہیں۔ زبان سے متعلق وہاں کا خاص کام لغت تیار کرنا ہے۔ چونکہ 213 ق م میں چینی راجا چھنسم کھورنگ نے ملک کی ساری کتابیں نذر آتش کر دی تھیں۔ اس لیے پرانا مواد موجود نہیں۔ بہر حال قدیم اور وسطی دور کی کچھ لغات ملتی ہیں۔ حال میں مستشرقین نے چینی زبان پر کام کیا ہے۔ ایل سی ہاپکنس نے 'چینی تحریر کے ارتقا' نیز چینی لفظ نقشوں کے 6 گروہوں پر کتابیں لکھی ہیں۔ گائلس اور کاڈ ورنے انگریزی میں چینی لغت تیار کی۔ کارل گرین نے چینی اصوات پر کام کیا۔ ~~~~ کی کتاب 'چینی زبان' بالکل حال ہی کی ہے۔ چینی علما نے بھی کئی نے لسانیات کی طرف توجہ کی۔ لوی سوشان کی کتاب میں چینی زبان کو صحت سے بولنے اور لکھنے کے طریقے درج ہیں۔ فینگ شینگ ہسوے (HSVEH) نے قدیم منداری کی فونیمات اور چینگ ہون چوان نے حال کی منداری چینی کی عصری فونیمات پر کتابیں لکھیں۔ ڈی ایل کاڈ نے کینٹن کی بولی کے صوتی کن

کی ساخت پر اپنا کام شائع کیا۔

جاپان:۔ جاپان میں لکھنے کی بولی الگ اور بولنے کی الگ رہی ہے۔ 1890 میں ان دونوں کو ایک کرنے کا کام شروع ہوا چنانچہ دو ادیبوں یماد میبو اور مِتاؤتے شمے نے ایک ناول لکھا جس میں بول چال کی زبان تحریر میں استعمال کی۔ 'یمادا تسکاو' نے جاپانی لغت تیار کی۔ چند اور لغات بھی ہیں۔ بی جی سین سم نے جاپانی زبان کی تاریخی قواعد لکھی اور تیکی اِداموتوکی نے نئے انداز سے جاپانی گرامر لکھی۔ چیمبرلین نے بول چال کی جاپانی پر ایک اچھی کتاب لکھی ہے۔ اِچکاواساں کی عام لسانیات پر لکھتے ہیں۔ کوز ہروشنگ تقابلی قواعد کے بانی ہیں۔ جاپان کی صوتیات سوسائٹی صوتیات پر اچھا کام کر رہی ہے۔ میں مصوتوں پر پروفیسر چیبا اور پروفیسر کانزیامی کی مفید کتاب شائع ہوئی۔

حال میں جاپانی نحو پر دو کتابیں شائع ہوئیں۔ C.T. Chew کی "موجودہ تقریری جاپانی کا تشکیلی تجزیہ" اور Kazuko Inoue کی "جاپانی نحو کا مطالعہ" یہ دونوں انگریزی میں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی کوئی معروف زبان ایسی نہیں جس پر اہلِ مغرب یا خود اہلِ زبان کام نہ کر رہے ہوں اور لسانیات کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس پر مغرب میں بکثرت کام نہ ہو رہا ہو۔ سماجی لسانیات، نفسیاتی لسانیات مختلف قسم کے قواعدی نظام، مشینی ترجمہ، ریاضیاتی اور کمپیوٹر لسانیات غرضیکہ سب موضوعات پر کتابیں چلی آرہی ہیں۔ نظریۂ زبان کے بارے میں پچھلے 25 سال میں جو متنوع کام سامنے آئے ہیں پہلے صدیوں میں بھی نہیں آئے تھے۔

ہندوستان میں لسانیات کے عالمانہ کام کا مرکز دکن کالج پونا ہے۔ مقدار میں سب سے زیادہ کام ہندی میں ہو رہا ہے لیکن وہ معیار میں بلند نہیں۔ گہرائی تبھی آسکتی ہے جب کسی ایک علم کے ہو کر رہ جائیں جو حضرات بنیادی حیثیت سے ادب کے طالب علم ہیں وہ لسانیات میں ایسی نظر نہیں پیدا کر سکتے جو اُن کے لیے ممکن ہے جو پورا وقت لسانیات کو دیتے ہیں۔ بہر حال ہندی میں شائع شدہ لسانیاتی کاموں کی فہرست مرعوب کن ہے۔

اس کے مقابلے میں اردو کو دیکھیے تو کم مائگی اور احساسِ کمتری کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اردو کھڑی بولی ہے۔ یہ ہند آریائی زبان ہے۔ اس میں کوئی تاریخی یا تقابلی کام کیا جائے تو پہلے کی ہندوستانی زبانوں اور بولیوں کے جاننے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اہلِ اردو پراکرت اور اپ بھرنش تو کیا سمجھیں گے قدیم ہندی کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ اس لیے اردو میں کوئی قابلِ قدر تاریخی کام نہیں ہو سکتا۔

تجزیاتی لسانیات کے معاملے میں اردو زبان کی موجودہ حالت آڑے آرہی ہے۔ اردو کسی وقیع ادارے کا ذریعۂ تعلیم نہیں۔ کسی درس گاہ میں لسانیات کے شعبے نے اردو کو اپنا ذریعۂ تدریس نہیں بنایا۔ اردو میں لسانیات پر جتنے لکھنے والے ہیں وہ سب بنیادی حیثیت سے ادبیات کے آدمی ہیں۔ صرف مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ لسانیات سے کسی قدر امید کی جاسکتی ہے۔ یہ امید ابھی پوری نہیں ہوئی۔

جدید لسانیات خالص نظریاتی شعبۂ علم ہے۔ ہندوستان جیسے ملک کے لیے اس کا مطالعہ اور تحقیق ذہنی عیاشی کے مترادف ہے۔ ہندوستانی سوسائٹی کو مفید علوم کی ضرورت ہے۔ یہاں ادبیات اور انسانیات کے درس کی افادیت پر بھی انگلی اٹھائی جاتی ہے۔ لسانیات کے نظریات کو یہاں کون پوچھے گا۔ ملک کے کون سے مسائل اس سے حل ہوں گے۔ جہاں تک اردو کا تعلق ہے جب تک اردو زبان کی حالت بہتر نہ ہوگی اس میں لسانیات کے مطالعہ اور تصنیف و تالیف کو فروغ نہ ہوگا۔

کتابیات

اردو

1. عبدالقادر سروری : زبان اور علمِ زبان ۔ طبعِ اوّل و طبعِ دوم
2. محمد اسحاق صدیقی : فنِ تحریر کی تاریخ 1962
3. ڈاکٹر عبدالستار دلوی : اردو میں لسانیاتی تحقیق۔ طبعِ اوّل 1971
4. ڈاکٹر گیان چند : لسانی مطالعے۔ جنوری 1973

مضمون

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ : اردو آوازوں کی نئی درجہ بندی۔ مشمولہ نذرِ ذاکر 1968

ہندی

1. شیام سندر داس : بھاشا وگیان طبعِ سوم 1944
2. ڈاکٹر بابو رام سکسینہ : سامانیہ بھاشا وگیان۔ طبعِ ششم شک سمبت 1883ادم 1961
3. ڈاکٹر بھولا ناتھ تواری : بھاشا وگیان چوتھا ایڈیشن شک سمبت 1884ادم 1962

   نیز دسواں ایڈیشن 1974

   (زیرِ نظر کتاب میں حوالے چوتھے ایڈیشن سے دیے ہیں۔)

انگریزی

(1) General:-

Graff:- Language and Languages 1932

Taraporewala: Elements of the Science of Language

Gray:- Foundation of Language ed 1960

Bloomfield:- Language, Indian Ed. 1963

Bloch and Trager: Outline of linguistic Analysis

Sturtevant E.H: An Introduction to linguistic Science Paper back Edition

Hockett: A Course in Modern linguistics Ed.1968

Gleason: An Introduction to Descriptive linguistics Ed 1968

Hall R.A. Introductory linguistics Ed. 1969

Dincen F.P.- An Introduction to General linguistics 1967

(B) Historical,

Sturtevant: Linguistic change Ed. 1961

Lehmann, W.P.- Historical linguistics Indian Ed. 1966

Hoenigswald H.M: Language Change and linguistics Reconstruction 1965

(C) Phonetics to Semantics

Jones, Daniel :- An outline of English Phonetics Ed. 1956

The Phoneme, its nature & use 1949

Zor, De : Hindustani Phonetics, 1930 or after.
Pikes : Phonetics, 1943, 1947
Hockett: A manual of Phonology 1955
Jakobson R & Hallem:- Fundamentals of Language, 1956: NIDA.E. Morphology 1949
Ulmann Stephen: The Principles of Semantics 1959
Bohri, Hardeo: Hindi Semantics.

(D) Special Branches

Gelb. I.J.: A Study of Writing, the Foundations of Grammatology, Chicago 1952
Boas. Franz.. General Anthropology 1938
Drummond & Mellone: Elements of Psychology 1939
Pride, J.B & Holmes, Janet (Ed) Sociolinguistics 1972

(E) Articles

Joos, Martin (Ed): Readings in linguistics 1957
Romila Thapar: Krishna Rao, P. B. Pandit and P.P. Pathak articles on Indus script, Hindustan Times March 30, 1969
Lall B.B:- Indus Script: Inconsistencies in Claims of decipherment, H. Times 6-4-69
Thaper B.K. Doting of the Indian Civilization Hindustan Times, April 6, 1969
Articles on Lexicography in Encyclopaedia Britannica & Encyclopaedia American —